

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# السلامة

میک پتھوار مصو رسالہ

پیرسول منجر خصوصی

احمد علی لکلام الدہلوی

مقام اشاعت  
پتھوار پبلشرز  
کراچی

پتھوار : یکشنبہ ۴ اگست ۱۹۹۲ ع

۴۸



فہرست

تصاویر

مضامین

۱	شہزاد
۲	ایڈیٹوریل نوٹس
۷	مقالات
۹	ناموران فزوق طرابلس
۱۰	کارزار طرابلس
۱۴	مغرب اقصی
۱۵	عالم اسلامی
۳	عمود شوکت پاشا اسپج دے رہو مین
۴	عثمان ہوائی جہاز کی رسم افتتاح
۹	زوارہ کا عثمان کیمپ
۹	ملازم احمد خیری بک
۱۰	ساحل بیروت پر گوہ باری
۱۴	مراکو کا یو تاج پادشاہ

قیمت فی پرچہ ساڑھے تین آنہ





# آلاءِ حق

ایک ہفتہ وار مضمون

میرسول نرگھوڑی

احمد علی شاہ کلام الدہلوی

قیمت

سالانہ ۸ روپے

ششماہی ۴ روپے ۱۲

اعت

اسٹریٹ

کے

جلد ۱

کاغذ : یکشنبہ ۴ اگست ۱۹۱۲ ع

نمبر ۱

میں کسی قدر عمدہ اور صاف و نمایاں نہیں ہوا۔ لیکن اس سبب یہ ہے کہ جن تصویروں سے نقل لی گئی ہیں خود وہ عمدہ اور نمایاں نہ تھیں۔ لیکن میں شیخ محمد حیدر، سید رضا وغیرہ کی تصویروں سے نہایت عمدہ نہیں اسلئے انکا ہاف تو اس نہایت عمدہ طرز ہوا۔ لیکن (جنگ طرابلس) کی تصویروں کے تو اسی نوعیت سے سبب سے اس قدر اچھے ہیں۔ اور اس کے سوال کی یہاں گنجائش نہیں۔ پھر بھی نظروں کو معلوم نہیں کہ ان تصویروں کو قابل اشاعت بنانے کیلئے کس قدر وقت صرف کیا ہوتا ہے اور کس درجہ دیدہ ریزی سے انہیں ایک نیا رنگ چڑھا کر نقل لی جاتی ہے۔ انشاء اللہ ہم نے تصویروں کا جو نیا بندوبست کیا ہے اسکی تکمیل میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔ اس وقت ہم جنگ طرابلس اور دیگر مختلف مضامین کے متعلق تصویروں نہایت عمدہ شائع کرسکیں گے اور اس کے کی دلچسپی بہت بڑھ جائے گی۔

اور سچ پوچھئے تو تصویروں کی اشاعت کو ہمارا ایک ضمنی کام ہے اور زیادہ تو اسلئے ہے کہ :

ہم میں اہل نظر بھی ہیں انسانی بھی

روزہ فی الحقیقت ہماری اصلی دلچسپی اور شغف کیلئے تو صفات الہیہ کا وہ مرقع کافی ہے جسکی نسبت خود اس کے بنائے والے نے کہا ہے کہ : (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة) قرآن ہی اسی تصویر الہی کا عکس ہے (خلق القرآن) اور ان تصویروں سے جنکو محویت ہوگئی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ کو لیکر کیا کریں گے ؟

## شذات

حضرات شاذ (الہلال) میں اور مختلف حالت میں پراس کی بد نظمی کا ذکر ہے۔ ہم نے اس کی وجہ سے بہت سی باتوں میں بد نظمیوں کا ہمیں خود اعتراف ہے جو رفتہ رفتہ دور ہوتی رہیں گی۔ لیکن تصویروں کے بارے میں تو یقین دلاتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ ہم نے اول تو تصویروں کے ہلاک بنانے کا انتظام جس کارخانے کے سپرد کیا ہے وہ تمام ہندوستان میں اول درجہ کا کارخانہ ہے اور یہ نہایت ضروری نہیں کہ کلکتہ سے بہتر ان چیزوں کا انتظام اور کہیں نہیں ہوسکتا۔ پھر اخبار کیلئے (پین) کی ڈبل کراؤن مشین الگ اور مخصوص رہی ہے اور اس فن کے جاننے والے جانتے ہیں کہ چھپائی کے نازک کاموں کیلئے اس کارخانے اور اس سائز کی مشین مشہور ہے۔ ہم نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا اور خاص ہاف ٹون کی چھپائی کی تبدل مشین بھی خرید لی اور بعض تصویروں کو اخبار سے الگ چھاپنے کا انتظام کیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ رنگین اور مختلف رنگوں کی چھپائی ہوئی تصویروں عنقریب ہم اسی مشین پر چھاپکر شائع کرسکیں گے۔ پھر روشنائی بھی جو ہم استعمال کرتے ہیں نہایت اعلیٰ قسم کی ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ آرزو کیا انتظام کرسکتے ہیں ؟

لیکن اسمیں شک نہیں کہ باوجود اس کے بعض تصویروں دیکھنے

—\*—

(الہلال) کی بالاعمال دھارا کا پیک شائع کی جاتی ہیں  
 ہر ہفتہ تعداد بڑھتی جائے گی۔  
 اسکی اشاعت زیادہ تر تعلیم یافتہ اور اعلیٰ طبقہ میں  
 ہو جو عام اخبارات کو بہت کم دیکھتے ہیں۔

L5329

922

(اشتہارات) کیلئے ٹائٹل پیج کو دو صفحو مخصوص  
 کر دے گئے ہیں

یورپ میں اشتہار کی ترتیب اور اشاعت ایک مستقل  
 فن ہو، اشتہار کیلئے پہلی چیز یہ ہے کہ وہ باوجود  
 اشتہار ہونے کو اپنی اندر کوئی ایسی کشتی رکھے کہ اخبار  
 کو مضامین سے ہٹ کر نظرین اسکی گرویدہ ہو جائیں، انگریزی  
 اخبارات و رسائل میں اسکو لٹو طرح طرح کی تدبیریں  
 کی جاتی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر اسے اسے جو بھر کی  
 چھپائی میں ممکن نہیں۔

مثلاً اشتہار میں خوشنما ہاف ٹون یا انگریو نیگ  
 تصویر دیدی، یا خوشخط اور خوبصورت لکھواکر اسکو  
 فوٹو کا بلاک بنوالیا، یا کوئی ایسا طعرا اور نقشہ درج کر دیا  
 جسکی وجہ سے اشتہار تمام اخبار میں ممتاز رہو، اور  
 نظرین مجبور ہو ہوکر اسپر بڑھیں، لیکن یہ تمام باتیں  
 بغیر (ٹائپ) کی چھپائی کو محال ہیں

(الہلال) پہلا اردو رسالہ ہو جو ان چیزوں کا  
 انتظام کر سکتا ہو

البتہ ہر قسم کو اشتہار کی شرح اجرت علیحدہ ہوگی  
 خط و کتابت سے دریافت کیا جاسکتا ہو

## قسطنطنیہ میں ہجوم مشکلات

اور تصادم احزاب

( ۳ )

اسکے بعد ہی دربار دہلی کے موقع پر ( شہنشاہ انگلستان ) پورٹ سعید سے گذرے اور یہ قرار پایا کہ تبریک و تہنیت کیلئے ایک ترکی وفد بھیجا جائے چونکہ ( کامل پاشا ) کی انگریزی محبوب القلوبی مسلم تھی اسلئے واپسی عثماني کے ساتھ اسی کو بھیجنا طے پایا اور خرطوم سلطانہ لیکر مصر روانہ ہو گیا ' پورٹ سعید میں لارڈ کچنر اور خدیو کے ساتھ ترکی وفد جہاز ( مدینہ ) میں پیش ہوا تو گر کامل پاشا رئیس وفد کی حیثیت سے نہیں گیا تھا مگر ہر موقع پر مخصوص طور پر اسکی پذیرائی کی ' گئی یہاں تک کہ خود بادشاہ تو کھڑے رہے اور ( بادشاہ بیگم ) کے ساتھ کامل پاشا کو کرسی دی گئی اور اسکی تصویر اخباروں میں شائع ہوئی ۔

اسی سفر میں کامل پاشا نے اتحاد و ترقی کے خلاف اپنی مشہور چٹھی ( المود ) میں شائع کی جو انگلستان میں اتنی مقبول ہوئی تھی کہ تمام سربراہان اخبارات نے اسے ترجمے تعریفی حواشی کے ساتھ شائع کئے ۔

بہر حال کم از کم یہ نئی پارٹی پارلیمنٹ کو برہم کر دینے پر کامیاب ہو گئی اور مختلف کارروائیوں کے ذریعہ یورپ پر ظاہر کیا گیا کہ اتحاد و ترقی سے اب تمام ملک اکٹا گیا ہے ۔

لیکن اتحاد و ترقی کی جڑیں اتنی کھوکھلی نہ تھیں جو اس تیشے سے گرجائیں ' جون ہی دوسرا انتخاب شروع ہوا تمام علم نے دیکھ لیا کہ پھر اتحاد و ترقی سے عثمانی پارلیمنٹ کی نشست ہوئی ہے ۔

یہ اتحاد و ترقی کی سب سے بڑی فتح تھی ' اگرچہ اسی زمانے میں عربی اور ترکی زبان کا سوال نہایت اشتعال انگیز صورت میں اٹھایا گیا تھا اور تقریباً تمام اتحاد و ترقی کے ترک ممبروں کی طرف سے اہل عرب افسردہ خاطر تھے ' مگر انتخاب کے موقع پر تمام شام و دمشق میں بھی بغیر کسی کوشش کے اتحاد و ترقی کے ممبر بھی منتخب کیے گئے اور دمشق میں تو ( حزب الائتلاف ) کا ایک باغی جنازہ بھی نکالا گیا اور اس سوانگ میں وہاں کے تمام بڑے بڑے اشخاص شریک ہوئے ۔

اس شکست کے بعد انگلستان پھر کچھ دنوں کیلئے قسطنطنیہ میں خانہ نشین ہو گیا ۔

اتحاد و ترقی کی دوسری فتح

جبکہ قسطنطنیہ کے اندر یہ نزاع احزاب جاری تھا ' عین اسی وقت اتلی کے جنگی جہازوں نے ساحل طرابلس پر گولہ باری شروع کر دی اور تمام ساحل پر اپنی ناقابل مقابلہ بحری قوت کا پہرہ بٹھا کر عثمانی فوج کا راستہ بند کر دیا ۔

( خیر القرون ) تین قرن تک بھی نہیں پہنچا اور ( خیر القرون ) ' تم یلونہم ) ہی پر ختم ہو گیا ' اب تو خود ( علی گڈہ ) کا حال ہے کہ :

جو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی ؟

سے پہلی بدعت اسلام کے ( جیش ابو اسامہ ) کے اولین اختلاف کی طرح تو ( شملہ دیپوٹیشن ) تھا ' جبکہ تمام نصوص قطعہ کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کو پولیٹکل اعمال میں شرکت کی اجازت دینی ( گورسما و اسماء اور

آن ہم بسعی غمزہ مردم شکار دوست )

اسکے بعد ( فتنہ شہادت عثمان ) کے مقابلے میں ( مسلم لیگ ) قیام قرار دے لیجئے کہ ( تعلیم ) کے مقدم مسئلے کو چھوڑ کر ایک ( کانگریس ) کے شجر ممنوعہ کی طرف ہاتھ بڑھایا ' پھر تو فساد کا ایسا سلسلہ شروع ہوا گویا بنی امیہ کے دور کی حالت شروع ہو گئیں ' سب سے بڑا کفر تو یہ ہوا کہ ( طرابلس ) کے ( لیگ ) کی طرف سے بھی ایک تاریخی بھیج دی گئی ' اور بعد ازاں ایشیا کے بائی کات کا فتوا بھی دیدیا گیا ' حالانکہ ۱۸۹۱ء میں ( فتح یونان ) کے موقع پر یمنی کے مسلمانوں کی طرف پر ( شہر سید مرحوم ) اس قدر برہم ہوئے تھے کہ صدر اول میں مسئلہ تقدیر کی کد و کاوش پر بھی اتنی برہمی ظاہر نہیں ہوئی تھی ' بالآخر انکو سمجھانا پڑا تھا کہ " اس طرح کی باتیں خفیف ہوتی ہیں داخل ہیں اور بغیر گورنمنٹ کی مرضی لئے ہرے کرنا فرض اطاعت شعاری کے خلاف "۔

ایسے سخت دور فساد میں ہم کو تو مسلمانوں کے تہیت پولیٹکل نائب کے سچے اور محض کتاب و سنت پر چلنے والے عامل یہی بزرگ نظر آتے ہیں اور اپنے اخوان مذہب کی گمراہی پر متعجب کہ کل کہاں تھے اور آج کہاں گر گئے ؟ لطف کی بات یہ ہے کہ اب انکے ہم مشرب انکا تمسخر اڑاتے ہیں اور وہ خون کے گھونٹ پی کر اب ہو رہے ہیں ۔

انقلابات ہیں زمانے کے

نذیر احمد مرحوم اور ترستیاں علی گڈہ کالج

مولوی بشیر الدین صاحب نے سرزمین کالج کے تمام طبائع مسائل کو بھول کر اسکی کوشش کی کہ انکے والد ( مولانا نذیر احمد ) یادگار کالج میں قائم کی جائے ' یہ مانا کہ مرحوم ان لوگوں میں تھے علم و فضل اب پھر ہندوستان میں اپنی صورت نہیں دکھلائے گا ' یہ بھی سچ سہی کہ انکا احسان کالج کی دروازہ ہی پر نہیں ' بلکہ بنیاد تک میں موجود ہے ' مگر ان باتوں سے کیا ہوتا ہے ' کالج ہاتھ میں تو ہر شے کے تولنے کیلئے روئے کا ترازو ہے ' انکی یادگار قائم ہے کا مسئلہ اگر جلب زر کا ذریعہ ہوتا تو مولوی بشیر الدین ابھی خلیفہ و تکفین سے فارغ بھی نہ ہوئے ہوتے کہ اخباروں میں ایک نئے ادکاری برورنگ ہاؤس کا اعلان ہو جاتا ۔ اس دروازے کو ہاتھ سے ہٹا ' بلکہ کسی بوجھل جیب سے کھٹکائیے تو جواب ملے گا ۔

من کو انکی خبر نہیں اور خبر ہو تو کیونکر؟ تو کہہ  
انہوں نے مذہب کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اسکی اشاعت کو  
کوئی مفید کام سمجھیں اور نہ کہی اُن لوگوں کی حالت سے واقف  
ہوے ہیں، جنکو نوکر رکھ کر ساری دنیا کو اپنے میں شامل کرنا چاہتے  
ہیں، اس دور الحاد و تفرج میں تو ہم اسی کو غنیمت سمجھتے  
ہیں کہ کسی پولیٹیکل یا شمار و اعداد کے رقیبانہ تناسب کے خیال  
ہی سے سہی، مگر کم از کم نئے لوگوں کو اشاعت اسلام سے اب اتنی  
نفرت نہیں ہے کہ اسکے ذکر پر ناگ بھوں چڑھائیں۔

شیخ عبد اللہ صاحب تو معذور ہیں، اس عالم کے رہ آدمی  
نہیں، پھر بھی وہ جو کچھ کرچکے یا کرنا چاہتے ہیں اشکو غنیمت سمجھنا  
چاہئے مگر ملک کا تو یہ حال ہے کہ جہاں قومی اشغال کی مختلف  
تجارتیں پیشتر سے موجود تھیں وہاں بعض لوگوں کیلئے  
بھی ایک نیا پیشہ پیدا ہو گیا اور علم لوگوں کی دلچسپی  
بہ نسبت اور پیشوں کے بہت زیادہ نفع بخش اور نفع  
(دہلی) میں ایک مولوی صاحب نے عین موقعہ  
کو تولا، اور جہت پت ایک انجمن (ہدایت الاسلام  
پیچس مولود خواں اور حال بازارں کو سبز دھجیل  
اب ایک اچھی خاصی دکان انکے ہاتھ میں ہے،  
جنس کی مانگ سننے میں آتی ہے، فوراً بیچنے والے کا ہاتھ  
بھیج دیا جاتا ہے، اور پھر رعظ، مولود، نعت خوانی، حال  
جس بازار میں جس مناع کی گرم بازاری ہوتی ہے وہی پیش کر دیا  
جاتی ہے۔ (تجارت) کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے  
(وابغوا من فضل اللہ) مگر قوم کی قوم اس سے نا آشنا  
کہ علمائے کرام اسکی جانب متوجہ نہ ہوئے، قوم کیلئے  
نیک اور مثال زبیں (طالب املی) کو آجکل کی  
معلوم ہوگئی تھی۔

خانہٴ شرع خرابست، کہ ارباب صلاح  
در عمارت گری گنبد دستار خوردند

(انجمن ہدایت الاسلام) اور (دہلی) کے ذکر پر ایک آرزو واقعہ  
ہمیں یاد آگیا (الشی بالشی یذكر) اور گویہ (الہلال) کی اشاعت  
سے پیشتر کا واقعہ ہے مگر یہ کیا ضرور ہے کہ ہم ماضی کی دلچسپیوں  
سے غمزے نہ لیں؟

پیچلی سرکاری فہرست خطابات میں (مولوی عبدالحق) صاحب  
حقانی کو بھی (شمس العلماء) کا خطاب مل گیا:  
بارے ہوئی قبول بڑی التجا کے بعد

ہم نے تو (دربار دہلی) کے موقعہ پر جس وقت مولویوں کے  
(اصحاب الفیل) کا سوانگ دیکھا تھا (الم ترکیف فعل ربک  
باصحاب الفیل) اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ جو چوتیں بے تکلیف  
ساتھیوں پر سے نوکر کرکھائی جا رہی ہیں، انکے لئے ضرور کوئی مرہم  
بھی ملنے والا ہے، البتہ علمائے کرام کے ساتھ ہم کو بھی اس  
افسوس رہ گیا کہ جب شرق نظارہ جمال میں اپنے قیمتی

مسلمان  
من  
ممنوع ہوجائیں کہ دوسری  
بھی نہ ملے: فلا وربک لا یومنون  
ببینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت  
علیہا (۱۹:۴) لا یومن احدکم حتیٰ احب الی من والدہ  
والدہ، والفاس اجمعین (الحديث)  
خوش دلکش ست قصہ خوبان روزگار  
تو یوسفی قصہ تو احسن القصص

تصوروں کی اشاعت کا وعدہ کر لینے کی وجہ سے علاوہ اُن کثیر  
اخراجات کے (جنکا ناظرین کسی طرح اندازہ نہیں کرسکتے جب تک  
اس کام کا تجربہ نہ کرچکے ہوں) آرزو طرح طرح کی دقتیں (الہلال)  
سے ہر ہفتے دست و گریباں ہوتی رہتی ہیں، انکو ہم کہاں تک بیان  
کریں، پیچھا نمبر جگہ نہایت تیزی سے چھپ رہا تھا، یکایک (ایمپوز)  
کرتے ہوئے معلوم ہوا کہ (ساحل بیروت پر گولے باری) کی تصویر  
جسکا نام ٹائٹل پیج پر چھپ چکا ہے، ٹائپ کی سطح سے بلند ہوجانے  
کی وجہ سے کسی طرح نہیں آسکتی، اور اسکو تھوڑے وقت کے اندر  
فہرست بھی نہیں کیا جاسکتا، بالآخر مجبور ہوکر نکال دینی پڑی اور  
فہرست تصاویر کے خلاف (ایرانی مجاہدان) کی تصویر اسکی جگہ  
پرکھ دی گئی، پھر بھی کلم اسلئے جاری رہا کہ ہر وقت کافی ذخیرہ  
طیار تصاویر کا موجود رہتا ہے ورنہ اس وقت کا تو کوئی علاج ہی نہ تھا۔

شیخ عبد اللہ صاحب ایڈیٹر خانوں نے ایک چھپا ہوا مضمون  
بغرض اشاعت بھیجا ہے، جس میں (انجمن تبلیغ الاسلام) کی طرف سے  
اشاعت اسلام کیلئے قوم سے اپیل کی گئی ہے۔ ہم اُسے درج کردیتے،  
لیکن مضمون اتنا بڑا ہے کہ کم از کم (الہلال) نے چار کالم اُس سے  
رک جائیں گے، اور پھر ہمارے خیال میں اسکی اشاعت سے کوئی  
مفید نتیجہ حاصل بھی نہیں۔

اشاعت اسلام ہمارے عقیدے میں ایک ایسی تحریک ہے  
جسکا اگر کوئی صحیح اور موصل الی المقصود انتظام ہو سکے تو آجکل کی  
تمام تحریکیں اور بڑے سے بڑے کام اسکے آگے ہیچ ہیں اور مسلمانوں  
کو تمام کام چھوڑ کر صرف اسی کے پیچھے اپنا وقت اور زریعہ لگا دینا چاہئے  
مگر مشکل یہ ہے کہ یہ مسئلہ جن سخت مشکلات اور پیچ در پیچ  
دقتوں میں ملفوف ہے اسکی لوگوں کو خبر نہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ  
دس پندرہ زریعہ کی قیمت کے چند مولوی اور مولود خواں نوکر رکھ کر  
ہم ہندوستان اور جاپان کو فتح کر لینگے، لیکن:

این خیال ست و محالست و جنون

ہماری معلومات میں اب تک اگر کسی شخص نے اس کام کو اسکی  
جوابی صورت میں دیکھا ہے تو وہ صرف (مولانا شبلی) ہیں۔ ہم میں  
اور اُن میں برسوں سے اس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے اور آجکل بھی  
جب کہیں ایک صحبت پیش آجاتی ہے تو گفتگو اسی مسئلہ  
کی مشعل



مبعوثان اور مجلس اعیان کے سامنے بحث و مذاکرہ کیلئے آئے پیش۔  
 کردیا جائے اور جہاں تک جلد ممکن ہو اسکی منظوری کا فیصلہ  
 کرے سلطان المعظم کی خدمت میں آخری تصدیق کیلئے بھی بھیج دیا  
 جائے، تاکہ بغیر رقت ضائع نہ اس اہم مسئلہ کی طرف متوجہ  
 ہوسکیں۔  
 وہ دو دفعات یہ تھیں :

(۱) عثمانی فوج کا جو افسر یا سپاہی سیاسی اجتماعات یا  
 کسی سیاسی مظاہرے میں شریک ہوگا اسکو دو ماہ سے چار ماہ تک  
 کے قید کی سزا دی جائے گی، اور اسکو اس کی پلٹن سے کسی  
 دوسری پلٹن میں بھیج دیا جائے گا۔ نیز اس تبدیلی کیلئے خرچ سفر  
 بھی نہیں ملے گا۔

اگر یہ جرم پھر دوبارہ سرزد ہوا تو اسکا نام فوراً فوجی ملازمت سے  
 کٹ دیا جائے گا اور دو سے چھ ماہ تک کے قید کی سزا دی جائیگی۔  
 اور اگر کوئی چھوٹے درجے کا افسر یا علم سپاہی ہوا تو اسکو پورے  
 چھ ماہ کے قید کی مع تجدید قید کے سزا دی جائے گی۔  
 (۲) اگر کوئی فوجی افسر کسی پولیٹکل جماعت میں شریک  
 ثابت ہوا تو اسکو فوجی ملازمت سے خارج کرنے نیز دو سے چھ ماہ تک  
 کے قید کی سزا دی جائے گی۔

جسکی بنا پر سیاسی اشتغال کو قانونی جرم قرار دیا جا سکتا  
 ہے اسکی وجہ سے کوئی قانونی دباؤ قائم رہتا۔ (محمود شوکت)  
 ایسیوں طریقے سے بار بار سمجھایا، متعدد اعلانات شائع کئے، چند  
 سو کرسزائیں بھی دیں، لیکن ہر سپاہی جانتا تھا کہ یہ وزیر  
 ملک کی ایک ذاتی سیاست ہے ورنہ قانوناً کوئی سختی اور تشدد  
 ہمارے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ بالآخر مجبور ہوکر گذشتہ جون میں  
 (محمود شوکت پاشا) نے ایک نئے قانون کو پارلیمنٹ سے منظور کرانا  
 چاہا اور قدیم قانون عسکری کی ترمیم کو مندرجہ ذیل خط کے ساتھ  
 سینڈ پاشا وزیر اعظم کے پاس بھیجا تاکہ پارلیمنٹ میں پیش  
 دیا جائے۔

”فوجی افسروں کا سیاسی مسائل میں اشتغال“ انکے اصلی فرائض  
 کی ادائیگی کیلئے مانع قوی ہے اور انکے اندر ایک ایسی سرکشی  
 کر دیتا ہے جسکے بعد فوجی نظام و اطاعت، شعاری باقی نہیں  
 رہتی اور یہی دو چیزیں سپاہیانہ فرائض کی اساس ہیں۔ اگر یہی  
 حالت رہی تو یقیناً نتائج وخیمہ سے عثمانی فوج کا مستقبل دو چار  
 گونے، مذاستری نسبت میں نے نہایت تاسف کے ساتھ تحقیق  
 کیا ہے کہ ہمارے فوجی افسر بعض سیاسی پارٹیوں



محمود شوکت پاشا میدان قواعد میں فوج کے (سیاسی اشتغال) کے مسئلے پر اسپیکر دے رہے ہیں۔

پارلیمنٹ میں جب سعید پاشا نے اس خط کو پیش کیا تو پورے  
 اردن تک مذاقہ جاری رہا، لیکن بالآخر اثرات کے غلبے سے ترمیم  
 پاس ہوگئی اور مطابق قانون اساسی کے سلطان المعظم نے اس  
 آخری دستخط کیلئے بھیج دیا گئی۔

اسی اند میں (محمود شوکت پاشا) نے ایک بہت بڑی فوجی  
 قواعد کا حکم دیکر اس مسئلہ پر ایک آخری ناصحانہ لیکچر دیا  
 اور تمام فوجی افسروں کو سمجھایا کہ ملک کی حالت نازک ہو رہی ہے  
 محض تائید الہی ہے جس نے طرابلس کی کشتی کو ڈوبنے سے  
 بچالیا، ایسی حالت میں قبل اسکے کہ فوجی سزا کی ترمیم کا  
 عمل درآمد شروع ہو، خود فوجی افسروں کو سیاسی اشتغال سے دست بردار  
 ہو جانا چاہئے۔

اس اسپیکر کا عام طور پر بہت اچھا اثر پڑا، اتحاد و ترقی کے حلقوں  
 میں تعریف کی گئی مگر (طلین) نے لکھا کہ کوئی فوجی افسر اسکے  
 برخلاف نہیں ہے بشرطیکہ حزب الائتلاف اپنی خفیہ تدابیر اور اجانب  
 کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے باز آجائے۔

پیش شریک، اور سیاسی معاملات و افکار سے دلچسپی لیتے ہیں۔  
 جس عرصے سے اس بارے میں فوج کو متواتر نصیحت کر رہا ہوں، میں  
 بار بار اسکے متعلق اعلانات شائع کئے اور عبرت و تنبیہ کیلئے سزائیں  
 دیں، لیکن چونکہ فوجی تعزیرات کے قانون میں اسکے لئے کوئی  
 دفعہ نہیں ہے، اسلئے میرے تمام احکام ضعیف الاثر اور بے نتیجہ  
 بنتے ہوئے اور سپاہیوں کی جسارت بڑھتی گئی، ایسا ہونا ضروری  
 ہے کیونکہ کوئی قانونی تائید میرے ساتھ نہ تھی۔

بیشک، جدید (قانون تعزیرات عسکری) کی ترتیب میں پارلیمنٹ  
 مشغول ہے مگر دیکھنا ہوں تو اسکی باقاعدہ بحث و تدقیق اور  
 تدریجی خواندگی، اور پھر پاس ہونے کیلئے بحالت موجودہ کئی سال  
 درکار ہیں، لیکن حالت کی نزاکت اتنے عرصے کے انتظار کی متحمل  
 نہیں ہوسکتی، پس میں مجبور ہوا ہوں کہ قدیم قانون تعزیرات  
 عسکری پر دو نئی دفعات کی ترمیم کا مسودہ پیش کروں، ان دفعات  
 میں اس خط کے ساتھ آپکی خدمت میں بھیجنا ہوں تاکہ مجلس

کیونکہ جنگ طرابلس سے (مسئلہ مصر) کو جو تعلق ہے وہ اٹلی کی مشکلات کی صورت میں انگلستان کیلئے بہت زیادہ نقصان رساں اور پیچیدگیوں پیدا کرنے والا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ (محمود شوکت پاشا) کا دفتر جنگ کسی حالت میں بھی صلح کیلئے راضی ہو کر تمام ملت بلکہ تمام عالم اسلامی کا غیظ و غضب خرید نہیں سکتا تھا، انگلستان نے جو شرائط صلح کیلئے پیش کی تھیں اور جنکو (الہلال) کے دوسرے نمبر میں (جون ترک) کی زبانی ہم سن چکے ہیں اسکے تو یہ معنی تھے کہ مصر اور مراکو کی طرح طرابلس بھی عثمانی حکومت کا براے نام زیر اثر قرار دیکر اٹلی کو دیدیا جائے، برسہ حکومت وزارت اور پارلیمنٹ نے اس ذلیل کن صلح کی منظوری سے صاف انکار کر دیا تھا اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب ترکی شکست کی حالت میں جان بچانے کیلئے مجبور ہوتی حالانکہ حالت بالکل برعکس ہے، پس انگلستان نے پچھلی (حزب الائٹلاف) کی طرح اب ایک مرتبہ آور (کامل پاشا) کے بستر پیروی سے فائدہ اٹھانا چاہا اور نئی وزارت قائم کر کے اٹلی کو اسکی خود لائی ہوئی ہلاکت و بربادی سے بچانے کی سعی کی (استکباراً فی الارض و مکر السئی) لیکن (ولایحیق مکر السئی الا باہلہ) گو نئی وزارت قائم ہوئی مگر ناممکن کو ممکن دکھانا آسان نہیں ہے، کل خود ریوٹر نے یہ خبر شائع کی ہے کہ ”نئی وزارت نے بھی جنگ کو بدستور جاری رکھنے کا فیصلہ کر دیا“

نہ صرف ہمارا بلکہ مصر کے اخبارات کا بھی یہی خیال ہے کہ (محمود شوکت پاشا) کے مستعفی ہونے کی اصلی علت (مسئلہ صلح) کی ریشہ دوانیاں ہیں گو مصالح ملکی کی وجہ سے خود انکو دوسری تاویل کرنی پڑی۔

قانون عسکری کی ترمیم اور محمود شوکت پاشا

(حزب الائٹلاف) نے اپنے اس دوسرے ظہور میں جس طرح (کامل پاشا) کو وزارت تک پہنچایا ہے، اور جس اعمال مخفی میں وہ پچھلے دنوں مشغول رہی ہے، اسکو ہم آگے چل کر بہ تفصیل بیان کریں گے، اُس وقت ناظرین کو معلوم ہوگا کہ نہ صرف مسئلہ صلح اور انقلاب وزارت، بلکہ البانیا کی شورش، مالیسوریوں کے مطالبات اور مذاستری فوجی بغاوت بھی اسی پارٹی کے اسرار و خفایا ہیں اور اجانب کا قومی ہاتھ انکو آگے رکھ کر اپنا کام کر رہا ہے، لیکن یہاں ترتیب بیان کو قائم رکھنے کیلئے (محمود شوکت پاشا) کی عاجزگی کے گرد و پیش کے حالات پر ایک نظر ڈال لینی چاہئے (صادق بے) کی پارٹی کے بعد سے (محمود شوکت) کو اس سعی میں رہے کہ فوجی عنصر کو سیاسی اشتغال سے باز رکھا جائے اور اس طرح جو ایک فوجی حکومت کا رعب چھایا ہوا ہے اور جسکی وجہ سے ہر وقت نظام حکومت درہم و برہم ہو سکتا ہے اسکا استیصال کلی ہو۔

لیکن اس راہ میں سخت مشکلات اور دقتیں یکے بعد دیگرے پیش آتی رہیں، سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ قانون اساسی میں فوجی عقوبات کی جو دفعات تھیں اُن میں کوئی دفعہ ایسی

یہ کہنا ضرور نہیں کہ اُس وقت ترکی کے خیر خواہ کس مائٹری کے ساتھ افریقہ کے عہد اسلامی کے اس آخری نقش قدم کو دیکھ رہے تھے کہ یہی اثنا میں (انور بک) اور چند دیگر نوجوان ترکوں کے طرابلس جانے کی خبریں مشتہر ہوئیں دشمنوں اور دوستوں دونوں نے ہنسکو حقارت کی کہ چند نوجوان ترک جو عربی زبان میں چار لفظ بول بھی نہیں سکتے طرابلس جا کر کیا کریں گے، مگر چند ہفتوں کے اندر ہی قدرت الہی کی نیرنگیوں نے دنیا کو متحیر کر دیا اور تمام حالات جنگ یکایک متغیر ہو گئے۔

یہ جو کچھ ہوا فی الحقیقت اتحاد و ترقی کے نوجوان ممبروں ہی کی سعی سے ہوا، جسقدر عثمانی مجاہد اس وقت طرابلس اور برقہ کے مختلف حصوں میں چالیس کھنڈر مسلمانوں کی عزت سنبھالے ہوئے ہیں، وہ سب کے سب تقریباً اتحادی ہیں۔

ملک کیلئے یہ عظیم النظیم جان فروشی بے اثر نہ تھی۔ یہ واقعہ بھی حزب الائٹلاف کی ناکامی کی ایک بہت بڑی علت ثابت ہوا اور انجمن کی تمام شکایات کو لوگ بھول گئے۔ عارضی سکون اور خاموشی

اسکے بعد سیاسی جماعتوں کے جنگ و جدال میں ایک عارضی

سکون و سکوت پیدا ہو گیا، گویا یہ ایک مہلت جنگ تھی۔

یعنی آگے بڑھیں گے دم لیکر

جنگ طرابلس نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، اور یہ قاعدہ ہے کہ دروازے پر ڈاکو کا گرہ پہنچ جائے تو گھر کے اندر کی سخت سے سخت لڑائیاں بھی موقوف ہو جاتی ہیں۔ فی الحقیقت جنگ طرابلس کے صدھا نتائج مفیدہ میں سے یہ ایک بہت بڑا کرنامہ ہے کہ عین پارٹیوں کے نزاع مخدوش ترین موقعہ پر جبکہ نہیں معلوم حالات کس درجہ ملک کی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیتے، اس جنگ نے ظاہر ہو کر ایک عام اندرونی صلح قائم کر دی اور ملک ایک سب سے بڑے مہلک خطرے سے محفوظ ہو گیا۔

جنگ بعد از صلح

لیکن گذشتہ دو ہفتوں کے اندر یکایک انقلابی خبروں سے دنیا دو چار ہوئی، پہلے (محمود شوکت پاشا) مستعفی ہوئے، اور پھر وزارت کی تبدیلی سے اتحاد و ترقی اپنے تئیں ایک سخت شکست کی حالت میں پانے لگی، شاید اسکے اصلی اسباب کے متعلق عمرے تک انتظار کرنا پڑتا لیکن (کامل پاشا) کا بستر پیروی سے اٹھ کر پھر باب عالی میں آنا، اُسکے وزیر اعظم ہونے کی افواہ، اور پھر فوجی مجلس کا سلطان سے اُسکی وزارت کا مطالبہ، ان حالات نے خود بخود اندرونی اسباب و علل کو بے نقاب کر دیا اور اب اس انقلاب پر بحث کرنے والا مشکلات سے آزاد ہے۔

درحقیقت اب اس انقلاب کے جغرافیہ میں قسطنطنیہ کے ساتھ افریقہ، اور بھی ملا دینا چاہئے اور جنگ طرابلس کے آخری بین الدول حالات کو سامنے رکھ کر اسکا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اٹلی نے مسئلہ صلح کے متعلق جو ریشہ دوانیاں مضطربانہ شروع کر دی ہیں اُن میں یقیناً سب سے زیادہ انگلستان کا ہاتھ ہے



## ولایت کی داک

— \* —

## محمود شوکت پاشا

— \* —

محمود شوکت پاشا نے چونکہ وزارت جنگ سے استعفا

دے دیا ہے لہذا ڈاکٹر ای - جے ڈبلن نے - جسوقت وہ

قسطنطنیہ میں مقیم تھے - خاص طور پر اُنسے ملاقات کی اور

(ڈیلی ٹیلی گراف) کیلئے یہ مضمون لکھا :-

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خواہ ترکی کا وزیر جنگ ہو خواہ

اس جنگ کے متعلق کس قسم کے خیالات ظاہر کریگا

معارب طاقت کا وزیر جنگ آشتی پرست جماعت کے جذبات

کو روکے تحسین و آفریں کے لائق ہوں، کبھی ہم آہنگ نہیں

ہوتا - اُسکے لئے ضرور ہے کہ اپنا چہرہ شاد و مسرور بنائے رہے اور

غیر ممکن حصول توقعات کو بھی اسطرح رونق دیکر دکھلاے کہ

ات کے درجے تک پہنچ جائیں - جب یہ معلوم ہے تو پھر سوال

اننا میں میں اُسکے کام کے طریقے کو بغور دیکھتا رہا - فی الواقع نہایت

دلچسپ طریقہ نظر آیا - میں نے آر ووزاے جنگ کو بھی دیکھا ہے

کہ وہ لڑائی کے دنوں میں بے انتہا مصروف رہتے ہیں - پس یہ

قدرتی امر تھا کہ میں اُنکے ساتھ اسکا مقابلہ کرتا - (محمود شوکت

پاشا) کے دفتر میں ایک ہی ملکی افسر حاضر تھا جو چھوٹے چھوٹے

مربع شکل کے کاغذات پیش کئے جاتا اور ایک لکڑی کے چمچے سے

بالو اٹھا اٹھا کر دستخطوں کی روشنائی پر چھڑکتا جاتا - اکثر مشرقی

لڑکوں کیطرح وزیر جنگ بھی لکھنے کے وقت میز کو یککلم

آزاد کردیتا ہے اور اپنی بائیں ہتھیلی پر کاغذات رکھ کر بے تحاشا

قلم گھسیٹے جاتا ہے - اُسکی دائیں جانب میز پر (ٹیلیفون) کا

ایک (ٹرمپٹ) لگتا تھا -

[دولت عثمانیہ کے منجملہ گنتی کے چند ٹیلیفونوں کے یہ بھی

ایک ہے - تا حال قسطنطنیہ میں سرکاری ٹیلیفونوں کے سلسلے کا کام

کالعدم ہے، لیکن استنبول میں بعض سرکاری دفاتر نے بطور خود اس

ایجاد کا استعمال شروع کر دیا ہے امید ہے کہ دو تین سال کے اندر



ساحل بیروت پر گولا بازی

ساری آبادی اس جدید آلے کو اپنے کاروبار کے لئے مہیا کر لیگی ] -

دلچسپیوں کا مرکز

جب آخری کاغذ پر محمود شوکت پاشا کا سرطان شکل دستخط

ہو چکا تو میں نے سلسلہ سخن یوں شروع کیا :

”آپ اسوقت تمام دلچسپیوں کے مرکز ہیں جنکی طرف

تمام عالم کی نظریں لگی ہوئی ہیں“ - اُسنے متبسم ہو کر پوچھا

”یہ کیوں ؟“

میں — ”اسلئے کہ ترکی کے دفاع نے اِنظار عالم کو اپنی طرف

کھینچ رکھا ہے اور اسوقت آپ ہی اس دفاع کے روح رواں ہیں -

پلے انور بک کا وجود جالب انظار تھا، لیکن چونکہ اب تمام جدوجہد

جزائر کی سمت منتقل ہو گئی ہے اور عنقریب اسکا قبضہ (زمین) کا

رخ کیا چاہتا ہے، اسلئے وطنی دفاع کا زندہ خلاصہ آپ ہی کا وجود ہے -

دنیا اس امر کے جاننے کے لئے مشتاق ہے کہ جب (زردن) اور دیگر

جزائر آپ کے قبضے سے نکل چکے تو اب فریقین جنگ کی نسبتی

کیفیت کیا ہے ؟“

دا ہوتا ہے کہ اُسکو پھر اظہار خیال کی زحمت ہی نہیں دی جائے ؟

میں اسکے جواب میں بہت سی معقول وجوہ ہیں -

سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ لوگ اس امر کے جاننے کے لئے

بے چین ہوتے ہیں کہ ایسے وقتوں میں اُسکے چہرے کا رنگ، اسکی

گفتار کا دھنگ اور اُسکی وضع قطع ایسی نظر آتی ہے، جب غیر متوقع

سراٹ پوچھے جاتے ہیں اسوقت انداز جواب کیا ہوتا ہے، آبا اپنے

زیر بولتا ہے، یا آرا و امیال کی تبدیلیوں کو دھراتا ہے اور یا پھر اپنے

لہجے کے کلمات و جذبات کی ترجمانی کرتا ہے - یہی وجوہ تھیں جو

میں (محمود شوکت پاشا) تک لے گئیں اور جب میں واپس آیا

مجھکو یقین کامل ہو گیا کہ میرا ملنا رائگان نہ گیا -

حسب معمول یہ (جذول) اپنے کشادہ سرخ و سفید وزرین رنگ

میں بیٹھا بڑی تیزی سے اپنے کاغذات پر دستخط کر رہا تھا -

میرے سلام کا جواب دیکر اُسنے کہا - ”قدرے توقف، میں ابھی آپکی

خدمت گذاری کے لئے تیار ہو جاتا ہوں“ - کئی لمحے گذر گئے اس

جنگ باقاعدہ طور پر ان کے حلقے میں شریک، یعنی کامرید کا خیر  
ہم ان باتوں کو فی نفسہ چنداں اہمیت نہیں دیتے، ا  
ہوا ہے تو ایک اچھے اخبار کیلئے اس سے زیادہ ہونا چاہئے، المورید  
نے اگر ترجمے شائع کر دیے تو یہ کونسی عزت بخشی ہے، کامرید  
تو ایسی ترقی کرنی چاہئے کہ ٹائمس اور پالمال گزٹ اس کے اقتباس  
چھاپیں۔

لیکن ہم ان حالات کو دوسری نظر سے دیکھتے ہیں اور خو  
ہوتے ہیں، مسلمانوں کی دنیا میں بین الملی زبان عربی تھی  
مختلف اطراف عالم کے مسلمانوں میں باہم ذریعہ اتحاد ہونے  
لحاظ سے ایک قدرتی اسپرنگو کا کام دیتی تھی۔ مگر ہندوستان  
مسلمان اب عربی میں چار لفظ بول تو سکتے نہیں، عربی میں ا  
رسائل کیا نکالیں گے، ایسی حالت میں غنیمت ہے کہ انگریز  
زبان کی عالمگیری کے سبب سے کم از کم اتنا تو ہوا کہ اہل  
و قسطنطنیہ ہندوستان کے مسلمانوں کے خیالات سے کامرید کی بدولت  
راست واقف ہو سکے اور ایک ذریعہ اتحاد و مبادلہ خیالات پیدا ہو سکے  
البتہ مسلمانوں کو اپنی بدبخنی پر رونا چاہئے کہ آج اپنے ا  
مصر و عثمانی سے ملنے کیلئے انہیں اپنی تمام زبانیں چھوڑ کر انگریز  
زبان کا سہارا ڈھونڈنا پڑا ہے اور حالت اس درجہ گئی گذری ہے  
افسوس کی جگہ اسی کو غنیمت سمجھ کر ہم اسپر خوش ہو رہے ہیں  
حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر ست  
رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت

باز از نجد و از یاران نجد

ابنویہ حال ہو گیا ہے کہ خواہ کوئی بحث ہو، مسلمانوں کو  
پولٹیکل خودکشی کا مسئلہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ (کامرید) کو دیکھا  
ان لوگوں کو شرمانا چاہئے جو درسوں سے یہ کہہ کہہ کر قوم کے تمام اعضاء  
عاملہ کو شل کر رہے ہیں کہ ”مسلمانوں کے لئے ابھی پولٹیکل کاموں کا وقت  
نہیں آیا“ اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ”ہندوں کے مقابلے میں  
ہم میں تعلیم اور قابلیت کا معدوم ہے“ لیکن اگر اپنے تئیں ہمیشہ  
ایسا ہی اپنے اور معطل سمجھا جائے گا جیسا کہ برسوں سے یقین کرا  
جارہا ہے، تو وقت تو قیامت تک نہیں آئیگا۔ قابلیت اور صلاحیت  
بھی مثل عام قوائے انسانی کے ایک قوت ہے اور خارجی محرکات  
کی محتاج، جب مسلمانوں کے سامنے ابتدا سے کوئی بلند نقطہ نظر  
اور جوش انگیز مقصود نہیں ہے تو قابلیتیں کیونکر ظہور کریں اور آدمی  
کیونکر پیدا ہوں۔ یہی مسٹر محمد علی ہیں جو ان تمام تعلیمات  
و ہدایات عالیہ کے مرکز جمود (علی گڑھ کالج) کے تعلیم یافتہ، اور ایک  
دیسی ریاست کے عہدہ دار تھے۔ چند مضامین اور ایک رسالہ لکھے  
انہوں نے اپنی قابلیت ضرور منوالی تھی، لیکن کوئی بھی انکی  
موجودہ حیثیت علمی سے واقف نہ تھا، لیکن جب زمانے نے  
صہلت دی اور قوتوں کو چمکنے کے اسباب میسر آئے، تو آج کوئی  
نہیں جو انکی انگریزی انشاپردازی اور قوت تحریر و بحث  
معترف نہ ہو۔

لیکن حزب الائتلاف قسطنطنیہ کے برتس سفارتخانے میں ایذا کم  
وزی ہوشیاری اور مستعدی سے انجام دے رہی تھی، ابھی (محمود  
شوکت) کی ترمیم پر سلطان المعظم کے دستخط بھی نہیں ہوئے تھے  
کہ دو واقعات ایک سا گہ ظاہر ہوئے، اول تو مسئلہ صلح کی اندرونی  
ریشہ درانیوں، دوسرا مناسٹر میں بارہ رجمنٹوں کی بغاوت کی خبر کا  
اعلان، یہ حالت دیکھ کر (محمود شوکت) کو کنارہ کشی کے سوا اور  
کوئی چارہ کار نظر نہیں آیا اور انہوں نے معاً اپنا استعفا وزیر اعظم کے  
پاس بھیج دیا، اس کے ساتھ جو چٹھی انہوں نے لکھی تھی اس کا ترجمہ  
(العلم) میں چھپ گیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”پچھلے آخری دنوں میں جب اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ  
فوجی افسروں کو اشتغال سیاسی سے باز رکھنے کیلئے ایک قانون وضع  
کیا جائے تو اس عاجز نے دو دفعات پیش کیں تاکہ بصورت  
ضمیمہ قانون تعزبات عسکری کے قرار دیا جائے، مجلس مبعوثان نے  
اسے منظور کیا اور مجلس اعیان نے بھی آج اسکو پاس کر دیا، پس  
اب وہ ایک باقاعدہ قانون ہو گیا ہے، اس کا حکم اب قطعی ہوگا اور  
عقربت تمام فوج پر نافذ ہو جائے گا۔“

تین سال ہو گئے کہ میں منصب وزارت پر مامور ہوں، اور اتنے ہی  
عرصے میں یہ مسئلہ بھی پیش نظر ہے، پس میں مصلحت اب  
اس میں دیکھتا ہوں کہ اس نئے قانون کے احکام کا نفاذ میری جگہ  
کسی نئے وزیر جنگ کے ہاتھوں عمل میں آئے۔

نیز گذشتہ ایام میں کثرت اشغال کے سبب سے مجھے بہت  
محنت کرنی پڑی ہے اور اس کا اثر بھی محسوس کر رہا ہوں پس عہدہ  
وزارت جنگ سے اب میرا استعفا منظور کیا جائے۔

میں آپ کی خدمت سامی میں اپنا دلی شکریہ اس توجہ  
و لطف کیلئے بھی پیش کرتا ہوں جو گذشتہ نومہ کی معیت میں  
آپکی جانب سے مجھے ہر مبدول رہی ہے، اور آپ نے ہمیشہ ان  
مسائل کو فراہم کرنے پر توجہ فرمائی ہے جس سے مجھکو اپنی  
ماموریت میں سہولت اور آسائیاں ملتی رہیں۔  
(محمود شوکت - ۹ جولائی)

کامرید کی ممالک اسلامیہ میں مقبولیت

ہمارے محب عزیز و جلیل مسٹر محمد علی کا (کامرید)  
روز بروز ممالک اسلامیہ میں جس قدر مقبول ہو رہا ہے، ایک خاص  
مصلحت سے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ذکر کریں۔

(کامرید) ابتدا سے بہت کم عربی اخبارات کو مبادلے کے لئے  
بھیجا گیا، لیکن تاہم اس کے دلچسپ اور پر زور مضامین نے اپنی جگہ  
وہاں بھی ڈھونڈھ کر بہت جلد پیدا کر لی، ہم کئی مہینوں سے برابر  
دیکھ رہے ہیں کہ المورید، العلم، اور اللوا میں اس کے مضامین کا ترجمہ  
کیا جاتا ہے اور ابھی قاک میں بھی ان کے دو لیدر (مسلمانان چین  
وروس) بتغیر زبان موجود ہیں، قسطنطنیہ کے مشہور با رقت  
جرنل (ثروت فنون) نے ان کے کارٹون نقل کئے اور اب ان کا فوٹو بھی  
چھاپا ہے، اور یہ قوشاید کامرید کے ناظرین کو معلوم ہے کہ ترکی کا دفتر

براہ عنایت خط و کتابت میں وہ نمبر اپنے نام کے ساتھ ضرور  
 لکھ دیا کیجئے جو ہر پرچے کی جت پر آپ کے نام اور پتے کے اوپر درج  
 رہتا جاتا ہے، وہ خریداری کا نمبر ہے اور بغیر اس کے رجسٹر میں صرف  
 نام کو تلاش کرنا سخت دقتوں کا موجب ہوتا ہے۔ (منیجر)

وزیر جنگ — ”اب سے کیوں؟“

میں — ”کیونکہ عام طور پر یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ بحری کارروائی کا خاتمہ جزائر کے قبضہ پر ہوا تو جنگ کی بھی نئی صورت قائم ہو جائے گی“

وزیر جنگ — ”آپ لوگوں نے بھی ایسا ہی فرض کر لیا ہے؟“  
قوم میں جو نئی علامتیں پیدا ہو گئی ہیں وہ آپ کو نظر آتی ہیں؟  
میں — ”گزشتہ دسمبر میں جیسی جنگ جو یا نہ رزح نظر آتی تھی اب تک ذرا بھی اُس میں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی ہے۔  
بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ جوش اور ہوا نظر آتا ہے۔ یہ ضرور ایک کھلی ہوئی بات ہے، لیکن کھلی ہوئی باتیں بھی ہمیشہ انقطاعی نہیں ہوتیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قومیں اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر صرف اپنے لیدروں کے بتائے ہوئے مقامات پر ہی نگاہ رکھتی ہیں اسلئے میں فقط اس بات کے جاننے کا آرزو مند ہوں کہ تازہ حالات پر نظر کر کے آپ نے اپنی رائے میں ترمیم تو نہیں کر لی؟“

وزیر جنگ — ”مطابق نہیں۔ ترمیم کا تو نام ہی نہ لیجئے جب ہم پر حملہ ہوا تھا اسوقت بھی ہم صلح و آشتی پر مائل تھے اور جب اس ظالمانہ حملے کی کہانی ختم ہو جاوے گی اس وقت بھی ہم صلح ہی چاہیں گے۔ آخر تک دفاع ہی ہمارا شعار رہیگا۔ قدرتی امور (دفاع) ترمیم طلب نہیں ہوتے۔ ہاں سلسلہ عمل میں ترمیم ہوئی تو معلومات عید بھی التزاماً ترمیم ہوگی۔  
ہم کو تلوار اپنی نیام میں ڈالنے پر اسوقت مجبور کیا جسکے کا جب خود دشمن کی تلوار بھی نیام میں واپس ہو جائے گی“

ہوائی جہاز اور سب میزوں (تحت البحر کشتیاں)

میں نے کہا ”حملہ عموماً موثر قسم کا دفاع تصور کیا جاتا ہے۔ میں نے آپ کے دشمنوں کو آپ کے طریق جنگ پر اس بنا پر نکتہ چینی کرتے دیکھا ہے کہ آپ لوگوں نے جدید آلات حرب و ہوائی جہاز (درب جیل) اور (تحت البحر) سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ میرے خیال میں آتا ہے کہ کوئی وجہ ضرور ہوگی کہ آپ نے ان ایجادات پر توجہ نہیں کی“

وزیر جنگ — ”جو نکتہ چین اشخاص کہ ہمیں ہوائی جہازوں کے اوپر سے بمب کے گولے پھینک کر بحر ایج میں غنیم کے جہازوں کو تباہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، وہ واقف کار اور مہرفن نہیں ہیں میں ان چیزوں کو جانتا ہوں اور انپر بالخصوص غور کر چکا ہوں، میرے غور و فکر کا یہ نتیجہ نکلا کہ آزمودہ اور مقبول عام طریق جنگ پر قیامت قدم رہوں۔ ہوائی جہاز فی گھنٹہ ۱۰۰ کیلومیٹر کی رفتار سے اڑتا ہے۔ اور جب پرواز بہت بلند ہو جاتی ہے تو نشانے پر نسبتاً ایک چھوٹی سی شے پہنچنا ہے مگر بہت ہی بلندی سے۔ اب بتلائیں کہ عصارف تو بہت اٹھائے جاتے ہیں لیکن ان باتوں سے کون سا قیمتی، گنجیدہ مقبہ ہوسکتا ہے؟ ہوائی جہاز پر سے نشانہ لگانا قطعی ناممکن اور نہ لفظ نشانہ اپنے مفہوم رائج کے اعتبار سے شرمندہ معنی نہیں۔ یقیناً بعض اس اتفاقی نشانے کی قیمت گنتا دینے کیلئے یہ صرف قیاس ہی نہیں ہے اسکی صداقت ہم نے

حرفاً حرفاً مشاہدہ بھی کر لی۔ افریقہ کے دامن صحرا میں نہایت باقاعدہ اور ہر طرح سے مرتب خیمے ہوائی جہازوں کا نشانہ تھے۔ ہمارے دشمنوں کے لئے حالات گرد و پیش ہماری نسبت زیادہ مساعد اور ہمارے خیمے غیر متحرک اور غیر ساکن ہونے کی وجہ سے عمدہ نشانہ بن سکتے تھے لیکن با این ہمہ حالات اوپر سے بے شمار بم کے گولے پھینکے گئے مگر ہمیشہ نشانے سے بہت دور جاکر گرے، اور کبھی اس تجربے میں دشمنوں کو کامیابی نہیں ہوئی، پس جو کچھ نتائج آنکھوں نے دیکھے ہیں اس سے ہمیں اپنے دشمنوں کی تقلید کی حرص نہیں ہوتی۔

### جرمنی روس اور ترکی

دیلی کرانکل کا نامہ نگار [برلن] سے لکھتا ہے: کل افواہ آئی تھی کہ آٹلی اور ترکی کی جانب سے کچھ دنوں کے لئے التوا جنگ کا اعلان ہونیوالا ہے۔ لیکن اس افواہ کی تو ثیق نہ تو روزما سے ہوئی اور نہ قسطنطنیہ سے اور ترکی سفیر متعینہ برلن بھی اس امر سے اپنی قطعی لاعلمی ظاہر کرتا ہے، تاہم قابل اعتماد حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ خبر بے بنیاد بھی نہیں ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ قیصر جرمنی و زار روس کی ملاقات میں ایک مسئلہ ترکی و آٹلی کی جنگ کا بھی تھا۔ لیکن برلن میں اب تک اس کے تفصیلی حالات نہیں پہنچے۔ تا حال یقینی طور پر جہاں تک معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں گورنمنٹیں واپسی اس کی پیروی پر اوشان رہیں گی۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دونوں شہنشاہوں اور ان کے وزراء نے ایک ایسی اساس دھونڈ نکالی ہے جسپر سعی امن کی تعمیر امکان سے باہر نہیں ہے۔ میں نے وہاں افسروں سے سنا ہے کہ دونوں شہنشاہوں نے تخیل میں غیر معمولی طور پر رازدارانہ صحبت عرصے تک جاری رکھی۔

### ریوٹر کی تار بقیہ

(قسطنطنیہ ۲۹ جولائی) ایوان وزارت نے فیصلہ کر لیا کہ پارلیمنٹ کی برہمی کا انتظام آئینی طریقے سے کیا جائیگا۔

عہد حمیدی کے امریکی معافی

(قسطنطنیہ ۱ اگست) ایک اعلان جاری ہوا ہے جس میں ۱۳۰ جلاوطنوں کو معافی عطا کی گئی ہے۔ ان میں تمام عہد حمیدی کے امرا اور افسر بھی ہیں۔ گورنمنٹ نے پارلیمنٹ میں اس مضمون کی ایک تجویز پیش کی ہے کہ سلطان جب چاہیں پارلیمنٹ کو توڑ دے سکتے ہیں۔

ریاستہائے بلقان میں اتحاد

(لندن ۱ اگست) ٹائمز کہتا ہے: یہ یقین مضبوط ہوتا جاتا ہے کہ کسی قسم کا قرارداد مابین بلغاریا و سربیا اور بلغاریہ و یونان ہو چکا ہے۔

جزائر البجین

(لندن اگست) ہاوس آف کامنس میں سر اورد گروے نے مسٹر نوئل بکسٹن کے سوال کے جواب میں کہا کہ لڑائی کے بعد جزائر البجین پر اٹالین قبضہ ضرور بہت سی بحثیں پیدا کریں گی۔

[الہلال ایلکٹریک برٹش ورس نمبر ۷-۸ مکلارڈ اسٹریٹ - کلمتہ سے [ابوالکلام آزاد] نو جہانگر شائع کیا]

# الہلال

۲۰ : اگست ۱۹۱۲

— \* —

نشہ شام کی نصف شب

یا

مسلم یونیورسٹی

اور اس ضمن میں چند متفرق خیالات

(۱)

بہت سی تاریخیں یاد رکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔ فرانس ۱۸ - جولائی سنہ ۱۷۸۹ - کو نہیں بھولنا کہ آزادی کی رحمت کا اُسی دن نازل ہوا۔ انگلستان ۲ جون سنہ ۱۶۴۹ کو ہمیشہ یاد رکھتا ہے کہ شاہی اقتدار پر آخری ضرب اُسی دن لگی۔ لیکن یہ یادگاروں دنیا کی زندہ قوموں کا حصہ ہے۔ ہم بدبختوں اور زبوں طالعوں کے پاس بھی بہت سی تاریخیں ایسی تھیں جنکی عظمت کے آگے صرف ہم ہی نہیں، بلکہ تمام عالم سر جھکاتا تھا؛ لیکن یہ زندگی کے کاروبار تھے، اب کہ موت کی مردنی سے جسم ملت کا ہر عضو افسردہ ہو رہا ہے، ایسے نصیب کہاں کہ کامرانی و فتحیابی کی تاریخیں یاد رکھنے کیلئے میسر آسکیں؟ قومی اقبال کا آفتاب جب چمکنا ہے تو شاید ایک ہی مرتبہ چمکتا ہے۔

لیکن:

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے

قسام ازل نے ہر شخص کو اسکی ہمت اور صلاحیت کے مطابق اسکا حصہ دیدیا ہے۔ کوئی سایہ طوبی میں بیتھکر خوش ہوتا ہے اور کوئی قامت یار کی جستجو میں:

توڑ طوبی، و ما و قامت یار

خوشی کے دن ہمیں نصیب نہیں کہ یاد رکھیں تو اپنے ایام غم کو تو بھول نہیں سکتے؟ آرزوئو اگر فصل بہار کی یاد ملی ہے تو مبارک ہو، ہم خزاں کی یادگار منایا کریں گے:

نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نسہی

گردن پھرنے والے ہیں تو عجب نہیں کہ نوحۂ غم سے نغمۂ طرب ی لے پیدا ہو جائے۔ بہار خزاں کے بعد ہی آتی ہے، از خشک برختوں کو ہم نے سرسبز ہوتے دیکھا ہے: يخرج الحي من الميت . يخرج الميت من الحي، وحي الارض بعد موتها، وكذلك تخرجون خدا زندگی سے موت کو اور موت سے زندگی کو پیدا کرتا ہے، اور زمین رجب موت چھا جاتی ہے تو اُسکی رحمت پھر اُسے زندہ کردیتی ہے ۱۹: ۳۰]

۱۲ دسمبر

ہمارے اخوان وطن جب (۱۲ دسمبر) کی یادگار کا جشن منائیں گے کہ اسی دن انکی سی سالہ جد و جہد نے حکومت کو شکست دی اور تقسیم بنگل کا نوشتہ تقدیر (جسکی تفسیح کو لارڈ مارلے چاند کیلئے بچوں کا مچلنا کہتے تھے) بالآخر متاثر چھوڑا، تو ہم بھی بیکار نہیں رہیں گے۔ وہ اگر اپنی کامرانی کو یاد رکھیں گے، تو ہم اپنی نامرادی کا مرثیہ پڑھیں گے۔ وہ اگر اسپر خوش ہونگے کہ تیس برس تک شاہراہ مقصود پر چلتے رہے اور بالآخر منزل کو سامنے دیکھا، تو ہم اپنی گمراہی و ضلالت پر سرپیچیں گے کہ تیس برس تک غلط راہ چلکر تھوکر بن کھاتے رہے اور بالآخر منہ کے بل گرے۔ وہ اگر اپنے راہنماؤں کو یاد رکھیں گے جنہوں نے اپنے تئیں کھو کر آج انہیں پیدا کیا، تو ہم بھی اپنے لیدروں کو بھول نہ سکیں گے کہ اپنے اغراض و منافع کی تلاش میں پوری ملت کی مانت کو کھو دیا۔ اور سب سے آخر یہ کہ اگر انکو خوشی ہوگی کہ جو کچھ ملا وہ اس سے زیادہ کے اہل تھے، تو ہمکو بھی شکایت نہوگی کہ جس تھوکر سے تھکراے گئے اس سے بھی زیادہ کے مستحق تھے (اسمیں شک نہیں کہ انکے لئے خوشی کی یاد ہے اور ہمارے لیے غم کی) لیکن اگر چشم بینا اور دل عبرت پذیر ہو تو نتیجہ دونوں کا یکساں ہے، انکو کامیابی ہمت دلاتی ہے تو ہمکو نا کامی غفلت سے بیدار کرتی ہے۔ انپر حکومت کا یہ احسان ہے کہ مایوس ہونے سے بچالیا تو ہم پر انسے بڑھکر احسان یہ ہے کہ سوتے میں ہشیار کردیا: لقد كان اية في ذلك لئلا يشك خدا کی نشانی ہے دونوں جماعتوں میں ۱۱: ۳]

۱۳ - جولائی سنہ ۱۹۱۱

(عبرت کے مواقع جلد جلد میسر نہیں آتے اور غفلت کو ہمیشہ بیداری کی کڑوائیں نصیب نہیں ہوتیں، اگر ایسا ہو تو دنیا کم سوتے اور زیادہ جاگے، حالانکہ وہ ہمیشہ سوتی ہی رہتی ہے) لیکن شاید اب ہمارے دن جلد پھرنے والے ہیں کہ قدرت کا تازیانہ تنبیہ جلد جلد اُٹھنے لگا ہے۔ (۱۲ - دسمبر) کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ۳۱ جولائی سنہ ۱۹۱۱ کی تاریخ نمودار ہوئی (آپریل سر - ایس - ایچ - بٹلر) اپنے مراسلے کی تمہید میں لکھتے ہیں:

”۳۱ جولائی کو میں نے آپکو اطلاع دی تھی کہ صاحب وزیر ہند یونیورسٹی کا قیام منظور فرمانے کیلئے طیار ہیں بشرطیکہ

(۱) آپکی کمیٹی کافی سرمایہ دکھلا سکے اور

(۲) یونیورسٹی کا کانسٹی ٹیوشن جو آپ پیش کریں وہ تمام و کمال گورنمنٹ ہند اور صاحب وزیر ہند کو منظور ہو۔ نیز میں نے اس مراسلے میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ آپکی جو اسکیم صاحب وزیر ہند کے سامنے پیش ہوگی اسکی تمام تفصیلات کے متعلق وہ اپنے اختیارات کا بل کو محفوظ رکھتے ہیں۔“

ہمکو یہ تاریخ بھی ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے (یہی وہ یادگار تاریخ ہے جس نے گویا ہمارے محدودہ دور زندگی کی سبب سے بڑی حد تک ہمدرد اور ہمارے رقت اور مال کی سب سے زندہ قیمتی چیز کا



اس سے حکومت چھین کر غیروں کو اس پر مسلط کر دینا ہے۔ بنی اسرائیل نے جب خدا سے منہ موڑا تو ان پر ایک باہر کی قوم بھیجی گئی۔  
بعثنا علیکم عبداً لنا اولی باس شدید [ پھر ہم نے تم پر ایک سخت و شدید قوم کو مسلط کر دیا ۴:۱۷ ]

جب اس پر بھی باز نہیں آئے تو پھر فسق و فجور، حسد و حقد، ہوا پرستی و نفسانیت، نا اتفاقی و بیگانگت میں انکو مبتلا کر دیتا ہے۔ خود ہی کتے ہیں اور خود ہی مرتے ہیں۔ وما اهلنا قرین الا واهلها ظالمون [ اور ہم کسی آبادی کو تباہ نہیں کرتے مگر اس وقت جبکہ وہ ظالم و معاصی میں مبتلا ہو جاتی ہے ]

ہم اپنے معاصرین سے بہ منت التجا کرتے ہیں کہ خدا کیلئے اپنی ملت پر نہیں، تو خود اپنے اوپر رحم کریں، اور مسلمانوں کی موجودہ ذلت و رسوائی پر قناعت کر لیں۔ نفسانیت و خود پرستی کی حد ہو گئی ہے اور خدائی طرف سے سب نے منہ موڑ لیا ہے۔ تعجب ہے کہ ساری دنیا آپ پر ہنس رہی ہے اور آپ کو ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے اوپر روٹنا نہیں آتا؟ ملک و ملت کی خدمت شاید اس طریقے سے الگ ہو کر بھی کی جا سکتی ہے، یہ تو کچھ ضرور نہیں کہ جب تک آپ ایک دوسرے کو چور ثابت نہ کر لینگے اس وقت تک آپ کی اصلاح قوم آپ کو اپنا امین نہ سمجھے گی۔

تو بخوبی متنبہ چہ کردی کہ ہما کنی نظیری  
بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

اس ہفتہ (مسلم یونیورسٹی) کے متعلق قلم اسقدر بے اختیار رہا کہ بعض معاصرین کی اصطلاح میں پورا نمبر گویا (یونیورسٹی نمبر) ہو گیا۔ ہم ہرگز اسے پسند نہیں کرتے کہ ایک ہی طرح کے برے، برے آرٹیکلوں سے پورا رسالہ بھر دیا جائے مگر ایک طرف وقت کا اقتضا اور ضرورت، دوسری طرف صفحات کی قلت، اور سب پر طرہ یہ کہ دماغ قابو میں نہیں۔ مجبوراً یہ طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ (البانیا) کے مسئلے پر دو ہفتہ سے لکھنا چاہتے ہیں، ترکی کی موجودہ حالات کے متعلق کئی ہفتے سے بالکل نہیں لکھا، انگلستان کے موجودہ احزابی مناقشات کو تو گویا ہم بالکل بھولے ہوئے ہیں، عام مسائل اور مذاکرہ علمیہ و انتقاد تو اب تک شروع ہی نہیں ہوئے، معلوم ہوتا ہے کہ خواہ کچھ ہو مگر ضخامت بڑھانی ہی پڑے گی۔ والامرید اللہ سبحانہ \*

### رفیق دہلی

یہ ایک روزانہ اخبار ہے جو دہلی سے نکلتا شروع ہوا ہے، دیہائی سائز کے چار صفحوں پر چھپتا ہے، کاغذ اور چھپائی اچھی ہے، قیمت سالانہ ۱۲ روپیہ اور ششماہی ۶-۸ روپیہ۔

اس وقت تک ہم نے دو چار نمبر سرسری طور پر دیکھے، روزانہ قارئین اور عام واقعات و اخبار کو اچھی طرح جمع کیا جاتا ہے اور بہ حیثیت مجموعی ارزاں اور دلچسپ ہے۔ فرصت نصیب ہو تو اخبارات کو پڑھنے کا وقت نکالیں اور پھر اسے دیکھیں۔

رہنے کی جگہ دیو، تیرو کھانا بہتر ہے، آپ گریں گے تو کم از کم کچھ شور و غل تو ہو رہے گا، عجب نہیں کہ بعض خفتگان غفلت چونک پڑیں۔ جن سے رہنے سے تو آپ کی بے ہوشی بھی بڑھتی جائے گی اور سونے والوں کو بھی بیداری کی کڑوت نصیب نہ ہو گی۔

### زندہ دلوں کا وطن

یہ عانا نہ کسی ملک کی آپ: ہوا جسم انسانی کیلئے کوئی خاص اثر رکھتی ہو، مگر بد تو کچھ ضرور نہیں کہ ایک سرزمین کا اخلاق بگڑنے پر آئے تو پورے خطے کی حالت یکساں طور پر بگڑ جائے، ہم عرصے سے دیکھ رہے ہیں کہ پنجاب کے اخبارات کو خریداروں کے پیدا کر دینے اور نئے نئے کارخانوں کے چلا دینے کی ترکیبوں میں ترقی کر رہے ہیں مگر انکا اخلاقی تذل نہایت درد انگیز ہے۔ کل کی بات ہے کہ (زمیندار) اور (وطن) میں بڑھم جوتی پیدار ہو رہی تھی، اور جسطرح پنجاب میں پہلوانوں کے دنگل ہوا کرتے ہیں، اسی طرح دکن میں پہلوان ایک دوسرے سے گتے ہوتے تھے۔ (زمیندار) کا صرف یہ قصور تھا کہ تھوڑے دنوں کے اندر ہی اسکی اشاعت پرانے اخبارات سے کیوں بڑھ گئی اور کیوں وہ لاہور کے چند دربارت مندوں کی پرستش سے انکار کرتا ہے؟ انسان کے تمام قصور معاف ہو سکتے ہیں مگر ایک داند دار اس شخص کو تو کبھی معاف نہیں کر سکتا جس نے اس کے سامنے نہی خالی دکان پر قبضہ کر کے راہ کے خریداروں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔

ہمارے عقیدے میں یہ نتائج صرف اس بات کے ہیں کہ پنجاب میں تجارت کی ترقی نے بالعموم دکاندارانہ اخلاق پیدا کر دیے، اور اغراض پرستی کی ہوا میں سب پل رہے ہیں۔ تجارتی زندگی کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ شب و روز بڑھم تصادم و تسابق ہو، اور ملکوں میں ایسے موقع پر تجارت ہی کے میدان میں پیچ لڑائے جاتے ہیں، مگر یہاں یہ تدبیر اختیار کی گئی ہے کہ تلوار لی جگہ قلم کا وار کر کے پھر مطمئن حریف کی دکان لوٹ لی جائے۔

یہ قصہ کئی ماہ تک جاری رہا اور اب تک جاری ہے، نیکر سندھ نے غلام پہلوان سے عاجز آکر اسکی کنڈی پر مکہ کی ایک سخت ضرب لگادی تھی، اسی طرح یہ قلم و کاغذ کے پہلوان جب عاجز آجاتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کو گالیں دینا شروع کر دیتے ہیں، فحش و مغلظات سے بھی انہیں دریغ نہیں۔ ایک اپنے حریف سے پوچھتا ہے کہ وہ زمانہ بھی یاد ہے جب کالج میں پڑھتے تھے؟ دوسرا کہتا ہے کہ زمانہ باتیں نہ بڈاؤ رہے میں تمہارا فلاں راز فاش کر دیتا۔ اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایک دوسرے کو جوڑ، زدن و بدنامی ہیں، ایک کہتا ہے کہ تم نے طرابلس کے نام سے روپیہ کمایا، دوسرا کہتا ہے کہ فرضی کمپنیاں بنا کر قوم کو اوت لیا۔ یہ حالت صرف مسلمانوں ہی کی نہیں ہے بلکہ اس حمام میں سب ہی نہتے ہیں۔ مگر ان اخبارات کو اٹھوٹے تو وہ بھی ایک دوسرے کو دلیل دے کے شریف و شعل ہی میں خوش ہیں۔ بدبختوں! صرف تم ہی ذلیل نہیں ہو بلکہ تمہاری تمام قوم اور پورا ملک ذلیل ہے۔ جس قوم پر خدا کا قہر نازل ہوتا ہے اسکا یہی حال ہوتا ہے، پہلے



• غنیمت ہی سمجھنا چاہئے - واقعات نے اس ابتدائی منزل تک تو پہنچا دیا - عجب نہیں کہ کہتے کہتے ایسے ہی الفاظ دل پر چڑھ جائیں :

• • • حرور جنت جلوہ بر زاهد دھو در راہ درست • • •  
اندک اندک عشق درکار آورد بیگانه را

• • • باوجود اس ہمہ جوش و خروش، پھر بھی اس جلسے کو دیکھتے تو تو یہ کچھ ہرچکنے کے بعد بھی ارباب طریقت اسی فکر میں تھے کہ کعبے کی طرف رخ کرنا پڑا ہے تو کم از کم بنگدے کی طرف پیٹھ تو نہر - پہلے بحث ہوئی کہ اس مجلس کی کارروائی بھی بصیغہ راز رکھی جائے یا نہیں؟ گوراجہ صاحب گورنمنٹ کی اتباع سنت کے خیال سے پبلک جلسے کا اعلان کر چکے تھے اور اب طبیعتیں بھی ایک حد تک جوش و خروش کی نمائش کرنا چاہتی تھیں، لیکن مدتوں تک جو پاؤں کیچڑ میں پھنسے رہے ہوں، وہ یکایک صاف قالین پر چلیں گے تو دھبے پڑے ہی ہیں گے - بعض صاحبوں نے کہا کہ گورنمنٹ نے سچ حقیقت سے پردہ اٹھا دیا ہو مگر ہم سالکین راہ وفاداری کو - کہ پیمان محبت باندھ چکے ہیں - اب بھی مرغ سحر کی جگہ پرزائے کے مشرب عشق پر کار بند رہنا چاہئے :

کان سوخته را جان شد و آواز نیامد

• • • ہم نے سنا ہے کہ ضاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کئی بھی بھی راہ تھی -

• • • ہم اس موقع پر آنریبل مسٹر (مظہر الحق) کی تعریف کرنے کیلئے اپنے اندر بے اختیارانہ جوش پاتے ہیں کہ انہوں نے فی الحقیقت اس جلسے کی شرم رکھ لی، اور پوری آزادی اور دلیوری کے ساتھ اصول رازداری کی مخالفت کی - جزاء اللہ عنی وعن سائر المسلمين خیر الجزا -

دوسرے دن کے اجلاس میں بھی انکی تقریر پڑھ کر ہم کو نہایت خوشی ہوئی - انہوں نے صاف صاف کہ دیا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے مسلمانوں کی غلامانہ پالیسی کا نتیجہ ہے - لیکن ناظرین اس سے یہ رائے قائم نہ کر لیں کہ اب انکی پہلوت! جماعتوں میں بھی ایسی آزادانہ رائے رکھنے والے لوگ ہیں - ہوتے ہیں - ممکن ہے کہ اب پیدا ہوں، لیکن (مسٹر مظہر الحق) کی آزادی تو صرف اسکا نتیجہ ہے کہ وہ عمر بھر ملک کی اصلی کارکن جماعت یعنی (کانگریس) کے ساتھ رہے، اور کبھی مسلمانوں کے پریکٹیکل مذہب کی تلقینات قبول نہیں کریں - اگر علی گڑھ کی ڈال میں رہے بھی پھنس گئے ہوتے تو آج انکی زبان اسطرح نہ چلتی - افسوس :

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھانہ کوئی

کچھ ہرے تو بھی رندان قدح خوار ہوے

• • • عقیدت اور مہلک حسن ظن سے کام نہ لیں کہ لیڈر پرستی کی حد ہوگئی - ہم انکو اپنا دل نہیں دکھاسکتے مگر اپنی سچائی کا شاید یقین دلا سکتے ہیں (واللہ یعلم سرب وعلانیہ) ہم کو کسی سے بغض نہیں، مگر خدا کی دوستی کو چھوڑ نہیں سکتے - وہ یقین کریں کہ اگر (نواب وقار الملک) نے عین موقع پر بھانڈا نہ پھوڑ دیا ہوتا اور قوم میں تغیرات حالت کے حقوق طلبی کی جنبش پیدا نہ کردی ہوتی تو آج ان لیڈروں میں سے ایک بھی اس موقع پر سامنے نہ آتا اور جو کچھ ۱۱ - اگست کو ہوا اسکے ذکر سے ہماری تاریخ ہمیشہ خالی رہتی آج تو (آغا خان) بھی عدم الحاق کی مخالفت میں تار بیدھتے ہیں اور پھر اسپر اصرار ہے کہ اسکا اعلان کر دو، لیکن سوال یہ ہے کہ کل تک حضرت کہاں تھے؟ اس مسئلہ پر تو انکی رائے پہلے ہی ظاہر ہو چکی ہے اور وہ جو کچھ تھی کمیٹی کے صیغہ رازداری کی الماری میں موجود ہے - اب انکے تار کے اعلان کی ضرورت نہ رہی - فضل الہی سے خود انکی خدمات کی تشہیر ہو رہی ہے - کل کی بات ہے کہ ہم نے انکی گاڑی کھینچی تھی، لیکن شتان ما بین الیوم والامس - جن عزتوں پر خدا کا ہاتھ نہیں ہوتا وہ گو کتنی ہی نظر فریب ہوں مگر پادشاز اور مستحکم نہیں ہوتیں : ولله العزة والرسوله والمؤمنین - [ عزت خدا کیلئے ہے اور اسکے رسول کیلئے اور سچے مومنوں کیلئے ]

• • • ۱۱ - اگست کو لکھنؤ میں جو جلسہ ہوا تھا پہلے دن اسکے دروازے بند نہیں کیے گئے، مگر جو آنکھیں تاریکی میں کام کرنے کی عادی ہوں انکو باہر کی روشنی کب راس آسکتی ہے؟ بالآخر دوسرے دن گوبت بھڑاے نہیں گئے مگر ہلکے پردے چھوڑ دیے گئے تاکہ کچھ تو تاریکی پیدا ہو جائے :

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی

سب سے پہلے (راجہ صاحب محمود آباد) نے افتتاحی تقریر میں سپر بے انتہا افسوس ظاہر کیا کہ ”ہم نے آج تک اپنی کارروائی کو بصیغہ راز رکھا تھا مگر اب گورنمنٹ خود اسے ظاہر کرتی ہے، جب گورنمنٹ چھپانا نہیں چاہتی تو ہمکو بھی چاہئے کہ آئندہ سے اپنے اجلاس پبلک طور پر کریں“

• • • یہ تو (راجہ صاحب) نے گورنمنٹ سے خوب انتقام لیا (جزاء میثۃ، سیئۃ مثلاً - بدی کا بدلہ زبسی ہی بدی سے -)  
مکتسب خم شکست و من سراو  
سن بالسن والجروح قصاص

• • • ہم کو افسوس ہے کہ گورنمنٹ نے کمیٹی کی رازداری کی قدر نہیں کی - وہ گورنمنٹ، جسکی خاطر کمیٹی نے اپنی قوم تک کو چھوڑ دیا، اس کے راز اسے صرف سے ہمیشہ بے خبر رکھا جسمیں معصوم لڑکیوں کے کانوں کی بالیاں اور بچوں کی مٹھائی کے پیسے تک شامل تھے اس کے بعد راجہ صاحب کو بہت سی باتیں ایسی یاد آئیں جو در چند ماہ پہلے یاد آگئی ہوتیں تو قوم کا تیس لاکھ روپیہ اور ایک ہی رتبہ پیدا ہونے والا جوش اسطرح ضائع نہ جاتا، تاہم اب بھی

یقین نہیں آتا - ایسے لوگ چاہیں تو ہم انہیں خود ہندوستان ہی میں ایک چھوٹا سا (یلدیز) بتلا سکتے ہیں - خود مختار بادشاہوں نے اپنا لقب ”مالک رقاب الامم“ رکھا تھا، یعنی قوموں کی گردنوں کے مالک، کہ وہ جب چاہیں گردنوں کو جسموں سے الگ کر سکتے ہیں - یہ اختیار تو اب ہم نے برطانیہ کی گورنمنٹ اف انڈیا کو دیدیا ہے، البتہ ہمارے سرور کی مالک ایک جماعت موجود ہے جو جب چاہے بے تامل انہیں ٹھکرا سکتی ہے - یہ ہمارے خود ساختہ لیڈرز کا گروہ ہے، جنہوں نے اپنے ایوان مشورہ کو قصر یلدیز کا نمونہ بنا لیا ہے - اس کے دروازے بند، اور در و دیوار خاموش ہیں - انکی رعایا کا صرف یہ فرض ہے کہ چندوں کی مالگاری اور خراج بے چرن و چرا پیشکش کرتی رہے اور کبھی دم نہ مارے، اگر کوئی انقلابی خیالات کا باغی ملک میں بے چینی پیدا کرے تو فوراً (مابین ہماری) سے ایک فرمان شائع کر دیا جائے کہ ابھی وقت نہیں آیا، یا یہ رموز مملکت اور رازدارانہ اعمال ہیں جو اپنے وقت پر خود منکشف ہو جائیں گے: یفعل ما یشاء ویختار [خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ مختار ہے] -

یونیورسٹی کے معاملے میں بھی اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ان لیڈرز نے یہی سمجھا تھا کہ قوم نے نہ کبھی پوچھا ہے اور نہ پوچھے گی - روپیہ لیتے جاتیں اور وقت تالتے جاتیں، بند کمروں میں بیٹھ کر جو کچھ کرنا ہے کر دیں گے، پھر جب وقت آئے گا تو سمجھادیں گے کہ فرض اطاعت اولی الامر اور شان وفاداری کا یہی اقتضا ہے کہ جو کچھ علم اکبر سے لگا کر قبول کرلو - یہی سبب ہے کہ جب کبھی کسی بندہ خدا سے رہا نہ گیا اور اُس نے چار لفظ مذہ سے نکالے تو معاً اسکی زبان بند کر دی گئی - بارہا پوچھا گیا کہ آخر یونیورسٹی ہے کیا ہے؟ گورنمنٹ کیونکر ایک آزاد یونیورسٹی کو چارٹر دی سکتی ہے؟ حق وثقو کے کیا معنی ہیں؟ مگر یونیورسٹی بھی (استواء علی العرش) کا مسئلہ تھی کہ ہمیشہ یہی جواب ملا: کیفیتہ مجہول، والاعتقاد واجب، والسرال عنہ بدعۃ [اسکی حقیقت مجہول ہے مگر اسپر اعتقاد واجب ہے اور اسکی نسبت سوال بدعت] -

لیکن سب کچھ کہہ کر آخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب قوم کا قصور ہے، اور اسکی علت بھی مسلمانوں کی تمام امراض کی طرح مذہب سے روگردانی ہے - اسلام نے اپنے ہر پیرو کو لیڈر بنا دیا ہے اور کوئی نہیں جسکو خدا و رسول کے سوا مسلمانوں کے کاموں پر خود مختارانہ اقتدار حاصل ہو - احتساب ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے، جب خود ہم نے اپنے تئیں غافل رکھا تو صیاد کا کیا قصور؟

نہ لپٹیں نہ ہو قتل، انصاف یہ ہے

کہ ہم خود بد آموز قاتل ہوئے ہیں

نیا نمینٹی کو آج ہی یہ معلوم ہوا ہے کہ یونیورسٹی آزاد اور مسلم یونیورسٹی نہوگی کہ اب آگ لگانے والے آگ بجھا نے والوں کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں؟ تعجب ہے اگر شملہ دروازہ کر جانے والوں کو اسکی خبر نہو جب کہ خود ہم کو گھر بیٹھے اسکی خبر تھی - ہم مسلمانوں سے ہمت التجا کرتے ہیں کہ خدا کیلئے اب وہ بیجا

فیصلہ کر دیا تھا، مگر حکمران کمیٹی نے تمام قوم کو اس سے بے خبر رکھا، اور دلائل بھی چیلنج کر رہے کہ روپیہ لاؤ روپیہ لاؤ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی بہت درپیش نہیں: واللہ یعلم انہم تکاذبون -

ان میں کا ہر فرد ہر واقفکار شخص کی طرح خوب جانتا تھا کہ اسے یونیورسٹی جو گورنمنٹ کے آٹھنی پنچے میں دی ہوئی تھی نہ ملی ہے اور نہ مل سکے گی، اور پھر قوانین اور حالات سے بڑھ کر خود صاف صاف لفظوں میں مسٹر بٹلر نے کہہ دیا تھا کہ شرط آخری یہ ہے کہ جزو دل ہمارے ہاتھ میں محفوظ رہے گا - لیکن باوجود اس کے پریس کمیونٹک کی اشاعت تک ان میں کا ہر شخص دانستہ دس کڑور مسلمانوں کو دھوکہ دیتا رہا اور صرف اسلئے کہ افشائے راز کے بعد چاندی اور سونے کی لگاتار بارش جو ہو رہی ہے بند ہو جائے گی: کسی کا لب نہیں کہلا کہ (سمائے شملہ) کا (شدید القوی) جو رحی اسپر نازل کر رہا ہے اسکو اپنی مظلوم امت تک بھی پہنچا دے - صرف ایک (نواب وقار الملک) کا سچا اور مومن قلب تھا جو ان فریب کاریوں کا متحمل نہ ہو سکا اور علی گڑھ کے بحالان کی ظلمت اس کے نور ایمان پر غالب نہ آسکی - انہوں نے اصلیت سے جب پردہ اٹھایا تو روپیہ دینے والوں کے ہوش و حواس ذرا ٹھکانے ہوئے اور پیدائش کو دیکھا تو پسینے سے تر تہیں - لیکن اب شکوہ و شکایت کا موقع نہ تھا - وہ اجتماعی دوش اور قومی جذبات جو دوسری قومیں آزادی اور وطن پرستی جیسے مقاصد عالیہ کیلئے صرف کرتی ہیں، ہم ایک لفظ بے معنی اور ایک سفر بے مقصد یعنی مسلم یونیورسٹی کے پیچھے ضائع کر چکے تھے، اور دھڑوں سے پہلے خود رھدروں نے دل اور جیب، دونوں کو لوٹ لیا تھا:)

ہمچہ خراجے کہ ہر خراب نو پسند

لیکن سخت اضطراب دہی کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ یاران شاطر نے بالآخر نواب صاحب قبلہ کو بھی جین سے بیٹھنے نہ دیا کہ اس حق گوئی کو اسکی اصلی شان میں رھنے دیتے - نواب صاحب کی چٹھی کے شائع ہوتے ہی (راجہ صاحب محمود آباد) ”اس سخت اور تکلیف دہ موسم گرما میں دو تہیں برداشت کرے اور: عشق ازین بسیدار کورست راند“ علی ندہ پہنچے، اور پھر چند دنوں کے بعد ہی نواب صاحب قبلہ کی دوسری رسالت اخبارات میں شائع ہو گئی! تاہم نواب صاحب کی عظمت ہمارے دنوں میں ہے اور رھے گی - ہم انکی محبتوں سے بے خبر نہیں ہیں: جس سرزمین، اور جن لوگوں میں رھ کر انکو طم کرنا پڑا، اسکو بدعتیہ موت تقسیم ہنگام کی تسمیم، مسئلہ طرابلس، قتل دہی جیسے بڑے بڑے اور بڑے مسلم یونیورسٹی پر انہوں نے جو کچھ کر دیا، ہم سمجھتے ہیں کہ بدعتی قوت ایمانی کا ایک اعجاز ہے - ورنہ بتکدے سے اذان کی آواز - بغیر اسکے دھڑے ہوئے - آج تک اس کے سننے سے؟

دوسرے پلسدروں

قمر ہمار دیا اب (سلطان عبد الحمید) کے عظام کو تسلیم کرتی ہو لیکن ہندوستان کی مٹی عقبت اور پرستش کے خمیر سے بنی ہے، بہت سے لوگ نہیں جنکو (قصر یلدیز) کے جبر و شخصیت پر اب تک

اللہ صیغہ - ہم انسانی جماعتوں کی روایات اور اخلاقی رنگ کے طلبگار نہیں ہیں، ہم کو خدا کا رنگ اور اس کے بنائے ہوئے (اسوۂ حسنہ) کی روایات ملی تھیں اور اس کو پھر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انریڈل سر پتھر تر ہندوستان کے چند بڑے بڑے شہروں تک دائرہ اثر کی وسعت سے گھبرا گئے، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ ہندوستان تو دنیا کے جغرافیہ کا ایک گوشہ ہے، اسکا ذکر ہی کیا، ہمارا بس چلے تو ہم تو ایک ایسی یونیورسٹی قائم کریں جو نہ صرف کسی خاص ملک، بلکہ تمام دنیا کیلئے غیر مقامی ہو۔ تمام عالم کے کالج اس کے ماتحت ہوں اور مغرب و مشرق اس کی تعلیمی حکمرانی کے زیر اثر ہو۔ گو آج ہم اس درجہ ذلیل و خوار ہیں کہ گورنمنٹ جب چاہتی ہے ایک تھوکر لگا کر ہم گھرے ہوں کو آواز گرا دیتی ہے، مگر ابھی ہم میں اس قدر جان ضرور باقی ہے کہ اپنے ماضی کو بھولے نہیں۔ دنیا ہم پر تنگ ہو گئی ہے لیکن ابھی ہمارا دل تنگ نہیں ہوا ہے۔ اب بھی ہم ساری دنیا کو اپنے اندر لے سکتے ہیں۔ آج تیس لاکھ روپیہ کی قیمت کی ایک متاع لینے کے بھی قابل نہیں اور اچھی بری اگر ملجائے تو اسپر دینے والوں کے آگے سجدہ کرنے کیلئے مستعد ہیں۔ لیکن کل کی بات ہے کہ ساری دنیا ایک گوشہ نظر کی قیمت دیکر خرید لیتے تھے اور پھر تمام عالم ہمارے آگے سر سجدہ تھا:

فتادم دام بر کنجشک و شادم، یاد آن ہمت

کہ گرسیمرخ می آمد بدام، از ان می کردم

(لیکن نہ ہم اپنے حاکموں کے شاکی ہیں، نہ تخت خسروی کے بوجہ خاک مذلت پر دیکھنے والے زمانے کے۔ شکوہ اُگر کرنا ہے تو اسی ہے نیاز سے، جس نے ہم کو تمام عالم کا امین و حاتم بنایا، اور ذات و مدامی سے اٹھا کر عظمت و شہرت پر پہنچایا، مگر ہم نے اس کی قدر نہ کی، اور پھر جو کچھ ہوا ایسا ہونا قدرتی تھا۔)

و بلونا ہم بالحسنات والسنات لعلم یرجعون (۷: ۶۱) وان فی

دلک لدکری، لمن کان له قلب، ار القی السمع، و هو شہید (۳۷: ۵۰) [اور ہم اچھی حالت اور بری حالت، دونوں میں مبتلا کر کے از مائے ہیں کہ شاید اپنی بد اعمالیوں سے باز آجائیں۔ بیشک اسمیں بڑی نصیحت ہے انکے لئے، جو اپنے پہلوؤں میں غور کرنے والا دل اور سرور میں سننے والا کان رکھتے ہیں]

مسلمانوں کے دل اگر صریح نہیں گئے ہیں تو اب تو ہوش میں آجائیں، لارڈ کریو، سر پتھر، اور اپنے لیدروں پر بہت بھروسہ کرچکے، اب کچھ دنوں اپنے خدا پر بھی اعتماد کر کے آئے آزمائیں:

ومن یتوکل علی اللہ فہو حسنہ - [جس نے خدا پر بھروسہ کیا، اس کو خدا کا اعتماد بس کرتا ہے] [باقی اٹندہ]

عنی

فارسی اور واپس

اس کے تین چہان کیلئے

اللہ تعالیٰ

مستند

سے

علت مذهب ہی نظر آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”اصلی شے خاص طرح کی تعلیم و تربیت اور نشو و نما سے نکلی ہوئی روح ہے جو محدود درس گاہ کی روایات و اثرات کے ساتھ ملنے کلم کرتی ہے اور اگر یونیورسٹی غیر مقامی ہوئی تو علی گڑھ کی روایات کا اثر مفقود ہو جائے گا“

لیکن اگر یہ دفعہ ہمارے نام کے طولانی خط کی جگہ مہاراجہ دہلوی کے مختصر خط کی زینت ہوتی تو اسے شاید اس کی اصلی جگہ ملتی۔ انریڈل سر پتھر یہ دفعہ لکھتے ہوئے شاید بھول گئے کہ ہم آواز کوئی نہیں، بلکہ مسلمان ہیں۔ ہمارا کوئی وطن، کوئی مقام، کوئی محدود چار دیواری کی روایات، اور کوئی مخصوص حلقہ تربیت نہیں ہے۔ ساری دنیا ہمارا گھر ہے، اور خدا کے تمام بندے ہمارا کنبہ ہیں۔ ہم دنیا میں (مسیح) کی طرح صرف ”اسرائیل“ کے گھرانے کی گم شدہ بھینٹوں کو ڈھونڈنے نہیں آئے، بلکہ تمام عالم کی گم شدہ برادری کا کھوج لگانے آئے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ کیمبرج اور آکسفورڈ کے باہر اس کی روایات کا اثر نہیں مل سکتا مگر ہماری روایات کا اصلی گھر تو (ابراہیم) کی بنائی ہوئی قربانگاہ کی چار دیواری ہے اور اس کے باہر ہم جہاں کہیں ہماری روایات ہمارے دل کے اندر موجود ہے۔ ہم علی گڑھ میں یونیورسٹی اسلئے نہیں بنائے کہ علی گڑھ کی روایات کی روح نسل بعد نسل ہم میں منتقل ہو۔ اثر ایسا خیال ہمارے دل میں پیدا ہو تو ہم مومن نہیں بلکہ پکے مشرک ہیں۔ ہم تو ایک ایسی درس گاہ چاہتے ہیں جس کے اندر (یثرب و بطحا) کی سیزدہ صد سالہ روایات کی روح ہر متنفس میں حلول کر جائے، اور علی گڑھ کی تربیت نہیں بلکہ وطن و مقام کی تمیز سے منتر، عالمگیر اسلام کی تربیت پیدا ہو۔ اسلام دنیا میں کسی وطن و مقام اور قوم و عرق پر کوئی تفریق کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے خدا تین نہیں ہیں بلکہ ایک ہے، پس وہ تمام دنیا کو بھی ایک ہی بنانا چاہتا ہے: ان ہدہ امتکم امة واحدة، وانا ربکم فاعبدون۔

پس اگر ہم مسلمان ہیں، تو کسی مقامی اور خاص زمین کے تکرے تک محدود یونیورسٹی کو لینا مذہباً و دیناً ناجائز سمجھتے ہیں اور ایسا کرنا گویا اسلام کی اندرونی وحدت و اخوت کو متاثر مسلمانوں میں تعلیم کے ذریعے مختلف اثرات کی جماعتیں پیدا کرنا ہوگا۔ رہا کالج کی اندرونی روایات کا اثر، تو اس کے لئے (وزیر ہند) کو متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر غیر مقامی ہونے سے یہ شے ہمیں نہ ملے گی تو ہم بھی کب چاہتے ہیں؟ ہم تو کالج کی روایات نہیں، بلکہ اسلام کی روایات کے طالب ہیں۔ اگر ہم کو آزادی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے کہ اپنا کورس خود بنائیں اور خود ہی اس کو پڑھائیں تو ہم یورپ کو تعلیمی درس گاہوں کے سسٹم کا ایک نیا تجربہ کرا دینے کیلئے مستعد ہیں۔ ہم بتلا دے سکتے ہیں کہ کیونکر مختلف صوبوں کے کالجوں کو اپنے ساتھ رکھ کر پھر ایک ہی طرح کی روایات اور اخلاقی تربیت کی روح سب میں پیدا ہو جاسکتی ہے؟ اور اسپر متعجب نہ ہو کہ یہ اسلام کا عجوبہ ہے۔ جس کو تم روایات کہتے ہو، ہمارے قرآن نے اس کو (صبغة اللہ) سے تعبیر کیا ہے: صبغة اللہ، ومن احسن من

## مسلم یونیورسٹی

کے خواب کی تعبیر

گورنمنٹ کے صیغہ تعلیم کے معیار کی روشنی

(۲)

گذشتہ تحریر میں ہم نے سید صاحب کی اسکیم کا جو اقتباس دیا ہے اس سے مقصد یہ تھا کہ سولہ سو سال پہلے کی ایسی درسگاہ قائم کرنا چاہئے جس کا تعلیمی اثر اور نگرانی علم ہو نہ کہ محض دینی اور ایسی محض معجزہ یونیورسٹی کے غیر مقامی ہونے سے ہے۔

اپنی پیش کردہ اس الزامی حجت کو کامیاب فرض کرنے (مسٹر بٹلر) زیادہ قیام کی یہاں ضرورت نہیں دیکھتے اور پھر فوراً غیر مقامی یونیورسٹی کے مضرات بیان کرنے پر جلد جلد پانچ دفعیں پیش کر دیتے ہیں :

” (۱) غیر مقامی ہونے کی صورت میں یونیورسٹی کا قدیم سرکاری یونیورسٹیوں سے مقابلہ اور اغلب ہے کہ مناقشہ پیدا ہو جائے گا۔ (۲) ضرور ہے کہ ایسی یونیورسٹی علی گڑھ کی ڈگریوں کے معیار کو پست کر دے گی اور یہ آرزو غارت ہو جائے گی کہ وہ ایک تعلیمی درسگاہ اور ایک ایسا مرکز علم ہو جہاں امتحانات تعلیم سے مؤخر ہوں اور اساتذہ صرف طلباء کے محافظ ہی نہیں بلکہ انکے ذہن کو ترقی دینے والے ہوں۔

(۳) ریزیدنشیل طریقہ کی قدر و قیمت اس روح سے عبارت ہے جو کالج کے اندر جاری و ساری ہو جس کا اثر نسلاً بعد نسل طلباء میں منتقل ہو اور جو تمام تر اسکی روایات پر مبنی ہو لیکن علی گڑھ کی روایات بالکل مقامی ہیں اور انکا انحصار زیادہ تر ذاتی تعلقات پر ہے۔

(۴) اس صورت میں معجزہ یونیورسٹی مختلف حصص غنڈ کی نگرانی نہ کر سکے گی۔

(۵) علاوہ ان عملی اعتراضات کے مناسب ہے کہ یونیورسٹی زمانہ حال کی بہترین رائے کے مطابق قائم ہو۔“

ان پانچ دایلوں کو انریبل سر بٹلر نے اس درجہ کافی سمجھ لیا ہے کہ اسے بعد وہ بالکل خاموش ہوئے۔ ہم ضرور انکے تلاش استدلال اور جدید تعلیمی عہدے کے تجربہ کی داد دیتے مگر افسوس ہے کہ اسکے لئے کوئی راہ سامنے نہیں پائے۔ نیشک مسٹر بٹلر لکھنؤ میں (امین آباد) کو وسعت دیکر شہر کی خوبصورتی کو برباد کرتے ہیں لیکن شاید ہماری خواہشوں اور ارادوں کی خوبصورتی کو متاثر بدعینت بنائے پر قادر نہیں۔

ہم یہاں مختصر سا ساٹھ بحث کرینگے۔ پہلی وجہ کی نسبت ہم سمجھتے ہیں کہ کم از کم سبٹلر کو کسی سرکاری کاغذ کے ذریعہ تو نہیں بتلائی تھی کہ گورنمنٹ صرف اپنی ڈگریوں کے پٹلے بنانے والے فارخانوں کی عزت بچانے کیلئے ہمیں آدمی پیدا کرنے سے روکتا

چاہتی ہے تو اسکو اپنے (کالونیل آفس) کے تمام فیاضانہ اور سیر چشمانہ دعوتوں کو واپس لے لینا چاہئے اور کم از کم آئندہ کیلئے تو انسانی ہمدردی اور رعایت پرستی کے الفاظ اپنی تاریخ تغلب و فتوحات سے نکال دینے چاہئیں۔ پھر اقراراً دیکھا جائے تو یہ کہنا بھی محض ایک ادعا ہی ہے۔ اگر خود گورنمنٹ کی پانچ یونیورسٹیاں ہندوستان میں بغیر باہمی تصادم اور تناقض کے زندہ رہ سکتی ہیں تو معجزہ یونیورسٹی ہر صوبے میں ایک محدود اثر کے کالج کو شامل رکھ کر کیوں گورنمنٹ کے نظام تعلیمی کو درہم برہم کر دے گی؟ الہ آباد یونیورسٹی کے حلقہ اثر کے اندر آج بھی پنجاب یونیورسٹی کی مشرقی علوم کی ڈگریوں کا دخل ہے مگر کبھی کبھی مناقشہ ہمیں نہیں سنایا گیا۔ بہتر ہوتا کہ اس دفعہ کی کسی قدر تشریح کر دی جاتی۔

مناقشہ کا احتمال اس طرح ظاہر کر دیا گیا ہے گویا اصول متعارفہ کی طرح ایک مسلم بات ہے اور اسلئے تفصیل کا محتاج نہیں۔ ہم کو بتلانا چاہئے کہ مناقشے کی صورتیں کیا کیا ہیں جسے (لارڈ کرو) گھبراتے ہیں؟

دوسری وجہ کو پھر نہیں سمجھ سکتے کہ وہ ہم کو ہنسانا چاہتی ہے یا اسکی آرزومند ہے کہ گورنمنٹ کے صیغہ تعلیم کی

علمی بے بسی پر رئیس؟ اگر صیغہ تعلیم کا اعلیٰ عہدہ دار اپنی کزورں رعایا کی متفقہ خواہش کی پامانی کے لئے اپنے توسن فضل و کمال کی اتنی ہی جولانی کو کافی سمجھتا ہے تو ہم کو رونا چاہئے کہ ہماری تعلیم کا تاج و تخت کیسے لوگوں کے قبضے میں ہے۔ اس ادعاے محض کو ہم کیا سمجھیں؟ کیوں ضروری قرار دے لیا گیا ہے کہ اس صورت میں یونیورسٹی کی ڈگریوں کا معیار پست ہی ہو جائے گا؟ پچاس برس تک گورنمنٹ کا صیغہ تعلیم اپنی یونیورسٹیوں کا معیار تعلیم پست رکھ کر اب ہر تعلیمی شے کو پستی ہی میں دیکھتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کچھ ضروری نہیں۔ یہ ہماری کب آرزو ہے کہ غیر مقامی ہونے کی صورت میں ہم اسے محض امتحان لینے والی جماعت بنادیں گے۔ ہم تو وہ ہیں کہ برسوں سے گورنمنٹ کی امتحان لینے والی یونیورسٹیوں کی تحقیر و تذلیل کرتے کرتے تھک گئے مگر گورنمنٹ اب تک اسمیں کوئی عملی تبدیلی کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ ہمارا تو مقصد اصلی یہی ہے کہ جس چیز کے کرنے سے گورنمنٹ آج تک عاجز رہی ہے اب خود اپنی ہمت سے اُسے انجام دیں اور تعلیمی کھلوے بنانے کے کارخانے کی جگہ واقعہ تعلیم و تربیت دینے والی ایک عمارت طیار کریں۔ البتہ ساتھ ہی خود گورنمنٹ ہند کی قائم کردہ نظریہ کی تقلید کر کے اسکا حلقہ اثر محدود رکھنا نہیں چاہتے۔ وہ ایک پورے معنوں میں ریزیدنشیل یونیورسٹی ہوگی اور قیامی تعلیم کو ہمیشہ مقدم رکھوگی۔

لیکن اپنا نصاب تعلیم قومی کالجوں میں رائج کرے گی اور اسکی تعلیمی کونسل انکی تعلیم و تربیت کو اپنی نگرانی میں رکھے گی تیسری دفعہ میں جو کچھ کہا گیا ہے البتہ ہم اسکے لئے نہ صرف

آریبل سر بٹلر بلکہ ہر (مسیحی دماغ) کو معذور رکھنے کے لئے بخوشی طیار ہیں۔ گورہ بچیدیت ایک تعلیمی افسر ہونے کے ہم سے گفتگو

کر رہے ہیں۔ مگر ہم کو تو اس دوز مذیت میں بھی ہر شے ٹہنی

وینغرون علی الارض بغیر بغیر کسی حق کے زیادتی کے ساتھ  
الحق (۴۲ : ۳۹) پیش آتے ہیں۔

• دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے۔

• علم حکم کفار و مخالفین کے ساتھ نرمی و رافت، عفو و درگزر اور بطریق احسن نصیحت و وعظت کا ہے :

ادع الی سبیل ربک بالحکمة خدا کی راہ کی طرف حکمت و وعظ  
والموعظة الحسنہ و جدایم کے ساتھ بلاؤ اور اگر بحث بھی کرو  
بالتی ہی احسن (۱۲۷ : ۱۶) تو اس طرح کہ وہ پسندیدہ طریقہ ہو۔  
دوسری جگہ مخصوص طور پر یہود و نصاریٰ کی نسبت کہا :

ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی اهل کتاب کے ساتھ بحث نہ کرو  
ہی احسن (۲۹ : ۴۵) عگو بطریق پسندیدہ۔

لیکن پھر دوسرے موقعوں پر (جہاد فی سبیل اللہ) کو ایک فرض  
دین قرار دیا اور سورتوں کی سورتیں اس کے احکام کی نسبت نازل  
فرمائیں :

وقاتلوا فی سبیل اللہ جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ  
الذین یقاتلونہم (۲ : ۱۸۷) کی راہ میں ان سے قتال کرو۔  
اسی آیت کے بعد فرمایا :

فاقتلواہم حیث تفتہمواہم انکو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے  
و اخرجواہم من حیث انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم بھی  
خرجتموہم (۲ : ۱۸۸) انہیں نکال باہر کرو۔

پہلے علم طور پر نرمی اور آشتی کا حکم دیا تھا، لیکن قتل پر بھی بس  
نہ کر کے اب شدید سے شدید سختی پر زور دیا حیث قتل :

قاتلوا الذین یلونکم من الکفار اپنے آس پاس کے کافروں سے اور اور چاہئے  
ولیجحدوا فیکم غلظة کہ وہ تم میں سختی پائیں۔

دنوں تعلیموں میں اس درجہ قیاس و تبادُل ہے ؟ مگر دراصل  
دنوں کا منشا ایک ہی ہے۔ پہلا حکم احسان علم، محبت عمومی  
اور اصل اخلاقی پر مبنی تھا، لیکن جب عوارض و احوال سے حالات  
بدل گئے تو جس طرح یہ انسانوں کی راحت اور جلب نفع کیلئے نرمی  
کا حکم دیا تھا، اسی طرح اور اسی مقصد سے یہاں سختی و قتل  
کا حکم دیا اور اس کی علت کو کھول کر بیان کر دیا کہ :

الفتنة اشد من فساد خون ریزی سے بڑھ کر  
القتل (۲ : ۱۸۷) برائی ہے۔

(۲)

وقاتلواہم حتی لا تكون فتنة (۲ : ۱۸۹) فساد باقی نہ رہے۔

جس طرح قانون قتل کی برائی کو زائل کرنے کے لئے قتل کی برائی کو  
مجبوراً اختیار کرتا ہے اسی طرح قرآن نے فتنہ و فساد سے ارض الہی  
کو پاک کرنے کیلئے تلوار سے مدد لینے تک کی اجازت دیدی ہے۔

بیشک نرمی اور نرم رفتاری کو خدا دوست رکھتا ہے، لیکن سخت  
گہروں اور ظالموں کو سختی سے باز رکھنے کیلئے جب تک سختی نہ کی  
جائے نرمی قائم نہیں ہو سکتی۔ فتنہ و فساد اسے پسند نہیں، مگر

فتنہ و فساد کے لئے لاج بالامثال کرنا پڑتا ہے۔

واما ینزعنک من الشیطان نذغ اور بدلہ لینے کا ولولہ پیدا ہو تو خدا  
فاستعذ باللہ انہ سمیع سے پناہ مانگ، وہ سننے والا اور جاننے  
علیم (۱۹۸ : ۷) والا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر احسان علم اور عاجزی و فروتنی کو اس  
پیرایہ میں فرمایا :

ولا تدش فی الارض مرحا زمین پر اتر کے نہ چلا کرو، اس طرح  
انک ان تخرق الارض وان چلکر زمین کو پھاڑ تو سکتے نہیں اور  
تبلغ الجبال طولاً کل ذلک نہ تنکر چلنے سے پہاڑوں کی لمبائی  
کان سیئة عند ربک مکروہا کو پہنچ سکتے ہو، یہ تمام باتیں خدا  
(۱۷ : ۴۰) کو ناپسند ہیں۔

سورہ فرقان میں اپنے نیک بندوں اور سچے موعظوں کی جہاں  
خصلتیں گڈائی ہیں وہاں پہلا وصف یہ کہا :

وعباد الرحمن الذین اور رحم کرنے والے خدا کے رحم طینت بندے  
یمشون علی الارض وہ ہیں جو زمین پر نہایت فروتنی کے  
ہونا اذا خاطبہم ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے  
الجاهلون قالوا سلاما جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو سلام کر کے  
(۲۵ : ۶۵) الگ ہو جاتے ہیں۔

سورہ شوریٰ میں ایک ایسے ہی موقع پر عموماً کا سب سے بڑا  
وصف یہ قرار دیا ہے کہ :

اذا ما غضبواہم اور جب انکو غصہ آجاتا ہے تو خطاوں  
یغفرون (۴۱ : ۳) سے درگزر کرتے ہیں۔

اصطلاح قرآن میں (عز امور) ایک انتہائی وصف ہے جو انبیاء  
جلیل القدر کی مدح میں آیا ہے لیکن عفو و صبر کرنے والے کیلئے بھی  
اسی کو استعمال کیا۔

وامن صبر و شکر ان اور جو صبر کرتے اور خطاؤں کو  
ذالک لمن عزم الاہل و بعثتہ تو بے شک یہ بڑے  
(۴۲ : ۴۲) ہمت کے کام ہیں۔

احسان علم کی مان تعلیمات کا استقصا کیا جائے تو اس طرح کی  
بیسوں آیتیں اور ملیں گی۔

یہ تعلیم تو علم اور گویا اصل اخلاقی کا حکم رکھتی ہے، لیکن  
جب عوارض سے حالات متغیر ہو جائیں اور عفو و درگزر کی جو علت  
تھی (یعنی نفع خلاق اور عدم مضرت رسانی) عفو و درگزر سے خود  
وہ مفقود ہونے لگے تو اس حالت میں پھر بہ شرائط عدل و وسطیت،  
انتقام اور بدلے کی سختی کو جائز کر دیا۔

خزائے سنیۃ سنیۃ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی  
عظمتا (۴۲ : ۳۸) سے کرو۔

انک چلکر اسکو صاف کر دیا :

من انتصر بعد ظلمہ اور اگر کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اسے  
من انتصر ما علیہم من بعد بدلہ لے تو ایسے لوگ معذور ہیں  
سبیل۔ انما السبیل علی انہر کوئی الزام نہیں الزام انہیں  
الذین یظلمون الناس پڑے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔

# مقالہ

## الانصر بالمعروف والنهي عن المنکر

اعب فی اللہ، والبغض فی اللہ - الساکت عن الحق شیطان الخوس

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون

عن المنکر وتؤمنون باللہ - (۱۰۶: ۳)

(۳)

عمل و اعتقاد

گذشتہ نمبر سے گویہ متحقق ہو گیا کہ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنے ہر پیرو پر فرض کر دیا ہے، لیکن اصل بحث ابھی باقی ہے۔ اس تعلیم کو اصولاً و اعتقاداً کون نہیں مانتا؟ لیکن اخلاق اور مذہب کی ہر تعلیم میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اعتقاد اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں، جو اصول قابل عمل نہ ہو، وہ کاغذ کے صفحات پر کتنا ہی دلغریب ہو مگر انسانی مصائب کیلئے کیا مفید ہو سکتا ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا اس اصول پر عمل بھی کرسکتی ہے یا نہیں؟

”اسلام“ یکسر عمل ہے، مذہبی تاریخ میں جو انقلابات دھن و اصول سے عمل کی جانب ہوئے ہیں اور جنکی ابتدائی حالت کا مکمل نمونہ (گرتہ بندہ) اور آخری صورت (مسیحی تحریک) تھی، اسلام <sup>اول</sup> انقلاب آخری کا نام ہے، جسکے بعد مذہب ایک خالص عملی قانون کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور وہ تمام چیزیں نکل گئیں، جو اسکی عملی طاقت کو مضرت پہنچاتی تھیں۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ امر بالمعروف ایک اسلامی اصول ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ وہ محض ایک مذہبی زندگی زمانے والا اصول ہی نہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے والا قانون ہے۔

حب و بغض اور عفو و انتقام

سب سے بڑی مشکل جو اس اصول کی عملی راہ میں پیش آتی ہے وہ اخلاقی تعلیمات کی درنگی ہے، ایک طرف عفو و درگزر اور محبت و عاجزی کی تعلیم ہے، دوسری طرف نیکی و بدی کے احتساب کی سختی اور انتقام و عقوبت ہے۔ خود قرآن کریم ہی تعلیمات میں بھی یہی مشکل پیش آتی ہے۔ ایک طرف عفو و نرمی اور حکمت و موعظہ کا حکم ہے، دوسری طرف سختی و انتقام اور اسد و خیر کے احکام پر زور دیا گیا ہے۔ یورپ کے مورخین جب تعصب و جبر کے تاریکی میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس اختلاف تعلیم کی بات انہیں کچھ نظر نہیں آتا، پھر پریشان ہو کر اس اختلاف کو (مذہبی) زندگی کے اختلاف حالت کا نتیجہ بنا لیتے ہیں کہ جب تک اسلام بے بسی اور محتاجی کی

حالت میں تھا، نرمی اور عفو و درگزر کی تعلیم سے زندگی کا سہارا دھونڈھتا تھا۔ لیکن مدینہ میں آکر جب تلوار ہاتھ آگئی تو پھر حکومت اور طاقت کی حالت میں عاجزی و مسکنت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن: واللہ یعلم انہم لکاذبون۔

عفو و انتقام کا اصل اصول

اس بحث کا یہ موقعہ نہیں، لیکن اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جس اصول پر قائم کیا ہے، وہ حسب ذیل ہے:۔ فقہاء کا ایک عمدہ اصل ہے کہ ”اصل ہر شے کی اباحت ہے تا آنکہ کوئی سبب حجت پیدا نہ ہو“ انگور کا عرق فی نفسہ ایک مفید اور عمدہ شے ہے، لیکن جب اس میں نشہ پیدا کر دیا جائے اور نشہ کی وجہ سے انسان کے دماغ اور اخلاق کو نقصان اور اس نقصان کی وجہ سے امن عامہ میں خلل اور سوسائٹی کا ہرج ہو تو وہ پھر حرام قطعی ہے۔

بالکل اسی طرح اخلاق میں بھی اصل عمل (محبت) ہے تا آنکہ کوئی سبب لاحق ہو کر (بغض) سے تبدیل نہ کر دے، یعنی دنیا میں ہر شے محبت کے زیر قانون ہے اور کوئی نہیں جو محبت و پیار کا مستحق نہ ہو، لیکن اس محبت کے اوپر بھی ایک قانون عام کی حکومت ہے یعنی ”نفع رسائی اور حقوق العباد کی نگہداشت“ پس اگر کوئی علت ایسی پیدا ہو جائے جسکے سبب سے محبت کی صورت اپنی معبودیت کو مسخ کر دے، تو پھر ہر محبوب شے کو اپنی نظروں میں مبغوض بنالو، اور جس قدر محبت کی راہ میں محبت کا جوش رکھتے تھے، محبت ہی کے خاطر بغض کی راہ میں بغض کا جوش ظاہر کرو۔

غور کرو، قانون دنیا میں کیا چاہتا ہے؟ محبت یعنی امن کو قائم کرنا، لیکن محبت کی خاطر عداوت اور امن کی خاطر بد امنی اسکو بھی کرنی ہی پڑتی ہے۔ اسکی انتہائی آرزو یہ ہے کہ انسان کی زندگی کو مہلکات سے نجات دے، لیکن زندگی بخشنے کیلئے اسے موت ہی کے حربے سے کام لینا پڑتا ہے۔ انسانوں کو پھانسی پر چڑھا کر مارتا ہے اور کہتا کہ یہ اسلئے ہے تا کہ انسان گلا گھونٹ کر نہ مارے جائیں۔

پارلیمنٹ اور جمہوریت امن اور آزادی مانگتی ہے، مگر امن کی خاطر اسے شخصی حکومت میں بد امنی پیدا کرنی پڑتی ہے اور آئندہ قتل و زکریئے کیلئے بہتوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔

قرآن نے حب و بغض اور نرمی و سختی کے اصول کو اسی بنیاد پر قائم کیا ہے، اسکی عام تعلیم یہ ہے:

خذ العفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاہلین خطاروں سے درگزر کر اچھی باتوں کا حکم دے اور جاہلوں سے کڑاہ کش ہو جا اور اگر



نقل محنت الہی اور ”یحیہم ویحبونہ“

یہی راز ہے کہ خدا نے تمام قوموں کو اپنے اپنے دور میں اپنی خلافت بخشی اور ہر صالح جماعت کو اس ورثہ الہی کا حقدار بنایا (ان الارض یثیہا عبادی الصالحون) مگر کسی کو اپنی معبودیت اور معشوقیت کا درجہ عطا نہیں فرمایا۔ حضرت (داؤد) علی نبینا وعلیہ السلام کی نسبت ضرور کہا کہ:

یا داؤد! انا جعلناک خلیفۃ اے داؤد! ہم نے تم کو زمین فی الارض (۳: ۸۷) پر اپنی خلافت بخشی۔

بنی اسرائیل بھی مدتوں اس پر سرفراز رہے، لیکن انکی نسبت یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ خدا کے دوست اور محبوب بنائے گئے تھے۔ یہ اس امت مرحومہ کی مزید خصوصیت تھی کہ:

فسوف یأتی اللہ بقرم عنقریب اللہ ایک ایسا گروہ پیدا کریگا یحبہم ویحبونہ (۵: ۵۹) جنکو وہ اپنا محبوب بنائے گا اور وہ خدا کو محبوب رکھیں گے۔

لیکن اس جماعت کی علامت یہ بتلائی کہ:

اذلۃ علی المومنین، اعزۃ مومنوں کے ساتھ نرم، مگر کافروں کے علی الکافرین یجاہدون ساتھ سخت، اللہ کی راہ میں اپنی فی سبیل اللہ ولا یخافون جانیں لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے لومۃ لا اثم (۵: ۶) والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے۔

یہ مختصر آیت اس مشکل کا پورا حل ہے۔ مومن محبوب الہی ہے۔ کیونکہ ایمان باللہ سے بڑھکر محبت الہی کیلئے اور کونسی شے جالب ہو سکتی ہے؟ لیکن خدا نے اپنی محبت کے ساتھ طرف مقابل کی محبت کا بھی ذکر کیا کہ ”میں انہیں چاہتا ہوں اور وہ مجھے چاہتے ہیں“ (یحیہم ویحبونہ) اور یہاں ازباب ذوق کیلئے ایک نکتہ عجیب ہے۔ حضرت (یوسف) کے حالات میں یکسر عشق و محبت ہی کا افسانہ ہے، مگر وہ محبت محض یک طرفہ تھی، ”یحیہم ویحبونہم“ کی طرح دونوں طرف سے نہ تھی۔ صرف زلیخا ہی کی نسبت فرمایا کہ:

قد شغفہا حبہ (۱۲: ۱۳) یوسف کا عشق اُسکے دل میں جگہ پکڑ گیا ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ زلیخا جو کچھ کرتی تھی، اپنے نفس کی خاطر کرتی تھی، یوسف کی رضا جوئی مطلوب نہ تھی۔ جب عزیز مصر پر اصلیت منکشف ہوگئی تو ذلت و رسوائی سے بچنے کیلئے باوجود کمال استیلائے محبت و شغف خود ہی یہ صلاح دی کہ:

عاجزاً من اراد بالملک جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا سرے؟ الا ان یسجن۔ ارادہ کرے اسکی یہی سزا ہے کہ قید کیا جائے اور عذاب الیم (۲: ۱۲) یا سخت عذاب میں گرفتار ہو۔

لیکن عشق و خود پرستی دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے عشق کی تعریف یہ ہے کہ ”اولہا قتل و آخرہا حرق“ [اسکی ابتدا قتل نفس ہے اور انتہا تمام خواہشوں اور ہوا و ہوس کا فنا] یہاں سب سے بڑی مہمیت اپنے وجود کا حس اور اثبات ہے:

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

محبت کا اصلی مقام وہ ہے جہاں پہنچکر نفس اپنے کو فنا کر دیتا ہے

(اور پھر دست محبوب میں محض ایک آلہ بے روح بنکر رہ جاتا ہے۔ اُسکا دل اُسکے پہلو میں نہیں ہوتا، بلکہ محبوب کی انگلیوں میں ”یقلبہا کیف یشاء“ (جس طرف چاہتا ہے پھرا دیتا ہے) محبت کا استغراق خود اسکو محبوب کے صفات و خصائل کا ایک دوسرا پیکر بنا دیتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے تو اُسی کی نظر سے، اور سنتا ہے تو اُسی کے کانوں سے۔ خود اسکی کوئی خواہش اور کوئی مرضی باقی نہیں رہتی۔ محبوب کی خواہش اسکی خواہش، اور محبوب کی مرضی اُسکی مرضی بن جاتی ہے۔ (زلیخا) کو ابھی یہ درجہ حاصل نہیں ہوا تھا ورنہ اپنی ذلت و رسوائی کے خوف سے (یوسف) کو بارہ برس تک قید خانے میں نہ دیکھتی، البتہ جب اس راہ میں ترقی کر گئی تو پھر ننگ و ناموس نفس کی زنجیریں خود بخود توت گئیں اور پکار پکار کر کہنے لگی۔

ما ابری نفسی ان النفس اپنے نفس کو الزام سے نہیں بچاتی بیشک الامارۃ بالسوء (۵۳: ۱۲) میرا نفس برا ٹی پر آمادہ کرنے والا ہے

خدا نے اپنے مومن بندوں کو صرف اپنا ہی محبوب نہ کہا کہ یہ تو صرف زلیخائی ہوتی، بلکہ یحبہم ویحبونہم فرمایا کہ میں اگر انکو دوست رکھتا ہوں تو وہ بھی مجھکو محبوب رکھتے ہیں۔ اس تعلق محبت کو محب و محبوبی اور عشق و معشوقی، دونوں سے مرکب بنایا، تاکہ مقام ایمان کی اصلی علامت اور خصوصیت ظاہر ہو جائے، اور ایمان باللہ فی الحقیقت اللہ کی محبت ہی کا نام ہے: والذین آمنوا، اشد اور جو لوگ ایمان لائے ہیں انکی خدا سے حباً للہ (۲: ۸۸) نہایت درجہ محبت ہے۔

محبت کی شرط اولین فنا فی المحبوب ہے، اسلئے مومن مخلص بھی وہی ہے جو اپنی تمام خواہشوں اور قوتوں کو بھولکر صرف خدا کی مرضی اور ارادے پر اپنے تئیں چھوڑ دے۔ خدا کی مرضی اُسکی مرضی، اور خدا کی خوشی اُسکی خوشی ہو۔ یہی معنی خلافت الہی کے ہیں کہ وہ دنیا میں اللہ کی صفات کا عکس کا مظہر، اور اسلئے اسکا جانشین ہے۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

پس جب مقام ایمان محبت الہی، اور محبت بغیر حصول فنا فی المحبوب محال، تو یہیں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بے نقاب ہوجاتا ہے۔ (مومن) کی تعریف یہ ہے کہ خود اسکی نہ کسی کے ساتھ دوستی ہو اور نہ دشمنی نہ کسی کی مدح کرے، اور نہ مذمت، بلکہ وہ دست الہی میں ایک پیدچان آلہ بنکر اپنی محبت اور دشمنی کو راہ محبوب کیلئے وقف کر دے۔ جو خدا کے دوست ہیں، وہ اسکے دوست ہوں، اور جو اُسکے دشمن ہیں، وہ اُسکے دشمن ہوں، اُسی کی راہ میں درستی، اور اُسی کی راہ میں دشمنی، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔ خدا نیکی اور اعمالِ حسنہ سے خوش ہوتا ہے، پس یہ بھی جہاں کہیں نیکی کو دیکھ، اپنا سر جھکا دے۔ وہ بدی اور بد اعمالی پر غضبناک ہوتا ہے (لا یرضی بعبادۃ الکفر) پس اسکو بھی جہاں کہیں بدی نظر آئے، صفات الہی کی چندر آرزو کرے۔ جسم بن چنے۔

اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے	ولو لا دفع اللہ الناس
ہاتھ سے نہ ہٹاتا تو تم صومعے اور	بعض بعض لحدت
گرجے اور تمام عبادت گاہیں اور مسجدیں	صوامع و ربيع و صالات
جن عین قدرت سے خدا عالم لیا جاتا ہے	و مسجد و یذکر فیہا
انہی کے عہدہ ہو گئی ہوتیں۔	اسم اللہ الشہداء (۴۲:۲۲)

و كذلك جعلناهم امة وسطا

انہد ارسالہ  
رسالہ بالبدنات  
وانجوانہ ععم  
الکذب والہ  
لیقوم الہ  
بالقسط والعدل  
التحذیر فیہ  
شدید و عذاب اللہ  
کالمسۃ اپنے اندر رکھتا ہے ۔

یہ ناکور ہے، دنیا کیلئے محبت کی صورت موعظی، ہو مگر  
 ایسوس کہ سودمند نہیں۔ عدل کی پیشانی پر اگرچہ خوشنمائی کی  
 بلندی کی جگہ سختی و خشونت کی لکڑیں ہیں، لیکن دنیا کا  
 تمام نظام صرف اسی کے دم سے ہے۔ پس خدا نے اپنی ملت کو  
 بمی اپنے صفات کی دعوت دی اور اپنی شان عدل کی طرح اسکو  
 بمی (امت وسطاً) قرار دیا تاکہ وہ اسکی زمین پر ایک عادلانہ خلافت  
 ہو اور اسکی طرح کسی جذبے میں نہ تو اسراف کرے (یعنی رحم کے  
 عوقد پر رحم کو، اور سختی کے عوقد پر سختی کو اسکی ضرورت سے  
 زیادہ خرچ کرنا) اور نہ تذبذب کا طریقہ اختیار کرے (یعنی رحم کی جگہ  
 قہر - اور قہر کی جگہ رحم) -

# زموربان :- بھڑاٹ

شیخ المجاہدین، محبوب الاسلام والمسلمین

البطل العظیم غازی انور بک

متع الله الاسلام والمسلمین بحفظ وجودہ و طول حیاتہ

(۵)

طرابلس کی ایک لیلۃ الشہداء

— \* —

اس ایک ہی آسمان کے نیچے ایک ہی وقت میں کیسے کیسے مختلف اور متضاد تماشے ہوتے ہیں! اگر ہماری طرح آسمان بھی دیکھنا ہوگا تو اس کے سامنے کیسے عجیب اور مدہش منظر ہونگے! ایک روشے میں نشاط و شادمانی کا ہنگامہ بپا ہے، دوسری طرف حسرت و نامرادی کے ماتم سے دنیا کو فرصت نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ جس وقت دنیا کے ایک حصے میں پھولوں کی سیج پر خواب نوشیں کے لذت یاب کروتیں بدل رہے ہوں، عین اسی وقت کسی دوسرے حصے میں گرم بالو اور تیز کانٹوں پر خون چکان لاشیں تڑپ تڑپ کر تھنڈی ہو رہی ہوں!

لیکن لذت و عیش کے پرستاروں کو قتیلان حسرت و یاس کا افسانہ سننے کی مہلت کہاں؟ اگر غم کے ماتم کدوں میں آگ لگ گئی ہے تو عیش کے عشق کدوں میں گلاب کا چھڑکاؤ کیوں روک دیا جائے؟ دنیا کے کارخانے ہمیشہ غفلت کی کل سے چلے ہیں اور چلتے رہیں گے۔

زخار خار محبت دل ترا چہ خبر؟

کہ گل بحیب نہ گنجد قبائے تنگ ترا

\*\*\*

لیکن اگر حفظ وطن، جہاد فی سبیل اللہ، جوش ملی، اور وطن پرستی کا خون کچھ بھی قیمت رکھتا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ (سرزمین طرابلس) کی قیمت کیا ہوگی؟

۱۹۱۱-۱۲ اکتوبر کا آفتاب جبکہ مسیحی وحشت و درندگی کی خوں ریزوں کو دن بھر دیکھ کر، ساحل طرابلس پر کانپتا ہوا پہنچا، تو اس کے سامنے اب ظلم و مظلومی، قتل و مقتولی، قہقہہ وحشت اور مایوسی کی جگہ، صرف ایک ہی قسم کا منظر باقی رہ گیا تھا۔ موت و حیات کی بقیہ کشمکش، روح و جسم کی مفارقت کا آخری اضطراب، انسانی احتضار کی تڑپ اور بیقراری، گرم گرم خون کے فواروں کا جوش و خروش، زخموں کی کنکریوں اور کانٹوں پر مالاہٹ، ایٹھوں کی جانکنی کی بے چینی میں پیہم پتک، اپنی ہی دنیا پر الوداعی نظر اور موت کی اس چھائی ہوئی خاموشی

میں گاہ گاہ آٹھنے والی درد کی چیخیں، اور بند آنکھوں سے بہنے والے چند قطرہ ہائے اشک؛ بس یہی منظر تھا جو اس سرزمین کے تماشائی کیلئے باقی رہ گیا تھا۔

\*\*\*

کشنگان ظلم و ستم کی برہنہ لاشوں کی تجھیز و تکفین کیلئے جب کوئی ہاتھ نہ بڑھا تو رات کی تاریکی نے چادر ظلمت ڈال دی۔ جبکہ دنیا کی کبھی بند نہونے والی حرکت کی نبض، طرابلس کی لاشوں کی طرح بالکل خاموش تھی، اور اسکا سرد دل ریت پر جمے ہوئے خون کے لٹھروں کی طرح منجمد ہو گیا تھا؛ کھجور کے درختوں کے جھنڈ اور منہدم مکانوں کے ٹیلوں پر سے چاند کی مدہم روشنی نے سر نکالا۔ آہ! یہی چاند اس وقت کسی نشاط سرائے عیش و عشرت کے صحن میں اپنی دھیمی دھیمی کرنوں کے اندر کیسا شگفتہ اور راحت بخش ہوگا؟ مگر یہاں، اس صحرائے وحشت، اس ماتمکدہ انسانیت، اس شہادت زار خون باز، اور اس خوابگاہ اجساد اموات عین اسکی خاموش روشنی کیسی غمگین اور الم ناک ہے!

\*\*\*

ایکایک اندرون صحرا کی طرف سے چاند کی بھیدانک روشنی میں، ایک سیاہ قد نمودار ہوا۔ اس مدبذہ اموات میں یہ ایک تنہا متحرک جسم تھا۔ وہ ایک اونٹنہنی پر سوار تھا جو اسکی طرح بالکل چپ تھی۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا مگر لاشوں کے ڈھیر کو رحم دل اونٹنہنی اپنے گھٹنوں سے ٹکرا دینے پر راضی نہ ہوئی۔ وہ نہایت آہستگی سے آتر کر خون انسانی کے اس سمندر کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ یہ اس کے لبوں کے ہلنے کی آواز ہے یا دل کے دھڑکن کی؟ مگر جس عالم میں وہ کھڑا ہے، یہاں لبوں کی حرکت اور دل کی دھڑکن، گویائی میں دونوں برابر ہیں، بلکہ عجیب نہیں کہ لبوں سے نکلی ہوئی آواز کو سننے والا اب یہاں کوئی نہ ہو، مگر دل کی صدا کو ہر اب رخم ساکڑ خون کے آنسوؤں سے جراب دیدے :-

وہ کچھ عرصے تک ایک غیر متحرک سنگین بت کی طرح خاموش کھڑا رہا، پھر اس نے گردن اٹھائی، پلے اپنے سامنے کے منظر خونین پر نظر ڈالی اور چاند کو دیکھ کر بولا۔

”آہ! زندہ گی کے عیش و نشاط پر چمکنے والے چاند! تجھ کو آج بھی اس فضائے خونین پر آنکلنے کی مہلت ملگئی۔ انسانی غفلت کے لعنت کدوں کو روشن کرنے کے بعد تجھ کو فرصت ملگئی کہ جہاں کی متبرک وحشت کو بھی جہانک کر دیکھ لیں! لیکن تو جو ظالموں کے سرور پر بھی چمکتا ہے، اور انسانی سببیت و درندگی کے چہروں کو بھی اپنی کرتوں سے نمایاں کر دیتا ہے، کیا حق رکھتا ہے کہ ان مقدس لاشوں پر اپنی ملوث روشنی ڈالیں؟ تیرے لئے انسانی فسق و معصیت کے پرشیدہ دریچے کافی نہیں ہیں کہ انسانی شرف

اذلّة علی المؤمنین، اعزّة علی الکافرین - نیکی کے سامنے جس قدر عاجز ہو، اتنا ہی بدی نہ آگے مغرور و سخت ہو۔

• خدا نہیں دیکھتے کہ خدایا تعالیٰ نے جہاں امر بالمعروف کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی ایمان باللہ کا بھی نام لیا ہے :

کنتم خیر امت اخرجت للناس، تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو کہ تمہارے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے واسطے ایک ناموں کا حکم دیتے ہو اور ہر ایک کے منکر و توہماتوں باللہ سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اس لئے کہا کہ امر بالمعروف کا فرض بغیر کامل ایمان باللہ کے ادا نہیں ہو سکتا۔ ایک انسان جو ہوائے نفس میں گرفتار ہے، درہم و دنانیر کو بچتا ہے، لذت نفس اور عیش دنیوی کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے، اور دنیوی رسوم و عزت کو اپنا معبود سمجھتا ہے؛ ممکن نہیں کہ اپنے اندر نیکی کے حکم، اور بدی کی روک کی طاقت پاسکے۔ وہ مشرک ہے۔ گویاں سے دعویٰ ایمان کرتا ہو مگر ایمان کی حالت اسکو کبھی چکھنا بھی نصیب نہیں ہوئی :

وما یومن اکثرہم باللہ اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ گو ایمان الاہم مشرکون کا دعوا کرتے ہیں مگر فی الحقیقت مبتلائے شرک ہیں۔ (۱۹:۲۵)

عبادت اور بندگی کے معنی کسی مجسم بت کو پرچنا ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ شے جسکے لینے کا حق صرف خدا ہی کو تھا، اگر اُسکے سوا کسی دوسری ہستی کو دیدی جائے، تو یہ بھی شرک ہے (مگر اسکی تشویم کا یہ موقعہ نہیں۔)

خدا نے سب کچھ انسان کیلئے، مگر انسان کو اپنے لئے بنایا۔ پس ایمان باللہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان سب کچھ آروز کو دیدے مگر خود اپنے تئیں خدا کے سوا آرز کسی کو نہ دے۔ اگر وہ اپنی خواہش اور مرضی کو اُسکی خواہش اور مرضی پر مقدم رکھتا ہے تو وہ دعویٰ ایمان میں سچا نہیں۔

ہجوم خیالات سے سلسلہ سخن باز باز ٹوٹتا ہے اور پھر چند قدم چلکر واپس ہونا پڑتا ہے۔ حاصل سخن یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی کرسکتا ہے جو ایمان باللہ میں راستہ و مستقیم ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ محبت الہی کی راہ میں مستقیم ہو اور سب کو خدا کیلئے اختیار کرے اور سب کو خدا کیلئے چھوڑ دے۔ خود اسکی کوئی ذاتی محبت اور ذاتی عداوت نہ ہو۔ نہ اپنی غرض کیلئے دوست بنے اور نہ اپنی غرض کیلئے دشمن۔ وہ ہر شے کو خدا کی آنکھ سے پیار کرے اور اُسکی آنکھ سے دشمن دیکھے۔ اسکا کوئی وجود، اسکی کوئی زندگی، اسکی کوئی صدائے خدا کی آواز کے پائوں سے چلے، اور جب سنے تو خدا کے نام سے سنے، اور جب بولے تو خدا کی آواز سے بولے۔ اور اللہ تعالیٰ فی ہذا المقام :

من یحسان زناہم وزجان نیم  
من زجان بگذشتیم و جانا نیم  
چشم و دست و پیم او گرفت  
من بدر رسم، سرایم او گرفت

این بصرین سمع، چون آلات ارست  
بلک ذرات تزم مرآت ارست  
نغمہ از نائیسٹ، نے از نے؛ بدان  
مستی از مناقیست، نے از می؛ بدان  
چون مرا دیدی، خدا را دیدہ  
گرد کعبہ صدق بر گردیدہ  
گفتن من گفتن اللہ بود  
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود  
ما چو مست از دیدن ساقی شدیم  
مست گشتیم، از غذا باقی شدیم

یہ (عارف زمینی) کی مستانہ نغمہ پردازیاں ہی نہیں ہیں، بلکہ عین ترجمہ ہے اُس مشہور حدیث قدسی کا، جسکے (امام بخاری) کتاب التواضع میں لائے ہیں کہ :

لا یزال عبدی یتقرب جب میرا کوئی بندہ بذریعہ نوافل کے الی بالنوافل، حتیٰ احببتہ مجھے قریب ہوتا ہے تو اُسکو اپنا محبوب فاذا احببتہ، کنت سمعہ بنالینا ہوں، پس جب وہ محبوب بن گیا، تو الذی یسمع بہ، و بصرہ میں اُسکا کان ہوجاتا ہوں، میرے کان الذی یبصر بہ، و یدہ سے سنتا ہے، اور اُسکی آنکھ ہوجاتا ہوں التي یطش بہا، و رجلہ میری آنکھ سے دیکھتا ہے، اور اسکا التي یمشی بہا، پانوں ہوجاتا ہوں، میرے پانوں سے چلتا ولسانہ الذی یتکلم ہے، اور اُسکی زبان ہوجاتا ہوں، میری بہ، و لسان سألنی زبان سے بولتا ہے۔ وہ جو مانگتا ہے، لاعطینہ، و لسان عطا کرتا ہوں، اور جب پناہ مانگتا ہے استعاننی، الاعینہ پناہ دیتا ہوں۔

”یحبہم و یحبونہم“ کا یہی مقام ہے اور یہیں پہنچکر (پیرہرات) اپنی فریاد ضبط نہ کرسکا اور مضطربانہ چیخ اُٹھا کہ ”خدایا میں چہ بوالعجبی ست کہ با دوستان خود میکنی؟ تاوقتیکہ ترا می جستیم، خود را یافتیم، انہوں خود را می جوئیم، ترا می یابیم“

صحابہ کی جماعت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھکر محمد ابن عبد اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر ارشاد الہی ہوا کہ وہ ہاتھ عبد اللہ کا نہ تھا بلکہ خود اللہ کا تھا : ان الذین ینایعونک انما یدعایعون اللہ، ید اللہ فوق یدہم - (۱۱:۴۸) و ما رمیت اذ رمیت، و لکن اللہ رمی (۱۸:۸)

وزاء ذاک، فلا اقول، لاننی  
سر، لسان النطق عنہ اخرجس

ناظرین اگر طول سخن سے گھبرا نہ جائیں تو ابھی ایک نمبر اس موضوع پر اور باقی ہے۔

لذین بود حکایت دراز تر گفتم  
چنانکہ حرف عصا گفت مرسی اندر طور

اُس نے فرانسیسی سفارت خانے اور فرانسیسی معلم افسروں کا محاصرہ کر لیا ہے نیز مراکش میں عام طور پر اس کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ جو یورپین باشندے شورش سے خائف ہو کر بھاگے تھے مقام صفی پر روئے گئے اور فدیہ دینے پر مجبور کئے گئے، لندن ٹائمس کے ایک تار کے بموجب اس وقت فاس سے ۷۵ میل کے فاصلے پر کرنل میڈگن چار ہزار آدمیوں کے ساتھ شہر میں ہنگامہ مچا دینے کی تیاری کر رہا ہے۔



فرانسیسی درندہ کشت و خون اور مسیحی لعنت کا نزل، فاس (مراکش) کے دروازے پر

### شورن عثمانیہ

گورنر ترکی کی موجودہ مشکلات کو جس لہجے میں بیان کرتا ہے وہ اس کی خبر رسانی کے ضروری اجزا، کذب و مبالغہ سے خالی نہیں، مگر اسمیں شک نہیں کہ نئی ترکی اپنی زندگی کے ایک نئے بحران میں پھر مبتلا ہو گئی ہے۔

اٹلی طرابلس کے ساحل پر ناکام رہی ہو مگر اسمیں شک نہیں کہ (عائتی نگر) سے کچھ دیر کیلئے کلم نکال لینے میں تو ضرور کامیاب ہو گئی، یہ تمام تدبیریں صرف اسلئے ہیں کہ کسی طرح ترکی کو صلح کر لینے پر مجبور کیا جائے۔ اس وقت تک جو حالات روشنی میں آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ماہ سے برابر عائتی نگر اپنے کاموں میں سرگرم تھی، اب ترکی علاقے میں علانیہ اُس نے اسلحہ تقسیم کئے مگر اس سے پہلے پوشیدہ کر رہی تھی۔

ترکی علاقہ بریانی میں عیسائیوں کی بغاوت کی خبر حالات کو زیادہ مخدوش ثابت کرتی ہے۔ (کوچنہ) کا حادثہ جس کی خبر پہلے نمبر میں درج ہو چکی ہے بلغاریا اور استریا کیلئے ایک اچھا بہانہ ہو گیا ہے، استریا نے کاؤنٹ ہرچولڈ نے ایک کانفرنس کی تجویز پیش کر دی ہے، اور ۱۹ - کی خبر ہے کہ انگلستان نے اُسے منظور کر لیا ہے، اور ایسا ہے تو صورت معاملہ خطرے سے خالی نہیں مگر ترک اس وقت تک اس تجویز کی برابر تعقیر کر رہے ہیں۔

۲۱ - کی تاریخی ترکی کی استقامت اور مستعدی کی خبر

دیتی ہے کہ ایک گشتی چٹھی باب عالی نے دل یورپ کو

کر کے آگے بڑھ آیا ہے اور منظر زیادہ صاف ہے سامنے خون و میت کا ایک سمندر سکون و سکوت میں تھا۔ اس نے پھر ایک مرتبہ جھک کر سامنے کی لاش پر بوسہ دیا اور کہا۔

”اے کبریاے منتقم و قہار کی نگراں آنکھیں! اے ملائکہ سموات کی بے شمار جماعتو! اور پھر اے خون کے سمندر، اور لاشوں کے صحرا! تم گواہ رہنا کہ میں اپنے تئیں خدا کے ہاتھ سپرد کر دیتا ہوں۔ ایک لمحے، ایک دقیقے، ایک چشم زدن کیلئے بھی الگ نہیں رہ مجھ کو اپنی غیبی تلوار بٹائے، اور پھر یادگار نہ رکھے۔ یہ خون کب تک ہے آواز بہتا رہے گا؟ کب تک خدا کے دشمنوں کی لعنت سے وطن مقدس کی سر زمین ناپاک رہے گی؟ میں ایک بے سر سامان مسافر ہوں، اور دشمن کی فوجوں کے غول بحر و بر پر قابض، مگر اے خدا! تیری جڑوں مخفی کہاں ہے؟“

یہ کہہ کر اس نے اپنے گھر آنسوؤں کے چند قطرے اُس سرد لاش پر ڈالے اور پھر یکایک پیچھے ہٹ کر خاموش اونٹھنی پر سوار ہوا اور صحرا میں غائب ہو گیا۔

\*\*\*

یہ صحرا اے لیبا کے امن و قتال کا تاجدار، (انور بک) تھا

## عالم سلاہی

### مشرق و مغرب

— \* —

مصر انگلستان کیلئے، مراکش فرانس کیلئے، طرابلس اٹلی کیلئے، ریت یونان کیلئے، مقدونیا ریاست ہائے بلقان کیلئے، اور باقی جو کچھ رہ جائے وہ آہستہ آہستہ تحلیل و تفرید کے بعد آسرو غلامی اور استعباد و محکوم کیلئے۔ یہ اسلام کی قسمت کا فیصلہ ہے جو یورپ کے دارالعدل کے صادر کر دیا ہے، اور اس کے مرافعے کیلئے کوئی دروازہ نہیں: و لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

مراکش عربی حکومت کا افریقہ میں ایک آخری نقش قدم تھا جو مت گیا۔ شاید کچھ دنوں پہلے مراکش کی سی حالت باقی رہتی تھی (مولائی حفیظ) ملک کا آخری سودا کر کے اب مکہ جاتا ہے کہ ادا کے گھر سے اسکا صلہ حاصل کرے، البتہ ملک میں ایک تازہ سریش پیدا ہو گئی ہے، (الہبا) کے گرد قبائل کا اجتماع روز بروز ہوتا جاتا ہے، (مولائی یوسف) کو فرانس نے تخت مراکش کی تائی کیلئے نوکر رکھا تھا مگر نکال باہر کر دیا گیا، اس سے امید دھلتی ہے کہ شاید فرانس کو اب مراکش کیلئے کوئی نیا بیعتنامہ مانا جائے۔ اس ہفتے جس قدر خبریں آئی ہیں سب کی سب اس کو قوی کرتی ہیں۔ جنرلی مراکو پر (الہبا) کے تسلط سے رہا میں آداسی چھا گئی تھی مگر اب ۲۲ کی تاریخی سے لوم ہوتا ہے کہ ۱۸ - کو فتحیادی کے ساتھ فاس میں داخل ہو کر







جائے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خبر دیدی ہے کہ ماتئی نگر کے حملہ کے نتائج کی وہ ذمہ دار نہیں، ایک بہت ہی قوی فوجی جمیعت برینی میں جمع ہو رہی ہے اور یقیناً جنگی کوائف اب تک پیدا ہو گئے ہونگے۔

برینی ترکی کا ایک مختلف سرحدوں سے متصل مقام ہے، ایک طرف سریا اور ماتئی نگر میں سرحدی برزخ کا کم دیتا ہے۔ دوسری طرف استونا کی سرحد سے بالکل قریب ہے۔ آخری خبر یہ ہے کہ ماتئی نگر کی وزارت مستعفی ہو گئی اور وزیر خارجہ کو امید ہے کہ اس سے حالات پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔

(البانیا) کی شورش کا بظاہر خاتمہ ہو گیا، البانیوں کی آخری دست برد اسکرپ پر قبضہ کر لینا تھا، جو سالونیکا سے ۱۶۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے انکا ارادہ سالونیکا جانے کا تھا اور ۲۷ میل جھٹک کر پریلی میں مقیم تھے۔ مگر ترکی توپزوں نے کیوبریلی کے پاس جمع ہو کر آخری پیغام ”اطاعت یا جنگ“ کا دیدیا۔ بالآخر ۲۱ - کی تار برقی ہے کہ گورنمنٹ کے رکلا اور البانی سرغنوں کے درمیان سمجھوتا ہو گیا ہے اور تمام البانی اپنے اپنے گھروں کو واپس جا رہے ہیں۔

در اصل البانیوں کی شورش محض بیان کردہ حقوق کیلئے ہی نہ تھی بلکہ پیچ در پیچ خفیہ معاملات اور ریشہ دوانیوں نے اپنے قریب میں لایا تھا۔ ہم ائیندہ اسکو تفصیل سے لکھیں گے

اٹلی اور ترکی کی صلح کی خبریں بار بار مشہور کی جاتی ہیں، اور پھر خاموشی چھا جاتی ہے۔ ۲۱ - کوزیوٹر لندن سے تار دیتا ہے کہ پیرس، سو فیہا، اور سقنچ کے عثمانی سفرا صلح کی ابتدائی بحثوں پر مزید کارروائی کر رہے ہیں۔ پھر ۲۲ کو قسطنطنیہ سے خبر دیتا ہے کہ عثمانی وزیر خارجہ سے بھی اسکی تصدیق ہو گئی ہے کہ اٹلی سے نیم سرکاری طور پر نامہ و پیغام جاری ہے۔

وزارت کا بحران فی الحقیقت مسئلہ صلح کی ریشہ دوانیوں ہی کی ایک کڑت تھی۔ لیکن اگر وہ ایسا کر گئی تو صلح کا نفاذ طرابلس میں تو غیر ممکن ہے، البتہ ترکی کیلئے تمام موجودہ مصائب سے بڑھ کر ایک آخری بردار کن مصیبت پیدا ہو جائے گی۔ خدا نہ کرے کہ اس کے بعد کوی زیادہ اعتبار پیدا کرانے والی خبر سننے میں آئے۔

وزارت کے بحران نے پھر کڑت لی اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ پے خبر آئی کہ فرید پاشا وزیر داخلی اور حلیم پاشا وزیر عدل مقرر ہوئے مگر بعد کی خبر ہے کہ فرید پاشا نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

## مصر میں وطنی ہیجان

انگلستان کا نظارت خارجہ مدت سے اس فکر میں ہے کہ اسکندریہ میں برطانیہ کیلئے ایک نیا بحری اسٹیشن بنایا جائے، ۲۳ جولائی ۱۹۱۲ء میں (مسٹر چرچل) نے اسکی نسبت صاف صاف

تصریح بھی کر دی تھی لیکن مسٹر چرچل کے بیان نے مصر میں ایک عام بے چینی پیدا کر دی ہے، ہر طرف یہی مسئلہ موضوع سخن ہے اور وطنی جماعتیں کہتی ہیں کہ رادی نیل کی غلامی کیلئے انگلستان کے کارخانہ میں یہ دوسرا طریق طیار کیا جا رہا ہے، تقریباً مصر کے ہر حصے بلکہ قضاہ و اطراف تک میں لوگ اظہار جوش و نراضگی کے جلسے کر رہے ہیں اور تار پر تار انگلستان بھجھ جا رہے ہیں، چنانچہ اسکندریہ کے عام جلسے نے متفق ہو کر اس مضمون کا تار بھیجا :

”بنام وزیر خارجہ انگلستان

مسٹر چرچل نے ۲۳ جولائی کو اسکندریہ میں ایک جدید بحری اسٹیشن کے موضوع پر جو ارادہ ظاہر کیا ہے، اسے ہم نے نہایت رنج اور نفرت کے ساتھ سنا۔ اسکندریہ مصر کا ایک شہر ہے اور مصر ایک عثمانی ولایت ہے۔ اس پر انگریزی قبضہ بالکل خلاف قانون اور طاقت و فرصت کا غصب و جبر ہے۔ پس کسی طرح برطانیہ کو اسکا حق حاصل نہیں کہ اس ارادے کو قانوناً عمل میں لاسکے۔ ہماری اس فریاد سے کان بند نہ کیجئے کہ حق اور مظلومی کو ظاہر میں ضعیف مگر اپنے اندر ایک مخفی طاقت رکھتی ہے۔ ہم اب تک آپ سے بالکل ناامید نہیں ہوئے۔ برطانی شرف و عزت اب بھی امید دلاتا ہے کہ آپ طمع سے سچائی کو اس طرح مغلوب ہونے نہ دیں گے۔“

## سمن بذابر انفصال مقدمہ

(آدر ۵ قاعدہ ۱۵)

نمبر مقدمہ ۱۰۲۱ سنہ ۱۹۱۲ء

بعدالت منصفی دیوریا ضلع گورکھ پور اجلاس جناب محمد شمس الحسن صاحب

مدعی ..... نرائن داس وغیرہ

مدعا علیہ ..... مکہ رام ولد رام چندر متوفی ساکن حال شہر

کلکتہ محلہ کالی گہات ملک بنگال

ہرگاہ کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ۲۰۰ - ۹ روپیہ

کے دائر کی ہے لہذا تمکو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۷ ساتویں ماہ ستمبر

سنہ ۱۹۱۲ء رقت دس بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے۔ جو

مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امور اہم

متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص

ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے۔ حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ

کی کر۔ اور ہر گاہ وہی تاریخ جو تمہارے احضار کے لئے مقرر ہے واسطے

انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تمکو لازم ہے کہ اسی

روز اپنے جملہ گواہوں کو جن کی شہادت پر نیز تمام دستاویزات جن

پر تم اپنی جوابدہی کے تائید میں استدلال کرنا چاہتے ہو اسی روز

پیش کرو۔ تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے

تو مقدمہ بہ غیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا

بہ ثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۶ ماہ اگست

سنہ ۱۲ - ۱۹ء جاری کیا گیا \* دستخط منصف

پر ٹوٹ پڑنے:

انا زہیر وانا ابن لقین  
میں زہر ہوں، ابن لقین ہوں۔ اپنی تلوار کی نوک سے انھیں جین سے دوڑ کر دنگ  
صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حسین کے شانے پر  
ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے:

اقدم بیتہا دیا ہسیدیا فالہوم لقتی جب کہ الہیا  
بڑھ، خدا نے مجھے ہدایت دی، آج تو اپنے مائے پانی کو مائے کربلا کر لیا  
جسنا والمرقتی علیا وذا الجاحین الفتی لکھا  
اور حسن سے اور علی مرقی سے، اور ہما: رجوان جعفر طیار کو

واسد المرشد الشہید الحیا

اور زہد شہید اسد مرشد سے:

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کہ قتل ہو گئے!  
غفار دی بھائیوں کی بہادری  
اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا نامکن ہو چنانچہ  
انھوں نے کیا کہ آپ کے سامنے ایک ایک کو قتل ہو جائیں۔ چہ بخر  
وہ غفاری بھائی آگے بڑھے اور اٹھنے لگے۔ یہ شعر ان کی زبان  
پر جاری تھے:

قد علمت حقاً بنو غفار دخت بعد بنی نزار  
بنی غفار اور قبائل نزار نے ابھی طرح جان لیا ہو  
لنفر من معشر الفیہا بکل عصب صارم تبار  
کہم بے پناہ شیر آبدار سے فاجروں کے طرح ٹپٹے اڑا دیں گے  
یا قوم فدودنا من بنی الاحرار بالشرنی والحقنا الحطار  
اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!

جابر بنی انکوں کی فداکاری

انکے بعد وہ جابری لڑنے کے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے۔ زہرا  
تظار رو رہی تھے حضرت نے انھیں دیکھا تو فرماتے لگے "اے میرے  
بھائی کے فرزند! کیوں رو رہے ہو؟ والد مجھے یقین دہا بھی چند  
لحے بعد بھاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی" انھوں نے گریہ سے  
لوٹی ہوئی آوازیں عرض کیا "ہم اپنی جان پر نہیں رو رہے۔ ہم آپ پر  
رو رہے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہو اور ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں  
آ سکتے" پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کر دیا  
بار چلاتے تھے "اسلام علیک یا ابن مولیٰ العباس" آپ جواب دیتے  
تھے "وعلیک السلام ورحمۃ اللہ" اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔  
آخر دونوں شہید ہو گئے۔

حظلم بن اسعد کی شہادت

انکے بعد حظلم بن اسعد، حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے  
اور گداز بلند دشمن سے مخاطب ہوئے "اے قوم! میں ڈرتا ہوں غدا  
وتمہو کی طرح تمھیں بھی روز بروز دیکھا پڑے! میں ڈرتا ہوں تم  
برادہ ہو جاؤ اے قوم! حسین کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب  
نازل کرے!" بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔

علی اکبر کی شہادت

غرض کہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے۔ اب بنی ہاشم  
اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے  
علی اکبر میدان میں گئے اور دشمن پر حملہ کیا ان کا رجز یہ تھا:

اے علی بن حسین بن علی سخن رب البیت اہل البیت  
میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے نزدیک زیادہ خدا ہیں  
تا ملہ لاکم فینا ابن الدعی

متم خدا کی ماسلم اب کے لڑنے کا بیابان پر حرکت نہیں کر سکتا!  
لہذا شجاعت سے لڑے۔ آخر وہ بنی نقاد العبدی کی تلوار سے شہید

ہو گئے۔ ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی  
سے نکلی۔ اتنی حسین تھی مجھے اٹھتا ہوا سورج! وہ چلا ہی تھی "آہ!  
بھائی! آہ! بھتیجے!" میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا "زینب  
بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" لیکن حضرت حسین نے ان کا ہاتھ  
بکڑ لیا اور خیمے میں پہنچائے۔ پھر علی کی نعش اٹھائی اور خیمے کے  
سامنے لا کر رکھ دی۔ (ایضاً)

ایک جوان رعنا

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروں قتل  
ہوئے۔ یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا وہ  
کرتہ پینے، تہ بند باندھے، اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں  
نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اس کا چہرہ  
چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بہتر آیا اور دشمن پر ٹوٹ  
پڑا۔ عمر بن سعد اذی نے اس کے سر پر تلوار ماری۔ نوجوان چلایا  
"اے چچا!" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سن کر ہی حضرت حسین نے  
باز کی طرح ٹوٹے اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ  
حملہ آور کا وار کیا۔ قاتل نے ہاتھ اٹھایا مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اڑ  
چکا تھا۔ زخم کھل کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اسے بچانے  
کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اسے رو نہ ڈالا۔  
راوی کہتا ہے: جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھا ہوں حضرت حسین  
لڑنے کے سر ہانے کھڑے ہیں۔ وہ اڑیاں اڑ رہا ہے۔ اور آپ  
فرماتے ہیں "ان کے لئے ہلاکت جنھوں نے مجھے قتل کیا ہو" ایتنا  
کے دن تیرے مانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے  
یہ سخت حسرت کا مقام ہو کہ تو اسے پیٹ لے اور وہ جواب نہ دے،  
یا جواب دے مگر تجھے اس کی آواز نہ پہنچ سکے! انھوں نے تیرے  
چچا کے دشمن بہت ہو گئے اور دوست باقی نہ رہے! پھر لاش اپنی  
گو د میں اٹھائی۔ لڑنے کا سینہ آپ کے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں  
زمین پر گر گئے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اسے لائے اور  
علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے میں نے لوگوں  
سے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا "قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب"

مولود تازہ کی شہادت

حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ عین اس وقت آپ کے  
یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں  
رکھا اور اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیرا یا  
اور بچہ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ بچہ کی روح اسی وقت پرداز  
کر گئی۔ آپ نے تیرا اس کے حلق سے کھینک نکالا، خون سے چھلچھرا  
اور اس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے "واللہ تو خدا کی نظر میں  
حضرت صالح کی ادنیٰ سے زیادہ عزیز ہو اور محمد خدا کی نظر میں صالح  
سے زیادہ افضل ہیں! الہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک  
لی ہو تو وہی کر جس میں بہتری ہو!" (یعنی نبی و اہل بیت وغیرہ)

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید  
ہو گئے۔ ان میں سے ذیل کے نام موصوفین نے محفوظ رکھے ہیں:

(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ  
بن عقیل (۴) عبدالرحمن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن ابی  
بن جعفر (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبد  
بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳)  
ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبداللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی  
بن محمد (۱۷) عبداللہ بن محمد بن حسین۔

ایک بچے کی شجاعت

ان کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تہا کھڑے

تھے۔ دشمن لیٹا کر کے آتے تھے مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہیں ہوتی  
تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے  
لیکن شمر بن ذی الجوش نے لوگوں کو برا بکھینچ کر مایوس کیا۔ ہر طرف  
سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند کم عمر  
لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کا ہاتھ منہ پر رکھ کر  
دیکھا تو جوش سے بے خود ہو گیا اور خیمہ کی لکڑی کے گرد ڈھیر پڑا رہا۔

کہتا ہے اس کے کانوں میں ڈھیر سے بلبلے ہوئے۔ یہ گھبرا ہوا وہاں  
بائیں دیکھا ہوا چلا۔ حضرت زینب کی نظر لڑکے کی طرف پڑ گئی۔  
حضرت حسین نے بھی دیکھا اور بہن سے کہا "وہ کسے رہو۔ آنے  
نہ پائے" مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو بھڑکایا اور حضرت  
کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اسی وقت شمر بن کعب نے آپ پر تلوار اٹھائی  
لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "ادخیت! میرے چچا کو قتل کر سکتا"۔  
سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اس نے ہاتھ  
پر رد کی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ ذرا سی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے  
چلایا۔ حضرت نے اسے سینے سے چسٹایا اور فرمایا "صبر کر۔ اے  
ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بھائیوں  
تک پہنچا دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علی بن ابی طالب، حمزہ جعفر  
اور حسن بن علی تک!"

حضرت حسین کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے زہر شروع ہوا۔ اپنے بھی تلوار چلائے  
کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تنہا اس کے قدم اکٹھا کر ڈی  
عبداللہ بن عمار، جو خود اس جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا  
ہو کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین پر حملہ کیا اور ان کے بالکل  
قریب پہنچ گیا۔ اگر میں جاہتا تو قتل کر سکتا تھا مگر معیال کر کے  
ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دائیں بائیں  
ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے تھے، لیکن وہ جس طرف چلے جاتے  
تھے دشمن کو جھکا دیتے تھے۔ وہ اس وقت کرتے پہنچے اور عمار  
باندھے تھے۔ والد میں نے کہی کسی شکستہ دل کو جھلک کر کا گھر  
خود اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو، ایسا شجاع ثابت  
قدم، مطمئن، اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں  
سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر  
بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت ہی۔ اسی اثنا میں  
آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے باہر نکلیں۔ تین  
کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھیں "کاش آسمان زمین  
پر ٹوٹ پڑے!" یہ وہ موقع تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حسین سے  
بالکل قریب ہو گیا تھا۔ زینب نے پکار کر کہا "اے عمر! ابوالعباس  
بھاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے؟" عمر نے فریاد  
لیا مگر اس کے رخسار اور دھڑکی پر اس وقت کی لڑائی کا کوئی اثر نہ تھا

آپ کے حلق میں شیر نہایت ہو گیا

لڑائی کے دوران میں آپ کو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پا پا  
پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک  
ایک تیرا یا اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیرا کھینچ لیا  
پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں جلو خون سے بھر گئے  
آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا "اللہ  
میرا شکوہ بھیجے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے بے کیا بڑا  
ہمد ہے!"

تو نیزہ سر پر ام آکر خوشی ادا کرتا!

شمر کو سزا

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹے لگے تو غم اس کے ساتھ تھا



۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء

ان تقروالی فذا بن المحر الشج من ذی لہز ہز  
اگر تم نے میرا گھڑا بیکار کروا دیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں، خود نک  
شر سے بھی زیادہ بہادر ہوں!

جیسے جلائے

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دہر ہو گئی مگر کو  
فوج غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ دہر یہ بھی کہ حسینی فوج نے تمام غنیمت  
جگہ کر کے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رخ سے حملہ کر سکتا تھا۔ غزوہ  
سعد نے یہ دیکھا تو غنیمت اٹھانے کے لئے آدمی بھیجے حسینی فوج  
کے صحت ۴-۵ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے خیرین  
کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی بد  
رہی تو عمر بن سعد نے جیسے جلا دینے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر  
دوڑے حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسین  
نے فرمایا ”کچھ پرواہ نہیں۔ جلائے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ  
بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کر سکیں گے“ اور وہ بھی ایسی

ام دہب کا قتل

اسی اثنائیں زہر بن لہز نے شہر زبردست حملہ کیا اور اس  
کی فوج کے قدم اٹھا ڈالے۔ مگر کتبک؟ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن  
کا ہجوم ہو گیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے  
لوگ قتل ہو چکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جا چکے تھے حتیٰ کہ علیہ  
بن عبدالمطلب بھی، جس کا ذکر ادھر دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کی بہن  
ہوئی ام دہب بھی شہید ہو چکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں بھی اپنے  
مقتول شہر کے چہرے سے مٹی صاف کر رہی تھی اور یہ کہتی جاتی  
تھی ”تجھے جنت مبارک ہوا“ شمر نے اسے دیکھا اور قتل کروا ڈالا۔  
(ابن جریر۔ شرح بیح البلاغہ)

نماز پڑھنے نہیں دی

ابو ثناء عمر بن عبدالمطلب نے اپنی بے بسی کی حالت  
محسوس کی اور حضرت حسین سے عرض کیا ”دشمن اب آپ سے بالکل  
قریب آ گیا ہے۔ والد آپ اس وقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے  
جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے  
نماز پڑھ کر لوں جس کا وقت آ گیا ہے“ یہ سنکر حضرت نے سر اٹھایا  
فرمایا ”دشمنوں سے کہو میں نماز کی اہلیت نہیں“ مگر دشمن نے  
درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

حبیب اور حر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگاؤ  
تھی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میرے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی  
قتل ہو گئے۔ گویا فوج کی کڑی گئی۔ حبیب کے بعد ہی حر بن  
زید کی باری تھی۔ وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی  
صفوں میں گھس پڑے:

آیت لا اقل حتی اقل ولن اصاب الیوم الاقبلا

میں نے قسم کھالی کہ قتل نہیں ہوں جب تک قتل نہ

کر لوں، اور دو گنا تو اسی حال میں دنگا کا گے بڑے رہا ہنگام

اضربہم بالسیف ضربا مقصلا لا کلاما عنہم ولا ہتلا

انہیں تلوار کی کاری صولوں سے مار دوں گا، نہ بھاگوں گا نہ ڈروں گا

زہر کی شہادت

چند لمحے کی بات تھی۔ حر زخموں سے چھ ہو کر گرے اور جان بحق  
تسلیم ہو گئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا حضرت نے اپنے  
ساتھیوں کے ساتھ صلوة الخوف پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ  
اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس موقع پر اپنے سینے کے سپہ سالار زہر  
بن لہز نے میدان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن

اور عبدالمطلب کے غلام یسار اور سالم میدان میں بچکے اور سار  
طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین کے  
لشکر سے ایک ایک جنگ آزا ہوتا اور پھر دونوں باہر گر بیکار کرتے لیکن  
حسین سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن حصیر بچکے لگے، مگر حضرت حسین  
نے انھیں منع کیا۔ عبدالمطلب نے کھلی نے کھڑے ہو کر عرض کیا:  
”مجھے اجازت دیجئے“ یہ شخص اپنی بوی کے ساتھ حضرت کی حمایت  
کے لئے کوڑے سے چلک رہا تھا۔ سیاہ رنگ، توند کا کٹا ہوا سینہ تھا،  
آپنے اس کی صورت دیکھ کر فرمایا ”بیشک یہ مرد میدان ہے“ اور اجازت  
دی۔ عبدالمطلب نے چند پھروں میں دونوں حریت زہر کے قتل کر ڈالے  
اس کی بوی ام دہب ہاتھ میں لائے کھڑی تھی اور جنگ کی  
ترغیب دیتی جاتی تھی۔ پھر بیکار اسے اس قدر جوش آیا کہ میدان  
جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حسین یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔  
فرمایا ”اہل بیت کی طرف سے خدا انھیں جزائے خیر سے لیکن عیون  
کے ذمہ لڑائی نہیں ہے“

گھٹنے ٹیک کر تیرے سید ہو گئے

اس کے بعد ابن سعد کے سینے نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ  
گئے تو حضرت کے دفاع زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور تیرے  
سیدے کر کے۔ نیز دل کے منہ پر گھوڑے بڑھ کر اس کے اوڑھنے لگے  
حضرت کی فوج نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور تیر بار کرکئی  
آدمی قتل اور زخمی کر ڈالے۔

عام حملہ

اب باقاعدہ جنگ جاری ہوئی۔ طرفین سے ایک ایک دودھ جوا  
مرد بچتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے حضرت حسین کے طرف زہر  
کا پہلہ بھاری تھا۔ جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ سینے کے سپہ سالار زہر  
بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اٹھا ”بیوقوف! پہلے جان لو  
کہن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اس طرح  
ایک ایک کر کے قتل ہوتے جاؤ گے ایسا نہ کرو۔ یہ مجھی بھریں۔ پھر لو  
سے انھیں مار سکتے ہو“ عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ  
مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ سینے کے  
بڑا ارکشت خون شروع ہو گیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رکی تو نظر  
آیا کہ حسینی فوج کے نامو بہادر مسلم بن عویص خاک و خون میں پڑے  
ہیں۔ حضرت حسین دودھ کر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ  
سرد بھر کر فرمایا ”مسلم! تجھ پر خدا کی رحمت! منہ صوم قضا خجہ و  
منہ صوم نیتطر دماہ وابتدلا“، مسلم بن عویص اس جنگ میں  
آج کی جانب سے پہلے شہید تھے (ابن جریر کا ل)

گھوڑے بیکار ہو گئے

سینے کے بعد میر نے یوزش کی۔ حر بن ذی الجوش اس کا سپہ سالار  
تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میرے نے بڑی ہی بہادری  
سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف ۳۲ سوار تھے جس طرف  
ٹوٹ پڑتے تھے، صفیں اٹھ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے  
محسوس کر لیا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ فوراً اپنی لگ طلب کی بہت  
سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو بھیج گئے۔ انھوں نے آتے ہی  
تیر برسا شروع کر دیے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے  
بیکار ہو گئے اور سواروں کو بیدل ہونا پڑا۔

حر کی شجاعت

ابوب بن مرشح روایت کرتا ہے کہ حر بن زید کا گھوڑا خود میں  
نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اسے تیروں سے چھلنی کر ڈالا۔ حر بن زید  
زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بالکل خبربر معلوم ہونے  
تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی ادیہ شمر زبان پر تھا:

میں نے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو اسے پیش کی ہیں؟ بہن  
سعد نے کہا ”خدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو غزوہ منظور کر لیتا۔ مگر کیا  
کر لوں؟ تمھارا حکم منظور نہیں کرتا“

حر بن زید یہ سنکر اپنی جگہ پر ٹوٹ آیا۔ اس کے قریب خود  
اس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرۃ بن قیس تھا  
قرۃ اس سے کہا ”تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟“ بعد میں  
قرۃ کہا کرتا تھا کہ اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی  
میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اس کی  
شکایت حاکم سے نہ کر دوں ”میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلا یا  
میں بھی جاتا ہوں“ یہ کہہ کر میں دوسری طرف روانہ ہو گیا۔ میرے  
دنگ ہونے ہی کرنے لگا حسین کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع  
کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص ماجر بن اس نے کہا ”کیا تم حسین  
کو دیکھنا چاہتے ہو؟“ حر خاموش ہو گیا۔ ماجر کو شک ہوا۔ کہنے

تمھارا منہ خوش شہدہ ہو۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمھاری یہ  
نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوڑے میں سب بڑا بہادر  
لوں جو تو تمھارے نام کے ہوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔  
پھر یہ اس وقت کا کر رہی ہو؟“  
قرۃ نے جواب دیا:

”تمھاری رحمت بخود رخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ والدین  
نے جنت کے سب سے بڑے ٹکڑے کو ڈالا ہے“

یہ کہا اور گھوڑے کو اڑ لگا کر لشکر حسین میں پہنچ گیا!

حضرت حسین کی خدمت میں پہنچ کر کہا ”ابن رسول اللہ! میں  
ابھی وہ بدبخت ہوں جسے آپ کو کھٹنے سے روکا، راستہ بھر آچکا  
ہے چھپا کیا، اور اس جگہ آ کر تیرے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم، میرے دہم  
لگان میں بھی۔ بات نہ مٹی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں  
گے اور آپ کے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ والدین کو مجھے  
یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کرینگے تو ہرگز اس حرکت کا ترکہ نہ ہوتا۔ میں  
اپنے قصوروں پر نام ہو کر توبہ کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ  
کے گھروں پر قتل ہو جانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے خیال میں یہ میری  
توبہ کے لئے کافی ہوگا؟“

حضرت نے شفقت سے فرمایا ”ہاں، خدا تیری توبہ قبول کر  
تھے بخشے۔ تیرا نام کیا ہے؟“ اس نے کہا ”حر بن زید“ فرمایا ”تو  
حر یعنی آزاد! ہی ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو  
دینا اور آخرت میں انشاء اللہ خیر ہے“

کو فیوں سے حر کا خطاب

پھر حر دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور کہا ”اے لوگو!  
حسین کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں  
کر لیتے۔ تاکہ خدا تمھیں اس امتحان سے بچالے؟“ لوگوں نے جواب  
دیا ”یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں، جواب میں گے“ حر نے  
کہا ”میری دلی خواہش تھی کہ ان کی شرطیں منظور کر سکتا“

اس کے بعد حر نے نہایت جوش و خروش سے تیر کی اور  
لوگوں کی بدعہدی و غدر پر رزم و غیرت دلائی۔ لیکن اس کے جواب  
میں انھوں نے تیر برسا شروع کر دیا۔ ناچار غصہ کی طرف ٹوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

اس کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر  
حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر بھینکا ”گوہ رہو، سب پشیمان ہونے  
چلا جاؤ پھر تیر برسا شروع ہوگی۔ تھوڑی دیر بعد زید بن ابیہ

حکم دیتا ہے کہ مجرم کو سزا دی جائے۔

کیوں؟

اس لئے کہ اس نے چوری کی ہے۔

اس بدبخت نے چوری کیوں کی؟

اس لئے کہ وہ انسان ہے، اور انسان بھوک کا غلاب برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ شوہر ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو بھوک سے ایڑیاں دگرتے دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ باپ ہے، اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے ان انسانوں کا نظارہ کر سکے جو بھوک کی اذیت سے ان کے معصوم چہروں پر رہے ہوں! پھر اگر بدبخت انسان قید خانہ اور تازیانے کی سزائیں جھیل کر بھی اس قابل نہیں ہو جاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو "مقدس انصاف" اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اٹھاتا ہے، اور کہتا ہے اسے سولی کے تختے پر لٹکا دو! یہ گویا انسان کے پاس اس کے اپنا جینس کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے!

یہ ہو انسان کی شہری اور تمدن زندگی کا اخلاق اور خودی انسان کو برائی پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی سزا بھی دیتا ہے۔ پھر ظلم اور جبر کے اس تسلسل کو "انصاف" کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ اس "انصاف" کے نام سے جو دنیا کی سب سے زیادہ شہید گروہ زیادہ غیر موجود حقیقت ہے!

\*\*\*

چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی آبادی و تمدن کے یہ تمام لازمی نتائج موجود ہوتے۔ گندگی میں لھیاں اور دلدل میں پھر اس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے جس تیزی سے شہر کی آبادی بڑھ رہی تھی اور مجرموں کو پیدا کرتی تھی۔ بغداد کے قید خانے مجرموں سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی اسکی آبادی میں مجرموں کی کوئی کمی نہ تھی!

\*\*\*

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ عبید بغدادی کی زندگی اور دینی کی شہرت ہو، اسی طرح ابن سابط کی چوری اور عیاری کی شہرت ہو۔ پہلی شہرت نیکی کی ہے۔ دوسری بدی کی۔ دنیا میں نیکی کی ہر چیز کی طرح، اس کی شہرت کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے اگرچہ نہیں کر سکتی۔

دش برس سے ابن سابط مدائن کے محبس میں قید ہے۔ اس نے خوفناک حلقوں سے لوگ محفوظ ہو گئے ہیں۔ تاہم اسکی عیاری اور بے باکیوں کے انسان نے لوگ بھولے نہیں۔ وہ جب کبھی کسی لڑائی کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں یہ دوسرا ابن سابط ہے! اس دس برس کے اندر کتنے ہی نئے ابن سابط پیدا ہو گئے مگر ابن سابط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ بغداد والوں کی بولی میں وہ جرائم کا شیطان اور برائیوں کا عفریت تھا!

ابن سابط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں۔ بے پہلی مرتبہ سونے اخبار میں چوری کرتا ہوا گرفتار ہوا تو زانی میں اس کے حالات کی نقیشت کی گئی۔ معلوم ہوا یہ بغداد کا ننہ نہیں ہے۔ اس کے اس باپ طوس سے ایک قافلہ کے ساتھ لے گئے تھے۔ راہ میں بیمار پڑے اور مر گئے۔ قافلہ والوں کو دم اور اپنے ساتھ بغداد بھیج دیا۔ یہ اب سے دس برس پیشتر کی بات ہے۔ یہ مدبر ہے اسے کہاں اور کیونکر لے کر گئے؟ اسکی حال معلوم ہو سکا کہ گرفتاری وقت اس کی عمر پندرہ سولہ برس کی

تھی۔ کوڑا لے کر چوتھے پر چڑھا کر تازیانے میں لے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزائے اس کی طبیعت پر کچھ عجیب طرح کا اثر ڈالا۔ وہ اب تک ایک ڈرا سہا کم سن لڑکا تھا۔ اب اچانک ایک دلیر اور بے باک مجرم کی مدح اس کے اندر پیدا ہو گئی۔ گویا اس کی تمام شقاوتیں اپنے ظہور کے لئے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں۔ مجرمانہ اعمال کے تمام بھید اور دیوین گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو بھی اس کے دماغ میں بھی نہیں گزرے تھے، اب اس طرح اس پر کھل گئے، گویا ایک تجربہ کار اور مشتاق مجرم کا دماغ اس کے سر میں اُتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پکا علیا اور ایک چھٹا ہوا جرم پیشہ انسان تھا!

اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ جب اس نے چوری کی تھی، تو دودن کی بھوک اسے نان بالی کی دکان پر لے گئی تھی۔ لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہو کر نہیں بلکہ جرم کے ذوق سے دارنہ ہو کر چوری کرتا تھا۔ اس لئے اس کی نگاہیں نان بالی کی روٹیوں پر نہیں بلکہ صرافوں کی تھیلیوں اور سودا گروں کے ذخیروں پر پڑتی تھیں۔ دن جو رات، بازار کی مٹی ہو یا میر کا دیوانہ، ہر وقت اور ہر جگہ اس کی کارستانیاں جاری رہتیں۔ اس کے اندر ایک فانی کا جوش تھا، وہ سب سالار کا سا غم تھا، ساہوکار کی مردانگی تھی، مدبر کی سی دانشمندی تھی، لیکن دینا نے اس کے لئے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاؤں کا چور ہو۔ اس لئے اس کی فطرت کے تمام جوہر اسی راہ میں نمایاں ہونے لگے۔ افسوس، فطرت کس فیاضی سے بخشی ہو، مگر انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہے!

\*\*\*

کچھ دنوں کے بعد جب ابن سابط کی دراز دیتیاں حدیثی بڑھ گئیں تو حکومت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی۔ آخر ایک دن گرفتار کیا گیا۔ اب یہ ایک کم سن لڑکا نہ تھا۔ شہر کا سب سے بڑا چور تھا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ فوراً قتل ہوئی اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اس کا پیچھا الگ کر دیا۔

ابن سابط کے ہاتھ کا کٹنا، کٹنا نہ تھا، بلکہ سیکڑوں نے ہاتھوں کو اس کے شانے سے جوڑ دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے، دنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے جو کئی اس کا ہاتھ کٹا، انھوں نے اپنے سیکڑوں ہاتھ اس کے حوالے کر دیے۔ اب اس نے عراق کے تمام چور اور عیاری جمع کر کے اپنا اچھا خاصہ جہان بنا لیا اور نوجی ساز دوسان کے ساتھ لوٹ مار شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کے دیرانہ حلقوں نے تمام عراق میں تھکے مجاہد۔ وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں لقب لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا، اور پھر سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی کے ساتھ کرتا کہ اس پر اس کے ساتھیوں پر کوئی آپریشن نہ آتی۔ ہر موقع پر صاف چکر لگاتا۔ لوگ جب اس کے مجرمانہ کارنامے سنتے تو دہشت و حیرت سے بہت رہ جاتے۔ یہ ڈاکو نہیں ہے جرم کی ایک جھیت روح ہے۔ وہ انسان کو لوٹ لیتی ہے مگر انسان اسے چھو نہیں سکتا! یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا!

\*\*\*

مگر ظاہر ہے، یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی؟ آخر وہ تو آگیا کہ ابن سابط تیسری مرتبہ قانون کے نیچے گرفتار ہو جائے۔ ایک موقع پر جب اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت بھجوا دیا

تھا اور خود بھل بھاگنے کی طیاری کر رہا تھا، حکومت کے سپاہی پہنچ گئے اور گرفتار کر لیا۔

اس مرتبہ وہ ایک دیرین اور ڈاکو کی حیثیت میں گرفتار ہوا تھا اس کی سزا قتل تھی۔ ابن سابط نے جب سیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چبک رہی ہے تو اس کے مجرمانہ خصلت نے اچانک ایک ڈولرنگ اختیار کیا۔ وہ طیار ہو گیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کرے۔ اس نے عدالت سے کہا۔ اگر اسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتنے کے تمام چور گرفتار کرے گا۔ عدالت نے منظور کر لیا۔ اس طرح ابن سابط خود تو قتل سے بچ گیا، لیکن اس کے ستو سے زیادہ ساتھی اس کی نشان دہی پر ستو کے گھاٹ اُتار دیے گئے! ان سو چوروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو قتل ہونے سے پہلے ابن سابط کے نام پر نفرت نہ بھیجی ہو۔ بدعنوانی اور بے وفائی ایسی بڑی ہے جسے بڑے بھی سزا نہیں دیتے۔ ابن سابط نے اپنے اس طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ جرم سے بھی بڑھ کر بڑی کا کوئی ایک درجہ رکھتا تھا!

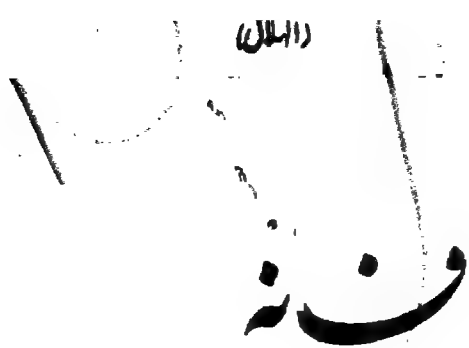
\*\*\*

بہر حال اب ابن سابط مدائن کے قید خانہ میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ اس کی آخری گرفتاری پر دس برس گزرنے چکے ہیں دس برس کا زمانہ اس کے لئے کم مدت نہیں ہے کہ ایک مجرم کی سیاہ کاریاں بھلا دی جائیں، لیکن ابن سابط جیسے مجرم کے کرنا مارے مدتوں تک نہیں بھلائے جاسکتے۔ دش برس گزرنے پر بھی اس کے دیرانہ جرم کا ذکر کچھ بچہ کی زبان پر ہے۔ لوگوں کو یہ بات تو کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن سابط کب کہاں اور کس حالت میں؟ کیونکہ یہ معلوم کرنے کی انھیں ضرورت بھی نہیں ہے۔ البتہ اس کے دیرانہ کارنامے بھولنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس تذکرہ میں ان کے لئے لطف اور دلچسپی ہے۔ انھیں ابن سابط کی کہیں اپنی دلچسپیوں کی فکر ہے!

\*\*\*

انسان کی بے مہرلوئی کی طرح اس کی دلچسپیوں کا بھی عجیب حال ہے؟ وہ عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ تماشا کسی بھی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد تھوڑی دیر میں آسکا ہے؟ اگر ایک چور دیر کی ساتھ چوری کرتا ہے تو یہ اس کے لئے بڑی ہی دلچسپی کا واقعہ ہے۔ وہ اس کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار ہوتا ہے۔ وہ گھنٹوں اس پر زنی کرتا ہے اور وہ تمام اخبار خرید لیتا ہے جو جن میں اس کی تصویر چھپی ہو یا اس کا ذکر کیا گیا ہو۔ لیکن اس واقعہ میں چور کے لئے کبھی شقاوت ہے؟ اور جس مسکین کا مال چوری کیا ہے اس کے لئے کسی مصیبت ہے؟ اس کے سوچنے کی وہ کبھی محنت گوارا نہیں کرتا!

اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لئے بڑا ہی دلچپ نظارہ ہوتا ہے۔ سارا شہر اس آگ میں جس کسی کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہے لوگ اس نظارہ کے شوق میں اپنا کھانا پیانا تک بھول جاتے ہیں اگرچہ زندہ انسانوں کے جھلکے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر غور ہوا جائیں اور ان کی جھینجھنی اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں، تو پھر اس نظارہ کی دلچسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے، تباہی مٹاؤں کا نظارہ میں مجنوں ہو کر ایک دوسرے پر چکر بٹھاتے ہیں۔ لیکن انسانی دلچسپی کے اس جہنی منظر میں اس مکان اور اس کے کنبوں کے لئے کسی ہلاکت اور تباہی ہے؟ اور بالکل بالکل کسی ہلاکت



نے یہاں بھی توفیق کیا۔ حضرت نے ہمیں کیا کہ ان کی نیت خراب ہو۔  
خیر لڑنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: ”اگر تم میں سے کوئی نہیں اور تم دوزخ آفت  
سے ڈرتے نہیں، تو کم سے کم دینا دی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے  
مخیرے کو اچھا ہالوں اور ادبائوں سے محفوظ رکھو، شمر نے جواب  
دیا: ”اچھا ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور آپ کا خیر محفوظ رہے گا“

آخری تہنہ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ رادی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو  
آپ کو بہت پہلے قتل کر دیتا۔ مگر گناہ کوئی بھی اپنے سر نہیں  
چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا: ”تمہارا بڑا ہوا کیا انتظار  
کر رہے ہو؟ کون کام تمام نہیں کرتے؟“ اب ہر طرف سے پھر زہر  
ہوا اپنے پکار کر کہا: ”کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو اٹھاتے  
ہو؟ دوسرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا خوش  
نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا“

شہادت!

مگر اب وقت آچکا تھا۔ رعد بن شریک تہی نے آپ کے بائیں  
ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شام نے رتواری۔ آپ کو دھڑ سے لڑا  
کھڑے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سان بن انس غنی نے  
بڑھ کر نیرہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اُس نے ایک شخص سے کہا  
”سر کاٹ لے“ وہ سر کاٹنے کے لئے پکا مگر حرات نہ ہوئی سان  
بن انس نے دانت میں کر کہا: ”خدا تیرے ہاتھ شل کر لے!“  
پھر جوش سے اُترا۔ آجیو ذبح کیا اور سر، تن سے جدا کر لیا!  
جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہے کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ  
آپ کے جسم پر تیرے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے!

قتل

سان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر توفیق تھا قتل کے وقت  
اُس کی عجیب حالت تھی جو شخص بھی حضرت کی نفش کے قریب  
آتا، وہ اُس پر حملہ کرتا تھا۔ وہ دوتا تھا کوئی دوسرا اُن کا سر  
کاٹ نہ لے جائے۔ تباہی نے سر کاٹ کر خون بن کر صحن کے  
حوالہ کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیر کے سامنے  
کھڑا ہو کر چلایا:

ادفر رکابی نفست و ذہبا انما قلت اللک لہجبا

مجھے چاندی سونے سے لا دو، میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے!

تقلت خیر الناس ادا و ذیرم اذینہون لہبا

میں نے اُسے قتل کیا جو بہت اچھے انسان ہیں، اور جو اپنے نسب میں

سب سے اچھا ہے!

موت پر شمر نے اُسے کہا: ”جائے! بہت ہنگامہ ہو۔ کہنے لگا: ”وہ“

تو بھڑک کر اُس پر چڑھا: ”اے کافر! اُسے کہہ دے کہ اُس کا پاگل ایسی آ

کہتا ہے: بخدا اگر عید اللہ نہ ہو تو میں تیرے لیے اچھی مراد ڈالتا!“

(ابن جریر)

اُس کی طرف سے

قتل کے بعد کو فیصلہ کیا۔ شمر نے اُس کے کپڑے تک اُٹارنے

پھر آپ کے خیمے کی طرف چلے۔ زمین آسمان میں بہت پر بارش پڑے

تھے۔ شمر اپنے چند پیادوں کے ساتھ ہو گیا اور کہنے لگا: ”اے

بھی کون قتل کر لیا؟“ اُس نے کہا: ”میں نے“ بعض ساتھیوں نے

مخالفت کی، کہا: ”کیا تم کو کچھ پتا ہے؟“ اُس نے کہا: ”میں نے اُنہیں

عمر بن سعد بھی اُٹھائے۔ انہیں دیکھ کر ان کے عورتوں کے خیمے میں چلے۔

اُس بیار کو کوئی پھیرے۔ جس کی نے خیر کا کوئی اسباب لیا ہو

واپس آئے۔“ اُنہیں آقا بن نے یہ سنا اپنی بیار آواز سے کہا

”خیر خیر خیر“، تیری زبان نے میں بچالیا“

۳۲۹

## محبت اور قربانی

یا

## استقاء اور بنبراء

ویکٹر ہیوگو کا ”بشپ“ اور تاریخ اسلام کا ”بغدادی“

دوس دغا اگر بود ز سرِ مجتے  
جمعہ بکتاب آورد طفل گریزِ پائے را!

(دوسرا حصہ)

کا حسانے کھلتی ہے، دولت سر فلک عمارتیں بناتی ہے، حکومت دانا  
شان و شکوہ کے سامان آراستہ کرتی ہے۔ لیکن دوسری طرف کی نصرت  
ہو جاتی ہے، محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا، اور امن و راحت کی  
جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دور شروع ہو جاتا  
ہے۔ دہی انسان کی ہستی جو پہلے نیکی و محبت کی دنیا اور راحت و  
برکت کی بہشت تھی، اب افلاس و مصیبت کا قتل اور جرموں اور  
بدیوں کا دوزخ بن جاتی ہے۔ دہی انسان جو جھوٹوں کے اندر محبت  
دنیا صنی کی گر جوشی تھا، اب شہر کے سر فلک محفلوں کے اندر بے  
مہری و خود غرضی کا پتھر پڑتا ہے۔ جب وہ اپنے عالیشان مکانات میں  
عیش و نفعت کے دسترخوان پر بیٹھتا ہے، تو اس کے کہتے ہی ہم جنس  
شہروں پر بھوک سے اڑیاں بگڑتے ہیں! جب وہ عیش و راحت کے  
ایوانوں میں جن و جال کی مجلسیں آراستہ کرتا ہے، تو اُس کے ہمسایہ  
میں سیتوں کے آئینہ نہیں تھے اور کتنی ہی بیوائیں ہوتی ہیں جن  
کے بطن میں سردی کا ایک تار بھی نہیں ہوتا! زندگی کی  
قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی گر بے رحم تقاضے ہر  
گوشے میں نمایاں ہو جاتی ہیں!

پھر جب انسانی بے مہری اور خود غرضی کے لازمی نتائج ظاہر  
ہونے لگتے ہیں، پھر دہی افلاس اور بے لوائی سے مجبور ہو کر  
بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اٹھاتا ہے، تو اچانک دنیا کی نزاکت  
کا سب سے زیادہ بے معنی لفظ وجود میں آ جاتا ہے۔ یہ ”قانوں“  
اور ”انصاف“ ہے۔ اب بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں  
اور اُن کے دروازہ پر لکھا جاتا ہے ”انصاف کا گھر“ انصاف کے  
اُس ”مقدس گھر“ میں کیا ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے کہ دہی انسان سب  
اپنی بے رحمی و تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسانوں کو  
بد اطوار بنانے پر مجبور کر دیا تھا، قانوں کا پڑھتے جتے پہنکر آتے  
ہے، اور فرشتوں کا سامع صوم اور ماہیوں کا سامعیدہ چہرہ بنا کر

ہجرت کی تیسری صدی قریب الاختتام ہے۔ بغداد کے تخت خلافت  
پر القصد باسد عباسی ممکن ہے۔ معقم کے زمانے سے دار الخلافہ کا  
شاہی اور دینی ستقر سامہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ پھر بھی سر زمین بابل  
کے اُس نئے بابل میں پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں۔ ایران کے  
اعظم، مقرر کے رئیس، اور یورپ کے روم کی جگہ اب نیا کاتلنی مرکز  
بغداد ہے۔

\*\*\*

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق کا جسے ”انسان“ کہتے ہیں کچھ عجیب  
حال ہے۔ یہ جتنا کم ہوتا ہے، اتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہے۔ اور  
جتنا زیادہ بڑھتا ہے، اتنی ہی بیکار و خوشی اس سے دور ہونے لگتی  
ہے۔ اُس کا کم ہونا خود اُس کے لئے اور خدا کی زمین کے کمزور  
ہے۔ یہ جب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں گھاس پھوس کے چھپرے لگے  
رہتا ہے، تو کیسا نیک، کیسا خوش، اور کس درجہ عظیم ہوتا ہے؟ محبت  
اور رحمت اُس میں اپنا آئینہ بناتی ہے اور دوزخ کی پاکیزگی کا  
اور اُس کے چھپرے پر دل کو روشن کرتا ہے۔ لیکن جو بھی یہ چھپرے پر  
سے باہر نکلتا ہے، اُس کی بڑی بڑی بیٹریں ایک خاص رقبہ میں  
اٹھتی آ جاتی ہیں، تو اُس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہو  
جاتا ہے؟ ایک طرف تجارت بازاروں میں آتی ہے، صنعت و حرفت

نفش دوزخ دانی

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی نفش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند  
ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اُسے پکار کر کہا: ”اس کام کے لئے  
کون طیار ہے؟“ دس آدمی طیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر حکم  
سازگ روند ڈالا!

چون بگردن نظری خویش کفن جشر شرف خلع فغان کنندہ کایں ادخواہ کیت!

اس جنگ میں حضرت حسین کے ۷۲ آدمی مارے گئے اور کوئی فوج کے مقتول

ہوئے (ابن جریر۔ کامل۔ بغداد) ۱۱۱



ہو؟ آؤ یہ کام جلد پٹالیں جو ہلے سٹے ہو۔ دیکھو اس نے دو گھڑیاں باندھ لی ہیں۔ ایک چھوٹی ہے۔ ایک بڑی ہے۔ پھلدا ایک ہاتھ جو اس نے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔ لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا۔ چھوٹی گھڑی تم اٹھاؤ۔ بڑی میں اٹھالیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال میں تم نہیں آؤ گے ہوئی ہو، تو میں بھی نہیں چاہتا۔ اس وقت اس کا فیصلہ کر اؤں۔ تم نے کہا جو کہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر سکتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہے۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر دو۔

”ہاں، اگر یہ بات ہو تو پھر ب کہ ٹھیک ہے۔ تمہیں بھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟ پوسے ملک میں تمہیں مجھ سے بہتر کوئی سوا نہیں مل سکتا۔“ اس نے بڑی گھڑی کے اٹھانے میں جتنی کوشش کی ہوئے کہا۔

یہ گھڑی اس قدر بھاری تھی کہ ابن سابط اپنی حیرانی طرہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے رشتہ کی زیادہ جرات افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ ”دوست، تم دیکھنے میں تو بڑے فیلے پٹلے ہو لیکن بوجھ اٹھانے میں بڑے مضبوط لگتے۔“ ساتھ ہی اس نے اپنے دل میں کہا۔ ”یہ جتنا مضبوط ہو، اتنا عقلمند نہیں ہو۔ درنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہو جائے۔ اگر آج یہ احمق نہ لگتا تو مجھے ساہوکار چھوڑ کر صحت ایک دو تھانوں پر قناعت کرنی پڑتی۔“

اب ابن سابط نے اپنی گھڑی اٹھائی جو بہت ہی ہلکی تھی اور دونوں باہر نکلے۔ اجنبی کی پیٹھ جیسے پٹے سے خم موجود تھا، اب گھڑی کے بوجھ سے بالکل ہی ٹھیک لگی تھی۔ رات کی تاریکی میں آتنا بھاری بوجھ اٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن ابن سابط کو قدرتی طور پر جلدی تھی۔ وہ بار بار جاکماتہ انداز سے ہلکا کرتا کہ تیز چلو۔ اور چونکہ خود اس کا بوجھ بہت ہلکا تھا، اس نے خود تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی تفصیل حکم کی پوری کوشش کرتا، لیکن آتنا بھاری بوجھ اٹھا کر دوڑنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس نے پوری کوشش کرتے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں، بار بار بوجھ گرتے گرتے وہ گھٹا، ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ کھائی کہ قریب تھا کہ گر جائے۔ پھر بھی اس نے رکنے یا سستے لگانے کا نام نہیں لیا۔ ہلکا ہوتا ہوا اپنے ساتھی کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

لیکن ابن سابط اس پر بھی خوش نہ تھا۔ اس نے پہلے تو ایک دو مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا۔ پھر بے تامل گالیوں پر آ کر کیا۔ ہر لمحہ کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز چلو۔ اتنے میں جس قدر دل آیا۔ یہاں چڑائی تھی۔ جسم کمزور اور تھکا ہوا، بوجھ بوجھ بھاری، اجنبی سنبھال نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لات پڑی۔ یہ ابن سابط کی لات تھی۔ اس نے غضبناک ہو کر کہا: ”کتنے کے بیٹے! اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاد کر لایا کیوں؟“ اجنبی ہانپتا ہوا اٹھا۔ اس کے چہرہ پر درد و شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس نے فوراً گھڑی اٹھا کر پیٹ پر رکھی اور پھر روانہ ہو گیا۔

اب یہ دونوں شہر کے کنارے، ایک ایسے حصے پہنچ گئے جو بہت ہی کم آباد تھا۔ یہاں ایک ناقص عمارت کا پرانا اور شیشہ احاطہ تھا۔ ابن سابط اس احاطہ کے ایک جانب پکڑ رکھا گیا۔

کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہو؟ اور یہ شخص جو کون؟ تو اس کی عقل حیران رہ جاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ ”یہ تو قطعی ہو کہ یہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہو۔ مکان کے مالک بھی چوروں کا اس طرح استقبال نہیں کیا کرتے۔“

..... مگر پھر یہ شخص جو کون؟ ..... اچانک ایک نیا خیال اس کے اندر پیدا ہوا۔ وہ ہنسا ہنسنے میں بھی کیا احمق ہوں۔ یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی؟ معاملہ بالکل صاف ہے۔ تعجب ہو مجھے پہلے کیوں خیال نہیں ہوا؟ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہی ہم پیشہ آدمی ہو، اور اسی لوح میں رہتا ہو۔ اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا۔ چونکہ یہ اسی لوح کا آدمی ہو، اس لئے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا۔ اسے معلوم ہوگا کہ آج مکان کسے دلوں سے خالی ہو اور یہ اطمینان کام کرنے کا موقع ہے۔ ابھی اس نے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا۔ لیکن جب دیکھا کہ یہاں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ لے کر ایک حصہ کا حقہ بن جائے۔“

وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا، اور اجنبی ایک لکڑی کا بڑا پیالہ ہاتھ میں لئے نمودار ہو گیا۔ ”یہ لو، میں تمھارے لئے دودھ لے آیا ہوں۔ اسے پی لو۔ یہ ٹھیک اور سہاں، دونوں کے لئے مفید ہوگا۔“ اس نے کہا، در پیالہ ابن سابط کو پکڑا دیا۔ ابن سابط واقعی بھوکا پیاسا تھا۔ بلکہ آٹا منہ لگا لیا اور ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔

اب اسے معاملہ کی فکر ہوئی۔ اتنے دیر کے وقفے نے اس کی طبیعت بحال کر دی تھی۔

”دیکھو، اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور ہاتھ لگا چکا تھا، اور اس لئے ہم لوگوں کے قاعدہ کے بموجب تمھارا کوئی حق نہیں، لیکن تمھاری ہشکاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تامل نہیں کہ تمہیں بھی اس محل میں شریک کر لوں۔ اگر تم پسند کر گے تو میں ہمیشہ کے لئے تم سے معاملہ کر دوں گا۔ لیکن دیکھو یہاں کسے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے، اس میں تم برابر کا حصہ نہیں پاسکتے، کیونکہ وہ اصل آج کا کام میرا ہی کام تھا، اسے صاف آدازیں کہا۔ اس کی آدازیں اب ناظر نہیں تھا۔ تکملہ تھا۔“

اجنبی مسکرایا۔ اس نے ابن سابط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہربانی سے خالی نہ تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی اس کی کوئی چیز تھی۔ لیکن ابن سابط سمجھ نہ سکا۔ اس نے خیال کیا۔ شاید یہ شخص اس طرح تقسیم پر قائم نہیں ہو۔ اچانک اس کی آنکھوں میں اس کی خوفناک مجرا نہ دندل چب اٹھی۔ وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

”بے وقوف! جب کہیں ہو؟ یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا ایک پیالہ پلا کر اور چکنی چٹری بائیں کر کے تم مجھے احمق بنا لو گے۔ تم نہ جانو میں کون ہوں۔ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا۔ میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں۔ لو۔ اس پر راضی ہو یا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو.....“

لیکن ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے۔ اب بھی اس کے لبوں سے اس کی مسکراہٹ نہیں ہٹ تھی۔ ”میرے عزیز دوست! کہیں بلاوجہ اپنی طبیعت آزدہ کرتے

سخت محنت، افسوس، انسان کو اپنے رزق کے لئے کسی کی نصیحت برداشت کرنی پڑتی ہے! دیکھو، یہ چٹائی بھی ہے۔ یہ چمچے کا کیکس میں اسے دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہوں۔ اسے تکیہ دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا۔ بس ٹھیک ہے۔ اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سناؤ۔ اتنی دیر میں میں تمھارا ادھر تمام پورا کئے دیتا ہوں۔“

اس نے یہ کہا، اور ابن سابط کے کان پر برزی سے ہاتھ رکھ کر اسے پیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اس کی نظر دوبارہ اس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی، تو اس نے اپنی کمر سے روٹا کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پچھلے پونچھ رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں اب کی ہی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی!

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ظہور میں آئے کہ ابن سابط کا دماغ نخل ہو کر رہ گیا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہے؟ ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اس نے اجنبی کے اشاروں کی قیادت کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔

اب اس نے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا ہے۔ اس نے پہلے وہ گھڑی کھلی جو ابن سابط نے باندھنی چاہی تھی مگر میں بیٹھ جی تھی۔ پھر دو تھان کھول کر بچھا دیے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے، ان سب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ میں زیادہ تھان۔ بیں کم۔ پھر دونوں کی الگ الگ دو گھڑیاں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اس نے اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا، گویا اس میں سے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا۔ اس نے اپنی عبا آٹا ڈالی، اور سے بھی گھڑی کے اندر رکھ دیا۔

اب وہ اٹھا اور ابن سابط کے قریب گیا۔

”میرے دوست، تمھارے چہرے کی نرمی سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تھکے ہوئے ہی نہیں ہو بلکہ تھکے بھی ہو۔ بہتر ہوگا کہ تم سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو۔ اگر تم چند لمحوں انتظار کر سکو تو دودھ لے آؤں۔“ اس نے کہا، جبکہ اس کے پیشکوه چہرہ پر خود مسکراہٹ کی دلدازی موجود تھی۔ لیکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ انسانی قلب کے تمام اضطراب بخود ہوجائیں۔

قبل اس کے کہ ابن سابط جواب دے، وہ تیزی کے ساتھ اور باہر نکل گیا۔

اب ابن سابط تنہا تھا۔ لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قدوں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا۔ وہ صرف تجرید اور مہربانی

اجنبی کی ہستی اور اس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا جتنا کہ وہ موجود رہا، ابن سابط کو آخر تاثر نے سوچنے سمجھنے کی جگہ نہ دی۔ اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی دائمی بت مغلوب ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا، تو آہستہ آہستہ کا دماغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا۔ یہاں تک کہ باغی خصال پوری طرح ابھر گئے، اور وہ اسی روشنی میں نہ کو دیکھنے لگا جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ سے عادی تھا۔

جب اجنبی کا جسم چہرہ اور دونوں صوبوں یاد کرتا، تو شک و شبہ کی جگہ اس کے اندر ایک ایسا ناقابلِ فہم جذبہ پیدا ہوتا کہ اسے کبھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا

نے اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔

اندرونی جذبات کے پیمان اور برونی فعل کی بے سود محنت نے ابن سابط کو بہت جلد تھکا دیا۔ وقت کی کمی، عمل کا قدرتی خوب، مال کی گرانی، محنت کی شدت، اور فائدہ کی قلت، اُس کے داغ کے لئے تمام مخالف تاثرات جمع ہو گئے تھے۔

اجانک وہ چونک اٹھا۔ اُس کی تیز قوت سماعت نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی۔ ایک لمحہ تک خاموشی رہی۔ پھر ایسا محسوس ہوا، جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہو۔ ابن سابط گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کر سکے، دروازہ کھٹکا اور روشنی نمایاں ہوئی۔ خیرت اور دہشت سے اُس کا خون منجمد ہو گیا۔ جہاں کھڑا تھا، وہیں قدم گر گئے۔ منظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہو۔ اُس کے ایک ہاتھ میں شمع دھاری اور اُسے اس طرح ادب کیا کر رکھا ہو کہ کمرے کے تمام حصے روشنی ہو گئے ہیں۔

اس شخص کی وضع قطع سے اُس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ لمبے رنگ کی ایک لمبی عبا اُس کے جسم پر تھی جسے کمر کے پاس ایک موٹی ریشمی لپٹ کر جسم پر چٹ کر لیا تھا۔ سر پر سیاہ تلسنہ (دوپٹا) دھاری لٹی تھی، اور اس قدر کشادہ تھی کہ اُس کے کنارے بالوں کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ جسم نہایت نحیف تھا۔ اتنا نحیف کہ صوف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی ابھری ہوئی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں، اور قد کی درازی نے جس کمر کے پاس خفیف سی خمیدگی پیدا ہو گئی تھی، یہ خفافت اور زیادہ نمایاں کر دی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی خفافت کا کوئی اثر اُس کے چہرہ پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم رکھنے پر بھی اُس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گرائی رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دلانیز چہرہ جوڑ دیا گیا ہو۔ رنگت زرد تھی، رخسار بے گوشت تھی، چوٹی تنومندی کا نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی چہرہ کی چوٹی ہیئت میں کوئی ایسی ستارہ جڑی تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا، ایک نہایت طاقتور چہرہ اُس کے سامنے ہو۔ خصوصاً اُس کی ہچک چاہی روشنی، ایسی مٹلن، ایسی ساکن تھیں، کہ معلوم ہوتا تھا، دنیا کی ساری راحت اور سکون اپنی دو حلقوں کے اندر سما گئی ہو!

چند لمحوں تک یہ شخص شمع ادبھی کئے ابن سابط کو دیکھتا رہا پھر اس طرح آگے بڑھا، گویا اُسے جو کچھ سمجھتا تھا، سمجھ چکا ہو۔ اس کے چہرہ پر ہلکا سا زیر لب ہنسن تھا۔ ایسا دلانیز اور شیریں ہنسن جس کی موجودگی انسانی روح کے سارے اضطراب اور خون دود کو بھرنے سے سکتی ہو۔ اُسے شمع دان ایک طرف رکھ دیا، اور ایک ایسی آواز میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن سابط کو کہا: ”میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ جو کام تم کرنا چاہو ہو، یہ بغیر روشنی اور ایک ذیق کے انجام نہیں پاسکتا۔ دیکھو، یہ شمع روشن ہو اور میں تمہاری رفاقت کے لئے موجود ہوں۔ روشنی میں تم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے۔“

وہ ایک لمحہ کے لئے ڈکا۔ جیسے کچھ سوچو لگا ہو پھر اس نے کہا: ”مگر میں دیکھتا ہوں تم بہت تھک گئے ہو۔ تمہاری پیشانی پسینے سے تر ہو رہی ہو۔ یہ گرم موسم، بدکردار تاریکی اور تاریکی میں ایسا

کے ساتھ جو صحت مشاق مجربوں ہی کے قدموں میں ہو سکتی ہو، اندھلا گیا۔ اندر جا کر دیکھا تو ایک وسیع ایوان (ہال) تھا۔ لیکن سامانِ راحت و زینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ جتنی اشیاء کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف ایک کچھو کے تیل کی برتنی چٹائی، کچھ تھی، اور ایک طرف چڑے کا ایک تکیہ پڑا تھا۔ البتہ ایک گوشہ میں پٹینے کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے۔ گویا کسی نے جلدی میں ہینک لئے ہیں اور اُن کے قریب ہی بڑی کھال کی چند ٹپیاں بھی پڑی تھیں۔ اُسے مکان کی موجودات کا یہ پورا جائزہ کچھ تو اپنی اندر ہی میں دیکھ لینے لگی۔ آنکھوں سے لے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر۔ لیکن اُس کا ہاتھ ایک ہی تھا۔ یہ تعداد والوں کی بول چال میں ”ایک ہاتھ کا شیطان“ تھا جو اب پھر قید و بند کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہو گیا ہو!

دش برس کی قید کے بعد کج ابن سابط کو پہلی مرتبہ موقع ملا تھا کہ اپنے دل پسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے۔ جب اسے دیکھا، اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، اور یہ پہلا قدم بیکار ثابت ہوگا، تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہو گئے۔ وہ دہل ہی دہل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا۔ جو اپنے مکان میں رکھنے کے لئے قیمتی اشیاء فراہم نہ کر سکے، کم منطس کا انطاس خود اُس کے لئے اس قدر دردناک بن گیا تھا کہ اس قدر اُس چوکے لئے جو رات کے پچھلے پیرال و دولت تلاش کرتا ہوا پہنچا ہو۔ اس میں شک نہیں، پٹینے کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ کتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی اپنی قیمت رکھتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن سابط تنہا تھا۔ اور صرف تنہائی نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہت کرتا، مگر اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالنے میں نہیں سکتا تھا۔ وہ عقول کی موجودگی پر متعزز نہ تھا۔ اُن کے ذہن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا۔ اتنی ذہنی چیز جو کر لیا آسان نہ تھا! ”ایک ہزار لغت کرخ اور اُس کے تمام باشندوں پر“ وہ

اندھلی اندر بڑھانے لگا۔ ”میں معلوم یہ کون جس ہو جسے یہ ملعون تھان جمع کر سکے ہیں؟ غالباً کوئی تاجر ہو۔ لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر ہو جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی۔ اتنا بڑا مکان بنا کر اُس میں گہ ہوں اور چوروں کی جھول بنانے کا سلمان جمع کر دیا“ اُسے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول ٹٹول کر پالیس کی ”بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اٹھایا جاسکتا ہو؟ ایک تھان کے اٹھانے کے لئے گن کر دس گدے ساتھ لائے جائیں!“

لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ رات جا رہی تھی، اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ ٹانگی جاتی۔ اُسے جلدی سے ایک تھان کھولا اور اُسے فرش پر بچھا دیا۔ پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ تھان جو اٹھائے جاسکتے ہیں اٹھا لے۔ شکل بھی کمال قیمت گریز سے زیادہ وزنی تھا۔ کم لیتا ہو تو بیکار ہو۔ زیادہ لیتا ہو تو بیکار نہیں سکتا۔ عجیب طرح کی کش کش میں گرفتار تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا، لیکن اب دوسری شکل پیش آئی۔ صوف کا کپڑا بچھوٹا تھا۔ اُسے ٹرور دیکر گڑھ لگانا آسان نہ تھا۔ دو ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے؟ بلاشبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا۔ دوتھے لیکن وہ بھاگنے میں دودے سکتے تھے صوف کی گھری بانڈھنے کے لئے صوف نہ تھے۔ اُسے بہت سی تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کو

دانوں سے کام لیا۔ کٹی ہوئی آگنی سے سہرا ڈالیا۔ لیکن کسی طرح بھی گھری میں گڑھ نہ لگ سکی، وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت

بڑا دہلنے کے بعد آگ اور موت کی یہ ہولناکی لچکی چوڑی آگ ہوئی۔ اس بات کے سوچنے کی نہ تو کوئی فرصت ملتی ہو۔ نہ وہ سوچنا چاہتے ہیں!

اگر انسان کے اپنا وضع میں سے ایک بد بخت مخلوق سولی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے، تو یہ اُن تمام نظاروں میں سے جن کے دیکھنے کا انسان شائق ہو سکتا ہو، سب سے زیادہ دلکش نظارہ ہوتا ہو۔ اتنا دلکش نظارہ کہ گھنٹوں کھڑے رہ کر لکٹی ہوئی نقش دیکھتا رہتا ہو مگر اُس کی سہمی نہیں ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں، صاف حیرت کرانہ چاہتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ اپنے ایک ہر جسم کو جانتی میں تڑپتے اور پھر ہوا میں ملحق جھولتے دیکھ لینے کی لذت حاصل کر لیں! لیکن جس انسان کے بھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دلکش تماشا وجود میں آیا، خود اُس پر کیا گزری؟ اور کیوں وہ اس شخص اور شرمناک موت کا سختی پٹرا؟ سیکڑوں ہزاروں تماشا کیوں میں سے ایک کا ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دلچسپ پہلو کی طرف نہیں جاتا!

تیسرا حصہ

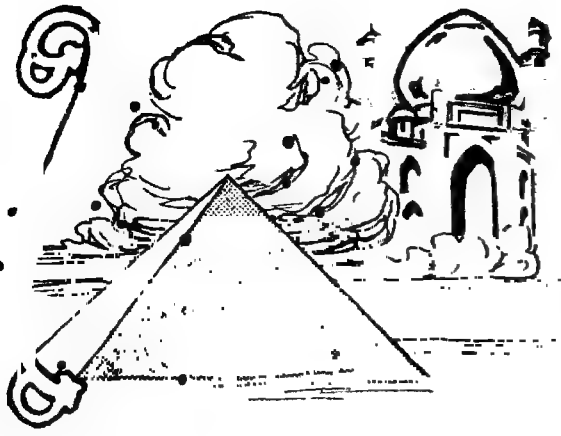
گرمیوں کا موسم ہو۔ آدھی رات گز چکی ہو۔ ہینہ کی آخری رات ہیں۔ بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلس شبنہ آراستہ ہو کر جاگد کے براہ ہوئے ہیں ابھی دیر ہو۔ دجلہ کے پار کرخ کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہو۔

اجانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی۔ سیاہ لہا لہے میں ایک لپٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جا رہا ہے۔ وہ ایک گلی سے ٹکر دوسری گلی میں پہنچا، اور ایک مکان کے سامان کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اب اُسے سانس لی۔ گویا یہ رات کی بند سانس تھی جسے اب آزادی سے ابھرنے کی ہمت ملی ہو۔ پھر اُسے آسمان کی طرف مقرر اٹھائی ”یقیناً تین پہر رات گز چکی ہو“ وہ اپنے دہلیس کہنے لگا۔ ”مگر کیا بھئیسی ہو کہ جس طرف رخ کیا، ناکا ہی ہی ہوئی۔ کیا پوری رات اسی طرح ختم ہو جائے گی؟“

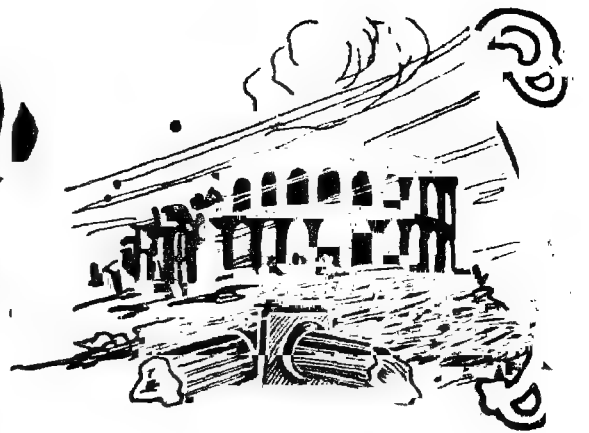
یہ خوفناک ابن سابط جو دش برس کی طویل زندگی قید خانہ میں بسر کر کے اب کسی طرح بچل بھاگا ہو، اور بچنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ از سر نو شروع کر رہا ہو۔ یہ اس کی نئی عمر زندگی کی پہلی رات ہو، اس لئے وقت کے بے نتیجہ ضائع جانے پر اُس کا بے صبر دل بے رحم تھا۔

اُسے ہر طرف کی تہ لٹی۔ زمین سے کان لگا کر دودھ کی صداؤں کا جائزہ لیا، اور مٹلن ہو کر آگے بڑھا۔ کچھ دودھ چکر اٹھو کچھ ایک احاطہ کی دیوار دور تک چلی گئی ہو اور وسط میں بہت بڑا پھاٹک ہو۔ کرخ کے اس علاقہ میں زیادہ تر امرا کے بارگ تھے، یا سوداگروں کے گودام تھے۔ اسے خیال کیا یہ احاطہ یا تو کسی امیر کا بارگ ہو، یا کسی سوداگر کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس پہنچ کر رک گیا اور سوچنے لگا، اندر کوئی نہ جائے؟ اُسے آہستگی سے دروازہ پر ہاتھ رکھا، لیکن اُسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا صرف بھرا ہوا تھا۔ ایک سکڑے اندر ابن سابط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اُسے دم لہر سے قدم اٹھانے پر ایسا تو ایک صبح احاطہ نظر آیا اس کے غفلت کو شوں میں جھوٹے جھوٹے جھوٹے بے تھے، او وسط میں ایک لٹری عمارت تھی۔ یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ عجیب بات ہو کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ جیسے ہی کھل گیا۔ گویا کسی کی آنکھ منظر تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی



# شرعیت کا



## علم الآثار مصر

— ❦ —

( قدیم مصری عقائد - معاد اور حشر و نشر )

مقتبس از تحقیقات ڈاکٹر احمد کمال بک مرحوم

( ۲ )

( ممی کرنا )

لاش کے ممی کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ناک کے راستے سے دماغ نکال لیتے تھے۔ پھر معدہ اور آنتیں نکال کر پیٹ صاف کرتے تھے۔ قسم قسم کے خوشبوئیں اندر بھرتے تھے۔ پھر جسم کو نمک دیکر ستر دن تک کول تار میں رکھتے تھے۔ اس کے بعد دھوٹے اور کپڑے نئی پٹیوں میں ملفوف کر دیتے تھے۔ جسم کی حفاظت کیلئے توتے اور توتکے بھی کرتے اور قسم قسم کے تعویذ لٹکاتے۔ یہ دستور عام تھا کہ چہرے اور انگلیوں پر سونے کا ملمع کر دیتے تھے۔ خیال تھا کہ جس طرح سونا بگڑتا نہیں اسی طرح اس عمل سے جسم بھی نہیں بگڑے گا۔ قبر کے اندر مردے کے انہی بت بھی رکھ دیتے تھے تاکہ اگر جسم میں کچھ بگاڑ پیدا ہو تو ان بتوں کی وجہ سے روح برابر اُنی جاتی رہے۔ ممی کرنے کا جو طریقہ مصریوں نے ایجاد کیا تھا وہ عام کی انہی ترقی پر بھی جو بیسویں صدی تک ہو چکی ہے موجودہ دنیا ایجاد نہ کر سکی۔ حتیٰ کہ اس کا مصالحوہ بھی ہمیں معلوم نہیں۔

( سحر )

لیکن روح کی واپسی کے لیے صرف اسی قدر کافی نہیں تھا۔ سحر کی بھی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ اس موقع پر جو سحر کیا جاتا تھا وہ ”اوزیس“ کے افسانہ سے اخذ کیا گیا تھا۔ افسانہ یہ ہے کہ ”اوزیسیس“ کو اُس کے بھائی ”ست“ نے قتل کر کے اُس کی برتیاں کاٹیں اور ہر برتی دوسری برتی سے بہت دیر پہلے تک دی۔ اُن کا خیال تھا کہ اوزیسیس پہلا آدمی تھا جسے موت آئی۔ اس سے پہلے آدمی مرنے نہیں تھے۔ اس کے قتل کے بعد اُس کی بیوی ”ایزیس“ بہن ”نفتیس“ بیٹے ”ہوریس“ دوست ”انوبس“ اور ”توت“ نے سحر کے زور سے اُس کی منتشر برتیاں جمع کر لیں۔ انہیں باہم جوڑا اور جب پورا جسم جمع ہو گیا تو اُسے برہنہ رنگ پر کھڑا کر دیا۔ پھر ”ہوریس“ اور ”توت“ نے جادر کا ازار اُس کے منہ، آنکھ، کان، بازو اور پیروں پر رکھا۔ ازار رکھنا تھا کہ فوراً پورا جسم اس طرح جڑ گیا۔ گویا کبھی کٹا ہی نہ تھا۔ لیکن روح اب بھی واپس نہ آئی۔ وہ تو قاتل ”ست“ کے قبضہ میں تھی۔ یہ دیکھ کر ”ہوریس“ اور ”توت“ اور اُن کے ساتھیوں نے روح کی جستجو شروع کی۔ آخر معلوم

ہوا کہ روح تین جانوروں: بیل، ہرن، اور بط میں سما گئی ہے۔ انہوں نے کوشش جاری رکھی اور ان جانوروں کے جسم سے روح نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُس وقت ”ہوریس“ خوشی خوشی روح لایا اور اپنے باپ ”اوزیسیس“ کے منہ پر بوسہ دیکر اُس کے جسم میں اتار دی۔ ”اوزیسیس“ زندہ ہو گیا۔ شاید اُسی وقت سے بوسہ محبت کی علامت قرار پا گیا ہے!

اس واقعہ کے بعد سے ”اوزیسیس“ دائمی زندگی کا دیوتا تسلیم کر لیا گیا۔ کیونکہ موت اُسے مغلوب نہ کر سکی۔ اس دیوتا سے دوسرے دیوتاؤں، فرعونوں، اور تمام مصریوں کو زندگی حاصل ہوئی۔ سقارہ میں چھتے خاندان کے ایک حرم پر ”کتاب ابدیت“ کا یہ باب کندہ ہے اور پڑھ لیا گیا ہے۔

( آخرت کی زندگی )

مصریوں کا ابتدا میں عقیدہ یہ تھا کہ آخرت میں بھی انسان بالکل ایسی ہی زندگی بسر کرتا ہے جیسی دنیا میں اسکی زندگی ہوتی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہاں اُصائب و آلام رہاں نہیں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ مردے کی قبر میں وہ تمام چیزیں رکھ دیتے تھے جو دنیاوی زندگی میں اُسے ضرورت تھیں۔ چنانچہ قسم قسم کے ہمارے کپڑے، زیور، ساتھ دفن کر دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اُن سے مستمتع ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ قبر کی دیواروں پر ان چیزوں کی تصویریں بھی بنادیتے تھے۔ نیز اُسکی دلچسپی کی چیزیں مثلاً شکار، دریا، میدان جنگ وغیرہ کے مناظر بھی کندہ کر دیتے۔ انہیں یقین تھا کہ سحر کے ذریعہ یہ تمام تصویریں اور نقوش اصلی ہو جائیں گے اور اُن سے مردے کو وہی لطف حاصل ہونا جو زندگی میں حاصل ہوتا تھا!

لیکن بتدریج ان خیالات میں وسعت ہوئی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ دنیاوی زندگی آخری زندگی کا کوئی اعلیٰ نمونہ نہیں ہے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ”جنت“ کا خیال پیدا ہوا۔

( جنت )

لیکن جنت کے نخیل نے بھی بتدریج ترقی کی۔ شروع میں اُنکی جنت سرزمین مصر ہی جیسا ایک خیالی خطہ تھا جسمیں نہیں جاری تھیں سبزہ لہلہاتا تھا زندگی ہی جملہ دافریبیال جمع تھیں۔ لیکن اس جنت میں باوجود ہر قسم کے آرام و راحت کے آدمی کو محنت کرنے پر بھی مجبور ہونا پڑتا تھا۔ اُسے اپنا باغ خود درست کرنا پڑتا اور کھانے کے لیے خود ہی کھیتی کرتی پڑتی تھی۔ بعد میں محنت کا خیال جائز رہا۔ ہر بلا کسی تکلیف کے کھانا پانی حاصل ہونے لگا۔ اس کے بعد مصریوں نے جنت میں اُنکے اہل و عیال میں پہنچ گئی جہاں کی زبان اور دافریبی حد تصور سے باہر ہے!

یہ معاد کے مصری عقیدے کی انتہائی ترقی تھی۔



گریڑی:

”یہ چور نہیں تھا۔ مکان کا مالک تھا۔ لیکن اُس نے چور کو چور اور مزاد لایا۔ اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟“ اس نے کہا ”سلوک کیا؟“ کا جواب اُس کی صبح کے لئے ناسوا اور اُس کے دل کے لئے ایک دکھنا ہوا انگار تھا۔ وہ جس قدر سوچتا، روح کا زخم گہرا ہوتا جاتا، اور دل کی تپش بڑھتی جاتی۔ اس تمام سفر میں اجنبی کے اچھے بگڑا تھا، اُس کا ایک ایک واقعہ، ایک ایک حرف یا دکرنا، اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک تازہ زخم کی چہن محسوس کرتا۔ جب ایک مرتبہ حافظہ میں یہ سرگزشت ختم ہو جاتی، تو پھر نئے سرے سے یاد کرنا شروع کر دیتا، اور آخر تک پہنچا کر پھر ابتدا کی طرف لوٹتا۔ ”میں اُس کے یہاں چوری کرنے کے لئے گیا تھا۔ میں چور تھا۔ میں اس کا مال متاع غارت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے بھی چور سمجھا۔ اُسے گالیاں دیں۔ بے رحمی و ظہور لگائی۔۔۔۔۔۔ مگر اُسے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟“ ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سوچتا اور پھر یہی سوال دہرائے لگتا۔

\*\*\*

سورج ڈوب رہا تھا۔ بغداد کی مسجدوں کے مناروں پر مغرب کی اذان کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ابن سابط بھی اپنے غراب گوشہ میں اٹھا۔ چادر جسم پر ڈالی اور بغیر کسی جھجک کے بائیں ہاتھ لگایا۔ اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا۔ کیونکہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبہ نے لے لی تھی!

وہ کرخ کے اسی حصہ میں پہنچا جہاں رات گیا تھا۔ سارا دالے مکان کے پچانے میں اُسے کوئی دقت پیش نہیں کی۔ مکان کے پاس ہی ایک لکڑی کے کھڑے کا جھوٹا تھا۔ یہ اُس کے پاس گیا اور پوچھا:

”یہ جو سامنے بڑا سا احاطہ ہے، اس میں کون سا جڑ رہتا ہے؟“

”تاجر“ بڑے لکڑی کے لئے نے تعجب کے ساتھ کہا ”معلوم ہوتا ہے تم یہاں کے لئے دالے نہیں ہو۔ یہاں تاجر کہاں سوتا؟ یہاں تو شیخ حنیف بغدادی رہتے ہیں“

ابن سابط اس نام کی شہرت سے بے خبر تھا لیکن صحت آشنائے تھا۔

ابن سابط مکان کی طرف چلا۔ رات کی طرح اس وقت بھی اندھا کھلا تھا۔ یہ بے تامل اندر چلا گیا۔ سامنے وہی رات والا ایوان تھا۔ یہ آہستہ آہستہ بڑا اور دروازہ کے اندر نگاہ ڈالی۔ وہی رات والی چٹائی بچھی تھی۔ رات والا تکیہ ایک جانب صراٹھا تھا۔ تکیہ سے سہارا لگائے عجیب ”اجنبی“ بیٹھا تھا۔ تیس ۴۰ آدمی سامنے تھے۔ واقعی ”اجنبی“ تاجر نہیں تھا۔ شیخ حنیف بغدادی تھا!

اتنے میں عشا کی اذان ہوئی لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب ب لوگ جا چکے تو شیخ بھی اٹھے جو سنی انھوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا، ایک شخص بے تابانہ بڑا اور قدموں پر گر گیا۔ یہ ابن سابط تھا۔ اُس کے دل میں سمندر کا تلاطم بند تھا۔ آنکھوں میں جو کبھی تر نہیں ہوتی تھیں جلد کی سوتیں بھگتی تھیں۔ دیر تک کی رہیں مگر اب نہیں کھینچ سکتی تھیں۔ آنسوؤں کا سیلاب آجائے تو پھر دل کی کونسی کثافت ہو جاتی رہ سکتی ہو؟

شیخ نے شفقت سے اُس کا سر اٹھایا۔ یہ کھڑا ہو گیا مگر اُن نہ کھل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ جب بنگا ہوں کی زبان کھل جاتی ہو تو منہ کی زبان کی ضرورت باقی نہیں رہتی!

\*\*\*

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گزر چکا ہے۔ شیخ احمد ابن سابط کا شہد عید النافذ کے منظر اوقات کے اُن فقرات میں جو جو میں پیش

ہیں۔ دو پہر کی گرمی نے اس کے دل کو خالوں میں اور غریبوں کو دیواروں کے سائے میں بٹھا دیا تھا۔ اب دونوں پہلے تھے۔ ایک تفریح کے لئے، دوسرا مزدوری کے لئے۔ لیکن ابن سابط اس وقت تک وہیں بیٹھا ہوا تھا صبح بیٹھا تھا۔ رات والی دونوں گھبرا سائے پڑی ہیں، اور اُس کی نظریں اس طرح اُن میں گڑی ہوئی ہیں گویا اُن کی شکلوں کے اندر اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈ رہا ہے!

بارہ گھنٹے گزر گئے، لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت بھی اُسے محسوس نہیں ہوئی۔ وہ بھوک جس کی خاطر اُسے اپنا ایک ہاتھ کٹوا رہا تھا، اب اُسے نہیں ستاتی۔ وہ خوف جس کی وجہ سے صبح کی روشنی اُس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہو گئی تھی، اب اُسے محسوس نہیں ہوتا! اُس کے دماغ کی ساری قوت صرف ایک نقطہ میں بٹھ آئی ہے۔ اور رات والے عجیب ”اجنبی“ کی صورت ہے۔ وہ خود تو اُس کی نظروں سے اوجھل ہوئی، مگر اُسے ایک ایسے عالم کی جھلک دکھادی، جو اب تک اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا!

اُس کی ساری زندگی گناہ اور سیدہ کاری میں بسر ہوئی تھی اُس نے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا تھا، وہ یہی تھا کہ خود غریب کا پتلا اور نفس پرستی کی مخلوق ہے۔ وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے، بے رحمی سے ٹھکراتا ہے، سخت سے سخت سزائیں دیتا ہے، لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہے، اور اس میں فیاضی، بخشش اور قربانی کی بھی روح ہو سکتی ہے۔ بچپن میں اُسے بھی خدا کا نام نہ تھا اور لوگوں کو خدا پرستی کرنے دیکھا تھا۔ لیکن جب زندگی کی کشاکش کا میدان سامنے کھلا تو اُس کا عالم ہی دوسرا تھا۔ اُس نے قدم اٹھا دیا اور حالات کی رفتار جس طرف لے گئی، بڑھ گیا۔ نہ تو خود اُسے کبھی ہمت ملی کہ خدا پرستی کی طرف متوجہ ہوتا، اور نہ انسانوں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ اُسے خدا سے آشنا کرتے۔ جو جوں اُس کی شقاوت بڑھتی گئی، سوسائٹی اپنی سزا و عقوبت کی تھاد بھی بڑھاتی گئی۔ سوسائٹی کے پاس اس کی شقاوت کے لئے بے رحمی تھی، اس لئے یہ بھی دنیا کی ساری چیزوں میں سو صرف بے رحمی ہی کا خوگر ہو گیا۔

لیکن اب اچانک اُس کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہے۔ یہ جب چمکتا ہے تو سورج اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اب یہ ایک ایسا سورج کی پہلی کرن ابن سابط کے دل کے تاریک گوشوں پر پڑی، اور وہ بریک دفعہ تاریکی سے بھلکر روشنی میں آ گیا۔

اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی ہی نظر میں اُس کے دل تک پہنچ چکی تھی، لیکن وہ جہالت و گمراہی میں اس کا مقابلہ کرتا رہا۔ اور حقیقت کے فہم کے لئے طیار نہیں ہوا۔ لیکن جو سنی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اُسے اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا، حقیقت اپنے پوری شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو گئی، اور اب اس کی کٹا سے باہر تھا کہ اس تیر کے زخم سے سینہ بچائے جاتا!

اُس نے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا۔ اجنبی بھی میری طرح کا ایک چور ہے، اور اپنا حصہ لینے کے لئے میری رفاقت و اعانت کر رہا ہے۔ اُس کا ذہن یہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر غرض اور اتعاع کے ایک انسان دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کر سکتا ہے۔ لیکن جب اجنبی نے چلتے دقت بتلایا کہ وہ چور نہیں، بلکہ اسی مکان کا مالک ہے جس مکان کا مال و متاع غارت کرنے کے لئے وہ گیا تھا، تو اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ ایک ایک بجلی آسان کو

اور اجنبی سے کہا ہیں بوجھ آتا رہا۔ پھر خود کو دکر اندر گیا اور اجنبی نے اپر سے دونوں گھڑیاں اندر پھینک دیں۔ اس کے بعد اجنبی بھی کو دکر اندر ہو گیا، اور دونوں عمارت کے اندر دنی حصہ میں پہنچ گئے۔ اس عمارت کے نیچے ایک پرانا سرداب (سرخانہ) تھا جس میں ابن سابط نے قید خانے سے بھلکر نیا ہی تھی۔ لیکن اس وقت وہ سرداب میں نہیں آتا۔ وہ نہیں چاہتا تھا۔ اجنبی پر دیکھی اس درجہ اعتماد کرے کہ اپنا اصلی محفوظ مقام دکھلائے۔

جس جگہ یہ دونوں کھڑے تھے دراصل ایک نامیاد ایوان تھا۔ باتو سپر پوری چھت پڑی ہی نہ تھی، یا پڑی تھی تو ابتدا وقت کو شکستہ ہو کر گریڑی تھی۔ ایک طرف بہت سے پھروں کا ڈھیر تھا۔ ابن سابط اپنی پھروں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ دونوں گھڑیاں سامنے دہری تھیں۔ ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا پ رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

یہ ایک اجنبی بڑا دران سابط کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اب رات ختم ہو رہی تھی۔ پہلی ہر کا جائزہ درخشندہ تھا۔ کھلی چھت سے اُس کی دہری اور ظلمت اور شگاف ایوان کے اندر پھوٹی تھیں۔ ابن سابط دیوار کے سائے میں تھا۔ لیکن اجنبی جو اُس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا، ٹھیک چاند کے مقابل تھا، اُس کو اُس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ابن سابط نے دیکھا کہ تاریکی میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی تبسم، ایک پراسرار انداز نگاہ کی دلاوری سامنے ہے!

”میرے عزیز دوست اور رفیق!“ اجنبی نے اپنی اسی دلتوا اور شیریں آوازیں جو وہ گھنٹہ پہلے ابن سابط کو بخود رکھ چکی تھیں اُٹھا کر شروع کیا۔ ”میں نے اپنی خدمت پوری کر لی ہے۔ اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس محکم کے کرنے میں مجھ سے جو کمزوری اور سستی ظاہر ہوئی اور اُس کی وجہ سے بار بار تمہیں پریشان خاطر ہونا پڑا،

اُس کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے تم معاف کر دو گے۔ اس دنیا میں ہماری کوئی بات بھی خدا کے کاموں سے اس قدر ملتی جلتی نہیں ہے جس قدر یہ بات کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور بخندیں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں تم سے الگ ہوں، تمہیں بتلادینا چاہتا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں، جو تم نے خیال کیا ہے۔ میں اُسی مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم نے ملاقات ہوئی تھی، اور تم نے میری رفاقت قبول کر لی تھی میری عادت ہے کہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے اُس کمرے میں جایا کرتا ہوں جہاں تم بیٹھے تھے۔ آج آیا تو دیکھا، تم اندھیرے میں بیٹھے ہو اور تکلیف اٹھاتے ہو۔ تم میرے گھر میں میرے عزیز میمان بھی ہو۔ میں آج اس سے زیادہ تمہاری تواضع اور خدمت نہ کر سکا۔ تم نے میرا مکان دیکھ لیا ہے۔ آئندہ جب کبھی تمہیں ضرورت ہو، تم بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس چلے آ سکتے ہو۔ خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے“

یہ کہا اور آہستگی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مصافحہ کیا، اور تیزی کے ساتھ بھلکر روانہ ہو گیا۔

اجنبی خود تو برباد ہو گیا لیکن ابن سابط کو ایک دوسری عالم میں پہنچا دیا۔ اب وہ بہت اور مدہوش تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ اُسی طرف تک رہی تھیں جس طرف سے اجنبی روتا ہوا تھا، لیکن معلوم نہیں اُسے کچھ سمجھائی بھی دیتا تھا یا نہیں!

\*\*\*

دو پہر دھل چکی ہے۔ بغداد کی مسجدوں سے جوق جوق نمازی پہل رہا

کے امکان میں نہ تھا۔ اُسکی غیر معمولی چستی کے ثبوت میں خود اُسی کے بہت سے اقوال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ وہ کہتا ہے :

”سستی اور عدم ایک چیز ہے“

ایک اور جگہ لکھتا ہے :

”تمام آدمی اچھے ہیں، بجز اُنکے، جنکے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں!“

اُسکے سرنٹری کا بیان ہے :

”والٹیر بڑا سخی تھا۔ صرف اپنے وقت میں بخل کرتا تھا“

اُسکا مشہور مقولہ ہے :

”زندگی کے مصائب کم کرنے کے لئے نفس کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کام میں مشغول رکھنا چاہئے۔۔۔ میری عمر جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے، محنت کی ضرورت کا اتنا ہی زیادہ یقین ہوتا جاتا ہے۔ جو شخص محنت کا عادی ہو جاتا ہے، اُسے محنت میں اتنی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ زندگی کی تمام کلفتیں بھول جاتا ہے“

اُسکا یہ قول ضرب المثل ہو گیا ہے :

”اگر خود کشی منظور نہیں ہے تو اپنے لیے کوئی کام پیدا کرلو“  
اسی جملہ سے لوگوں نے خیال کیا ہے کہ اُسکے دل میں خود کشی کا خیال پیدا ہوا کرتا تھا۔ اسی لیے وہ ہمیشہ کام میں منہمک رہتا تھا۔

( اٹھارویں صدی کی روح )

ریکٹر ہیوگو کا قول ہے :

”والٹیر اور اُس کی روح کا سمجھ لینا پوری اٹھارویں صدی کی روح کا سمجھ لینا ہے“

”اٹلی ایک بڑی تہذیب کا منبع تھا۔ جرمنی سے اصلاح دینی کا سرچشمہ پھوٹا۔ لیکن فرانس؟ تو فرانس میں والٹیر تھا۔ والٹیر ایک بڑی قوم تھا۔ انقلاب عظیم کی دعوت تھا۔ نہیں، سرگاپا انقلاب تھا۔ فرانس کا مشہور انقلاب، جس نے خون کی موجوں سے ایک نئی دنیا پیدا کر دی“ والٹیر ہی کا ایک افسانہ حیات تھا۔ یہ شخص اپنے اندر سب کچھ رکھتا تھا۔ اُس میں ”مونٹین“ کا شک تھا۔ ”رابلیہ“ کا تمسخر تھا۔ ”لوتھر“ کی حملہ آورانہ قوت تھی۔ اُسی نے میرابو، مورات، ڈائن، روبسپیرو، پیدا کیے تھے، اور وہ بار بار بنائی تھی جس سے انہوں نے دنیا کے تمام نظام ہائے قدیم کی عمارتیں بے یک دفعہ ہوا میں اُڑا دیں!“

لامارتین کہتا ہے :

”اگر انسان کا عمل اُس کی عظمت کا میزان ہے تو بلا شک والٹیر مرجوہ یورپ کا سب سے بڑا کتب تھا۔ قدرت نے اُس کی عمر میں برکت دی۔ ۸۳ سال زندہ رہا۔ قدیم نظام کے معائب معلوم کیے، اس کے خلاف جہاد کیا، اور جب مرا تو وہی فتح مند تھا۔“

کسی مصنف کو بھی اپنے عہد میں اتنے اقتدار حاصل نہیں ہوا، جتنا والٹیر نے حاصل کیا تھا۔ تمام جہاں اُس کا مخالف تھا۔ کلیسا جو اُس وقت تک سب سے بڑی قوت تھی دشمن تھا۔ حکومت خون کی پیاسی تھی۔ اُسے تید کیا گیا۔ خلا وطن کیا گیا۔ دلیل کیا گیا۔ اُس کی کتابیں رکی گئیں، جلی گئیں۔

والٹیر

جس نے کلیسائی اور شاہی استبداد کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا!

مہذب، سنجیدہ، با اصول، فیاض، اور دوستوں کا وفادار دکھائی دیتا ہے۔ کبھی اپنے دوستوں پر جان و مال قربان کرنے پر تلا ہے۔ کبھی دشمنوں کو پاؤں سے روند ڈالنے پر آمادہ ہے۔ والٹیر ایسی ہی متناقض صفات و اخلاق کا مجموعہ ہے!

لیکن یہ مفتیں اُسکی شخصیت کی اصلی بنیادیں نہیں ہیں۔ اُسکی شخصیت کے ستون جس چٹان پر قائم ہے، وہ اُسکی اعلیٰ دماغی قابلیت اور حیرت انگیز ذہانت تھی۔ ثبوت کے لیے کسی تاریخی شہادت کی ضرورت نہیں۔ اُسکی نگاہیں خود سب سے بڑی شہادت ہیں۔ نثارے ضخیم جلدیں اُسکی یادگار ہیں۔ اُنکا ہر صفحہ روشنی کے حرفوں میں لکھا ہے۔ ہر سطر اپنی جگہ پر ایک کامل شعر ہے۔ اتنی بڑی، اتنی کثیر، اتنی متنوع کتابیں، کم لوگوں نے چھڑی ہیں۔ وہ معلومات و مباحث کی وسعت و تنوع کے لحاظ سے انسائیکلو پیڈیا کا حکم رکھتی ہیں۔ تاہم حشور و زراہ بہت کم ہیں۔

خود والٹیر کا قول ہے ”میرا پیشہ یہ ہے کہ جو کچھ میرے ذہن میں آئے اُسے کہوں“ زندگی بھر اسے اسی پر عمل کیا۔ لیکن اس کے ذہن میں ہمیشہ وہی آتا تھا جو کہنے کے لائق ہوتا تھا۔ لغو افکار سے اسکا دماغ بالا تر تھا۔ اُسکی سب سے بڑی مہارت یہ تھی کہ وہ ہر خیال کو ایسے پیرایہ میں ادا کر دیتا تھا کہ سامعین وجد کرنے لگتے تھے!

والٹیر کی سب سے زیادہ موثر، دلچسپ، اور عجیب تحریریں وہ ہیں، جو اس نے مسیحی کلیسا کے خلاف لکھی ہیں۔ معلوم ہے کہ اُس نے کلیسا کے جمود اور تعصب کے خلاف (خود اُسی کے لفظوں میں) جنگ مقدس (کرسید) کا اعلان کیا تھا۔ ان تحریروں میں اُس نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے ہیں۔ لفظ اور سطریں نہیں ہیں، جوار فوجیں ہیں جو حملہ آور ہو رہی ہیں۔ درحقیقت مسیحی کلیسا کے ہزار سالہ تخت حکومت کے پائے اسی کے نوک قلم سے ٹوٹے، اور اس طرح ٹوٹے کہ پھر کسی طرح بھی استوار نہ ہو سکے!

والٹیر کی شہرت صرف اسکی کتابوں اور قصیدوں ہی سے نہیں ہوئی بلکہ وہ بہت بڑا مقرر اور لسان بھی تھا۔ انہیں مختلف قابلیتوں کے مجموعہ نے آئے اپنے زمانہ کا سب سے بڑا آدمی بنا دیا!

والٹیر، غضب کا معننی تھا۔ کام سے کبھی نہیں تھکتا۔ یہی سبب ہے کہ اتنا بڑا علمی ذخیرہ چھڑ گیا، جتنا اسے کسی ہم عصر

## مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شہیتیں

### انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

#### والٹیئر

FRANCOIS DE VOLTAIRE.

اردو علم ادب کی بے مایگی ہر گوشہ عام و فن میں نمایاں ہے۔ لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک کمی یہ ہے کہ اس وقت تک علوم و ادبیات کی وہ اہمات و اصول بھی اردو میں منتقل نہ ہو سکیں جن کے بغیر موجودہ عہد کی کوئی زبان 'ترقی پذیر' نہیں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ "اہمات و اصول" کا لفظ جب کبھی علوم و کتب کے لیے بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہر علم و فن کی وہ بنیادی چیزیں جو بمنزلہ اصل و اساس ہیں اور جنہوں نے اپنے اپنے دائرہ بحث و نظر میں مبادیات و قواعد کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ مثلاً منطق میں ارسطو کا مقالہ، ریاضی میں اقلیدس کے مقالات، قانون میں سون کے مباحث، طب میں جالینوس کے رسائل خمسہ، نظام حکومت میں افلاطون کی جمہوریت، تاریخ میں ہیروڈوٹس کی کتاب، فن بلاغہ میں جاحظ کے مقدمات، قصص میں الف لیلة، منطق استقرائی میں بیکن کا مقالہ، وغیرہ ذلک۔ علوم و ادب کا کتنا ہی وسیع و رفیع ذخیرہ فراہم ہوجائے، مگر وہ سب برگ و بار ہیں۔ سب سے پہلے ان کی جڑیں زبان میں استوار ہونی چاہئیں۔ لطف یہ ہے کہ یہ کام کچھ ایسا دشوار بھی نہیں۔ اہل علم کی اگر ایک مختصر جماعت مستعد ہوجائے، تو در تین سال کے اندر اہمات علوم و ادب کا بڑا حصہ اردو میں منتقل ہو جاسکتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ نہ تو اس وقت تک ہم میں ایسے اہل علم پیدا ہوئے ہیں جنہیں خدمت علم کا اس درجہ شوق ہو، نہ ملک میں علمی طلب ہے جو اہل علم کو اس طرف متوجہ کرے۔ بنیاد ان تمام کار و بار علم کی قومی تعلیم ہے، اور وہی اس وقت تک مفقود ہے۔

اس سلسلہ کا ایک اہم گوشہ یورپ کی جدید تاریخ اجتماع و تمدن کی اہمات و اصول اور ان کے رجال علم و نظر ہیں۔ موجودہ دور کی 'تاریخ' انقلاب فرانس سے شروع کی جاتی ہے۔ انقلاب فرانس کی تخم ریزی جس عہد میں ہوئی، وہ اٹھارویں صدی کا ابتدائی حصہ ہے۔ اس عہد میں چند شخصیتیں ایسی پیدا ہو گئی تھیں جنکی دماغی سیرت میں وقت کی تمام انقلابی قوتیں سمت آئی تھیں۔ وہ سرتاپا پیکر انقلاب تھیں۔ انہی کے دماغ و قلم نے انقلاب فرانس کی تخم ریزی کی، اور انہی کے مبادیات و اصول ہیں جن سے یورپ کے نئے دور کی تاریخ کا آغاز ہوا۔ مورخین نے انہیں "انقلاب کے ارکان ثلاثہ" سے تعبیر کیا ہے۔ اگرچہ تعداد میں تین سے زیادہ ہیں، لیکن قلم و کتابت کی تقسیم میں ان کے حلقے تین ہی ہیں:

(۱) والٹیئر - Voltaire

(۲) روسو - Rousseau

(۳) اور انسائیکلو پیڈیا کے اہل قلم - The Encyclopedie

آخری جماعت اس لقب سے اس لیے موسوم ہوئی کہ اس نے سب سے پہلے فرانسیسی زبان میں انسائیکلو پیڈیا مرتب کی، اور علم اور حیرت فکر کے مباحث کی اشاعت اس کے اوراق و مجلدات کے ذریعہ ہوئی۔ اس میں سب سے زیادہ نامور اہل قلم در تھے: دیدر diderot اور دلامبرٹ D' Alembert۔

ایک مدت سے مجھے خیال تھا کہ ان ارکان ثلاثہ کی وہ تحریریں جن کا شمار اہمات و مبادیات میں سے کیا جاتا ہے، اردو میں منتقل کر دی جائیں، تاکہ علاوہ اردو علم ادب کی تکمیل کے، غیر انگریزی داس طبقہ کے مطالعہ کیلئے تاریخ جدید کے ذہنی مبادیات مہیا ہوجائیں۔ اور وہ اس کے محاسن و نقائص دونوں سے باخبر ہو سکیں۔ کئی سال ہوئے میں نے روسو کا "لائکٹرکٹ سوشل" Le Contrat Social اور ایمیل Emilius ترجمہ کیلئے بعض دوستوں کو دیا تھا۔ کچھ حصہ کا ترجمہ ہوا بھی، لیکن افسوس ہے کہ انکی بے ذوقی تکمیل سے مانع ہوئی اور اس کے بعد مجھے بھی ترجہ کرنے کی مہلت نہ ملی۔ میرے کرنے کے کام دوسرے ہیں جن کی تکمیل و اشاعت سے اب تک عہدہ برا نہ ہو سکا۔ ان کاموں کے لیے وقت کہاں سے لائے؟

لیکن اب الہلال شائع ہوا ہے تو اس کے صفحات کے تنوع میں ہر طرح کے بحث و نظر کی گنجائش ہے۔ خیال ہوا، کم از کم ایک سلسلہ مضامین اس موضوع پر ایسا مرتب کر دیا جائے، جس سے ایک حد تک کتابوں کے فقدان کی تلافی ہو سکے۔ چنانچہ آج "والٹیئر" سے یہ سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ جو آج شائع کیا جاتا ہے اسکی دماغی سیرت پر اجمالی نظر ہے اور اس کے مختصر حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ دوسرے میں اس کے اصول و تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ تیسرے میں اس پر نقد و تبصہ ہے۔ اور وہی اس سلسلہ کی سب سے زیادہ اہم چیز ہوگی۔

#### (والٹیئر)

ایک دن والٹیئر، مشہور قاصد رومانیل کے ساتھ اسکی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ قاصد تھکتا جا رہی تھی جہاں آئے والٹیئر کے شہرہ آفاق ڈراما "میروب" کی مشق کرنا تھی۔ وہ بہت پریشان تھی۔ کہنے لگی "کامیابی کے ساتھ یہ ڈراما اور اس کے دقیق جذبات دکھانے کیلئے ضروری ہے کہ مہرے جسم میں شیطان حلول کر جائے"

"سچ ہے بیگم! ہر فن میں کامیابی اسی پر موقوف ہے کہ شیطان جسم میں حلول کر جائے" والٹیئر کا جواب تھا!

والٹیئر کے تمام دشمنوں نے خصوصاً کلیسائی حریفوں نے بیک زبان کہا ہے کہ شیطان اس کے اندر حلول کیسے تھا۔ چنانچہ سینٹ بوف کا قول ہے "ابلیس اس کے جسم میں تھا" روسیٹر کہتا ہے "یہ شخص جہنم کی تمام قوتوں اور ہولناکیوں کا مالک تھا!"

در اصل والٹیئر اپنے وقت کا پورا آدمی تھا۔ یورپ کی اٹھارویں صدی کی ادبیات کی سچی تصویر اس فلسفی شاعر میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ اسکی تصانیف میں اس عصر کی جملہ بھلائیوں اور برائیوں، دونوں جمع ہو گئی ہیں۔ کبھی وہ نہایت مذموم، کبھی بد اطوار، فحاش، بے اصول، مغرور، اور کمینہ نظر آتا ہے۔ کبھی از حد لطیف،



کیا - والتیر نے والد کو اسکا حال معلوم ہوا تو خاص اس کے دیکھنے کے لیے پیرس آیا - تماشہ دیکھتے وقت اپنی مسرت بار بار یہ کہہ کر ظاہر کرتا "آہ شیطان آہ شیطان!"

اسی ڈراما میں آئے اپنے یہ انقلاب انگیز خیالات ظاہر کیے تھے :  
"ہمارے گاہن ویسے نہیں ہیں جیسا سادہ لوح عوام انہیں سمجھتے ہیں"

"ان گاہن کے علوم و معارف کیا ہیں؟ دراصل ہماری سادہ لوحی اور زرد اعتقادی ہی ان کے علوم و معارف ہیں!"

"ہمیں اپنی قوت پر یقین کرنا اور ایمان لانا چاہیے - ہوجیز خود اپنی آنکھوں سے دیکھنی چاہیے - درحقیقت ہماری عقل ہی ہمارا معبود، ہمارا عبادت خانہ، اور ہمارا گاہن ہے"

اس ڈراما سے والتیر نے چار ہزار فرنک حاصل کیے - اس نے یہ رقم ضایع نہیں کی - بلکہ اسے اپنا رأس المال قرار دیا اور بقی ہوشیاری سے اُسے بڑھاتا رہا - اسکا اصل تہ کہ آدمی کو اپنی روزی اپنی محبت سے کمائی چاہیے اور اپنی کمائی سے کچھ نہ کچھ پس انداز ضرور کرنا چاہیے - وہ کہا کرتا تھا "فلسفہ جہانگیر سے پہلے آدمی کو زندہ رہنے کی حکمت سیکھنی چاہیے!"

## الہلال

کا

## یہ ۷ - وان نمبر ہی

## لیکن

اس وقت تک توسیع اشاعت کے لیے دفتر نے آپکو کوئی زحمت نہیں دی ہے - کیا آپ کو خود اس طرف توجہ نہ ہوگی؟

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا، شاید ہی اسکی کوئی دوسری نظیر اور اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے، اور قیمت اس کے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے - یا اتنی وسیع اشاعت ہوئی چاہیے کہ اس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہو جائے۔

پڑا - یہ اس کا پہلا عشق تھا - اسلیے عمر بھر اسکی جبین دل میں باقی رہی!

۱۷۱۵ء - میں والتیر اپنے والد سے علحدہ ہو کر پیرس پہنچا - اسی زمانہ میں لوئی چہارم نے انتقال کیا اور لوئی پانزدہم تخت نشین ہوا - بادشاہ کمسن تھا - اسلئے سلطنت کی باکیں اس کے مربی قلیپ قورلین کے ہاتھوں میں آگئیں - یہ شخص کم ہمت اور ضعیف الارادہ تھا - ملک میں بد امنی پھیل گئی - پیرس اسکا مرکز تھا - والتیر شورش پسندوں میں داخل ہو گیا اور اپنی بے باکی اور جرأت کی وجہ سے بہت جلد ممتاز جگہ حاصل کر لی -

اسکی جرأت کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ نائب سلطنت نے کفایت شعاری کے خیال سے شاہی اصطبل کے آدھے گھوڑے بیچ ڈالنے کا حکم دیا تھا - اس پر والتیر نے ایک مضمون میں لکھا "کاش نائب سلطنت آدھے گدھوں کی فروخت کا بھی حکم صادر کر دیتے جو حکومت کی اونچی کرسیوں پر بیٹھتے ہیں!"

حکام کی نظر سے یہ مضمون گذرا تو سخت بدھم ہوئے - پھر نائب سلطنت کی ہجو میں دو قصیدے شایع ہوئے اور خیال کیا گیا کہ والتیر نے ہی لکھے ہیں - اب پوری حکومت اسکی دشمن ہو گئی - ایک دن کسی تفریح گاہ میں نائب سلطنت نے والتیر کو دیکھا اور بلا کر کہا "میں تم سے شرط باندھتا ہوں کہ عنقریب تمہیں ایک ایسی جگہ بھیج دینگا جسے تمہاری ان آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا ہے!" والتیر نے تمسخر سے سوال کیا "وہ کون جگہ ہو سکتی ہے؟" نائب نے کہا "باسٹل کی تاریک کوٹھریاں!"

اس گفتگو پر پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گذرے تو کہ والتیر باسٹل کے خوفناک قید خانہ میں بند تھا - یہ واقعہ سنہ ۱۷۱۷ء کا ہے - کاش اس وقت حکومت کو معلوم ہوتا کہ ایک دن یہی باسٹل والتیر کے پیدا کردہ انقلاب کے ہاتھوں منہدم ہو کر رہیگا!

اس وقت تک والتیر اپنے اصلی نام "فرانسوا ماری اربہ" سے مشہور تھا - لیکن قید ہونے کے بعد آئندہ حکومت کے شکنجہ سے بچنے کے لیے، ایک فرضی نام اختیار کر لیا جو والتیر تھا - یہ فرضی نام اس درجہ مشہور ہوا کہ آج تاریخ کے سرا کہیں بھی اس کا اصلی نام نہیں مل سکتا -

قید خانہ میں آئے بڑی ہمت و جرأت سے کام لیا، اور اپنی شہرہ آفاق کتاب "ہزیاد" تصنیف کی - یہ دراصل ہنری چہارم کا قصہ ہے جو پہلے پورٹسٹنٹ ہوا تھا - پھر دوبارہ کیتھولک ہو گیا، اور آخر کار قتل کیا گیا -

قید خانہ میں وہ گیارہ مہینے رہا - اس اثنا میں اسے سخت جسمانی تکلیفیں بھی گئیں - لیکن بعد میں خود نائب سلطنت کو رحم آگیا - عزت کے ساتھ رہا کر دیا گیا اور سالانہ وظیفہ بھی مقرر ہو گیا - والتیر کی شرح طبعی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے نائب سلطنت کو شکریہ کا خط ان الفاظ میں لکھا تھا :

"اعلیٰ حضرت نے میرے رزق کا جو اہتمام کیا ہے، اس کے لیے شکر گزار ہوں - مگر میری دست بستہ درخواست ہے کہ میری سکونت کے انتظام کرنے کی ضرورت بھی زحمت گزار نہ کریں!

اسکا اشارہ قید خانہ کی طرف تھا -

باسٹل سے نجات پانے کے بعد والتیر نے اپنا مشہور ڈراما "ازدیب" لکھا - یہ ایک نہایت ہی درد انگیز قصہ ہے - بہت مقبول ہوا - مسلسل ۴۵ دن تک پیرس کے تھیٹروں میں دکھایا

والتیر کا باپ اپنے دونوں لڑکوں کی شکایت کیا کرتا تھا ”خدا نے مجھے دو پائل دیے دیے ہیں : ایک کو نثر کا جنوں ہے دوسرے کا نظم کا“ والتیر نے شعر کہنا اُس وقت سے شروع کیا جبکہ وہ اپنا نا، بھی صحیح طور پر نہیں لکھ سکتا تھا۔ اُس کا باپ عملی زندگی، عادی تھا۔ اُس نے اپنے لڑکے کی یہ حالت دیکھ کر افسوس کے ساتھ یقین کر لیا کہ یہ بالکل ناکارہ نکلے گا۔ اُسے کیا معلوم تھا ایک دن اُس کا یہی ”ناکارہ“ تمام یورپ کا سب سے بڑا اہل قلم تسلیم کیا جائے گا !

والتیر کی ماں کے انتقال کے بعد اُس کا خاندان پیرس چھوڑ کر دیہات میں جا بسا۔ یہاں ایک دولت مند فاحشہ نے والتیر کو دیکھا اور اُس میں آثار ذہانت و نجابت پائے۔ چنانچہ مورے سے پہلے وہ یہ نیک کام کر گئی کہ دو ہزار فرانک والتیر کو ہبہ کر دیے۔ تاکہ ”اس روپیہ سے اُسے کتابیں خرید دی جائیں“

والتیر کو ان کتابوں سے بڑا نفع ہوا۔ وہ عمر بھر اس آبرو باختم عورت کا احسان مند رہا۔ اُس کے بعد ایک راہب کو اُس سے محبت ہو گئی۔ لیکن یہ راہب دراصل ملحد تھا۔ اُس نے اُسے شک و الحاد کی تلقین کی اور کلیسا کے طرف سے نفرت و انکار دلنشین کر دیا۔

اُس کے بعد وہ پادریوں کے مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے داخل کیا گیا۔ یہاں اُس نے فن مناظرہ اور علم کلام سیکھا۔ اُس وقت بڑا علمی کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک ہی مسئلہ کو بہ زور جدل دو متناقض پہلوؤں سے ثابت کر دیا جائے۔ والتیر نے اس فن میں کمال حاصل کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کسی مسئلہ پر بھی اُسے یقین باقی نہ رہا۔ مدرسہ میں وہ بڑا محنتی طالب علم مشہور تھا۔ حتیٰ کہ فرصت کے اوقات میں بھی جبکہ اُس لڑکے کھیل کود، میسر صرف ہوتے، وہ اساتذہ سے لاهوتی مسائل پر بحث کیا کرتا۔ اپنی طالب علمانہ زندگی کے متعلق وہ کہا کرتا تھا ”پادریوں نے مجھے لاطینی زبان اور بہت سی پیروہ بکواس سکھادی ہے !“

تعلیم ختم کرنے کے بعد اُسے عملی دنیا کی طرف توجہ ہوئی، اور اپنے لیے کوئی پیشہ منتخب کرنا چاہا۔ اُس نے اپنے باپ سے بلا پس و پیش کہدیا ”میں شعر و ادب کو اپنا پیشہ بناؤں گا“ باپ بہت خفا ہوا اور بہت سمجھایا۔ مگر اُس نے ایک نہ سنی، اور اپنی ہمت پر قائم رہا۔ لطف یہ ہے کہ اس پیشہ کے متعلق خود اُس کی رائے یہ تھی : ”شعر و ادب اُن لوگوں کا مشغلہ ہے جو اجتماعی زندگی میں بے فائدہ بننا اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کے سر پر بوجھ ہونا چاہتے ہیں۔ یہ اُن لوگوں کا پیشہ ہے جو بھوک مر جانا پسند کرتے ہیں“

۲۱۔ برس کی عمر تک والتیر نے اپنے تئیں رندہی و عیاشی کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ راتیں باہر گزارتا تھا اور دن گھر پر :

ہمہ شب شراب خوردن ہمہ روز خواب کردن !

اُس کے والد کو اس تہتک سے بڑی تکلیف تھی۔ اُس نے لاکھ کوشش کی مگر اصلاح کی کوئی صورت نہ نکلی۔ آخر اپنے ایک سخت گیر رشتہ دار کے ہاں بیچ دیا۔ شروع میں تو اس نئے مربی نے بڑی سختی کی۔ لیکن پھر اُس کی غیر معمولی قابلیت و ذہانت دیکھ کر آزاد چھوڑ دیا۔ والد کو معلوم ہوا تو اُس نے واپس بلا لیا اور ہالینڈ میں فرانسیسی سفیر کے حوالہ کر دیا کہ اپنی نگرانی میں رکھے۔ یہیں ہالینڈ کے پائے تخت لاهائی میں والتیر نے ایک در شیزہ سے عشق کیا، مگر راز جلد کھل گیا، اور حضرت کو ہزاروں حسرتوں کے ساتھ وطن ہانکنا

جنی نہ۔ بدچلے، اور پڑھنے والوں تک کو سزا دی گئی۔ مگر والتیر نے عزم و ہمت میں فرق نہ آیا۔ وہ تمام دشمنوں پر غالب آیا۔ تمام مشکلات پر فتح مند ہوا۔ اُس نے ہمیشہ حق و حقیقت کا اظہار کیا اور بالآخر دنیا کی گردنیں اُس کے علمی و عقلی جبروت کے آگے جھک گئیں۔ یا تو اُسے ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ یا پھر یہ ہوا کہ پادشاہ، شہنشاہ، اور رزم کے پوپ تک، اُس کی خوشامدیں کرتے لگے۔ سب اُس کی ہیبت سے لرز آتے۔ پاپاؤں کی روحانی گدھی اور بادشاہوں کے زبر تخت ہلنے لگے۔ ادھی دنیا نے اس ساحر کے لیے اپنے کان کھول دیے اور اُس کی زبان و قلم کا ہر لفظ باشندگان یورپ کے دلوں میں اتر گیا !

والتیر ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا تھا جس کی سب سے بڑی ضرورت تخریب اور شکست و ریخت تھی۔ جرمنی کا نقشہ کہتا ہے ”ہنسنے والے شیروں کے نمودار ہونے کی ضرورت ہے“ والتیر نے یہ نہیں کہا، مگر وہ سچ مچ کو شیر کی طرح گرجتا اور ہنسنا ہوا آتا، اور قدیم نظم کی کہنہ عمارت ڈھا دی۔ درحقیقت یورپ کی موجودہ بیداری اور تہذیب کا سہرا دو ہی آدمیوں کے سر ہے : والتیر اور روسو۔ انہی دونوں نے انقلاب فرانس کی تخم ریزی کی، اور وہ سب کچھ مہیا کر دیا جس کی اس انقلاب کو ضرورت تھی۔ بد نصیب لڑکی شانزدہم نے قتل ہونے سے چند دن پہلے قید خانہ میں والتیر اور روسو کی کتابیں دیکھی تھیں۔ وہ بے اختیار چلا آتا ”ابھی در آدمیوں نے فرانس کو برباد کیا ہے !“ ظاہر ہے کہ فرانس کی بربادی سے بد نصیب بادشاہ کا مقصد اپنے خاندان کی بربادی تھی۔ خیرین اعظم کہا کرتا تھا ”ہر یون (فرانس کا خاندان شاہی) اپنا تخت و تاج محفوظ رکھ سکتا تھا اگر والتیر اور روسو کا منہ بند کر دیتا“ خود والتیر کہتا ہے ”کتابیں ہی قوموں پر حکومت کرتی ہیں“ اسی کا حوالہ ہے ”دماغی تربیت سے بڑھ کر کوئی ذریعہ آزادی کا نہیں“ ایک آرزو مرقعہ پر اُس نے کہا ”جب قوم سوچنے لگ جائے تو پھر منزل مقصود سے اُسے روکنا ناممکن ہو جاتا ہے“ والتیر کے ظہور کے ساتھ فرانس نے سوچنا شروع کیا، اور دنیا کی کوئی قوت بھی اُسے آگے بڑھنے سے روک نہ سکی۔

( مختصر سوانح حیات )

والتیر کا اصلی نام ”فرانسو ماری اوریہ“ ہے۔ سنہ ۱۷۹۴ء ع میں پیرس میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ رجسٹرار تھا اور ماں ایک شریف گھرانے کی خاتون تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ والتیر نے اپنی غصہ و طبیعت اپنے باپ سے ورثہ میں پائی تھی، اور ذہانت ماں سے۔ والتیر کے پیدا ہونے میں اُس کی ماں کو اتنی تکلیف ہوئی کہ جانبر نہ ہو سکی۔ وہ خود بھی از حد کمزور تھا۔ حتیٰ کہ اُس کی دائی نے گود میں لیتے ہی کہہ دیا تھا ”بچہ ایک دن سے زیادہ نہیں جیوگا“ لیکن اُس کا اندازہ غلط تھا۔ وہ ۸۴ سال تک زندہ رہا۔ البتہ بیماروں اور جسمانی تکلیفوں میں ہمیشہ مبتلا رہا۔

والتیر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ اس کا نام ”ارمان“ تھا۔ لیکن وہ آزاد خیالی کے جرم میں کلیسا کے حکم سے قتل کر دالا گیا۔ اُس کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ وہ جب قید تھا اور پھانسی کا حکم صادر ہو گیا تھا، تو بعض دوستوں نے رپے دیے۔ توبہ کر کے جان بچا لے۔ لیکن یہ سفاک و بہت غضب ناک ہو گیا۔ اُس نے کہا ”دوستو! شکریہ۔ اگر تم خود پھانسی پر لٹکنا پسند نہیں کرتے تو اُن لوگوں کی راہ کیوں روکتے ہو جو پھانسی پانا پسند کرتے ہیں؟“

سینٹ ہلینا میں اپنے سوانح حیات پر اپنے خیالات قلمبند کرائے تھے جو دو جلدوں میں مرتب ہو کر شائع ہوئے۔ اس میں وہ مصر کے واقعات کا بہ تفصیل ذکر کرتا ہے۔ اسلام کا بھی ذکر کرتا ہے۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر ضرورت ہوتی تو اسلام قبول کر کے تمام اسلامی ممالک زیر لگیں کر لیتے اور ایک عظیم مشرقی مملکت کی بنیاد رکھ دیتے۔ میں مجھے تامل نہ ہوتا۔ لیکن اس کا اعتراف نہیں کرتا کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

(مصر کے مسلمان مورخ)

نپولین کے حملہ مصر کا زمانہ اگرچہ مشرق کے دماغی و علمی تذل کے بلوغ کا زمانہ تھا، اور مصر رشام کے عہد رسطی کی رہی سہی علمی قوتیں نوں صدی ہجری میں تقریباً ختم ہو چکی تھیں تاہم جامع ازہر کے وسیع حلقہ درس و تدریس کی بدولت علم کی کمیت بدستور قائم تھی۔ اگرچہ کیفیت مفقود ہو چکی تھی۔ شہاب الدین خفاجی صاحب درۃ الغواص۔ سید مرتضیٰ زبیدی صاحب تاج العروس۔ شمس الدین الشامی صاحب سیرۃ الشامیہ و عقود الجمال۔ ابو بکر مرعی صاحب کواکب الدریہ۔ نور الدین الحلبي صاحب سیرۃ حلبیہ۔ ابن فضل اللہ المحبی صاحب خلاصۃ الاثر۔ ابو الفتح اسحاقی صاحب لطائف الاخبار۔ ابو العباس مہری صاحب نفع الطیب۔ شمس الدین بکری صاحب تحفۃ البہیہ۔ ابن یوسف الحلاق صاحب تحفۃ الاحباب۔ شمس الدین تمرتاشی صاحب تنویر الابصار۔ شربلاوی شارح مترن حنفیہ۔ شیخ اسماعیل زرقانی شارح موطا و مواہب۔ وغیرہ علماء مصر کا زمانہ تقریباً گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری کا زمانہ ہے، اور اُس عہد سے مقصد ہے جب نپولین مصر میں داخل ہوا ہے۔ ہجری سنہ کے حساب سے حملہ مصر سنہ ۱۲۱۳ - میں ہوا ہے۔ یعنی تیرہویں صدی کے بالکل اوائل میں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں بھی علماء مصر و شام، خصوصاً علماء ازہر کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی جو درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رکھتی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں اشخاص جنکا نپولین اور فرانسیسی حکام سے زیادہ سابقہ رہا، یا انہوں نے اُس عہد کے حالات قلمبند کیے، حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبد اللہ الشرقاوی: جامع ازہر کے مشاہیر اساذہ میں سے تھے۔ نپولین نے مصر کے شہری انتظام کے لیے چودہ ارکان کی ایک مجلس شوریٰ بنائی تھی جو ”دیوان“ کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ شیخ شرقاوی کو اسکا رئیس منتخب کیا تھا۔ انہوں نے ۲۰ - سے زیادہ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں ایک قیمتی کتاب تحفۃ الناظرین ہے جس میں فرانسیسیوں کے حملہ سے لیکر انکی راپسی تک کے چشم دید حالات بالاختصار بیان کیے ہیں۔ سنہ ۱۱۵۰ میں پیدا ہوئے، اور ۱۲۲۷ مطابق سنہ ۱۸۱۲ میں انتقال کیا۔ تحفۃ الناظرین مصر میں چھپ گئی ہے۔

(۲) شیخ سلیمان فیومی: یہ بھی اساذہ ازہر میں سے تھے، اور مشیخت کے درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ نپولین نے انہیں بھی ۴ ہزار فرانک کا رکن منتخب کیا تھا۔ نپولین کے جانے کے بعد جب سردار عسکر کاہر کو سلیمان حلبی نے قتل کر ڈالا اور فرانسیسیوں نے فوجی عدالت میں تحقیقات کی، تو یہ بڑے مخصوصہ میں بھنس گئے۔ لیکن بالآخر نجات پائی۔ انہوں نے بھی ایک مختصر رسالہ

پر جوش نو مسلم ہی کا استقبال کر سکتے تھے۔ ہونا پارٹی (ہونا پارٹ) کو اسکی مروج محبت سے اور انگریز حقارت سے ”ہونا پارٹی“ کہتے تھے) اسے لیے بھی بے دریغ طیار ہو گیا۔

نپولین کے مورخوں میں فین سب سے زیادہ جوش مخالفت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی تاریخ صرف اسلیے لکھی ہے تاکہ وہ تمام مراد جمع کر دے جو نپولین کی مخالف جماعتوں نے اسے خلاف رائے عامہ پیدا کرنے کیلئے طیار کیا تھا۔ وہ اس معاملہ میں اسکی ”انتہا درجہ کی شیطنت“ محسوس کرتا ہے، اور واقعہ کے ناگوار پہلوؤں کی تکمیل کیلئے اتنا حصہ آور پڑھا دیتا ہے کہ ”اس نے بار بار مسلمان مشایخ کو خورش کرنے کیلئے مسیحی مذہب کی ہنسی اڑائی اور عیسائیوں کو گالیاں دیں۔“

ہوریون خاندان اور انکے حامیوں نے نپولین کے خلاف تبلیغ و اشاعت کا ایک خاص صیغہ قائم کر رکھا تھا۔ ہر مہینہ کوئی نہ کوئی رسالہ انگلستان سے چھپ کر نکلتا اور تمام یورپ میں تقسیم لیا جاتا۔ اس کام کیلئے تنخواہ دار اہل قلم مہیا کیے گئے تھے۔ انہی میں ایک شخص ٹیڈر نامی تھا۔ اسنے ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا تھا کہ ”کیا ہونا پارٹ ترک (مسلمان) ہو گیا ہے؟“ تھیرس اس رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے ”اس میں نپولین کی کئی تصویریں اس طرح کی بنائی گئی تھیں، جیسی از منہ رسطی (مدل ایجز) میں پیغمبر اسلام کی بنائی گئی تھیں۔ نہایت خونخوار قیافہ۔ چشم و ابرو سے قتل و خونریزی کے جذبات ٹپک رہے ہیں۔ ایک ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے۔ دوسرے میں قرآن۔“

چند سالوں کے بعد جب نپولین نے یورپ کو پیرس بلایا تاکہ اُس کی تاج پوشی کی رسم ادا کرے، تو لندن کے ایک اخبار کا کارٹون بہت مشہور ہوا تھا۔ اس میں نپولین کے ایک ہی دھڑ پر دو رو پشت چہرے بنائے تھے۔ ایک پر پگڑی تھی۔ ایک برہنہ تھا۔ پگڑی والے سر کے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے ”میں مشرق میں اس لیے آیا ہوں تاکہ دین محمدی زندہ کر دوں“ مگر برہنہ سرکہہ رہا تھا ”میں مشرق سے واپس آگیا تاکہ نوٹر دم کے گھنٹوں کا مقدس بلارا سنوں!“ پہلا جملہ نپولین کے اعلان مصر سے ماخوذ تھا۔ دوسرا اُس کی ایک پر جوش تقریر سے، جس میں اُس نے مذہب کی ضرورت اور تاثیر پر زور دیتے ہوئے کہا تھا ”میرے حافظہ میں کسی چیز کی یاد اس قدر عمیق تاثیر پیدا نہیں کرتی، جس قدر گرجے کے گھنٹے کی مسلسل صدائیں“

لیکن جب کہ مخالفین نے اس معاملہ کو اس درجہ اہمیت دی، تو موافقین نے بھی اُس کی اہمیت گھٹانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ نپولین کے اکثر ثنا خواں اس بارے میں ساکت رہے ہیں۔ بعضوں نے ذکر کیا بھی ہے تو اس سے زیادہ نہیں کہ اُس نے اپنے اعلانات میں اپنے آپ کو اسلام کا دوست ظاہر کیا تھا۔ بعض نے انکار و تغلیط میں مزاحمت سے بھی کام لیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ ”یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے“ قرشے اور کلیپر مورخانہ سنجیدگی کے ساتھ لکھتے ہیں ”منجملہ ان تہمتوں کے جو شہنشاہ کے دشمنوں نے تراشی نہیں ایک تہمت یہ بھی تھی“ گین تھیم اور لیس کیس نے (اور آخر الذکر ان لوگوں میں سے ہے جو سینٹ ہلینا میں نپولین کے رفیق رہے تھے) اس معاملہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ بیوریون نپولین کا سکرٹری اور مصر رشام میں اُس کے ساتھ تھا۔ وہ نپولین کے واقعات مصر بہت تفصیل سے بیان کرتا ہے، لیکن اس معاملہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ خود نپولین نے

## تاریخ و عبرت

### فرانسیس کا فاتح اعظم اور اسلام

کیا نپولین مسلمان ہو گیا تھا ؟

— ❦ —

اٹھارہویں صدی کے اوائل کا ایک تاریخی مبحث

• • • • •

نپولین کا حملہ مصر اس کی فاتحانہ ارازمیں کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ اس کی زندگی کے تمام مورخوں نے یہ واقعہ بڑی شرح و تفصیل سے لکھا ہے۔ یکم جولائی سنہ ۱۷۹۸ء کو فرانسیسی فوج نے سرزمین مصر پر قدم رکھا تھا اور سنہ ۱۸۰۱ء میں رابسی پر مجبور ہوئی تھی۔

لیکن اس حملہ کی داستان کا ایک واقعہ ایسا ہے جس میں وہ تو تمام مورخ متفق ہو سکے۔ نہ کوئی ایک رائے مضبوطی کے ساتھ ظاہر کی جاسکی۔ بعضوں نے اسے اس درجہ غیر واقع تصور کیا کہ بے غلظت نظر انداز کر دیا۔ بعضوں نے اس قدر اہمیت دی کہ خاص خاص عنوان اور ابواب اس کے لیے ترتیب دیے۔ نپولین کے عہد میں اس کے کچھ عرصہ بعد تک اس کی مخالفت اور مخالفت کے جذبات نہایت شدید تھے۔ اس لیے یہ واقعہ مخالفین کے لیے بہت زیادہ اہم، مگر موافقین کے لیے نظر انداز کر دینے کے قابل تھا۔

یہ نپولین کے مسلمان ہونے یا اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرنے کا واقعہ ہے۔

تمام تاریخین متفق ہیں کہ نپولین نے مصر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے اعلانات طیار کر لیے تھے جن میں باشندگان مصر کو مخاطب کیا گیا تھا اور مبارکوں کے خلاف (جو وہیں عملاً حکمرانی کر رہے تھے اگرچہ حکماً سیادت درۃ عثمانیہ کو حاصل تھی) ابھارا تھا۔ ان اعلانات میں نپولین نے یہ بھی لکھا تھا ”میں اسلام و قرآن کا مخالف نہیں ہوں۔ بلکہ سچا حامی ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اصلی اسلام تازہ ہو جائے۔ اس کی عظمت و شوکت برقرار رہے۔ اور اس کے دشمن ناہم و نامراد ہوں۔“ اس میں یہی سب کا اتفاق ہے کہ اس نے مصر جاتے ہوئے راستہ میں اسلام اور قرآن کی نسبت غیر معمولی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ وہ مصر کے علما و مشائخ کو اپنی واقفیت سے متعجب کر دینے کی کوشش کرتا، اور انہیں بار بار یقین دلاتا کہ اسلام کی بہت بڑی عزت اس کے دل میں ہے۔ اس سے بھی کسی نے انکار نہیں کیا ہے اور خود اس نے بھی اپنے سینت ہلینا کے خود نوشتہ تذکرہ میں عنبر کیا ہے ”کہ اسلام قبول کرنے کے مسئلہ پر اس نے مصر کے مشائخ سے طویل طویل گفتگو کی تھی“ اور وہ کم سے کم شرطیں معلوم کر لی تھیں جو مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ واقعہ یہی مسلم ہے کہ اس کے بعض فوجی افسر مسلمان ہو گئے تھے اور مسلمان خاندانوں میں رشتہ دار بن کر رہے تھے۔ چنانچہ ژاک مینیئر

جو کلیئر کے قتل کے بعد مصر کا فوجی حاکم منتخب ہوا تھا، علانیہ مسلمان ہو گیا تھا اور ”عبداللہ جاگ“ کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے ایک مسلمان عورت سے نکاح بھی کر لیا تھا۔

لیکن ان تمام متفقہ امور کے ساتھ جس بات میں اختلاف ہے، وہ یہ ہے کہ نپولین نے اپنے آپ کو اسلام کا پیروں بھی ظاہر کیا تھا یا نہیں ؟

اس کے مخالفین کہتے ہیں۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ یا کم از کم اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا۔ انہوں نے نپولین کے جرائد کی فہرست میں یہ واقعہ بھی شامل کیا ہے، اور اس سے اس کی طبعی منافقت، بے دینی، اور ابن الوقتی پر استدلال کیا ہے۔

نپولین نے جب شام پر حملہ کیا، تو سرحدی اسمتھ نے جو انگریزی بیڑہ کا امیر البحر تھا شام کے عیسائیوں کے نام ایک اعلان بھیجا تھا۔ اسمیں لکھا تھا : ”وہ انگریز امیر البحر پر جو ایک سچا مسیحی بہادر ہے بڑی طرح بھروسہ کریں“ اور نپولین کی کچھ پروا نہ کریں جو پہلے ایک بے اصول مرتد تھا، اور اب مصر کے شیخوں کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا ہے !“

نپولین کے مشہور بحری حریف لارڈ نیلسن نے اپنی مشہور اور تاریخی آٹنا، لیڈی ہملٹن کو لکھا تھا :

”یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ (نپولین) مصر میں دین محمدی کا غازی بن گیا ہے اور اس کی خبریں ہندوستان کے تباہ شدہ مسلمانوں (نوابوں) تک پہنچ گئی ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ اگر اسے آسٹریلیا کے باشندوں کو خوش کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ بلا تاویل اپنے تمام فوجی افسروں کے ساتھ اس درخت کے تنہ کی پوریا شوج کر دیتا جس پر وہ مردوں کی کھوپڑیاں رکھا کرتے ہیں !“

انقلاب فرانس کا مشہور ابن الوقت تیلراند Talleyrand نپولین کے تذکرہ میں لکھتا ہے ”اس نے کبھی اس بات پر ندامت ظاہر نہیں کی کہ وہ مصر کے اماموں اور شیخوں کے سامنے مملوکوں کی پگڑی اور جیب پہن کر گیا تھا“ اور کہا تھا ”میں دین محمدی زندہ کرنے اور اس کے لیے جنگ مقدس کرنے آیا ہوں !“

نپولین کا مشہور انگریز سوانح نویس ایلی سن کہتا ہے ”یہ اس کی زمانہ ساز اور ابن الوقت طبیعت کا سب سے زیادہ مکمل مظہر تھا۔ اگر نیلسن نے ابو قیر کا بیڑا تباہ نہ کر دیا ہوتا اور قسمت اس سے موافق ہوتی، تو یقیناً وہ ہندوستان کے ساحل پر قرآن حمایل کیے ہوئے اترتا، اور حیدر علی سے کہتا : میں دین محمدی کے دشمنوں کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے آیا ہوں۔ اس کے بعد اگر وہ دیکھتا کہ ہندوستان کے کوزوں بت پرستوں کو رام کرنے اور انگریزوں کے برخلاف ابھارنے کیلئے اس کی ضرورت ہے کہ اپنے آپ کو مقدس دیوتاؤں کا پرستار ظاہر کرے، تو اس میں بھی اسے آٹنا ہی تاویل ہوتا، جتنا کامل مسلمان ہونے میں ہوا تھا !“

سر رالٹر اسکات کا قلم اُن تمام انگریز اہل قلم میں جگہوں نے اس عہد میں نپولین پر قلم اٹھایا ہے، زیادہ مستند تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ بھی اس واقعہ میں نپولین کی ”منافقانہ طبیعت“ کا پورا ظہور دیکھتا ہے اور لکھتا ہے ”مصر کے متعصب شیخ اسراف ایک

شیخ خلیل بکری

جرنیلین کے زمانہ میں نقیب السادات مصر تھے۔



ارجح کیے جاتے تھے۔ یہ دنیا میں عربی زبان کا سب سے پہلا  
خبر تھا۔ اس کی تحریر سید مذکور کے ذمہ تھی۔ اس طر  
اقعات و حوادث کی کتابت و تدوین کا انہیں ایسا مستند موقعہ مل  
یا جو دوسروں کو حاصل نہ تھا۔ سنہ وفات ۱۲۳۰ ھ۔

(دو شامی مورخ)

لیکن مصر سے باہر دو مشرقی قلم آرز بھی تھے جو اس عہد کے  
حوادث و سوانح ضبط کتابت میں لا رہے تھے: نقرہ ترک، اور امیر  
بیدر شہاب۔

پہلا مصنف لبنان کے ایک مسیحی خاندان سے تعلق رکھتا تھا  
و قسطنطنیہ سے آکر وہاں مقیم ہو گیا تھا۔ اس نے نپولین کی  
دگی ہی میں نپولین کی تاریخ عربی زبان میں لکھی تھی جس  
پہلا حصہ مع فرانسیسی ترجمہ کے سنہ ۱۸۳۹ ع میں پیرس  
میں شائع ہوا۔ اس حصہ میں فرانسیسیوں کے مصر سے اخراج تک  
واقعات درج ہیں۔ اس کتاب کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی  
ہے جب خیال کیا جائے کہ یہ مشرق کی سب سے پہلی کتاب ہے  
و نپولین کے حالات میں لکھی گئی، از اس وقت لکھی گئی  
ب خرد یورپ میں بھی اس کی کوئی بڑی تاریخ نہیں لکھی  
ی تھی۔ نپولین کے حملہ شام کے واقعات کا بڑا حصہ مصنف  
چشم دید واقعات میں سے ہے۔ اس نے سنہ ۱۲۴۴ - مطابق  
۱۸۳۸ - میں انتقال کیا۔

امیر حیدر لبنان کے خاندان ”شہاب“ کا ایک صاحب علم و  
امیر تھا۔ اس نے کئی کتابیں شام و لبنان کی تاریخ میں  
لی ہیں جن میں نپولین کے حملہ مصر و شام کے حوادث بھی  
لئے ہیں۔ ان میں سے غرر الحسان اور نزہۃ الزمان خصوصیت کے  
نہ قابل ذکر ہیں۔ امیر موصوف کا سال وفات سنہ ۱۲۵۱ -  
البت ۱۸۳۵ ع ہے۔

(علماء مصر کی تصویریں)

فرانسیسیوں نے مصری دیوان کے تمام ارکان کی تصویریں کھینچ  
تھیں۔ اور بطور عجائب شرق کے اپنے ساتھ فرانس لے گئے تھے۔  
رتی نے یہ تصویریں دیکھی ہیں، اور ان کی صنایع پر تعجب  
بر کیا ہے۔ مشرق مارسل نے جسے نپولین عربی طباعت کے

اہتمام کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا، اپنی کتاب ”معلومات مصر“  
میں یہ تمام تصویریں درج کر دی ہیں۔ ہم ان میں سے شیخ  
شرقاوی، شیخ بکری، اور شیخ سلیمان فیومی کی تصویریں اس  
تحریر کے ساتھ شائع کر دیتے ہیں۔ ان سے اس عہد کے علماء  
و مشائخ مصر کی وضع و قطع اور شکل و شمائل نظروں کے سامنے  
آجائیگی۔ مصر و شام میں تاریخ اسلام کے ازمندہ وسطی سے نیکر  
بارہویں صدی تک، معاشرتی زندگی تقریباً یکساں رہی ہے۔ اس  
لیے یہ تصویریں اگرچہ صرف دیرہ سو برس پیشتر کی ہیں، لیکن  
ان کی وضع و قطع سے تقریباً چار سو برس پیشتر تک کی وضع و  
قطع کا اندازہ کر لیا جاسکتا ہے۔ ساتویں، آٹھویں، اور نویں  
صدی ہجری کے علماء مصر شام، مثلاً امام ذہبی، امام مزہبی  
ابن دقیق العید، تقی الدین سبکی، حافظ ہرزالی، حافظ ابن  
حجر عسقلانی، حافظ سخاوی، جلال الدین سیوطی، وغیرہم کا  
لباس اور وضع و قطع تقریباً ایسی ہی ہوگی، جیسی شرقاوی  
فیومی کی ہے۔ شیخ بکری کی زندگی چونکہ امراء کی سی زندگی  
تھی، اس لیے وہ سمور کا چغہ پہنے ہیں اور ہاتھ میں مصری  
شبقہ یعنی تمباکو کا پائپ ہے۔

(عربی مورخین کی شہادت)

اب دیکھنا چاہیے کہ نپولین کے اظہار و عدم اظہار اسلام کے بارے  
میں ان مورخین کی شہادت کیا ہے؟ اس بارے میں سب سے  
زیادہ معتبر شہادت انہی لوگوں کی ہوسکتی ہے۔ ان میں سے چند  
مورخ تو خود ان لوگوں میں سے ہیں، جن کے سامنے نپولین کے  
اظہارات ہوئے ہونگے۔ مثلاً ندیم مہدی، شیخ الازھر، اور شیخ شرقاوی  
رئیس الدیوان۔ اور بعض ایسے ہیں جو اپنے چشم دید حالات قلمبند  
کر رہے ہیں از اس بارے میں کوئی خاص مورخانہ تعصب نہیں  
رکھتے۔ مثلاً شیخ جبرتی اور سید اسماعیل خشب۔

ان کی شہادت یہ ہے کہ نپولین نے نہ صرف اپنے ٹکڑے اسلام کا  
دوست ظاہر کیا تھا، بلکہ مسلمان ہونے کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ وہ  
اسلامی لباس پہن کر علماء و مشائخ سے ملتا، مسجد میں جاتا،  
اور نماز جمعہ میں شریک ہوتا۔ چنانچہ اس نے اپنی تصویر بھی  
اس لباس میں آترائی تھی جو آج تک موجود ہے، اور جسے  
پروفیسر مارسل نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ مزید تفصیل  
آئندہ نمبر میں ملیگی۔



شیخ سلیمان فیومی

جو اس عہد کے مشاہیر علماء مصر میں سے تھے



مراد بک مملوک

جو مصر کے دفاع میں نپولین سے لڑا مگر ناکام رہا



اعلیٰ رہیں سے مصر آئے تھے - جب نپولین مصر آیا اور دیوان شہر مقرر کیا، تو اس کے لیے ایک کاتب کی ضرورت ہوئی - اس کام پر اسی کا تقرر ہوا - اس طرح اسے موقع مل گیا کہ بہت زیادہ قریب سے اس قوم کے حالات و اعمال کا مطالعہ کرے -

اس نے اپنے زمانہ کے حوادث مصر پر ایک ضخیم کتاب عجائب الآثار لکھی ہے جو تاریخ جبرتی کے نام سے مشہور ہے - اسمیں پہلے ابن ایاس کی تاریخ مصر کی آخری تاریخ سے لیکر اپنے وقت تک کے مختصر حالات دیے ہیں تاکہ ابن ایاس کی تاریخ کے لیے یہ تاریخ ذیل اور مکملہ کام دیے - پھر سنہ ۱۱۴۲ - ہجری سے لیکر سنہ ۱۲۳۶ - تک کے تمام اہم حوادث مصر تاریخ و رررز نامچہ کی طرح لکھے ہیں اور کوئی ضروری بات نظر انداز نہیں کی ہے - غالباً سنہ ۱۲۴۰ - مطابق سنہ ۱۸۲۵ ع میں انتقال کیا -

افسوس ہے اس تاریخ کی قدر و قیمت سے مشرقی دنیا برابر غافل رہی حالانکہ یہ اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل کے حوادث مصر کی سب سے زیادہ مستند تاریخ ہے - نپولین کا حملہ مصر اور محمد علی خدیو اول کا ظہور، تاریخ مشرق کے نہایت اہم واقعات ہیں - جبرتی نے انکی چشم دید سرگزشت ایک رررز نامچہ کی طرح مرتب کر کے پیش کر دی ہے -

(۶) سید اسماعیل خشاب - نپولین اپنے ساتھ عربی حروف اور مطبع بھی لے گیا تھا، اور اس سے ایک سرکاری اخبار بھی جاری کیا تھا - اس میں عدالت اور فرج کے حالات اور سرکاری اعلانات



شیخ عبداللہ شوقاری

صاحب تحفة الناظرین و رئیس دیوان مصر

حوادث مصر پر لکھا ہے : "الوقائع والحوادث" سنہ ۱۲۳۲ ھ مطابق سنہ ۱۸۱۶ میں انتقال کیا -

(۳) شیخ خلیل البکوی - مصر میں عرصہ سے خاندان وفائیہ کا سجادہ طریقت قائم ہے - چونکہ نسل حضرت "ابوبکر" کی اولاد میں ہیں - اس لیے "بکری" کہلاتے ہیں - جو شخص سجادہ نشین ہوتا ہے - اسے "نقیب السادات" کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے جو سرکاری و لقب ہے - نپولین کے زمانہ میں سجادہ نشین شیخ خلیل تھے - نپولین نے انہیں بھی دیوان کا رکن چنا تھا - ان میں اور نپولین اور دوسرے فرانسیسی افسروں میں بہت زیادہ رسم و راہ پیدا ہوئی تھی - نپولین ان کے مکان پر آتا - یہ اُسکی دعوتوں میں شریک ہوتے - انہی نے نپولین کو ایک چرکسی غلام بطور ہدیہ کے دیا تھا جسے نپولین اپنے ہمراہ فرانس لے گیا تھا - یہ شاعر اور ادیب تھے - اسوقت کے حوادث مصر پر متعدد قصائد لکھے



نپولین مصری اسلامی لباس میں

جب اس نے جامع ازہر اور جامع حسینی عین نیاز جمعہ ۱۱ اپریل ۱۸۰۱

ہیں - بعض فرانسیسی مستشرقین اپنے ساتھ لائے اور پیرس میں ترجمہ کے ساتھ شائع کیا - سنہ ۱۲۳۵ ھ مطابق سنہ ۱۸۲۰ میں انتقال کیا -

(۴) شیخ محمد مہدی - یہ اسوقت جامع ازہر کے شیخ تھے - اصلاً قبطی تھے - بچپن میں مسلمان ہوئے اور ازہر میں تحصیل علوم کر کے علم و فضل کا درجہ حاصل کر لیا - یہاں تک کہ مشیخت کے درجہ تک پہنچ گئے - یہ بھی نپولین کے دیوان کے رکن تھے - انہوں نے ایک کتاب الف لیلہ کی رررز پر تحفة المستیقف لکھی تھی جسے فرانسیسی اپنے ساتھ لیکے اور فرنج ترجمہ کے ساتھ پیرس میں چھاپ کر شائع کیا - انہیں نے سنہ ۱۲۳۰ - مطابق ۱۸۱۵ ع میں انتقال کیا -

(۵) عبدالرحمن جبرتی - یہ اُس عہد کا سب سے بڑا مورخ ہے - "جبرتی" حبش کے تھے ایک مریض کا نام ہے - اس کے مرث



## دیت

## تین ہزار سال پہلے کی شاعری

## قدیم مصری شاعری

مصر، دنیا کے قدیم ترین تمدن کا مرکز جو۔ یونان اور روم جیکہ  
جہل کی ظلمتوں میں لپٹے پڑے تھے، تو مصر میں علم و حکمت کا آفتاب  
نصف النہار پر تھا۔

دنیا "توت آنخ آمون" کے نام سے واقف ہو چکی ہو حال  
نہی میں اس کا مقبرہ اور مسیح و سالم جٹہ برآمد ہوا جو۔ ہم اسی بادشاہ  
کے ایک عزیز بادشاہ کے زمانہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نام  
"آمی توت" چام تھا۔ یہ "توت آنخ آمون" کا بہنوئی تھا،  
اور سند قبل مسیح میں مصر کے تخت پر حکمراں تھا۔

قدیم شاہان مصر میں اس بادشاہ کو خاص امتیاز حاصل  
ہو۔ اس کے حمد میں مصر کا تمدن اپنے پورے بروج تک پہنچا۔ مصر  
نے صرف آدمی ترقی ہی نہیں کی تھی معنوی ترقی کے بھی کئی مرحلے  
طے کئے تھے۔ اس سے پہلے مصریوں میں طرح طرح کے توہم و  
عام تھے۔ عام اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی  
صرف اسی طرح مل سکتی ہو کہ اُس کی قبر شیطانوں کی نصیب میں نہ پڑے  
جائیں۔ میزوں پر کھانا پینا رکھا جائے۔ مٹی کی مورتیں اُس  
کے کفن میں بطور تزیین کے لٹکا دی جائیں۔ خیال تھا یہ سب  
چیزیں "کا" کو زندہ کر دیتی ہیں، اور "کا" زندہ ہو کر مرنے میں  
ازبر و فوج بھونک دیتا ہو۔ قدیم مصری زبان میں "کا" دی  
بھی چیز ہے جسے آجکل ہزار کہا جاتا ہو۔ اُن کا بھی عقیدہ تھا کہ  
ہزار ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہو۔ صرف موت اُسے جدا کر دیتی  
ہے۔ لیکن اگر مذکورہ بالا چیزیں قبر میں ہیا کر دی جائیں تو مرد  
کا قتل مرنے سے باقی رہتا ہو اور کبھی نہ کبھی اُس کی دوبارہ زندگی  
باعث ہوتا ہو۔

"آمی توت چام" نے یہ تمام متوہمانہ عقائد باطل کر دیے۔  
اسی قدر نہیں بلکہ مصر کے تمام دینی عقائد بھی بدل ڈالے۔ ایک نیا  
دھرم ایجاد کیا۔ امد اُس کی بنیاد آفتاب پرستی پر رکھی۔ پہلے  
مصریوں کا مہبوا عظیم "آمون" تھا۔ اس بادشاہ نے اُسے منسوخ  
کر کے "اختاتن" کی عبادت جاری کی۔ "اختاتن" دو مصری  
مظلوں سے مرکب ہو "اختا" امد "آتن" "اختا" کے معنی  
ہیں روشنی اور نور۔ "آتن" کا اطلاق سورج پر ہوتا تھا پس  
"اختاتن" کے معنی ہوئے "سورج کی روشنی"۔

اس بادشاہ کے حمد کے بہت سے آثار اور مقبرے برآمد  
ہوئے ہیں۔ ان مقبروں میں مذکورہ بالا خرافات کا کوئی نشان  
میں نہ تھا۔ ان میں نہ شیطانوں کی تصویریں ہیں، نہ چھوٹی  
مٹی کی مورتیں۔ نہ کھانے کے برتن۔ ان میں جو کچھ جو بادشاہ  
مر لکھ کے جہیزوں اور شہنشاہوں کی آویزیں ہیں، یا مصر کی مذہب

مرو کی زندگی کے مرقع ہیں۔ علماء تصورات کا خیال ہو کہ یہ آثار سب  
زیادہ قیمتی ہیں۔ کیونکہ یہ اُس حمد کی زندگی ہمارے سامنے پیش کر  
دیتے ہیں۔

## قدیم مصری نظم

اُسی حمد کے ایک قبرستان میں بہت سے اشعار کندہ ملے ہیں۔  
یہ پڑھ لے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہو۔ یہ درحقیقت معجز عظیم  
"آتن" (آفتاب) کی تعریف و ستائش کے قصیدے ہیں لیکن یہ  
اس سے بھی بڑے کچھ ہیں۔ یہ تین ہزار سال پہلے کی ترقی یافتہ انسان  
ذہنیت دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شعر، انسانی جذبات و  
قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتا ہو۔ اس مصری شعر کے اندر موجودہ  
انسانیت، اپنی قدیم شکل دیکھ سکتی ہو۔ ذیل میں اُس کے چند  
نمونے ملاحظہ ہوں:

## "آتن" کا جلال!

کیا دغیر ہو تیرا نڈو افق آسمان میں!  
لے دو پہلے طباق! لے سرخسہ حیات!  
ہر صبح ہم تجھے آسمان کے دُوب میں دیکھتے ہیں  
تو پوری زمین اپنے حسن سے معمور کر دیتا ہو!  
تو ہی خوبصورت ہو، عظیم ہو، روشن ہو، زمین پر بلند ہو!  
تیری شامیں تمام زمینوں کو اپنے ہنوں میں لے جاتے ہیں!  
ہاں، تمام زمینوں کو لے ہوئے، جنھیں توبی نے بنایا ہو!  
اور توبی نے اُن پر انسانوں کو آباد کیا ہو!  
ہاں، انسانوں کو، جنھیں توبی نے پیدا کیا ہو!  
وہ انسان، جنھیں تو نے محبت کے بندن سے جوڑ دیا!  
کہتے ہیں، تو دُور ہو، بہت دُور ہو!  
مگر تو دُور کہاں ہو؟ تیری شامیں تو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں!  
لے بلند تیرا کیا دن کی تاباکی تیرا ہی ایک جلوہ نورانی نہیں ہو؟

## رات

لے بادشاہ! جب تو آسمان کے کچھ میں لیٹ جاتا ہو  
تو سارے جہان پر موت کی تاریکی چھا جاتی ہو!  
آدمی اپنے گھروں میں سو جاتے ہیں  
مٹے لپٹے، بے حرکت، صوف سانس چلتی ہو!  
کوئی کسی کو نہیں دیکھتا۔ آنکھیں بند ہوتی ہیں  
اُنکے سر لے چور کھڑا ہوتا ہو، مگر انھیں خبر نہیں!  
شیر کچلا سے نکلتے ہیں، سانپ بیٹھا شروع کرتے ہیں!  
کیا ملک کی فرائض کو نہیں؟  
کیا دنیا کے سناٹے میں نہیں ہو؟

ہاں سب کا بنانے والا افق کی محل سرائیں محو خواب ہو!  
دن اور انسان

کیسی ہما ہی ہو؟

زمین مسرت سے کیوں اچھل رہی ہو؟  
دیکھو بادشاہ کی سواری افق میں نمودار ہو گئی!  
تو نے کائنات روشن کر دی!

تاریکی کا پتہ نہیں!  
تو آسمان پر مگر تیری شامیں زمین پر!  
یہ ہمارے بادشاہ کا جلال ہو!  
آدمی خوشی سے اپنے سروں پر کھڑے ہوئے  
تو نمودار ہوا اور زندگی کا آغاز ہوا!  
سب ہنسا دھو کر لگے۔

سب کے ہاتھ مشرق کی طرف اٹھ گئے۔  
ہاں مشرق کی طرف، تیری راجدھانی کی طرف!  
تیری زندگی کے بعد دنیا کے کام شروع ہوئے!

## دن اور حیوان و نبات

چوبائے چراگاہوں میں پہنچ گئے۔  
درخت اور پودے کھلکھلانے لگے  
چراہاں بھی گھونسلوں سے اڑ گئیں  
پراٹھائے، تیری تسبیح کرتی ہوئیں!  
ہر پرند اُٹھ رہا ہے!  
ہر کوئی تیری روشنی میں زندگی پا رہا ہو!

## دن اور پانی

کنیتاں آنے جانے لگیں  
اپنے مسئول نعمائیں اُڑاتی ہوئیں!  
سب راہیں تیرے نور سے روشن ہو گئیں!  
پھلیاں سطح پر دوڑ آئیں!  
لے نور وہ تیرے حمد سے سرگرم ہیں!  
تیری شاعروں نے موجیں توڑ دیں!  
سمندر کی تہ پر بچھ گئیں!

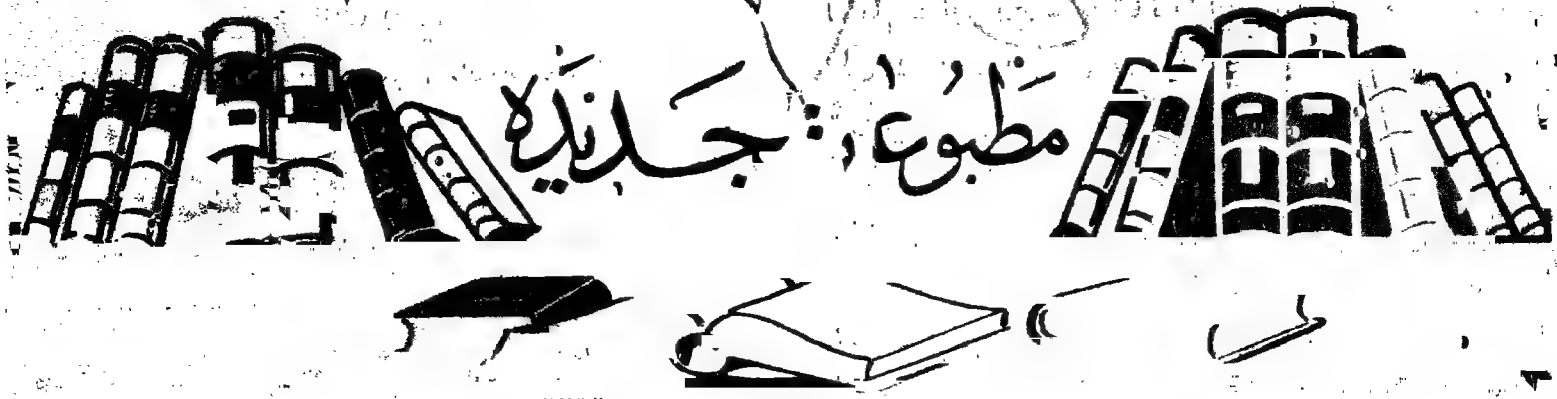
## انسان کی پیدائش

توبی نے عورت سے انسان کو پیدا کیا!  
توبی نے مرد میں زندگی کا تخم رکھا!  
ماں کے پیٹ میں بچے کو زندگی بھی سے ملی!  
وہ نہ دوتا ہو نہ گھبرا ہو!  
رحم مادر میں پڑا سوتا ہو!  
تیرا دست شفقت اُس پر دھرا ہو!  
ماں کے پیٹ سے بچتا ہو امد نور دیکھتا ہو!  
تو اُس کا معصوم منہ کھول دیتا ہو!  
تب وہ بولتا ہو!

پھر توبی اُس کی مزیتیں پوری کرتا ہو  
لے بادشاہوں کے بادشاہ! امد نور دیکھتا ہو!  
حیوان کی پیدائش

## مردی کا اٹھا!

اُس کے اندر بچہ!  
یہ تیری ہی قدرت ہو!  
زندگی، یہ تیری ہی صنعت ہو۔  
توبی نے اُنکے میں سانس ڈالی،  
دیکھو، بچہ اب ہر سانس لے رہا ہے!



## پان یورپین تحریک اور امن عالم

ایک جرمن مدبر کی تجویزیں

اس وقت دنیا میں اسلحہ کی تخفیف و تحدید کے مسئلہ پر بحثیں ہو رہی ہیں۔ ایک نئی کتاب کے مضامین یقیناً دلچسپی کے ساتھ پڑھے جائیں گے جو حال میں شائع ہوئی ہے اور ”پان یورپین تحریک“ یعنی وحدۂ اقوام یورپ کی تحریک کے ایک جرمن داعی رچرڈ کڈنہو کالبرگی Richard Caudenhove Kalergi کے قلم سے نکلی ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے پہلے امن عالم کی ضرورت پر بہت موثر پیرائے میں نظر ڈالی ہے۔ پھر ثابت کیا ہے کہ اس کا تقاضا ذریعہ یہی ہے کہ ”یورپین طاقتوں کی روز افزوں ہتیار بندی موقوف کر دی جائے“ لیکن ”ہتیار بندی“ سے مقصود کیا ہے؟ صرف لوہے اور آگ کے ہتیار؟ مصنف اس سے انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے ”صرف لوہے کے ہتیاروں سے نہ تھا کر دینا کچھ مفید نہ ہوگا۔ یورپ کو اس کے سیاسی، اخلاقی، اور اقتصادی حربوں سے بھی نہتا کر دینا چاہئے۔ اس کے بغیر ہتیار بندی کی مخالف تحریک بے فائدہ ہے۔ جیتک بغض و حسد کے چھلے قوموں کے دلوں میں موجود رہیں گے، اس وقت تک دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔“

اس کے بعد مصنف لکھتا ہے: ”یورپ کی سلامتی کی درہی سرچشمی ممکن ہیں: مختلف قوموں کے مابین عدل قائم ہو جائے، اور جنگ اور جنگ کے اسباب روکنے کے لیے سلطنتیں اپنی قوت استعمال کرنے پر متفق ہو جائیں۔“

اگر چلکر مصنف نے مختلف مغربی طاقتوں کی موجودہ جنگ جوہانہ حالت پر نظر ڈالی ہے:

”وارسلیز کے معاہدہ نے جرمنی کو نہتا کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ لیکن یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ جرمنی کو اس کے مسلم پڑوسیوں کے درمیان نہتا کر کے چھوڑ دیا جائے؟ یورپ کے امن و امان کے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ تمام سلطنتیں ایک ساتھ اور ایک ہی قسم کا قدم اٹھائیں۔ یا تو سب مسلم ہو جائیں، یا سب ہتیار رکھ دیں۔ بعض کا ہتیار بند رہنا اور بعض کا ہتیار رکھ دینا، امن کا نہیں جنگ کا موجب ہے۔“

”یورپین سواحل کی سلامتی کی سب سے زیادہ آسان اور عملی صورت یہ ہے کہ برطانیہ اپنے جنگی بیڑے کے ذریعہ حفاظت کی ذمہ داری لے لے۔ نہ یہ کہ ہر سلطنت اپنی بحری قوت بڑھا کر جنگ کا ایک اور خطرہ پیدا کر دے۔ اگر برطانیہ اس پر راضی ہو جائے کہ اپنا جنگی بیڑا یورپ کی ضرورتوں کیلئے وقف کر دے تو بلا شک دنیا کا امن و امان یقینی ہو جائیگا۔ لیکن برطانیہ یہ اسی وقت منظور کر سکتی ہے جب تمام دہل یورپ طے کر لیں کہ اپنی مجموعی بحری قوت، برطانیہ کی بحری قوت سے کم کر دیں گی۔“

”ترکی کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد روس بھی ایک ایسے سلطنت ہے جسکی سرحدیں خشکی میں یورپ سے ملتی ہیں۔ روسی سرحدیں بہت وسیع ہیں اور بے شمار مشکلات کا سبب بن ہوئی ہیں۔ روس کا اپنے تمام پڑوسیوں سے جھگڑا ہے۔ سب سے زیادہ اہم اس کے سیاسی اور اجتماعی جھگڑے ہیں۔ پھر روس کی آبادی بھی بہت بڑی ہے۔ جنگی طیاروں بھی عظیم ہیں۔ اس سے ہم زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس کی اصلی غرض تمام دنیا میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ روسی مدبر حیرت انگیز مستعدی سے انقلاب کو تخم ریزی کر رہے ہیں۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ روس اس مقاصد کی اشاعت امن و آشتی سے کڑی چاہتا ہے، وہ سخت غریب خوردہ ہے۔ روس جنگ کو اپنے مقاصد کی کامیابی کا ایک ہی ذریعہ سمجھتا ہے۔“

”روس سے مفاہمت کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ یورپ اس کی سرحدوں کا احترام کرے اور وہ یورپ کی سرحدوں کا۔“

”یورپ کو کسی حال میں بھی روس پر حملہ کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔ نہ اس کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کرنی چاہیے۔“

”یورپ کی داخلی سلامتی اس وقت تک نا ممکن ہے جب تک اس کے موجودہ سیاسی نظام میں کامل تبدیلی نہ ہو جائے۔ یورپ کی حفاظت کے لیے کوئی نہ کوئی نظام ضرور مرتب ہونا چاہیے۔“

”یورپ سے اچانک ہتیار رکھا لینا نا ممکن ہے۔ اس معاملہ میں پیش قدمی ان سلطنتوں کو کرنی چاہیے جو اس کی زیادہ ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ جب یہ سلطنتیں باہم ایک دوسرے پر متفق ہو جائیں گی، تو دوسری سلطنتیں بھی ان کی پیروی پر مجبور ہو جائیں گی۔ جنگی قوت کے اعتبار سے یورپ کی نو سلطنتیں زیادہ اہم ہیں۔ اگر یہ آپس میں متحدہ خیال ہو جائیں تو تمام دہل یورپ کو سر جھکا دینا پڑیگا جن کی تعداد اس وقت ۲۵ ہے۔ مجلس اقوام یا دہل عظمیٰ میں سے کسی ایک کو اس مقصد کے لیے کانفرنس بلانی چاہیے۔ کانفرنس میں حسب ذیل امور طے کرنے چاہئیں:

(۱) تمام دہل یورپ پختہ عہد کر لیں کہ ان میں سے کوئی کسی پر اعلان جنگ نہ کرے گی۔

(۲) ہر باہمی نزاع مابین الاقوامی عدالت کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کیا جائیگا۔

(۳) غیر یورپین جہازوں کے مقابلہ میں تمام یورپ متحد ہو جائیگا۔

(۴) اگر اس معاہدہ پر دستخط کرنے والی ایک طاقت دوسری پر حملہ کرے گی، تو تمام دہل مل کر اسے سزا دیں گی۔

(۵) غیر یورپین سلطنتوں سے دہل یورپ سے جتنے معاہدے کر رکھے ہیں، سب منسوخ کر دیے جائیں۔“

۱۵  
علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

دُنیا میں کتبِ فروشی کا عظیم مرکز ہو

جسے ملکِ مغربِ برطانیہ اور اُن کے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہوا  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں و ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہو

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

جہاں یہاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

# بصائر و حکم

## انسانیت موت کے دروازہ پر!

شاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

حسین بن علی علیہما السلام

۳

ذلت پسند کر لی۔ خدا انھیں مائے جو ذلت قبول کرتے ہیں! (بعض روایات میں یہ واقعہ خود زید کی طرف منسوب ہے مگر صحیح یہی ہے کہ ابو ذر نے پٹری اڑی تھی)

ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہے جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عید الفطر کے سبب بچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ بچا نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انھیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عید الفطر نے بچھا۔ یہ کون بھی ہے؟ انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین روزہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا: "یہ بنت فاطمہ ہیں" عید الفطر شہادت کی راہ سے چلیا۔ اس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا، اور تمھارے نام کو بڑھکا اس پر حضرت زینب نے جواب دیا: "ہزار ستائش اس خدا کے لئے، جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عزت بخشی، اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ جنساً تو کہتا ہے فاسق رسوا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے نام کو بڑھاتا ہے!" ابن زیاد کہا: "تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟" حضرت زینب بولیں: "ان کی ہمت میں تل کی موت بھی تھی اس لئے وہ قتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور انھیں ایک جگہ جمع کرے گا اور تم باہر اس کے حضور سوال و جواب کرو گے!" ابن زیاد غضبناک ہوا۔ آگ کا غصہ دیکھ کر عمر بن حریث نے کہا: "خدا میرے سوا بے یار و مددگار ایک عورت ہے۔ عورتوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے"

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا: "خدا نے تیرے سرکش سرداروں تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا" اس پر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انھوں نے کہا: "واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا! میرا خاندان ہلاک کر دیا! میری شاخیں کاٹ دیں! میری بڑھکھاڑ دی! اگر اس پر تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ٹھنڈا ہو جائے!" ابن زیاد نے مسکرا کر کہا: "یہ شجاعت ہے! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا!" زینب نے کہا: "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، یہ تو دل کی آواز ہے!"

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابن زیاد کی طرف سے ایک علی بن ابی طالب پر پڑی۔ یہ بیار تھے۔ ابن زیاد۔ ان سے ان کا نام پوچھا، انہوں نے

حضرت زینب نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ اہل بیت کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوثر روانہ ہو گیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہی عیسیٰ ہے) روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسین اور ان کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فغاں کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ میں گھوڑا اٹھا کر اگر قریب پہنچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھ پر زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا۔ "اے محمد! تجھے پر آسمان کے فرشتوں کا درد و سلام! یہ دیکھ حسین! رگستان میں پڑا ہے! خاک خون سے آلود ہے! تمام بدن ٹھوڑے ٹھوڑے ہے! تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہے! ہڈیاں پر خاک ڈال رہی ہے!" راوی کہتا ہے دوست دشمن کوئی نہ تھا جو انکے مین سے رونے نہ لگا۔ (ابن جریر)

۲۷ سمر

پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل ۲۷ سر تھے۔ شمر بنی الحوشن قیس بن الاشعث، عمر بن الحجاج، عذرة بن قیس، یہ تمام سر عید الفطر بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کو سنائے

حمید بن مسلم (جو غوثی بن زید کے ساتھ حضرت حسین کا سر کو ذہن لایا تھا) روایت کرتا ہے کہ حسین کا سر ابن زیاد کے دربار دکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبرز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک پٹری تھی۔ پٹری آپ کے لبوں پر لپکتی لگا جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو زینب اور ام مہاجرین چلا آئے: "ان لبوں سے اپنی پٹری ہٹا لے۔ قسم خدا کی میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا دوسرے لپکتے تھے" یہ کہہ کر وہ زار قطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہو گیا: "خدا تیری آنکھوں کو مولا کے والد اگر تو بڑا ہو کر ستمیاء نہ گیا ہوتا تو میری تیری گردن مارتا!" زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے۔ "اے عرب! آج کے بعد تم غلام ہو گے تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرثد (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمھارے نیک انسان قتل کرتا اور تمھارے شیریں دل کو قتل بنا رہا ہے تم

لے بعض روایات میں ہے کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا (مہاجر اللہ)

تیری قوت سے چلتا ہے!

خان کی ستائش کرتا ہے!

اپنے بچوں پر دھڑا پڑتا ہے!

دنیا کی پیدائش

تیری صفیں کسی عجب ہیں؟

ہماری عقل سے بھی بالا ہیں!

اے ایک اکیلے مجھ!

تیری جیسی قوت کس میں ہے؟

تو نے زمین پیدا کی جس طرح پیدا کرنا چاہا!

تیرے اکیلے ہاتھوں نے زمین بنائی!

تو نے آدمی اور چھوٹے بڑے حیوان پیدا کئے!

تمام زمین کی مخلوق، پیروں سے چلنے والی!

تمام آسمان کی مخلوق، پروں سے اڑنے والی!

تو نے سرزمین شہم پیدا کی، تو یہاں پیدا کیا!

تو ہی نے مصر کی حریم بھی پیدا کی!

ہر انسان کو اس کی جگہ پر لایا!

اس کی زندگی کا سامان مہیا کر دیا!

اسے دولت دی،

اس پر موت لکھی،

سب کی سٹیں الگ الگ،

سب کی زبانیں جدا جدا،

کوئی کالا، کوئی گورا،

لے سب کے الگ! یہ سب تیرا ہی جلوہ ہے!

دریائے نیل

تو نے دوسرے عالم میں نیل پیدا کیا،

اپنی پسند کے مطابق اسے جاری کیا،

سب نے اس سے اپنی زندگی پائی،

اے پروردگار! اگر مردوں کے مددگار!

لے زمین کے ہر گھر کے مالک!

لے روز روشن کے آفتاب!

تو ہی نے سب کو پیدا کیا،

تو ہی ہمارے دل پر موسلا دھار میٹر برساتا ہے،

پانی مویں مازا زمین پر بہاتا ہے!

سب ملک میں آدمی اپنے کھیت بیٹھتے ہیں،

لے ابدیت کے الگ! تیرے کارنامے کیسے شاندار ہیں!

سب جاؤ بھی تیرے ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں

لیکن تمہارا نیل دوسری دنیا سے بہتا ہے!

تیری شاعریں اس پر پڑتی ہیں!

سب لوگ اٹھتا ہے!

بلغ جھومنے لگتے ہیں!

تیرا روز زندگی ہے!

تجھی سے کامیاب باقی ہے!





## الملاح کی قدیم مکمل جلدیں

گما ہے گما ہے باز خالی این دفتر باریندا  
تازہ خواہی داشتن گرد اغماے سید را

الملاح کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین علم و ادب مشتاق تھے۔ چند جلدیں دفتر سیاہ کر سکا ہو جس کی قیمت پچھلے جلدوں کی نسبت کم ہو۔

الملاح جلد سوم  
الملاح جلد چہارم  
جلد پنجم  
قیمت فی جلد ۱۰ روپیہ

ابلاغ (یعنی الملاح کا دوسرا سلسلہ اشاعت) قیمت ۸ روپیہ (نمبر الملاح)

الملاح

الملاح

(ضیق لنفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شمت  
ہو، تو تامل نہ کیجئے  
اپنے سے

قریب دوا فروش کی دکان  
سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی  
مشہور عالم دوا کا سنگوگر  
استعمال کیجئے

تاریخ کیرہی

زید کا بچہ

زید کے غلام قاسم بن عبد الرحمن کے روایت ہو کہ جب حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کے سر پر زید کے سانسے لگے تو اس نے یہ شعر پڑھا:

لفظن ہا من جلال اعزۃ علیہم السلام کاواحق واطلا  
تلواریں لیسو کہ سر بھارتی ہیں جو ہیں عزیزیں، حالانکہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔

پھر کہا "واللہ لے حسین! اگر میں ہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا!"

اہل بیت و مشق میں

حضرت حسین کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دشمنی دنا کر دیا۔ شہر بن ذی الجوشن اور محقر بن قنبل اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ زید کے دوا دے پر پہنچ کر محقر بن قنبل جھلیا "میں امیر المؤمنین کے پاس فاجر کینوں کو لایا ہوں!" زید یہ سن کر غصا ہوا۔ کہنے لگا "محقر! ان سے زیادہ کینہ اور شریر مجھ کی عورت نے پیدا نہیں کیا!"

زید اور امام زین العابدین

پھر زید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا "اے علی! بھائی! میری باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق جھٹلایا، میری حکومت چھینا چاہی! اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو!"

امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی: "ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی النفس الا فی کتاب من قبل ان نزلھا ان خلک علی اللہ لیسر لیکلنا اسوا علی ما فا کھرو لا تھرجوا ما آنا کھرو واللہ لا یحب کل محتال فخور"۔ یہ جواب زید کو ناگوار ہوا۔ اس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوئے۔ مگر خالد کے کھم میں کچھ نہ آیا تب زید نے خالد سے کہا "کتا کیوں نہیں"۔ ما اصابکم من مصیبة فما کسبت ایدکم وایقون کثیر"۔

پھر زید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ انھیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا۔ ان کی ہمت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر متاسف ہوا اور کہنے لگا "خدا ابن مرجانہ کا بڑا رکے! اگر تم سے اس کا کوئی رشتہ ہوتا تو تمھارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا، نہ اس حال سے تمھیں میرے پاس بھیجتا!"

حضرت زینب کی میا کا نہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہے کہ جب ہم زید کے سانسے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا "امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے" اور میری طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں گھٹن اور خورعت نہ تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی ہمتی زیادہ سمجھا رہی تھیں، جانتی تھیں یہ بات ہو نہیں سکتی۔ انھوں نے مجھ کو کہا "تو کینہ ہے۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اسے (زید کی) اسکا حق ہے!" اس جرات پر زید کو غصا گیا۔ کہنے لگا "تو جھوٹا بچہ ہے جو اللہ مجھے یہ حق حاصل ہو۔ اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں" زینب

لہ تمھاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے اہل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم انصاف کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ سلا جو مصیبت بھی آتی ہو تو تمھارے لئے آسان آتی ہو۔ اللہ بہت ہی مہربان اور خدا مہمان کرتا ہے۔

لے کہا "ابن زین" ابن زیاد نے قہر سے کہا "کیا اللہ نے علی بن حسین کو قتل نہیں کر ڈالا؟" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے "بولتا کیوں نہیں؟" انھوں نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا مجھ کی جگہ تھا۔ لوگوں نے اسے مار ڈالا" ابن زیاد نے کہا "لوگوں نے میں، خدا نے مارا ہے!" اس پر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی "اللہ وحی الانفس جین مرقھا۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ"۔ ہر ابن زیاد جھلیا "خدا تجھے اے! تو بھی انہی میں سے ہے" پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا، اس نے بھی قتل کر ڈالے لیکن زینب مقرر ہو کر جھنجھٹیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہو اور اس لڑکے پر ضروری قتل کو چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال!" امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے پناہ بھگا رشتہ بھگتا ہے تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی قسم کی آئی کیجیگا" اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے بڑا رکے "ابن زیاد ویر س زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "رشتہ بھی یہی عجیب چیز ہے؟" اللہ مجھے یقین ہے کہ یہ بچے دل سے لڑکے کے ساتھ تل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے" (ابن جریر کا قول وغیرہ)

ابن عقیف کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دینے ہوئے اس خطبہ کی تعریف کی "جسے حق کو ظاہر کیا حق والوں کو نجات کیا، امیر المؤمنین زید بن معاویہ اللہ ان کی جماعت غالب ہوئی" اور کتاب ابن کذاب حسین بن علی اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ "ابن زید نے سن کر عبد اللہ بن عقیف اڑی (جو حضرت علی کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) لڑے ہوئے اور چلائے "خدا کی قسم! ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب! تو مجھ نہ کہ حسین بن علی" ابن زیاد نے یہ سن کر انھیں قتل کر ڈالا۔

زید کے سانسے

"میں کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر بائیں پر نصب کر کے حجر بن قیس کے ہاتھ زید کے پاس بھیج دیا۔ غازیں رعبہ کہتا ہے جس وقت حجر بن قیس پہنچا، میں زید کے پاس بٹھا تھا۔ زید نے اس سے سوال کیا "کیا خبر ہے؟" قاصد نے جواب دیا "فتح و نصرت کی بشارت لا رہا ہوں" حسین بن علی اپنے بھٹا اہل بیت اور ۶۰ حامیوں کے ساتھ ہم ٹک پہنچے۔ ہم نے انھیں ڈرہ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے ایکو ہمارے حوالہ لڑیں، ورنہ لڑائی لڑیں۔ انھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ پہلے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر حملہ کر دیا۔ جب تلواریں اٹنے لگیں سرول پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھڑپوں اور گڑبڑ میں پھپھنے لگے جس طرح کبوتر، باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ ان کے لڑے خون میں تر ہوئے ہیں۔ ان کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں، ان کے جسم دھوپ کی شدت اور نہو کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ لہذا کی خود اک بن گئے ہیں!"

زید رونے لگا

راوی کہتا ہے زید نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں خشک بار ہو گئیں۔ کہنے لگا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمھاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سبیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! ادا دگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے مزبور دوا دگر کرتا۔ خدا حسین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے!" قاصد کو زید نے کوئی انجام نہیں دیا (ابن جریر کا قول) لہذا یہی تو کے وقت حاضر تھا۔ کوئی بھی خبر اس کی اذن کے نہیں سکتا۔



اگر آپ انگلستان کی سیاحت چاہتے ہیں  
یاد رکھئے

کہ

اگر آپ ایک مستند اور آخرین رہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں  
ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کجایمگر

جکی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈولپ کا ڈیوگائیڈ بریٹن

The Dunlop  
Guide  
to Great Britain

کا ڈسٹری بیوٹر ہیں

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے  
بکسٹورس سے مل سکتی ہے

تاریخ بالجنگان ہند

موسم

دقائق رجستان

یہ کتاب نہیں بلکہ کشور ہندوستان کے لئے ایک آئینہ جہان نما ہے۔ اس میں  
ہندو اقوام دلی خصوصاً سرزمین ہند کی سرزمین ناز بہادر قوم راجپوت اور  
اسکی مختلف شاخوں کا مفصل و مستند بیان از ابتدا آنتہا موجود ہے۔ یہ ایک  
نکارخانہ ہے جس میں ان غریبوں کی جیتی جاگتی اور سچی تصویریں نظر آتی ہیں جو ظلم  
ہند میں پرو بخت سے آئیں، اہلی باشندگان ہند کو مغلوب کر کے اقطاع  
ملک پر قابض ہوئیں اور ہندوستان میں کمر ہندوہ کھلانے لگیں یہ ایک  
مزعج ہے جس میں سلاؤں کی آمد آنکے اقبال و زوال کی کیفیت اور انکی سلطنت  
کے سقوط کا مفصل حال درج ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں ہندو قوم جلال و قتال  
روایات و رسوم۔ تاریخی و جغرافیائی حالات وغیرہ و غیرہ آزانہ حال بیان  
کئے گئے ہیں۔ انگریزوں کے یہ ضخیم کتاب ایک نادر وجود اور بیش بہا الم ہے۔  
کرنل ٹاڈ اور دیگر مورخین کی غلط بیانیوں کی فاضل و محققوں نے  
نے نہایت شرح و بسط اور دلائل قاطعہ سے اصلاح و تردید فرمائی۔ اس کے نتیجہ  
کا اخذ ریاست عالیہ یامپو کا پیش بہا کتب خانہ ہے اور دیگر ریاستوں  
کے کتب خانوں اور ان دستی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے جو خزائن میں محفوظ  
ہیں علماء و کلاؤ۔ مدرسن و محققین کے لئے یہ نادر کتاب معلومات کا ایک  
بیش بہا خزانہ ہے جو حالات تاریخی و جغرافیائی روایات و رسوم و عقائد و  
توہات اس میں درج ہیں وہ کسی ایک کتاب میں ہرگز نہیں مل سکتے۔  
والیان ریاست تعلقات داران، امراء و رؤساء کے کتب خانے بغیر  
بے نظر کتاب کے ہرگز مکمل نہیں کھلا سکتے۔ فی زمانہ برانی باتوں پر جو نیاز و  
چڑھ کر پیش کیا جا رہا ہے اسکی قلمی کھولنے کے لئے یہ کتاب ایک زبردست آلہ  
اور الزامی جواب دہ ہے کہ ایک ملک حربہ ہو۔ قلعہ بڑی صفحات ۱۳۰  
قیمت صرف مبلغ ۷۰ روپائی صرف

آج ہی کا ڈیوگائیڈ بریٹن کا آئینہ لکھنؤ سے نکلائے

دنیا کی بہترین پینل

امریکن کارخانہ شیفر

کی

”لائف ٹائم“ پینل ہے

آئیے کہ

(۱) ”لائف ٹائم“ یعنی عمر بھر کے لئے کافی ہے۔

(۲) اس کا خول اس قدر خوشنما اور دیدہ زیب ہے کہ دنیا

کی کوئی پینل خوبصورتی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) انداز میں بھی تمام قسموں کی پینلوں کا مقابلہ کرتی ہے

یاد رکھئے

آپ کو ”لائف ٹائم“ پینل خریدنی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا میں بہترین فائین قلم

امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نرکا

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ

زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت و

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ

”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا چاہئے!

# برید فرنگ

## مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

امریکہ قدرتی اور منہائی ترقی کے افراط کا رُخِ فضل۔ امریکہ کی عورتیں زندگی سے بیزار ہو رہی ہیں اس لیے کہ زندگی کی ہنوائی سرشتیں ناپید ہو گئی ہیں!

امریکہ عجیب و غریب کی دنیا ہے، تجارت، صنعت و حرفت، دولت، علم کی ایسی فراوانی ہے کہ اس کا تصور بھی بیرونی دنیا کے لئے مشکل ہوگا۔ دنیا کا عام خیال یہ ہے کہ دولت اور آدمی طاقت حاصل ہو جائے تو دنیا کی زندگی کی تمام راحتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ پھر کیا امریکہ میں..... زندگی کی راحتیں حاصل ہیں؟ کیا امریکن سرت حیات کی جستجو سے فایز ہو کر ہیں؟

مجھے بفر کسی ناول کے جواب دینا ہے کہ نہیں! قوموں کی اجتماعی زندگی کا مرکز ہی نقطہ عورت ہے۔ اسی کی زندگی سے ہم سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ عورت، انسانی سوسائٹی کی بنیاد ہے۔ قومی مزاج کا پورا حال، اس شخص پر انکسار رکھنے سے اس کا راز ہو جاتا ہے۔ عورت، قوموں کی سعادت و شقاوت کا آئینہ ہے وہ پوری قوم کو اپنے وجود میں پیش کرتی ہے!

امریکہ کی موجودہ اجتماعی زندگی کے سکون یا اضطراب کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے "امریکن عورت کی دماغی سیاق و سباق پر نظر ڈالنی چاہئے۔"

چند منٹ پہلے ڈیل ویل میں ایک کٹی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ان اسباب کی تحقیق کرے جنہوں نے تیس سال سے ۱۴ سال کی مردانہ شادی شدہ عورتوں کو اپنی موجودہ زندگی سے بیزار کر رکھا ہے۔ اس کٹی نے اپنی رپورٹ صوفیوں میں شائع کی ہے۔ تمام اسباب حالات پر بحث کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ "امریکن عورت، علم کے ہاتھوں پریشان ہے!"

اس اجمال کی مختصر تشریح حسبِ ذیل ہے:

امریکن دامن شہریوں کو چھوڑ کر قصبات کا بھی یہ حال ہے کہ امریکن سائنس نے ترقی پزیر مینس کو علم و فضل سے آواز دہاتی ہے اور ان کی طبیعتی صلاحات کے استعمال سے واقف ہوتی ہے۔ مگر اس سے اسے اپنا گھر چھوڑ کر کہہ کر کہہ کر زندگی میں بھی کس کو دل نہیں ہے۔ بہت کم کام عورت اپنے ہاتھ سے کرتا ہے۔ تمام کام آلات سے لے جاتے ہیں جن میں ایک طرف تو محنت کم ہوتی ہے دوسری طرف وقت بھی بہت بچتا ہے۔ مگر اس زندگی کے مشکل کام، گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی، صاف پکانا، کپڑے دھونا ہیں۔ لیکن ان کاموں میں عورت کو بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ مشینیں اور آلات اس کی خدمت کے لئے حاضر رہتے ہیں۔ عورت جلدان سے فایز ہو جاتی ہے۔ اگر گھر میں بچہ نہیں یا تو بچہ بہت کم ہے۔ اس لیے طبیعتی طور پر وہ سوچتی ہے کہ اب میں کیا کر دوں؟ اسے اخبار کا خیال آتا ہے

اخبار پڑھنے لگتی ہے، پھر رسالے دیکھتی ہے۔ پھر کتابیں مطالعہ کرتی ہے۔ مگر کب تک؟ تھک جاتی ہے۔ اب سوچتی ہے "کیا کر دوں؟" اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ جا ہیال لیتی ہے۔ اور دیکھتے دیکھتے سوچاتی ہے۔ مگر جانتے ہی پھر یہی بھیا تک سوال اس کے سامنے آ جھونک رہتا ہے اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی!

"آہ امریکی سرت!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے "میری شادی تو ہو گئی، مگر میری سرت کہاں ہے؟" وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے۔ شوہر اس کی نظر کے سامنے کہاں ہے؟ وہ تو اپنے دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنی بیوی کی طرف سے بالکل غافل تجارتی حساب میں مستغرق ہے اور عورت سوچتی ہے "میرے شوہر کو کبھی مجھ سے محبت تھی؟ ممکن ہے کبھی ہو، مگر اب تو اسے محبت پر غور کرنے کی ہمت ہی کہاں ہے؟ اب اس کی تجارتی زندگی نے کامیابی کا منہ دیکھ لیا ہے۔ اب تو اسے بیوی کی جگہ "ڈالر" (امریکن سکہ) سے محبت ہے۔ ہفتہ کے دن تجارت میں تنہا رہتا ہے۔ گھر میں آتا ہے۔ مگر اس قدر متفرک ہے کہ قدر پرانہ خاطر، اس قدر خستہ کہ اسے اپنی "قدیم محبوبہ" سے ملافت کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ اس کا جسم گھر میں ہوتا ہے، دماغ دفتروں میں رہتا ہے۔ بیوی سے کراہو، خیال حساب میں ہوتا ہے۔ بیوی ضبط کرتی ہے اور ضبط کرتی ہے۔ بے صبری سے اتوار کا انتظار کرتی ہے۔ تو اتوار بھی آگیا، مگر شوہر اس کے پہلو میں نظر نہیں آتا۔ آج اتوار ہے، وہ میدان میں گھوڑے یا فٹ بال کھیل رہا ہے۔ ہفتہ کے دن سخت دماغی کام کیا ہے۔ آج اپنی "متحدہ سٹی" کا حق ادا کر رہا ہے! مگر اس کی بے لیبیب بیوی کا حق؟ بیوی کا حق تو "ڈالر" "تجارت" اور محنت کی جتنی میں پڑ کر پس گیا!

بیوی کا دل گھر سے اچھا ہو جاتا ہے۔ میدانوں، تماشوں، گولڈ اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے۔ مگر بالکل غٹ۔ گھر میں تسلی نہیں ملی۔ دوسری جگہ کب مل سکتی ہے؟

علم حقائق ہشیاوار امریکہ کی سب سے زیادہ قابلِ غور زندگی، مشترک زنا و مردانہ زندگی و رشتاں ہیں۔ لیکن امریکن عورت کی فاضلی شقاوت کی بنیادیں بھی یہیں لٹی ہیں۔ یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گزارتی ہے۔ وہ کیا لکھتی ہے؟ اعلیٰ دقیق علوم: فلسفہ، علمِ افسانہ، علم الحیاء و فیروز و غیرہ جو اس کی جسمانی زندگی میں ہرگز کوئی کام نہیں دیتے۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت و خیریت سے سوال کیا کہ تم یہ علم کبھی پڑھتی ہو؟ اسے فوراً جواب دیا کہ خاتون اخبار و علم کے لئے نہیں اب حقائق اشارہ کا یہی علم ہے۔

ہو گیا ہے! امریکہ کے تمام جوان مرد اور عورتیں اسی حقائق ہشیاوار کے جن میں مبتلا ہیں۔ پھر یہ حقائق "علمی اصول" پر معلوم ہو چکے ہیں! وہ زندگی کی ہر بات "علمی مسئلہ" کی شکل میں دیکھنے کے عادی ہو چکی ہیں اور ہر علمی مسئلہ محل بحث و نظر ہے! محبت، شادی، اولاد، محبت خانہ داری، کھیل، یہ سب اپنی جگہ پر "حقائق" ہیں، "علمی مسائل" ہیں۔ علم الحیاء اور علم الاقتصاد کے اصول پر انھیں حل ہونا چاہیے! پھر وہ حل بھی ایسا ہو جو ہر اعتبار سے علمی و منطقی ہو! یہی سب ہے کہ امریکہ میں جرات کی مثالیں کم لیتی ہیں۔ امریکن نوجوان اُسی کام میں جرات دکھاتا ہے، جس میں جرات کرنا اقتصادی حیثیت سے مفید ہے۔ امریکہ کی یہ مشترک یونیورسٹیاں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ "مرد اور عورت کی تفریق باطل ہو جائے" یہ قول ایک یونیورسٹی کی خاتون پرنسپل کا ہے۔ ایک مشہور فریج پروفیسر کے سامنے یہ قول نقل کیا، تو وہ چلا اٹھا "آٹ، ناقابلِ تصدیق سنگ کی جڑ" زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سرتیلا منگیا اور آٹا کی زندگی ہو جس میں امریکہ کا ہر فرد مبتلا ہو گیا ہے!

نادول اور افسانے میں نے بہت سی یونیورسٹیوں کے کتب خانوں کی سیر کی۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ ان کی فرسٹ نادولیں ہمدردانوں سے تقریباً خالی ہیں۔ اقتصادیات، طبیعیات، فلسفہ، نفسیات، غرضکہ دقیق علوم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ امریکن نوجوان زیادہ تر یہی خشک کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دقیق جذبات ان میں بہت کم ہونگے ہیں۔ مادی اور فلسفی ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں۔

ہمارے فتنی کا غلو پھر امریکہ کی خانگی زندگی کو تلخ بنانے والی ایک چیز اور بھی ہے۔ یہ کی تعلیم عام طور پر کسی ایک خاص علم و فن کی ہوتی ہے تاکہ کسی ایک پیشہ میں درجہ و اختصاص حاصل ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی بیوی بھی اس خاص فن میں ماہر نہیں ہوتی جس میں اس کے شوہر نے مہارت حاصل کی ہے، تو وہ زندگی میں بے لطفی بلکہ نفی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا دماغی رجحان اور بیوی کا دماغی رجحان باہم مختلف ہو جاتا ہے۔ دونوں اپنی صحبتوں کے لئے کوئی دلچسپ موضوع بحث نہیں پاتے۔ رسمی گفتگو کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اس وقت عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ اسے جو تعلیم تو ملی درستی میں حاصل کی تھی، اب فائدہ نہ ملے گی۔ وہ انیسویں سو پانچ لکھتی ہے۔ مگر انیسویں کرنے سے خانگی سرت حاصل نہیں ہو سکتی!

قبل از وقت شادی ان مشترک تعلیم گاہوں نے ایک اور سخت مضرت بھی پیدا کر دی ہے۔ نوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ان میں بتدریج دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوستی محبت کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور محبت کا نتیجہ شادی ہوتا ہے۔ یہ کچھ بڑا نفع ہے، اگر ایسی عمر میں ہوتا جو پختہ کاری کی عمر ہو۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اگر شادی ۱۹ اور ۲۱ برس کی عمر میں ہو جاتی ہے، اور اس لئے سخت خشکیت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ مرد اور عورت دونوں علمی زندگی کی زندگی کا تہہ داریوں سے بے خبر رہتے ہیں۔ بلکہ دونوں ہنر و طالبِ علم ہوتے ہیں۔ مگر یہ چار چار پچھلے ہوتے ہیں مگر ان کے ان ادبیات و فنون یونیورسٹی کے کمروں میں اساتذہ کے سامنے پہنچتے ہیں! اس میں سخت حد سے غور ۱۹۱۵ء میں ہو چکا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ان میں بہت کم محبت ہے۔

اذا تقولون ان قال لبيك لکم افاضتم دانتهم احوالا  
کیا کہو گے جب ہی تم سے سوال کریں گے کہ لے وہ جو اسے آخری  
بقیہ دہائی بعد مقتدی منہ ساری دہم ضرور  
تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ اور  
سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں!

مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثیے  
سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور ہوا۔

مرثیہ علی ابیات آل محمد فلم ادرہ اکہم یوم حلت  
میں خاندان محمد کے گھر کی طرف سے گزرا کہ وہ بھی دیکھتے تھے  
دن جب ان کی حرمت توڑی گئی!

فلا بعد العدا والدار والہما وان صحبت من الہما فقل  
خدا ان مکانات اور مکینوں کو دودن کرے! اگرچہ وہ اب اپنے مکینوں  
خالی پڑے ہیں!

وان قتیلا اللطیف من آل ہاشم اذلی رقاب المسلمین فقل  
کہ بھائی ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر دیں  
دکا تو ارجاء تم معاد و اندیہ فقد غفلت تک لزلہ عجلت  
ان مقتولوں سے دنیا کی امیدیں وابستہ تھیں مگر وہ مصیبت بن گئے۔ ا  
مصیبت کتنی بڑی اور کتنی سخت ہو!

الم تر ان الارض فخت رفیفة لفقہ حسن والبلاد قشعر  
کیا تم نہیں سمجھتے کہ زمین جیسے کے راز میں بجا ہوا دنیا کا نہ پڑی ہو؟  
قد احولت سبکی السماء لفقہ وانجما تحت علیہ صلت  
آسمان بھی اس کی جدائی پر روتا ہو۔ جسے بھی لقمہ کرتے اور سلام بھیجے

## جامع الشواہد

### طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر سنہ ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی

تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ

کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے

استعمال کیا جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی سعادتاری نے کس طرح

اپنی عبادت گاہوں کا دوازہ بلا امتیاز مذہب ملت

تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

مسئلہ میں جہاں منہ چھو تھے، مدد اسلام نے اپنی

کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوئے۔ اب مصنف

کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ تحریر فرمائی ہے۔ قیت

نیر اللہ اللہ

کی لڑکیاں کینز ہو گئیں؟ زید نے جواب دیا۔ اے میرے بھائی  
کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟ قاطر نے کہا۔ "خدا ہمارے کان  
میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی" زید نے کہا۔ "تم لوگوں کا جتنا  
گیا ہو، اس سے کہیں زیادہ میں تمہیں دہلے گا" چنانچہ جیسے اپنا  
جتنا نقصان بنایا، اس سے دو گنا بچھا دیا گیا۔

زید کا دستور تھا روز جمع شام کے کھانے میں علی بن حنین کو  
اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حنین کے کم سن بچے محمد کو  
بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا۔ "تو اس سے لڑ بچا؟" اور اپنے لڑکے  
خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمر بن حنین نے اپنے بچے کے بھونے میں  
جواب دیا۔ "یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دوا، اور ایک چھری ایسے  
دوا، پھر چھری لڑائی دیکھو" زید ہلکھلکا کر ہنس پڑا اور عمر بن حنین  
کو گود میں اٹھا کر سینے سے چسپاں کیا اور کہا۔ سانپ کا بچہ بھی سانپ  
ہی ہوتا ہے!"

### زید کی "زود نشینی"

زید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا امان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں  
ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا۔ "کیا حرج تھا اگر میں خود چھوڑی سی  
تکلیف گوارا کرتا۔ جتن کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ ان کے  
مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی کی  
نہ پڑ جاتی۔ لیکن اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور رشتہ داری کی  
توحفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جس نے  
جتن کو لڑائی پر مجبور کیا جتن نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا  
دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں  
گے۔ مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہیں مانی۔ اور قتل کر ڈالا۔  
ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے بغض بنا دیا۔ خدا کی لعنت  
ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

### اہل بیت کو رخصت کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجے لگا تو امام زین العابدین سے ایک  
رتبہ اور کہا۔ "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں جتن کیساتھ  
ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اسے  
عز و منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاؤ اگرچہ ایسا  
کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان جلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور  
تھا جو ہو چکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا، جو ضرورت  
بھی پیش آئے، مجھے خبر دینا" بعد میں حضرت سکینہ بار بار کرتی تھیں  
"میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان زید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کا  
نہیں دیکھا!"

### اہل بیت کی فیاضی

زید نے اہل بیت کو اپنے ایک مہاجر آدمی اور نوجوان کی حفاظت  
میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے  
اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت  
علی اور حضرت فاطمہ بنت حسین نے اپنی چوڑیاں اور کنگن ایسے بھجور  
ادکھا۔ یہ بھاری نیکی کا بدلہ ہو۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہو کہ تمہیں  
دیں" اس شخص نے زیور واپس کر دئے اور کہلایا۔ "واللہ میرا  
یہ بڑا دکھی دنیاوی طبع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال  
سے تھا!"

### مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگھل خبر پہنچ  
چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلائی ہوئی تھیں  
پڑیں حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور  
خبر پڑی جاتی تھیں:

لے کہا۔ ہرگز نہیں! خدا نے تمہیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری  
ہو کہ تم ہماری ملت سے بھل جاؤ اور ہمارے چھوٹے کردہ میں جیتا  
کر دو۔ زید اور بھی زیادہ حلا ہوا۔ کہنے لگا۔ "دین سے تراباب اور تر  
بھائی بھل چکا ہے" زینب نے بلا لائی جواب دیا۔ "اس کے دین ہی  
میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے  
دین سے تو نے، میرے باپ نے، میرے دادا نے ہدایت پائی ہو! ہم  
زید جلائے لے دشمن خدا! تو بھولی ہو! زینب بولیں۔ "تو بروہی حاکم  
بن بھٹا ہو۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہو۔ اپنی قوت سے مخلوق کو بڑا ہو!  
حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں یہ گنگو شکر شاید زید شرمندہ ہو  
گیا۔ کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ پر  
زید نے غضبناک آواز میں اسے ڈانٹ بتائی۔ "دور ہو کھجٹ!  
خدا تجھے موت کا تختہ بنائے!"

### زید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی پھر زید شامی دوسرے دھار کی طرف توجہ  
دیا اور کہنے لگا۔ "ان لوگوں کے ہاتھ میں کیا مشورہ دیتے ہو؟"  
انہوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر لغمان بن  
زید نے کہا۔ "لیکے ساتھ وہی کچھ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اس حال میں  
دیکھ کر کرتے" حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سن کر کہا۔ "اے زید! یہ  
رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اس نسبت کے ذکر سے زید کی طبیعت  
بھی متاثر ہو گئی۔ وہ اللہ و رباری اپنے آئینہ روک سکے۔ بالآخر  
زید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے عمدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

### زید کی بیوی کا غم

اس اثنا میں واقعہ کی خبر زید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم  
ہو گئی۔ بہت بہت عبداللہ زید کی بیوی نے مجھ پر نقاب ڈالا اور باہر  
آ کر زید سے کہا۔ "امیر المؤمنین! کیا حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ  
کا سر کاٹا ہے؟" زید نے کہا۔ ہاں! تم خوب رو، میں کرو، رسول اللہ  
کے نواسے اور قریش کے اصل پر آم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جھگڑا  
کی قتل کر ڈالا۔ خدا اسے بھی قتل کرے!"

### "حسین کی اجتہادی غلطی"

اس کے بعد زید نے حاضرین مجلس سے کہا۔ "تم جانتے ہو یہ سب  
کس بات کا نتیجہ ہے؟ حسین کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ انھوں  
نے سوچا میرے باپ زید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں زید  
کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا زید کے نانا سے افضل ہیں، اور میں  
خود بھی زید سے افضل ہوں، اس لئے حکومت کا بھی زید سے زیادہ  
ستحق ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل  
تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہر جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا  
کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں  
سے افضل تھی، تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہے۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں  
سے کہیں افضل ہیں۔ (یہی طرح ان کا یہ کہنا کہ ان کے نانا، میرے نانا  
سے افضل تھے تو تم خدا کی، کوئی بھی امیر اور یوم آخرت پر ایمان  
لے لے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو  
نہ سمجھ سکتا جتن کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل  
نہل گئے۔ "اللہ عر مالک الملک، ذی ملک من تشاء وتزعج  
ملک من تشاء وتزعج من تشاء وتذل من تشاء، بیدک الخیر  
ملک علی کل شیء قدیر" (انفا)

پھر اہل بیت کی خاتونیں، زید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خدا  
سادی کی عقل نے انھیں اس حال میں دیکھا تو اسے اختیار دے بیٹھے تھیں۔

### زید کی سستی تلافی

پھر زید کا تو فاطمہ بنت حسین نے اس کو کہا۔ اے زید! کیا رسول



یہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ دور دورہ ہے۔ کم سے کم آئندہ انتخابات میں اس کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس ہفتہ حکومت انگریزوں نے اعلان کر دیا ہے کہ عہدوں کو حق انتخاب بافضل نہیں دیا جاسکتا ہے۔ یہ بتائی ہو کہ انھوں نے ابھی کافی ترقی نہیں کی ہے۔

برطانیہ کی سازشیں

یونانی اخبارات کی اس خبر نے ترکی اخبارات کو سخت مشتعل کر دیا ہے کہ "برطانیہ نے حکومت یونان سے خواہش کی ہے کہ روس کے خلاف تمام دول بلقان کی ایک خفیہ کانفرنس منعقد کرے مگر اس میں ترکی کو شریک نہ ہونے سے" ترکی اخبارات کی رائے میں یہ تجویز ترکی کے لئے ایک مہارت ہے۔ انگریزوں کا سربراہ درود اخبار "جمہوریت" اپنی پچھلی اشاعت میں لکھتا ہے کہ یہ خیال کرنا ہے:

"اگر یہ خبر صحیح ہو تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ برطانیہ روس کے ساتھ ترکی کی مخالفت پر بھی تیار ہوگا۔ اگر اس تجویز سے برطانیہ کا مقصد یہ ہے کہ ترکی کو دھمکا کر روس سے الگ کرے، تو ہم صاف لفظوں میں اسکی نفی سے انکار کرتے ہیں۔ اب وہ زمانے گئے جب ترکی ایسی دہکیوں سے مرعوب ہو جایا کرتا تھا۔ گزشتہ تین صدی کے تجربات ہمیں خوب سکھا دیا ہے کہ ہم صرف اپنی قوت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ہم صرف اپنی قوت ہی پر اعتماد رکھتی ہیں۔ ہمارے پاس اپنی قوت بڑی ہے جو ہمیں ہر شکل سے بچا سکتی ہے۔ روس سے ہماری دوستی، فونگی اور موت کا معاملہ ہے۔ روس کو ہماری دوستی کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس کی دوستی کی ضرورت ہے۔ ہم روس سے ہرگز علیحدہ نہیں ہو سکتے"

ترکی اور افغانستان

باخترقوں میں خیال کیا جاتا ہے کہ برطانیہ مغرب افغانستان سے چھڑ چھاڑ شروع کرے گا۔ روسی خطرے نے برطانیہ کو بھروسہ کر دیا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ روس کے تعلقات افغانستان سے بہت گہرے ہیں۔ افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ہے، لہذا روسی افغانی دوستی ہندوستان کے لئے خطرناک ہے۔ اور چونکہ اس دوستی میں ہندوستان کے لئے خطرہ ہے اس لئے یا تو افغانستان کو روس سے توڑ لینا چاہئے، یا برطانیہ سے دست بگریباں ہونے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

یہ جو برطانیہ کا نقطہ نظر ہے اس پر وہ بہت جلد افغانستان سے نئی مصلحت شروع کرنی چاہتا ہے۔ ہمیں جہاں تک حالات کا علم ہے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ برطانیہ کو افغانستان کے روس سے الگ کرنے میں ڈیڑھ سو سال سے وہی ہونے لگی ہے، جیسی ترکی کے معاملہ میں ہو چکی ہے۔ افغانستان، روس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اسے خوب معلوم ہے کہ برطانیہ اسے ہرگز کوئی نفع نہیں پہنچائے گا۔ لیکن روس اسے بے شمار نفع پہنچا رہا ہے۔

یہی باعث ہے کہ پچھلے چند ماہ سے افغانستان کے دہرا سکواؤ انگریزوں کا وفد کر رہا ہے۔ فی الحال انگریزوں میں شہر افغانی دیر محمد خاں طرزی موجود ہیں۔ سرکاری طور پر ان کی آمد صرف سیاحت کی غرض سے بتائی گئی ہے۔ خود انھوں نے بھی اخبار "حاکمیت" کے نامہ نگار سے یہی بیان کیا ہے۔ لیکن ان کے یہ الفاظ خاص مہینے رکھتے ہیں۔ "افغانستان کی دلی آرزو ہے کہ ترکی سے اس کے تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط ہو جائیں"



## محرّم الحرام ۱۴۲۸ھ ہجری

نئے ہجری کا آغاز!

تذکار ہجرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۲

### واقعہ ہجرت کا اختصار

پچھلی تحریر میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ حضرت عمر اور مجمع صحابہ نے ایک نئے سنہ کی ضرورت اس لئے محسوس کی کہ قومی زندگی کے قیام و تکمیل کے لئے قومی سنہ کی ضرورت تھی، اور اسلام کی تعلیم و تربیت نے ان کی قومی ذہنیت کا جو مزاج پیدا کر دیا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا کہ اس ضرورت کی تکمیل طبیعتوں میں پیدا ہوتی۔ لیکن اب اس کے بعد معاملہ کا سب سے زیادہ ضروری سوال سامنے آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قومی سنہ کا مبدع و قرار دینے کے لئے سانے کی جتنی چیزیں بھی ہو سکتی تھیں، ان میں سے کوئی چیز بھی اختیار نہیں کی گئی، اور ایک دور کی چیز جو یہ ظاہر اس غرض کے لئے کوئی مناسب نہیں لکھی، ان کے سامنے آگئی، اور اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آخر اس کی علت کیا ہے؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی، نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بعد کی تاریخیں فتح تھی۔ مکہ کا فتح، اندھڑا تھا۔ حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرت مدینہ کی طرف نظر لگائی جو نہ تو کسی پیدائش کا جشن ہے، نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہے، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیاں۔ بلکہ اس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہے جو آغاز اسلام کی بے سروسامانی ادنا کامیابی اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔ بچاؤ کی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ انادولن اپنا گھر اپنے عزیز و اقارب، اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غمگین کے ساتھ، مات کی تاریکی میں، رہسپا درخت غریب ہوا تھا!

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر درہری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں۔ حضرت عمر اور صحابہ کے ساتھ بھی یہ نمونے موجود تھے۔ لیکن وہ ان کی تعلیم پر آمادہ نہ ہو سکے اور انھوں بالکل ایک دوسری ہی راہ اختیار کی۔

دنیا کے قومی سنہ

قومی سنہ دراصل قوم کی پیدائش اور مزاج و اقبال کی تاریخ

ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اس کا دور ہر بارہ بیسے کے بعد ختم ہوتا اور از سر نو شروع ہوتا ہے، اور اس طرح سالوں کی سرکاری کے ساتھ اس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی بنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہے جس سے کسی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہے۔ چونکہ اس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہے، یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے، یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ و تسلط سے۔ اس لئے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتدا شاہزادہ کا بچپن پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہے۔ برتنی نے آثار الباقیہ نامی کتاب صرف سنہ ۱۰۰۰ تواریخ کے موضوع پر لکھی ہے، اور اس وجہ کی لکھی ہے کہ آج بھی اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جاسکتی۔ وہ دنیا کے تمام سنہ کا اختصار کر کے لکھا ہے "قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ ہے کہ انان حکومت و مذاہب کی پیدائش، بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال، اور حوادث عظیمہ ارضیہ سے تواریخ و سنہ کی ابتدا کیا کرتے ہیں" قدیم سنوں میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی، اور ایرانی سن سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں، ان سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوتی ہے۔ بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اور بابل کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے پہلے مقرر سے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بنیاد رکھی تھی۔ کیونکہ اسی واقعہ سے ان کی قومی آزادی کا دور شروع ہوا تھا۔ پھر فلسطین میں یہودی حکمران قائم ہو گئی تو حضرت سلیمان کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرتے تھے۔ پھر یسوع کی بربادی کے بعد جب دوبار تعمیر کا واقعہ ظہور میں آیا، تو چونکہ اس سے یہودیوں کے اجتماع و وطن کا نیا دور شروع ہوتا تھا اس لئے اس کی یاد آوری کے جذبے تاریخ و سنہ کی صورت اختیار کر لی نہ وہ سنوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہے جو اسکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ پھر آگسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جسکی تعمیر یوں نے قومی عظمت کا نیا دور شروع کر دیا تھا۔ مسیحی



## برید شرق

### مکتوب انگور

(المال کے معارف و تعلیم انگور کے علم سے)

#### ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات

مشہور ترکی ڈاکٹر حسن رشاد بک کے متعلق اخبارات نے یہ خبر شائع کی ہے کہ انھوں نے آتشک کا علمی علاج دریافت کر لیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ان کی دوا کا صرف ایک انجیکشن ہیشہ کے لئے اس خبیث بیماری کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ ترکی حکومت ڈاکٹر موصوف کو اپنے خرچ سے یورپ بھیج رہی ہے تاکہ وہاں امیرین فن کے سامنے اپنے تجربے دکھائیں۔

#### دیر خارجہ کی تصریحات

ڈاکٹر قوفین رشیدی بک ترکی دیر خارجہ نے اس ہفتہ اخباری نمائندوں کے سامنے حریفی تھریس کی ہیں:

”اس وقت ترکی کے قطعات متحدہ دینکے جملہ ملکوں سے دوستانہ ہیں۔ اس وقت دینکے کسی سلطنت سے بھی ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ پچھلے دنوں جو امور ناک حادثے بعض سلطنتوں کے مابین واقع ہوئے ہیں، انھوں نے ہمارے مسلک پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ ہمارے مسلک کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ دنیا کا امن لان ہمارے ملک کے لئے مفید ہے۔ یہی باعث ہے کہ ہم حکومتوں کے درمیان ہر ڈاکٹر خود نفع نہیں اٹھاتے۔ کیونکہ یہ ہمارے مقصد میں کے خلاف ہے۔“

”بلقانی ریاستوں سے بھی ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ ہم انھیں اور بھی مضبوط کرنے کی کوشش میں ہیں۔ روس سے ہمارے علائق خاص طور پر بہت ہی اچھے ہیں۔ روس نے کبھی ہمارے ملکی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ وہ ہمیشہ ہمارا دوست رہا اور ہم بھی دوست ہے۔“

”جین کی موجودہ تحریک آزادی سے ہیں پوری دلچسپی ہے ہم اس عظیم الشان شرفی قوم کی آزادی کے دل سے تمنا ہیں۔ پھر سے ہیں جو دلی تعلق ہے وہ کسی شرح تفصیل کا محتاج نہیں۔“

#### ترکی مجلس کا نیا انتخاب

موجودہ ترکی مجلس (پارلیمنٹ) کی مدت ختم ہو گئی۔ اب نئے انتخاب کا وقت ہے۔ قانون کی تفسیر سے اس مجلس کی عمر آہ ایل تک تھی۔ مگر آئے دو مہینے اور بڑھ گئے۔ اب وہ دو مہینے بھی گزر چکے ہیں۔ نئے انتخابات آہ جولائی میں شروع ہونگے۔ باخبر لوگ بتاتے ہیں کہ انتخابات کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تمام ملک کو فانی مصلحت لگال پاشا اور ان کی جماعت پر گواہ اعتماد ہے۔ لہذا آئندہ مجلس میں ہیں تقریباً انہی ممبروں کا انتظار کرنا چاہئے جو موجودہ مجلس کے ارکان تھے۔

#### ترکی عدالت اعلیٰ انتخاب

نئے انتخابات کے پیش آجانبہ کی وجہ سے اس کا غور فاقہ بہت بڑھ گیا ہے۔ حقوق طلب خواتین بڑی ترقی سے مقابلہ کی تیا ہوا کر رہی

شورائے دولت۔ ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات۔ دیر خارجہ کی تصریحات۔ ترکی پارلیمنٹ۔ ترکی عورت ادھق انتخاب۔ برطانیہ کی سازش۔ ترکی افغانستان۔

#### شورائے دولت

”مجلس شورائے دولت“ کے نام سے ترکی پارلیمنٹ نے ایک مجلس کا قیام منظور کر لیا ہے۔ اس کی صدارت کے لئے مشہور ترکی قانونی لغت بک منتخب ہوئے ہیں۔ اس مجلس کا کام یہ ہوگا کہ حکومت کی تمام ذرا توں اور محکموں کو ضرورت کے وقت مشورہ دے، نیز ان جھگڑوں کا تصفیہ کرے جو مختلف محکموں میں پیدا ہو جاتا کرتے ہیں۔

م عورتوں کا کیا حال ہوگا جن کی ساری زندگی انہی کلب گھر اور ان کے بچوں میں گزرتی ہے؟

#### بچہ بچی ماں

آمریکہ میں بنیاد انجمن اس غرض سے موجود ہیں کہ اؤں کے کو معیت مشورے دیا کریں۔ ان میں ہمیشہ بچوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اؤں کو بتایا جاتا ہے کہ وہ کون کون کتابیں پڑھیں؟ کس قسم کا کھانا کھائیں؟ کیا سوچیں؟ کیا دیکھیں؟ غرض کہ ہر معاملہ میں باقاعدہ علمی مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ امریکہ میں جس طرح سب مسئلہ، اصول و قواعد کے تحت لکھے گئے ہیں، اسی طرح انسانیت بھی علمی اصول پر منطبق کی جا رہی ہے۔ یہی وجہ سے زیادہ ”علمی الطباہان“ اپنا مشورہ اور مرد عورت کی جنسیت کی خطرات کا خاتمہ ہے۔

دنیا میں امریکہ کی نوجوان عورتوں سے منظم تر کوئی چیز موجود نہیں۔ وہ اظہر نہیں ہوتی۔ اپنے شہر کی طرح کبھی کبھی علمائے دین میں ماہر ہوتی ہے۔ اپنے گھر کو مرتب و منظم رکھ سکتی ہے۔ امریکن عورت انجمن کی عورت سے کہیں زیادہ منظم اور سلیقہ مند ہوتی ہے۔

امریکن ماں اپنے بچوں سے بے حد محبت کرتی ہے۔ ہندوستان کی طرح امریکہ میں بھی اولاد اپنے ماں باپ کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ گھر میں بچوں کے لئے علم و کرم نہیں ہوتے۔ پورا گھر بچوں کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ دن بھر ادھم مچاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح دایاں اور کھلائیاں لکھنے کا بھی رواج کم ہے۔ خود ماں ہی دانی ہوتی ہے۔ ماں اپنے بچوں میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتی۔ وہ ان کا مستقبل اپنے مستقبل سے وابستہ سمجھتی ہے۔ ان پر وہ تمام تعلیم و تربیت کے اصول منطبق کرتی ہے جو کلب گھر میں منستی اور کتابوں میں پڑھتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود بھی اس کی زندگی بڑی حد تک سرت سے خالی ہوتی ہے، کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، علم کی فراوانی اور تجارت کی افزائی نے اس پر ازواجی سرتوں کا دائرہ تنگ کر رکھا ہے۔ امریکہ کی عورت علم اور ادبی ترقی سے اب نالاں ہے اور پھر

اسے پسند کرتے ہیں اور اس کی بہت افزائی کرنے میں بھی مضامین کوٹے۔ امریکہ کے بڑے بڑے میں یہ مقولہ عام ہے۔ ”نوجوانی کو بھروسہ کرنا سادہ نہیں ہے، ساتھ بڑھاپے کے ساتھ بڑھاپے کے ساتھ ہی سے باہم محبت کرنا اپنی نسل بڑھتے دیکھیں!“

#### امریکن عورت کی روزمرہ کی زندگی

مردوں کی طرح عورتوں کی زندگی بھی روپیہ کمانے اور خرچ کرنے میں بسر ہوتی ہے۔ انادوں میں کپڑے کی اکثر بڑی دوکانیں ہیں جن میں عورتوں میں یہ عبارت لکھی نظر آئے گی۔ ”ہیماں عورتوں کو کپڑے سینے کی مفت تعلیم دیتا ہے“۔ جابجا سائن بورڈوں پر یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔ علم تیر منزل (غناہ داری) پر پھر مفت سناے جاتے ہیں۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ امریکن عورت بالکل بے کار نہیں ہوتی وہ اپنی خاتمی زندگی میں کو ضرور بد نصیب ہوتی ہے، مگر رابر علی دینی ترقی کر رہی ہے۔ لیکن مسائل ابھی ترقی نے اسے سرت سے غم بھی کر رکھا ہے۔

امریکن عورت، جت سرت ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت ہر روز اخبار میں دیکھا جاسکتا ہے۔ دکان میں عورتوں سے لبریز ہوتی ہیں۔ دکانداروں کا اپنے اعلان میں خطاطی عورتوں ہی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں مردوں کو خرید و فروخت کی مہلت نہیں۔ مرد پر کمالا جاتے ہیں، خیر کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں ان کی ہفتہ بھر یا مہینہ بھر کی آمدنی پر قابض ہو جاتی ہیں اور بازاروں میں اگر بے دین خرچ کر دیتی ہیں۔ عورتوں کے اسراف کا اندازہ صرف اتنی بات سے کیا جاسکتا ہے کہ گزشتہ تین سال کے اندمہ پٹنے والے جنرل کی فروخت میں فی صدی دو ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے۔

#### زمانہ کلب

آمریکہ کے زمانہ کلب، دنیا میں اپنی نظیر ابھی ہیں۔ بڑے ہی شاندار، خوبصورت، اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہوتے ہیں عورت چمک چمک شہر کو نہیں پاتی، اور دلچسپی سے غرق ہوتی ہے، اس لئے اپنا زیادہ وقت کلب ہی میں گزارتی ہے۔ عام دستور یہ ہے کہ عورت اپنے شہر کو موٹر میں چلا کر اس کے دفتر میں چھوڑ آتی ہے اور باقی پورا دن کلب میں صرف کرتی ہے۔ شام کو پھر موٹر میں چھٹی ہو کر شہر کو دفتر سے آتی ہے۔ دو توں رات کا کھانا کھا کر موٹر میں کھاتی ہیں اور پھر گھر آکر سو رہتی ہیں۔

سب زیادہ زمانہ کلب ٹول دیکھ میں ہیں۔ یہ کلب بہت ہی دلچسپ اور مفید ہیں۔ لیکن ان کا یہ عیب بھی ہے کہ عورت سے خود فکر کی قوت سلب کر لیتے ہیں اور آدمی کے دماغ میں اس قدر معلومات ٹھونس دیتے ہیں کہ وہ انھیں سمجھ نہیں کر سکتی اور دائمی بے چینی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دن بھر کلب گھر میں علمی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دن میں نے شیکاگو کے ایک زمانہ کلب میں چار مختلف مضامین پڑھ کر سنے۔ مضمون یہ تھے:

(۱) مرد کا کام اپنے گھر میں

(۲) غذائی تاخیر جسم انسانی پر

(۳) موجودہ ادبیات اور خواتین عادات

(۴) سود ماحری کی حقیقت۔

میں نے بڑے غور سے کچھ منے تھے۔ آخر میں سوچنے لگا۔ میں کیا سنا تھا؟ باوجود دخت کوشش کے میں اس کا کوئی جواب دیکھا۔ کیونکہ دماغ عقل ہو چکا تھا۔ صرف دماغ میں حافظہ محفوظ رہ گئی تھی۔ ایک یہ کہ وہ پھر کو کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی موجودہ اقتصادی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ انسان، دولت جمع کر کے کا کالہ بن گیا ہے۔ صرف ایک دن میں میرا یہ حال ہوا لیکن ان

مشہور ترین امریکی شہر کے ایک زمانہ کلب میں ایک عورت نے ایک دن میں چار مختلف مضامین پڑھ کر سنے۔ مضمون یہ تھے:

اٹھا سکتا ہو، جبکہ خود اس کے اندر کتابت انفعال کی صحیح استعداد موجود ہو۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کے پہلا مرحلہ داخلی ہے، دوسرا خارجی، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لئے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے۔ دوسرا خارجی۔ کوئی جماعت کوئی قوم، انسان کی کوئی ہیئت اجتماعیہ، کشمکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی، اگر پہلے ایک تخم اور جنین کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی۔ اسکی داخلی تخلیق و تکمیل کا بھی ایک معین وقت اور وقت کی معین مقدار ہو، اگر ایک جماعت وجود و کمال کا پورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہو، تو ناگزیر یہ کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کرے اس کے بعد خارج کے اعمال و فتوح کا دروازہ خود بخود اُس پر کھل جائے گا۔ کیونکہ خارج کی تمام کامیابی اُس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہیں۔

جس طرح اشیا و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دار و مدار اُن کے اندر ہی اندر نشوونما پانے اور اندر ہی اندر بچنے پر ہے، اسی طرح فرد اور جماعت کی داغی اور اخلاقی استعداد کا دار و مدار اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں ”تزکیہ“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ”تزکیہ“ اخلاق و نفس سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بحیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن و مزاج کی ضرورت ہو، وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے، اور اس رسوخ و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے گویا ایک آہنی کالبہ لیکر ان میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اُس میں ڈھال دیا گیا ہو۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشوونما طاقت و برتری کا موجب ہوتی ہو، اُسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے اُن کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشوونما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہو۔ یہی اخلاق جماعت کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں، اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تزکیہ نفس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید و تکمیل، جماعتوں اور قوموں کی ”داخلی استعداد“ ہے۔

”جماعت“ کی داخلی استعداد کے لئے جن سببوں کی داخلی تربیت کی ضرورت ہوتی ہو، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر فرد جماعت سے تعلق رکھتی ہو، لیکن اُس کا سارا زور ”جماعتی ذہن و اخلاق“ کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی وہ جماعت کے لئے ذہن و اخلاق کا ایک خاص مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہو۔ چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معدوم کر کے جماعتی مزاج پیدا نہ کرے، اس لئے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچا ڈھال لیتی ہو اور پھر تمام افراد کا ذہن و اخلاق اُسی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہو۔ یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی و اخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہوجاتی ہیں، اور اپنے ہمنام انفرادی اختلافات کو کھینچ کر بھی ذہن و اخلاق کی طبیعت میں یک ظم و تامل اور تشابہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کی خواہش یکساں نہیں ہو سکتی اور یکساں نہیں ہوتی۔ اُن کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح کی نہیں ہو سکتی اور ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی سمجھ میں اپنی رائے میں، اپنی زندگی و معیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہو جاسکتے اور ایک نہیں ہو جاتے، لیکن وہ ذہن و عمل کی اُن ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیادیں اور اخلاق و سیرۃ کی فضیلت کا مینا ہیں، اس طرح یکساں اور ایک منشا و عمل ہو جاتے ہیں، کہ علم ہوتا ہو، سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہو اور سب کے

باہر نکلتی ہو۔ چنانچہ وہ ابھرتا ہو، اندر کا منات فطرۃ کے جس کا فائدہ فیضان سے زمین کے اندر کتابت فیض کر رہا تھا، اب اُس سے زمین کی سطح پر بخشش و نوال حاصل کر لے لگتا ہو۔ اُس وقت تم دیکھتے ہو کہ عالم نباتات کا یہ جوان نوجوان سرودھ کھڑا ہو، اور کارخانہ فطرۃ کے ہر سامان سے زندگی اور قوت کا مطالبہ کر رہا ہو۔ اب تم اُس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو، لیکن تم بھول جاتے ہو کہ باہر کی استعداد اُس کے لئے جو کچھ ہم پہنچا رہی ہو یہ دراصل اُسی استعداد کا جواب اور نتیجہ ہو جو زمین کے اندر اُس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی!

عالم حیوانات میں دیکھو تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہو۔ حیوان اور انسان کا وجود عالم ہستی میں قدم رکھتا ہو، اُو بچپن سے لے کر بڑاپے تک کی منزلیں طے کرتا ہو، دراصل یہ ہی وجود جو پہلے خود اپنی ہستی کے اندر تخلیق و تکمیل کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اگر اُس کی داخلی استعداد کا دور صحت اور قوت کے ساتھ ختم نہ ہوتا، تو اس کی خارجی استعداد کا یہ دور وجود ہی میں نہ آتا۔ وہ پہلے شکم مادر میں جنین کا ابتدائی مادہ تھا۔ پھر اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا، بہ تدریج تخلیق و تسوئے کی مختلف منزلیں جو دیں اُس پہلے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے جنہوں نے ایک چونک کی سی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ چونک بڑھتے بڑھتے گوشت کا ایک لٹھڑا انگلی، لٹھڑے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا شروع ہوا، اور ڈھانچے پر گوشت پوت کا غلاف چڑھ گیا، پھر گوشت اور ہڈیوں کا یہی مجموعہ منظر و تناسک ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا، کہ شکل و ہریت کی تمام اہلیا اور خال و خط کی ساری دلائل و براہین مکمل ہو گئیں۔ پھر جب اندر ہی اندر تکمیل و تسوئے کے یہ تمام مراتب طے ہو گئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شکم مادر سے باہر قدم نکالے۔ اور تم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تمہارے سامنے ہو، تم انسان کا خلقاً آخر، فقارک اللہ حسن الخالقین! (۱۲: ۲۳)

بہر حال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانہ فیضان فطرۃ سے کتابت فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو۔ اور اس استعداد کے ظہور کا پہلا عمل اندر ہی ہو دوسرا برہدنی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کر لے گی، دوسرے دور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشوونما کے لئے داخل کا نشوونما، بمنزلہ سبب علت ہو۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے۔

### جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے۔ یہ افراد اشیا کی شائیں ہیں۔ انہی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کر دینا۔ افراد کی طرح ”جماعت“ بھی پیدا ہو کر رہتی ہو۔ اس کی تخلیق، نشوونما، اور ترقی و تکمیل کے لئے بعینہ وہی قوانین ہیں، جو اشیا و افراد کے لئے ہیں۔ جس طرح فطرۃ الہی کی ربوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشوونما کے لئے اپنی بخشائشوں کے بادل زمین پر بھیلے ہوئے ہیں ہر شے کی زندگی دینے والی، ہر شے پر روش کرنے والی، اور ہر شے کو وجود و کمال تک لے جانے والی ہو، ٹھیک اُسی طرح ”جماعت“ اور ”امت“ کے ظہور و نشوونما کے لئے بھی ہر طرح کی بخشائشوں اور ہر طرح کی فیض رسانوں کا سامان مہیا کر دیا ہو۔ ربوبیت اُس کے ظہور کا انتظار کرتی اور بخشائش فطرۃ اُس کے قدم اٹھانے کی راہ تکمیل ہو۔ لیکن جس طرح افراد و اشیا کے لئے فطرۃ کا تمام سامان فیض صرف اُسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ خود ان کے اندر صحیح صلاح استعداد موجود ہو۔ اسی طرح ”جماعت“ کا مولود بھی وقت کے فیضا اور قوتی و مرزوبی احوال کی بخشائشوں سے اُسی حالت میں فائدہ

اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اسکے اندر پیدا ہو جائے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مثال کی ضرورت ہو خدا کی رحمت و ربوبیت نے تمام کائنات ہستی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے۔ زندگی اور وجود کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہو، اُن میں سے ہر چیز موجود ہو، اور اُس کی موجودگی صرف اس لئے ہو تاکہ استعداد کو ڈھونڈے، صلاحیت کو پالے، اور انفعال کو فہل سے اور انجذاب کو جذب سے الٹا مال کرنے۔ سورج روز آسمان پر چمکتا ہو۔ ستارے ہمیشہ زمین کی طرف بھانکتے ہیں۔ ہوائیں یکساں طور پر جوشی سے چلتی ہیں، بادلوں کی رفتار میں کبھی کاٹ نہیں پڑتی۔ سورج کی کرنیں سمندر وادی کو کھینچے اور پانی کے ذخیرے جمع کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ زمین کی سطح اپنے سائے خزانے لئے ہوتے موجود ہو۔ خاک کے ذروں میں سے ہر ذرہ اپنا خالص اور اپنی تاثیر رکھتا ہو۔ موسموں کی تبدیلی اور لیل و نہار کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں۔ یہ، اور اسی طرح کی تمام اُن جہت اور سجد و حساب چیزیں:

وان لقد والعمۃ اللہ کا حصہ ہوا اور اگر تم خدا کی نعمتیں اُو بخشائیں شمار کرنی چاہو (۱۴: ۱۳)

تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی تمہارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا! قوتوں کا خزانہ اور بخشائشوں اور ربوبیتوں کا فیضان عام ہیں اور اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ ”خارجی استعداد“ جو وجود کے لئے خلق و تسوئے کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اُس کے انتظام میں چشم براہ رہتی ہو۔ لیکن خارج کی اصل استعداد سے صرف ہی اشیا و فائدہ اٹھا سکتی اور اپنے حصہ کی بخشش پاسکتی ہیں جن کے اندر خود اُن کے ”اندر کی استعداد“ وجود میں لگی ہو۔ یہ اندر و بی استعداد باہر کے کارخانہ استعداد کی تاثیر کے لئے بمنزلہ انفعال ہو۔ جب تک انفعال کا لب سوال دانہ ہوگا، فعل و تاثیر کا جواز فیضان، حرکت میں نہیں آسکتا!

دھتقان ایک بیج اُٹھاتا ہو اور زمین کے حوالے کر دیتا ہو۔ اب دیکھو، اس ایک بیج کے بار آور ہونے کے لئے قدرت الہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانہ ہستی مہیا کر دیا ہو؟ سورج منظر سے کاپی کر لے اس کے لئے وقت کرے، بادل طیار ہیں کہ اپنے ذخیروں کا منہ کھولے۔ زمین مستعد ہو کہ اپنی آغوش اُس کے لئے داکرے، لیکن یہ تمام کارخانہ بخشش سے وہ جی کا حصہ اٹھا سکتا ہو جبکہ خود اُس کے اندر کی استعداد صحیح و صلح ہو۔ اگر ایسا نہیں ہو، تو پھر یہ تمام کارخانہ بخشش و نوال اُس کے لئے بیکار ہوگا۔ سورج اپنا دھنکنا ہوا نور کو پر بھی اسے گرم نہ کر سکے گا، بادل اگر اپنا تمام ذخیرہ آب ختم کر ڈالے، جب بھی اُسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں ملے گا!

پھر ایک صلح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنا لیتا ہو، تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہو اور اندر ہی اندر بچنے اور بڑھنے لگتی ہو۔ اُس وقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہو جس کے اندر ایک ذرہ اور ریشوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لیکن انہیں کوئی اور ریشوں کے اندر اُس کی آنے والی ہستی کی ساری برائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جاسکتا ہو ایک عظیم اور شاندار رخت کی ساری ٹہنیاں اور پتے، اور اس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ذروں اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ وہ بتدریج نشوونما پاتا ہو، اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسوئے کے مختلف درجوں سے گزرتا ہو۔ پھر جب یہ سب کچھ پہنچتا ہو، تو وقت آجاتا ہو جب زمین کی سطح چاک ہوتی ہو اور اُس کی پہلی شاخ

اقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے حقیقت اور ختم واساس پر لکھتے تھے۔ ان پر حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش دلوں اور دنیا کی اصلی بنیاد اُن واقعات میں نہیں ہو جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ ہجرت مدینہ اور اُس کے اعمال و حقائق میں ہیں۔ اس لئے جو اہمیت دنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدر اور فتح مکہ کو دیتی تھیں، وہ اُن کی نظروں میں ہجرت مدینہ کو حاصل تھی۔

### ہجرت نبوی کی حقیقت

لیکن واقعہ ہجرت کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا۔ بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصلی عملوں میں منقسم ہے۔ ایک عہدِ مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے۔ دوسرا، مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غار حراء کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غار ثور کے انزال پر۔ دوسرا ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوتی ہے تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور، دوسرا دور تھا۔ کیونکہ اسی دور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور نظامی طاقت و حثیت کا سر و سامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتھیاروں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اُس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا نہیں، پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دور میں استوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتھیاروں نے اپنی غیر ضروری طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا۔ لیکن جو اہم ہتھیاروں کے قبضوں پر جمے تھے، اُن کی طاقتیں کس میدان میں طیار ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی، تو مکہ کی فتح کی راہ کیونکر کھلتی؟ یہ سچ ہے کہ مکہ ہتھیاروں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتھیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اُس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں جم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو، لیکن اُس کی روح پہلے ہی دود میں ڈبو چکی تھی چاہئے!

پہلا دور ختم تھا۔ دوسرا اُس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد مکتی دوسرا ستون و محراب تھا۔ پہلا نشوونما کا عہد تھا۔ دوسرا ظہور و انبساط کا۔ پہلا معنی و حقیقت تھا۔ دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا روح تھا۔ دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، درست کیا، اور مستحکم دیا۔ دوسرے نے قدم اٹھایا، آگے بڑھا، اور فتح و فتح کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو، لیکن اولین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہو!

### استعداد و داخلی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خدا کا قانون وجود ایک ہی ہے۔ تم اُس کے کئے ہی مختلف نام رکھ دو مگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اب ایک لمحہ کے لئے غور کرو کہ تخلیق و وجود کے لئے خدا کا قانون حیات کیا ہے؟

فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی اپنی رکھتا ہے، لیکن کوئی چیز ہو، تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دوروں سے گزرسے۔

پہلا دور "استعداد و داخلی" کا ہے۔ دوسرا "استعداد و خارجی" کا۔ ضروری ہے کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں آئے، اور ضروری ہے کہ

طرح جانی بوجھی ہوئی کہ اُس کی طرف صرت ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے نزدیک تزیین اور درس کتاب حکمت نے اُن کے اندر ایک ایسا صلیح مزاج پیدا کر دیا تھا، کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سائنے کی اور عقیدوں و معمولی کیوں نہ ہو، لیکن اگر حقیقت اور دلائل کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی، تو فوراً اُن کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی، اور پھر جیتی تھی تو اُسی وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آ جاتی تھی۔ تم اُن لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے اُن کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں، حالانکہ صرف اُن کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ اُن کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی جیسا کہ خود اُنہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا: اولاً اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کافراً افضل هذه الامة: اہم قلوباً، واعظمها علماً، واطلہا تفكفا، اختارہم اللہ لصحبۃ نبیہ دلا فامۃ دینہ (عن عبداللہ بن مسعود۔ رواہ الدارمی)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ اُن کے سامنے آیا، اور خود اُنہیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد بنائیں، لیکن چونکہ یہ بات اُن کے معیار نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا، اس لئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے لگی تھی اُن کی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہوئی چاہئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جو نہی یہ بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کر لی۔ تاریخ کا یہ مبدع دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یا دگاردوں کے خلاف تھا۔ صرف خلافت ہی نہ تھا۔ بلکہ صلیح اُٹھا تھا۔ دنیا کی تمام قوتیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انہوں نے بجا بجا کر دُنیا کی تاریخ کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دُنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ انہوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی بے سرو سامانی یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ اُن کی قومی تاریخ اُس وقت سے شروع ہوئی، جب اُن کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا، اور اُس نے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن ان کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اُس دن سے ہوئی، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ بڑے عمل کی پیدائش ہوئی، اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دُنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ اُن کی طاقت و شوکت کی بنیاد اُس وقت پڑی، جب انہوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کا یقین تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اُس دن کھلا، جب ملکوں پر انہوں نے قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔ بلاشبہ اُن کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے اُلٹی سمجھ تھی، لیکن اُس سمجھ سے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے اُن کے اندر پیدا کر دی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح و فکر و عمل سے کرتی چاہتے تھے۔

مصیبت یہ ہے کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظی اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے۔ وہ پہل ڈھونڈتی ہے لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منار و محراب کی بلندیاں اور خوشنمایاں دیکھتی ہے، لیکن زیر زمین بنیادوں کے لئے بجھ نہیں دیکھتی۔ صحابہ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات غلیظہ ترک کر کے ہجرت کا واقعہ انتخاب کیا، تو اُن کی نظر بھی پیدائش و ظہور، فتح و اقبال اور جہن و کامرانی ہی پر تھی۔ وہ کچھ نا کامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ ہجرت و

سنہ کا تو نام ہی سیلابی سنہ ہے۔ یعنی اُس کی ابتدا حشر و صحر علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہے۔

ہندوستان میں جہاں ہر گز وہ کے لئے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا، وہاں مختلف حلقوں کے لئے مختلف سنہ بھی قرار پائے تھے جو قوتیوں نے اپنے حساب کے لئے خواہ جس وقت بھی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ اُن کے لئے مخصوص تھے، مگر ان سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آج تک مستعمل ہے، ہجرت جیتی سنہ ہے اور یہ راجہ ہجرت کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ ایرانیوں میں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی، اور کسی ایک خاندان کے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہے۔ اس رسم کی کہ ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اُسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں ہی نے بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہے، تو ایران کا سرکاری سنہ بزرگوار آخری فرما لئے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

### حضرت عمر کا تردد

اُن روایات سے جو کچھ تحریریں درج ہو چکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو بھی ابتدا میں یہی خیال ہوا تھا کہ اُن حضرت (صلعم) کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتدا کی جائے۔ سعید بن مسیب اور یقیناً ان کی روایت میں ہے کہ آپ نے جب حضرت علی سے مشورہ کیا تو اُن کی رائے یہ ہوئی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ بات آپ کے دل میں اُتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہو گئے۔ ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ مبدع تاریخ کے بارے میں جب معمول صحابہ نے مشورہ کیا تھا۔ مختلف رائے لوگوں نے دیں۔ بالآخر اب اسیر بن ہریرہ کے واقعہ ہجرت سے ابتدا کی جائے۔ فافقوا علی ان یکون المبدع من الہجرت۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اجماعی طرح عند و فکر کیا گیا تھا، اور ہر طرح کی رائے ظاہر ہوئی تھیں چونکہ سلسلے کی صاف بات یہی تھی کہ آنحضرت کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہور اسلام کی اصلی بنیاد ہے، اس لئے حضرت عمر کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس میں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اس پر انشراح نہیں ہوتا تھا۔ متردد تھے۔ بات قرینہ کی تھی لیکن دلیں بیٹھتی نہ تھیں۔ بالآخر مزید مشورہ کیا، اور حضرت علی علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعہ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ رائے اتنی بہتر اور چمکی تھی، کہ فوراً حضرت عمر کے دل میں اُتر گئی، اور تمام اکابر صحابہ بھی اس پر متفق ہو گئے۔ گویا ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہو گئی۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ واقعہ ہجرت کی وہ کونسی مناسبت تھی جس نے حضرت علی کو مدینہ علم نبوت کے باب اور حکمت و سنت رسالت کے عزم اسرار تھے، اس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کونسی ایسی شہو و علوم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اتنی دور کی بات تمام اکابر صحابہ نے غم میں فوراً یاد آئی، اور اس طرح تسلیم کر لی گئی، جیسے ایک مسلم دور کے شرہ بات ہو؟

### واقعہ ہجرت صحابہ کے نظریں

ہاں، آج ہمارے لئے کہ اسلام کے مبدع اور دل کا داغ اور رخ، دلوں کو چمکے ہیں، یہ بات کتنی ہی عجیب و غریب ہے، مگر صحابہ کرام کے لئے جو اسلام کے بخشنے ہوئے دل اور اُس کے بنائے ہوئے داغ، دلوں کے مالک تھے، یہ بات اتنی صاف، اتنی کھلی ہوئی، اور اس



لَا تُفَرِّقُوا بَيْنَ الْفَرَسِ وَالْإِنْسَانِ فِي الْحَرْبِ وَلَا تَحْزَنُوا عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُونُوا مِثْلَ الْكَافِرِينَ

# الہلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

جلد ۱

نمبر ۸ : جمعہ ۶ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 5, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

ضروری ہی کہ ہم اسکا اب فیصلہ کر لیں

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔  
ہندی اور ہندوستان کی تمام زبانوں نے، نیز عربی، فارسی، ترکی، تینوں سامی زبانوں  
نے سروف کی چھپائی اختیار کر لی ہے اور انکی طباعت یورپ کی طباعت کا مقابلہ کر رہی ہے۔  
کیون اردو زبان بھی ایسا نہ آکری جو اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے؟  
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
ہماری رائے میں بہترین حروف یہی ہیں۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیں یہ نا موزون  
نہیں تو اردو کیلیں کیون نا موزون ہوں؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیں۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

الہلال



# فہرست

۳	علم الآثار مصر
۴	مغرب کی تاریخ جدید کے بحال تاریخ
۸	تاریخ و عمر
۱۲	فرانس کا تاریخ علم اور اسلام
۱۳	مطبوعات جدیدہ
۱۶	پان یورپین تحریک اور اسلام
۱۹	ادبیات
۲۰	تین ہزار برس پیش کی شاعری
۲۱	بصائر و حکم
۲۲	انسانیت موت کے دروازہ پر
۲۳	حسن بن علی علیہما السلام
۲۴	برید فرنگ
۲۵	مکتوب آفریک
۲۶	برید شرق
۲۷	مکتوب آگورہ
۲۸	مقالات
۲۹	تذکرہ ہجرت نبوی
۳۰	تصاویر
۳۱	والیٹر
۳۲	نہولین بونا مارٹ مصری لباس میں
۳۳	برادیک ملوک
۳۴	شیخ عبداللہ شرقاوی
۳۵	شیخ سلیمان فیوی
۳۶	شیخ خلیل بکری نقیب السادات

اسی واقعہ میں پوشیدہ ہو، اور اس لئے یہی واقعہ ہے جسے اسلامی تاریخ کا مبدع بنا چاہئے۔

## ہجرت ہجرت کی منتحی

اور پھر یہ حقیقت کہ درجہ دار صحیح ہو جاتی ہے جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتحوں میں سب پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اس کی تکمیل ہجرت ہی کے واقعہ سے ہوئی تھی۔ مدینہ کے ساتھ "فتح" کا لفظ سنکر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہو لیکن تحقیق معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بھی بڑے کرداروں کی آبادی اور دھول کی اقلیموں کی فتح ہو، اور اسی فتح سے میدان جنگ جنگ کی فتح مدینہ بھی حاصل ہوتی ہیں۔ عین اس وقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے ایس ہو گیا تھا۔ باشندگان شرب کی ایک جماعت پہنچتی ہو، اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہو کر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہو۔ اس وقت دنیوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا سیف و سنان کی ہیبت و جبروت کا دم دگمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سراسر غربت ادنیٰ کی بے سروسامانیاں اور عہد مصائب و محن کی دراندازیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ شرب کی پوری آبادی اس کے سامنے جھک جاتی ہو، اور ایمان کے ایسے جوش اور اشتیاق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے طیار ہو جاتی ہو جو تاریخ عالم کے کسی طبقے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میرزا آئی ہوگی۔ قیس بن صرد انصاری نے کیسے سچے اور دلنشیں لفظوں میں اہل مدینہ کے جوش و خروش ایمانی کی تصویر کھینچی ہو؟ وہاں عبد اللہ ابن عباس نے مختلف الیہ و تحفظ منہ ہذا الابیات:

ذکر لوقی حبیباً منواتیا  
فی نئی قریش بضعة حجة  
و یعرض فی اہل المواسم لفسہ  
فلما آنا واستقرت بہ النوی  
داصح لایحشی ظلماتہ ظالم  
بذلنا الاموال من جل مالنا  
لغادی الذی عادی من الناس کلم  
و فلما ان الصلاب غیسرہ  
دہوں اور دھول کی اس فتح و تسخیر سے بڑھ کر بھی اور کوئی فتح ہو سکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیونکر ہوئی؟ دو ہجرت کے آلام و محن میں اس کا آغاز ہوا، اور ہجرت نے اس فتح کی تکمیل کر دکھا۔

یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرت کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے سروسامانی و غربت کے اس عمل ہی میں فتح و نصرت الہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی:

ثانی اشین اذ ہجانی الخاد، اذ غار کے دو ساتھیوں میں سے جو بے یقول لصاحبه: لا تھی، ان ایک نے دوسرے سے کہا۔ غم و رنج نہ کرو اللہ معنا فان اللہ سکینہ علیہ یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے، اور اسکی دایدا بجنود لہو تو دھا، و جعل شیت و حکمت ہمارے لئے فتح و نصرت کلمۃ الذین لہو و السفلی و کی راہ باز کرنے والی ہو پھر ایسا ہو کلمۃ اللہ ہی احلیا، و اللہ غنیمتہ کہ دلنے اپنی سچیں و طمانیت اپر حکیم (۴:۹)

نکود سے اسکی مدد کی جھین نیا کی ظاہر میں اور حقیقت نا آشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پست ہو گئی، اور کلمہ حق ہی کو سر لپی اور کامیابی حاصل ہوئی۔ ۴

اندر ایک ہی روح دل رہی ہو!

یہ موقع نہیں ہے کہ اطحاب سے کام لیا جائے، ورنہ ضرورت تھی کہ ان اخلاق و خصال میں سے ایک ایک چیز کی شرح و تفصیل کی جاتی، اور واضح کیا جاتا کہ قرآن و سنت نے جماعتی طبیعت کے کیا کیا عجیب دی اوصاف بتلائے ہیں، اور اس کی داخلی استعداد کے ارکان و مبنائ کیا کیا ہیں؟

بہر حال اشیا و افراد کی طرح جماعت و اقوام میں بھی زندگی کی اصلی سرچشمی ان کی داخلی استعداد میں پنہاں ہوتی ہو۔ نہ کہ خارجی اعمال میں۔ کیونکہ خارج کے اعمال اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ داخلی استعداد کے لازمی نتائج و ثمرات ہیں۔

پہلا دور داخلی استعداد کا دور تھا

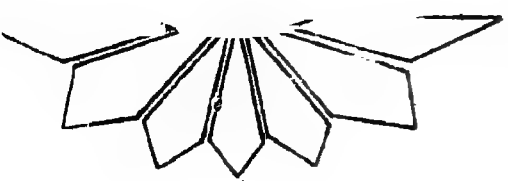
ظہور اسلام کا پہلا دور جو بعثت سے شروع ہو کر ہجرت ہجرت ہو اور جس کا نقطہ تکمیل ہجرت کا معاملہ تھا، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دور تھا۔ اور اس لئے ظہور اسلام کی تمام فتح مندوں اور کامرائیوں کا مبدع یہی دور تھا۔ نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دور بلاشبہ دنیا کی ظاہر میں نگاہوں میں یہ دور مصیبتوں کا دور اور بے چارگیوں اور دراندازیوں کا تسلسل تھا، لیکن یہ باطن امت مسلمہ کی سرانے والی فتح مند اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشوونما پائی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن و اخلاق کے لئے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تزکیہ نفوس دار و اح کا آئینہ گاہ تھیں۔ بدرک فتح مند اسی کے اندر بہت سے بے نام و نام نہاد کامران اسی کے اندر بہت سے دراصل رہے تھے۔ انہی ہی میں بلکہ یہ تموک اور تادیب کی پیدائش بھی اسی کے آزمائشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے اس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحہ جنگ سے کرنا پڑا تھا۔ لیکن نفس و اخلاق کے تزکیہ و تربیت کا جہاد اس پہلے دور میں ہو رہا تھا، اسے "جہاد کبیر" سے تعبیر کیا۔ کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد ہی جہاد تھا: فلا تقم الکافرین و جاہدہم بہ جہاداً کبیراً (۵۳:۲۵)

الاتفاق سورہ فرقان کی ہو۔ کی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبر و استقامت اور غم و ثبات کا جہاد تھا اور اپنی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں

ہجرت تکمیل کار کا اعلان تھی

ہجرت کا واقعہ اس دور کی مصیبتوں کی انتہا تھا، اس لئے اس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابہ کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ اور کیونکہ بے خبر ہو سکتے تھے جبکہ ان کی داعی تربیت کی اصلی روح اسی معاملہ میں مصر تھی؟ پس جب یہ سوال پڑا آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے؟ تو انھیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرت کی پیدائش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اس کے تذکار میں شخصیت سامنے آئی تھی۔ شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا، لیکن یہ معاملہ کی ابتدا تھی، انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بد کی جنگ اور مکہ کی فتح، عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے۔ کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام... واقعات کو سامنے آئے، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتی مطمئن نہ ہو سکیں۔ بالآخر جب ہجرت کا واقعہ سامنے آگیا، تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا، کیونکہ انھیں یاد آگیا، اسلام کے ظہور و رواج کا مبدع حقیقی

یہ آیت سورہ براءہ کی ہے سورہ براءہ بالاتفاق اکتبوت نازل ہوئی ہے جو اسلام کی ظاہری فتح مدینہ کی تکمیل تک پہنچتی ہے اس کو معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندوں کے لئے یہی ضرورت تھی کہ ہجرت کا واقعہ ہی ہی



## ریڈیم

خزانہ فطرۃ کا سب سے زیادہ کمیاب جواہر !

حال میں اخبارات نے یہ خبر شایع کی تھی کہ ”ریڈیم کا پائلو گریگا ہے اور ایک اونس ریڈیم کی قیمت ۳۳،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر کی جگہ اچانک ۲۵،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر ہو گئی ہے۔ اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ بلجیم کانگو (افریقہ) کے علاقہ ”کائیکا“ میں ریڈیم کی ایک بہت بڑی مقدار نظر آئی ہے۔ زیگوسلاویا کی ٹائپے کی بعض قدیم کانوں میں بھی ریڈیم پایا گیا ہے۔ اگر یہ تمام ریڈیم حاصل کر لیا گیا تو قیمت میں آڑ بھی کمی ہو جائے گی“

لیکن اس خبر سے لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کوئی خیال کریدے کہ جب ریڈیم کے بھاڑ میں اس طرح آثار چڑھاؤ ہو رہا ہے تو ہر دولت مند آدمی کیلئے اسکی زیادہ سے زیادہ مقدار خرید لینا ممکن ہے۔ مثلاً امریکہ کا ہنری فورڈ جیسا کہ بڑی بڑی چاہے، تو بآسانی آدہ سیر ریڈیم خرید لے۔ اپنے بینک ’وٹن کا بیگ بغل میں دبائے‘ اور بازار جالرجب چاہے ریڈیم لے آئے۔

لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ہنری فورڈ کی تمام دولت بھی آدہ سیر ریڈیم خرید نہیں سکتی۔ امریکا کے دوسرے بڑے کاروبار اور مللو بھی اگر اپنے خزانے جمع کر دیں، اور امریکا، فرانس، انگلستان، بلکہ سارے عالم کی سلطنتیں بھی اپنے جملہ خزانے پیش کر دیں، جب بھی آدہ سیر ریڈیم حاصل نہیں کیا جاسکتا !

یہ عجیب بات ہے۔ مگر واقعہ ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ گزشتہ آٹھائیس برس میں، یعنی جب سے ریڈیم دریافت ہوا ہے، دنیا اُس کی اتنی مقدار حاصل ہی نہیں کر سکی ہے، جسے ترقیوں میں آدہ سیر کے بات سے تول سکیں۔ اس وقت تک وہ صرف آدہ پڑ کی مقدار میں حاصل ہو سکا ہے !

جن خوش نصیبوں کے قبضہ میں ریڈیم ہے، یا جنہیں اُس کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً سائنس دان اور ڈاکٹر، وہ اُس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کرتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں۔ ریڈیم کی خرید و فروخت اونس کے حساب سے نہیں ہوتی، قن کے حساب کا تو رقم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ریڈیم سونے سے بھی کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ اُس کی قیمت سونے سے ایک لاکھ گنا زیادہ ہے۔ ریڈیم کی خرید و فروخت رتوں کے حساب سے ہوتی ہے۔ اس وقت تک ریڈیم کی سب سے بڑی مقدار جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئی ہے، صرف دو گرام ہے۔ اور معلوم ہے کہ ایک گرام، اونس کا تیسواں حصہ ہوتا ہے۔ یہ مقدار بھی فروخت نہیں ہوئی ہے بلکہ حکومت زیگوسلاویا نے، انگلستان کو علمی تحقیقات کے لیے عاریتاً دیدی ہے۔

اس کی کوئی امید نہیں کہ ڈیگو میں ریڈیم کی کان اُس کی موجودہ مقدار میں غیر معمولی اضافہ کردے گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت اُس کی جتنی مقدار دنیا کے ہاتھ میں موجود ہے، اُس سے صرف ۲۵ گنا زیادہ ریڈیم کانگو کی کان سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اُس کا نکالنا بجائے خود ایک نہایت مشکل اور بڑے خرچ کا کام ہے۔ اس کان کی ہر ۵۰۰ ٹن زرنی چٹان میں سے زیادہ سے زیادہ ایک گرام ریڈیم نکلے گا۔ وہ بھی خالص نہیں بلکہ ”فلزل“ اور دوسرے مواد سے ملا ہوا۔ ان مواد سے اُسے علیحدہ کرنے

(۲) روسیا کا انکشاف: سنہ ۱۹۲۱ء میں ایک سیلج کو جنوبی افریقہ میں ایک کھوپڑی ملی۔ یہ بھی پہلی کھوپڑی کی طرح ایک تیسری تشریحی حالت رکھتی ہے۔ علماء تشریح و وظائف اعضاء کی تحقیق میں یہ غالباً ابتدائی قسم کے وحشی انسان ہی کھوپڑی ہے۔

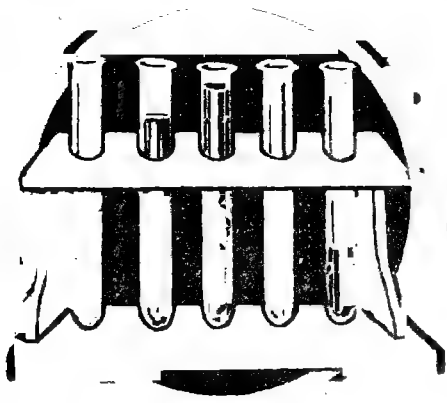
(۳) جارا کا انکشاف: جارا کی ایک غار سے بھی ایک قیمتی کھوپڑی ملی ہے جسکی نسبت دو مختلف رائیں قائم کی گئی ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے، یہ گم شدہ حلقہ کی خبر دیتی ہے۔ دوسری جماعت کا خیال ہے، یہ ہنری کی کوئی زیادہ اونچی قسم ہے۔ وہ کہتے ہیں، اس کھوپڑی میں پیشانی کا بیحد ابھار اور رخسار کی ہڈیوں کی نوعیت، گم شدہ حلقہ کی نوعیت سے مختلف ہے۔

(۴) سب سے زیادہ قیمتی انکشاف ”وحشی انسان“ کا انکشاف ہے جسکے جسم کی ہڈیاں اور سر کی کھوپڑیاں بکثرت جمع ہو گئی ہیں۔ اسکا جسم اور چہرہ بالکل موجودہ انسانوں کا سا تھا۔ لیکن اسکے جسم پر بکثرت بال تھے۔ ایسے بال جیسے بندر کے جسم پر ہوتے ہیں۔ بعض قدیم سیاحوں نے اسٹریلیا، امریکہ، اور جزائر جنوب میں ایسے زندہ انسان دیکھے بھی ہیں۔

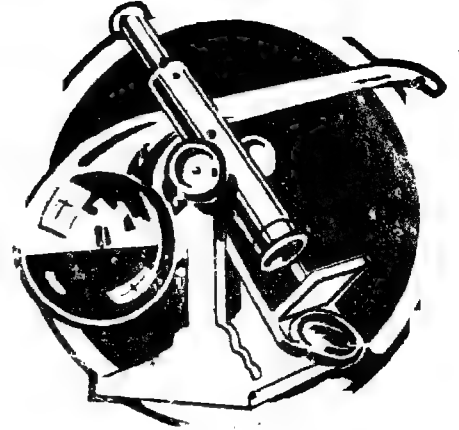
(۵) آخری انکشاف پروفیسر ڈارٹ کا مشہور انکشاف ہے جو سنہ ۱۹۲۵ء میں ہوا۔ پروفیسر مرصوف کورٹاگس میں ایک بالکل نئی قسم کی کھوپڑی ملی ہے جو پچاس قدم سے زیادہ زمین کے اندر مدفون تھی۔ یہ کھوپڑی تمام پچھلے آثار سے کہیں زیادہ گم شدہ حلقہ کا اذعان پیدا کرتی ہے۔ اسکے تمام حصے موجودہ انسان کی کھوپڑی جیسے ہیں۔ البتہ منہ کا نچلا حصہ بہت زیادہ باہر نکلا ہوا ہے، اور یہ بات عام وظائف اعضاء میں طے پاچکی ہے کہ انسانی چہرے کا نچلا حصہ ابتدا میں ایسا ہی ابھرا ہوا تھا۔ پھر وہ تدریج گھٹتے گھٹتے موجودہ تناسب تک پہنچ گیا۔



کورتاگس سے جو کھوپڑی ملی ہے، زندگی میں وہ ایسا چہرہ رکھتی ہوگی، جیسا اس تصویر میں دکھایا گیا ہے۔



# مذاکرہ علمیہ



مفقودہ“ قرار دیا جا سکے۔ تاہم علماء حیوانات و تشریح کا خیال ہے کہ قرائن و آثار بہت حد تک تشفی بخش ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ انکی بحث و فحص سے کم شدہ حلقہ کا مسئلہ حل ہو جائے۔

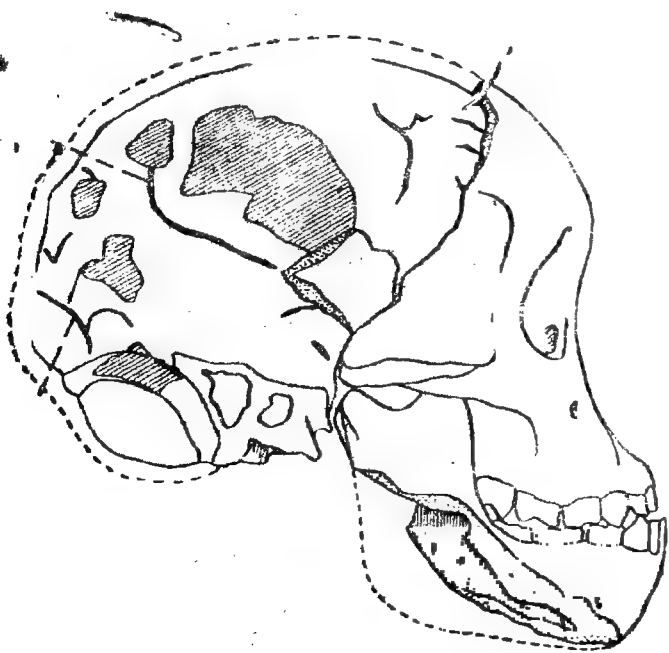
حال میں امریکہ کے بعض علماء حیوانات نے اس قسم کا مراد یک جا کر کے ان کی نوعیت پر نہایت دلچسپ نظر ڈالی ہے۔ ہم اس کا مختصر خلاصہ قارئین الہلال کی معلومات کے لیے درج کر دیتے ہیں۔

یہ امریکن پروفیسر (جس کا نام ڈاکٹر رھائٹ ہے) لکھتا ہے :

”گزشتہ دس سال کے اندر جو انکشافات ہوئے ہیں، وہ سلسلہ بحث کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ علم کی احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ اظہارِ رُتق میں جلدی نہ کی جائے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوتا، تو یہ انکشافات اپنی موجودہ حالت میں بھی اتنے واضح ہیں، کہ کہا جا سکتا تھا، کم شدہ حلقوں کا سراغ مل گیا ہے۔

اس رقت سب سے زیادہ قوی قرائن رکھنے والے آثار پانچ ہیں :

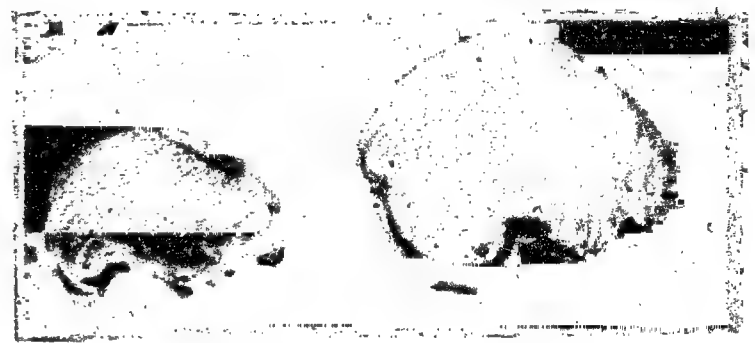
(۱) انسان ہڈی برگ : یہ ایک کھوپڑی ہے جو جرمنی کے مندرجہ بالا مقام میں ملی تھی۔ تشریحی تحقیقات کے بعد ثابت ہو گیا ہے کہ یہ نہ تو موجودہ انسان کی کھوپڑی ہو سکتی ہے، نہ کسی جانور کی۔ یہ ضرور ایک تیسری اور درمیانی قسم ہے۔



وہ کھوپڑی جو ٹرنکس میں ملی ہے، اور جسکی نسبت خیال کیا گیا ہے کہ کم شدہ حلقہ کی کھوپڑی ہے

## نظریہ ارتقا کا کم شدہ حلقہ

کیا حلقہ مفقودہ مل گیا ہے ؟



قربلا کا دماغ

انسان کا دماغ

نظریہ ارتقا کے ”حلقہ مفقودہ“ سے مقصود وہ ذہنی حیوان ہے جسکی نسبت خیال لیا جاتا ہے کہ انسان کی موجودہ شکل اور ہیئت کے ارتقا سے پہلے زمین پر موجود تھا۔ وہ انسان میں جو سلسلہ ارتقا کی آخری کڑی ہے، اور ترقی یافتہ جانوروں میں، جو ہیئت انسانی سے بہت زیادہ قرب رکھتے ہیں، درمیانی بروز تھا۔

اس نظریہ کے قائلین کا خیال ہے کہ بندر کی ترقی یافتہ قسمیں مثلاً گورلا، اس قسم کی مخلوق ہیں جنکی ظاہری ہیئت جسمانی بنارت، تشریحی نظام، اور اعضاء معنوی کے وظائف و خواص انسان سے بہت زیادہ قرب اور ملتے جلتے ہیں۔ لیکن اسدرجہ قرب اور قسائل نہیں ہے کہ آسکے بعد ہی انسان کا وجود آجاء۔ ضروری ہے کہ درمیان میں کوئی ایک یا ایک سے زیادہ کڑیاں رہی ہوں اور وہاں ”جانور“ کی سرحد ختم ہوئی ہو اور ”انسان“ کی حدرد کا آغاز ہوا ہو۔ چونکہ عام الحیوانات کی موجودہ اور مدون معلومات میں کوئی ایسا مخلوق موجود نہیں ہے، اسلیے انہیں اسکی جستجو ہوئی۔ اور اسکا نام ”حلقہ مفقودہ“ یعنی کم شدہ حلقہ قرار پا گیا۔ علماء عام الحیوانات نصف صدی سے اس کم شدہ حلقہ کی جستجو میں ہیں۔ آثار قدیمہ اور عام طبقات الارض کی تحقیقات کے سلسلہ میں بارہا اس طرح کی چیزیں دستیاب ہوئیں کہ خیال ہوا، کم شدہ حلقہ کا سراغ مل گیا ہے، لیکن پھر مطالعہ و تفحص سے اس خیال کی تصدیق نہ ہو سکی۔

لیکن سنہ ۱۹۲۰ء سے بعض نئے انکشافات پے درپے ہو رہے ہیں اور انہوں نے ایک نیا مراد بحث پیدا کر دیا ہے۔ اگرچہ ان میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے علمی رُتق کے ساتھ ”حلقہ

سائنس نے یہ بات دریافت کر لی ہے کہ آفتاب کی حرارت اس کے احتراق (جلیے) کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہی حال ریڈیم کا بھی ہے۔ اس کی حرارت احتراق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شبہ کچھ احتراق بھی ہوتا ہے مگر اس قدر کم کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ پھر یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ ریڈیم کی قوی النفوذ شعاع "گاما" سورج کی شعاعوں سے بہت مشابہ ہے۔ پس کیا یہ ممکن نہیں کہ آفتاب کی یہ شعاعیں جو ہم تک  $2.0 \times 10^{10}$  میل مسافت طے کر کے منظم شکل میں پہنچتی ہیں، دراصل ریڈیم کی "گاما" شعاعیں ہی ہوں؟ بہت ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ دنیا بھر کے سائنس دان اس وقت اس اہم مسئلہ پر غور و بحث کر رہے ہیں۔

ٹھیک اسی معقول اور علمی طریقہ پر زمین کے اندر بھی گرم مادوں، مثلاً آتش فشاں لڑا اور کھولتے اور گرم معدنی چشموں وغیرہ کا اصلی سبب بھی ریڈیم ہی قرار دیا جا رہا ہے۔ تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ ممکن ہے چند سال بعد اس باب میں علم کوئی قطعی رائے قائم کر سکے، اور وہ حقائق اچانک دنیا کے سامنے آجائیں جو اب تک قدرت کے سر بستہ راز سمجھے جاتے تھے۔

پھر یہ بھی ایک عجیب بات ہے، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ ریڈیم اگرچہ مسلسل حرارت و قوت پیدا کرتا رہتا ہے، مگر خود اس کے جوہر میں کوئی نمایاں کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک گرام ریڈیم سال بھر میں  $11,400,000$  وزن حرارت پیدا کرتا ہے۔ یہ حرارت تقریباً تیرہ سینٹر منجمد برف کو پگھلا کر کھولا دے سکتی ہے۔ مگر اس سے خود ریڈیم میں صرف  $1/500$  کی کمی لاحق ہوتی ہے جو بہ منزلہ عدم ہے۔ تاہم کمی ضرور ہے، اور ایک بہت بڑی مدت کے بعد وہ اس بیش قیمت جوہر کو حقیر دھات کی شکل میں تبدیل کر دے سکتی ہے۔ علماء کا خیال ہے، "ریڈیم اپنی خصوصیات سے محروم ہونے کے بعد سیسہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس تبدیلی کے لیے کم سے کم  $3,400$  برس کا زمانہ گزرنا چاہیے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ مثلاً جو ریڈیم زمین میں  $1000$  برس قبل از مسیح سے موجود ہے، وہ اب تک ریڈیم ہی ہے۔ سیسہ نہیں ہوا ہے!

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ریڈیم ایک بالکل مختلف مادے سے کیمیائی طریق پر تبدیل ہو کر اپنی شکل میں آتا ہے۔ اس تبدیلی کا تصور قدیم حکماء کو بھی ہو گیا تھا۔ وہ اپنی عقل کے زور سے خیال کرتے تھے کہ تمام دھاتیں سونے کی شکل میں تبدیل کی جا سکتی ہیں اور ان دھاتوں سے اکسیر حیات طیار ہو سکتی ہے۔

ریڈیم کی تئوں، علماء کی نظر میں نہایت ہی حیرت انگیز معما ہے۔ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ ریڈیم کا مرورث اعلیٰ یا اصل اورانیئم ہے۔ اس اورانیئم میں تین بڑی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ علماء نے ان تبدیلیوں کے تین نام رکھے ہیں: اورانیئم س ۱، اورانیئم س ۲، اورانیئم س ۳۔ آخر الذکر تبدیلی کے بعد اورانیئم "یورینیم" ہو جاتا ہے، پھر یورینیم ترقی کر کے ریڈیم ہو جاتا ہے۔ ریڈیم میں تزلزل ہوتا ہے تو وہ پلے پورینیم ہوتا ہے، پھر سیسہ بن جاتا ہے۔ اورانیئم اور سیسہ کے مابین اصلی ذرے ۱۶ ہیں۔ یورینیم تبدیلی کے لیے کم از کم  $4,000,000,000$  سال درکار ہوتے ہیں۔

برخلاف اس کے شعاع "بیٹا" اس سے دس گنی زیادہ تیز ہے، یعنی ہر سکند میں  $2,000,000$  میل کی سرعت رکھتی ہے۔ گویا آفتاب کے نور کی طرح تیز رفتار ہے۔ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ شعاع جلد میں نصف انچ تک گہری اتر جاتی ہے، اور شیشہ، ایلومینیم، اور سیدھے کی پتلی چادروں کو بھی توڑ کر  $1/12$  انچ گہرائی تک چلی جاتی ہے!

تیسری شعاع "گاما" شعاع ایکس (ایکس راز) سے بہت مشابہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کی مثبت لہر X (ایکس) سے طول میں کم ہے۔ لیکن یہ شعاع نفوذ و سردی کی بہت بڑی قوت رکھتی ہے۔ سیدھے کی بارہ انچ موٹی تختی کو بھی توڑ کر نکل جاتی ہے!

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تحقیق یہ ہے کہ "شعاع الفا" پھوٹنے کے بعد نامعلوم طریقہ پر اپنے اندر دو منفی کهرائی لہروں جمع کر لیتی ہے، اور یہ لہروں بالآخر ہیلیم (Helium) کے ذرے بن جاتی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ریڈیم سے ہمیشہ ایک اور مادے کا فوارہ بھی چھوٹتا رہتا ہے۔ یہ مادہ ریڈیم سے مختلف ہے۔ اتنا مختلف، جتنا کوئی مادہ کسی دوسرے مادے سے مختلف ہو سکتا ہے۔

(سورج اور ریڈیم)

درحقیقت یہ عجیب بات ہے کہ خود ریڈیم کے اندر ہیلیم بالکل موجودہ نہیں ہے۔ تاہم کسی مخفی سبب سے اس کے ذرے ریڈیم سے برابر ہوتے رہتے ہیں!

یہی بات دیکھ کر علماء کا خیال اس سب سے زیادہ حیرت انگیز حقیقت کی طرف منتقل ہوا کہ کائنات کا قیام دراصل صرف کهریا یا بجلی کی قوت پر ہے۔ اسی سے کائنات کے اس سب سے زیادہ مخفی اور عجیب راز کی تحقیقات کا دروازہ کھلا جس کا تصور بھی کبھی انسان نہیں کر سکتا تھا۔ یعنی آفتاب کی روشنی، حرارت، اور قوت کے سرچشمے کا انکشاف ہوا۔

آفتاب میں ہیلیم کا وجود، زمین میں اس کے وجود کی تحقیق سے پہلے ہی معلوم کر لیا گیا تھا۔ اسپیکٹروسکوپ کے ذریعہ پتہ چل گیا تھا کہ آفتاب کے ہالے میں ہیلیم کی بہت بڑی مقدار موجود ہے۔ وہ عظیم الشان ہالے سورج کے گرد حلقہ بنائے قائم ہے اور خلا میں لاکھوں میل تک اپنی آتشی زبانیں پھیلائے ہوئے ہے!

ریڈیم کا طلسم یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ آفتاب کے آتشی ہالے میں ہیلیم کا وجود کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خود آفتاب کے اندر بھی ریڈیم سے لبریز خزانے موجود ہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب کا تمام نور، حرارت، اور قوت، اسی ریڈیم کا کرشمہ ہو؟

اگر ایک گرام ریڈیم سے اتنی حرارت پیدا ہوتی ہے کہ  $4/3$  گھنٹہ میں ایک گرام یخ کو پگھلا کر کھولا دیتی ہے، تو آفتاب میں ریڈیم کا خزانہ کتنی سخت حرارت پیدا کرتا ہوگا؟

اس کا اندازہ کرنے کیلئے اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ آفتاب کا وزن

.....  
یعنی زمین سے  $3,300,000$  گنا زنی ہے۔ ظاہر ہے، اتنے بڑے کھرے میں کتنا بڑا خزانہ ریڈیم کا موجود ہوگا جو آفتاب کی اس مہین المہرل روشنی، گرمی، اور قوت کا منبع ہے!



(۱) رنگ (یا قوت) ریڈیم کے اثر کو دیکھا جائے تو ہمیں اسے زمرہ بن جاتا ہے۔ نقلی اور مصنوعی نہیں۔ تحقیقی، بیش قیمت زمرہ ۱۔

اس عجیب و غریب اثر کو چیز "ریڈیم" کا خاصہ کیا ہے؟ مختصر جواب یہ ہے کہ "شعاعی قوت" - شعاعی قوت کے کیا معنی ہیں؟ ٹھیک تھی جو ان دو لفظوں سے سمجھ جاتے ہیں۔ یعنی شعاعوں کی شکل میں قوت۔ مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ (ریڈیم کا انکشاف)

حیرت انگیز ریڈیم کا انکشاف اس طرح ہوا کہ سنہ ۱۸۹۵ء میں مشہور فریچ سائمنس داں ہنری بکریل ایلی علمی تحقیقات میں مصروف تھا۔ فوسفورسی روشنی کے تجربے کر رہا تھا۔ اچانک اسے دیکھا، ایک خاص عنصر "اور انیم" کے اجزاء فوٹو گرافی کی تختی پر تاریکی میں اثر ڈال رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر سیاہ کاغذ سے چھپا دیا جائے، جب بھی انکا لائر پہنچ جاتا ہے۔ اس پر اسے بڑی حیرت ہوئی مگر ریڈیم کی طرف رہنمائی نہ ہو سکی۔ البتہ علمی دنیا نے یہ تسلیم کر لیا کہ اور انیم میں شعاعی قوت موجود ہے، اور اس سے کام لیا جانے لگا۔ چنانچہ اس وقت سے شیشہ اور چینی کے ظروف رنگے میں اکسائڈ اور انیم برابر استعمال ہونے لگا ہے۔

اسکے بعد ایک نوجوان پولش خاتون میڈم کوری نے اور انیم کے مخفی خواص کی پیرس میں تحقیقات شروع کی۔ اسے بہت جلد معلوم کر لیا کہ یہ شعاعی قوت والا مادہ، خود اور انیم نہیں ہے، بلکہ کوئی اور عنصر ہے اور اکسائڈ اور انیم سے ملا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر اسے یہ مادہ تحلیل کرنا اور مختلف قسم کے تجزیوں سے بار بار دھونا اور صاف کرنا شروع کیا۔ اب اسکی حیرت و مسرت بے حساب تھی۔ کیونکہ تحلیل کے بعد جو مادہ باقی رہ گیا تھا، اسکی شعاعی قوت برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اسکے بعد وہ الکٹروسکوپ کی مدد سے تین ارنس ایک نیا عنصر حاصل کر لیں۔ یہ کامیاب ہو گئی۔ یہ عنصر اور انیم سے بھی ساکت تھا زیادہ سخت تھا۔ فوراً اس مادہ کے چند کیمیائی خواص بھی دریافت ہو گئے۔ اسے بڑے فخر و مباهات سے اپنے عظیم انکشاف کا اعلان کر دیا، اور اپنے وطن کے نام پر اسکا نام "پولونیم" رکھا۔ یہ "پولونیم" ریڈیم کے انکشاف کی طرف عملی قدم تھا۔ تین سال کی مزید تحقیقات کے بعد اسی خاتون نے اعلان کیا کہ اکسائڈ اور انیم میں شعاعی قوت کا اصلی سرچشمہ اسے دریافت کر لیا ہے۔ اسی سرچشمہ کا نام بالآخر "ریڈیم" پڑا۔ اور آہستہ آہستہ اسے مزید خواص معلوم کیے گئے۔

اسکے بعد سرائسٹ آرٹھر فورڈ نے دریافت کیا کہ ریڈیم کی شعاعیں تین قسم کی ہیں۔ چنانچہ یونانی ابجد کے تین ابتدائی حروف پر انکے نام رکھے گئے۔ پہلی شعاع کا نام "الف" دوسری کا "بیٹا" تیسری کا "گاما"۔

(ریڈیم کے خواص)

پھر تحقیقات سے ثابت ہوا کہ پہلی شعاع "الف" مشعع کربائی لہروں کا مجموعہ ہے۔ وہ اس قدر تیز رفتار ہے کہ ہر سو فیٹ میں ۲۰۰۰۰ میل حرکت کرتی ہے۔ یعنی توپ کے گولے سے بھی زیادہ ۴۰۰۰۰ مرتبہ زیادہ تیز رفتار ہے۔ لیکن یہ شعاع نفوذ کرنے کی زیادہ قوت نہیں رکھتی۔ شیشے کی نہایت رقیق تختی جانے والی ہے اسے رک دیا جا سکتا ہے۔

کے لیے کم از کم ۵۰۰ گن دوسرے کیمیائی اجزاء درکار ہونگے۔ ۱۰۰۰ گن پتھر کا گولہ خرچ ہوگا۔ ۱۰۰۰ گن مقطر پانی لگے گا۔ ایک مہینہ تک ۱۵۰ - مزدور کام کریں گے۔ پانچ ہفتے ماہرین کیمیا کی ایک بڑی جماعت کو صرف کرنا ہونگے۔ پھر اس کے بعد مزید چار مہینے اسے کار آمد بنانے میں لگیں گے۔ ان تمام کوششوں، محنتوں، از کثیر مصارف کے بعد، شاید ایک گرام ریڈیم دستیاب ہو سکے۔ اگر کانگو کی یورپی کان سے فائدہ اٹھایا جائے، تو بھی زیادہ سے زیادہ نصف اونس ریڈیم ملنے کی امید ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس تمام درد سہی کے بعد ریڈیم کی موجودہ مقدار میں یعنی تقریباً دو چھٹانک میں صرف تیس گرام کا اور اضافہ ہو جائیگا!

(ریڈیم کی نوعیت)

آخر ریڈیم ہے کیا چیز جس کی جستجو میں سارا عالم سرگرداں ہو رہا ہے، اور جس کی منج و ثنا میں دنیا کے تمام علماء طب اللسان ہیں؟

ماہر کیمیا سے بوجہ - وہ بڑے جوش سے جواب دے گا۔ "ریڈیم اگرچہ بڑے، تانبے، توتیے کی طرح ایک دھات ہے، مگر سب دھاتوں سے زیادہ رومی ہے، حتیٰ کہ سسے سے بھی زیادہ۔ سب دھاتوں سے زیادہ قیمتی ہے، حتیٰ کہ سونے جاندی بلکہ لعل اور الماس سے بھی زیادہ۔ ریڈیم، نیچر کے خزانے کا سب سے زیادہ بیش قیمت جواہر ہے۔ یہی وہ یاس ہے جس کے عشق میں قدیم فلاسفہ اور حکماء گمراہ ہو رہے تھے، اور سمجھتے تھے، اس کے ذریعہ ہر دھات سونا بن جا سکتی ہے!"

ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ اسے بھی قصیدہ خواں بنو گے۔ وہ کہے گا "یہی وہ اکسیر حیات ہے جس کی مندوں سے تلاش تھی۔ یہ عنقریب دنیا کی جملہ بیماریوں کا تریاق بننے والا ہے"

سائنس دان سے سوال کرو۔ فوراً بول اٹھے گا "یہ سب سے زیادہ عجیب چیز ہے جو دنیا نے دیکھی ہے۔ یہ اسی کے خواص کی برکت ہے کہ ذراتی ترکیب (ایٹم) کا نظریہ قائم ہو سکا ہے جو عنقریب تمام علوم میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا"

عالم طبقات الارض (جیالوجی) سے مخاطب ہو۔ وہ فوراً کہے گا "ریڈیم، آتش فشاں پہاڑوں اور زمین کی اندرونی حرارت کا بہترین مفسر ہے"

عالم فلکیات سے دریافت کرو۔ وہ کہے گا "ریڈیم، آفتاب اور ستاروں کے حرارت کا سرچشمہ اور ان کی قوت کا راز ہے"

علم الحیۃ (بیالوجی) کا ماہر تو یہاں تک کہیگا "شاید ریڈیم ہی زندگی کا اصلی منبع ہے"

علم ہندسہ کا عالم کہیگا "اگر ریڈیم کی کافی مقدار حاصل ہو جائے تو انسانی عظیم الشان قوت انسان کے قبضہ میں آجائے جس کا اس وقت تصور بھی مشکل ہے۔ اسے حیرت انگیز آلات ایجاد ہو جائیں جنکے مقابلہ میں موجودہ آلات بالکل ہیچ ہیں۔ وہ آلات اسے معجز العقول کام کر سکیں گے جن کا عشو عشر بھی حال کے آلات سے ممکن نہیں۔ پھر صنعت و خربت میں بھی بالکل نیا پلٹ ہو جائیگی۔ ابھی ریڈیم کی چینی اقلیل مقدار موجود ہے، وہی بے شمار فوائد پہنچا رہی ہے۔ اسکا ایک انہی کرشمہ یہ ہے کہ اس سے ایک ایسا رغن ایجاد ہو گیا ہے جو کھڑکی کی سرنگوں، یعنی اور ہوائی جہازوں کے آلات، اور برقی کنکھیاں، اندھیری راتوں میں روشن رکھتا ہے۔ قیمتی جواہرات اس سے طیار ہر جاتے ہیں۔ انوکھ مدد کے لیے سفینے

## مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شہسیتین

”دنیا میں ہر شخص کا ایک کام ہوتا ہے۔ میرا کام یہی ہے کہ میں تلخ مگر مفید سچائی عوام پر ظاہر کروں۔ جہاننگ میری استطاعت میں تھا، میں نے انسانیت، شرافت، اور رواداری کی دعوت دی ہے۔ اگر دنیا نے نہیں سنا، تو یہ میرا قصور نہیں ہے۔ میں نے اپنے لیے ایک قاعدہ بنا لیا ہے۔ میں عالمگیر سچائیوں کا ساتھ دوں گا۔ میں کسی پر الزام نہیں لگاتا، کسی کی تضعیک نہیں کرتا، کسی معین شخص پر حملہ نہیں کرتا۔ میرا حملہ انسانوں پر ہے۔ میں کسی خاص فعل کو برا نہیں کہتا۔ میں شر کو برا کہتا ہوں“ (روسو)

ہے۔ یہ مجموعہ اسقدر دلچسپ اور گوناگون معلومات سے لبریز ہے کہ ضرورت ہے، کم از کم ایک در تحریریں روسو کے مکاتیب پر بھی لکھی جائیں۔ اگر یہ لکھی جاسکیں تو یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی۔

انقلاب فرانس کے دماغی ارکان دراصل از منہ وسطی (میڈل ایجز) کے کلیسائی اور شاہی استبداد کا رد فعل تھے۔ اس لیے ناگزیر تھا کہ پچھلے افراط کے مقابلہ میں ایک نئی تفریط پیدا ہو جائے۔ والتیر، روسو، اور دیگر ذہن و عقل کی اسی تفریط کی مخلوق ہیں۔ انکی ذہنی روح تعمیر سے نہیں بلکہ تخریب کے ہیجان سے پیدا ہوئی۔ وہ اثبات کے نہیں، نفی کے راعظ تھے۔ مسیحی کلیسا کے جمود اور شاہی نظام کے استبداد کے ”اثبات“ اور ”اعتقاد“ کا جو غلہ پیدا کر دیا تھا، اس نے اس رد فعل میں ”نفی“ اور ”شک“ کا اغراق پیدا کر دیا۔ یہ بلاشبہ اُس زمانے کی طبیعت کا قدرتی مقتضی تھا۔ پچھلی ”تعمیر“ کی درسنگی کیلئے ایک نئی ”تخریب“ کی ضرورت تھی۔ انہوں نے کلیسائی اور شاہی جمود کا بت توڑ دیا۔ لیکن جیسا کہ قاعدہ ہے، اس بت شکنی میں وہ خود بھی ایک نیا بت کدہ بنا گئے۔ اور اس کے لیے پھر دنیا کو ایک نئے بت شکن کا انتظار ہے!

بہر حال انقلاب فرانس کے مبادیات پر یہ جدید نقد و نظر، اس سلسلہ کی اصلی چیز ہوگی۔ جو مولانا ابوالکلام کے قلم سے نکلی ہے، اور اُن کے قید خانہ کے مسودات میں سے ہے۔

ایک مرتبہ ایک مجلس میں انگریزی علم ادب کا غیر معمولی انسان اور انقلاب فرانس کا سب سے بہتر واقع نگار، کارلائل موجود تھا۔ لوگ حکما کی خیالی نقشہ آرائیوں پر بحث کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ”اجتماع و معاشرت کے انقلابات کے نقشے ایک دل خوش کن تخیل سے زیادہ نہیں ہیں“ جونہی اس رائے زنی کی بھٹک کارلائل کے کانوں میں پڑی، اُس نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا:

”حضرات کچھ عرصہ گزرا، اس دنیا میں ایک شخص تھا۔ روسو۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی۔ جب یہ کتاب شایع ہوئی تو بہت سے آدمیوں نے اُس کی ہنسی اڑائی۔ لیکن جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا، تو اُس کی جلد باندھنے کے لیے انہی لوگوں کے جسم کا چمچ استعمال کیا گیا تھا، جنہوں نے اس کی ہنسی اڑائی تھی!“

## انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

JEAN JACQUES ROUSSEAU

یہ سلسلہ سرزم کرتے ہوئے گذشتہ نمبر میں ہم نے والتیر کے مختصر حالات درج کیے تھے۔ اور لکھا تھا کہ آئندہ نمبروں میں اُس کے اجتماعی اصول و مبادیات پر ایک مقالہ شائع کیا جائیگا۔ پھر اس پر نقد و تبصرہ کیا جائیگا۔ لیکن پھر ہمیں خیال ہوا کہ اس ترتیب کی جگہ یہ ترتیب بہتر ہوگی کہ پہلے ان تینوں ارکان انقلاب کے مختصر حالات و افکار شائع کر دیے جائیں۔ پھر اُن کے اصول و مبادیات کا خلاصہ دیدیا جائے۔ اُس کے بعد بہ یک دفعہ اُن پر نقد و تبصرہ کیا جائے۔ چنانچہ آج روسو پر ایک مختصر تعرییر شائع کی جاتی ہے۔ یہ غالباً دو نمبروں میں ختم ہو جائیگی۔ اس کے بعد فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا اور اس کے مصنفین کے حالات و افکار پر نظر ڈالی جائیگی، اور اس کی اشاعت کے بعد نقد و تبصرہ کا سلسلہ شروع ہوگا۔ حال میں ایک نہایت قیمتی مجموعہ روسو کے تمام مکاتبات کا بھی پیرس سے شائع ہو رہا ہے۔ تین جلدیں گذشتہ سال شائع ہو چکی تھیں۔ چوتھی جلد پچھلی ذاک سے ہندوستان پہنچی

جو لوگ ریڈیم کے علاج میں مشغول رہتے ہیں، وہ اپنی حفاظت سے کی صدیاں پہنکر کر رہے ہیں۔ تاہم انکی صحت کو آخر کار سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ریڈیم کی شعاعیں براہ راست کوئی تکلیف نہیں پہنچاتیں۔ لیکن آہستہ آہستہ خون کے سفید اور سرخ ذریعے بگاڑ دیتی ہیں۔ خون کا دباؤ ہلکا کر دیتی ہیں۔ اکثر خون میں کمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ناخن بد صورت اور آنکھ گرد کی کھال کھری اور موٹی ہو جاتی ہے۔ چہرہ اور ہاتھوں کی جلد میں بھی التهاب پیدا ہو جاتا ہے۔

ریڈیم کی ابھی جتنی مقدار حاصل ہوئی ہے، وہ تمل مریضوں کے علاج کیلئے بالکل نا کافی ہے۔ تاہم اسے نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا گیا ہے، اور ایسے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں کہ اسکا نفع زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے۔ ریڈیم کی شعاعی قوت کا گیس چھوٹی چھوٹی نلیوں میں اس طرح بند کیا گیا ہے کہ اس سے علاج میں کام لیا جاسکے۔ ہر نلی ۱۸ - ۲۰ - ریبہ میں فروخت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ چار دن تک کام دیتی ہے۔ یہ نلی بیمار کے جسم میں اسی طرح داخل کر دی جاتی ہے، جس طرح انجکشن کی سوئی داخل کی جاتی ہے۔

اس وقت کوئی شخص بھی پیشین گوئی نہیں کر سکتا کہ ریڈیم کے آئندہ فوائد آرزو کیا کیا دریافت ہونگے؟ اور کن کن طریقوں پر اسے استعمال کیا جاسکے گا؟ امید کی جاتی ہے کہ سائنس کوئی ایسا طریقہ ایجاد کر سکے، جس سے ریڈیم کے حصول میں آسانی ہو جائے، اور علماء طبقات الارض کا یہ نظریہ ایک دن صحیح ثابت ہو جائے کہ ہماری زمین کے شکم میں سراسر ریڈیم ہی بھرا پڑا ہے۔ اگر کبھی یہ نظریہ صحیح ثابت ہو گیا تو کرن اندازہ کر سکتا ہے کہ انسان کو کتنی قوت، کتنی حرارت اور کس قدر روشنی حاصل ہو جائیگی؟

اگر ریڈیم بگڑ کر سیسہ ہو جاتا ہے تو یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شروع ہی سے زمین میں ریڈیم کی بہت بڑی کمیت موجود تھی؟ اور کیا تمام موجودہ سیسہ اصل میں ریڈیم ہی تھا؟ بہرحال ممکن ہے ایسا ہی ہو، اگر ایسا ہی ہے تو پھر زمین شروع میں اپنی موجودہ حالت سے بالکل مختلف ہوگی۔ شروع میں زمین ایک نہا سا آتشیں کرہ تھی یا خود آفتاب کا ایک چھوٹا سا جزء۔

علم طور پر علماء کا یہی خیال ہے کہ زمین اصل میں ایک آتشیں کرہ تھی اور آفتاب یا کسی دوسرے عظیم کرہ سے کٹ کر جدا ہوئی ہے۔ پہلے زندگی سے بالکل خالی تھی۔ پھر بتدریج سرد ہونے کے بعد زندگی کے تخم سے آباد ہوئی، اور ذی روح کا مسکن بن گئی۔ زندگی کے یہ تخم، ابھی میں پڑے بہہ رہے تھے۔ اگر واقعہ یہی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ زندگی کے یہ تخم اصل میں ریڈیم ہی کے گیس ہوں؟ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ کیونکہ سائنس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ شعاعی قوت کا زندگی کے حقیقی عناصر سے گہرا تعلق ہے۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ بعض بیج ریڈیم کی شعاعوں کے زیر اثر آئے ہی فوراً کونپلیں پیدا کر دیتے ہیں، اور پھر غیر معمولی سرعت و قوت سے بڑھنے لگتے ہیں!

لیکن علماء کا پختہ خیال ہے کہ ریڈیم کی اس کی اصلی اور بے میل شکل میں زیادہ کمیت، زمین کی سطح پر کبھی موجود نہ تھی۔ یہ اسلیئے کہ اس کے کیمیائی خواص اسے تقریباً نا ممکن ثابت کر رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ دوسرے مواد سے مرکب ملتا ہے۔ خالص ریڈیم کا حصول بہت ہی مشکل ہے۔ اگر جاصل ہو بھی جائے تو اسکا اصلی حالت میں محفوظ رکھنا اور بھی مشکل ہوگا۔ کیونکہ وہ ہوا سے جلد متاثر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریڈیم کی عام تجارت اس کے مختلف نمکوں: برومائڈ، کلورائڈ، کاربائیڈ، سلفیٹ کی شکل میں ہوتی ہے۔

(طبی فوائد)

روشنی کے روعنوں کے علاوہ ریڈیم سے طب میں بھی بڑے بڑے کام لیے جا رہے ہیں۔ طب میں اس کے استعمال کی طرف سب سے پہلے سنہ ۱۹۰۱ء میں پیر کوری نامی طبیب کو رہنمائی ہوئی۔ یہ شخص ریڈیم کی دریافت کرنے والی میڈم کوری کا شوہر ہے۔ لیکن ریڈیم کے علاج کا اصلی موجد ہنری ڈومینسی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں اس نے دریافت کیا کہ اگر سیسہ کی تختی میں ریڈیم کی شعاعیں ہر مرتبہ چھان لی جائیں، تو وہ جسم کے ان ریشوں کو زائل کر دیتی ہیں جو سرطانی مادوں سے آلودہ ہوتے ہیں۔ مگر تندرست ریشوں پر ان کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔

اس وقت سے ریڈیم مختلف امراض کے علاج میں استعمال ہونے لگا۔ مثلاً سرطان، طرح طرح کے دم، نفرس، عصبی درد، عرق النساء، ریزہ کا درد، ذیابیطس، خون کی کمی، ہیضہ، ٹیفوئڈ وغیرہ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ریڈیم، ایکس ریز کے جیسے ہے زخم اچھے کر دیتا ہے۔ ٹیفوئڈ، ہیضہ، اور بھیری کے جراثیم قتل کر دیتا ہے۔ معدے کو درست کرتا ہے۔ اشتہا پیدا کرتا ہے، اور ان تمام کیمیائی تبدیلیوں میں مساعد ہوتا ہے جو انسانی جسم میں برابر جاری رہتی ہیں۔

(ریڈیم کے مضر اثرات)

لیکن جہاں ریڈیم کے بے شمار فوائد ہیں، اسی کی مضرتیں بھی ہیں۔ مدت تک ریڈیم کے زیر اثر رہنا سخت نقصان کا موجب ہوتا ہے۔

## الہلال

کا

یہ ۸ - وان نمبر ہے

## لیکن

اس وقت تک ضرورت باقی ہے کہ توسیع اشاعت کی طرف آپ کو ترجہ دلائی جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا، شاید ہی اسی کوئی دوسری نظیر اردر اخبارات میں مل سکے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے، اور قیمت اس کے مقابلہ میں بہت کم۔ اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے۔ یا اتنی وسیع اشاعت ہونی چاہیے کہ اس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہو جائے۔

پھر تربیت کی کتاب لکھتا ہے - مگر سراسر الحاد کی دعوت دیتا ہے !

آگے چلکر آسقف نے روس کی کتاب ”تربیت“ پر اعتراض کیے ہیں اور اس پر زور دیا ہے کہ یہ ”دعوت الحاد“ ہے - یہ کتاب آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے - اسمیں جس ”الحاد“ کی دعوت دی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ کہتا ہے : ”بچہ کی دماغی تربیت و تعلیم ایسی ہونی چاہیے کہ وہ خود اس قابل ہو جائے کہ دین حق کی معرفت پیدا کر سکے“ اور اسے تقلید و رسوم کی بنا پر نہیں بلکہ فہم و بصیرت کے ساتھ منتخب کرے - ہمیں اس بات سے احتراز کرنا چاہیے کہ اسے کوئی ایسی دماغی جگر بندی کی تعلیم دیں جس سے اس میں دماغی بصیرت اور مجتہدانہ فکر کی قوت پیدا نہ ہو سکے اور دل و دماغ کسی جاہلانہ تاثیر سے منفعل ہو جائیں - ہمیں اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے کہ اسے دماغ میں کوئی ایسی بات آتار دیں جسے وہ خود اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا“

اس پر آسقف نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے : ”ہمیں اس نظریہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے - لیکن سوال یہ ہے کہ کیا بچہ کو گمراہ ہو جانے کیلئے چھوڑ دینا چاہیے ؟ اگر ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے ہمیشہ فطرۃ کی سچی راہ پر رکھنا چاہیے، تو وہ سچا طریقہ کیا ہے ؟ کتاب تربیت کا مولف بند بند لفظوں میں الحاد کی طرف دعوت دیتا ہے - لیکن ہم فطرت کے سچے طریقے یعنی مسیحیت کو پیش کرتے ہیں - درحقیقت دین مسیحی فطرتی دین ہے - فطرت ہمیشہ اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے - عقل انسانی بجز انجیل کے راستہ کے کوئی دوسری راہ قبول ہی نہیں کر سکتی - یہ اس لیے کہ انجیل کا دین فطرت اور عقل کا دین ہے !“

روس آسقف کی تمام تشریحات برداشت کر لے سکتا تھا، لیکن یقیناً اس بات کی برداشت اُسکی طاقت سے باہر ہو گئی کہ ”مسیحیت فطرۃ کی سچائی ہے“ اور وہ ”فطرۃ اور عقل کے دین کی طرف رہنمائی کرتی ہے“ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پر جوش آسقف اور اس کے تمام ہم مشرب جس ”مسیحیت“ اور ”انجیل“ پر عامل تھے اور اُسنی دعوت دے رہے تھے وہ ”کلیسا“ اور ”پوپ“ کی ”مسیحیت“ تھی - نہ کہ مسیحیت کی چلے عہد کی سادہ اور بے میل مسیحیت - امریکن مصنف ڈریپر کے لفظوں میں ”اٹھارویں صدی کے تمام اجتماعی انقلابات غیر ضروری ہو جائے“ اگر کلیسا اور پوپ کی نمائندگی کی جگہ مسیحیت اور مذہب کی کوئی دوسری نمائندگی وجود میں آ سکتی“

در اصل ازمنہ وسطی سے مسیحیت کا جو جہل پرور اور مستبد مزاج پیدا ہو گیا تھا، اسکا قدرتی رد فعل والتیر اور روس کا انکار اور کفر تھا !

اسکے بعد آسقف کہتا ہے ”اگر دین مسیحی ہی وہ سچا طریقہ ہے جسکے سوا فطرت انسانی کوئی دوسری راہ تصور ہی نہیں کر سکتی - تو پھر روس کا دینی تعلیم و تربیت پر نکتہ چینی کرنا بجز اسکے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ مخلوق کو ہدایت سے ہٹا کر ضلالت کی طرف بلا رہا ہے !“

روس نے کہا تھا ”ہر بچہ جو اپنے بچپن میں خدا پر ایمان رکھتا ہے، ایک طرح کا بت پرست ہے“ اور خدا کو انسان کی

آخری عہد مصائب کی یادگار ہیں - انہیں سب سے بلند درجہ اسکے ”مکالمات“ اور ”اعترافات“ کو حاصل ہے - ان سے بھی بڑھکر اُسکی وہ تحریریں ہیں جو آسقف پیرس کے آسقف (لات پادری) اور جنیوا کی حکومت کے جواب میں لکھی تھیں -

(روس اور کلیسا کا معرکہ)

اس جنگ میں کون فتح مند رہا : روس یا اس کے دشمن ؟

اسکا جواب مدت ہوئی خود زمانہ دے چکا ہے ! زندگی میں اسکے لیے دنیا چار بالشت زمیں کا گوشہ بھی مہیا نہ کر سکی، لیکن اسکے مرنے کے بعد یورپ کا تمام براعظم اپنے ذہن و فکر کا صرف ایک ہی حکمراں رکھتا تھا، اور وہ یہی معتبور عالم ”روس“ تھا !

لیکن آج ہمیں روس کی زندگی پر تبصرہ کرنا نہیں ہے - روس کی زندگی پر تبصرہ رسائل کے مقالات میں نہیں، ضخیم کتابوں میں ہو سکتا ہے - آج ہم صرف اُسکی فکری اور قلمی معرکہ آرائیوں میں سے ایک خاص معرکہ دکھانا چاہتے ہیں - یہی اسکے قلم کے معرکے ہیں جو تھوڑے عرصے کے اندر انقلاب فرانس کے خونیں معرکوں کی شکل میں مبدل ہو گئے - یہ معرکہ اس میں اور پیرس کے آسقف کے درمیان واقع ہوا تھا - بلکہ یوں کہنا چاہیے علم و عقل کے نئے ظہور اور مسیحی کلیسا کے قدیم جہل و جمود میں ہوا تھا - ہم اختصار پر مجبور ہیں -

(آسقف کا بیان)

آسقف نے اپنا بیان اس اسسوس کے ساتھ شروع کیا ہے کہ فرانس میں کفر اور الحاد پھیلتا جاتا ہے - پھر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ صورت حال، قرب قیامت کی علامت ہے جیسا کہ پولس رسول نے پیشین گوئی کی ہے - پھر اس مقدس مگر ہولناک تمہید کے بعد وہ روس پر پے در پے حملے شروع کر دیتا ہے :

”یہی وہ الحاد ہے جسے ایک شخص (یعنی روس) نے اپنی کتاب ”ایمل“ Emilius میں پیش کیا ہے - اس شخص نے گناہ میں نشور نما پائی ہے - وہ ایک ایسی زبان بولتا ہے جو فلاسفہ کی زبان ہے - مگر وہ خود فلسفہ سے تہی دست ہے - یہ ایک ایسا ذہن ہے جس میں معلومات بے ترتیبی سے ٹیونس دیے گئے ہیں - مگر وہ ہنوز تاریک ہے - اور صرف اپنی تاریکی ہی پر قانع نہیں ہے بلکہ دوسرے دلوں میں بھی تاریکی اُتار رہا ہے - یہ ایک ایسی طبیعت ہے جو عجیب و غریب افکار کی دلدادہ اور مجہول راستوں کی شیفٹہ ہے - اس میں اخلاق کا افلاس اور فکر کی ثروت، دونوں بیک وقت جمع ہو گئی ہیں - ایک طرف اُسے متقدمین کے اصول سے شغف ہے، دوسری طرف عقلی بدعتوں کی ایجاد کا جنون ہے - وہ خلوت پسند بھی ہے اور شہرت پسند بھی - علم کی محبت کا بھی دعویٰ رکھتا ہے اور علم کی عداوت کا بھی علم اٹھائے ہے - انجیل کے کمال کا بھی اعتراف کرتا ہے اور اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بھی کوشش کرتا ہے - فضیلت کی ایسی خوبصورت تصویریں اُتارتا ہے کہ بے اختیار تحسین و آفرین کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے - مگر پھر فوراً ہی فسق و فجور کے پہاڑوں سے اپنی بڑائی ہوئی شاندار عمارت گرا بھی دیتا ہے - یہ نوع انسانی کا معلم بنکر سامنے آیا ہے، مگر الحاد اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں رکھتا - یہ ضلالت کا امام ہے - فساد کا مرشد ہے - شیطان کا پیام بر ہے - تاریکی کا رہبر ہے - اور اس سے بھی کچھ زیادہ ہے - وہ اپنی کتاب میں انسان کو حیوان کے درجہ میں رکھتا ہے - ایک آزر رسالہ میں نفس پرستی کی تبلیغ کرتا ہے -



اور مضمون لکھا، اُس کا مضمون سب سے بہتر ثابت ہوا۔ مجمع علمی نے اس گمنام "عالم" کی قابلیت کا اعتراف کیا۔ اور اُسے مقابلہ کا انعام دیکر ہمت افزائی کی۔ اس طرح دنیا نے پہلی مرتبہ سنا کہ روس، فرانس میں ایک بڑا عالم ہے!

(حکومت اور کلیسا کا متحدہ حملہ)

اب روس پر شہرت کا دروازہ کھل گیا۔ بڑی تیز گامی سے وہ آگے بڑھا، اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم تسلیم کر لیا گیا۔

مگر کیا اس شہرت و عزت سے اُس کی زندگی کی مضائب دور ہو گئیں؟ نہیں، اور زیادہ ہو گئیں۔ پہلے وہ صرف تنگ دستی کا شکار تھا، اب وہ حکومت اور کلیسا کی دشمنی کا بھی شکار ہو گیا۔ جس سے اُس کی تصانیف سوشل کنٹریکٹ، ہلواز، اور امیل نامی شائع ہو گئیں، حکومت اور کلیسا کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا۔ دونوں نے بیک وقت اُس پر یورش کر دی، اور انتقام لینے کیلئے اپنے تمام ہتیار سنبھال لیے!

(مضائب و محن اور خاتمہ)

"امیل" کے شائع ہونے ہی، ۹ جون سنہ ۱۷۹۲ء میں حکومت فرانس نے روس کی گرفتاری کا فرمان جاری کر دیا۔ مجبوراً اُسے فرار ہی میں سلامتی نظر آئی۔ فرانس سے بھاگ کر جنیوا پہنچا مگر یہاں کی حکومت بھی اُس کے لیے فرانس سے بہتر ثابت نہ ہوئی۔ اُس نے بھی اس کی گرفتاری ضروری سمجھی۔ یہ حال دیکھ کر اس نے ہالینڈ کا رخ کیا۔ مگر ہالینڈ بھی ایک ایسے شخص کے استقبال کے لیے طیار نہ تھا۔ اُس نے بھی دار و رسن سے استقبال کرنا چاہا۔ اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اٹلی میں پناہ لے۔ وہ اٹلی پہنچا۔ مگر اٹلی پوپ کا پایۂ تخت تھا۔ وہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کے کفر و انکار پر گرفتاری و قتل کا فتویٰ صادر کر چکا تھا۔ بے بس ہو کر وہاں سے بھی نکلا۔ اور انگلستان کی راہ لی۔ اسے امید تھی کہ انگلستان کے ایک گوشہ میں پناہ حاصل کر سکیگا۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی بے رحم نکلا۔ اب اُس کی مصیبت کا جام چھلک گیا تھا۔

اب یورپ میں اُسے کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔ جہاں چھپتا تھا۔ وہیں دشمن کا ہاتھ دراز ہو جاتا تھا: ضاقت علیہم الارض بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم کے عالم میں مبتلا تھا۔ ابھی یہ مصیبت بڑھتی ہی جاتی تھی کہ ایک دوسری مصیبت بھی شروع ہو گئی۔ یعنی طرح طرح کے جسمانی امراض و آلام نے آگھیرا۔ آخر اسی حالت میں، کہ دنیا اپنی ساری وسعت کے ساتھ اُس پر تنگ ہو چکی تھی، سنہ ۱۷۷۸ء میں انتقال کیا، اور گوشۂ قبر میں پناہ لی!

ان مضائب نے روس کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا؟ کیا وہ ان سے مرعوب ہو گیا تھا؟ کیا اپنے عقائد و افکار سے دست بردار ہو گیا تھا؟ کیا اُس نے اپنے بے پناہ دشمن کے سامنے ہتیار ڈال دیے تھے؟

اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً عیش کی زندگی بسر کرتا۔ مگر صرف زندگی ہی بسر کرتا۔ زندگی کی عظمت حاصل نہ کر سکتا۔ اپنی موت کے ساتھ ہی مرجاتا۔ اُسکی ساری عظمت، اُسکی دماغی قابلیتوں سے زیادہ، اُسکے دل کی مضبوطی میں ہے۔ بلاشبہ وہ اپنا جسم کونے کونے میں چھپاتا پھرتا، مگر اُسکا قلم بے پناہ شمشیر بن کر ہمیشہ دشمن کا قلع قمع کرتا رہا۔ اُسکی بلیغ ترین کتابیں، اسی

یہ ہے یورپ کے اٹھارھویں صدی کی عجیب و غریب شخصیت جان حُکب روس۔ اور یہ ہے اُس کی انقلاب انگیز اور عالم افکن تعلیمات کا ساحرانہ نفوذ، جس کی طرف کارلائل نے ان ضرب المثل بن جانے والے لفظوں میں اشارہ کیا تھا!

نیپولین کہا کرتا تھا "انقلاب فرانس کچھ نہ تھا مگر روس" ایک اور موقع پر اُس نے کہا "روس ہی انقلاب کا باپ تھا" بلاشبہ روس انقلاب فرانس کا باپ تھا، لیکن وہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔ اُس نے صرف فرانس ہی میں نہیں بلکہ اپنے پرے عہد کی عقلی و اجتماعی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کے مبادیات و اصول کو لوگ صحیح سمجھیں یا غلط، لیکن عملی دنیا کا فیصلہ یہی ہوا کہ وہ آئندہ بند کر کے اُس کی رہنمائی پر چل پڑی، اور اُس کے سوا دوسروں کی رہنمائی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اٹھارھویں صدی سے لیکر اس وقت تک دنیا کے قوموں کی حکومتوں میں، ان کی سوسائٹی اور معاشرت میں، اُن کے عقلی اعمال و عقائد میں، ان کے علم و فن کے کار و بار میں، ایک بہت بڑی زندہ حقیقت روس اور روس کے اصول و مبادی ہیں!

(مختصر حالات زندگی)

سنہ ۱۷۱۲ء میں روس جنیوا میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا باپ آئزک روس ایک غریب آدمی تھا، مگر سست، ناکارہ، اور بد اخلاق۔ گھڑیوں کی مرمت کرتا اور عورتوں کو ناچنا سکھا کر پیت پالتا۔ لیکن اُس کی ماں بہت ہی شریف عورت تھی۔ اُس کی شرم و حیاء اور شریفانہ نسوانی جذبات کا تمام سوانح گارڈ نے اعتراف کیا ہے۔ روس میں اپنے ماں اور باپ، دونوں کے اخلاق جمع ہو گئے تھے۔ البتہ بعد میں اُس نے بہت کچھ اصلاح کر لی تھی۔

روس کی ابتدائی تعلیم نہایت ناقص تھی۔ اُسے بچپن ہی سے افسانے اور خیالی قصے پڑھنے کا شوق ہو گیا تھا۔ لیکن اُس کے تمام سوانح نگار تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مطالعہ اُس کے عجیب ذہن کے لیے مضر نہیں بلکہ مفید ثابت ہوا۔

روس ابھی بڑی طرح جوان بھی نہیں ہوا تھا کہ اپنی بڑی کمانے پر مجبور ہو گیا۔ اُس کے والد نے اُسے دستکاری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کئی مقامات میں اُس نے نوکری کی مگر اپنی تنگ مزاجی اور خاص قسم کی طبیعت کی وجہ سے کہیں جم نہ سکا۔ نہ وہ اپنے کسی اقا کو خوش کر سکتا تھا۔ نہ اُس کا کوئی اقا اُسے عظمیٰ کر دینے کی قابلیت رکھتا تھا!

اپنی زندگی کا یہ زمانہ اُس نے سخت مضائب میں گزارا۔ تنگ دستی ہمیشہ اُس کی رفیق رہی۔ بے اطمینانی نے کبھی ساتھ نہ چھوڑا۔ صحبت نہایت خراب تھی۔ سوسائٹی کا سب سے زیادہ بدترین طبقہ اُس کے حصے میں آیا تھا۔

(ترقی و شہرت کا پہلا موقع)

۳۰ سال اس طرح گزر گئے۔ اب تک وہ بالکل گم نام تھا۔ لیکن قدرت کی نظر عنایت اُس پر شروع ہی سے تھی۔ وہ اُسے اپنے مہرہ مضائب پر طیار کر رہی تھی۔

سنہ ۱۷۴۹ء میں اچانک اُس کے اقبال کا ستارا طلوع ہوا۔ فرانس کے ایک علمی مجمع (اکیڈمی) نے ایک موضوع مقرر کیا، اور اہل علم کو اُس پر بحث کی دعوت دی۔ مقابلہ سخت تھا۔ منتخب علماء میدان میں اتر پڑے تھے۔ تاہم روس نے ہمت کی

اس کے شرارے پہنچ جائینگے، اور پوری عربی قوم میں حریت طلبی کی نئی سرگرمی پیدا ہو جائیگی۔ برطانیہ نے خیال کیا، یہ تمام بے چینی صرف اس وجہ سے ہے کہ دروزیوں کی کامیابیوں نے عربوں کے دل بڑھا دیے ہیں اور فرانس کی پیہم شکستوں سے خود برطانیہ کا رعب و داب بھی بے اثر ہوتا جاتا ہے۔ وہ فرانس کی پیت تھوکنے کیلئے طیارہ ہو گئی۔ فلسطین کے برطانوی حکام نے علانیہ فرانس کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھایا، اور اپنی جنگی قوت سے دروزیوں پر دباؤ ڈالنے لگے۔

بد قسمتی سے جغرافیائی اور جنگی حالات نے دروزیوں کو شرق اردن کا سخت محتاج بنا دیا تھا۔ ان پر تمام دروازے بند تھے۔ صرف شرق اردن کا دروازہ کھلا تھا۔ یہیں وہ پناہ لیتے تھے۔ یہیں تازہ دم ہوتے تھے۔ اور اسی راستہ سے انہیں باہر کی مدد بھی مل جاتی تھی۔ برطانیہ کے مخالف ہوتے ہی یہ دروازہ بھی آپر بند ہو گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں سرحدوں پر پریشان بھی کیا جانے لگا۔ اب دروزیوں کو در سلطنتوں سے بہ یک وقت مقابلہ کرنا پڑا: فرانس اور برطانیہ۔ یہ بھی انہوں نے کیا۔ اور پورے بارہ مہینے تک میدان میں جمے رہے۔ مگر کب تک جمے رہتے؟ سامان جنگ ختم ہو گیا۔

رسد بند ہو گئی۔ اب بجز بیٹھ جانے کے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اس ہفتہ بے بس ہو کر بیٹھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

یقیناً تاریخ عرب و اسلام شریف حسین اور آصف بیٹوں کو کبھی معاف نہیں کریگی، جنکی بدولت یہ تمام مصائب بلاد عربیہ پر نازل ہوئے۔ شام، فلسطین، شرق اردن، عراق، یہ تمام ممالک برطانیہ

اور فرانس کے قبضہ میں صرف اسی خاندان کی خیانت اور طماعی سے گئے۔ اس شامی جہاد آزادی کی ناکامی میں بھی شریف حسین کے منجھلے لڑے امیر عبداللہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ بے حمیت برطانیہ کے ٹکروں پر شرق اردن میں پڑا ہے۔ اور برطانیہ ملک گیری کی بنیادیں اپنی عزت فروشی سے مضبوط کر رہا ہے۔ اس نے دروز سے بڑی ہی بے دردی اور بے حمیت کی سلوک کیا۔ وہ جب پناہ کی امیدیں لیکر اسکی سر زمین میں پہنچے، تو اس نے انہیں فوراً نکل جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے پہاڑوں اور ریگستانوں میں جا کر پناہ لی۔ مگر اسنے وہاں بھی انکا تعاقب کیا، اور ایک ایک کر کے سب کو فرانس کے حوالہ کر دیا!

انکی سب سے آخری جماعت، علاقہ ازرق میں پناہ گزین تھی۔ اسکی تعداد دو ہزار تھی۔ امیر عبداللہ کو معلوم ہوا تو اسنے وہاں ایک طاقتور فوج بھیج دی۔ جنگی قانون کا اعلان کر دیا، اور انہیں مجبور کر دیا کہ اپنے آپ کو فرانس کے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ تمام لوگوں نے مجبور ہو کر اپنے تئیں فرانس کے حوالہ کر دیا۔ حوالہ کرنے والوں میں خرد خاندان اطرش کے لوگ بھی ہیں۔ مثلاً متعب بک اطرش، علی بک اطرش، عبدالغفار اطرش وغیرہم۔

معزوں کے بعد انکی ہیبت فرانسیسی فوجوں پر اس قدر بیٹھ گئی تھی کہ انکا نام سننے ہی سے ہڈیاں سے ہاگ جاتی ہیں۔ پچھلے دو سال برابر دروزیوں کا پلہ بھاری رہا، واقعات ثابت کر رہے تھے کہ فرانس کو بہت جلد سر جھکانا پڑیگا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دو مرتبہ فرانس نے اندر ہی اندر سر جھکا دینے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔

مگر افسوس، نتیجہ بالکل برخلاف نکلا۔ فرانس نے وہی طریقہ اختیار کیا جو اسے موقع پر ہمیشہ طاقتور حریف اختیار کیا کرتا ہے۔ اس نے جنگ کو طول دینا شروع کر دیا۔ یہ طوالت بے سرو سامان دروزیوں کیلئے ناقابل تحمل تھی۔ وہ دنیا کی اول درجہ کی سلطنت کے مقابلہ میں تنہا تھے۔ خود انکے وطن کی دوسری جماعتیں بھی انکے ساتھ شریک نہ تھیں۔ جنگ نے زراعت، تجارت اور ہر طرح کے وسائل معیشت سے انہیں محروم کر دیا تھا۔ بہت دنوں تک جمے رہے۔ لیکن آخر کب تک قدرتی موانع سے جنگ کرے؟ بے بس ہو کر ترک جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ اب پورا ملک پھر فرانس کے رحم پر ہے، اسوقت تک کیلئے، کہ مجاہدین وطن تازہ دم ہو کر کوئی دوسرا قدم اٹھا سکیں۔

یہ واقعہ تمام مشرق کیلئے ایک نیا تازیانہ عبرت ہے۔ اسنے ایک

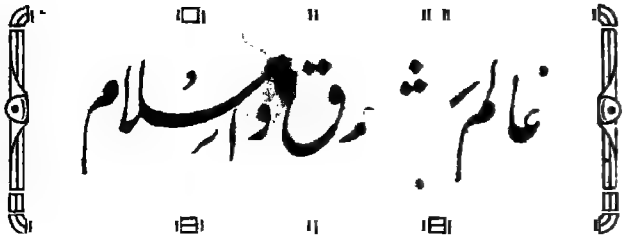
مرتبہ پھر یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ تمام دول یورپ کس طرح مشرق کے غلام بنائے اور غلام رکھنے پر متفق ہو گئی ہیں۔ انہیں باہم کتنی ہی منافست و رقابت کیوں نہ ہو، مگر مشرقی قوموں کا سر کچلنے میں وہ اپنی تمام رقابتیں بھول جاتی ہیں۔ انڈا ہی نہیں بلکہ ایک دوسری کی امداد و اعانت پر بھی آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اس شامی جہاد آزادی، اس ہی تازہ

مثال ہے۔ جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ فرانس نہیں ہے جسنے آج وطن پرستاران شام کو نیچا دکھایا ہے۔ بلکہ وہ برطانیہ ہے جسکی اخلاقی و مادی امداد و اعانت نے فرانس کو فتح محمد کیا ہے۔ فرانس تو اپنا پورا زور لگا کر تھک چکا تھا۔ وہ پایہ تخت دمشق کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ روز دروز آتے تھے اور پوری آزادی سے دمشق کی سڑکوں پر حملے کرتے تھے۔ حالانکہ یہاں فرانس کا جنگی مرکز قائم تھا۔ لیکن یہ اس وقت کی بات ہے، جب فرانس اس جہاد کے مقابلہ میں اکیلا تھا۔ برطانیہ کی اعانت اسے حاصل نہ تھی۔ یہ واقعہ ہے کہ اس نے گھبرا کر دو مرتبہ ارادہ کر لیا تھا کہ شامیوں کے مطالبات منظور کر لے، اور اپنے ظالمانہ عطا مع سے باز آجائے۔

برطانیہ اس معاملہ میں کیونکر شریک ہوا؟ مختصر تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب دروزیوں کو فرانس کے مقابلہ میں نمایاں کامیابیاں ہونے لگیں تو فلسطین، شرق اردن، اور عراق میں بھی اس کی صدائے بازگشت بلند ہونے لگی۔ شرق اردن کے تیور سب سے زیادہ خراب تھے۔ بلکہ جابجا شورش بھی شروع ہو گئی تھی۔ برطانیہ نے دیکھا کہ اگر اس علاقہ میں آگ لگ گئی تو فلسطین اور عراق تک



شام کے پایہ تخت دمشق کا ایک منظر عام



## مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

دروزی جہاد آزادی کا خاتمہ

میں یہ مکتوب اس حال میں لکھ رہا ہوں کہ ہاتھ میں رعشہ ہے، آنکھوں میں آنسو ہیں، دل میں حسرت و الم ہے۔ میں ہی نہیں، اس وقت شام میں کون ہے جو خون کے آنسو نہیں رو رہا ہے؟ دمشق کے آسمان پر اندھیرا چھا گیا ہے۔ اور شام کے مرغزار مایوسی کی خزاں سے مرجھا گئے ہیں۔ اس لیے کہ آزادی کی امیدیں ملتوی ہو گئیں۔ تین سال ہوئے شام کے ابطال وطن نے آزادی کا علم بلند کیا تھا۔ آج وہ علم گر گیا ہے۔ اس لیے پورا ملک ازسکی قومی غیرت، سرنگوں ہے!

ملک شام خصوصاً دمشق نے اپنی سرزمین پر تاریخ کے عظیم ترین واقعات مشاہدہ کیے ہیں۔ دروز کا جہاد آزادی بھی ایک ایسا ہی عظیم واقعہ ہے۔ مشرق کی تاریخ میں ہمیشہ یہ زریں حروف میں ثبت رہے گا۔ جبل دروز، جو اس جہاد کا مرکز تھا، صرف پچاس ساٹھ ہزار کی آبادی رکھتا ہے۔ یہی آبادی، دروزوں کی مرکزی آبادی ہے۔ از یہی دروز ہیں جنہوں نے فرانس جیسی عظیم الشان سلطنت کے قدم، شام سے اکھاڑ دیے تھے! ابتدائی

اسقف کا بیان بہت طویل ہے۔ اس مضمون میں اسکا پورا خلاصہ بھی ممکن نہیں۔ لیکن اسکا آخری اعتراض ضرور نقل کر دینا چاہیے۔ روسو نے بادشاہوں کے وجود پر سختی سے حملہ کیا ہے۔ اسقف اس کے جواب میں لکھتا ہے:

”یہ بھی مؤلف کا الحاد ہی ہے جس سے متاثر ہو کر وہ بادشاہوں کے وجود پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ بادشاہوں کو بردہ کر کے وہ ایسے قواعد جاری کرنا چاہتا ہے، جنکا نتیجہ مجزبہ امنی اور طوائف الملکی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ مصنف کے مذہب اور دین حق میں کتنا تضاد ہے؟ مصنف بد اخلاقی اور بد امنی کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن دین حق خشیت الہی اور بادشاہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ دین کا حکم یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آقا کی فرمانبرداری کرے۔ دین کہتا ہے پادشاہی، خدا کی قوت ہے۔ اسکا پاک سایہ ہے۔ اور اسی نے زمین پر نازل کی ہے۔ جو اس کا مخالف ہے، وہ خود خدا کا باغی ہے۔ اس پر خدا کی ابدی لعنت ہو!“

اس طرح اسقف نے اپنا رسالہ قرب قیامت کی ہولناکی سے شروع کر کے ”ابدی لعنت“ کی پیشکش پر ختم کر دیا ہے!

یہ روسو کے سب سے بڑے کلیسائی مناظر کا حملہ تھا۔ اب دیکھنا چاہیے، روسو نے اسکا دفاع کیوں کر کیا ہے؟ روسو کے سخت سے سخت نکتہ چیں بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسکا جواب اسکی مناظرانہ قوت بیانیہ کا بے نظیر ثبوت تھا۔

ہم آئندہ اشاعت میں اسکا خلاصہ درج کریں گے۔

صورت میں یقین کرتا ہے۔ عقل انسانی اس عمر میں، خدا کا منہ اور مطلق تصور گر ہی نہیں سکتی!“

اسقف کا اس پر اعتراض یہ ہے ”اگر بچہ بت پرست ہوتا تو کئی خداؤں کا قائل ہوتا۔ اگر اس کے تفکر میں تجسم ہوتا (یعنی خدا کو انسان کی صورت دینا) تو پروردگار کا جسم بنانا۔ حالانکہ مسیحی بچوں کا کبھی ایسا اعتقاد نہیں ہوتا۔ وہ مسیحی معنوں میں موجود ہوتے ہیں۔ مؤلف (روسو) نے یہ کہہ کر دراصل مسیحیت کو بت پرستی قرار دیا ہے!“

روسو نے لکھا تھا ”میں جانتا ہوں کہ نظام عالم کو ایک قادر و حکیم ارادہ چلا رہا ہے۔ میں یہ دیکھتا یا محسوس کرتا ہوں، اور اسکی معرفت میری زندگی کیلئے ضروری ہے۔ لیکن یہ عالم کب سے اور کس طرح ہے؟ اشیاء کی اصل ایک ہے یا متعدد ہیں؟ انکی طبیعت کیا ہے؟ یہ میں نہیں جانتا، ورنہ مجھے جاننے کی ضرورت ہے۔۔۔ یہی باعث ہے کہ میں یہ حقیر مسائل نظر انداز کر جاتا ہوں۔ ممکن ہے یہ میری عقل کو مشغول کر لیں، مگر مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ پھر یہ مسائل میری عقل سے بالا تر بھی ہیں۔۔۔“

اس پر اسقف اعتراض کرتا ہے ”بے باک مصنف کا اس قول سے کیا مقصود ہے؟ وہ جانتا ہے کہ کائنات کا نظام ایک قادر و حکیم ارادہ کے ماتحت ہے۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس حقیقت کا علم اس کے لیے ضروری ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہتا ہے، نہیں معلوم اشیاء کی اصل ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہے؟ پھر دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اس نقطہ کے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مصنف، دراصل خدا کی وحدانیت پر شک رکھتا ہے۔ اس علم کے بعد کہ کائنات ایک قادر و حکیم ارادہ کے تصرف و اختیار میں ہے، کیا یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اشیاء کی اصل ایک ہے یا کئی ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ پہلی حقیقت کا علم ضروری ہو اور دوسری کی معرفت غیر ضروری قرار پائے؟ کیا یہ صریح تناقض اور الحاد نہیں ہے؟ وہ کہتا ہے میں خدا کی طبیعت و حقیقت سے باخبر ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی، علم، قدرت، ارادہ، اور حکمت رکھتا ہے! اس سے تو معلوم ہوا کہ وحدانیت اس کے خیال میں ایک ”حقیر سا مسئلہ“ ہے، اور کسی طرح بھی اسکی عقل میں نہیں آسکتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے، متعدد خداؤں کا تصور اسکی عقل کے نزدیک معقول ہے۔ بھلا اس حماقت سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہو سکتی ہے؟“

روسو، معجزات کو اس معنی میں تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خارق عادت ہیں۔ معجزات پر گھنٹو کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے ”یاللعجب! ہمیشہ آدمیوں ہی کی گواہیاں! آدمی، اپنے ہی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اُن گنت واسطے قائم ہو گئے ہیں!“

اس پر اسقف لکھتا ہے ”اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں ہے، تو پھر ہم پرچہ تے ہیں مؤلف نے اسپارٹا، ایتھنز، اور روم کو کیونتر جانا جتنی عظمت کا وہ ہمیشہ راگ لایا کرتا ہے؟ ان قدیم جمہوریتوں اور مؤلف کے مابین آدمیوں کے کتنے بہت سے واسطے موجود ہیں؟ وہ ان واسطوں پر شک نہیں کرتا۔ لیکن مسیحی معجزات کی روایت میں وہ کوئی واسطہ منظور کرنا نہیں چاہتا۔ دراصل اس کے اعتراض کی اصلی علت، الحاد ہے۔ وہ خدا ہی کو نہیں مانتا!“

# بصارِ حرم

## النسبیت موت کے دروازہ پر

### مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

#### عمر بن العاص

حضرت عمر بن العاص (رضی) کی شجاعت، تدبیر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مگر کئی فتح و سرسراہٹ کے تدبیر و قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کا رفا تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سرور میں جمع ہو گئی تھی: عمر بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سرور ایک ہو گئے۔ انہوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اس طرف پھیر دیا جہاں وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ کارفرما و داغ عمر بن العاص کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی مدبر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا؟ ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی:

#### ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی، تو اس نے اپنی فوج خاصہ کے افسر اور سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے ان سے سوال کیا: "میں تمہارا کیا ساتھی تھا؟"

"سبحان اللہ! آپ ہمارا ہی فرمان آقا تھے۔ دل کھول کر دیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے..."

وہ بڑی سرگرمی اور جوش سے جواب دیتے گئے۔

ابن عاص نے یہ سن کر سجدگی سے کہا: "میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت کھڑی ہو اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہو۔ آگے بڑھو اور اسے مجھ کو دودھ کر دیا۔"

سب ایک دوسرے کا حیرت سے منہ سینے لگے۔ پریشان ہو کر، کیا جواب دیں؟

"اے ابو عبد اللہ!" دیر کے بعد انہوں نے کہا: "واللہ ہم آپ کی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے مرکز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابل میں ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔ انہوں نے آہ سو بھری: "واللہ میں یہ حقیقت خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے حیرت سے کہا: "واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن اے کاش ایسی بات پہلے سے سوچ لیتا اے کاش میں سوچتا۔"

تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (حضرت علی) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہہ گیا ہے: آدمی کی سب سے بڑی محافظہ خود اس کی اپنی موت ہے!" (طبقات ابن سعد)

دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے

راوی کہتا ہے ہم عمر بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور چھوٹ چھوٹ کر رونے لگے۔ اُنکے بیٹے عبد اللہ نے کہا: "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہ آپ کو یہ یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں؟ انہوں نے بشارتیں سنائیں۔ لیکن ابن عاص نے رونے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے:

زندگی کے تین دور

"میرے پاس سب سے افضل دولت "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت ہے۔

"مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں:

۱. ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ سے زیادہ میں کسی کی اپنے دل میں دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تباہی کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مرجاؤ تو یقیناً جہنمی ترزا"

۲. پھر ایک وقت آیا جب خدا نے میرے دلیں اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! تمہارے بڑے، میں سب سے بڑا ہوں۔ آپ نے دست مبارک دوا کر دیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا: "عمر! تجھے کیا ہوا؟" میں نے کہا: "ایک شرط چاہتا ہوں" فرمایا: "کوئی شرط؟" میں نے عرض کیا: "یہ شرط کہ میری بخشش ہو جائے" اس پر ارشاد ہوا: "اے عمر! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟ ہجرت بھی مٹا دیتی ہے؟ حج بھی مٹا دیتا ہے؟" (یہ ابن عاص کی مشہور روایت ہے جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

۳. اُس وقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا، اور نہ رسول اللہ میرا کسی کی عزت میری بچاؤ میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں، اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے، تو میں بتائیں سکتا۔ کیونکہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس حالت میں مرجاؤ تو میرے جتنی ہونے کی پوری امید تھی!"

"پھر ایک زمانہ آیا جس میں ہنر بہت سے ادب و پنج کام کو میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہو گا؟"

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

"جب میں مردوں کو سر پہ ساتھ رونے والیاں نہ جانتا، نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فارغ ہو کر اُس وقت تک مجھ سے قریب نہ آنا، جب تک جانو فیج کر کے اُن کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے۔ یہ وہ مقدار ہی ہو گئی تھی سے مجھ انس حاصل ہو گا پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دوں؟" (طبقات ابن سعد)

بگڑنا زیادہ ہوں، بتا کم ہوں!

ہوش حواس آخر وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج میاں کو گئے۔ تو دیکھا: نزع کی حالت ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ اپنے جواب دیا: "بچھل رہا ہوں۔ بگڑنا زیادہ ہوں، بتا کم ہوں۔ اس صدمہ میں بوڑھو کا بچنا کیونکر ممکن ہے؟" (عقد القریۃ ما بین ص ۱۱۱)

حضرت ابن عباس سے سوال ہوا

حضرت عبد اللہ بن عباس عیادت کو گئے۔ سلام کیا۔ طبیعت پوچھی۔ کہنے لگے: "میں نے اپنی دنیا کم بنائی مگر اپنا دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اُسے بگاڑا ہوتا جسے سناوارا ہو، اور اُسے نکلا ہوتا جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لیجاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو ضرور بگاڑ کی آرزو کر دوں۔ اگر بھل گئے سے پنج سکوں تو ضرور بگاڑ جاؤں۔" دقت تو میں سختی کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ اپنے پیروں کی قوت سے نیچے اتر سکتا ہوں۔ اے میرے بیٹے! مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اٹھاؤں!"

ابن عباس نے جواب دیا: "اے ابو عبد اللہ! اب نصیحت کا وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں اپنے کو حاضر ہوں۔" مقیم ہو وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہے؟"

عمر بن العاص یہ جواب سن کر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے: "اُن کیسی سخت گھڑی ہے! کچھ اور آسانی پس کا سہی اے ابو عباس! تو مجھے پروردگار کی رحمت سے مایوس نہ کرنا ہو؟ الہی! اب ابن عباس ہو جو مجھے تیری رحمت سے ناامید نہ کرنا ہو! الہی! مجھے خوب تکلیف ہے، یہاں تک کہ تیرا غصہ دودھ ہو جائے اور تیری رضامندی ٹوٹ لے!"

ابن عباس نے کہا: "ہیات! ابو عبد اللہ! اپنے جو چیز نی تھی وہ تو نی تھی اور اب بے رہی ہیں وہ چیز جو پرانی ہو! یہ کیسے ممکن ہے؟"

اس پر وہ آندہ خاطر ہو گئے: "ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرتا ہو؟ جو بات کہتا ہوں، اُسے کاٹ دیتا ہوں!" (استیعاب)

#### موت کی کیفیت

عمر بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے: "مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہے جن کے موت کے وقت حواس دُست ہوتے ہیں مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے" لوگوں کو یہ بات یاد تھی جب وہ خود اس منزل میں پہنچے، تو حضرت عبد اللہ بن عباس نے یہ مقولہ یاد دلایا (ایک روایت میں ہے کہ خود بکھیرنے کا سوال کیا تھا) عمر بن العاص نے ٹھنڈی سانس لی: "جان بن!"

"انہوں نے جواب دیا: "موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔" ناقابل بیان ہے۔ لیکن میں موت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان، زمین پر ٹوٹ چکا اور میں



اہم ترین مقام ہے۔ سلطان پاشا کا یہاں قیلم یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ شام کی سیاست سے بالکل الگ نہیں ہو گئے ہیں اور ان کے دلوں کی امیدیں اب تک زندگی کی آرزوئیں رکھتی ہیں !  
(امن کے مظاہرے)

دروزیوں کے ہتھیار رکھ دینے کے بعد ہی ہر طرف حکومت نے امن کے مظاہرے کرنا شروع کر دیے ہیں۔ دمشق کے اندر جتنے مورچے اور جنگی چرکیاں تھیں، سب اٹھا لی گئی ہیں۔ فوجی قاتلوں کی عدالت بھی اٹھ گئی ہے۔ جنگی قوانین بھی امروز فردا میں اٹھا دیے جائیں گے۔ حکومت کی طرف سے کئی نئی سرکاری کاری کرنے کا اعلان ہوا ہے۔ کئی نئی عمارتوں کی تعمیر بھی شروع ہو گئی ہے۔ ان تمام باتوں سے حکومت کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اب ملک حالت امن میں ہے اور اس کی قوت تمام مخالفوں پر غالب آگئی ہے۔

ہاں، ان کے جسموں پر تو غالب آگئی ہے، لیکن دلوں پر جو زخم لگ چکے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں جو صدیوں سے پلے مندمل ہو سکیں !

(ہائی کمشنر کی مہر سکوت)

اب تک ہائی کمشنر موسیو بونسو، بالکل خاموش تھے اور اپنا انداز کچھ اس طرح کا بنا رکھا تھا، گویا وہ ملک کو کچھ دینے اور اس کے مطالبات منظور کرنے والے ہیں۔ مگر دروزیوں کے ہتھیار رکھنے ہی ان کی مہر سکوت بھی قوت گئی۔ انہوں نے ایک اخبار کے نامہ نگار سے شام کے مستقبل کے متعلق یہ عجیب تصریح کی ہے :  
”اخبارات مجھے ملامت کر رہے ہیں کہ میں خاموش ہوں۔ مجھے بولنے کا اصرار کیوں ہے؟ کیا یہ چاہا جاتا ہے کہ میں کوئی ایسا وعدہ کر لوں جسے بعد میں پورا نہ کروں؟ میں عمل پسند کرتا ہوں۔ قول پسند نہیں کرتا“

اخبار کے نمائندے نے بہت اصرار سے پوچھا ”آخر شام کے مطالبات کب منظور کیے جائیں گے؟ کچھ تو کہیے؟“ ہائی کمشنر نے جواب دیا ”آپ مجھے یہ خواہش کیوں کرتے ہیں کہ دو دن کے اندر آسمان طیارہ کر دوں؟“

ہمیں اس جواب کی معقولیت سے انکار نہیں۔ دو دن کے اندر موسیو بونسو کا آسمان جیہی بن سکتا ہے، جب بنانے والے نوک شمشیر سے بنا ڈالنے کا عزم کر لیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یقیناً دو صدیاں بھی اس کے لیے کافی نہیں۔ شام کے مجبور ہو کر تلوار اٹھائی اور اپنا آسمان سیاست تعمیر کرنا شروع کر دیا، مگر افسوس ہے کہ یہ مرحلہ پہلے قدم میں طے ہونے والا نہ تھا۔ ان کی شمشیریوں جن سے وہ آٹھ تعمیر کا دم لے رہے تھے، قوت گئیں۔ اب دنیا کو انتظار کرنا چاہیے کہ یہ توڑی ہوئی شمشیریوں پھر ڈھالی جائیں اور از سر نو شام کی قسمت کا آسمان تعمیر کیا جاسکے !

نہیں کہا جاسکتا یہ وقت کب آئیگا؟ مگر یقین رکھیے اس وقت کی آمد میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے۔ اگر شام کی تمام آبادی سے قطع نظر بھی کر لی جائے، جب بھی صرف دروزی قبائل ہی کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو اس طرح کی ہزار نا کامیابیوں اور بربادیوں کے بعد بھی جنگ آزادی سے باز نہیں آسکتا۔ آج وہ تھک کر بیٹھ گئے ہیں، تو کسی دوسرے دن اٹھ بھی سکتے ہیں۔ اس سفر میں رتفہ رسکوں کے بغیر پارہ نہیں۔ یہ ضروری ہے کہ جوئی انہیں دوسرا موقع ملا ان میں سے ہر متنفس کا سر اس کی ہتھیلیوں پر آجائیگا۔ اور وہ پھر دنیا کو اپنے جہاد آزادی سے متعجب کر دیں گے !

(سلطان پاشا اطرش)

لیکن جہاد آزادی کے علم بردار سلطان پاشا اطرش نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ دمشق میں ان کے بعض دوستوں کے پاس میں نے انکا ایک تاریخ پڑھا ہے۔ اُمس میں وہ لکھتے ہیں :

”میں نے ہتھیار رکھنے سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ مرد ہتھیار نہیں رکھا کرتے۔ میں صحراء کی طرف اپنے خاندان کے ساتھ جا رہا ہوں کیونکہ برطانیہ حکام اور امیر عبداللہ نے مجھے علاقہ ازرق میں رہنے نہیں دیا !“

مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انگریزوں نے سلطان پاشا اطرش سے کہا تھا کہ ”فلسطین چلے آئیں، ہم امن دینگے“ اس سے انکی غرض یہ تھی کہ فرانس پر دباؤ رکھنے اور اپنی مطلب برادریوں کے لیے انہیں نظر بند کر کے رکھ چھوڑیں۔ مگر سلطان پاشا نے انکار کر دیا :

”میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی ایسے ملک میں ہرگز نہیں رہونگا جس پر اجنبی علم لہراتا ہو !“

یہ انکا قطعی جواب تھا !

پھر آخر سلطان پاشا کہاں پناہ لینگے؟ یہ سوال تھا جو برطانیہ فرانسیسی اور عربی حلقوں میں گشت لگا رہا تھا۔ مگر اسکا جواب بہت جلد مل گیا اور ایسا ملا کہ سب کو حیرت ہو گئی۔ لوگوں کو اچانک معلوم ہوا کہ سلطان پاشا اطرش اور ان کے ۴۵ رفیق سلطان ابن سعود کے مہمان ہو کر حجاز جا رہے ہیں اور پانچ سو سے زیادہ دروزی جو اب تک مسلم ہیں اور ہتھیار نہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے ہیں، وہ بھی عنقریب اسی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔

لوگوں کو حیرت اس وجہ سے ہوئی کہ نجدی از حد متعصب مشہور ہیں۔ اس صورت میں وہ دروزیوں کے سردار کا کیونکر استقبال کرسکتے ہیں جو اسلام کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ علم اسلامی رسوم و عوائد سے دور ہیں؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطان ابن سعود نے ایک مرتبہ پھر اپنی اور اپنی قوم کی بے تعصبی اور عربی حمیت کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے جوئی سنائے کہ دروزی مجاہدین پر عرصہ زمین تنگ ہے، فوراً دعوت دی اور اپنے جوار حمایت میں پناہ دینے کا اعلان کر دیا۔ ان کے طرز عمل نے صرف یہی ثابت نہیں کر دیا کہ وہ اپنے عقائد میں حد درجہ بے تعصب ہیں، حتیٰ کہ دروز جیسے عقائد رکھنے والوں کو بھی اپنا مہمان بنا لیتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ فرانس اور برطانیہ دونوں سے بے خوف ہیں اور اداء فرض اسلامی و عربی کی راہ میں ان کی گڑھی پورا نہیں کرتے۔ میں یہ بات بھی آپ کے علم میں لانی چاہتا ہوں کہ مجاہدین شام اور سلطان ابن سعود کے درمیان راہ و رسم پیدا کرنے کے لیے بعض ہندوستانی زعماء نے جو سعی مشکور کی تھی، اس کا یہاں ہر شخص کو اعتراف ہے۔ یقیناً آپ کے لیے اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ مزید تشریح کی جائے۔

سب سے زیادہ تعجب لوگوں کو اس پر ہوا کہ سلطان پاشا اطرش، دُرمۃ الجندل میں قیام کریں گے۔ ”دُرمۃ الجندل“ کے لفظ میں عربی تاریخ و روایت کے جو جذبات پوشیدہ ہیں، ان سے آپ سے بے خبر نہ ہونگے۔ جغرافیائی حیثیت سے اس مقام کی جو اہمیت ہے، وہ بھی آپسے پوشیدہ نہ ہوگی۔ یہ وہی مقام ہے جسے آج کل ”جوف“ کہتے ہیں۔ یہ نجد، حجاز، اور شرق اردن کی سرحدوں پر واقع ہے اور جنگی نقطہ نظر سے تینوں ملکوں کے لیے

# ہوم گر کا ذیبت تحفہ

## شریت روح فرستہ ۲۹۳ (حجرت)

شریت روح فرستہ

۱۵

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ام بھٹی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلیغیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور چکر چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے گزٹ سے رجسٹر بھی کر لیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اسکے فوائد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل دہم شتاتانہ خریداری اسکی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہو چکی ہے ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بشارت خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اسکی مبتا سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج سوگم گرا بخیر ش: ائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوایدات مثل انگور۔ آمارہیب۔ رنگتو و غیرہ اور بہت سی اعلیٰ قسم کی ادویہ کا مرکب جو خواص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور بھراہٹ کو دور کرتا ہے اختلاج قلب و دوسرے دردن سر و متلی و غیرہ کی شکایات کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی اراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر الطور پر رنگ و دلیغ کی صفائی دیدہ زیب ہو اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خواہم تو اب کے مصداق بیابان کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مد نظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بول دیکھ کر اس کا استعمال کر کے جو بیدار شدہ فوخر ہندوستان کی صنعت کا امید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز ویسی ہو خوش ہو گئے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس کو کم رکھی ہو کہ ہر جیت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں۔

نوٹ۔ اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سی ہائے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں۔ مثلاً کوئی اس شربت کا نام بدلنا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شربت خریدتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدود و داخانہ کا خوشنما لیبل اور اسپر لفظ رجسٹرڈ سرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح ہے کہ یہ شربت ہمدود، داخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صورت ہمدود و داخانہ وہی ہی سے مل سکتا ہے۔

نار کا کافی پتہ ہمدود، دہلی

پتہ۔ ہمدود و داخانہ دہلی

گراپو

د (ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے اپنے سے قریب افروشی کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD  
کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیٹ کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھیے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابلید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ آپ کو مطلع کرے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ کاڈ ٹوگریٹ بریٹن

The Dunlop Guide to Great Britain  
کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشن کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے



علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانے قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں و ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور گہ سے گہ

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

لیکن ۱۹۲۵ء میں تعداد اموات ۹۰،۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح آتشک اور لبریا بھی بہت عام ہو اور بری طرح مخلوق کو برباد کر رہا ہو۔

### شراب

”میں شراب نوشی کے بارے میں آپ سے کچھ کہوں گا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم الامین شراب نوشی میں افراط کرنے لگے ہیں۔ برصغیر و تارتا نے اپنی کتاب ”اصول اقتصاد“ میں لکھا ہے کہ اٹلی میں ۳۰ لاکھ ایکڑ زمین میں انگور کے باغ نصب ہیں۔ یعنی اٹلی کے انگوری باغوں کا رقبہ فرانس اور اسپین کے انگوری باغوں کے رقبے سے ۱۰ لاکھ ایکڑ زیادہ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ شراب اپنی دد ملکوں میں بنتی ہے۔“ لیکن یہ امر قابل اطمینان ہے کہ شراب خوری سے موتیں برابر کم ہوتی جاتی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں ۱۸۶۴ موتیں ہوئی تھیں لیکن ۱۹۲۳ء میں گھٹ کر ۱۳۱۵ ہو گئیں۔ پہلے ملک میں ۱۸۷۰ء شراب خانے تھے۔ پھر ۲۵ ہزار بند کر دیے۔ آئندہ ہم ادھی بہت سے شراب خانے بند کرنے والے ہیں۔ ہم بری آسانی سے یہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم فیسٹرم ولے شہریوں کے دھوکے کے محتاج نہیں ہیں، جیسا کہ جمہوری عہد میں لوگ محتاج ہو کر رہتے تھے۔ اب وہ عہد ایک انسان بن چکا ہے۔

### آبادی

”ہمیں امید ہے کہ ناکھائی کے محصول سے حکومت کو سالانہ کم کم سے ۵ کروڑ روپے تک آمدنی ہوگی۔ لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں یہ محصول میں خزانہ بھرنے کے لئے لگایا ہو؟ ہرگز نہیں۔ پھر اسکی کیا وجہ ہے؟ میں ابھی جواب دیتا ہوں۔“

”بعض ”عقل مند“ کہتے ہیں ہم بہت ہیں، ہماری آبادی زیادہ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم بہت ہی کم ہیں۔ سیاسی، اقتصادی، اور معنوی قوت کے حصول کے لئے قوم کی آبادی زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے۔ میں صاف لفظوں میں سوال کرتا ہوں کہ ۴۰ ملین (۱۰ لاکھ) کا ہونا چاہئے؟ الامین، نوے ملین جرمن، اور دوسو ملین سلاویوں کا کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں؟ یہ سچی بھڑائی ہے، ۴۰ ملین فرانسیسیوں اور ۹۰ ملین ان کے مقننہ مالک کی آبادی کے سامنے کتنی دیر ٹھہر سکتے ہیں؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ۶۹ ملین انگریزوں اور ساڑھے چار دس ملین ان کی مفتوحہ آبادیوں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ اگر اٹلی چاہتا ہے کہ آفتاب کے نیچے اپنی ہستی برقرار رکھے، تو ہجر میں کوئی چاہ نہیں کہ آئندہ ۵۰ سال میں اسے اپنی آبادی کم سے کم ۶ کروڑ تک پہنچا دینی چاہئے۔“

”نسل کی کمی، قوموں کی تباہی کا سب سے پہلا سبب ہوتی ہے۔ روم کی تاریخ ہماری عبرت کے لئے کافی ہے۔ شہنشاہ اگستس کے عہد میں روم کی کیا حالت تھی؟ ظاہر میں تو بڑی شان و شوکت تھی، مگر ملین میں سلطنت، تنگ کے ہاٹ کی طرح پھل رہی تھی۔ رومن جمہوریت کی آخری صدی، یعنی جولیس سیزر کے وقت سے اگستس تک وہ زمانہ تھا جس میں رومن آداب حل و عقد روم کی نسل کی کمی سے لرزہ برپا ہو رہا تھا۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ اگستس نے جبری نکاح کا قانون جاری کر دیا۔ مورخوں میں اختلاف ہے کہ یہ قانون مفید ہوا یا مضر؟ میرے خیال میں قانون کی مثال دہائی کی ہے۔ وہ وقت ہی پر مفید ہو سکتی ہے۔ تاہم استعمال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح قانون بھی جب ضرورت کے وقت نافذ ہوتا ہے تو نفع پہنچتا ہے، ورنہ بیکار یا نقصان رسا ثابت ہوتا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ قانون مفید ہوا یا مضر لیکن میرے خیال میں یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوموں کی ہمت، نسل کی کمی بیشی سے وابستہ ہے۔“

”تاریخ پر ایک نظر ڈالئے۔ یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ فرانس کس زمانہ میں دنیا کا حاکم تھا؟ صرف اُس زمانہ میں جبکہ اُس کے پاس

خاص اپنے فرزندوں کی ایک جوائنٹ موجود تھی۔ اُس زمانہ میں جبکہ ۵۴ ملین فرانسیسیوں کے مقابل میں صرف چند ملین جرمن اور چند ملین اسپینی تھے۔ مگر بعد میں فرانس کمزور ہو گیا، کمزور ملک اُس کی نسل گھٹتی لگی۔ شہنشاہ سے اب تک فرانس کی آبادی میں صرف ۲۰ لاکھ کا اضافہ ہوا ہے، حالانکہ اس کے مقابل میں جرمنی کی آبادی میں ۴۰ ملین اضافہ ہو گیا۔ آبادی میں ۱۶ ملین کا اضافہ ہو چکا ہے۔“

”اس وقت یورپ کے بعض ملکوں میں شرح پیدائش یہ ہے:

سوئیڈن میں فی ہزار ۱۷
فرانس میں فی ہزار ۱۸
ناروے میں ۱۹
جرمنی میں ۲۰
ڈنمارک میں ۲۱
اٹلی میں ۲۹
بلغاریہ میں فی ہزار ۴۰

بلغاریہ سے زیادہ آبادی یورپ کے کسی ملک میں بھی نہیں بڑھ رہی ہے۔ یہ تمام اعداد و شمار پیش کرنے کے بعد مقررہ کیا:

”پس اگر ہماری آبادی ترقی نہیں کرے گی، تو ہم ہرگز اپنی عظیم الشان سلطنت قائم نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ ہم مغرب مفتوح و محکوم ہو جائیں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ حقان کا اعلان کر دیا جائے۔ وہ ہم ہمیشہ یوں ہی ادا ہوا اور دل خوش کن گرنے نتیجہ خیالات میں زندگی بسر کرتے رہیں گے۔“

### انتظامی حالت

”اس کے بعد سوینی نے ملک کی انتظامی حالت پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت حکومت کے ہاتھ میں ایک لاکھ کی تعداد میں پولیس موجود ہے اور وہ جدید ترین اسلحہ سے مسلح اور بہترین ذرائع نقل و حرکت کی مالک ہے۔ چنانچہ فی الحال الامین پولیس کے پاس ۴،۰۰،۰۰۰ نوئے قسم کی گولی ۲۹۰ لاریاں، ۱۹۸ موٹر سائیکلیں، ۹۸ اسٹیمر اور ۱۲ ہزار بائیسکیں ہیں۔“

پھر اتنی کثیر مقدار میں پولیس رکھنے کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے سوینی نے اعداد و شمار پیش کئے اور بتایا کہ ملک میں جرائم کی کس قدر کثرت ہے؟ چنانچہ صرف ایک علاقہ ”بونیٹن“ میں ایک سال کے اندر حبس کیلے ۲۵ بڑے بڑے جرم داغ ہوئے:

پولیس سے لڑائیاں ۱۷ مرتبہ۔  
 عداوت لگانے کے واقعات ۲۷۸  
 قتل ۱۶۹  
 جعدیاں ۲۰۸۲  
 لوٹ ۴۰

### فیشیٹ حکومت کے مقاصد

”الامین ڈیکٹیٹر کی تقریر کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کو ہم اس کا برا حصہ ترجمہ کرنے پر مجبور ہیں:

”آپ سب ان حالات سے باخبر ہیں جن میں میں نے وزارت داخلہ کا قلمدان لیا تھا۔ نیز آپ کو ۱۳ نومبر کا وہ تاریخی دن بھی یاد ہو چکا۔ نظریات اس ملک میں مدتوں سے نہیں کیے گئے۔ سابقہ ہی وہ معمولی دہت بھی آپ کے ذہن میں ہو گا جو میرے قتل کے اقدام سے تعلق رکھتا ہے۔ ٹھیک اسی تاریخی دن میں نے میرے ایک کاغذ اٹھا لیا تھا اور نیشنل سو آپرہ نظام عمل لکھ دیا تھا جس پر ملک کی حکومت کو چلنا چاہئے۔ اس نظام عمل کا خلاصہ یہ تھا کہ فیشیٹزم کے مخالف شاذیے جائیں۔ نظام عمل پوری طرح کامیاب ہوا، اور آج اس سرزمین پر ہمارا کوئی مخالف باقی نہیں رہا ہے۔“

”برونی دنیا میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ میں نے ۲ لاکھ سائیکلوں کو نظر بند کر رکھا ہے۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہم نے ۴۵ سائیکلوں کو تینہ کی، ۱۹۵۹ کو ملامت کی، اور صرف ۶۹۸ کو جلا وطن کر دیا۔“

تاریخ الامین شاید ان دو لفظوں ”تنبیہ“ اور ملامت کے لئے موجودہ الامین معافی نہ سمجھے ہوں گے۔ سوینی کی نکتہ میں ”تنبیہ“ کے معنی یہ ہیں کہ مخالف کو زبردستی کسٹرائٹل (در بندی کے تیل) کی ایک پوری بوتل ملا دینا۔ اور ”لامت“ کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے پیٹ میں پٹرول کا ایک پورا ٹین آمار دینا! یہ کسٹرائٹل اور پٹرول سوینی کی بہت ہی خونخوار ہتھیار ہیں۔ (ان کے نام سے مخالف تھرتھرتے ہیں۔ ادنیٰ سی مخالفت پر یہ عجیب و غریب مگر خونخوار سرنگا بے تامل دید بجاتی ہیں!)

اس کے بعد مقررہ کیا:

”بعض لوگ سمجھتے ہیں سیاسی مجرموں کو جلد معافی ملنے والی ہے۔ میں اس کی تفسیر کرتا ہوں۔ ۱۹۳۲ء سے پہلے معافی کا سوال پیش ہی نہیں ہو سکتا۔ کہا جاتا ہے یہ بہت سختی ہے۔ کیا یہ سختی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک قسم کا جلاب ہے اور اس سے مقصود ہجر اس کے آؤ کچھ نہیں ہے کہ وہ عناصر دور کرنے جائیں جو ہماری ہیئت اجتماعیہ میں مناسبت پیدا کرتے ہیں۔ کیا طبیب مریض کو مہل دینا سختی ہے؟ میں نہیں سمجھتا دنیا کا کوئی دانش مند انسان اس کا جواب تسلیم میں دے سکتا ہے۔“

### الامین انقلاب

”ہمارے انقلاب کو کون خنوار قرار دے سکتا ہے؟ ہمارا انقلاب درحقیقت دنیا کا سب سے زیادہ قدرتی انقلاب ہے۔ جو ہمیں سفاک کرتا ہے، وہ ہمارے سامنے لائے اور ہم سے دودھ دے دیتا ہے۔ کیا دنیا اس قدر جلد انقلاب فرانس کو قبول گئی؟ انقلاب فرانس، صحیح معنوں میں خونریز تھا۔ تقریباً ۲۰ آدمی روزانہ گلولوں (انقلاب فرانس کے آلہ قتل) کی نذر ہوتے تھے۔ یہ ان ہزاروں مقتولوں کے علاوہ ہیں جنہیں تید خاؤں میں مارا گیا، آگ میں جلایا گیا، پانی میں غرق کیا گیا۔ صرف مردہ ہی قتل نہیں کئے جاتے تھے بچے اور عورتیں بھی قتل ہوتی تھیں۔ مجھے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ اپنے یقیناً وہ کتاب طبری ہوگی جس کا نام ”عہد ہولناکی میں مقتول عورتیں“ ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ دہزار عورتیں بے دردی سے مار ڈالی گئی تھیں۔ بہت سی عورتیں صرف اس جرم میں ماری گئیں کہ انہوں نے صلیب کو بوسہ دیا تھا۔ اور انقلاب فرانس کے حکمران سمجھتے تھے، یہ مذہبی عقیدت و رخصت پسندی کی علامت ہے۔ فرانس کے انقلابیوں کا عقیدہ تھا کہ انقلاب کی کامیابی کے لئے خونریزی ضروری ہے۔ پھر ہم پر کیوں ملامت کی بوجھا رہے؟ ہم تو صرف اپنی ”واقعہ“ کر رہے ہیں۔ ذکر انقلاب فرانس کی طرح صراحتاً:

”بعض لوگ کہتے ہیں، ہر مجلس پارلیمنٹ میں مخالف جماعت کا وجود ضروری ہے۔ میں حقارت کے ساتھ یہ اصل ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ میں کوئی مخالف جماعت دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ اٹلی میں فیشیٹوں کے علاوہ کسی جماعت کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ ان میں نہ تو کوئی مخالف اخبار جاری ہونے دیا گیا، نہ کسی مخالف جماعت کا قائم ہونا گوارا کر دیا گیا۔ آج پورا اٹلی صرف ایک جماعت رکھتا ہے، اور وہ میری جماعت ہے۔“

”بعض لوگ خیال کرتے ہیں مجھے حکومت کرنے کا شوق ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ میرا شوق سے سخت دشمن بھی مجھے خود غرض اور حکومت کا کچھ کا پیاسا نہیں بنا سکتا۔ میں حکومت کے پھر صرف اس لئے ہوں۔“



لینا چاہئے!

تپ دق کے متعلق ذیبرا عظم نے بتایا کہ اس وقت بھی یہ مرض بہت  
 عام ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں اس سے ۲۹۳، ۵۲ موتیں ہوئیں

۴۰ جلد کا گا۔ (ابن سعد الکامل) اس کی نو سو مرتبہ۔ لالہ الامامہ کا اور جان بختیہ علیہ السلام کی (ابن سعد)

گئے؟ میں نے سوال کیا۔

سب لا جواب ہو کر میرے منہ بخنے لگے۔ ایک نے کہا "پھر تھاری کیا لائے ہے؟" میں نے کہا:

"ایک سخت اور پیچیدہ حرکت کی ضرورت ہے۔"  
مگر ہمارا کیا حشر ہوگا؟ یہ برطانوی تو ہیں کچھ دیکھو ہوا! " وزیر اعلیٰ نے آہستہ سے کہا۔

"تم وہاں چلے آنا جہاں میں جا رہا ہوں!" یہ میرا آخری جواب تھا۔

اب میں سلطان حیدر الدین سے رخصت ہونے کے لئے تھریڈز

میں پہنچا۔ سلطان نے اپنے کمرے میں مجھ سے باتیں شروع کیں۔ کمرے کی

کھڑکیاں کھلی تھیں۔ اسٹوڈیو کی نیٹنگ اسٹیل سے سائے تھے۔ بھلائی بیڑے

لنگر انداز تھے۔ ان کی توپوں کے دہانے خاص سلطان کے محل کی طرف

تھے۔ ہر دوڑوں کی نظریں ایک ساتھ اٹھیں اور انگریزی آہیں بڑھیں

(ڈریڈ ناؤں) پھریں۔ سلطان اپنی خیانت سے واقف تھا۔ ہماری نظریں

سندھ سے اٹھ کر کمرے میں آئیں، اور ایک دوسرے سے بے گنس۔ مگر

سلطان نے اپنی نظریں فوراً سچی کر لیں۔ وہاں سے کہا "مصلحتی ایہ

دیکھتے ہو! میرا دل خون ہوتا ہے! اسے اس عظیم ترکیب میں اب اس حالت

کو سمجھ گئی کہ اس کا سلطان، دشمنوں کے ہاتھ میں قید ہو! اس کی زندگی

انہی توپوں کے دم پر چو! تم اناطولیہ جا رہے ہو۔ میری دعا ہو خدا تعالیٰ

رفیق و مساعد ہو۔ ترکیب تو ہے کہ اس کا سلطان اس حال میں ہے!

ایک لمحہ خاموش رہ کر سلطان نے پھر کہا "تمہارے کارنامے آج

اس کتاب میں چلے گئے ہیں!" یہ کہہ کر انہوں نے اپنے سامنے رکھی

ہوئی ایک کتاب پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر کہنے لگے "ہاں، اب تمہارا

کارنامہ تاریخ کے حوالے ہو گئے ہیں۔ اب تم انھیں بھول جاؤ اور ذکر

کارنامے کر دکھاؤ کہ سلطنت تباہی سے بچنے لگا۔"

اس جملہ سے سلطان کا مطلب یہ تھا کہ میں اناطولیہ جا کر اتحادیوں

کے خلاف خیالات کا خاتمہ کر دوں۔ میں ان کی غرض سمجھ گیا:

"اعلیٰ حضرت! یقین کریں میں کسی لیے کام کی انجام دہی میں کبھی

کوتاہی نہیں کر دوں گا جس سے ملک کو نجات حاصل ہو!"

میں نے یہ کہا اور سلطان کو تسکین ہو گئی۔ دوڑوں کی زبانوں پر

بات ایک ہی تھی، لیکن دونوں کے مقصد میں کتنا عظیم فرق تھا؟

تقریر میں بنیاد متاثر بظاہر اندیشہ شیلی "میں اپنے مکان

پہنچا۔ یہاں مجھے ایک دوست نے خبر پہنچائی کہ "اتحادی طاقتوں نے

سازش کی ہے کہ تمہارے جہاز کی روانگی میں یہ ہو جائے تاکہ آگے جہاز

بھی سفر کے لئے طیارہ ہو جائیں اور بیچ سندھ میں تمہارا جہاز غرق کر دیا

یہ سننے ہی میں فوراً موٹر پر تیزی سے ساحل کی طرف روانہ ہو گیا

کیونکہ اب ایک منٹ کی دیر بھی خطرناک تھی۔ میں نے جہاز پر پہنچے ہی

کپتان کو روانہ کی حکمران کیا۔ لیکن جہاز روانہ نہ ہوا۔ بار بار میرے

سوال کرنے پر کپتان نے کہا: "تھک جہاز دہائی کے امیر اس وقت جہاز

کے کل پرزے معائنہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم ہے، جب تک وہ اجازت

دیں جہاز نہ چلے۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی سازش کی گئی ہے

میں نے فوری سختی سے کپتان کو حکم دیا "ان ماہرین سے کہد۔ فوراً

جہاز سے نکل جائیں۔ اگر وہ نہ مائیں تو تم ان کی پرواہ نہ کرو، جہاز کا

لنگر اٹھا دو۔"

کپتان کو مجبوراً یہی کرنا پڑا۔ کچھ دور آگے چل کر میں نے کپتان

کو حقیقت حال سے واقف کیا۔ وہ بہت گھبراہٹ اور کہنے لگا "میرا

جہاز بہت پرانا اور مست زرقار ہے۔ جنگی جہازوں سے بھاگ نہ سکے گا"

میں نے کہا "کوئی پروا نہیں۔ ساحل کے قریب قریب چلو، اگر

جہاز غرق ہوگا تو میں ختمی تک جان چلے جاؤں گا"

چنانچہ میری حسب دہشت جہاز کنا لے کنا لے چلا۔ یہاں تک کہ

میں منہ پر مقعد تک پہنچا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزوں کے جنگی جہاز میرے پیچھے چلے تھے۔

مگر خوش قسمتی سے میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ اور سمندر میں طوفان

شروع ہو گیا تھا جس نے انگریزی جہازوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اصل

یہ ہوا کہ اس حکم کارساز کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ میرے ناچیز ارادے کا کیا

ہوں۔ اس لئے دشمنوں کی کوئی تدبیر میری راہ روک نہ سکی!

#### غازی کا درود

بہر حال تالیوں اور نغزوں کے شور میں غازی عروج کا جہاد

شاہی محل "طولما باغچہ" پہنچا۔ ایک طرف پر جوش باشندوں کا شور

تھا، دوسری طرف تمام قلعوں اور جنگی نغزوں سے توپوں کی سلاخی

داغی جا رہی تھی!

"طولما باغچہ" میں غازی نے آرام نہیں کیا۔ فوراً فوجی اور اعلیٰ فہر

کولمقات کے لئے طلب کر لیا۔ اس کے بعد ملاقات کے ایوان میں

پہنچے۔ یہاں شہر کے... نمائندے سلام کے لئے جمع تھے۔

میں نے ایک مرتبہ یہ شاہی ایوان اب سے پہلے بھی دیکھا تھا۔

یہ وقت سلطانوں کا تھا۔ اس میں پرشکوہ تخت شاہی رکھا تھا۔ اس کے

گرد و رکش لباسوں، چمکیلے تختوں، سلطانوں اور اس سے آراستہ درواز

دار اور کھڑے تھے۔ اور شاہی ہیبت و جلال کا ایک عجیب منظر پیدا ہو گیا

تھا!

آج پھر مجھے اس کی زیارت کا موقع ملا۔ لیکن آج وہ ہر قسم کی چمک

دک سے خالی تھا۔ بالکل سادہ تھا۔ کسی قسم کا کوئی تکلف نظر نہیں

آتا تھا۔ صرف شہر کے نمائندے جمع تھے۔ آزادی سے چلتے پھرتے

تھے۔ اور سادہ انداز روح میں اپنے رئیس حکومت سے معاف کر رہے

تھے۔ بلاشبہ پچھلی شوکت و جبروت اب مفقود ہو گئی ہے لیکن سادگی اور

حقیقت نے اس سے کہیں زیادہ حقیقی تاثیر عظمت پیدا کر دی ہے!

یہیں آستانہ کی مجلس بلدیہ (میونسپلٹی) کا پاس نامہ پیش ہوا۔

غازی نے جواب میں ایک جرحہ تقریر کی۔ ان کی آواز جب عادت

بہت صاف، بلند، اور مضبوط تھی۔ پورا ایوان گونج رہا تھا۔ تقریر کا

خلاصہ حسبِ حال ہے:

#### غازی کی تقریر

"میں خوش نصیب ہوں کہ آج آپ کے واسطے سے آستانہ، اس کے،

باشندوں، اس کی انجمنوں، اور اس کی تمام جماعتوں کو سلام کر رہا ہوں

پس یہ ہوا کہ میں ان شاندار مظاہر سے از حد متاثر ہوا ہوں جن کے

ذریعہ میرے ہونٹوں نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ آپ میری

جانبداری سے بہت بہت شکریہ قبول کیجئے۔

"آج پورے ۸ سال کے بعد میں نے آستانہ کی صورت دیکھی ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ صورت اور فراق کی گھڑیاں بہت سخت، دراز، اور تلخ

ہوتی ہیں، تو آپ آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں نے آستانہ کی

جدائی میں یہ آٹھ برس کیونکر گزائے ہونگے؟"

"آستانہ، جو دو عظیم دنیاؤں کے امین وطن ہے، ترکی وطن

کی زینت، ترکی تاریخ کی دولت، ترکی قوم کی آنکھ کا تارا ہے۔ تمام

انسانے وطن کے دلوں میں اس کی محبت جڑ چکے ہوئے ہے۔ جو ایک

مرتبہ جب منحوس حوادث نے یہ شہر گھیر لیا تھا، تو نہ صرف تمام ترکوں کے

بلکہ تمام مشرق کے دل زخمی ہو گئے تھے۔ ان میں ایک میں بھی تھا اللہ

اپنے پہلو میں جو چمکاں دل لے پڑا تھا"

"لیکن آج ہم دیکھتے ہیں، تاریک راتوں نے نورانی آفتاب کی

شعاعیں پیدا کر دیں۔ رات کب کی ختم ہو چکی ہے، اور ہماری تاریخ کا نیا

دن طلوع ہو چکا ہے!"

"مستطرب احمد نے جسے آستانہ کو میں نے ۸ سال پہلے اس

حال میں پھوڑا تھا کہ میرا دل زخموں سے چھوڑا، اور ایک نفس بھی

مجھے خدا حافظ کہہ کر نہ رہیں آیا تھا۔ لیکن آج میں آستانہ آیا

ہوں، تو اس کا خندہ مسرت اور قہقہہ انبساط میرے سینے پر

حسن اب دہلا ہوا ہے۔ میرا دل بھی مطمئن ہے، میں اس وقت اپنے

آپ کو آستانہ کی محبت بھری گود میں پاتا ہوں۔

گزشتہ ۸ سال، ایسی ہماری ہیبت اجتماعیہ کا جھنجھکا

بغاوتوں، انقلابوں، اور ان کے نتائج سے گزر رہا ہے۔ ہماری قوم

سیاسی، اجتماعی، تمدنی ترقی کے لئے اس حد میں جو قابلیت ظاہر

کی ہے، وہ بلاشبہ عظیم قابلیت ہے۔ ہر فرض ہے کہ پوری ہوشیاری

اور کوشش غم سے اس قابلیت کو برابر ترقی دیتے رہیں۔ وطن

کی تعمیر اور قوم کی ترقی، بہت ہی عظیم غیرت اور بہت ہی عظیم جہاد کا

مطالبہ کرتی ہے۔ اس وقت ہمارا ایک عظیم ترین کام یہ ہے کہ مفید اور مفید

علم و فن کے ذریعہ قوم کے جذبات اور فکری تربیت کریں تاکہ وہ جلد

سے جلد حقیقی تمدن اور حقیقی سعادت تک پہنچ جائے!"

"میں آپ سے لے کر خزان آستانہ! یہ سب اس محل میں کہہ رہا

ہوں۔ اب سے ۸ برس پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں ایک ایسی

شخصیت رہتی ہو جسے، دلوں کی قوت حاصل ہو! آج یہ محل اس

شخص سے خالی ہو چکا ہے "ظل اسدنی الاضی" (زمین پر خدا کا سایہ)

کہتے تھے۔ آج یہ محل، قوم کی ملکیت ہے، جو سایہ نہیں بلکہ محبت حقیقت

ہے۔ اس وقت میرا وجود اس محل میں صرف اس لئے ہے کہ میں بھی قوم

کا ایک فرد اور اپنی قوم کا ہمان ہوں...."

اس تقریر کے بعد غازی نے ایک ایک کے تمام حاضرین کو

معاف فرمایا۔ پھر محل کے باغ میں فوجی قواعد دیکھی۔ یہاں تک کہ رات

ہو گئی۔

خیال کیا جاتا ہے کہ موصوفت اسی آستانہ میں تھیں کہ ابھی وہ کہیں

گئے۔ یہ افواہ بھی گشت کر رہی ہے کہ صوفیا اور بزرگ ادبی جہاں گئے تاکہ

بلغاریہ اور یوگوسلاویا سے عدالت سے سرانجام دیں۔

## جامع الشواہد

### طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی

احکام کی نوسے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیا جاسکتی

ہو؟ اور اسلام کی رد اداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں

کا دروازہ بلا امتیاز مذہب، ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا۔

۱۹۱۹ء میں جب تھیں تھے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی

کو دے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گیا۔ اب مصنف کا نظر

ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہوئی قیمت ۱۲/- (بغیر مالٹا)

۱۲/-

۱۲/-

۱۲/-

۱۲/-

کہ حکومت کو میری ضرورت ہو۔ اٹلی کا فیصلہ یہی ہے کہ تو کوئی حکومت کرے۔ لہذا موثری براب حکومت کرنا ہو گا!

### دنیا کا امن

حضرات! دنیا کا امن ہنوز خطرے میں ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ برکن میں ۲۰ ہزار آدمیوں کا مظاہرہ ہوا تھا۔ ان کے ہتھیار پر یہ عبارت کندہ تھی: "ٹرینڈ سے دیکھا گیا"۔ لہذا ابھی امن امن کی گفتگو قبل از وقت ہے۔ ہمیں تو یہی مسئلہ ہے اپنی بڑی بھڑائی اور ہوائی قوتوں کو ترقی دینی چاہئے۔ پہلے پاس کم سے کم ۵۰ لاکھ بڑی فوج ہر وقت تیار رہنی چاہئے۔ میری نظر میں سب سے زیادہ طاقتور ہوائی قوت کی ہے۔ ہمارا ہوائی بیڑا زیادہ سے زیادہ طاقتور ہونا چاہئے۔ پہلے ہوائی جہازوں کو آہستہ آہستہ ہونا چاہئے کہ ان کی آواز، دنیا کی تمام آوازوں کو ڈباوے، اور ان کے پرنسپل کی کریمیں زمین تک پہنچنے سے روک دیں۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء تک کا دورانیہ زمانہ یورپ کی فوج کا آخری فیصلہ کرے گا۔ اس وقت پہلے پاس اتنی قوت ہونی چاہئے کہ ہم دنیا کو اپنی آواز سننے اور اپنے حقوق منوانے پر مجبور کر سکیں۔

اس تقریر کا ایک قابل لحاظ پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں بادشاہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ امریکن اخبار اس سے استدلال کرتے ہیں کہ مغرب شاہ معزول ہو جائے گا اور اٹلی کے تخت شاہی پر بھی بیٹھتا ہی کے قدم چڑھتے نظر آئیں گے۔

### تصحیح

الہلال نمبر ۳-۴ کے ذمہ دار علیہ میں ایک مضمون بہ عنوان "عالتی" درج ہوا تھا۔ اس میں درازی قدر کے طبی اسباب پر بحث کرتے ہوئے ایک خاص قسم کی سُرگی گلی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک غلطی ہو گئی ہے۔ براہ عنایت قارئین الہلال اس کی تصحیح کر لیں۔ انگریزی میں اس گلی کا نام *Parathyroid gland* چھپ گیا ہے۔ حالانکہ صحیح نام *Pituitary gland* ہے۔ میں عبدالحکیم صاحب کی اسکوٹ امرتسر کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس پر توجہ دلائی۔ انگریزی کی غلطی کی وجہ سے اس کے ترجمہ میں بھی غلطی ہو گئی۔ چونکہ مضمون کے مسودہ میں یہ غلطی ہو گئی تھی، اس لئے جب اس کے لئے عربی اصطلاح دیکھی گئی تو قدرتی طور پر یہ غلط اختیار کیا گیا جو

*Parathyroid gland* کے لیے جو اردو عبارت اختیار کی گئی تھی وہ غلط ہے۔ لیکن چونکہ یہ وہ گلی ہی نہیں ہے۔ اس لئے یہ عبارت "غداۃ التکلیفہ" بھی نہیں ہے۔ *Pituitary gland* کے لئے عربی شریح میں "غلی اور خفاقی غده" اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

ابن دوزل گھنٹیوں کے محل اور خواص میں فرق یہ ہے کہ "غده تکلیفہ" کان اور گھنٹی کے درمیان ہوتی ہے، اور اس کا فعل یہ ہے کہ ایک خاص طرح کی رطوبت خارج کرتی ہے۔ لیکن غده داغی کا محل دوسرا ہے۔ وہ سر کے نیچے اور ناک کے عقب میں واقع ہے، اور اس کے خواص میں جو مضمون مذکور میں بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب "توضیح فی اصول التشریح" نے (جو جدید تشریح میں بھی گئی ہے) اس کے کوثر و دامن گھنٹی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (ادب الکلام)



## بریت شرق

### مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد۔ تاریخ کی یاد۔ غازی کی تقریر

#### غازی کی آمد

بالآخر غازی مصطفیٰ کمال پاشا، قسطنطنیہ پہنچے۔ کئی ہفتے سے پورا شہر استقبال کی طیاریاں کر رہا تھا۔ آج صبح سورج نکلا تو شہر کی نو کی طرح آراستہ تھا۔ پہلے سے معلوم تھا کہ بندرگاہ "ازیت" سے غازی، یخت (جہاز) "ارطغرل" پر چھٹیں گے اور اسی پر آستانہ نہیں گئے۔ چنانچہ مقامی حکام اور شہر کے نمائندے پہلے ہی سے ازیت کی طرف استقبال کو روانہ ہو گئے تھے۔ یہاں کے مسند میں جیسے بھی جہاز، اسٹیمر اور کشتیاں موجود تھیں، باشندوں سے لبریز ہو گئی تھیں، اور سب "جزائر امراء" کی طرف استقبال کے لئے روانہ تھیں۔ باقی چھٹی مخلوق بھی، ساحلوں پر بس آئی تھی۔ سویرے میں نے مکان کی بالائی منزل سے منہ نکال کر دیکھا، تو مسند کے کنارے کھڑے انسانی سر کی ایک صحرا بے کنار نظر آ رہی تھی!

غازی کا یخت، جو "جزیرہ الامراء" کے سامنے پہنچا، بیک وقت الاکھ منہ کھل گئے، اور آہستہ آہستہ بلند ہوا، کہ سواحل ایٹا اور سواحل یورپ کے پہاڑ تک گونج اٹھے!

یہ منظر دیکھ کر بے اختیار میرے آنسو نکل پڑے۔ مجھے اسے سال پہلے کا زمانہ یاد آ گیا۔ یہ زمانہ ترکی تاریخ کا سب سے زیادہ تاریک زمانہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب جنگ عظیم نے ترکی سلطنت کی چوڑی ہلا ڈالی تھیں، تمام شہزادے بکھر گیا تھا۔ خود پائے تخت پر اتحادیوں کا قبضہ تھا۔ اور سلطان ان کے ہاتھ میں قیدی تھا۔ مجھے یاد آیا، اُس وقت اس شہر کی کیا حالت تھی! پورے شہر کا سانپا ہوا تھا، موت کا سانپا اتنا بڑا بڑا گنگ تھیں۔ اتحادی بیڑے اپنی بے پناہ قوتوں کے دہانے محل سلطانی کی طرف کئے صفت آ رہے تھے، اور سلطان کا دل خون سے تھرا رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ یہی مصطفیٰ کمال جن کے سانس تک لاکھوں نظریں فرس رہی تھیں، اب سے ۸ برس پہلے اسی قسطنطنیہ میں سر نہا کئے، ممکن صحت بنائے، با نازدوں میں جائے تھی، اور خود میں نے اپنی انہیں آنکھوں سے اُن کا پُر مژدہ چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اُس وقت بھی کم نام نہ تھے۔ وہ داناں کے ہیرہ تھے۔ مگر جنگ، شکست پختہ ہوئی تھی، اس لئے جنگ کے تمام ہیرہ سرنگوں ہوئے تھے۔ کوئی اُن کی بات تک نہ بوجھتا تھا، بلکہ اُن سے نفرت کی جاتی تھی، کیونکہ عام اعتقاد یہی تھا کہ ملک پر تمام مصیبتیں اپنی کے ہاتھوں نازل ہوئی ہیں!

مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد نے تمام پچھلے ہولناک واقعات کی یاد دلوں میں تازہ کر دی۔ جن میں معلوم ہے، انہیں معلوم ہے، جن میں معلوم نہیں، وہ دوسروں سے پوچھتے ہیں، ۸ سال پہلے غازی مصطفیٰ

کمال قسطنطنیہ سے کیونکر گئے تھے؟ یقیناً یہ سوال اب تاریخ کا عنوان بن گیا ہے۔ ضروری ہے، ہم اس پر چند کلمے کہیں۔ لیکن ہماری تشریح سے کہیں بہتر یہ ہو گا کہ خود غازی موصوف کی زبان سے یہ کہانی سننا دی جائے۔ حال ہی میں اُنہوں نے ایک اخبار کے نمائندے سے کہا تھا:

اب سے ۸ برس پہلے!

"جب آستانہ میں اتحادیوں کے مظالم حد سے تجاوز کر گئے، اور علانیہ زیادتیاں ہونے لگیں، تو میرے لئے یہاں قیام ناممکن ہو گیا۔ میں نے غم با لجرم کر لیا کہ انا طویلہ جلا جادوں۔ وہاں ترکی قوم کو تمام حالات سے مطلع کر دیں، اور اگر ممکن ہو، تو اس راہیں اپنی جان بھی قربان کر دیں۔ میں نے اپنے اس ارادہ سے بعض دوستوں کو آگاہ کیا۔ اُن کی سعی و دعا سے مجھے کامیابی ہوئی تقریباً یہ ہوئی کہ علاقہ صاستین اور اناطولیہ کے بعض حصوں میں اتحادیوں کے خلاف شورش پیدا ہونے لگی۔ دلا دقیر پاشا دیر عظم ڈرے، کہیں یہ شورش خطرناک صورت اختیار نہ کرے۔ انہوں نے ایک ایسا شخص اناطولیہ بھیجا جہاں جو طرح کی بیخینی کا قلع قمع کرے سکتا ہو۔ اُن کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور مجھے مشرقی صوبوں کا جنگی انسپکٹر مقرر کر دیا گیا۔ مگر اُن نے وہیں کچھ کھٹک ضرور تھی۔ وہ بار بار اپنا فیصلہ منسوخ کر دیتے تھے۔ خود ہی نہیں، وزیر جنگ کو بھی میرے انتخاب پر اعتراض تھا۔ حتیٰ کہ وزیر جنگ نے حکم پر دستخط نہ کرنے سے انکار بھی کر دیا تھا۔ آئے کما تھا میں تھرکے دیتا ہوں۔ اگر اس انتخاب سے کوئی خرابی پیدا ہوئی تو میں انگریزوں سے یہ کہہ کر پیچھا پھڑوں گا کہ مجھے اس شخص کے انتخاب کا کوئی علم نہیں تھا۔ میری نر جوڑی سے لگا دی گئی ہے!"

لیکن بالآخر میری باضابطہ تقریر ہو گئی۔ ۱۶ مئی ۱۹۱۹ء کو مجھے جہاز "باندور" سے روانہ ہونا تھا۔ روانگی کے وقت میں وزیر دل سے وضعت ہونے کے لئے باٹلی لیا۔ وزیرا و نہایت بدحواس ہو رہے تھے۔ وزیر داخلہ نے دُور کر مجھ سے کہا:

"تم نے کچھ سنا؟ شرارت کی حد ہو گئی! یونانیوں نے ستر پار فوسیں آدیں!"

وزیر بحریر نے بھی یہی کہا۔ میں نے کہا:

"پھر اب کیا کرو گے؟"

"ہم احتجاج کرینگے، اُنہوں نے دیر تک سوچنے کے بعد افری سے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ مگر کیا تمہارے احتجاج سے یونانی سرخشاں کیڑا



# تفسیر

## تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

### صفات الہی کے انسانی تصور کی تمثیل

اور

### اُس کا سلسلہ ارتقا

الحمد لله رب العالمین

سے بلندی کی طرف اور نقص سے کمال کی طرف ترقی کی ہے۔ روحانی تصورات کی پہلی بنیاد ایک خالق کائنات ہستی کا تصور ہے جو حقیقت سے انسان کی تاریخ روشنی میں آئی ہے، اُس کے اس تصور کی تاریخ بھی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر اُسے سے پرانے عہد کے تصور سے لیکر موجودہ ادیان عالم کے عہد تک کے تمام تصورات سامنے رکھے جائیں، اندیکے بعد دیگرے اُن کی نوعیت پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آجائے گا کہ ایک تدریجی ارتقاء کا سلسلہ ہے جو اشیاء و اجسام کے ارتقاء کی طرح انسان کے تصور و اعتقاد میں بھی جاری ہے، اور جو انسانی فکر کی اندرونی استعداد ترقی کرتی جاتی ہے، اُس کا یہ تصور بھی زیادہ بلند اور شائستہ ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ارتقاء کے ہر سلسلے کی طرح اس سلسلے کی بھی تکمیل کی آخری کڑی نمایاں ہو جاتی ہے!

فطرۃ کا دلولہ اور ذہن کا تصور

لیکن یاد رہے کہ یہاں خدا کے تصور سے مقصود اُس کی صفات کا تصور ہے۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد نہیں ہے۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد ذہن و فکر کی پیداوار نہ تھی جو اُس کی استعدادی تبدیلیوں سے متاثر ہوتی ہے۔ یہ اُس کی فطرۃ کی آواز تھی، جو خود اُس کے اندر سے اُٹھتی تھی، اور ایک بالاتر ہستی کے یقین کے جوش سے اُسے معمور کر دیتی تھی۔ چونکہ یہ ایک فطری جذبہ تھا، اور فطری جذبات انسانی کی نوعیت ہر وقت اور ہر حالت میں یکساں ہوتی ہے، اس لئے انسان کا اعتقاد الہی بھی ہمیشہ یکساں رہا۔ اُس میں ذہن و فکر کے تغیر و مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن خدا کی ہستی کا تصور، اُس کی صفات کے تصور سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ انسانی عقل ذاتِ مجرود کے تصور سے عاجز ہے۔ وہ جب بھی کسی چیز کا تصور کرتی ہے تو گو اُس کی ذات کا تصور کرنا چاہے، لیکن تصور میں اُس کی صفات ہی آتی ہیں، اور صفات ہی کے جمع و تفرق سے ذات کے تصور کا نقشہ وجود میں آتا ہے۔ یہیں سے اس فطری جذبہ میں انسانی عقل کی مداخلت شروع ہوتی، اندھی اُس کی دماغی عمل اندیشگی کی جستجو پہلی ابتدا ہے۔ فطرۃ کے جذبہ یقین نے ایک بالاتر ہستی کے تصور

قرآن حکیم نے انسان کو خدا کے اعتقاد اور تصور کی دعوت دیتے ہوئے، سب سے پہلے جن صفات کا حسنِ جمال بے نقاب کیا ہے؟ تین صفات ہیں: ربوبیت، رحمت، عدالت!

الحمد لله رب العالمین: ساری تعریفیں، ہر قسم اور ہر طرح کی شائیں، حسنِ جمال کی شیفگی اور خوبیوں کمالوں کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی

کہا جاسکتا ہے، وہ سب کچھ! اللہ کے لئے ہے جو! وہ اللہ، جو تمام جہاں کا پرورش کرنے والا ہے۔ جس کی ربوبیت کائنات ہستی کی ہر مخلوق کو اس کی زندگی اور بقا کا تمام سامان بخشتی، اور اُس کی پرورش کی ساری ضرورتیں مہیا کرتی ہے! جو رحمت والا ہے، اور جس کی رحمت کی بخشائیں تمام عالم خلقت کو اپنے ذوالِ رحمت سے الالام کر رہی ہیں! جس کے قبضہ و تصرف میں جزا و سزا اور سکافات کا دہن ہے، اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور مہربان کے لئے خیر کا قانون جاری و نازل کر دیا ہے!

سورہ فاتحہ قرآن کی ابتدا ہے، اور فاتحہ کی ابتدا تصور الہی کی اسی بنیادی جلوہ نمائی سے ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کے تصور و اعتقاد کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ ربوبیت، رحمت، اور عدالت کا نقشہ ہے۔ انہی تین صفات کے تفکر سے ہم قرآن کے تصور الہی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

تصور الہی کا تدریجی ارتقا دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کا فکر و عمل، اور انسانی فکر و عمل کی ہر بات کی طرح اُس کے روحانی تصورات نے بھی بہ تدریج پس

م۔ اُٹلی کی مین ادا امام میں سے دوستی کے یعنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حجاز یا ابن سعد پر دت و رانی کرنا چاہتا ہے۔ تو یہی ہے جو "حلف نامہ" کیا ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں امن و امان برقرار رہے۔ اُٹلی جو حرمین مست حاصل کرنے پر مجبور ہے، اس لئے یہ ہرگز اس کا اہم کام نہیں ہے۔ اس کے اہم کام یہ ہیں کہ وہ مشرقی افریقہ کے قبیلوں سے قائم ہو جائے۔ (والسلسلہ)

یہ وہ علاقہ ہے جس میں قدرت اپنی تمام رعنائیوں اور نعمتوں کے ساتھ خود آترائی ہو۔ میں آپ کو ایک بہت بڑے راز سے واقف کرتا ہوں۔ میری دوست موسیٰ ڈکھا سا برطانیہ سے گفت و شنید کر رہی ہیں کہ فرانس انگریزوں کے لئے مقرر چھوڑے، اور انگریز مراکش میں ہماری کوئی مخالفت نہ کریں!

"میرے دوستوں ایک لمحہ کے لئے دولت و ثروت کے اُن خزانوں کا تصور کرو جو مراکش میں تمہیں حاصل ہونگے۔ پوری سرزمین زرخیز ہو، بیش قیمت کانوں سے لبریز ہو۔ تم وہاں کی کانیں کھود گے۔ حجاب غلبہ پیدا کر دے گا۔ روٹی اتنی حاصل ہوگی جس کا اس وقت تصور بھی نہیں کیا جاسکتا!"

"کیا اس کے بعد بھی تم باہمی منافست میں مبتلا رہو گے؟ حالانکہ تم ہی دونوں گروہ اس نئی سرزمین کے مالک ہو۔ تم دونوں کو قلم فرانسیسیوں پر خاص امتیاز حاصل ہے۔ سب سے پہلے تم ہی نے اس سرزمین میں اسلام کا جھنڈا بچا کیا۔ اسلام کے ملک پر سچی سکر بٹھا دیا، اور اسلام اور مسلمانوں سے واقفیت ہم پر بچائی۔ لہذا تم ہی ذوق کے تمام اسلامی ملکوں کے مالک بنو گے۔ اُس قابض سے جو مراکش تک، ایک اور بحر متوسط سے صحرا، عظیم تک، تمام علاقے تھکے ہیں پس باہم متحد ہو جاؤ، اور پھوٹ ڈالو فرانس کی محبت قوت پادہ پادہ نہ کرو!" اس تقریر پر ہر طرف سے مرجا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دونوں طرف سے خلیف اُٹھے اور باہم مصافحہ کرنے لگے۔ شراب کے نئے جام بھرے گئے، اور سرسرت کے نعروں میں غالی ہو گئے!

یہ واقعہ اور اس واقعہ کا پورا منظر آنک میری آنکھوں میں ہے! اُس دن میں سمجھا کہ فرانس کی مشرقی حکمت عملی کیا ہے اور اُس کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ اُس دن مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا ملکی اتحاد صرف اس بنیاد پر قائم ہے کہ اہل ملک کے لئے ہمیشہ مشرق میں نئے سکھار مہیا کرتے ہیں ہماری سوسائٹی کے مختلف طبقوں کا باہمی اتحاد اس لئے نہیں ہے کہ انصاف میں وہ متفق ہیں۔ صرف اس لئے ہے کہ ظلم میں کوئی اختلاف نہ

## اُٹلی اور مین

تین برٹلی کا دانت مت سے ہے لیکن برطانیہ کی رقابت ہمیشہ اُس کا راستہ روک دیتی تھی۔ اب باہم کھوت ہو گیا ہے۔ اور اُٹلی تین کی طرف بے کھٹکے بڑھ رہا ہے۔ یہ واقعہ جو کچھ پچھلے چندہ کے اند اُٹلی نے متنازین بہت اثر پیدا کر لیا۔ ایک زمانہ میں اُٹلی کا نام بھی سننا نہیں چلتے تھے، مگر اب وہ اُس سے معاہدہ کر رہی ہیں، سلمان جنگ لے رہی ہیں اور اپنی فوجی تربیت کے لئے اٹالین مشنوں کے طلبگار ہیں!

گزشتہ ہفتہ ان "دندانہ علاقوں" نے ایک نیا قدم اٹھایا ہے۔ تین کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اُس کا سیاسی وفد یورپ گیا ہے۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ "یعنی وفد" یورپ کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کرے گا تاکہ یورپ میں تمدن کا مطالعہ کرے، پھر مصلحتاً اور انگوڑہ جائے گا" اس اعلان میں اُٹلی کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ اس کی اصلی غرض اُٹلی ہی ہے۔ یہ وفد قدم پہنچ گیا ہے۔ امام بھی کے ٹھیلے لیے "امیر محمد" اُس کے رئیس ہیں، اور سید محمد عبداللہ براہیم، سید عباس علی، قاضی علی عرفا، قاضی داف بکن ہیں۔ قاضی راقب، حکومت صنفار کے مدیر خارج ہیں اور تین میں تنہا شخص ہیں جو ایک یورپین زبان (فرانسیسی) جانتے ہیں۔ اس وفد نے آئے ہی موسیقی اور شاہ اُٹلی سے طویل ملاقاتیں کیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اس وفد کا کیا مقصد ہے، لیکن اُٹلی کے غیر سیاسی اخبار نے کوئی بھی شے اس وفد کے مقصد کے لئے نہیں لکھی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ وفد اُٹلی کی تاریخ کی ترقی کے لئے ہے۔



## خواص و سبوح

### ”میری صحیفہ نگاری کی زندگی کا ایک“

(مشہور فرانسیسی اخبار نویس، فرانس ٹیلی ویژن کے قلم سے)

تقدیریں اللہ تعالیٰ ہی بخوئے نہ ہونگے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے پہلے اور دوسرے نبریں ایک فرانسیسی کتاب کا ذکر کیا تھا جس میں فرانس کے تین بڑے بڑے اخبار نویس نے اپنی صحافتی زندگی کے اہم واقعات لکھے ہیں۔ اسی کتاب میں فرانس ٹیلی ویژن نے الجوز اور ٹیونس کے تعلق ایک نہایت دلچسپ اور جڑ سے اگڑا سا خاکہ لکھا ہے۔ یہ آئندہ کی بات ہے کہ فرانس میں یہ مسئلہ زبردستی سے ابھار دیا جائے گا یا اسے قائم جاری حالت میں رہنے دیا جائے گا؟ فاضل السلطہ نے اس مسئلہ میں کیا حکم دیا ہے؟ دوسری میں مناہدہ پر وہ پڑھی تھی۔ اسی اثنا میں پیرس کی ایک معتد سیاسی جماعت نے ایک سیاسی میناف کا اجتماع کیا اور اس میں ملک کے بڑے بڑے اخبارات کے ایڈیٹر بھی مدعو کئے گئے۔ مقالہ نگار بھی انہی لوگوں میں سے ہے اور اس کی سرگزشت حوالہ دلا کر کرتا ہے۔ اس مختصر سی سرگزشت میں قریب کے سیاسی اور سرمایہ دارانہ اخلاق کا جیسا مکمل نقشہ دکھایا گیا ہے، شاید ایک بہت بڑی کتاب سے بھی اتنی وضاحت نہ ہو سکے۔ طرز بیان کی تعریفی نظرات نے سرگزشت کی دلچسپی اور زیادہ بڑھا دی ہے:

### فرانس کی مشرقی حکمت عملی کے راز

میں نے ابھی اخبار نویس کے پیشے میں قدم رکھا ہی تھا کہ ستمبر ۱۹۵۸ء میں مجھے اس میناف (ڈنر) میں شرکت کا اتفاق ہوا جو ”انجمن قریحہ“ ہرماہ ملک کے بدروں کو جمع کر کے منعقد کرتی تھی۔ گراؤ ہوٹل کے بڑے ہال میں تقریباً ۵۰۰ آدمی جمع تھے۔ ہال کی دیواروں کی آرائش منظر فریب تھی۔ وسط میں خوبصورت گول میز تھا۔ پروقیمی کرسیاں بھی تھیں۔ حاضرین میں لیون اور بورڈو کے سرمایہ دار، لیون اور تانسی کے کارخانہ دار، مارسیلز کی جاندار کپڑوں کے مالک، مجلس (سیٹ) کے سربراہ اور وہ ممبر، اور اور الجوز آبادیوں کے نمائندے، اور چند مشاہیر اخبار نویس شامل تھے۔

قرم قرم کے لایڈ کھلے اور نفیس شرابیں ہمارے منظر تھیں۔ دلرب جاموں میں جب معطر شہین اور ملی ٹی تھی، اور لیلے سطح پر خوش مار کر ابھرتے، تو ہم اخبار نویسوں کا جوش، حد جنوں تک پہنچ گیا۔ ہم بچپن سے کہ فرانسیسی پرچم سمند باب کے تمام ملکوں پر لہرانا دیکھیں۔ کھانے کے بعد میں مجلس مسیواٹین نے اعلان کیا ”ہم ایک اہم مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ کہ ٹیونس کو نوآبادیوں کی وفات کے تحت کر دیا جائے یا ابھی اس میں توقف کیا جائے؟“ شروع میں ہم اخبار نویسوں نے خیال کیا۔ اس مسئلہ پر کوئی بحث نہ ہوئی۔ چنانچہ بدروں کے ساتھ ہنسنے اپنی جیبوں سے یادداشت کی کاپیاں نکال لیں۔

ایک سابق وزیر اٹھا اور تقریر شروع:

”ٹیونس، اب تک فرانس کے زیر حاکم (پروٹیکشن) ہے اس کو قانون کی نظر میں وہ محکم نہیں ہے۔ ایک اجنبی ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا تعلق براہ راست وزارت خارجہ سے ہے۔ اس کو دستور حکومت الگ ہے۔ اس کا چنگی خاند مستقل ہے۔ اس میں صوبہ حال کا نتیجہ ہے جو کہ الجزائر میں رہنے والے فرانسیسیوں کے ساتھ ہم ایک خاص قسم کا برتاؤ کرتے ہیں اور ٹیونس کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوسرا۔ یہ صورت اس وقت جائز ہو چکی تھی جب فرانسیسی نو جوانوں نے

بلند ہوئی۔

”شیردا“ ایک تاجر نے غصے سے کہتے ہوئے کہا۔ فرانس کے کپڑوں کا بھاری چوری، کھلا ہوا مازہ ہے۔ تم مارسیلز میں دوسری گھروں منگاتے ہو مگر نیکی سے بچنے کے لئے اسے پہلے ٹیونس بھیج دیتے ہو پھر وہاں سے فرانس میں داخل کرتے ہو تاکہ ٹیونس کی کم چنگی سے فائدہ اٹھا سکو۔

”یہ کون گداہل رہا ہے؟“ ایک شخص نے پوری بے پردائی سے پکار کر کہا۔

”تم گدہوں کے جواہر ہو“ رحبتہ جواب تھا! اب مجھ پر یہ راز کھلا کہ ٹیونس کا معاملہ نہ تو فرانس کی عظمت سے تعلق رکھتا ہے نہ تہذیب و تمدن کی خدمت سے۔ محض سرمایہ داری کا سوال ہے۔ الجزائر کے فرانسیسی اور ان کے حاجی ٹیونس کو نوآبادیوں کی وفات کے تحت اس لئے کر دینا چاہتے ہیں تاکہ وہاں کے فرانسیسی ان سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

”تم ٹیونس کی دولت کھا کے پھول گئے ہو“ ایک مقرر نے کہا۔

”حاصد! شیطان کے بیانیہ ہم تھیں پیروں سے دوند ٹالیں گے“ ٹیونس کے ایک فرانسیسی کا جواب تھا جبکہ وہ جوش سے کھڑا ہو گیا تھا!

غرض کہ کوئی کالی نہ تھی جو استعمال نہ کی گئی ہو۔ کوئی الزام نہ تھا جو ایک نے دوسرے پر نہ لگایا ہو۔ اب شراب، سردیوں پر خوب چڑھ چکی تھی۔ آنکھیں لال تھیں۔ گھونٹے تن سے تھو۔ خطرناک ارادوں نے سر جھریں ہولناکی کا غانہ دل دیا تھا۔ آخر ایک آواز بلند ہوئی ”سیواٹین! مسیواٹین!“

مسیواٹین اپنی کرسی سے اٹھے۔ اب ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اس وقت بھی میری آنکھوں میں اس جوڑے سینہ والے سیاہی دہری کی تصویر بھر رہی ہے۔ اس کی آنکھیں نہایت متحرک اور تیز تھیں۔ چہرے سے از حد بیکار معلوم ہوتا تھا۔

”میرے ٹیونس دوستو! مقرر نے داہنی طرف منہ کر کے کہا ”تم یقیناً میرے اخلاص سے انکار نہیں کر سکتے۔ آجے ٹیونس پہلے میں ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے فرانس کو ٹیونس کی طرح پرکارہ کیا تھا۔ میں بھی تحریک کی تھی کہ اس ”نیم ویش“ ملک میں تمدن و تہذیب کی روشنی پھیلائی جائے۔“

جلہ حاضرین نے پرجوش تالیاں بجائیں۔

”اور اے میرے الجزائر دوستو! مقرر نے بائیں طرف رخ کر کے کہا ”تم بھی میری خیر خواہی اور دوستی سے بخوبی واقف ہو۔ الجزائر سے میری محبت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ الجزائر میرا وطن ہے۔ کیونکہ میں اسی خوبصورت ملک میں پیدا ہوا تھا۔ الجزائر کی محبت میرے دل تک میرے دل میں باقی رہی گی۔“

بائیں رخ سے پرجوش تالیوں کا شور بلند ہوا! غرض کہ اس چالاک مقرر نے کچھ ایسی شیریں زبانی سے گفتگو شروع کی کہ دونوں فریق خوش ہو گئے اور اس فرانس کے جسے پڑوسی ملک انسان کے اخلاص پر ایمان لے آئے!

”غیردا“ مقرر نے اپنی آواز کو حد درجہ موثر بنا کر کہا کہ جب میں تھیں! ہم اس طرح لڑنے جھگڑنے دیکھتا ہوں، تو میرا دل سونو میں بیٹھنے لگتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ الجزائر اور ٹیونس بغیر ایک دوسرے پر حسد کے ترقی کریں؟ میں آپسے امید کرتا ہوں کہ بہت خیالات ذکر کریں۔ ذرا اپنی آنکھیں اٹھا کر ادھر کی طرف نہ کیجئے! یہ دیکھئے، مراکش کی وزیر سرزمین آپسے منسلک موجود ہیں

اب گرم مباحثہ شروع ہو گیا۔ سرمایہ داروں، کارخانہ داروں، تاجروں، کمپنیوں کے مالکوں نے بھی تقریریں شروع کر دیں۔

ایک مقرر نے کہا ”یہ کیوں نہیں کہتے کہ ٹیونس کی کاغذی تباہی کرنی چاہتے ہو؟“

”اور تم الجزائر کی کانوں کے دشمن ہو“ دوسرے مقرر نے بغیر کسی تاثر کے جواب دیا!

”اور تم بدعاش ہو! ایک تاجر جوش میں بخود دھڑکتا تھا۔ لیکن تم دو کو جواب دے جا زبان!“ ایک طرف سے آواز



نظرہ کی سادہ ہدایت کی جگہ کتاب کی گراہیاں پیدا ہو گئیں، اور پھر  
طرح ہوا۔ بعد جب تک پہنچ گئیں، کہ پہلی حالت بالکل منقلب ہو گئی۔ اسی  
عہد سے انسان کی معنوی زندگی کی ایک دوسری نشوونما شروع ہوتی ہے،  
اور اس کی "ابتدائی" زندگی اور "عہد طفولیت" سے اسی دوسرے  
عہد کی ابتدا مقصود ہے۔ شرح اس حقیقت کی اشارات میں مکتبہ نہیں اور  
یہ عمل تفصیل نہیں)

### دور قمر و جلال

یہ عجیب بات ہو کہ تاریخ میں انسان کا قدیم سے قدیم تصور الہی  
جو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ سراسر خوف اور وحشت کا تصور ہے۔ ہم  
محبت، اور جلال کا اس کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ خدا کا تصور اُس کے  
لئے صرف ڈرنے کی چیز تھی۔ اس کے لئے، اور محبت کی چیز نہ تھی۔ وہ  
اُس کے قہر و غضب کی ہولناکیوں سے ڈرتا تھا، اس لئے اُس سے  
بچنے کے لئے اُس کی پرستش کرتا تھا۔

انسان کی پرستش خدا سے بچنے کے لئے تھی۔ خدا کی طرف  
ڈرنے اور اُس سے محبت کرنے کے لئے نہ تھی۔ وہ ایک ڈراؤنی اور  
ہولناک طاقت سے محبت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا!

بطور یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے مگر فی الحقیقت عجیب نہیں  
ہے۔ انسان خدا کی صفات کو کائنات عالم کے فطری مظاہر میں دیکھتا  
تھا۔ یہی مظاہر اُس کے تصور میں خدا کے اعمال کا تصور پیدا کرتے  
تھے۔ نظرہ کائنات میں کون دیکھتا ہے۔ لینے وہ کائنات کی زندگی  
اور بقا کے لئے بہ یک وقت بناؤ اور بگاڑ، دونوں کا عمل جاری  
رکھتی ہے۔ انسان نے جب اپنی ابتدائی عقل و ادراک سے مظاہرِ فطرہ  
پر نظر ڈالی، تو اُس کی نظر فطرہ کے بناؤ کا حسن نہ دیکھ سکی۔ اُس کے  
بگاڑ کی ہولناکیوں سے سہم گئی۔ نظرہ کاجال ایجاب و تفریط  
تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے۔ اُس تک پہنچ کر عقل و ادراک  
کی زیادہ تیز اور دھندلے نگاہ کی ضرورت تھی۔ یہ ابھی اُسے میسر  
نہیں آئی تھی۔ پس صورت کائنات کا پہلا اثر جو اُس کے ذہن و  
ادراک کی نارسائی نے قبول کیا، جمال و رحمت کی دلداری نہ تھی۔  
جلال و قہر کی ہولناکی تھی۔ اسی ہولناکی سے اُس نے خدا کی شکل و رشتہ  
کا نقشہ بھی کھینچ لیا۔ قدرتی طور پر یہ نقشہ ڈراؤنا تھا۔ محبوب و دلاویز  
نہ تھا۔

اس عالمِ اندویش میں ہر چیز کی طرح فطرت بھی ایک قدرتی طبیعت  
اور مزاج رکھتا ہے۔ تخریب کے مزاج میں شورش اور ہولناکی ہے،  
اور تعمیر ساز سکون اور خاموشی ہے۔ تعمیر جمع، نظم، تربیت، اور ایجاب  
ہے۔ تخریب تفرقہ، برہمی، اضطراب، اور سلب و نفی ہے۔ جمع و نظم  
کی حالت ہی سکون ہے۔ اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و اضطراب  
کی حالت ہے۔ دیوار جب بنتی ہے تو کوئی ہولناکی محسوس نہیں ہوتی۔ پھر  
اُس کے گرنے میں دہکا کا ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر تخریب کا  
عمل تعمیر سے زیادہ نمایاں اور پر شور ہے۔ تخریب کی ہیبت فوراً ڈرا  
دیتی ہے، لیکن تعمیر کی دلداری آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی ہے۔  
تخریب کا دھماکا دوسرے بھی سن لیا جاسکتا ہے، لیکن تعمیر کا خاموش  
عمل دیکھنے کے لئے نزدیک آنے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرتی  
طبیعت تعمیر اور ایجابی افعال سے اُس پکڑنے میں دیر لگاتی  
ہے لیکن تخریبی اور سلبی افعال سے فوراً ڈرجاتی ہے۔ جلد ڈرتے  
زیادہ ہیں۔ اُس کم پکڑتے ہیں۔ انسان کا بچہ بھی ابتدا میں ہر چیز  
سے سہتا اور ڈرتا ہے۔ پھر جوں جوں اُس کی ذہنی استعداد بڑھتی  
جاتی ہے، ڈر کم ہوتا جاتا ہے اور موانعت بڑھتی جاتی ہے۔

نوع انسانی کا اُسے عہد طفولیت میں یہی حال تھا۔ کائنات  
نظرہ فی الحقیقت سراسر وجود، تعمیر اور ایجاب ہے، اور اس کو

کے لئے کیسا خدا منتخب کیا تھا؟

انسانی ذہن و فکر کی اس دراندگی میں حتیٰ ذہن کی دیگر  
ہیش نمایاں ہوتی رہی۔ لیکن وہ اس راہ میں عقل انسانی کی اسی  
حد تک رہنمائی کر سکتی تھی، جس حد تک اُس کی استعداد ساتھ دینے کے  
لئے طیار تھی۔ انبار کرام و علیہم السلام کی تعلیمات کا پیرایہ و اسلوب  
بھی دراصل اُن کے زمان و مکان کی عقلی استعداد کا نتیجہ ہوتا ہے  
وہ مجمع انسانی کے معلم درمی تھے۔ اس لئے اُسی درجہ کا سبق سے  
سکتے تھے، جس درجہ کہ فہم و عقل کی استعداد فطری میں پیدا ہو گئی  
تھی۔ وہ اس سلسلہ ارتقاء سے باہر نہیں ہیں۔ اسی کے نشوونما ترقی کی  
مختلف کڑیاں ہیں۔

### تصور الہی کے دو بنیادی اصول

نوع انسانی کے تصور الہی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو  
اگرچہ اُس کی نوعیت کی بے شمار صورتیں اور متغیر سامنے آئیں گی  
لیکن بڑی اور اصولی تقسیم دو بنیادی نوعیتوں کی بنا پر کی جاسکتی  
ہے:

#### (۱) تجسم اور تشویر

#### (۲) صفات جلالیہ اور جلالیہ

ذہن انسانی نے جب نظرہ کی آواز سنی اور خدا کا تصور کرنا  
چاہا، تو وہ بغیر شکل و شباہت کے اُس کا تصور نہ کر سکا۔ یہی تجسم اور  
تشویر کی بنیاد ہے۔ لینے خدا کے لئے ایسی صفات تجویز کرنا جیسی صفات  
مخلوقات و موجودات کے ہم محسوس کر رہے ہیں۔

پھر چونکہ اُس کا ذہن و فکر عہد طفولیت میں تھا اور نشوونما  
کے لئے ایک طولانی عمر کا محتاج تھا، اس لئے اس شکل و شباہت کا  
نقشہ بھی زیادہ شائستہ اور بلند نہ کھینچ سکا۔ وہ دراصل اپنے ہی صفات  
کا عکس طیار کر رہا تھا، اُس کی صفات ابتدائی عہد کے ناقص اور  
ادنیٰ درجہ میں تھیں اس لئے ویسے ہی صفات سے اُس نے اپنے خدا  
کا خال و ضد بھی آراستہ کیا!

یہ صفات ابتدا میں سراسر قہر و جلال کی صفات تھیں۔ پھر ان  
میں رحم و جلال کی بھی آمیزش ہوئی، لیکن غلبہ قہر و جلال ہی رہا۔  
اُس کے تصور میں پہلے دہشت آئی۔ پھر امید نے جلوہ کیا۔ وہ پہلے  
خدا سے صرف ڈرتا تھا۔ پھر امید کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ  
آہستہ محبت بھی کرنے لگا!

چنانچہ اس سلسلہ کے ارتقائی تغیرات میں یہی دو باتیں رہیں  
زیادہ نمایاں اور بنیاد اصل و معیار ہیں۔ اس سلسلہ کی ابتدا تجسم اور  
قہر و جلال سے ہوتی ہے، اور تکمیل تشویر اور رحمت و جلال پر۔

دریائے کمال کی تمام کڑیاں، ارتقائی کڑیاں ہیں۔ جوں جوں انسان  
کی معنوی استعداد ترقی کرتی گئی، وہ تجسم سے تشویر کی طرف اور  
صفات قہر و جلال سے رحمت و جلال کی طرف ترقی کرتا گیا۔ یہاں  
تک کہ تکمیل کی آخری منزل نمودار ہو گئی۔

تجسم اور تشویر پر دوسری جگہ مستقل بحث کی گئی ہے۔ یہاں  
اس کا ذکر تشریح آگیا ہے۔ یہاں کا اصلی موضوع صرف صفات قہر و  
جلال اور رحمت و جلال کے ارتقائی تغیرات ہیں۔

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں "ابتدا" اور "ابتدائی عہد" کے  
الفاظ سے نوع انسان کی حقیقی ابتدا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن  
حکیم کی تصریحات کے مطابق نوع انسانی کی ابتدائی زندگی، اُس  
کی فطری اور بے آمیز زندگی تھی، اور چونکہ وہ نظرہ حالت ہدایت  
میں پیدا کیا گیا ہے نہ کہ ضلالت میں، اس لئے اُس کے تمام عقائد  
و تصورات بھی اپنی فطری ہدایت پر قائم تھے۔ مغرب و اندک اندیش  
نہ تھے۔ لیکن اُس کے بعد مختلف اسباب سے وہ حالت باقی نہ رہی

کا دلوں پیدا کیا، تو ذہن و فکر نے چاہا، اُس کا تصور کرے۔ لیکن جب  
تصور کیا، تو اُس کی ذات کا تصور نہ تھا۔ اُس کی صفات کا تصور  
تھا۔ وہ بچے بعد بچہ صفات الہی کے نقشے کھینچتا گیا، اور  
اپنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اپنے خالق و معبود کی شکل و رشتہ  
بھی بدلتا گیا۔ وہ ہر تبدیلی کے بعد ایک نئی صورت کا خدا اپنے سامنے  
دیکھتا، مگر نہیں سمجھتا کہ یہ صورت اُس کے خدا کی صورت نہیں ہے۔ خود  
اُس کے ذہن و ادراک کی صورت ہے۔ خدا کی صورت ایک ہی تھی،  
لیکن اس کی نظر ہمیشہ یکساں نہ تھی۔ نظر و شاہدہ میں جیسی جیسی  
تبدیلیاں ہوتی گئیں، منظور و مشہود بھی بدلتا گیا۔ اس راہ میں عقل  
انسانی کی پہلی اور بنیادی دراندگی یہی ہے:

لے بروں از دہم و قال دقیل من!

خاک بر سر حق من و قیل من!

عقل انسانی کا ادراک محدود تھا۔ اُس کے تصور کے سامنے  
محسوسات کی دیوار کھینچی تھی۔ وہ حواس کے دائرہ میں محسوسات  
و امکان کی جلی بند شلوں میں اسیر تھا۔ وہ صرف محسوسات ہی کا تصور  
کر سکتا تھا، اور انہی کی شکل و شباہت میں ہر چیز کو دیکھ سکتا تھا۔ پھر  
اُس کے عقل و ادراک کی یہ جتنی بھی رسائی تھی، بہ یک دفعہ کام نہیں  
دے سکتی تھی۔ نشوونما اور ارتقاء کی محتاج تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو  
نظرہ کے مجرد اور بے میل جذبہ ذہن و فکر کی صورت آرائیاں اور  
شباہت آفرینیاں تھیں، خدا کے تصور کی جگہ ایک ایسی ہی صورت کا تصور پیدا  
ہو گیا، جو خالق کا تصور نہ تھا۔ خود انسان کے ذہنی تصورات کی  
مخلوق تھا۔ وہ اپنے ادراک کے آئینہ میں خود اپنے چہرہ کا عکس دیکھتا  
اور اُس کی کو اپنا معبود سمجھ کر سربسجد ہو جاتا۔ اُس کا دل ہمیشہ خدا  
کی صورت دیکھتی چاہتا۔ مگر اُس کا دماغ ہمیشہ اپنی ہی صورت کی  
پرستش کرتا۔ مولانا نے ایک جودا ہے کی حکایت میں جس کے لئے  
حضرت سہیل کا زانہ فرض کیا گیا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ  
کیا ہے:

لے کہ اندر چشمہ شورش جات تو چہ دانی شط و جیوں و فرات؟  
چوں قدم آمد، حدث گرد و بحث پس کجا دانستیدی راجت؟  
چوں تو ہم میسکنی تو فرات ذات ذات نمود، وصف ہما و صفات  
دہم مخلوق است و مملود است حق نراندست اولم و اولست!  
بہر حال خدا کی ہستی کے اقربان و یقین کے فطری جذبہ نے جب  
تصور کی شکل اختیار کی، تو یہ ذہن و فکر کا عمل تھا، اور ضروری تھا  
کہ اُس کی حالت اور استعداد کی ترقی کے ساتھ ساتھ اُس میں بھی ترقی  
ہوتی رہتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگرچہ انسان کے تمام الہی تصورات  
کے بعد بچہ کے سامنے لائے جائیں، تو وہ انسانی ذہن کے سلسلہ  
ارتقائی کے سب سے زیادہ واضح تاریخ ہوگی۔ وہ اگرچہ بظاہر خدا کے تصور  
کا ارتقاء ہوگا، لیکن باطن خود ذہن انسانی کے ارتقاء کے تمام طبقوں  
ایک ایک کر کے سامنے آجائیں گے۔ کائنات کے لفظوں میں کہا جاسکتا  
ہے کہ ذہن انسانی کی استعداد فکر کا سب سے بڑا معیار، اُس کا تصور  
الہی ہے۔ جب کبھی اُسے ایک بچلا درجہ چھوڑ کر بلند درجے پر قدم  
ٹھکا ہے، تو سب پہلے خدا ہی کی طرف نظر اٹھاتی ہے۔ اسی مطلب کی  
طرف اخوان الصفا کے مصنفین نے زیادہ صاف لفظوں میں اشارہ  
کیا تھا: "انسان کی کسی حالت اور اُس کے کسی عہد کی عقلی استعداد  
کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اُسے تصور الہی پر نظر  
ڈالی جائے جس درجہ یہ تصور شائستہ اور بلند ہوگا، اُسی ہی اُس کا  
ادراک عہد کی عقلی استعداد ترقی یافتہ ثابت ہوگی!" یہی گنگل نے  
بھی اسی طرف توجہ دلائی ہے: "تاریخ میں کسی قوم کی عقلی اور تمدنی  
استعداد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا کہ اُسے اپنی پرستش



لَا تُهِنُوا كَلِمَةَ اللَّهِ وَتَكْفُرُوا بِالْآيَاتِ الَّتِي تَنْزَلُ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَمِنَ الْفِكْرِ الَّتِي تَنْزَلُ عَلَيْكُمْ مِنَ الْوَحْيِ الْحَقِّ

# الہلال

ایک ہفتہ وار رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۳ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۹

Calcutta : Friday, 12, August 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔  
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۵۶۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۵۶	اردو حروف کی حق میں	۱۸۲
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۱۰۵	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۱۷۸	نستعلیق ہوں	۴۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔  
آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں گے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔



# فہرست

۲ تذکرہ علمیہ

نظریہ ارتقا کا گم شدہ حلقہ

۳ تعلیم

۶ تاریخ مغرب جدید کی تاریخی شخصیتیں

۱۰ عالم شرق و اسلام

شام کے جہاد حریث کا خاتمہ

۱۳ بصائر و حکم

ان اہانت موت کے دروازہ پر

حضرت عمر ابن الخطاب

۱۳ برید فرنگ

مسیحی کی ایک اہم تقریر

۱۹ برید شرق

مکتب قسطنطنیہ

۱۹ خواطر و سوانح

۱۹ "اخباری زندگی کا ایک لمحہ"

۲۱ باب لفقہ

تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

۲۳ عالم مطبوعات و صحائف

ایک نئی یادداشت کتب

کتاب العلم والعلوم

العبر

۲۳ میرٹھ

کی

اصلی مشہور و معروف

قینی

۲۳ نانا اسٹوڈنٹس فیصل میرٹھ سے منجانب

۲۳

۲۳

۲۳

۲۳

۲۳

۲۳

۲۳

۲۳

۲۳

۲۳

مصنفات بکثرت شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ عرب تاریخ ادبیات عرب تاریخ بغداد جدید، وغیرہ کتا میں مشہور و مقبول ہیں۔ ابلاغی کی کتاب الخلیفۃ النبی کے نسخی و اہتمام سے شائع ہوئی۔ کای فوگن (چین) کی ایک قدیم مسجد کے عربی دفتری نقوش پر بھی ان کا ایک رسالہ شائع ہو چکا ہے۔ اس یادداشت میں عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے بعض فوائد پر معلومات موجود ہیں۔ ایک ترکی عثمانی کتاب کا بھی ذکر ہے۔ ہم آئندہ اس کے بعض اہم فوائد مدیہ قارئین کو کر کے

## امام ابن قیم کی کتاب العلم والعلوم

امام ابن قیم کی مصنفات کا بڑا ذخیرہ شائع ہو چکا ہے، لیکن روز بروز نئی کتابیں نکلتی ہی آتی ہیں۔ حافظ ابن رجب نے طبقات میں ان کی ایک کتاب کا نام "کتاب العلم والعلوم" لکھا ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ جسران کے شاگرد فرزداد (صاحب قاموس) کا دستخط ہے، دمشق میں نکل آیا ہے اور اسکی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

## العبرنی اخبار البشر

السلال بنزا میں ہم نے امام شمس الدین ذہبی کی تاریخ کبریٰ ثبت اطلاع دی تھی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ان کی ایک دوسری تاریخ "العبرنی اخبار البشر" بھی زیر تصحیح و طباعت ہے۔

امام موصون نے اپنے تذکرہ میں خود تصریح کی ہے کہ انھوں نے پہلے سطور و مبسوط تاریخ الاسلام (تاریخ کبریٰ) لکھی۔ پھر اس سے مختصر اور منتخب کر کے چار چھوٹی چھوٹی کتابیں الگ کر لیں:

(۱) الدول الاسلامیہ: یہ تاریخ کبریٰ کا اختصار ہے، اور بعض کتابوں میں چار جلدیں ہیں بعض میں دو۔ اس کا سب سے زیادہ بہتر اور مکمل نسخہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ کوپری میں ہے۔

(۲) طبقات الحفاظ: اس میں صرف ان حفاظ حدیث کے حالات لے لئے ہیں جن کے تراجم پر سلسلہ تاریخ، تاریخ کبریٰ میں آئے تھے حافظ جلال الدین سیوطی کی طبقات اسی کا اختصار و تکمیل ہے۔ ۱۳۳۳ میں پروفیسر دستغیب نے اسے تین جلدوں میں چھاپ کر شائع کیا۔

(۳) طبقات القراء: اس میں قراء کے تراجم تاریخ کبریٰ سے اخذ کر کے بہ ترتیب طبقات جمع کئے ہیں۔ اسکے نسخے پیرس کے قومی کتب خانہ اور قسطنطنیہ کے کتب خانہ کوپری اور بیروت میں موجود ہیں۔ متعدد علماء نے اس کے ذیل بھی لکھے تھے۔ حافظ سیوطی کا ذیل چھپ گیا ہے۔

(۴) العبرنی اخبار البشر: ایک مختصر تاریخ عام و جلدوں میں ہے۔ اس میں اور دول الاسلامیہ میں یہ فرق ہے کہ اسکی ترتیب حرفی ہے۔

کی ترتیب ہے۔ اس کی ترتیب سنین کی ترتیب ہے۔ سنہ ہجری کی (ابتداء سے لے کر سنہ ۷۵۰ھ کے تمام حوادث و دیات اس میں مل جاتے ہیں۔ ابن شامہ (متوفی ۷۴۳ھ) نے اس کا ذیل لکھا تھا۔ اسکے نسخے برٹش میوزیم اور دایا قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

اسی آخری کتاب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ بعض اہل علم کی سعی سے قاہرہ میں چھپنا شروع ہو چکی ہے۔ مغرب پہلی جلد مکمل ہو کر شائع ہو جائے گی۔

ہے۔ وہاں سے لے لیا جا سکتا ہے۔ دم کے نسخہ میں پانچویں سطر پر ہی نہیں جاتی لیکن سطر ۷۵۴ سے لے کر ۷۵۵ تک کے نسخہ میں موجود ہے۔ وہاں سے لے لی جائے۔ اسی طرح پوری کتاب کا ایک ایک لفظ بدریہ یادداشت مرتب کر لیا ہے۔ ساتھ ہی تمام نسخوں کے چھوٹے چھوٹے لفظی اختلافات کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ بعد کو یہ اختلافات کتاب کے ساتھ شائع کر دیئے گئے۔ ان کی ضخامت اصل کتاب سے بھی دو گنی ہے۔ ایک پوری جلد صرف نہرست اور اختلافات پر مشتمل ہے!

اسی طرح طبقات ابن سعد کی یادداشت دو جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ اس کے ایک ایک ورق اور ایک ایک سطر کے لئے بار بار دنیا کا سفر کیا گیا تھا۔ اس کی ایک ایک سطر، دس دس میں بیس جگہوں کے نسخوں کو باہر لگائے کے بعد حاصل ہو سکی ہے۔ بعد کو یہ کتاب چھپ گئی، لیکن اس کی یادداشت اب بھی علم و جستجو کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

یہ یادداشتیں جو اہل علم و تحقیق نے مرتب کی ہیں مگر بعض ایسی بھی ہیں جو کسی ایک شخص کی تنہا جستجوئے علم کا نتیجہ ہیں۔ انیسویں صدی کے مستشرقین میں پروفیسر ریڈو Reinoud، Etienne Quatremere، Derenbourg، گٹاڈنفلگ، Fluchet، اور دی گوی De gaeje، فلاشر Fluchet، کی یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں۔ زائد حال کے مستشرقین میں مشہور جوہن مشرق پروفیسر تھوڈور ٹیلور Theodor، Noéldeke، اور پروفیسر گولڈزیم Goldziher، کی یادداشتیں شائع ہو چکی ہیں اور نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔

حال میں ایک نہایت قیمتی یادداشت پروفیسر ہوار Huart نے شائع کی ہے جو ہمیں گزشتہ صفحہ پر اس وصول ہوئی ہے۔ اس یادداشت میں پروفیسر موصون نے مصر اپنی جستجوئی کے نتائج درج کئے ہیں بلکہ گزشتہ دور کے دوست بڑے فرانسیسی مستشرقین پروفیسر دی سلان De Slane، اور پروفیسر دیرن برگ Derenbourg کی بعض غیر مطبوعہ یادداشتوں سے بھی ضروری فوائد اخذ کئے ہیں۔

پروفیسر دی سلان کا انتقال ۱۸۸۴ء میں ہوا۔ وہ انیسویں صدی کے مشاہیر مستشرقین میں تھے۔ مقدمہ ابن خلدون، تاریخ بربر ابن خلدون، اور ابن خلدون کا فرانسیسی ترجمہ انہی کے قلم کا ہیں۔ مرتب ہے۔ مقدمہ ابن خلدون کے ترجمہ و اشاعت کا کام دراصل ایٹن کو اتر مرنے شروع کیا تھا۔ مگر تکمیل انہی کے قلم و سعی سے ہوئی۔ قومی کتب خانہ پیرس کے مشرقی مخطوطات کی نہرست بھی انہی نے مرتب کی تھی۔

پروفیسر دیرن برگ کا انتقال ۱۸۸۴ء میں ہوا۔ یہ انہی کے مستشرق باپ کا مستشرق بیٹا ہے۔ سینیور کی الکتاب (جو مکمل میں ایشیا طرک سوسائٹی چھاپ چکی ہے) اور پیرس میں ہی کے اہتمام سے چھپی تھی۔ کتاب الفخری، دیوان نابغہ، کتاب الاعتبار ابن منذر وغیرہ بھی اسی کی سعی و محنت سے مرتب و شائع ہوئی۔ بعد کو الفخری کی نقل مصر میں شرکت احیاء کتب عربیہ نے بھی چھاپی ہے۔

پروفیسر ہوار موجودہ صمد کے مستشرق فرانسیسی مستشرق ہیں۔ یہ اپنے تفسیر کے فرانسیسی قسطنطنیہ میں کتب تھے۔ پیرس میں کرتے قسطنطنیہ میں تھے۔ اب ایک و صمد سے پیرس کے مدرسہ لغات و علم کے علم ہیں۔ اسی دوری علم و ادب پر ان کی



کو گرد میں اٹھا لیا۔ لامتناہی نضا میں دروازے شروع کر دی۔ ایک نامعلوم خطہ میں جا پہنچی۔ دیوکلس نے دیکھا، ایک سر بفلک پہاڑ پر رہا کرتا ہے۔

یہاں، پہاڑ پر، نوجوان نے کالی بدلیوں کے اندر ایک مہر چٹائیں سی دیکھی۔ جوش شعلت میں اسکی روح اس کے حلقہ ہائے چشم میں سمت آئی مگر وہ اس کے خال رخط نہ دیکھ سکا!

”یہی حقیقت ہے“ دیوی نے اپنی انگلی سے اشارہ کر کے کہا ”یہی اپنی دھندلی شعاعیں زمین پر ڈالتی ہے اور فلسفی اور حکیم اُن میں نور حق کا سایہ دھونڈتے ہیں۔ اگر یہ شعاعیں نہ ہوتیں تو دنیا تاریک رات کی طرح اندھیری ہو جاتی۔ انسان کی نگاہ حقیقت کو انہی شعاعوں میں دیکھ سکتی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو، وہ کس قدر ہلکی، کیسی دھندلی شعاعیں ہیں؟ حقیقت بے حد روشن ہے۔ اتنی روشن کہ سورج کی روشنی سے بھی تم اسکا قیاس نہیں کر سکتے۔ مگر وہ ان پردوں کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ صرف اُسکا سایہ ہی نظر آسکتا ہے۔ آگے بڑھو، اور اُسکا ایک پردہ چاک کو ڈال“

دیوکلس نے دیوی کے حکم کی تعمیل کی۔

ہاتھ لگتے ہی پردہ سفید پرند بن گیا۔ تھوڑی دیر نوجوان کے سر پر منڈالایا۔ پھر سیدھا آسمان کے طرف اڑ گیا!

دیوکلس نے اب دیکھا۔ حقیقت کی شعاعیں پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہیں!

دیوی اُسے پھر زمین پر اُڑا لائی۔ وہ اپنی اکادمی میں گیا، اور دیوی اپنا مرمی جامہ پہن کر بہت بن گئی!

\*\*\*

دیوکلس نے دیوی سے اپنا وعدہ پورا کیا۔ آرام و راحت سے منہ موڑ لیا، خلوت میں بیٹھا، اور غور فکر میں یقلم مستغرق ہو گیا۔

اب وہ انسانوں کے کسی مجمع میں نظر نہیں آتا تھا۔ اینٹھنس کے تمام میلے اس سے خالی ہو گئے تھے۔

دوسرے سال اپنے مقررہ وقت پر، وہ پھر سنگ مرمر کے بت کے سامنے سر بسجود تھا۔ دیوی نے حرکت کی، اور پہلی مرتبہ کی طرح اُسے غیر معلوم پہاڑ پر اُڑا لے گئی۔ اب اُس نے حقیقت کا دوسرا پردہ چاک کر دیا۔ اس مرتبہ روشنی اور بھی زیادہ تیز ہو گئی۔ پھر وہ زمین پر واپس آ گیا۔ اُسکی زہد و خلوت پسندی اب اور زیادہ گہری ہو گئی تھی۔

\*\*\*

اُسکے رفیق اس تبدیلی پر متعجب تھے۔ انہوں نے اُسے بہت بہت پھسلا یا، مگر وہ اپنے گوشۂ انزوا سے باہر نہ نکلا۔

اینٹھنس کی بعض حسین در شیزہ لڑکیوں سے اُسکی ملاقات تھی۔ ایک فنڈہ گر حسن اُس سے محبت بھی کرتی تھی۔ اُسکی یہ حالت دیکھ کر ایک دن اُسکے پاس گئی:

”دیوکلس! کیا بات ہے؟“ در شیزہ نے مسکرا کر کہا، ”تم مجھ سے یزار کیوں ہو گئے؟ یہ دیکھو، میری آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں۔ میرے بال شعاعوں سے بھی زیادہ چمکیلے ہیں۔ میرا جسم کیسا دلفریب ہے؟ میں نے تمہارے سوال محبت کا جواب دیا تھا، مگر اب میں خود تم سے جواب محبت کی سائل ہوں۔ مجھے دیکھو، میری محبت کی تعقیر نہ کرو۔ خود دیوتا بھی محبت سے انکار نہیں کرتے“

نوجوان چونک اٹھا۔ ادھر ادھر گھبراہٹ سے دیکھنے لگا۔ سمجھا، اُسکے ہم مدرسہ بکار رہے ہیں۔ مگر وہاں کوئی انسان بھی نظر نہ آیا۔

”دیوکلس!“ — ”دیوکلس!“ نوجوان تمنائی نے نگاہ اٹھا کر بت کر دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سچ مجھ کو اُسکے ہرنت ہل رہے ہیں! ... اچانک سنگ مرمر کے ہاتھ میں جنبش ہوئی ... دیوی نے اپنا ہاتھ دیوکلس کے کندھے پر رکھ دیا ... بجلی کی ایک طاقتور لہر اُسکے بدن میں دوڑ گئی۔ بید کی طرح تھر تھرانے لگا۔ خوف کی شدت سے اُسکے حواس معطل ہو گئے ...

لیکن آواز اب تک رہی تھی ”دیوکلس!“ ”دیوکلس!“

”دیوکلس! تو نے مجھے بکارا۔ لے، میں آگئی۔ تیری مناجات میں بے سن لی۔ بول، کیا مانگتا ہے؟“

دہشت سے نوجوان کی سانس رک گئی۔ بے اختیار زمین پر گر پڑا۔ قریب تھا، بیہوش ہو جائے۔ جب کچھ عرصہ کے بعد اُسکے ہوش حواس واپس آنے لگے۔ تو اُس نے خوفزدہ نظروں سے دیوی کو دیکھا:

”ہاں مقدس دیوی!“ اُس نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا ”میں ہی تیرے حضور زار نالی کر رہا تھا۔ مجھے ”حقیقت“ کی جستجو ہے۔ میں ”حقیقت“ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اُسے بے نقاب دیکھنا چاہتا ہوں ...“

”تو حقیقت کی کھوج میں ہے!“ دیوی نے اپنی پر رعب آواز میں کہا ”حقیقت خود یہی ”وجود“ ہے۔ حقیقت کہاں نہیں ہے؟ لیکن ہاں، بے پردہ، بے نقاب حقیقت، کبھی کوئی کائناتی نگاہ نہ دیکھ سکی۔ کسی نے اسے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی۔ بے نقاب حقیقت انسان کی حد نگاہ سے باہر ہے۔ تاہم اگر تیری یہی ضد ہے تو سمجھ لے، تجھے بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی، ایسی بڑی جسکی شاید تجھے قدرت نہیں۔ تجھے دولت، عظمت، حسن — سب سے دست بردار ہوجانا پڑے گا۔ تجھے زندگی کا بھی آرزومند نہ ہونا چاہیے۔ دیوتاؤں نے ”حقیقت“ سے بڑھ کر کوئی دولت کائنات کی اولاد کو نہیں دی ہے“

”میں ان سب سے ہمیشہ کیلئے بخوشی دست بردار ہوتا ہوں“ دیوکلس نے خوش ہو کر کہا ”میں سورج بھی چھوڑنے پر طیار ہوں“

دیوی نے اپنا سر جھکا لیا۔ ہر طرف خاموشی پھیل گئی۔ درخت ”زفس“ کی اس با عظمت لڑکی کی تعظیم میں جھک گئے! دیوی نے پھر سر اٹھایا:

”بہتر“ اُس نے آدمیوں کی طرح لفظوں میں کہا ”تجھے حقیقت دکھادی جائیگی۔ لیکن ایک ہی مرتبہ میں تو اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ میں ہر سال ایک دفعہ تجھے وہاں لیجایا کرونگی۔ تو اُسکے چھپانے والے پردوں میں سے، ہر مرتبہ، ایک پردہ چاک کر سکے گا ... تو زندگی کے لباس میں رہے گا، یہاں تک کہ حقیقت عریاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے“

\*\*\*

نوجوان کا چہرہ مسرت امید سے دمکنے لگا۔ وہ خاموش رہا کہ دیکھے اب دیوی کیا کرتی ہے۔ اچانک وہ حیرت سے دم بخود ہو گیا۔ دیوی نے اپنی سنگ مرمر کی چادر اتار دی۔ دیوکلس کی آنکھیں دختر زفس کے حسن و جلال سے چکا چوند ہو گئیں۔ چشم زبن میں بت نور کا پتلہ بن گیا۔ ... اب اُس میں حرکت ہوئی۔ ... اُسے نوجوان

## افسانہ

### حقیقت، کہاں ہی ؟

یونانی علم الاضنام کا ایک افسانہ حکمت

وہ دیر تک آنکھوں کے آنسوؤں اور رُہان کی دعاؤں سے مناجات کرتا رہا۔ پھر اُس نے نظر اٹھائی۔ چاند نے اپنی شعاعیں جمع کر کے دیوی کے چہرے کی رعنائی بے حساب کر دی تھی !

ہوا چلتے چلتے رک گئی۔ پتوں کا شور تھم گیا۔ پیلے سے زیادہ سونے طاری ہو گیا۔ نوجوان کا دل تنگ ہوا۔ اُس نے لمبی آہ بھری، اور آہ کے ساتھ ہی آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر پھیل گئیں :

”مقدس دیوی !“ دیوکلس نے جوش سے چلا کر کہا ”تیرے ہی قدموں پر میرا سر دھرا ہے۔ تیری ہی عبادت پر میری روح جھکی ہے۔ تو نے میرے دل کو حکمت کے عشق سے معمور کر دیا۔ تو نے کمال کا لازوال شوق پیدا کر دیا۔ تو نے حقیقت کی جستجو کی آگ سلگا دی۔ یہ آگ اب جلنے لگی ہے۔ یا تو ہمیشہ کے لیے اسے تھلدا کر دیے، یا حقیقت کا جمال پنہاں ایک مرتبہ دکھا دے۔ ہاں، حقیقت، مقدس، عظیم حقیقت، اس مہیب کائنات کی حقیقت، اس ہولناک ازلیت و ابدیت کی حقیقت، ہر وجود کی روح، مجرد حقیقت، عریان حقیقت۔ وہ حقیقت، جس کی جستجو

میں تمام فلاسفہ سرگرداں رہے، اور حکیموں کو بستر خواب پر کبھی نیند نہ آئی۔ حکمت کی پاک دیوی ! حقیقت کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے بے نقاب کر دے۔ میں اسے جاننا اور دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اُسے سارے پردوں اور نقابوں کے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس کی پرورش پر دل بد چکا ہوں۔ میں اُس کی راہ میں اپنی زندگی اور زندگی کی تمام مسرتیں، اپنی دولت، عزت، حسن، شباب، محبت، سب کچھ قربان کر دوں گا“

دیوکلس نے یہ کہا اور گردن اٹھا کر دیوی کا منہ دیکھا۔ وہ بدستور خاموش اور بے حسن و حرکت تھی۔ نوجوان نے اپنی پیشانی پر اُس کے مرمری قدموں پر رکھ دی اور گڑگڑانے لگا۔ اُس کی روح، اُس کی آنکھیں، اُس کی زبان، تینوں دیوی کے قدموں پر تیرے روح، آتش شوق سے جل رہی تھی۔ آنکھیں جوش عشق میں بہہ رہی تھیں۔ زبان ولولہ مناجات سے رافقہ تھی !

\*\*\*

اچانک درختوں کے پتے ہلے، دالیں میں جنبش ہوئی، نسیم کے جھونکے چلے۔ ہوا میں ایک آواز گونجی : ”دیوکلس !“ ”دیوکلس !“

قدیم یونان کے مرکز ایتھنس، فلسفہ کے گہوارے اور حکمت کے سرچشمے پر، رات کی خاموشی چھا گئی تھی۔

رات نے اپنی سیاہ قنائیں تان دیں۔ محو خواب شہر کی لمبی سانسوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اتنے میں چاند نکل آیا۔ روپہلی چاندنی کوہِ دشت پر پھیل گئی۔ مندروں کی سنہری برجیاں چمک اٹھیں۔ زیتون، آرزو خرم کے درخت بے ساختہ کھلکھلا اٹھے !

شہروں کی ملکہ ایتھنس سر رہی ہے۔ دروازوں پر چوکیدار اونگھ رہے ہیں۔ لیکن، صرف ایک نوجوان ہے جو اب تک جاگ رہا ہے !

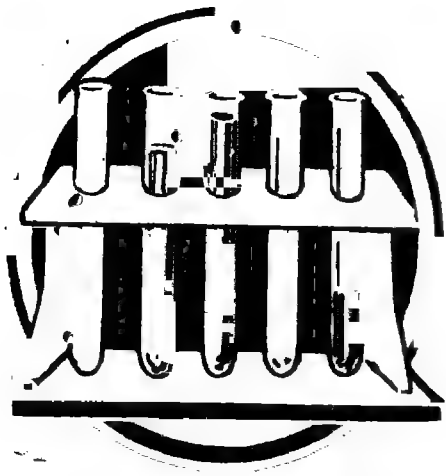
دیوکلس حسن، ذہانت، دولت کے خزانوں کا مالک ہے۔ اکادمی میں حکمت کا طالب علم ہے۔ اپنا پورا دن، اور رات کے بھی بہت سے گھنٹے، علم و حکمت کے پہلو میں گزرتا ہے۔ صحبت و معاشرت سے بیزار ہے۔ ایک پررے حکیم کی طرح پورا خلوت پسند ہے۔ تفکرات کے سمندر میں شب و روز غواہی، بس یہی اُس کا مشغلہ ہے۔

ایتھنس، یعنی حکمت کی دیوی کا مرمری خوبصورت بت اکادمی کے صحن میں نصب تھا۔ دیوکلس سب طالب علموں سے زیادہ، حکمت کے اس خاموش مجسمہ کے پاس جاتا اور ہمیشہ اُس کے تصور میں غرق رہتا۔ اُس کی دل کی مناجاتوں کا قبلہ یہی تھا۔ اُس کے دماغ کے استغراق کا مرکز اسی میں تھا۔ وہ اس کی دلغریب صورت پر غور کرتا۔ وہ اُس کے جمال معنی و حقیقت کی جستجو میں محو ہو جاتا۔ وہ اُس سے حکمت کی روحی اور علم کا پیام ربانی طلب کرتا۔ وہ حکمت کی جستجو میں حکمت کے مجسمہ کا عاشق تھا !

\*\*\*

آج رات دیوکلس پہر دیوی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے۔ رات ڈھل گئی، مگر وہ بے حسن و حرکت کھڑا ہے۔ اچانک اُس نے سر اٹھایا اور بت کے قدموں پر گر پڑا۔ بسوں پر ہوتے لیے۔ آنسوؤں سے اُس کے پاؤں دھرنے لگا :

”اے علم، و حکمت کے مظہر معرب ! رحم، رحم، مجھے ایک نظر دیکھ لے ! ایک مرتبہ کے لیے میری التجائیں سن لے !“



# مذکرہ علمیہ



## زمین پر کائنات حیات کا آغاز

— چیمبر —

علم و نظر کی درماندگیوں

چٹانوں، اور مشتعل کیسوں سے مرکب ہیں۔ یہ دھاتیں اسی قسم کی ہیں، جیسی زمین میں ہم دیکھتے ہیں۔ آفتاب ان تمام کواکب سے بہت بڑا ہے۔ زمین کا قطر اس کے مقابلہ میں صرف ۱/۱۰۸ ہے۔ زمین کا حجم آفتاب کے حجم کے سامنے صرف ۱/۱۲۸۰۰۰۰ ہے۔ مشتری سب سے بڑے ستاروں میں ہے۔ مگر اس کا قطر بھی آفتاب سے ۱۵/۱ کی نسبت رکھتا ہے۔ فلکیوں نے تمام کواکب اور آفتاب کے وزن کا بھی تخمینہ لگایا ہے۔ ان کے اندازہ میں آفتاب اپنے تمام کواکب کے مجموعی وزن سے بھی سات سو گنا زیادہ وزنی ہے۔ زمین تو اس کے مقابلہ میں بالکل ہی بے حقیقت ہے۔ وہ زمین سے ۳۲۴۰۰۰ گنا زیادہ وزنی ہے!

آسمان پر آفتاب کے علاوہ اور نظام شمسی سے باہر، بعض اور کرے بھی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض نظام شمسی سے بھی زیادہ بڑے ہیں۔ یہ ائیر (ایٹھر) اور گیسوی مواد سے مرکب ہیں۔ اور خود اپنے گرد گردش کرتے رہتے ہیں۔

اس مشاہدہ کے بعد اگر ہم نظام شمسی کو دیکھیں، اس کے انداز پر غور کریں، اور اپنے مرکزی آفتاب، اور اس کے حلقہ کے کواکب کی گردش پر نظر ڈالیں، پھر اس کے بعد ائیر کے کورن پر غور کریں، تو باہمی مشابہت کی وجہ سے فوراً ذہن میں یہ خیال پیدا ہو جائیگا کہ شاید آفتاب کی تاریخ ائیر ہی سے وابستہ ہے۔

اس خیال کی تائید اس امر واقع سے بھی ہوتی ہے کہ اگر ہم کسی سیال مادہ میں گردش حرکت پیدا کر دیں، تو فوراً دیکھیں گے کہ وہ کئی حلقوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ سب حلقے مرکز کے گرد گھوم رہے ہیں اور خود ہر حلقہ اپنے اندر ایک گردش حرکت رکھتا ہے۔ یہ حرکت بہت بڑی علمی اہمیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

(زمین میں حرارت)

اگر ہم زمین کے اندر آئیں (جیسا کہ کانوں میں یا کنوئیں کھودتے وقت دیکھا گیا ہے) تو ہر ۳۳ میٹر گہرائی میں حرارت، ستنی گریڈ کا ایک درجہ بڑھتی جائیگی۔ اس حساب سے ایک لاکھ کیلو میٹر نیچے، حرارت کا درجہ تقریباً تین ہزار ہوگا۔ معلوم ہے کہ انہی حرارت جملہ معدنیات کے پگھلا ڈالنے اور اکثر معلومہ مرکبات کو گیس بنادینے کیلئے بالکل کافی ہے۔ پھر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ زمین کا نصف قطر تقریباً چھ ہزار کیلو میٹر (۶۰،۰۰۰ میٹر) ہے۔ بنابریں زمین کے مرکزی حصہ کا حجم، جو مشتعل معدنی مواد سے مرکب ہے، اسی اس سطح یا جھلکے کے حجم سے بہت زیادہ ہے۔ جس پر ہم آباد ہیں۔

زمین کا مرکزی حصہ سیال ہے یا ٹھوس؟ اس بارے میں علم میں اختلاف ہے۔ بڑا گروہ اسے ٹھوس بتاتا ہے، کیونکہ زمین کی

روئے زمین پر ذہنی رزج مخلوقات بہت مدت سے موجود ہیں۔ ماہرین طبقات الارض کا تخمینہ دس کروڑ سال کا ہے۔ بلاشبہ یہ تخمینہ ظنی ہے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ بہت ہی قدیم زمانوں سے زمین پر زندگی موجود ہے۔ زمین کی زیادہ سے زیادہ گہری اور پرانی پرتوں اور ٹہروں میں بھی زندہ کائنات کے نشان ملے ہیں۔

(نظام شمسی)

زمین پر زندگی کا آغاز کب ہوا اور کس طرح ہوا؟ اس سوال سے پہلے یہ بحث سامنے آتی ہے کہ موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے خود زمین کی حالت کیا تھی اور اس پر کتنے دور انقلاب کے گزر چکے ہیں؟

زمین، نظام شمسی میں داخل ہے۔ اس نظام میں آفتاب مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اور سیارہ (گردش کرنے والے ستارے) اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ یہ ستارے سورج سے بہت دور ہیں۔ مرکز سے جتنی دوری بڑھتی ہے، اتنا ہی فاصلہ بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ ذیل میں تخمینی فاصلہ ملاحظہ ہو:—

عطارد	—	۱۴۰،۰۰۰،۰۰۰	میل
زہرہ	—	۲۶۰،۰۰۰،۰۰۰	"
زمین	—	۳۷۰،۰۰۰،۰۰۰	"
مریخ	—	۵۶۰،۰۰۰،۰۰۰	"
مشتری	—	۱۹۲۰،۰۰۰،۰۰۰	"
زحل	—	۵۵۵۰،۰۰۰،۰۰۰	"
اورانوس	—	۷۳۰۰،۰۰۰،۰۰۰	"
نپٹون	—	۱۱۵۰،۰۰۰،۰۰۰	"

مریخ اور مشتری کے مابین ایک عظیم دائرہ موجود ہے۔ اس میں سو سے زیادہ چھوٹے چھوٹے سیارات، آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اور اس سے تقریباً دس کروڑ میل دور ہیں۔

ہر بڑے ستارے کے ساتھ ایک یا کئی چاند ہیں۔ اور اس کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ زمین کے ساتھ ایک، مشتری کے ساتھ چار، زحل کے ساتھ دس، اورانوس کے ساتھ چار، اور نپٹون کے ساتھ ایک ہے۔

آفتاب اپنے مرکز میں وہ تمام کواکب کو اپنی طرف جذب کرتا اور کھینچتا ہے۔ یہ تمام کواکب اور آفتاب مختلف قسم کی دھاتوں



آخری پردہ بھی چاک کر دینا - میں حقیقت کو ضرور بے نقاب دیکھنا

اُس نے یہ کہا اور آگے بڑھا - اُسکا دل دھڑکنے لگا - ہاتھ کانپنے لگا - وہ اپنی بزدلی پر شرمندہ ہو رہا تھا مگر عمل کی ہیبت و دہشت سے بے بس تھا - اس نے دانت بھینچے، آنکھیں بند کیں، دل کڑا کے آگے بڑھا، ہاتھ بڑھایا، اور آخری پردہ بھی کھینچ لیا.....

آف، ہولناکی!

پردہ ہٹتے ہی روشنی غالب ہو گئی — گھٹا ٹپ اندھیری چھا گئی... کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا!

دیوکلس نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا، اسکا سینہ شق ہو جائے:

”حقیقت کہاں ہے؟ حقیقت کہاں ہے؟ اے دیوی! حقیقت کہاں ہے؟ مجھے تو کچھ سوجھائی نہیں دیتا - وہ، جو آخری پردے کے پیچھے تھی، کہاں چلی گئی؟ ساری دنیا تاریک ہو رہی ہے...“

”تیری آنکھیں پھوٹ گئیں!“ حکمت کی دیوی نے وقار سے کہا: ”اے کائنات کے بیٹے، تیری آخری غفلت بھی اڑ گئی! بے نقاب حقیقت کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا - اگر دیکھ سکتا ہے تو اُسے پردوں ہی میں لپٹا دیکھ سکتا ہے - کوئی دس پردوں کے اندر سے دیکھتا ہے - کوئی اس سے کم میں دیکھتا ہے - کوئی اس سے بھی زیادہ میں - مگر حقیقت عریاں کا مشاہدہ ناممکن ہے... تو نے دیکھنا چاہا، تو تو نے دیکھ لیا کہ تو کیا دیکھ سکتا ہے!...“

دیوکلس نے یہ سنا اور منہ کے بھل زمین پر گر پڑا - اب اُسکے جسم میں روح موجود نہ تھی... شاید ”حقیقت“ کی جستجو میں اُس نے دوسری دنیا کی راہ لی تھی...“

## الہلال

یہ ۹ - وان نمبر بھی

## لیکن

اس وقت تک ضرورت باقی ہے کہ توسیع اشاعت کی طرف آپ کو ترجیح دلائی جائے -

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا، شاید ہی اُسکی کوئی دوسری نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے، اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے - یا اتنی وسیع اشاعت ہونی چاہیے کہ اُس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہو جائے -

دیوکلس نے دو شیزہ پر ایک سرد نظر ڈالی اور کہا:

”محببت میرے دل سے اُسی طرح اڑ گئی ہے جس طرح دوسرا پردہ اڑ گیا تھا“ اُس نے یہ کہا اور ایک طرف کر چل دیا!

دو شیزہ حیرت سے اُسے دیکھتی رہی - بھلا یہ رمزورہ کیونکر سمجھ سکتی تھی؟ اُس نے خیال کیا، دیوکلس دیوانہ ہو گیا ہے -

\*\*\*

ایک سال بعد دیوکلس نے تیسرا پردہ چاک کیا - اُسکی نظر اور بھی زیادہ تیز ہو گئی - اسکا نفس ناطقہ زیادہ شائستہ اور بلند مرتبت ہو گیا!

اب فلسفہ کے حلقوں سے بھی وہ الگ ہو گیا - اگر کبھی اتفاق سے وہ عوام کے سامنے بولتا تو لوگوں کے کان اُسکے لیے رقف ہو جاتے - انسانی دلوں کے لیے اُسکی آواز میں ایک ایسی تاثیر تھی کہ یونان کے صحیفہ حکمت میں کسی بڑے سے بڑے حکیم کی آواز کو بھی نہ ملی ہوگی - پورے ایتھنس نے جمع ہو کر فیصلہ کر دیا کہ دیوکلس، استاد عظیم افلاطون اور دوسرے تمام حکیموں سے باری لیگیا - اُس سے منتیں کی گئیں کہ فلسفہ کی امامت قبول کر لے مگر اُس نے پوراٹھی سے انکار کر دیا -

اُسی زمانہ میں ایسا ہوا کہ ایتھنس پر دشمنوں نے حملہ کر دیا - دیوکلس وطن کی مدافعت میں پیش پیش تھا - بے نظیر شجاعت سے لڑا - آخر زخموں سے چرر چور لڑتا - ایتھنس کو فتح ہوئی - یہاں پر فورم میں پھولوں کے تاج تقسیم کیے گئے - سب سے بڑا تاج دیوکلس کے واسطے طیار ہوا تھا - مگر عین وقت پر جب اُسے پکارا گیا، تو وہ موجود نہ تھا!

\*\*\*

برسوں پر برس گزرتے چلے گئے - ہر برس دیوکلس حقیقت کا ایک پردہ چاک کر آتا تھا - ابھی وہ جوان تھا مگر اسکا سر سفید ہو گیا - کمر جھک گئی - آنکھیں دھنس گئیں - قوی کمزور پڑ گئے - بسپر بھی وہ خوش تھا، کیونکہ وہ ہنقریب ”حقیقت“ کا مشاہدہ کرنے والا تھا، اُس حقیقت کا بے پردہ ہے، نقاب مشاہدہ جسے کبھی کسی بشر نے نہیں دیکھا!

\*\*\*

آخر فیصلہ کی رات آگئی - آج ”حقیقت“ پر سے آخری پردہ بھی اُٹھ جائیگا - آج بے نقاب حقیقت اسکے سامنے ہوگی!

دیوی، دیوکلس کو حسب عادت اُڑالے گئی - اور حسب معمول حقیقت کے سایہ کے سامنے کھڑا کر دیا:

”دیکھ، حقیقت کس قدر تابان ہے! پچھلے برسوں میں جتنے پردے تو نے چاک کیے، وہ اسکے چہرے کے پردے نہ تھے - تیری ہی غفلت کے پردے تھے جو تو نے اپنی آنکھوں پر ڈال لیے تھے - تو نے ایک ایک کر کے تمام غفلتیں دور کر دیں - آج آخری پردے کی باری ہے - اس کے بعد تو در در حقیقت کا جلوہ دیکھ لیگا - اگر تو اپنے کیے پر پشیمان ہے، یا تیرے دل میں ذرا بھی خوف موجود ہے، تو اب بھی وقت ہے - لوٹ جا، اور باقی زندگی چین سے گزار“

دیوکلس، جوش طلب سے دیوانہ ہو کر چلایا:

”اسی منزل کی طلب میں تو میں نے ساری عمر گزار دی - اب میں ”حقیقت“ سے کس طرح منہ موڑ سکتا ہوں؟ میں

بنابریں فضا ان جراثیم سے لبریز ہے۔ یہ جراثیم پانی اور ہوا سے مندرجہ ہونے پر بھی زندہ رہتے ہیں۔ نیز بالائی فضا کی سخت سرنبی بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ علماء کا خیال ہے کہ وہاں برودت صفر سے ۲۲۰ - درجہ نیچے ہے۔ یہ جراثیم ہر لمحہ بہت بڑی مقدار میں آسمانی اجزاء کے ساتھ ایک ستارہ سے دوسرے ستارے میں گرتے رہتے ہیں۔ آفتاب کی قوت دفعہ اس نقل و حرکت میں انہیں مہد دیتی ہے۔

لیکن تولد ذاتی کا مذہب بھی اس وقت تک سیر انداز نہیں ہوا ہے۔ ارنسٹ ہیگل کے بعد بفلور نے اس کی از سر نو صدائیں بلند کیں۔ اُس کا نظریہ بھی ہیگل کے نظریہ سے مشابہ ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ”قابل حیات مادہ زالیہ (Albumen) بلا کسی واسطے کے اُس وقت خود بخود موجود ہو گیا تھا جب زمین کے پانی میں زندگی قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس مادہ کی تکرین، سیانوجن (تجزین اور کاربن کا مرکب) آکسیجن اور دوسرے پگھلے ہوئے معدنی مواد کے اتحاد کا نتیجہ تھی۔ جس ہی ان اشیاء کا باہم اجتماع ہوا، قابل حیات مادہ زالیہ وجود میں آ گیا۔ پھر تدریجی ترقی کے بعد ادنی جانداروں کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ یہی ابتدائی جاندار، جملہ حیوانات و نباتات ہی اصل ہیں۔ اس عالم کا خیال ہے کہ شروع میں صرف ایک جاندار نے ظہور کیا تھا۔ پھر اُس سے درجہ انداز پیدا ہو گئے۔ یہی دونوں جملہ ذی روح کائنات کے مرث اعلیٰ ہیں۔ ایک سے نبات کا سلسلہ شروع ہوا۔ دوسرے سے حیوان کا۔

سنہ ۱۸۸۰ - میں ایک عالم پریئر نے تمام علماء سے مختلف مذہب اختیار کیا۔ وہ کہتا ہے ”عالم کون میں زندگی ازلی و قدیم ہے۔ زمین پر زندگی اس وقت بھی موجود تھی جبکہ وہ ایک آتشی کرہ تھی“ وہ یہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ جمادات سے زندگی کا آغاز ہوا۔ اُسکا دعویٰ ہے کہ خود جمادات کسی ازلی زندگی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قول شاذ اور کمزور ہے۔ مشاہدے کے بھی خلاف ہے۔ ہر کس و ناس جانگا ہے کہ زندہ کائنات ایک خاص درجہ تک ہی حرارت برداشت کر سکتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ حرارت برداشت کرنے والے جراثیم کے تخم بھی سنٹی گریڈ کے ۱۲۰ - درجہ میں ۲۰ - منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ ایسی حالت میں زندگی کا اس وقت موجود ہونا جب یہ کرہ ایک آتشی کرہ تھا، کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

(وما اوتیت من العلم الا قلیلا)

غرضکہ زندگی کی گنتی باوجود علم کی اس تمام جدوجہد کے، اب تک سلجھ نہیں سکی ہے۔ یہ ایک معما ہے جس کا حل عقل انسانی کی دسترس سے باہر تھا اور اب تک باہر ہے۔ جس قدر بھی نظریے قائم کیے گئے ہیں، اول تو یہ نظریہ سے زیادہ نہیں، پھر ان میں بھی اس قدر فکر کا اضطراب اور رائے کا اختلاف ہے کہ ظلمات بعضا فوق بعض کے مصداق ہیں۔ اب سے تیرہ سو برس پہلے اس بارے میں ادعاء علم نے نہیں بلکہ زبانِ وحی نے ایک اعلان کیا تھا یسکونک عن الروح قل الروح من امر ربی دنیا آج بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ اور اس لیے وما اوتیت من العلم الا قلیلا کا حکم بدستور عقل انسانی پر حکمران ہے!

پیدا ہونے ہیں، اور ایک جان سے دوسرے رجحان کی جان متولد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے تجربہ کر کے دکھا دیا کہ انجیکشن کا قوام ”گوشت کا ست“ اور آلر جیسی تواریخ جو انکی مزعومہ پیدائش کا سب سے بہتر اور اصل محل ہیں، جب ہوا سے بالکل محفوظ کر دی جاتی ہیں یا بہت اچھی طرح ابالدی جاتی ہیں، تو ان میں جراثیم کی پیدائش بالکل نہیں ہوتی۔ موجودہ علماء مادیوں کا خیال ہے کہ پاسٹیر نے اپنے تجارب سے مذہب تولد ذاتی کی دلیلیں کمزور کر دی ہیں۔

عہدِ آخر کے حکما میں ارنسٹ ہیگل، مذہب تولد ذاتی کا سب سے بڑا عالم ہے۔ وہ کہتا ہے ”اگر فی الحال تولد ذاتی کا وقوع ناممکن نظر آتا ہے تو اس سے بطلان لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جس زمانہ میں یہ واقع ہوا تھا، اُس وقت سمندروں کا پانی ایک خاص طبعی حالت اور کیمیائی خاصیت رکھتا تھا۔ حرارت کا درجہ، نمک کی نوعیت اور پگھلے ہوئے گیسوں کی کیفیت کچھ اور ہی طرح کی تھی۔ ایک محدود زمانہ تک یہی حالت رہی۔ پھر اُس کے بعد کبھی پیش نہیں آئی۔ لہذا تولد ذاتی کے اس وقت محال نظر آنے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ اُس عہد میں بھی محال تھا۔ اب زمین کی وہ حالت باقی نہیں رہی ہے جو اُس وقت تھی جب تولد ذاتی شروع ہوا تھا۔

لیکن اس مذہب کے مخالف کہتے ہیں، مشاہدہ اس خیال کی تصدیق نہیں کرتا۔ علماء علم الحیات نے سخت کوششیں کیں۔ طرح طرح کے تجربے کیے، قسم قسم کے ماحول طیار کیے، مختلف مواد میں کمی بیشی کی، حرارت اور تمام معلوم شعاعوں کی روشنی مہیا کی، لیکن پھر بھی زندگی بے جان مواد سے پیدا نہ ہو سکی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زندگی کے آغاز کے وقت سمندروں کی حالت کیسی ہی خاص اور زندگی پیدا کرنے کے لیے صالح کیوں نہ ہو، لیکن اس حالت سے بہتر نہیں ہو سکتی جو مختلف سوائل جمع کر کے علماء حیات نے اب مہیا کر دی ہے۔ تاہم کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

(مختلف نظریے)

پھر آخر زمین پر زندگی کا آغاز کیوں کر ہوا؟ اور کی بحث سے یہ گنتی ذرا بھی نہ پہنچتی۔

ایک بہت بڑا ماهر علم الحیات کہتا ہے ”زمین پر زندگی نہی نہی کمپوز اور سوکھے جراثیم کی شکل میں آئی، مگر یہ اُن چھوٹے بڑے معدنی تکرر کے ذریعہ پہنچی تھی جو دوسرے ستاروں سے توت کر ہماری زمین پر گرے تھے۔ اس وقت وہ اُس زندگی کے لیے مناسب ماحول رکھتی تھی“ اس عالم کا خیال ہے کہ کواکب میں زندگی ازل سے موجود ہے۔ انہی کواکب کے اجزاء توت کر دوسرے کواکب میں زندگی کے جراثیم پہنچاتے رہے ہیں۔

مشہور عالم علم الحیات ہل مہنڈز اور تامسن کی بھی رائے ہے۔ پروفیسر ارمینس نے یہ نظریہ اور زیادہ وضاحت و اضافہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ”زندگی بھی اسی طرح ازلی ہے جس طرح خود مادہ ازلی ہے۔ زندگی کے تخم یا جراثیم کواکب سے ہمیشہ جدا ہوتے رہتے ہیں۔ آفتاب کے نور میں یہ خاصیت موجود ہے کہ وہ ان حقیر جراثیم کو پھیلاتا اور فضا میں بہاتا ہے۔ آفتاب کے نور کی یہ خاصیت مکسویل کے تجربوں سے یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین اپنے اولین زمانوں میں زندگی سے خالی تھی - یہ تسلیم کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین پر زندگی ہمیشہ سے موجود نہیں تھی - بعد میں اسکا آغاز ہوا -

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی یا اولین ذی روح کائنات کا آغاز کن مواد سے ہوا؟ کیا ان جمہور معدنی مواد سے جو شدید حرارت کی وجہ سے اولین سمندروں میں پانی کی طرح بہہ رہے تھے، اور گرمی کے کم ہونے پر جم گئے؟ اگر یہ مان لیا جائے تو بحث ختم ہوجاتی ہے -

(در مذهب)

لیکن بعض موانع ایسے موجود ہیں کہ اس بات کا فوراً تسلیم کر لینا ممکن نہیں - اس کا فیصلہ اس مسئلہ کے فیصلہ پر موقوف ہے کہ غیر ذی روح اشیا سے ذی روح اشیا پیدا ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور اہل علم کا مذهب یہ ہے کہ نہیں ہوسکتی، یا کم از کم نہیں ہوتی ہیں، لیکن تولد ذاتی کے قائل اس کے خلاف ہیں -

مذهب جمہور کی بنیاد واضح ہے - وہ کہتے ہیں اس طرح کی کوئی تخلیق علمی طریقہ پر ثابت نہیں ہوئی ہے - ایک زمانہ میں عوام کا یہ خیال خواص میں بھی پھیلا ہوا تھا کہ بہت سے جانور مٹی، پانی، اور مختلف غیر ذی روح مواد سے پیدا ہو جاتے ہیں - مثلاً وہ سمجھتے تھے، حشرات الارض مٹی اور پانی سے پیدا ہو جاتے ہیں - مکھیاں، اور مچھر گندگی اور کیچڑ سے پیدا ہو کر اڑنے لگتے ہیں - مینڈک کے بچے بارش کے ساتھ ہی زمین سے اُٹھنے لگتے ہیں - یا پنیر اور اسی طرح کی چیزوں میں خود بخود کبڑے رنگنے لگتے ہیں - لیکن اب تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ یہ تمام جاندار غیر جاندار مادے سے پیدا نہیں ہوتے - بلکہ جاندار مخلوق ہی سے جان حاصل کرتے ہیں - ان سب کی پیدائش مختلف قسم کے کیڑوں اور مکھیوں کے اندر سے ہوتی ہے جن میں سے بعض چشم غیر مسلح سے اور بعض خوردبینوں سے دیکھے جاسکتے ہیں - پنیر کے کیڑوں پر ایک زمانہ میں بہت زور دیا جاتا تھا - مگر ثابت ہو گیا کہ وہ خاص قسم کی مکھی کے اندر سے پیدا ہوتے ہیں، اور اگر انکی حفاظت کی جائے تو وہ بڑے ہو کر مکھی کی شکل اختیار کرا لیتے - یہ بات سترھویں صدی کے وسط ہی میں پایہ تحقیق تک پہنچ گئی تھی کہ مٹی وغیرہ سے جانداروں کی پیدائش کا خیال غلط ہے -

لیکن دوسرا مذهب ان لوگوں کا ہے جو ”تولد ذاتی“ کے قائل ہیں - خوردبین کی ایجاد نے انہیں تقویت دی - انہوں نے اعلان کیا کہ ایک خاص طرح کے جاندار، مودہ پتیلوں کے رس جیسے سیال مادوں میں پیدا ہو جاتے ہیں - لیکن میلن آڈرز اور شوان وغیرہ علماء علم الحیات نے اس سے انکار کیا - وہ کہتے ہیں اگر ہم ان سیال مادوں کو آگ پر رکھ کر کھولائیں اور ان جراثیم سے آلودہ نہ ہونے دیں جو ہوا میں موجود ہیں، تو ان میں کبھی یہ جاندار پیدا نہ ہونگے - یہ بھی دراصل ہوا کے جراثیم کی پیدائش ہیں -

مذهب ”تولد ذاتی“ کے ماننے والوں نے جراثیم (خوردبینی کیڑوں) کی نسبت بھی دعوا کیا تھا کہ یہ ان قابل حیات اور معدنی مواد سے پیدا ہوتے ہیں جو سیال مادوں اور بیمار جسموں میں موجود ہیں - لیکن پاسٹیر نے اسکی تعلیط کی - اس نے ثابت کیا کہ اس میں بھی وہی غلطی ہے جو بڑے جانوروں کی پیدائش کے سطحی معائنہ میں ہوئی تھی - یہ جراثیم بھی ہوا کے جراثیم سے

منجمد سطح اور اس کے زیر کی فضا اپنا بوجھ اُس پر ڈالے ہوئے ہے - زمین پر اس وقت جس طرح کے آتش فشاں پہاڑ نظر آتے ہیں ایسے ہی پہاڑ ان قدیم زمانوں میں بھی موجود تھے جو زمین کی عمر کا ابتدائی زمانہ تھا - اصطلاح طبقات الارض میں یہ دور ”عہد ارضی“ کہلاتا ہے -

گرم چشموں کا وجود اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ زمین کا باطن ایک عظیم مشتعل کرہ ہے - چونکہ جزء ہمیشہ کل کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے عملاً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین کی یہ پتلی پتلی یا چھلکا بھی ایک زمانہ میں اپنے کل کی طرح مشتعل ہوگا - زمین اپنی تاریخ کے کسی قدیم دور میں آتشی کرہ تھی -

چاند کو بھی اگر دربین سے ہم دیکھیں تو اُس میں آتش فشانوں کے نمایاں نشان پائینگے - اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ چاند پر بھی تقریباً ویسے ہی تاریخی انقلاب طاری ہو چکے ہیں جیسے زمین پر گزر چکے ہیں -

(کانت اور لاپلاس کا نظریہ)

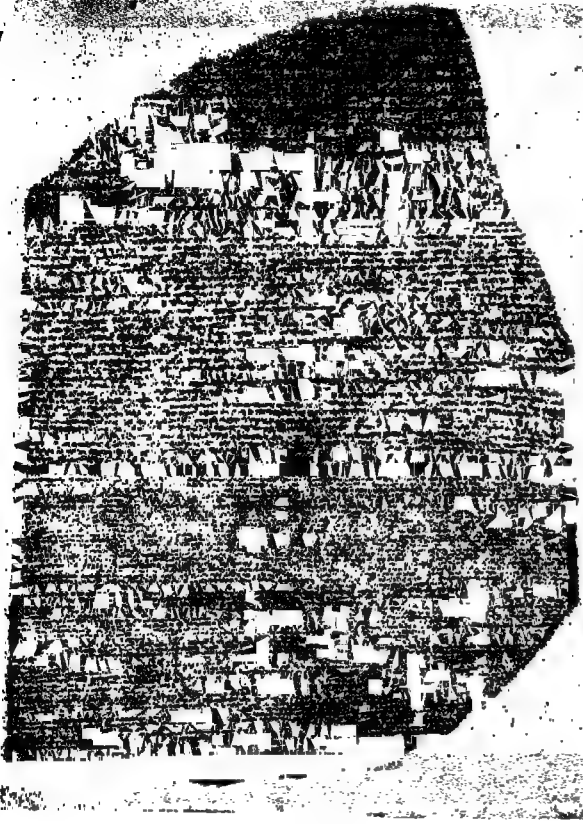
اس طرح کے مشاہدات پر غور کرنے کے بعد جرمن فلاسفر کانت اور اس کے بعد فرنی ریاضی دان لاپلاس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ شروع میں پورا نظام شمسی نہایت ہی گرم گیس کا کتلہ تھا - یہ کتلہ کسی نامعلوم محرک کے ذریعہ خود اپنے گرد گھومنے لگا - اس حرکت کے حلقے پیدا کیے - پھر ان کے مرکز میں کثافت و انجماد پیدا ہو گیا، اور اس کیفیت کے بعد یہی مرکز آفتاب بن گیا - پھر گردش حرکت کی وجہ سے ان حلقوں کے اندر بھی حلقے پیدا ہوتے گئے - ان ثانوی حلقوں میں سے ہر حلقے کے مرکز میں کثافت و انجماد کی کیفیت پیدا ہوئی اور ایک نیا کوکب ناری بن گیا - پھر اس مرکز سے محیط حلقوں میں بھی کثافت و انجماد کا عمل شروع ہوا اور بتدریج ایک یا کئی چاند پیدا ہو گئے - مگر یہ بھی اُس وقت آتشیں تھے - بتدریج ٹھنڈے ہو کر موجودہ شکل میں آئے ہیں - بعض کوکب کے گرد اب تک اُس تاریخی عہد کے حلقے موجود ہیں - چنانچہ دربین میں زحل کے گرد علاوہ اُس کے دس چاندوں کے، تین تہیں رکھنے والا کیسی حلقہ بھی دکھائی دیتا ہے -

خاص زمین کے متعلق مذکورہ بالا علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بتدریج ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی، یہاں تک کہ اُس کی سطح جم گئی - جب زمین کی حرارت ۳۵۰ درجہ پر پہنچی تو اُس پر پارے کی موسلا دھار بارش ہوئی - جب حرارت آڑ کم ہوئی اور ۱۰۰ درجہ پر آئی، تو کھولتے ہوئے پانی کی بارش شروع ہو گئی - مگر چونکہ زمین اور اُس کی فضا کی حرارت هنوز بہت زیادہ تھی، اس لیے پانی جمع نہ ہو سکا اور بہاؤ بنکر اڑ گیا - پھر جب حرارت ۱۰۰ درجہ سے بھی کم ہو گئی، تو اُس وقت بارش کا پانی جمع ہوا اور سمندروں کی تشریں ہوئی - اُس زمانہ کے سمندروں کا رقبہ موجودہ سمندروں سے بہت زیادہ تھا - کیونکہ اُس وقت زمین کا داخلی حصہ بہ سبب شدت حرارت کے پانی سے خالی تھا - اور اُسکی موجودہ سطوئیں وجود میں نہیں آئی تھیں جنہوں نے بعد میں پہاڑ اور سمندر کی گہرائیاں بنائیں - سمندر کے متعلق یہ خیال محض نظریہ نہیں ہے، بلکہ علماء طبقات الارض کا مشاہدہ ہے -

(کائنات حیات)

اب زندہ کائنات کی بحث سامنے آتی ہے - ظاہر ہے بہت شدید حرارت میں زندگی موجود نہیں ہوسکتی - اس لیے لازمی طور پر

رشید (مصر) کا مشہور پتھر جس سے شمشیریں نے ہیرو گلیفی  
خطوط کا راز حل کیا -



دارا شاہ ایران کے نقش خط میخی میں جن سے اربع سن نے  
خط میخی کے پڑھنے کی کتبھی معلوم کی -



(۱) امریکہ کا عجائب خانہ تاریخ طبیعی - اسکی جماعتیں  
مکسیکو اور منگولیا میں کام کر رہی ہیں - انکا موضوع بحث علم  
الحوالہ 'طبقات الارض' اور تنقیب ہے -

(۲) امریکن مٹریولیت عجائب خانہ فنون - اسکی جانب سے  
قدیم مصری تمدن کی تحقیقات ہو رہی ہے -

(۳) پنسلوانیا کی یونیورسٹی 'بابل' فلسطین' اور مصر میں  
تحقیقات کر رہی ہے -

(۴) ہار فورد یونیورسٹی اور عجائب خانہ فنون جمیلہ کی  
جماعتیں مصر میں ایتھوپیا کی شہنشاہی کے عہد کی تحقیقات  
میں مصروف ہیں -

(۵) ہارفرد یونیورسٹی 'ہونڈوراس میں تحقیقات کر رہی ہے -

(۶) کارنیگی انسٹیٹیوٹ 'یوگائن (امریکا) میں تحقیقات کر رہا ہے -

(۷) امریکن سوسائٹی ایشیا نے کوچک میں -

(۸) امریکن انڈین میوزیم 'میکسیکو اور کوہ اوزارک میں -

اس کا موضوع بحث امریکا کے سرخ فام انسانوں کی اصلیت معلوم  
کرنا ہے -

(۹) برٹش فرنچ

امریکن کمیٹی - بیت المقدس

میں -

(۱۰) کارنافون (کانت

کمیٹی) مصر میں -

(۱۱) ولپی و (برطانیہ)

کی کمیٹی - بابل اور اور میں -

(۱۲) محکمہ آثار قہیمہ

اور کونست پیرورک - ٹیونس

میں قراچہ کی تحقیقات

کر رہے ہیں -

(۱۳) سرجوزف ڈرلین

قسطنطنیہ میں عہد پیزنطینی

کی تحقیقات کر رہے ہیں -

ہوا ہے - خیال کیا جاتا ہے 'دسویں صدی میں یہ دفن ہو گیا  
تھا - اسمیں تبتی 'چینی' اور ترکی زبانوں کی ۵۰۰ فٹ مکعب  
تحریریں موجود ہیں -

شمالی ایشیا اور جنوب روس میں ایک اسکیتھی بادشاہ کی  
قبر ملی ہے - یہ قبر دریائے دینیپر کے کنارے علاقہ ملیٹوپول کے  
قریب واقع ہے - اس کی تاریخ چوتھی صدی قبل مسیح تک  
پہنچتی ہے - بادشاہ کے ساتھ اس کی تلواریں 'کمانیں' ذرع'  
خود' قسم قسم کے زیور' طلائی کنگھا' اور دوسری بہت سی چیزیں  
دفن تھیں - اتنا ہی نہیں بلکہ اس سامان کے پہلو میں بادشاہ کا  
سائیس 'خادم خاص' شمشیر بردار' اور پانچ گھوڑے بھی مدفون  
ملے ہیں -

آثار قدیمہ کے انکشاف کا میدان ابھی بہت وسیع ہے - کیونکہ ابھی  
مصر میں بکثرت ایسے قبرستان موجود ہیں جنہیں ہاتھ بھی نہیں  
لگایا گیا ہے - عرب' چین' اور وسط ایشیا میں تو اب تک کچھ  
کام ہوا ہی نہیں ہے - یمن میں بے شمار آثار' بتوں کی شکل  
میں نمایاں ہیں' اس وقت تک ان کی تحقیق نہیں ہوئی

ہے - زمین کے اندر جو

کچھ دفن ہے' وہ اس کے

علاوہ ہے -

امید کی جاتی ہے کہ

جس وقت آثار قدیمہ کا علم

ترقی کر جائیگا تو انسان کی

تدریجی ترقی کی پوری

تاریخ معلوم ہو جائیگی -

ذیل کی فہرست

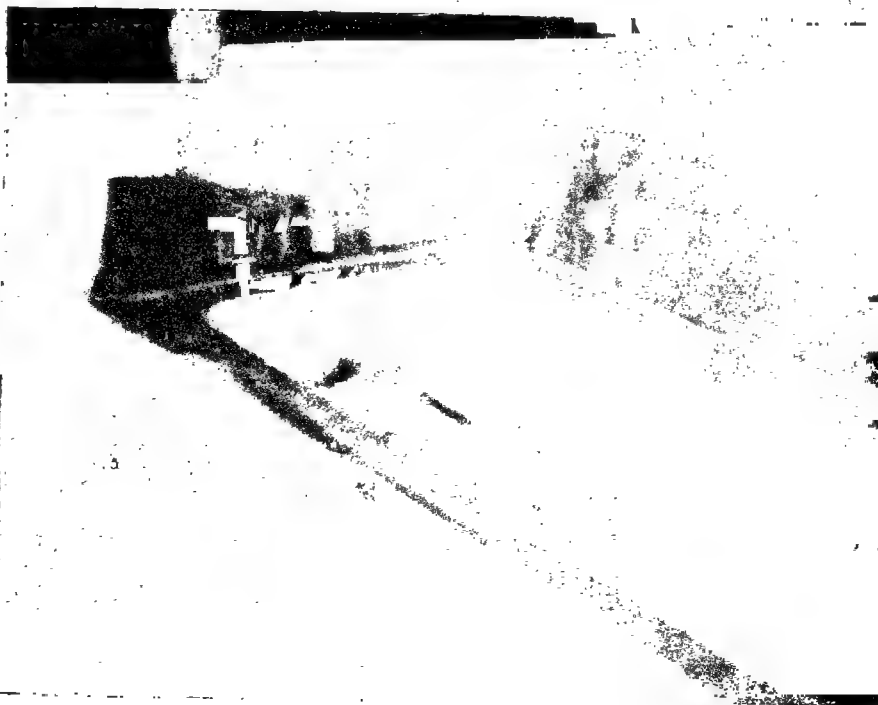
معلوم ہوگا کہ اس وقت

کن کن ملکوں میں آثار

قدیمہ کی تحقیقات ہو رہی

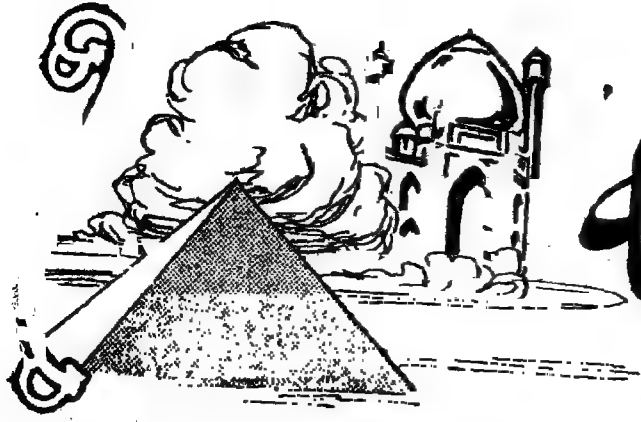
ہے اور کون کون سے جماعتیں یہ

کام کر رہی ہیں :



توت آنج آمون کا تابوت اور اس کی نعش کا نظارہ





# اثر حقیقہ



## علم الآثار

( Archaeology )

اسی طرح یونان میں ایک شخص کو اتفاق سے تڑپے ہوئے ظرف کا ایک ٹکڑہ ملا۔ اس پر یہ پہیلی کندہ تھی ”ذیر جانس فلسفی سے پرچھا گیا : وہ کون حبشی ہے جو سفید رڑی کھاتا ہے؟ حکیم نے جواب دیا : وہ رات ہے جو دن کو نگل لیتی ہے“

آثار قدیمہ کے انکشاف میں افراہوں اور افسانوں سے بھی بڑی

مدد ملتی ہے۔ چنانچہ شہر تدمر کا پتہ اسی طرح چلا کہ اُن اطراف کے بدوؤں میں ایک ٹیلہ کے متعلق مشہور تھا کہ اس کے نیچے شہر تدمر مدفون ہے۔

اسی طرح شہر تزارہ کا پتہ اس طرح چلا کہ ایک جرمن لڑکا ہومر کی الیڈ پڑھا تھا۔ پڑھتے پڑھتے اُسے شوق ہوا کہ اس عجیب مقام کی سیر کرے جسکی توصیف میں ہومر نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے ہیں۔ لڑکے پر بڑی بڑی مصیبتیں پڑیں مگر یہ شوق اُسکے دل سے نہ گیا۔ علماء تاریخ کہتے تھے کہ تزارہ کا کوئی وجود نہیں ہے، محض ہومر کا تخیل ہے۔ لیکن نوجوان نے اُنکی بات نہ سنی اور ۳۵ سال کی عمر میں اُس مقام پر جا پہنچا جہاں تزارہ کی موجودگی بتائی گئی تھی۔ چند سال زمین کھودتا رہا۔ یہاں تک کہ تزارہ کے نشان مل گئے!



ایک دوسری نقش مکمل حالت میں

سب سے بڑا قدیم اثر جو اس وقت تک دریافت ہوا ہے، وہ مشہور اٹالین شہر ”پامپی“ ہے۔ پہلی صدی عیسوی میں آتش فشاں پہاڑ نے اسے اپنی راکھ سے توپ دیا تھا۔ اب یہ کھود کر نکال لیا گیا ہے۔ اسکی سڑکوں پر اینٹک گاڑی کے پتھروں کے نشان موجود ہیں۔ دیواروں پر سرکاری اعلان چسپاں ہیں۔ دکانیں بدستور موجود ہیں۔ ایک شراب خانہ میں مرمری میز اپنی اصلی حالت پر رکھا ہوا ہے۔ اس کے کنارے کثرت استعمال سے گھسے ہوئے ہیں۔ گھروں میں پانی کے نل لگے ہوئے ہیں۔ کمروں میں تصویریں آویزاں ہیں۔ محلوں میں بدستور باغیچے اور چمن ہیں۔

اگرچہ سب تقریباً پتھرا گئے ہیں۔ اسی طرح ٹیونس کے سمندر میں ایک کشتی ملی ہے۔ یہ دو ہزار برس پہلے غرق ہوئی تھی۔ اس میں سنگ و مرمر کے ۶۵ ستون رکھے گئے تھے۔

مغربی چین میں ایک مہنوں کتب خانہ دستیاب

جدید علم الآثار کی بنا غالباً سب سے پہلے شمبرلین نے ڈالی۔ اسنے علاقہ ”رشید“ (مصر) میں ایک سنگی لات دیکھی۔ اس لات پر ایک ہی تحریر تین قسم کے رسم الخط میں لکھی تھی : ہیرر گلیفی (قدیم مصری کاهنوں کا خط)، دیموٹیکی (قدیم مصری عوام کا خط)، خط قبطی (یہ خط دراصل یونانی ہے۔ مصر کے فرمانروا خاندان بطلمیوس نے اسے جاری کیا تھا) درحقیقت یہی تحریر بعد میں علم الآثار کی بنیاد بن گئی۔ اُس سے ہیرر گلیفی اور دیموٹیکی دونوں رسم الخط معلوم ہو گئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قدیم مصری زبان بھی اس کے ذریعہ مدون کر لی گئی۔

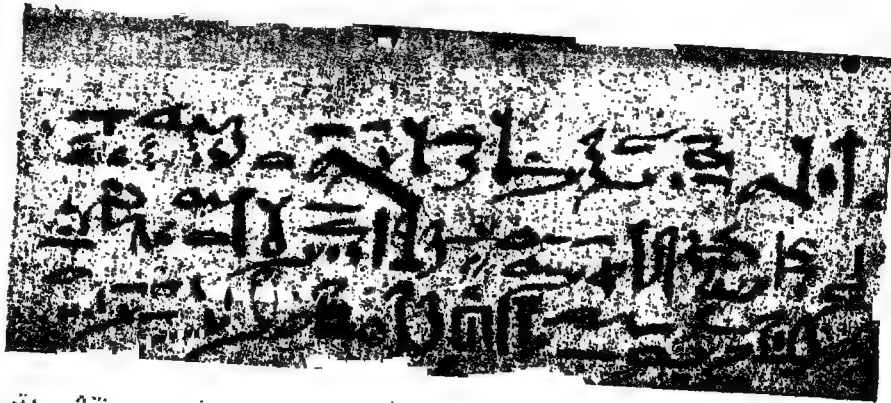
آثار قدیمہ کے انکشاف میں اتفاقات زمانہ کو بہت دخل ہوتا ہے، اگرچہ صحیح قیاس و اندازہ سے بھی بڑی مدد ملتی ہے۔



ایک ایک سب سے زیادہ محفوظ مہی

چنانچہ یورپ کا ایک قدیم ترین اثر اس طرح دریافت ہوا کہ اسپین بعض آدمیوں نے محض اتفاق سے ایک غار میں جہانکا تو یہ دیواروں پر انہیں تصویریں نظر آئیں۔ یہ تصویریں اُن حیوانات ہیں جو اب رڑے زمین پر موجود نہیں ہیں۔ لیکن قدیم ترین وہ میں موجود تھے۔ دور حجری کے انسانوں نے یہ تصویریں بنائی۔ ان سے ایک طرف یہ معلوم ہو گیا کہ اس قسم کے حیوان ایک میں موجود تھے، دوسری طرف یہ پتہ چل گیا کہ انسان کی فنی کے ابتدائی نمونے کیسے تھے؟

اسی طرح یونان کے ایک میں ایک مرتبہ ریل پٹوٹ گئی۔ بعض مسافر نے ہوئے اتفاق سے ایک سے پرچہ گئے۔ وہاں پر ایک قدیم آبادی کے ملے۔ تحقیقات سے پتا چلا کہ یہ آبادی سن پہلی سے ایک ہزار برس پہلے قائم تھی۔



دنیا کی سب سے پرانی کتاب طب : مستر اڈورین اسمتھ نے اس منقش پتھر پر طبی مسائل پڑھے جو مصر سے برآمد ہوا تھا۔ اس پر ہیریٹک حرزف کندہ ہیں جو ہیرر گلیفی خط کی ایک شاخ ہے۔

(پادریوں کا چنگل)

”مرمر کے اسنے جلاؤں کے پنجے سے رہائی حاصل کی تھی۔ مگر رائے بدنصیبی، فوراً قسیسوں کے چنگل نے اسے آدبوجا! میں یہ اس لیے نہیں کہتا کہ مع اس پر کوئی تعجب ہے۔ لیکن بلاشبہ یہ عجیب ہے کہ ایسا شریف و نجیب انسان اور پیدرس کا اسقف اعظم جو صرف شریف النسب ہی نہیں بلکہ شریف النفس بھی ہے، کیونکر اپنی جماعت کی بزدلی میں شریک ہو گیا؟ حالانکہ اسے ایسی دنائت سے بلند ہونا چاہیے تھا۔ ایک مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اسکا فرض تھا کہ مظلوم پر ترس کھائے نہ یہ کہ الٹا مظلوم کے کچلنے پر کمر بستہ ہو جائے۔ وہ مظلوم جو چلے ہی سے زمانہ کے ہاتھوں کچلا جا چکا ہے“

”اس اسقف اعظم کے تمام حاشیہ بردار اس ناکردہ گناہ کے متبادل پر تل گئے ہیں۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ ہم اسے ضرور بالضرور متبادل کے حقیر سے حقیر واعظ اور ادنیٰ سے ادنیٰ مجاور بھی کوشش کر رہا ہے کہ اس خود ساختہ دشمن کے گلا گھونٹنے کا فخر صرف اسی کو حاصل ہو۔ اور اسے سر پر فیصلہ کن ضرب اسی کے پاؤں کی تھوکر سے لگے! (اسقف نے کیوں فتویٰ شائع کیا؟)

”اے میرے سردار! کون شک کر سکتا ہے کہ اگر پیدرس نے مجلس حکومت کے میرے خلاف حکم صادر نہ کیا ہوتا، تو آپکو میری کتاب سے بغض کم ہوتا؟ بلاشبہ بعض لوگ یہی خیال ظاہر کرتے ہیں۔ مگر آپ کا حق پسند دل اسے ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ اے میرے آقا! مجھے بتائیے آپ اسے چلے میرا رد کرنے کی زحمت کیوں گوارا نہیں کی؟ میں نے آپکے منصب کے خلاف رسالہ شائع کیا، میں نے دی لامبرت کے نام خطوط چھاپے، کئی کتابیں لکھیں، مگر آپکے قلم کو کبھی جنبش نہ ہوئی! حالانکہ میری ان کتابوں میں بالکل ویسے ہی خیالات موجود تھے جیسے کتاب التریبیت میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ کیا آپ میری یہ کتابیں نہیں پڑھی تھیں؟ حالانکہ اگر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ اس رد میں ان پر بحث نہ کر سکتے۔ کیا آپ نے یہ خاموشی آپکے دینی فرائض کے خلاف نہ تھی؟ حالانکہ بقول آپکے ان کتابوں میں بھی الحاد کی دعوت دی گئی ہے۔ کیا یہ حقیر مؤلف اس وقت کم خطا کرتا تھا، اور اب زیادہ ہو گیا ہے؟ حالانکہ آپ اسے پیدائشی خطا کار قرار دیتے ہیں۔ آخر کیا بات تھی جو اتنی مدت تک زبان مبارک نہ ہلی؟ یہ وجہ تو نہ تھی کہ اس وقت آپکے دشمن کم تھے، اور میں بھی خائوں سے گھرا ہوا نہ تھا؟ اس وقت عوام میں میری کتابیں مقبول ہو چکی تھیں اور آپ عوام کے غصے سے ڈرتے تھے؟ لیکن اب جبکہ حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی، میرے دشمنوں نے ایک کر کے مجھے پرورش کر دی، مجھے ملحد اور باغی مشہور کیا، حکومت نے بھی ہتیار سنبھال لیے، اور آپکے دشمنوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ پیشوائے اعظم ہو کر آپ اس ملحد کے خلاف کچھ نہیں کہتے، گویا اپنی خاموشی سے اسی حمایت کر رہے ہیں، تو آپ اپنے منصب کی حفاظت کے خیال سے آگے اور اپنے دشمنوں کا منہ بند کرنے کیلئے میرے خلاف فتویٰ شائع کر دیا۔ اے میرے آقا! کیا اسی سبب نے آپکو میرے خلاف براہیکختہ کیا؟ اگر ایسا ہی ہے تو بلاشبہ میرے دماغ کوشدت تحیر سے سکتہ ہو جانا چاہیے!“

اس تمہید کے بعد رسر، اسقف کے بیان کا رد شروع کرتا ہے۔

(صفات الہی)

اسقف نے لکھا تھا:

”رسر کہتا ہے۔ میں خدا کی حقیقت سے بے خبر ہوں، لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی علم، قدرت، ارادہ، اور حکمت رکھتا ہے!“

رسر جواب دیتا ہے: ”خدا کی صفت علم ہے۔ لیکن اسکا علم کیا ہے؟ انسان کا علم تو اسی قوت تفکر میں ہے، لیکن علم اقدس کسی تفکر و تأمل کا محتاج نہیں۔ اسی تفکر کے لیے نہ تو مقدمات ہیں، نہ نتائج ہیں، نہ فرض و فیاسات ہیں۔ اسکا علم ازلی ہے۔ جو تھا، جو ہے، جو ہوگا، سب اس پر آشکارا ہے۔ تمام حقائق اس کے سامنے ذرہ رنگ سے بھی چھوٹے ہیں۔ تمام دنیا اسی نظر میں قطرہ آب سے بھی محدود ہے، تمام اگلے پچھلے زمانے اس کے نزدیک لمح بصر سے بھی مختصر ہیں“

”باقی رہی قدرت الہی، تو قدرت الہی کا یہ حال ہے کہ انسان کو اپنی قوت عمل کے لیے وسائل عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن خدا کو کسی وسیلے کی ضرورت نہیں۔ قوت الہی خود اپنی قوت سے عمل کرتی ہے۔ خدا قادر ہے، کیونکہ وہ ارادہ رکھتا ہے۔ اور اسکا ارادہ ہی اسی قدرت ہے!“

”خدا“ لاریب خیر ہے۔ انسان کا خیر یہ ہے کہ کہ اپنے بنی نوع سے محبت کرے۔ لیکن خدا کا خیر اسکا وہ نظام ہے جس سے وہ کائنات کو سنبھالے اور تمام اجزاء کو باہم جوڑے ہوئے ہے۔

”خدا لاریب عادل ہے۔ عدل الہی بھی اسی خیر ہی کا ایک نتیجہ ہے۔ انسان کا ظلم، خود انسان کا اپنا عمل ہے، خدا کا عمل نہیں ہے۔ رنج کا اضطراب، جس کی وجہ سے فلاسفہ قدرت الہی کے منکر ہو جاتے ہیں، میری نظر میں اس لا منافی قدرت کو آواز زیادہ واضح کرنے والا ہے۔ انسان کا عدل یہ ہے کہ ہر حقدار کو اسکا حق دیدے۔ خدا کا عدل یہ ہے کہ ہر ایک سے اپنی نعمتوں اور بخششوں کا حساب لے!“

(حقیقت الہی)

”یہ صفات میں نے عقل کی منطق کی راہ سے معلوم کی ہیں۔ لیکن میرے دماغ میں انکا مفہوم مرتب و مفصل نہیں ہے۔ میں انہیں تسلیم کرتا اور انپر اصرار کرتا ہوں، مگر انکی پوری حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ عقل اسکا احاطہ کر ہی نہیں سکتی۔ اس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ میں حقیقت سے لا علم ہوں۔ اور اس لیے میری حیثیت یہ نہیں ہے کہ میں جاننا ہوں اور اصرار کرتا ہوں۔ میں اپنے دل سے بے فائدہ کہتا ہوں ”یہی خدا ہے“ میں بے فائدہ اسکا شعور کرنا چاہتا ہوں۔ میں بے فائدہ اپنے ذہن میں اسکا تصور کرتا ہوں۔ ”بے فائدہ“ اس لیے کہ اس سے خدا کی حقیقت پر ذرا بھی روشنی نہیں پڑتی۔ میں ہرگز معلوم نہیں کر سکتا، خدا ایسا کیوں ہے؟ اس میں یہ صفات کیونکر قائم و موجود ہیں؟

”میں اسی حقیقت جاننے کی جتنی زیادہ کوشش کرتا ہوں اتنی ہی اسی حقیقت پوشیدہ ہوتی جاتی ہے۔ میری یہ عقل کی بے بسی مجھے میں اسکا اعتقاد و ایمان آواز بھی زیادہ مستحکم کر دیتی ہے۔ میں جس قدر اس کا تصور کم کر سکتا ہوں، اسی قدر اس سے زیادہ وابستہ ہوتا اور اتنا ہی اسی عبادت پر جھکتا جاتا ہوں۔ بالآخر اس کے روبرو گر پڑتا ہوں اور کہتا ہوں ”میرا وجود تجھی سے ہے اے خالق کائنات! میں جس قدر زیادہ تجھے میں غور کرتا ہوں، تو اتنا ہی زیادہ میرا نفس بلند کرتا جاتا ہے، مگر تیری حقیقت برابر مجھے سے مستور ہی رہتی ہے! تجھے میں میرا فضا ہو جانا، میری عقل کا سب سے بڑا کارنامہ ہے! تیری عظمت نے میری عقل مبہر کر دی ہے، مگر میری نا توانی، کو بہر قوت سے بدل دیا ہے!“

## مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

لیکن مجھے خاموش ہی رہنا چاہئے - مجھے جرم کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہئے... کاش میں خفیہ طور پر ہی اپنی ناقابل برداشت مصائب کہہ سکتا! کاش میں اپنی دل کی گہرائی ہی میں اپنے وطن کی شکایت کا خیال کر سکتا!....

”یہ سب کچھ کیوں ہے؟ میں اسکا حقیقی سبب نہیں پوچھتا :- میں صرف اسکا قریبی موجب معلوم کرنا چاہتا ہوں - مجھے پر الحاد کی تہمت لگانے کی جرأت کی گئی ہے - مگر تہمت لگانے والے بالکل بھول گئے کہ جس کتاب پر انہیں اعتراض ہے وہ سب کے ہاتھوں میں موجود اور سب کی آنکھوں کے سامنے ٹھہلی ہوئی ہے - مجھے پر تہمت لگانے والے افسوس سے ہاتھ ملتے ہیں: ”کاش یہ کتاب کسی طرح مفقود ہو جائے تا کہ ہم پیت بھرے تہمتیں تراش کر سکیں!“ لیکن انکی یہ امید کبھی پوری نہیں ہوگی - کتاب انکی حسرت کے لیے ہمیشہ باقی رہے گی، اور آئندہ آنے والی نسلیں فیصلہ کرینگی - وہ اعلان کرینگی کہ یہ تمام گناہ اس کے مؤلف کی بد عملیاں نہیں ہیں، لیکن فضیلت کے ایک دوست کی تئوکریس ہیں!“

( ایک متحد کا ذکر )

”میں معاصرین پر اظہار رائے نہیں کرونگا - میں کسی کو بھی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا - لیکن کیا تم نے سبدوز کا نام نہیں سنا؟ اس کے الحاد میں کسے شک ہو سکتا ہے؟ وہ خود الحاد کا مدعی تھا - علانیہ الحاد کی تعلیم دیتا تھا - مگر نہ کوئی اس کے اطمینان میں خلل ڈالتا تھا - نہ اسکی کتابیں چھپنے سے روکی جاتی تھیں - اور نہ ہی تاجروں کو انکی اشاعت کی ممانعت کی گئی - وہ فرانس آیا تو اس کے لیے ایک پر جلال استقبال طیار تھا - تمام ملٹوں کے دروازے اس پر کھلے تھے - وہ ہر جگہ امن کی بلکہ حکومتوں کی حمایت پاتا تھا - بادشاہ انکا خیر مقدم کرتے تھے، اور وعظ و درس کے ممبر اس کے لیے نصب کراتے تھے - یہ متحد زندگی بھر مسرت و آرام بلکہ عزت و احترام پاتا رہا“

( عہد حکمت و انسانیت ! )

”لیکن آج“ جبکہ بیانگ دھل دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ فلسفہ و حکمت اور انسانیت کا زمانہ ہے، دنیا کا حال کیا ہے؟ یہ ہے کہ ایک شخص انسانی محبت کے جذبہ سے مجبور ہو کر آتا ہے، اور پوری احتیاط و احترام سے اپنے بعض خیالات پیش کرتا ہے - کیسے خیالات؟ وہ خیالات جو اس موجود اعظم کی عظمت نے اس کے دماغ پر نازل کیے ہیں - لیکن دین الہی و حقیقت کے اس حامی و ناصر کی زندگی تلخ کر دی جاتی ہے - یورپ بھر میں اسے کہیں پناہ نہیں ملتی - اسے خدا کا پیدا کیا ہوا پانی پینے سے اور اس کے اگلے ہوئے درختوں کی لکڑی جلانے سے بھی رک دیا جاتا ہے - وہ ذلیل و خوار پھرتا ہے - جس گوشہ میں جا کر پناہ ڈھونڈتا ہے، وہیں سے نکال دیا جاتا ہے - نہ اسکی غربت پر کسی کو ترس آتا ہے - نہ اسکی بیماریوں پر کسی کا دل کھتا ہے - شہر سے شہر مجرموں اور خونی سے خونی دکانوں کا بھی اس بے دردی سے کبھی تعاقب نہیں کیا گیا ہوا، جیسا اس بیکس و مظالم کا کیا گیا ہے - اگر وہ ایک لمحہ کیلیے بھی کسی حکومت کے رحم پر بھروسہ کر لیتا، تو آج یقیناً تاریک قید خانے میں پڑا سڑتا ہوتا، با پھانسی کے تختے پر آہ سرکہہ رہی ہوتی!

## انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

اسقف کا جواب

( ۲ )

پچھلے نمبر میں قارئین الہلال پدرس کے اسقف اعظم کے اعتراضات روسو پر سن چکے ہیں - آج روسو کا جواب پیش کیا جاتا ہے - یہ جواب پورے دو سو صفحے کی باریک حروف کی کتاب میں پہلا ہوا ہے - اس لیے اختصار کے سوا چارہ نہ تھا - تاہم اہم اور مفید پہلو ایک حد تک واضح کر دیے گئے ہیں -

( معذرت )

• • • روسو نے اپنا جواب معذرت سے شروع کیا ہے :

”اگر آپ صرف میری کتاب ہی پر اعتراض کرتے تو میں ہرگز آپ سے کوئی تعرض نہ کرتا - آپکو چھوڑ دیتا کہ جتنی چاہیں نتہ چینی کرتے رہیں - لیکن آپ نے صرف کتاب ہی پر نہیں بلکہ میری ذات پر بھی بحث کی ہے - آپ کو دنیا میں جتنی عزت اور قوت حاصل ہے، اسی مناسبت سے آپ میں یہ بات بھی ہونی چاہی کہ ان تہمتوں سے بلند تر ہوتے جن سے آپ نے مجھے آئندہ کرنا چاہا ہے“

( داستانِ مظلومی )

اس کے بعد روسو نہایت بلاغت و مہارت سے اپنے قارئین کی ہمدردی حاصل کرنی چاہتا ہے - وہ اپنی مسکینی و مظلومی ظاہر کرتا ہے، تمام یورپ کا اسے خلاف متحد ہو جانا اور عرصہ زمین تنگ کر دینا یاد دلاتا ہے، پھر لکھتا ہے :

”جنیوا کے غلام، روسو کے ہاتھ میں کوئی قوت نہیں کہ ان ظالم اور سرکش جکوں سے جواب طلب کر سکے، جن کے سامنے اس پر تہمت لگائی گئی، اور جنہوں نے اسے طلب کیے بغیر اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا ہے - اتنا ہی نہیں بلکہ اسے قید کرنے کے بھی درپے ہو گئے ہیں - یہ ”غلام“ اگر عدالت میں طلب کیا جاتا، تو اپنی برأت ظاہر کرنے ضرور حاضر ہوتا، مگر چونکہ اسے بلایا نہیں گیا، اس لیے اسے از خود حاضر ہونے کی ضرورت بھی نہ تھی - چنانچہ وہ حاضر نہیں ہوا - اس پر اس کے خلاف جنگی قوت جمع کی گئی - اسے قوت کے مقابلہ سے گریز کیا، اور اس سر زمین سے بھاگ نکلا جہاں کمزوروں پر ظلم کیا جاتا ہے، بغیر جرم کے سزا دیدی جاتی ہے، اور بغیر جواب سننے بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں“

”اسے مجبوراً اپنا محبوب خوت خانہ چھوڑا - ان دوستوں کی جدائی سب سے بڑے گریہ کر اس کے لیے کوئی عیش نہ تھا - اپنا ناتواں جسم لیکر ہزاروں زمینوں کے ساتھ سر زمین حریت میں پہنچا - وہ میرا وطن جنیوا! میں نے تیری آزادی کے کیسے کیسے گیت گائے؟ تیرے حسن و جمال کی ہسی کیسی تصویریں بنائیں؟ دنیا میں تیرا نام کس درجہ روشن آیا؟ آہ میں کیا کہوں؟ میرا دل سینے میں بیٹھا جاتا ہے، میرا ہاتھ کانپ رہا ہے، میرا قلم گرا پڑتا ہے...“

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سو گھبرائے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

جو  
دنیا میں کتب فروش کا عظیم مرکز ہے

جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتنے قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں و ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے  
یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے طبع

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں ہی

ہر چہ آہ کہ بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فرمائش ہو کر رہی ہے



عورت اپنے محبوب کی جدائی گوارا کرسکتی ہے مگر اپنے حسن کی جدائی گوارا نہیں کرسکتی — ریشبران  
مرد کو شادی کے معاملہ میں اعلیٰ حسن سے پرہیز کرنا چاہیے۔  
کیونکہ حسن قبضہ میں آئے ہی گھٹ جاتا ہے، مگر اُس کی مصیبتیں  
زندگی بھر باقی رہتی ہیں — روسر  
جس عورت میں بجز حسن کے اور کوئی جواہر نہیں ہوتا، اُس  
کی مثال مرغی رتنی کی سی ہے۔ یہ گم اچھی معلوم ہوتی ہے اور  
سرد ہوتے ہی اپنا سارا ذائقہ کھودیتی ہے — سیجور  
(عورت)

تمدن اچھی عورتوں کے اقتدار کا نام ہے — امرسن  
عورت کی شیرینی گلاب کی طرح جلد ختم ہو جاتی ہے — گوئٹے  
زندگی کی سب سے لذیذ شیرینی، بیوی کا اپنے شوہر کو  
مخلصانہ سلام ہے — رلز  
عورت کی انانیت اپنے اندر دو انانیتیں رکھتی ہے — مدیم ڈی  
اسٹائل

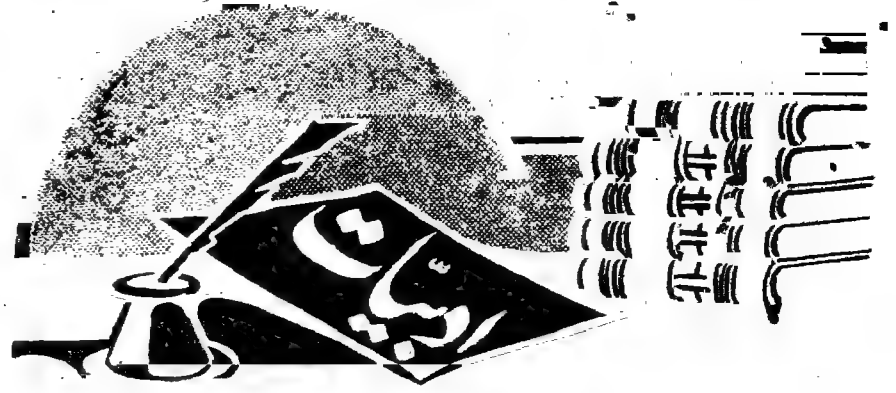
خدا کی انسان پر سب سے قیمتی بخشش، عورت ہے۔ گویا  
کاش، عورت تنہا میرا ہی حصہ ہوتی! — اربیدس  
عورت انسان اور فرشتہ کے بین بین ایک مخلوق ہے — بلواک  
عورت اُس شخص کو حقیر سمجھتی ہے جو اُس سے محبت  
نہیں کرتا ہے، مگر وہ خود اُس سے محبت نہیں کرتی — ایلز بیٹھہ  
اسٹوڈرت

\* \*

انسان اپنے نفس کو اُسی وقت سمجھ سکتا ہے جب وہ مصیبت  
میں پڑتا ہے — الفرد ڈی موریہ

شک، ہمیشہ امید کے پیچھے لگا رہتا ہے — بلواک -  
ترقی لگتی چال چلتی ہے — سانت بر  
نا مکمل تعزیت سے رنج زیادہ ہو جاتا ہے — روسر  
عظمت، طمع، فوج، جنگی جہاز، تاج، تخت؛ یہ انسان کے  
کھلونے ہیں جب وہ بڑا ہو جاتا ہے — وکٹر ہیوگو  
میری تمام مصائب کی علت یہ ہے کہ میں لوگوں سے حسن  
ظن رکھتا تھا — روسر  
(ذہانت)

ذہانت کیا ہے؟ یہ محض سمجھنے کی صلاحیت ہی کا نام  
نہیں ہے۔ کیونکہ حیران بھی سمجھ رکھتا ہے مگر ہم اُسے ذہین  
نہیں کہہ سکتے۔ سیاہی اپنی دیوتی سمجھتا اور پوری کرتا ہے مگر  
ذہین نہیں کہلاتا۔ بندر کی ذہانت، محض ایک بے نتیجہ عقلی  
اضطراب ہے۔ جو بچہ اپنی حرکتوں سے تمہیں ہنساتا ہے، ذہین  
نہیں ہے۔ کیونکہ اُس میں بندر کی جبلت اُگنی ہے۔ جو عورت  
بہت سی اشیاء کا علم رکھتی ہے، ذہین نہیں ہے۔ کیونکہ معمولی  
باتیں اُس کے دماغ کو پراگندہ کر دالتی ہیں۔ کیا حساب داں ذہین  
ہوتا ہے؟ شاعر کی نظر میں حساب داں مالیخولیا کا مریض ہے!  
کیا شاعر، ذہین ہوتا ہے؟ ریاضی داں شاعر کو سراسر بیوقوف سمجھتا  
ہے! ماهر مالیات کی نظر میں ناول نویس، دو پاؤں کا احمق حیران  
ہے! جو آدمی، دروازہ کا نظریے بناتا ہے، کیا ذہین ہے؟ کیا ہمیشہ  
خاموش رہنے والا ذہین ہے؟ کیا اپنی عینک کے شیشوں سے، سرد اور  
بے اثر نظروں سے تمہیں دیکھنے والا ذہین ہے؟ نہیں!  
ذہانت کی تعریف ناممکن ہے — لا مارٹین



## حکمت اور شعر کے مختارات

— — —

حکماء و شعراء مغرب کے بعض افکار و خواطر

. . . . .

(حسن)

حسن خدا کی مخلوق پر اُس کا مہر ہے — بیٹشر  
حسن بغیر نزاکت کے ایسا ہے، جیسے بے نمک کھانا — امرسن -  
ارسطو سے پوچھا گیا ”حسن کیا ہے؟“ اُس نے جواب دیا ”یہ  
سوال اندھوں سے کرنا چاہیے“ — بیکن  
حسن، جہاں بھی ہوتا ہے، سراہا جاتا ہے — گوئٹے  
حسن، ایک جال ہے، جس سے قدرت عقلموں کا شکار کرتی  
ہے — لیگس -

عورت کا اپنے حسن پر غرور اُس کی طرف سے اقرار ہے کہ اُس  
کے پاس حسن کے سوا کوئی چیز قابل فخر نہیں — مید مرزیل  
تی لسیپناس

خوبصورت عورت آنکھ کے لیے جنت ہے، قلب کے لیے دوزخ  
ہے، جیب کے لیے دیرانی ہے -  
خوبصورت، بد صورت سے اُسی طرح بچے، جس طرح ذہین،  
غبی سے بچتا ہے — پوپ

تمہاری یہی کیا کم فتح مندی ہے کہ تم خوبصورت ہو؟ — ہوگز  
جب ہم میں اس قدر صلاحیت پیدا ہو جائیگی کہ ہم خدا کے  
ہر عمل میں حسن و جمال محسوس کرنے لگیں گے، تو اُس وقت  
ہم دعویٰ کرسکیں گے کہ ہم اُس کی حقیقت سے واقف ہو گئے  
ہیں — رسکن

حسن، تمام نوع انسانی کے لیے سعادت ہے۔ ہر مخلوق اُس  
کے زیر اثر آکر بھول جاتی ہے کہ وہ محدود ہے — شیلر  
حسن سے محروم عورت، زندگی کی نصف لذت سے محروم  
ہوتی ہے — مدیم ڈی موندارین

حسن بہت ہی کم عمر چیز ہے — ڈی لنکلر

اس یقین سے زیادہ عورت کے لیے کسی بات کا یقین مشکل  
نہیں کہ وہ اپنے حسن سے محروم ہو گئی ہے — ریشبران

کبھی عورت خوبصورت ہوتی ہے، مگر اُس کا حسن اُس وقت  
نگ نہیں کہلتا، جب تک اُس کا دل محبت کے لیے نہیں  
بیل جاتا — لا پریر

حسن، قدرت کا عورت کو سب سے پہلا عطیہ ہے، اور یہی سب سے  
پہلے اُس سے چھن بھی جاتا ہے — میدرہ -

# برید فرنگ

## روس کا نفس پرست شاہی راز

راس بوٹین

خاندان زار کی تاریخ کا آخری صفحہ

زمین حذر نہ کنی گریاس دین دام  
منفقہ کا فرم دیت دآستیں دام

راس بوٹین کون تھا؟

راس بوٹین، جس سے زارینا کی عقیدت، پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی، سا بریا کے ایک گادوں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ اپنے عہد کا مشہور قزاق تھا، راس بوٹین نے ہوش بنگھاتے ہی باپ کا پیشہ چھوڑ کر لیا اور قرب و جوار کے علاقے تاخت و تاراج کرنے لگا۔ یہ بڑا ماہر ڈاکو تھا۔ گھوڑے چرانے میں اسے خاص کمال تھا۔ بار بار گرفتار ہوا مگر حیرت انگیز طور پر ہر بار بچ نکلتا رہا۔ ایک مرتبہ اسے پولیس نے بڑی طرح زد و کوب بھی کیا تھا۔ چنانچہ اس کے ذہن کا نشان عمر بھر اس کے سر میں نمایاں رہا۔

راہب کیسے بنا؟

ایک مرتبہ اتفاق سے اس کا گزر ایک پرانی خانقاہ میں ہوا۔ یہ خانقاہ دراصل خطا کار راہبوں کے قید کرنے کا محبس تھا۔ رہا ہونے کی ملاقات وہاں چند راہبوں سے ہوئی۔ وہ بلا کا ذہین تھا اسے دیکھا راہبوں کی زندگی، دنیا کمانے کے لئے بہترین زندگی ہے۔ قزاقانہ طرزِ معیشت نے اسے چھائی نکالیں برداشت کرنے کا جو گربا دیا تھا۔ اسے خیال کیا "میں بڑی آسانی سے راہب بن سکتا ہوں" چنانچہ وہ برابر ان راہبوں کو بلاتا چلا رہا۔ ان سے انجیل پڑھی۔ عبادت و ریاضت کے طریقے معلوم کئے۔ وہ بہت جلد سخی مذہب اور رہبانیت کا عالم بن گیا۔

اب اسے سخت مجاہدے اور ریاضتیں شروع کر دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کی شہرت قرب و جوار میں پھیل گئی۔ لوگ اس قزاق کو دلی امداد سمجھنے لگے۔ اسی زمانہ میں سینٹ پیٹر برگ (لنین گراڈ) کے ایک بپ نے اسے دیکھا، اس کے زہد و تقشف اور مجاہدہ و ریاضت سے نہایت متاثر ہوا۔ اپنے ساتھ اپنے تحت لے گیا اور محل شاہی میں داخل کر دیا۔

زارینا کی عقیدت

زارینا (ملکہ روس) اسے دیکھتے ہی معتقد ہو گئی۔ راس بوٹین نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ اپنا اثر اور زیادہ بچہ اور وسیع کرنے لگا۔ حتیٰ کہ زار پر بھی اس کا جادو عمل گیا۔ شہنشاہ اور ملکہ انتہائی خضوع و خضوع کے ساتھ اس کے آگے اپنے گناہیں پر جھکتے تھے،

انیسویں صدی کا سب سے زیادہ ہولناک مگر حیرت انگیز واقعہ روس کے خاندان شاہی کی بربادی ہے۔ خود زار، زارینہ، دلی عہد، تمام شاہزادے، تقریباً پورا خاندان گوئی مار کر قتل کر ڈالا گیا! یہ واقعہ فرما کے کوئی شانزدہم اور اس کے خاندان کے قتل سے بھی دہشتناک ہوا روس کے خاندان شاہی کی بربادی اور انقلاب سلطنت پر بکثرت کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور ان تمام اسباب پر شرح و بسط سے بحث کی جا چکی ہے جو ان عظیم تغیرات و حوادث کا موجب ہوئے۔ ان اسباب میں سب سے بڑا اور سب سے عجیب سبب وہ ہے جو بیسویں صدی کی تمدن دنیا کے لئے سخت حیرت انگیز ہو رہا ہے۔ یعنی روس کے حکمران اور اس کی ملکہ کی مذہبی توہم پرستی، زہد اعتقادی، اور علم و عقل کو محرومی ہے! یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان تمام تباہیوں کی اصلی علت ایک راہب تھا، جسکے دام تروریہ میں زارینا اور زار پھنس گئے تھے۔

مشہور روسی شاہزادہ پرنس یوسوفو کا روزِ ناچہ پچھلے دنوں شائع ہوا ہے۔ اس سے اس معاملہ پر اور بھی زیادہ گہری روشنی پڑتی ہے۔ اس بابے میں پرنس کے بیانات بہت اہم ہیں کیونکہ وہ تمام واقعات کا شاہد عینی تھا۔ صرف شاہد عینی ہی نہیں بلکہ راہب راس بوٹین کا قاتل بھی وہی ہے۔

اس روزِ ناچہ پر ابھی دنیا نے پوری طرح رائے زنی نہیں کی تھی، کہ اس سلسلہ کے ایک دوسرے راز کا انکشاف ہو گیا۔ یعنی بیکانک دنیا کے ہاتھوں میں ایک نئی کتاب پہنچ گئی جو خود اسی راہب کی لڑائی مونیوا کے قلم سے لکھی ہے اور اس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ اس نئے بیان نے معاملہ کا ایک دوسرا رخ واضح کر دیا، اور دنیا اس نئے انکشاف سے انگشت بدندان ہو کر رہ گئی!

پچھلے دنوں ان دونوں کتابوں کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں شائع ہوا تھا، لیکن جس جتنی بھی کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ حالات روشنی میں آئیں خصوصاً پرنس کی بیان کردہ تفصیلات معلوم ہوں چھپنے ملکہ کے اصلی خطوط بھی شائع کر دیئے ہیں۔ اب یہ تمام ذخیرہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم پہلے پرنس کے روزِ ناچہ کی ایک پوری فصل پیش کرتے ہیں، جس سے اس عجیب و غریب راہب کے حالات و اعمال پر پوری روشنی پڑے گی:

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا کا بہترین قانونین تسلیم

امریکن کارخانہ شیفر

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو اپنی زندگی

بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم" کا

پیدا ہوا

صرف ہمدرد و داخانہ ہیگا

# موسم گرما کا نایاب تحفہ

یاد رکھئے

شریت روح افستہ (۲۹۳) (جسٹ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اہم باسکی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلیخیزی و خیریت مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک فیر تک شہرت حاصل کر چکا ہو اور جسکو چشم بد چہرہ  
بے محظور رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے گورنمنٹ سے رجسٹرڈ بھی کرایا گیا ہو۔  
مختم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے فوائد کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل دہم شائقانہ خریداری اسکی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع  
عظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بشارت خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔  
اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندت انسان بلا قید و مروج موہم گرام میں خوش ذائقہ و لذت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہو۔  
ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوایدات مثلاً انگور، سیب، رنگتہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور بھڑک  
دھند کرنا ہے۔ اختلاج قلب و دوران سرور و سرور و تلی وغیرہ کی شکایات کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔  
معوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و لہریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خدادہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کا  
در ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترغیب دینا مدنظر ہے۔ ہمیں آمید ہے کہ آپ بڑی دلچسپی سے اسکا استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا امید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دلی ہو خوش ہوں گے اور باوجود  
ہر قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی تمکنت ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا لہجہ نام  
رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دیکھنا کہ کھائیں بلکہ بڑی پر ہمدرد و داخانہ کا خوشامیئل اور ہر لفظ و جملہ و ملاحظہ فرمائیں  
واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، داخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد و داخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔

تارکا کافی تہ ہمدرد، دہلی

پتہ۔ ہمدرد و داخانہ دہلی

شرکت

دہم  
(ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو  
تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب افروش کی دکان  
سے فوراً ایک ٹن

HIMROD  
کی

مشہور عالم دوا کا منگو کر  
استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام  
شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل  
دید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کر دے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری  
معلومات حاصل کیجاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ کا گائیڈ بک برٹین

The Lunnlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے  
ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹالوں پر مل سکتی ہے

راہب نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی، اور اُس کی فاسقانہ طبیعت پر گڑگڑا نہیں کر سکتی تھی کہ ایسی حسین لڑکی اُس کے دائرہ عقیدت سے نکل جائے۔ چنانچہ ہر ممکن تدبیر سے اپنا اثر بڑھا رہا اور وہ شیزہ کو اپنے زیادہ سے زیادہ قریب کرتا جاتا تھا۔

”میں موصوفہ نے مجھے اپنے والد کے محل میں راسبوٹن سے ملاقات کے لئے دعوت دی۔ وہ اُس کے باپ سے اس طرح گفتگو کرتی تھی جیسا طرح پیغمبروں کے باپ سے کی جاتی ہے۔ لیکن مجھے اُس سے طبعاً نفرت تھی۔ اُسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، تاہم میرا دل اُس کی کراہت سے لبریز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایوان میں داخل ہوا، تو مجھے اپنا اچھا چھپانے کے لئے جلد جھد کرنی پڑی۔ اُس نے سب سے مصافحہ کیا اور کہا کہ بوسہ لیا، حتیٰ کہ سوسم... کا بھی۔ میں نے بھی مصافحہ کیا مگر اپنا بوسہ لینے نہیں دیا (دوس میں قاعدہ ہے کہ بزرگ چھوٹوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں) میں نے دیکھا کہ اُس کا بوسہ لیتے وقت اُس کی آنکھیں غریب معنوی طور پر چمکنے لگی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اُس کے اندر بہتیت پوری طرح کام کر رہی ہے۔

میں نے اُس کے خط وخال پر نظر غائر ڈالی۔ درمیانہ قد تھا۔ مضبوط کاٹھی تھی۔ سر بڑا، بال لمبے اور دھڑکی تھی۔ سر کا ایک حصہ بالوں سے بالکل خالی تھا۔ یہ اُسی زخم کا نشان تھا جو قزاقی کے زمانہ میں لگا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر سولہ سال کی ہوگی۔ لمبا آنکھ اور بہت ڈھیلے پانچوں کا پانچا پہنے تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل دسی کسانوں کا سا تھا۔ بعضی شکل کا، مگر طرح کے تناسب سے محرم وہ یقیناً نہایت بصورت آدمی تھا۔ جیسے کہ تمام نفس انسان ہوتا کرتے ہیں۔

”اُس کی حرکات و سکنات متکبرانہ تھیں۔ حاکمہ شان لکھتی تھیں یہ صرف اس لئے کہ اُسے حاضرین پر اپنے اثر کا یقین تھا۔ سب لوگ اُسے انتہائی عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی اُنھیں تحت و تحت نظر سے دیکھتا۔ وہ اُنکے خیالات معلوم کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن سوسم... پر اُس کی نظرس بالکل دوسرا انداز رکھتی تھیں وہ اُسے پر ہنس سکتا تھا۔ دیکھتا تھا۔ ہر لمحہ میری نفرت بڑھتی جاتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ دلیوں کے اس لباس میں ایک خبیث نفس مدفون ہے۔

”جائے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ گیا اور اُن کا ارادہ اُن سے کہنے لگا۔ ”تمہاری خدمت میں... کس قدر حسین ہے؟ کوشش کرو کہ تمہاری رفیق زندگی بن جائے، صرف جسم ہی سے نہیں بلکہ دماغ سے بھی۔ تمہارے باپ سے میں اُسے مجھ سے بارگاہ گفتگو کی ہے۔ وہ تمہاری طرف بہت مائل ہے۔ مجھ سے بھی، شادی کے بعد تم دونوں میں سرت و سجات پائے گئے۔“

اس ملاقات سے چند دن بعد سوسم... نے مجھ سے کہا۔ ”راہبوٹن تم سے از حد جن من رکھتا ہے اور دوبارہ ملاقات کرنی چاہتا ہے۔“

راہب اور زار کی والدہ

”موت کوئی بھی اُس خطے سے واقف نہ تھا جو دوس کے شاہی خاندان کو اس پر اسرار راہب کی وجہ سے لاحق ہو گیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ قصر شاہی میں اُس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ زار کے تمام مقرب اُس کا اثر و اقتدار دیکھ کر اُس کی خوشامد میں لگے رہتے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہی نہیں تھا کہ اُس سے سخت نفرت تھی۔ ہم محسوس کرنے لگے تھے کہ ایک نہ ایک دن زار کو اس راہب کے ہاتھوں روز بد دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ میری ماں نے زار کو کئی مرتبہ متنبہ کیا اور اس حال کے دور کو دیکھنے پر زور دیا۔ خاندان شاہی کے چند اور لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ اُنھوں نے بھی میری ماں کو اتفاق

کیا۔ حتیٰ کہ خود زار کی والدہ نے بھی راہب کی بہت مخالفت کی۔ مگر زار نے کچھ اس طرح اس مقدس مرشد کے دام میں پھنس گئی تھی کہ اُس کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سن لینا گوارا نہیں کرتی تھی!“

جنگ عظیم

سال ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ سوسم سب خون سے کاسا لٹھیر کیونکہ جانتے تھے، اب اس راہب سے کیسے کیسے خطرے پیدا ہو سکتا ہے۔ مصیبت یہ تھی کہ زار اور زارینہ نے اپنے دوستوں سے بے ہنگامی برتی اور سر اسرار راہب کے ہورہے۔ جب کبھی ہم لوگوں نے اُس کے خلاف منتیں التجائیں کرنی چاہیں، تو ملکہ نے صاف صاف کہا: ”میں اپنے دہرد راسبوٹن کی شان میں ایک حرف بھی کہنے کی اجازت نہ دوں گی!“

راہب کی تصویر

”جزل ڈائمنڈ کو نائب وزیر داخلہ، راسبوٹن کی حقیقت سے واقف تھا۔ اُسے بڑی کوشش سے ”کلیسٹرنم“ والوں کے ایک بڑا موقع حاصل کیا۔ اس موقع میں راسبوٹن ناگفتہ بہ شوق و فخر کی حالت میں نظر آتا تھا۔ جزل نے تصویر، زارینہ کے سامنے رکھ دی۔ مگر زارینہ کی عقیدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اُلٹی جزل پر خفا ہوئی۔ تصویر جعلی قرار دی گئی، اور جن جن لوگوں پر راسبوٹن نے حمل بنا کا شبہ کیا، اُنھیں سخت سزائیں ملیں!“

راہب جرمین جاسوس تھا

جنگ میں روسی فوجیں جس طرح برباد ہوئیں، اُس کی داستان بہت ہی دردناک ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان تمام مصائب کی اصل علت راسبوٹن ہی کی ذات اور اُس کی خیانت تھی۔ وہ مداح، جرمین جاسوس بن گیا تھا۔ روسی فوجوں کی قتل و حرکت کی خبریں جرمی ڈائمنڈ کے جنگی دفاتر کو روز بوجھ کر آتا تھا۔ یہ بات زیادہ مدت تک چھپ نہیں سکتی تھی۔ بہت جلد تمام ملک اس عظیم مکار کی حقیقت سے واقف ہو گیا، اور محل شاہی سے اُس کی علحدگی پر زور دینے لگا۔ مگر جوں جوں اُس کی مخالفت بڑھتی گئی، زارینہ کی عقیدت بھی بڑھتی گئی۔ آخر اُس کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا کہ سب سالادوں کا غزل و نصب اور میدان جنگ کے نقشوں کی تجویز بھی اُس کی ہاتھ سے ہونے لگی۔ وہ خود اپنی ہاتھ سے کچھ نہیں کرتا تھا۔ جرمین اسرار سے دقتاً وقتاً لکھتے رہتے تھے کہ فلاں روسی انفر کو مغرب لے کر آیا جائے۔ فلاں مقام ہمارے لئے مضر ہے۔ وہاں سے فوج ہٹا دینی چاہیے۔ یہ اُنکے احکام کے مطابق یہاں لئے ظاہر کر دیتا، اور زار اُسکی فورا تعین کرتا۔ دکر تا تو زور دیتے کہ لئے ملکہ موجود تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کی تمام فوجیں گاجر موٹی کی طرح کٹنے لگیں۔ وہ جس طرف رخ کرتیں دیکھتیں جرمین فوج پہلے سے اُن کی ہلاکت کا سامان طیارہ کئے موجود ہے۔

ایں جہ زار اور ملکہ کا تمام اعتماد اسی ”مرشد“ پر تھا۔ وہ کہتے تھے اس جنگ میں ہم فوج سے نہیں بلکہ اپنے مرشد کی توجہ و برکت سے فتح پائیں گے۔“

راہب کی لڑکی کا بیان

یہ تو پرنس یوسوف کا بیان تھا۔ اب خود راسبوٹن کی لڑکی کا بیان سنئے۔ دصاحب البیت اور علی ہما فیہ۔ اس لڑکی کا نام صوفیہ راسبوٹن ہے۔ اب تک دنیا اس کے وجود سے بے خبر تھی۔ لیکن حال ہی میں یہ ظاہر ہوئی، اور ایک مختصر کتاب میں اپنی یادداشتیں جمع کر کے چھاپ دیں۔ یہ اپنے باپ اور زارینہ کے تعلقات پر ایک بالکل مختلف منظر کی روشنی ڈالتی ہے۔ اُس کے بیان نے یورپ کے اخبارات میں ہلکے بھلے مچا دیا ہے۔ وہ لکھتی ہے:

## عقیدت نہیں عشق تھا!

”زارینہ کا تعلق میرے باپ سے یہی عقیدت کے رنگ میں شروع ہوا۔ مگر بہت جلد عقیدت نے محبت کی شکل اختیار کر لی اور تبدیل ہو کر محبت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی۔ اُسے کئی بار میرے والد سے کہا ”میں، زار سے ہزار ہو گئی ہوں، وہ ایک دوسری عورت سے وابستہ ہے۔ میں اُس سے طلاق لے لوں گی، بشرطیکہ تم مجھ کو شادی کرو۔“ میرا باپ نادان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا، یہ واقعہ میری ہولناک تباہی پیدا کرے گا، چنانچہ وہ زارینہ کو ایسا کرنے سے ہمیشہ روکتا تھا۔“

اس کے بعد صوفیہ لکھتی ہے

”یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے۔ اس کا ثبوت خود زارینہ کے روزنامے میں موجود ہے، جو اس وقت بالشوکی حکومت کے قیدی ہیں۔ زارینہ، خود مجھ سے بھی بہت محبت کرتی تھی اور اکثر کہا کرتی تھی ”میں بہت جلد تمہارے گھر میں آ جاؤں گی۔ اُس وقت میں تمہاری ماں اور تم میری لڑکی ہو جاؤ گی!“

صوفیہ نے اپنے دوست سے بچ بچنے کی داستان بھی لکھی ہے۔ وہ کہتی ہے

”جب میرا باپ قتل ہو گیا تو میرے پاس دو ہزار تفرقہ دہلی (روسی سکہ) موجود تھے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ رقم رشوت میں دو دی اور جان لے کر بھاگ نکلی۔“

راسبوٹن کی اخلاقی سیر، ملکہ کی اُس سے بید وفائیت کا اور وہ تمام حالات جو اس سلسلے میں سامنے آتے ہیں، اگر غور دیکھے جائیں، تو صوفیہ کا بیان قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس صورت میں بد نصیب ملکہ کو ”مرشد“ کی مذہبی عقیدت سے خالی تصور کر لیا جائے۔ اس میں نیکیاں بھی ہیں عقیدت جب جملہ دوسری پرستی سے لجاتی ہے تو اُس کے عجائب و خوارق کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ بار بار یہ بات دیکھی گئی ہے کہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ ہر طرح کے اخلاقی اور مذہبی معاصی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اور نہ صرف اس کی مذہبی عقیدت متاثر نہیں ہوتی، بلکہ معاصی و فسق پر بھی مذہب کے پراسرار تقدس کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ پس اس میں کوئی تعجب نہ ہوگا اگر ثابت ہو جائے کہ یہ بد بخت ملکہ اپنے اس ”مرشد“ کی ناجائز خواہشوں کا شکار تھا اور اس پر بھی اُسے اپنا مرشد اور ”مقدس ولی“ یقین کرتی تھی۔ جب جواز و عدم جواز کا ماحیا حقیقت کی جگہ عقیدت ہو جاتی ہے، تو پھر کوئی چیز بھی ناجائز نہیں ہو سکتی۔ مذہب و تقدس کی زیادتی کی تاریخ اس طرح کے واقعات کی ایک سلسلہ داستان ہے اور اب تک دنیا اُس میں برابر اضافہ کر رہی جاتی ہے۔

## جامع الشواہد

### طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر سال ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روش سے مسجد بن کر ان غرض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے اور اسلام کی زرا داری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا زور داؤ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

مولانا نے حقیقت کو اچھے سے سمجھا، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دیکھو گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گیا۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد یہاں لکھتے ہیں بھی ہے۔ قیمت ۱۲ روپے (دو روپے)



## 14

۱۔ معاملہ خوب سنبھل گیا۔ یقین کرو ہمارے مرشد کی نصیحت میں تمہارے لئے سراسر بھلائی ہے۔۔۔ پیارے امیری دہلی آؤ دیکھو کہ تم ڈو ما توڑ دو۔ یہ لوگ اندام سازش کر رہے ہیں اور تم سے آکر چکی چٹری بغیر بناتے ہیں۔ تم اپنی نیکی کی وجہ سے ان کی باتوں میں آجاتے۔

١٠٠

عمومی سے ۱۰ سال پہلے ہوئی تھی۔ میرے دوست راج... کی لڑکی اس  
م... دوست کی حسین ترین دوستہ تھی۔ پہلی ہی نظر میں انسان اُس کے  
معصوم حُجّ جلال اور قلب کی لطافت کا قابل ہو جاتا تھا۔ سیر بھائی  
کو اُس سے عشق تھا۔ وہ بھی اُس کی محبت میں سرشار تھی۔ لیکن بچپن  
سے وہ بھی راسخوڑن کے جال میں پھنس گئی۔ اپنے دل کی نیکی اور صلہ  
سے زما وہ تقویٰ کو اوج سے نشتر کر کے (تم) کہہ دلی اصرار و زور سے

۱۰۰۰ روپے نقد، ۱۰۰۰ روپے قرض، ۱۰۰۰ روپے قرض، ۱۰۰۰ روپے قرض

1990

## مکتوب وطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم فلسطینہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے سفر آستانہ کی تفصیل گزشتہ ہفتہ لکھ چکا ہوں۔ لیکن جس جوش و خروش کا اظہار باشندگان شہر نے اُسے استقبال کے موقع پر کیا اور جس سلسلہ آج تک جاری ہو، اُس کی تصویر قلم کو کھینچنا آسان نہیں ہو۔ میں نے گزشتہ ۱۵ سال میں یہاں طے پڑے تاریخی مظاہرے دیکھے۔ ان میں سے ہر مظاہرے کے متعلق یہی خیال ہوتا تھا کہ اس سے بڑے مظاہرے کا ہونا مشکل ہے۔ لیکن مجھے افران کرنا پڑا ہے کہ جو کچھ میں نے اس موقع پر دیکھا، اسکے مقابلے میں پھر تمام مظاہرے بے حقیقت ہیں!

### غازی برادری میں

پرسوں غازی مؤرخ شہر بدرہ تشریف لے گئے جہاں مصمت پاشا تبدیل آب دہوا کے لئے مقیم ہیں۔ ان کی ملاقات کے بعد غازی کا دل رات کو واپس چلے گئے۔ اس سفر میں ان کے ساتھ وزیر خارجہ توفیق رشتی ایک اور وزیر عدالت محمود اسعد بک وغیرہ بھی تھے۔

### افغانستان اور ترکی

۴ دن پہلے یہاں ہزار کسٹنی محو طرزی خاں وزیر خارجہ افغانستان ترکی وزیر خارجہ توفیق رشتی بک کے ساتھ وارد ہوئے۔ آمد کی غرض غازی مصطفیٰ کمال پاشا سے ملاقات کرنا تھی۔ چنانچہ ملاقات ہوئی اور مؤرخ یوڈپ روانہ ہو گئے۔

سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کا اہمیت دیکھائی ہو۔ کیونکہ جیسا کہ اپنے پچھلے مکتوب میں عرض کر چکا ہوں، اس وقت روسی انگریزی نزاع نے افغانستان کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے اور وہ برطانیہ کی قوتی سے بچنے کے لئے ابھی سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

### بیزر نظمی آثار

تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ روم کی غفلت کے زمانہ کے بعد ایک زمانہ میں فلسطینہ نے کتنا عروج حاصل کر لیا تھا؟ یونان اور روم کا تمام علم و فن سمٹ کر اسی عروس البلاد میں جمع ہو گیا تھا۔ پھر یہ بھی معلوم ہو کہ یونان اور روم کے عہد غفلت میں گھوڑی و قحط کے میدانوں کو کتنی اہمیت تھی۔ اُن کی آرائش کا کیسا اہتمام کیا جاتا تھا؟ ان میں کامیابی حاصل کرنے والی کتنی نظم و دیقم ہوتی تھی؟ اُس عہد میں یہ چیز اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ ہرگز کو بھی اس کا ذکر کرنا پڑا۔ عام طور پر یہ میدان کسی بلند ٹیکے پر بنائے جاتے تھے۔ تقریباً ۴۰ میٹر لمبے اور ۲۰ میٹر چوڑے ہوتے تھے۔ (ان کا نام "ہیڈروم" تھا۔ فلسطینہ میں بھی ایک "ہیڈروم" تھا اور از حد وسیع اور شاندار تھا۔ فلسطینہ کے شہنشاہوں نے اس کی آرائش پر صدیوں محنت کی یہاں تک کہ وہ دنیا بھر میں مشہور ہو گیا تھا اور دور دور سے سیاح اُسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ "ہیڈروم" ٹھیک استنبول کے قلعہ میں اُس میدان کے اندر واقع تھا، جس کے ایک طرف اب جامع سلطان احمد ہے، اور دوسری طرف جامع ہمایا صوفیہ ہے۔ حکومت عثمانیہ نے اس میدان میں تنقید دکھائی کی اجازت دینے سے ہمیشہ انکار کر دیا تھا لیکن جمہوری حکومت نے اجازت دے دی۔ چنانچہ برقیٹر اسٹیڈیو کاسن کی ماتحتی میں ماہرین آثار کی ایک جماعت کھدائی میں مشغول ہوئی۔ اس وقت تک جتنے آثار برآمد ہو چکے ہیں اور آئندہ جتنے نکلیں گے، وہ ب ترکی حکومت کی ملک ہو گئے۔

صدر جمہوریت کا سالانہ الاؤنس تیرہ ہزار ترکی پونڈ ہے۔ اُس کے قیام اور سرکاری جلسوں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ اُسے تین موٹریں بھی دی جاتی ہیں۔ ایک اُس کی ذات خاص کے لئے ہوتی ہے اور دوسری، اُس کے وزراء کے لئے ہر دکیل یا وزیر کو سالانہ ۷ سو ترکی پونڈ ملتے ہیں۔ مجلس وطنی کے مصارف کا آخری بجٹ ۱۹۴۷ء ۱۹۴۸ء کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

### "تورک ادجاشی"

"تورک ادجاشی" کا نام مدت سے اخبارات کے صفحوں پر گشت کر رہا ہے۔ مگر کرم آدمی اس کی حقیقت سے واقف ہیں۔ "تورک ادجاشی" کے معنی ہیں ترکی وطن۔ یہ دراصل ایک عظیم الشان انجمن ہے۔ فلسطینہ میں قائم ہوئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی قوم میں دوستی و وطنیت کے جذبات برانگیختہ کیے جائیں۔ اُسے ذہنی و دماغی ترقی کے لئے تیار کیا جائے، اور ملک کو اجنبی مداخلت و تسلط سے بچایا جائے۔ جنگ سے پہلے اسے بہت اہمیت و قوت حاصل تھی۔ عام طور پر نوجوان ترک اُس کے حامی تھے۔ حکومت کے اکثر نمائندے دار اُس کے ارکان اور ممبر تھے۔ جنگ عمومی نے اسے عارضی طور پر رکھ کر دیا تھا۔ مگر جنگ کے شکست پر ختم ہونے ہی پھر اُسے قوت حاصل کر لی اور پچھلے جہاد آزادی میں..... بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ یہ جہاد کامیابی پر ختم ہوا اور انجمن کا ایک اساسی مقصد بھی پورا ہو گیا۔ اس لئے اُس کے ہر درگرم میں ترقیم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ سالانہ ۱۹۴۷ء میں اُس کی عام کانفرنس انکسور میں منعقد ہوئی اور ہر درگرم میں بغیر تبدیل کیا گیا..... اُس کے موجودہ ہر درگرم میں یہ تین دفعات بہت اہم ہیں۔

(۱) جمہوری افکار کی اشاعت۔

(۲) جدید تمدن کو مقبول بنانا۔

(۳) مسادات کی تعلیم و تبلیغ۔

جنگ آزادی کے بعد سے اس انجمن کا صدر دفتر فلسطینہ کے بجائے انگورہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ سالانہ الاؤنس کا افتتاح خود غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے کیا تھا۔ اس وقت سے اُسے بہت زیادہ اہمیت و مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔

اس انجمن کی ۲۴ شاخیں ہیں اور تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں مرکزی انجمن کی انتظامی مجلس ۱۲ ارکان سے مرکب ہوئی ہے۔ شاخوں کی انتظامی مجلسوں میں سے ۷ ممکن ہوتے ہیں۔ ہر شاخ کو پوری آزادی ہے کہ مقامی حالات و معاملہ کی رعایت سے اپنا الگ ہر درگرم بنالے چنانچہ بعض علاقوں میں یہ انجمن صرف دہائی اراضی کے خلاف جدوجہد کرتی ہے۔ بعض میں بچوں کی تربیت اُسے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ بعض میں عورتوں کی ترقی اُسے کام مقصد ہے۔

اس انجمن میں مرد اور عورتیں یکساں طور پر شریک ہیں۔ چنانچہ فلسطینہ کی انجمن کی صدر ایک عورت ہی ہے۔ یہ خاتون نہایت تعلیم یافتہ اور مغزور ہے۔ اس کا نام نفیہ خانم ہے۔ انجمن کی صدارت کے ساتھ ساتھ وہ ایک ثانوی مدرسہ (سکندری اسکول) کی مہتمم بھی ہے۔

ترکی میں "خلن فرقہ سی" کے بعد ب سے زیادہ طاقتور انجمن یہی ہے اور بہت مفید کام کر رہی ہے۔



اختتام پر مجلس کے انتخاب کے ساتھ صدر جمہوریت کا بھی انتخاب ہوتا ہے۔ پُرانا صدر دوبارہ صدر ہو سکتا ہے بشرطیکہ مجلس وطنی کے انتخاب میں کامیاب ہو جائے۔

### خاص روایات

مجلس وطنی کی بعض روایات بالکل انوکھی ہیں مثلاً یہ کہ وہ کسی سال میں بھی برخاست نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر وہ سال کے بارہ مہینوں میں کبھی چھٹی نہیں لگتی۔ ہمیشہ اُس کے جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی دوسری پارلیمنٹیں عام طور پر کسی ایک موسم میں بند رہتی ہیں۔ لیکن خود مجلس کو اختیار ہے کہ جب چاہے اپنے آپکو منتشر کر دے۔ اس صورت میں انتخابات از سر نو جاری ہونگے۔ اسی طرح اگر مجلس کبھی چھٹی لے لے تو اُس کے دوبارہ اجتماع کے لئے صدر جمہوریت یا مجلس کلاؤ (وزراء) کی دعوت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی بلا کسی کی دعوت یا حکم کے جمع بھی ہو جاتی ہے۔ جب کبھی مجلس چھٹی پر ہوا توٹ جائے تو اُس کے دوبارہ اجتماع یا انتخاب سے پہلے حکومت نہ کوئی قانون جاری کر سکتی ہے نہ کوئی اور نئی کارروائی کر سکتی ہے۔ حالانکہ دوسرے ملکوں میں طریقہ یہ کہ ایسی صورتوں میں حکومت مزدوری قانون جاری کر دیا کرتی ہے اور بعد میں پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لیتی ہے۔

### دینی امور

لیکن ملک میں صرف ایک شعبہ ایسا موجود ہے جس پر مجلس وطنی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ شعبہ دینیات کا ہے۔ یہ اس لئے کہ ترکی میں مسیح اور دین کو بالکل الگ کر دیا گیا ہے۔ دینی امور کی انجمن دہی کے لئے ایک مستقل شعبہ بنا دیا گیا ہے۔ اس شعبہ کے صدر کا رتبہ، وکیل یا وزیر کا رتبہ ہے۔ یہ صدر مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ رئیس الودکار یا وزیر اعظم اُس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔ اور وہی مجلس وطنی کو اس شعبہ کے حالات سے مطلع کرتا ہے۔

مجلس وطنی تمام معاملات پر اپنے ارادہ و اختیار سے بحث کرتی ہے اُس میں دوسری پارلیمنٹوں کی طرح پارلیمنٹری کمیٹیاں موجود نہیں ہیں۔ مجلس کلاؤ مزدوری مسائل مجلس وطنی کے سامنے پیش کرتی ہے اور وہ براہ راست آپس بحث کرتی ہے۔

### "محاکم استقلال"

ترکی کے "محاکم استقلال" کا نام تمام عالم میں مشہور ہو چکا ہے۔ یہ بھی مجلس وطنی کی ایک غیر معمولی عدالتی قوت کا نام ہے۔ محاکم استقلال سے معصوم وہ خاص عدالتیں ہیں جو جمہوریت پر خطرے کے وقت سے اختیارات کے ساتھ قائم کر دی جاتی ہیں۔ یہ ایک طرح کی جنگی عدالت کی جاسکتی ہے۔ یہ فوراً فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اُس کے فیصلہ کی تنقید بغیر مجلس وطنی کی منظوری کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عدالتیں قائم ہو جاتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملک حالت امن و سلامتی میں نہیں ہے۔

### مخالفت پارٹیاں

مجلس وطنی میں مخالفت پارٹیاں موجود نہیں ہیں۔ اُس میں صرف ایک ہی پارٹی ہے اور وہ جمہوریت یا مصطفیٰ کمال پاشا کی پارٹی ہے۔ مجلس وطنی کے کل ممبروں کی تعداد ۲۸۸ ہے۔ اس میں کمالی پارٹی کے آدمی ۲۰۷ ہیں۔ یعنی کل ۱۸ ممبر اس پارٹی سے باہر ہیں۔ ظاہر ہے اتنی قلیل جماعت کو مخالفت پارٹی نہیں کہہ سکتے۔

### مجلس کا الاؤنس

مجلس وطنی کے ممبروں کو ہوار الاؤنس نہیں ملتا۔ بلکہ انتخاب میں کامیابی کے دن پورے پارلیمنٹری سال کے لئے ایک مختل ملتا ہے۔ ہر ممبر کو سو ترکی پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے سو انگریزی پونڈ الاؤنس ملتا ہے۔

# بریشرق

## نوجوان ترکی پر ایک نظر

کچھ عرصہ سے بعض مشائخ ہورہی ہیں، اور اہم نوادہ پر شغل ہے۔ ذیل میں ہم بعض تحریر کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

### انگورہ

ترکی جمہوریت کی جنم بھومی۔ انگورہ۔ ہنوز ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے شہر کہنا ایک حد تک غلط ہوگا۔ مکان عوامیست، ایک منزلہ اور قدیم طرز کے ہیں۔ شریک بھی تنگ ہیں۔ ہٹلر بنایت معمولی دیے گئے ہیں۔ شہری زندگی کے لوازم کم دستیاب ہوتے ہیں۔ معیشت بہت گریں ہے۔ متوسطہ زندگی بسر کرنے کے لئے آؤ پوڈ سے بھی زیادہ صرف ہو جاتے ہیں۔ ہٹلر کا گریہ بہت زیادہ ہے۔ دس بارہ دوپہر دینا پڑتے ہیں، مگر پھر بھی آدم نہیں لٹا۔ وجہ یہ ہے کہ انگورہ بڑے شہروں سے دور ہے اور ضروریات زندگی بہ آسانی نہیں مل سکتی۔ سول ہو سکتا ہے کہ پھر ترکی بڑوں نے آستانہ اور دوسرے آباد شہر چھوڑ کر یہی گاؤں اپنا پایہ تخت کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب خود ترکہ مذہب بار بار دے چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ "انا طوئیہ، اس ملک کی بڑہ کی ٹہنی ہے۔ سلاطین آل عثمان نے انا طوئیہ کی طرف سے ہمیشہ فحلت و اعراض کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی قومیت برباد ہو گئی۔ ترکی قومیت کی بربادی خود سلطنت کی بربادی تھی۔ اب ہم اپنے ملی ملک کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اب ہماری تمام امیدیں صرف اٹما میں مرکوز ہیں، لہذا ہم نے قلب کو مرکز بنایا ہے تاکہ ہمیں سے نئی قوت کی مروج ملک کی رگ رگ میں ڈرداں۔ علاوہ بریں وہ اس پہلو پر بھی توجہ دلاتے ہیں کہ سائب ہم لوہ کے اثر سے دود رہنا چاہتے ہیں یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اگر ہم اس دود آفتادہ مقام میں اپنی حکومت قائم نہ کرتے۔"

سوال ہو سکتا ہے کہ اگر یہی بات ہو تو پایہ تخت کو شہر کی صورت کیوں نہیں دیتے؟ اس کا جواب ترکہ مذہب نے یہ دیا ہے کہ "ہمارا ملک جنگوں نے برباد کر ڈالا ہے۔ ہماری قوم کا دل و دماغ صدیوں کے ظلم و جبر سے تباہ ہو چکا ہے۔ ہم پہلے اپنے ملک کی اقتصادی، تجارتی، زرعی، حالت دیکھ کر سگے۔ قوم کو قوم بنائیں گے۔ اسکے بعد ہمیں شہروں کی آراستگی کا خیال کرنا چاہئے۔"

انگورہ کو پایہ تخت قرار دینے میں ترکہ مذہب کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ شہر کے عیش و نشاط اور لہو و لعب سے دور رہنا اور شب و روز محنت اور کام کرنا چاہتے ہیں۔ تنظیم میں جب تک محنت کا مرکز رہا، کبھی اس مستعدی سے کام نہیں ہوا جیسا اب انگورہ میں ہے۔

سے زیادہ ۵۰ ہزار ہے۔

انگورہ کے مناظر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن جس منظر نے میر کا دل پر سب سے زیادہ اثر کیا، وہ ترکہ انفرادی اور سپاہیوں کا وقار اور خاموشی سے سڑکوں پر سے گزرتا تھا۔ میں جب انھیں دیکھتا تھا تو بے اختیار قلب ان کی عظمت کے سامنے جھک جاتا تھا میں سوچتا تھا۔ "یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خوزہ جنگیں سر کیں اور تمام یورپ کو غلبہ کر کے اپنی قوم کا گراہا جھنڈا از سر نو بلند کر دیا۔" ترکہ انفرادی سپاہی ہمیشہ سے اپنی سنجیدگی اور وقار میں مشغول ہیں۔ مگر اب اتنی طویل جنگوں کے بعد ان کی کچھ عجیب حالت ہو گئی ہے۔ وہ رعب و جلال ہو کر اس کی خیر دنیا کی کسی فوج میں نہیں رہتی۔

### مجلس وطنی کی عمارت

انگورہ کی سب سے زیادہ شاندار عمارت، مجلس وطنی یا ترکی پارلیمنٹ کی عمارت ہے۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے۔ اوپر کے طبقہ میں صدر مجلس کا دفتر ہے۔ نیچے کے کمروں میں مجلس کے مختلف شعبوں کے دفاتر ہیں۔ ان میں پہلو میں ایک وسیع ایوان ہے۔ ۲۵ میٹر لمبا اور ۱۲ میٹر چوڑا۔ یہی پارلیمنٹ کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ اس میں ترکی قانون کا فرش ہے۔ صدریں ڈیڑ میٹر بلند چوڑے ہیں۔ چوڑے کے وسط میں صدر مجلس کی جگہ ہے۔ اسکے دونوں پہلوؤں پر نصف میٹر نیچے کا بتوں کے بیٹھے کی جگہ ہے اس سے ذرا اونچے ایک آدھ چوڑے ہیں۔ اور اسی پر کھڑے ہو کر مقررہ تقریریں کرتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک کھڑا ہے جس میں سرکاری رپورٹر بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد جبروں کے بیٹھے کی جگہیں ہیں۔ ہر نشست میں دو آدمی تین آدمی بیٹھے ہیں۔ یہ تمام نشستیں باہم قریب قریب ہیں، کیونکہ ایوان باوجود اپنی دست کے ناکافی ہے۔ ایوان کی سطح سے تین میٹر بلندی پر بیٹھے متا شاہیوں کی جگہ ہے۔ اسی کے داہنے پہلو پر ایک مذہب و مطلق نشست ہے جس کے لئے ایک خاص دودا بنا دیا گیا ہے۔ نشست غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی ہے۔ وہ جٹا ہے ہیں، اس میں بیٹھ کر جلسے کی کارروائی دیکھا کرتے ہیں۔ ایوان کے صدریں مجلس کے دائیں بائیں سفار دول کی نشستیں ہیں۔ مجلس کے جلسے عموماً عصر کے بعد شروع ہوتے ہیں۔

### مجلس وطنی

ترکی انقلاب کا سب سے عجیب کارنامہ یہی مجلس ہے۔ اس میں بیک وقت دو متضاد چیزیں جمع ہو گئی ہیں: شخصی تفویض اور جمہوری روح۔ یہ مجلس اپنے اندر ایسے عجیب اصول و قواعد اور غیر معمولی روایات رکھتی ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی پارلیمنٹ کی تاریخ میں موجود نہیں۔ اس اجال کی تفصیل جب ذیل ہے:

موجودہ مجلس وطنی کا نام ترکی زبان میں "دیولک ملت مجلسی" ہے۔

یہ اس مجلس قومی کی پیداوار ہے جو جلدی سلاطین میں قائم ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے حوصلہ مند اقدامات سے ترکی کی تاریخ بدل دی۔ اسی نے قدیم نظام سلطنت توڑا، اور جمہوریت قائم کی (۲۳ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں) اسی نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا (۱۹۲۴ء) اسی نے دستور اساسی بنایا (۱۰ اپریل ۱۹۲۴ء) یہی وہ دستور اساسی ہے جس پر موجودہ مجلس وطنی قائم ہوئی ہے۔

ترکی میں جلد قوتیں اور اختیارات صرف مجلس وطنی ہی کو حاصل ہیں۔ اس کے ہم تہ کوئی دوسری قوت موجود نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ترکی دستور حکومت صرف ایک ہی مجلس پر قائم ہے۔ حالانکہ دنیا کے دوسرے دستور ملکوں میں عموماً دو مجلس ہوتی ہیں: مجلس عوام اور مجلس خواص۔

ترکی مجلس وطنی کو دنیا کی دوسری پارلیمنٹوں سے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ تقسیم اختیارات کا نظریہ تسلیم نہیں کرتی۔ یہی باعث ہے کہ قوتوں قسم کے اختیارات اور قوتیں، یعنی تشریفی (قانون سازی) تفسیدی، اور عدالتی، تنہا اسی میں جمع ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ترکی میں وزارتی سولیت کا وجود نہیں ہے، بلکہ سرے سے اس معنی میں کوئی وزارت اور تفسیدی قوت موجود ہی نہیں ہے، جس معنی میں دنیا کے دوسرے دستور ملکوں میں ان کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ تفسیدی قوت، خود مجلس وطنی ہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے ارکان کی ایک جماعت کے ذریعہ یہ قوت استعمال میں لاتی ہے۔ ارکان کی اس جماعت کو صدر مجلس یا صدر مجلس منتخب کرتا ہے اور معلوم ہے، صدر جمہوریت اور صدر مجلس قومی کا انتخاب خود مجلس کرتی ہے۔ پھر ان ارکان کے انتخاب کی لازمی شرط یہ بھی ہے کہ مجلس انھیں منظور کرے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریت یا صدر مجلس کے انتخاب کردہ ارکان بھی حقیقت مجلس ہی کا منتخب کردہ ہوتے ہیں۔ یہی ارکان، وزراء ہیں جنہیں ترکی اصطلاح میں "دکیل" کہتے ہیں۔ یعنی وہ تفسیدی قوت کے کارواں میں مجلس کے دکیل یا نائب ہیں۔ انہی دکلار کی مجلس، حکومت کی مجلس دیکھیں۔ اس صورت حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ قانون اساسی کی رد سے مجلس قومی کسی حال میں بھی ٹوٹی یا برخاست نہیں کی جاسکتا اگر کبھی مجلس دکلار اور مجلس وطنی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو آخر الذکر نہیں، ہمیشہ اول الذکر ہی کو مستثنیٰ ہونا پڑے گا!

اسی طرح عدالتی قوت بھی مجلس وطنی ہی کے ماتم میں ہے۔ وہ ایک استعمال کا حق عدالتوں کو بخشی ہے۔ گویا عدالتی بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ بھی مجلس وطنی کے ٹھکن "دکیل" ہیں۔

### مجلس وطنی اور صدر جمہوریت

صدر جمہوریت ہی مجلس وطنی کا صدر ہوتا ہے۔ وہ جب چاہی مجلس کے جلسوں کی صدارت کرے اس کی عدم موجودگی میں اس کا نائب صدارت کرتا ہے۔ صدر جمہوریت کے اختیارات یہ ہیں کہ مجلس دکلار کا انتخاب دہی کرتا ہے (جس کی تصدیق کے لئے مجلس وطنی کی منظوری ضروری ہے) سفراء کے کاغذات دہی قبول کرتا ہے۔ مجلس وطنی کے جلد قوانین اسی کے نام سے شائع ہوتے ہیں۔ مجلس کے سالانہ افتتاح کے موقع پر یکم جنوری کو دہی افتتاحی تقریر کرتا ہے۔ بحرمول کو معافی دینے کا بھی اس سے حق ہے، مگر بہت محدود۔ لیکن جنگ رسل کا اعلان اور معاہدوں کا انعقاد اس کے اختیارات سے بالکل باہر ہے۔ یہ کام صرف مجلس وطنی کے ہیں۔ صدر جمہوریت، مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ مجلس اس سے صرف اسی وقت باز پرس کر سکتی ہے جب وہ ملکی خیانت کا مرتکب ہو۔ اس کی صدارت کی مدت بہ سال ہے۔ یہی مدت، مجلس وطنی کی طبعی عمر ہے۔ اس کے



## مراسلہ

### لکھنؤ سے ایک انگریزی روزانہ کا اجراء

لیمپنڈ کمپنی

ہندوستان میں صوبہ جات متحدہ آکرہ و اردہ کا جو اہم مرتبہ ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔ مگر صوبہ ہذا کے مسلمانوں کی انتہائی بد نصیبی ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ ان کو قدم قدم پر ایک حقیقی رہنما و ہمدرد وکیل کی ضرورت ہے ان کے پاس ایک بھی روزانہ انگریزی اخبار نہیں ہے۔

الہ آباد اور علی گڑھ سے دو انگریزی اخباروں کے نکالنے کی کوشش ہوئی مگر اول الذکر محض تجارتی اغراض لیکر دنیا میں آیا تھا اور مؤخر الذکر اگرچہ اسلام کے تعلیمی مرکز سے جاری ہوا، مگر اس میں بد قسمتی سے شخصی عنصر اس درجہ غالب تھا کہ وہ ترقی نہ کر سکا۔ دونوں جس بے سروسامانی کی حالت میں آئے تھے اسی طرح رخصت ہو گئے۔ ان کی موت نے افسوس ناک نتائج پیدا کر دیے۔ یعنی مسلمانوں کو اپنے روزانہ انگریزی اخبارات سے بد ظنی پیدا ہو گئی۔ جس کے باعث معقول انگریزی روزانہ اخبار اب تک نہیں نکل سکا۔ چنانچہ اس وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ جناب آئریل سید رضا علی صاحب پبلک سررس کمیشن کے ممبر ہو گئے تھے۔ انگریزی روزانہ اخبار کی وہ اسکیم جو وسط سنہ ۱۹۲۶ء میں لکھنؤ میں طیار ہوئی تھی عملی جامہ نہ پہن سکی۔ لیکن اس ایک برس کی مدت سیاسی نقطہ نظر سے نہایت اہم ثابت ہوئی۔ اور موجودہ اور آنے والی پیچیدگیوں کے قوم کے رہنماؤں کو مجبور کیا کہ وہ آئریل سر مہاراجہ صاحب بہادر محمود آباد کی سوکردگی میں معقول سرمایہ اور بہترین اسٹاف کے ساتھ مسلمانوں کا انگریزی روزانہ اخبار لکھنؤ سے چھپ کر لیں۔ یہ اسکیم نہایت شاندار ہے جو نہ صرف مسلمانوں کے ایک زبردست روزانہ انگریزی اخبار اور بہترین پریس کی حامل ہوگی، بلکہ مسلمانوں کی ذاتی منفعت کا بھی معقول ذریعہ ثابت ہوگی۔

ایک کمپنی قائم کی گئی ہے جس کے ڈائریکٹر حسب ذیل ہیں:

سر مہاراجہ صاحب بہادر راجی محمود آباد - سر سید علی امام صاحب بیرسٹرائٹ لا - پٹنہ - راجہ صاحب ٹانپارہ ضلع بہرائچ - آئریل راجہ نواب علی خاں صاحب تعلقہ دار - ممبر کونسل آف اسٹیٹ - مولوی محمد نسیم صاحب - بی - اے - ایڈووکیٹ لکھنؤ۔

کمپنی مذکور کی اسکیم نہایت تجربہ کار اور واقف کار اصحاب نے تیار کی ہے، اور ایک اعلیٰ درجہ کے پریس اور انگریزی اخبار کے اجراء کا مشورہ دیا ہے۔ پریس انگریزی اور اردو ہر قسم کا بہترین کام کریگا۔ پریس اور اخبار کے انتظامات صرف معتبر اور آزمودہ کار ہاتھوں میں رہیں گے۔ چنانچہ ایڈیٹریل اور انتظامی خدمات کے لیے بہترین اشخاص منتخب کیے گئے ہیں۔ اور اسکیم میں کثیر منافع کا پہلو رکھا گیا ہے تاکہ جو لوگ کمپنی کے حصص خریدیں ان کو منافع کی شکل میں معقول مالی فائدہ پہنچتا رہے۔

کمپنی کے متعلق پراسپیکٹس انگریزی اور اردو میں چھپ رہے ہیں۔ حصوں کے خریداری کے فارم بھی تیار ہیں۔ مسٹر حسن عابد جعفری رکن بیرسٹرائٹ لا سے محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ کے پتہ پر منسلک ہیں۔ اور انہی سے تمام مزید حالات بھی معلوم ہو سکتے ہیں۔ خاکسار

آل انڈی - محمد یعقوب - تصدق احمد خاں - خیرہ

ملت ترک کر دی تھی۔ راہ حق سے کٹ گیا تھا۔ صالحین کے طور طریقہ سے دور ہو گیا تھا۔ تو نے نیک انسان قتل کر کے ان کی جماعت فضا کر ڈالی۔ تابعین کی جڑیں کاٹ کر ان کا پاک درخت اٹھاڑ پھینکا۔ افسوس تو نے خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کی۔ تو نے خون کی ندیاں پھادیں۔ جانیں لیں۔ آبروئیں برباد کیں۔ کبر و جبر کی روش اختیار کی۔ تو نے نہ اپنا دین ہی بچایا، نہ دنیا ہی پائی۔ تو نے خاندان مروان کو عزت دی، مگر اپنا نفس ذلیل کیا۔ ان کا گھر آباد کیا، مگر اپنا گھر ویران کر لیا۔ آج تیرے لیے نہ نجات ہے نہ داد فریاد۔ کیونکہ تو آج کے دن اور اس کے بعد بے غافل تھا۔ تو اس امت کے لیے مصیبت اور قہر تھا۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر کہ اُسے تیری موت سے امت کو راحت بخشی، اور تجھے مغلوب کر کے اُسکی آرزو پوری کر دی!

(حجاج کی عجیب رحمت طلبی!)

راوی کہتا ہے۔ حجاج یہ سن کر مہرور ہو گیا۔ دیر تک سناٹے میں رہا۔ پھر اُس نے تہنیدی سانس لی، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا:

”الہی! مجھے بخش دے، کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا!“ پھر یہ شعر پڑھا:

رب ان العباد قد اُیأسونی ورجائی لك الفداء عظیم!

الہی! بندوں نے مجھے نا امید کر ڈالا، حالانکہ میں تجھے سے بڑی ہی امید رکھتا ہوں!

یہ کہہ کر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اسمیں شک نہیں، رحمت الہی کی بے کنار وسعت دیکھتے ہوئے اسکا یہ انداز طلب ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے اور اس باب میں بے نظیر مقلد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حسن بصری سے حجاج کا یہ قول بیان کیا گیا تو وہ پہلے تو متعجب ہوئے ”کیا واقعی اُس نے یہ کہا؟“ کہا گیا ”ہاں اُس نے ایسا ہی کہا ہے“ فرمایا ”تو شاید!“ (یعنی شاید اب بخشش ہو جائے)

## اطلاع

اُس نمبر کے تمام فارم طیار ہر جگہ تھے۔ صرف آخری جو صفحہ باقی تھا کہ ایک حادثہ کی وجہ سے خوشنویس اپنے وطن چلے گئے، اور ان کی جگہ جس خوشنویس نے کتابت کا انتظام کیا گیا، وہ بھی بروقت کام نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان تمام مضامین کی کتابت رھ گئی جو آخری جو صفحہ میں دیے جاتے ہیں۔ ممکن تھا کہ یہ تمام حصہ کمپوز کرا کے شامل کر دیا جاتا، لیکن اسکی وجہ سے ایک دن کی تاخیر ہو جاتی۔ چونکہ اب ہم سب سے زیادہ ضروری بات رسالہ کی بروقت اشاعت سمجھتے ہیں۔ اس لیے یہی مناسب نظر آیا کہ یہ نمبر ۲۲ صفحہ ہی کا شائع کر دیا جائے، مگر اشاعت میں تاخیر نہ ہو۔ انشاء اللہ اسکی تلافی آئندہ اشاعت میں ہو جائیگی۔ اب خوشنویسوں کا بھی ایسا انتظام کر لیا گیا ہے کہ آئندہ رکارڈ پیش نہ آئے۔ منیجر



## محاج بن یوسف الثقفی

بیان کیا گیا ہے کہ جنگوں کے علاوہ حالت امن میں اُن نے ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمی قتل کئے تھے (مقد الفریغ - البیانی والتبیین فیہ) بڑے بڑے اخیار و ابرار مثلاً سعید بن جبیر و قزو کی گروین اُن طرفیں۔

لَا تُهِنُوا كَلِمَةَ اللَّهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

# الہلال

ایک ہفتہ وار مہوار سالہ

جلد ۱

نمبر ۱۰ : جمعہ ۲۰ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 19, August 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔  
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکے ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سی جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سی ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۵۸۳ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۶۰	اردو حروف کی حق میں	۱۹۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۱۱۱	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۱۷۹	نستعلیق ہوں	۴۳

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہی۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کریں گے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

# ان تمام اصحاب کیلی

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی  
تصویریں، پرانے سکے اور نقش، پرانے زور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان،  
اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے  
خط و کتابت کیجیے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی  
منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادار عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل  
کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان،  
ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے  
رہتے ہیں۔

## با این ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عمدہ تک ارزاں ہیں!

## براعظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتاب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل  
کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے  
فراہم کیے ہیں۔

## اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی چلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے  
کہ ہمارا سفیری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

”میں نہایت عاجزی سے جناب والا کو یاد دلانا ہوں۔ بے شک یہ بالکل معقول ہے کہ انسانی معاملات انسانی شہادتوں سے طے کیے جائیں، کیونکہ ان کے ثابت ہونے کا اس کے سوا کوئی طریقہ موجود نہیں۔ بلاشبہ میں نے اس بات اور ایتھنز کو آدمیوں ہی کی شہادتوں سے جانا۔ لیکن میں بہ ادب دریافت کرتا ہوں کہ میرے اور خدا کے درمیان ان واسطوں کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ضرور ہے کہ یہ واسطے مجھ سے اتنے دور ہوں کہ خود ان کے جاننے کے لیے، مجھے اور بہت سے انسانی واسطے تلاش کرنے پڑیں؟ کیا یہ معقول ہے کہ خدا، جان جاک روسو سے گفتگو کرنے کے لیے ہمیشہ ایک موسیٰ (علیہ السلام) کو ڈھونڈتا رہے؟“

”پھر یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اس بات پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی اس پر ایمان نہ لائے تو لعنت کا مستحق نہیں ہو جائیگا۔ اس بات کے وجود پر شک کرنے کی وجہ سے ہرگز کوئی دروغ کا کندا نہیں بن جا سکتا۔ لیکن اگر ایک شخص دینی تعلیمات کی تصدیق نہیں کریگا تو اس کے لیے ابدی عذاب ہے۔ جس بات کے نہ ماننے کی اتنی بڑی سزا ہو، ضروری ہے کہ اس کے ماننے کے ذرائع و دلائل بھی اسی مناسبت سے قطعی اور واضح ہوں۔“

”کوئی بات بھی جو ہماری چشم دید نہیں ہے، بغیر معقول دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور ہر بڑی سے بڑی روایت بھی صدق و کذب کی محتمل ہے.....“

”اگر معجزات خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوتے، جب بھی میں اس غیر معقول طریق ایمان سے انکار کر دیتا۔ سحر کی تصدیق میرے لیے اس سے کہیں آسان ہے کہ خدا کے کلمہ کی غیر معقول طریقہ پر تصدیق کروں۔“

(موجودہ مسیحیت)

اس کے بعد روسو موجودہ مسیحی دین پر اظہار خیال کرتا ہے :

”آسقفوں اور پادریوں نے مسیحیت کو اس کی اصلی روح سے محروم کر دیا ہے۔ اب یہ سوال نہیں کیا جاتا کہ ایک مومن فرائض و واجبات کہاں تک انجام دیتا ہے؟ اور نیکی میں اس کی دور کھاننگ ہے؟ سوال صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کس فرقہ کے خرافات (جنہیں غلط طور پر ”عقائد“ کا نام دیدیا گیا ہے) ماننا ہے؟ وہ کیتھولک ہے یا پروٹسٹنٹ؟ تم سے یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ خدا سے ڈرتے بھی ہو یا نہیں؟ لیکن ہر کوئی اس بات پر تمہاری جان لینے کیلئے طیار ہو جائیگا کہ تم فلاں ولی کی کرامت کے قائل بھی ہو یا نہیں؟ دین اپنی اصلی شکل میں صاف، سادہ، ستھرا تھا۔ آج ان جہ پوشوں نے خرافات و خزعبات اور غیر مفہوم قبیل و قال کا غیر مرتب مجموعہ بنا دیا ہے۔ اگر تم اس تمام ثقافت سے جو آج کل دین کے نام سے موسوم ہے، ازسرتا پا آلودہ ہو، تو بس، تم مومن کامل ہو۔ اب تمہیں کسی نیکی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ سیدھے آسمان کی بادشاہت (جنت) میں داخل ہو جاؤ گے!“

”انسانی جماعت کو دین سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ دین اتنی پست سطح پر آجائے؟ اس صورت میں دین کا مقصد کیا رہ جاتا ہے؟ صرف یہ کہ انسانوں میں بغض و عناد کی تخم ریزی کرے، اور خونریز میدانوں کا سامان بہم پہنچائے! بلاشبہ جب دین اس حالت میں آجائے تو اس کے وجود سے اس کا عدم کہیں زیادہ بہتر ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے

کسی موقع پر بھی انہوں نے میری زبان سے کوئی ایسا لفظ سنا جو اس سے مختلف تھا، جس کا میں اپنی کتابوں میں اعلان و اشتہار کرتا رہا ہوں؟ وہ صاف صاف کہیں، ان کی دلیلیں، ان کی نکتہ چینیاں، ان کا تمسخر، کبھی میرے عقیدے میں کوئی تزلزل پیدا کر سکا ہے؟ وہ بتائیں، کبھی، ایک لمحہ کیلئے، انہوں نے محسوس کیا کہ میں کوئی ایسا عقیدہ یا خیال رکھتا ہوں جو علی الاعلان دنیا کے سامنے ظاہر نہیں کرتا؟ ہاں، میں اپنے تمام دوستوں اور تمام دشمنوں کو ایک ساتھ دعوت دیتا ہوں۔ دوستوں کو دوستی کا واسطہ دیتا ہوں۔ دشمنوں کو دشمنی کی قسم دیتا ہوں۔ بے روزگاری، بے خوف و خطر، مردانہ راز میدان میں آئیں، اور جو کچھ بھی میری نسبت کہہ سکتے ہوں، بے کھٹکے کہہ ڈالیں! میں اپنے دوستوں اور دشمنوں، دونوں کی شرافت و دیانت پر بغیر کسی پس و پیش کے بھروسہ کرتا ہوں۔ میں اپنی پوری شرافت ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ میں ہرگز کسی سے بحث اور حجت نہیں کروں گا۔ جو کچھ بھی وہ کہہ دیں گے، بے چون و چرا تسلیم کر لوں گا!“

(انبیاء کرام کی عظمت)

”میں ان تمام انسانوں کی عزت کرتا ہوں جنہوں نے مذاہب و ادیان قائم کیے ہیں۔ وہ سب عظیم کمال اور اعلیٰ فضائل کے مالک تھے۔ ان کی عظمت و فضیلت ہمیشہ محترم و مسلم رہے گی۔ سب کا دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے پیغام بر ہیں۔ ممکن ہے وہ حقیقت میں پیغمبر ہوں یا نہ ہوں۔ سب لوگ کوئی ایک دعویٰ تسلیم نہیں کر لے سکتے۔ دلائل یکساں طور پر سب کی دسترس میں نہیں ہیں۔ لیکن اگر وہ فی الواقع پیغمبر نہ بھی ہوں، جب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کذاب اور دجال ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ الاهییات میں مسلسل تفکر اور فضائل کا غیر عقیدہ عشق انسانی روح کو کس حد تک پہنچا دے سکتا ہے؟ منطق کو کیا حق ہے کہ مداخلت کرے یہ معاملہ عامیانہ سطح پر لے آئے؟ غیر منطقی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمارا سر چکرا جاتا ہے، اور ہماری نظریں اشیاء کو ان کی حقیقی شکل میں دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں۔“

(معجزات)

معجزات پر روسو نے لکھا تھا ”یا للعجب! ہمیشہ آدمیوں ہی کی گواہیاں! آدمی، اپنے ہی جیسے آدمیوں سے، سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے بے گنت واسطے قائم ہو گئے ہیں؟“

اس پر آسقف نے اعتراض کیا تھا ”اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں تو ہم پوچھتے ہیں۔ مؤلف نے اس بات، ایتھنز، اور رزم کو کیونکر جانا...؟“

روسو جواب دیتا ہے :

”اگر معاملہ اس درجہ اہم نہ ہوتا، یا میں اے آقا، آپ کا اس درجہ احترام نہ کرتا ہوتا، تو آپ دیکھتے، آپ کے اس طریق استدلال نے میرے لیے اپنے ناظرین کو ہنسانے کی کیسی عمدہ فرصت مہیا کر دی تھی۔ لیکن حاشا وکلا! میں ہرگز اس لہجہ سے دست بردار نہیں ہوں گا جو اس موضوع بحث کے لیے ضروری ہے، اور اس شخص کے مرتبہ کے لائق ہے جس سے مخاطب کی عزت حاصل کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ میرے لیے اس قدر کافی ہے کہ آپ کی غلطی ظاہر کر دوں۔“



## مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

نہیں کرسکتے۔ وہ میرے لب و لہجہ میں ہرگز کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرسکتے۔ نہ تو لاهوتی، ایمان کی رباکارانہ تلقین کر کے مجھے جھوٹا بناسکتے ہیں، نہ فلاسفہ مجھے منافقت کا طعنہ دیکر العاد پر آمادہ کرسکتے ہیں۔ میں برابر اپنے دین کا اعلان کرونگا، کیونکہ میں دین رکھتا ہوں۔ میں بیانگ ڈھل آئے شہرت دونگا، کیونکہ مجھے میں اعلان و اشتہار کی شجاعت موجود ہے۔ آہ! میں نے کتنی تمنائیں کیں کہ سب لوگوں میں اتنی ہی شجاعت ہوتی! اگر سب میں اتنی شجاعت ہوتی، تو انسانیت کو کتنا نفع پہنچتا؟

( ”حضرت مسیح کا شاگرد“ )

”اے میرے آقا! میں مسیحی ہوں۔ میں اخلاص کے ساتھ انجیلی مذہب کا مسیحی ہوں۔ ہاں میں مسیحی ہوں، لیکن پادریوں کا شاگرد نہیں ہوں، بلکہ خود مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد ہوں۔ میرا استاد، کتابوں کی عبارتوں پر بحث نہیں کرتا تھا، لیکن عمل پر نظر رکھتا اور عمل ہی پر زور دیتا تھا۔ اُس نے ہمیں جس ایمان کی تلقین کی ہے، اُس کے قواعد و اصول بہت زیادہ اور پیچ در پیچ نہیں ہیں۔ صرف گنتی کی چند موٹی موٹی باتیں ہیں۔ لیکن اُس نے جس نیکی کی تعلیم دی ہے، اُس کی شاخیں بے شمار اور آسانی راہیں بے حساب ہیں۔ اُس نے ہمارے ایمان میں خوشگنیاں نہیں ہی ہیں، لیکن عمل صالح کی پورے شرح و بسط سے تفسیر کی ہے۔ اُس نے ایمان کیلئے صرف دو تین موٹی موٹی باتیں ضروری نہائی ہیں، لیکن عمل کی نیکی کیلئے کوئی گنتی نہیں بتائی ہے، کیونکہ عملی نیکیاں اُن گنت ہیں۔ اُس نے جہاں کہیں انبیاء کے نمونوں پر زور دیا ہے، وہاں ایمان سے زیادہ اُن کے اعمال بتائے ہیں۔ اُس نے اپنی اور تمام نبیوں کی تعلیم کا لب لباب اِس ایک جملہ میں بیان کر دیا ”اپنے بھائی سے محبت کرنا“ پورا دین ہے!“

(دوستوں اور دشمنوں کو دعوت)

اِسکے بعد لکھتا ہے :

”مجھے ہمیشہ خلوت کی پر مسرت زندگی حاصل نہیں رہی۔ لوگوں سے ملنے جلنے پر بھی مجبور ہوتا رہا ہوں۔ میری ہر طبقہ کے لوگوں سے ملاقات ہے۔ میں نے مختلف سیاسی اور دینی جماعتوں کے لوگ دیکھے ہیں۔ میں مومنوں سے بھی ملا ہوں اور ملحدوں سے بھی۔ میں نے حکماء بھی دیکھے ہیں، جہلاء بھی۔ متعصب بھی دیکھے ہیں، غیر متعصب بھی۔ سنجیدہ بھی میری صحبت میں بیٹھے ہیں، اور مسخرے بھی۔ میرے دوست بھی بہت ہیں اور دشمن بھی۔ میں دنیا میں تمام آدمیوں کو، جنہوں نے مجھے کبھی دیکھا یا جانا ہے، گلا پہاڑ پہاڑ کر پکارتا اور دعوت دیتا ہوں۔ وہ سامنے آئیں، اور میرے عقیدے کی بابت جو کچھ جانتے ہوں، برملا کہہ دالیں! وہ جرأت سے بڑھیں، اور بتائیں، کبھی کسی حال میں بھی اُنہوں نے میرے عقیدے میں کوئی تبدیلی دیکھی یا محسوس کی؟ قہرہ خانے کی صحبتوں، کھانے کی میز کی نشستوں، بے تکلفی کی ملاقاتوں، سنجیدہ یا مذاح کی گفتگوؤں، غرضکہ کبھی

## انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

۔۔۔۔۔

جان جاک روسو

۔۔۔۔۔

اسقف کا جواب

(۳)

( وحدانیت یا تعدد ؟ )

اسقف نے لکھا تھا ”... وحدانیت اُسکے (روسو) خیال میں ایک حقیر مسئلہ ہے اور کسی طرح بھی اُسکی عقل میں نہیں آسکتا۔ لیکن متعدد خداؤں کا تصور اُسکی عقل کے نزدیک معقول ہے...“

روسو جواب دیتا ہے :

”متعدد خداؤں کا کس نے ذکر کیا؟ اے میرے آقا اسقف! تجھے پر میرا صبر پڑے! میں نے یہ کب کہا؟ بے شک تمہاری دلی آرزو یہی ہوگی کہ میں اِس درجہ احمق ہوتا، اور اِس طرح کی احمقانہ گفتگو کرتا۔ لیکن اگر میں ایسا احمق ہوتا تو تمہیں میرے ”عالمانہ رد“ لکھنے کا یہ فخر بھی حاصل نہ ہوتا!“

”بلا شبہ میں نہیں جانتا کائنات کیوں بنی ہے، اور کیوں بنی ہے؟“ میرے سوا جو لوگ معرفت کے مدعی ہیں، وہ بھی اِس باب میں مجھے سے زیادہ علم نہیں رکھتے۔ لیکن میں صاف دیکھتا ہوں کہ اِس تمام حرکت کا محور ایک ہی وجود ہے۔ تمام کائنات ایک ہی پنہ رکھتی، اور ایک ہی قسم کے مقاصد پورے کر رہی ہے۔ یہ اِس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ کوئی ایک بلند تر ارادہ کار ہوا ہے، اور کوئی ایک ہی بالاتر قوت عمل پیدا ہے۔ اِس ارادے اور اِس قوت کو میں ایک ہی ذات سے منسوب کرتا ہوں، کیونکہ وہ درجوں باہم متفق ہیں۔ اور ان درجوں کو ایک ہی ذات کا خاصہ سمجھنا، دو ذاتوں کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ معقول ہے۔ تعدد، صرف اُسی وقت تسلیم کنا جاسکتا ہے جب اُسکا کوئی ثبوت موجود ہو۔ لیکن کائنات میں کوئی اِس قسم کا ثبوت موجود نہیں۔ یہ خیال سراسر وہم ہے کہ خیر و خالق اور شر کا خالق ایک نہیں ہو سکتا۔ جس چیز کو ہم شر سمجھتے ہیں، وہ علی الاطلاق شر ہے ہی نہیں۔ شر مطلق سے مجھے انکار ہے۔ یہ اعتداری شر بھی خیر سے برسر پیکار نہیں ہے، بلکہ نظام عالم کی تکمیل میں خیر و مند و معارف ہے“

(روسو کا عقیدہ)

اِسکے بعد روسو اپنی کتاب اور اپنے شخصی عقیدے کی طرف متوجہ ہوتا ہے :

”اب میں وہ سب بیان کرتا ہوں جس نے مجھے یہ کتاب شائع کرنے پر مجبور کیا۔ اِس تمام شرور و غوغا کے باوجود بھی میں اِس کتاب کو اپنے عہد کی بہتر کتاب بقین کرتا ہوں۔ آگ کے شعلے، حکومتوں کے فیصلے، مذہبی پیشواؤں کے فتوے، مجھے ہرگز مرعوب

تک، بمشکل کوئی مہینہ ایسا گزرا ہے، جس میں سر ڈائل کی کوئی نہ کوئی تحریر و تقریر اس موضوع پر شائع نہ ہوئی ہو۔ حال میں انگلستان کی انجمن روحانیوں نے ایک نہایت دلچسپ مجموعہ بارہ مقالات کا شائع کیا ہے۔ ان میں سے آٹھ مقالات سر ڈائل کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب پچھلی ڈاک سے ہمیں وصول ہوئی ہے اور اس موضوع پر افکار و تاثرات کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔

موجودہ انگریزی علم ادب میں سرکون ڈائل کا نام ان کے مخصوص مذہب افسانہ نویسی کی وجہ سے اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ شاید ہی کوئی افسانہ نویس اس قدر مشہور ہوا ہو۔ انہوں نے فن سراغ رسانی کی افسانہ نویسی میں ایک نئے مذہب (اسکول) کی بنیاد ڈالی اور ”شرلاک ہومز“ کے نام سے اُس کے حیرت انگیز کارنامے قلمبند کیے۔ اُن کے قلم سے اگرچہ مختلف معاشرتی اور نفسیاتی موضوعات پر بہت سے افسانے نکل چکے ہیں، لیکن ان کی شہرت کی اصلی تاریخ شرلاک ہومز کے کارناموں ہی سے شروع ہوتی۔ ان افسانوں کی مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ شرلاک ہومز کا جو فرضی مکان نمبر ۱۰ - بیکر اسٹریٹ لندن میں دکھایا گیا تھا، وہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دماغ میں ایک حقیقی شے کی طرح موثر ہو چکا ہے، اور جب کبھی سیاحان عالم پہلی مرتبہ لندن جاتے ہیں تو یہ جاننے پر بھی کہ ”شرلاک ہومز“ محض ایک فرضی سراغ رساں سیرۃ (کیریکٹر) ہے، اپنی طبیعت کو اس جذبہ سے نہیں روک سکتے کہ ایک مرتبہ بیکر اسٹریٹ جاکر کسی ایسے مکان کی زیارت کر لیں جس کا نمبر دس ہو!

احمد ریاض بے ”عبد الحمید ثانی و درر سلطنتی“ (یعنی سلطان عبد الحمید ثانی اور اس کے عہد حکومت کی تاریخ) میں لکھتا ہے کہ سلطان موصوف شرلاک ہومز کے کارناموں کے اس قدر شائق تھے کہ حکم تھا، جنوبی کوئی نیا افسانہ شائع ہو، فوراً ترکی میں ترجمہ کر کے پیش کر دیا جائے۔ ایک خاص شخص ادیب بے اس کام پر مامور تھا۔ آخری زار روس کی نسبت بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا ”مجھے کتابوں کی قسم میں سے کوئی چیز بھی دل پسند نہیں ہے۔ الا شرلاک ہومز“

یہی شرلاک ہومز کا مصنف اب دنیا میں عالم ارجاح کا سب سے زیادہ پرجوش و سرگرم نقیب اور داعی ہے!

(سرکون ڈائل کے مقالات)

جس نئی کتاب کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، اس کے آٹھ مقالات دراصل سرکون ڈائل کے روحانی اعتقاد کی پیدائش و تکمیل کی مسائل داستان ہیں۔ پہلے مقالہ میں اُس نے بتلایا ہے کہ کس

لومبروز (Lombroso) جراثیمی

کا مشہور ماہر طبیعیات ہے اور

جس نے باسٹیور کے بعد جراثیم

کے علم کی تدریس کی، نہ

صرف اس کا معترف ہوا بلکہ

اس موضوع پر ایک رسالہ بھی

لکھ کر شائع کیا۔ کیمیل فلاماریان

(Camille Flammarion)

انیسویں صدی کے علماء فلکیات

میں نہایت سر برآوردہ عالم تھا۔

غالباً چار پانچ سال پہلے اُس کا

انتقال ہوا ہے۔ یہ نہ صرف اس کا

معترف تھا بلکہ نہایت پرجوش

معتقد تھا۔ اُس کی آخری در کتابیں اسی موضوع پر ہیں اور یورپ

کی تمام زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ پروفیسر ہکسلی، ڈاکٹر

لوئس، سر جان ککس، پروفیسر پارکس، پروفیسر ژولنر، ڈاکٹر ویر،

ولیم لیو پلڈ وغیرہ، جو انیسویں صدی کے دائرہ علم و نظر کے

مسلم ارکان تھے، کم و بیش اس کا اعتراف کر چکے ہیں۔

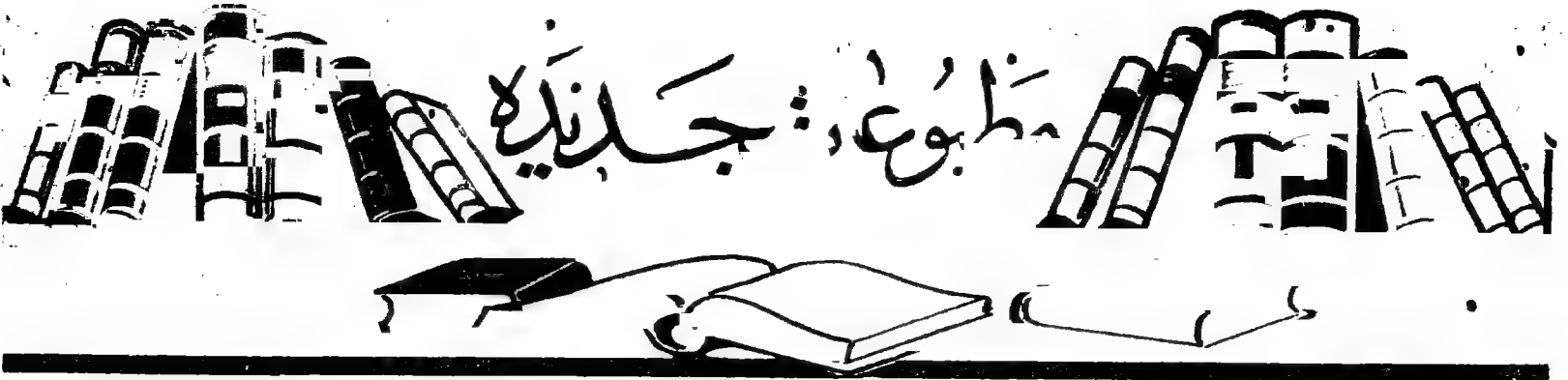
امریکہ کے مشاہیر علم و نظر میں چارلس نارٹن اور ولیم داسن جو شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) میں علم النفس (سائکالوجی) کے استاد تھے، اس کی تصدیق و حمایت میں برابر مقالات و رسائل شائع کرتے رہے۔ انگلستان کے عام مشاہیر سیاست و ادب میں مسٹر بالفور اور مسٹر اسٹیڈ (سابق محرر ریویو آف ریویوز) کا نام بھی اس کے معتقدین کی فہرست میں مشہور ہو چکا ہے۔ مسٹر اسٹیڈ نے تو روحانی سوال و جواب کا ایک باقاعدہ دفتر کھول دیا تھا۔ اُن کے عالم ارجاح کے دوستوں میں سب سے زیادہ مشہور دوست اسکات لینڈ کی ”مارگریٹ“ تھی۔ اُن کا بیان تھا کہ وہ مارگریٹ کے ذریعہ عالم ارجاح کی تمام ضروری شخصیتوں سے نامہ و پیام کر لیا کرتے ہیں!

موجودہ عہد کے مشاہیر اہل علم میں چارلس الیٹ، ولیم جیمس، جیمس ہیڈلوب، اور سر آلین لاج Oliver Lodge خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ چارلس الیٹ اور ولیم جیمس ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) میں علم النفس کے استاد ہیں، جیمس ہیڈلوب کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) میں علوم عقلیہ کے مستند ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں، اور سر آلین لاج کی علمی شہرت محتاج بیان نہیں۔ یہ تمام علماء اس مذہب پر علمی تيقن کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں اور اُس کی اشاعت و تبلیغ ان کی تحریر و تقریر کا موضوع بحث ہے۔ سر آلین لاج کا لڑکا پچھلی عالمگیر جنگ میں قتل ہو گیا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ مرنے کے بعد ہی اُس کی روح نے انہیں مخاطب کیا، اور اب بھی وہ جب چاہیں، اُسے بلا سکتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کر سکتے ہیں!

(سرکون ڈائل)

لیکن موجودہ زمانے کے مغربی روحانیین میں شاید ہی کسی اہل قلم نے اس تبلیغی جوش و سرگرمی کے ساتھ اس مذہب کا اعتقاد ظاہر کیا ہوگا، جیسا کہ کچھ عرصہ سے انگلستان کے مشہور افسانہ نویس سرکون ڈائل Conan Doyle کی شخصیت میں ظاہر ہوا ہے۔ عالمگیر جنگ یورپ کے بعد سے لیکر اس وقت

روح کا تمثیل این سفید دھوئیں کی شکل میں جیسا کہ اس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے



## استحضار و مخاطبات ارواح

(عالم اراج اور سرکونڈن ڈائل کے نئے مباحث)

قارئین الہلال اس سے بے خبر نہ ہونگے کہ انیسویں صدی کے وسط میں استحضار و مخاطبات ارواح (روحوں کے آنے اور مختلف محسوس ذرائع سے سوال و جواب کرنے) کا جو مذہب امریکہ میں ظاہر ہوا تھا، وہ برابر نشو و نما پاتا رہا، اور اس وقت یورپ اور امریکہ میں اس کے معتقدوں کی ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ اس جماعت میں ہر درجہ اور ہر طبقہ کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ فلسفہ و حکمت کے ماہر، علوم و فنون کے اساتذہ، علمی و صناعی انکشافات و اختراعات کے مشاہیر، ادب و کتابت کے مسلم ارکان، عام اہل قلم و نظر، نوئی حلقہ ایسا نہیں ہے جہاننگ اس اعتقاد کے اثرات نہ پہنچ چکے ہوں۔ اس کے اصول و قواعد مدون ہو چکے ہیں، بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں، تحقیقات و تجارب کے باقاعدہ مجامع کام کر رہے ہیں، پچاس سے زیادہ اخبارات و رسائل صرف اسی موضوع پر شائع ہو رہے ہیں، ایک مکمل مذہب علمی کی شکل میں قواعد و مبادیات مرتب ہو گئے ہیں، اور معاملہ نے اس حد تک اہمیت حاصل کر لی ہے کہ وقت کے بعض اکابر اہل علم نے اپنے درس و نظر کے لیے صرف یہی موضوع منتخب کر لیا ہے!

انیسویں صدی کے اخیر کے علماء میں سے پروفیسر رسل ویلز نے جو ناموس نشو و نما ارتقا کے انکشاف میں داروں کا معاصر و شریک تھا، صاف صاف لفظوں میں اس کا اعتراف کیا تھا، اور اسے عصر حاضر کے خوارق سے تعبیر کیا تھا۔ پروفیسر ولیم کرکسن نے جو انگلستان کا سب سے بڑا عالم کیمیا تسلیم کیا گیا ہے، اور جس نے سب سے پہلے مادہ کے اشعاع کی حقیقت معلوم کی اور برق کے لیے وہ نیا آلہ ایجاد کیا جو اسی کے نام سے مشہور ہے، کئی ماہ کی تحقیقات و امتحان کے بعد یہ رائے قائم کی تھی کہ ”مخاطبات ارواح کے مشاہدات ناقابل انکار ہیں“ ڈاکٹر میرس (Miers) اور رچرڈ ہاڈسن، کیمبرج یونیورسٹی میں علم النفس کے مسلم اساتذہ تھے۔ ان دونوں نے بھی بغیر کسی جھجھک کے اپنے اعتراف کا اعلان کر دیا تھا۔ پروفیسر

بے حقیقت آدمی ہوں۔ مجھے اتنا آڑ کھنے کی اجازت دیجیے کہ آپ دینی پیشوا ہیں۔ انجیل کے عالم ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ مخلوق کو اس کے فرائض کی تعلیم دہن۔ لیکن یہ تعلیم خود اپنے نفس سے شروع ہونی چاہیے۔ آپ کو ایک لمحہ کے لیے سرنچنا تھا کہ میرے معاملہ میں آپ کا فرض کیا تھا؟ اور کہانتک تھا؟ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب کچھ کہنے کو باقی نہیں رہا، اس لیے چپ ہو جاتا ہوں!

کہ دین کو اس پستی سے نکالیں۔ انسانیت نے ہم پر حقوق ہیں۔ یہی حقوق ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ دین کو خرافات سے پاک کر کے اصلی صورت میں پیش کر دیں۔ تمہاری یہ سزائیں، دھمکیاں، پھانسیاں، اور آگ کے شعلے ہمیں ہرگز مرعوب نہیں کر سکتے۔“

(عہد جدید کی پیشین گوئی)

”جب لوگوں کی آنکھوں پر سے پردہ اٹھ گیا اور حقیقت نظر آئی تو بلاشبہ شبہ وہ موجودہ دین کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیں گے۔ کیونکہ یہ حقیقی دین نہیں ہے۔ وہ سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ ان خود غرض اور ریاکار پیشواؤں نے احترام سے انکار کر دیں۔ وہ ان سے کہیں گے: تم ہی نے ہمارا دین بگڑا، اور تم ہی ہماری شقاوت کا سبب ہو۔ جب وہ مبارک زمانہ آئیگا تو اس کا سب سے زیادہ مبارک عمل یہی ہوگا۔“

(خاتمہ)

اپنا جواب روسو اس عبارت پر ختم کرتا ہے:

”اے آسقف اعظم! تم اور تمہارے گروہ کے لیے باتیں بنانا بہت آسان ہے۔ تم لوگ اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق نہیں جانتے۔ تمہیں صرف وہی قانون معلوم ہیں جن سے غیروں کو جکڑتے ہو۔ خود اپنے نفس کے مقید کرنے والے قانون تمہاری کتاب میں نہیں لکھے گئے۔ تم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہو کہ عدالت و انصاف سے بالاتر رہو، بلکہ انسانی عواطف و جذبات کا بھی اپنے تئیں پابند نہیں سمجھتے۔ تم کمزور پر تکبر سے ظلم کرتے ہو، اور تم سے کوئی باز پرس نہیں کرتا۔ لوگوں کی توہین تمہارے لیے ویسی ہی آسان ہے، جیسی ان کے لئے تمہاری سنگ دلی سہل ہے۔ تم ہمیں اس طرح روندتے ہو جس طرح خاک روندی جاتی ہے۔ تم کبھی ہمیں آگ میں جلانے ہو، کبھی سولی پر چڑھانے ہو، کبھی صرف توہین و تذلیل پر اکتفا کر لیتے ہو۔ تمہارے قہر و غضب کیلئے ضروری نہیں کہ ہم سے کوئی خطا بھی سرزد ہوئی ہو۔ اگر تمہاری مصلحت کا اقتضا یہی ہے تو پھر اثبات جرم کے لیے کسی بات کی ضرورت نہیں۔ اور ہمیں شکایت کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ اگر ہم اس کی جرأت کریں کہ اپنی براءت اور تمہاری غلطی ظاہر کریں، تو ہم گستاخی کے مجرم قرار دیے جاتے ہیں!“

(آسقف سے آخری خطاب)

”اے میرے آقا! آپ نے مجھے پر علانیہ طعن و تشنیع کی۔ بلکہ مجھے گالیاں بھی دے دالیں۔ اگر میری طرح آپ بھی کوئی معمولی آدمی ہوتے، ہر میں اپنی کتاب کے ساتھ آپ کو عدالت کے سامنے لے جا سکتا، تو آپ دیکھ لیتے کہ عدالت کا فیصلہ آپ کے حق میں آتا ہی سخت ہوتا، جتنا سخت یہ گناہ ہوا ہے۔ لیکن آپ ایک ایسی جماعت میں سے ہیں، جو منصف و عادل ہونے سے ہمیشہ کے لیے مستثنیٰ کر دی گئی ہے۔ رہا میں، تو میں ایک محض

## اردو طباعت کا مسئلہ اور افکار و آراء

### اردو تائب

ایک مراسلہ

(تصویر کا دوسرا رخ)

یہ اس تصویر کا ایک خاص رخ تھا جو سرکونن ڈائل اور اُن کے ہم مشرب دیکھ رہے ہیں، لیکن اس کا دوسرا رخ بھی ہے، اور اگر اُس پر نظر ڈالی جائے تو یہ معاملہ اسقدر سہل و آسان نہیں رہتا کہ سرکونن ڈائل کی طرح کسی غیر آباد مکان میں بھرتوں اور رزحوں کے ”موتی لاتی“ سے میز ٹھونکنے کا شور سنکر فیصلہ کر دیا جائے !

جہاننگ اس مذہب کے مخالفین و منکرین کا تعلق ہے، دور حاضر کی، تین جماعتیں ہمارے سامنے آتی ہیں :

(۱) عام علماء مادیئین جنہوں نے اس معاملہ کو اس درجہ اہمیت ہی نہیں دی کہ اس پر توجہ کی جائے۔

(۲) ایک بڑی تعداد اُن علماء مادیئین کی جنہوں نے اس پر بحث کی ہے، اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ علمی اصول پر ”اثبات“ کے حد تک یہ معاملہ نہیں پہنچا ہے۔

(۳) بعض اہل علم جنہوں نے خصوصیت کے ساتھ اس مذہب کا مطالعہ کیا اور عرصہ تک تحقیقات میں مشغول رہے، اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ استحضارِ آراء کا معاملہ اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ یا تو کمزور طبائع کا انفعالی تاثر ہے، یا خوش اعتقادی کا ذہنی فریب، یا چند ایسے شعبہ گروں کی شعبہ گری جو جدید علم کیمیا اور فزوں عجیبہ کی مدد سے زیادہ بہتر اور محفوظ قسم کا شعبہ دکھلا سکتے ہیں۔

صحیح رائے قائم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ معتقدین، متوقفین، اور منکرین، تینوں کے مباحث و دلائل پر نظر ڈالی جائے۔ ہم آئندہ کسی موقع پر شرح و بسط کے ساتھ اس موضوع پر اپنے مطالعہ و نظر کے نتائج شائع کریں گے۔

## ضروری اطلاع

جو حضرات الہلال ری۔ پی۔ پارسل کے ذریعہ طلب فرماتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ری۔ پی کا رزیہ منی آرڈر کی طرح وقت پر وصول نہیں ہو جاتا۔ اکثر دیر ہو جاتی ہے، اور چونکہ رزیہ کی وصولی کے بعد ہی خریدار کا نام رجسٹر میں درج کیا جا سکتا ہے، اسلئے اس وقت تک پُرچہ جاری نہیں ہوتا جب تک رزیہ وصول نہ ہو جائے۔ اگر اس وجہ سے اجراء میں دیر ہو جاتی ہے تو اس میں دفتر کی مجبوری ظاہر ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج دی جائے۔

منیجر

آپ نے ۲۹ جولائی کے ”الہلال“ میں پہلے صفحہ پر اردو تائب کے متعلق ایک اعلان شائع کیا ہے اور اس بارے میں رائیں طلب فرمائی ہیں۔ اپنی رائے آپ نے یہ دی ہے کہ جس تائب میں الہلال چھپتا ہے یعنی جو تائب صفحہ ۳ سے استعمال کیا گیا ہے وہ اعلان مذکور کے تائب سے بہتر ہے۔ مجمع بھی اس سے اتفاق ہے۔ لیکن اس تائب میں بھی اصلاح اور ترمیم کی گنجائش اور ضرورت ہے۔ یہ مان کر کہ اردو کی لیے تائب کی اشد ضرورت ہے اس بارے میں اپنی رائے عرض کرتا ہوں۔

سب سے اول ایک اصول کی بات بتانا ضروری ہے۔ چونکہ اب یہ سوال اٹھایا گیا ہے اسلئے نہایت ضروری ہے کہ پنجاب اور یو۔ پی۔ کے تعلیمی محکموں سے سب سے پہلے استصواب کیا جائے۔ پنجاب کی نسبت مجمع زیادہ واقفیت ہے۔ یہاں تعلیمی اور سرکاری مطبوعات کی کتابت کے خاص قاعدے وضع کئے جا چکے ہیں جن پر برسوں سے عمل ہو رہا ہے۔

بہتر تو یہ ہوتا کہ آپ اپنے اعلان کے ساتھ تمام حروف تہجی اور علامات وغیرہ کی ساری شکلیں جو آپ کے مجوزہ تائب میں ہیں دیدیتے تاکہ رائے دینے والوں کو آسانی ہوگی۔ خیر، سرسٹ جو کچھ میری سمجھ میں آیا عرض کیا جاتا ہے۔

”مد“ کی علامت آپ کے تائب میں صرف خفیف سی فتحہ کی علامت کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ جیسی صفحہ ۳ کا لم اول کی اخیر سطر میں ”آخر“ پر موجود ہے۔ یہ علامت زیادہ واضح اور نستعلیق کے الف ممدودہ کی سی ہونی چاہیے۔ اعلان مذکور یعنی صفحہ اول میں جو علامت ”آج“ پر لگائی گئی ہے کیوں نہ اسی کو اختیار کیا جائے؟ وہ بہت صاف اور واضح ہے۔

تشدید کی علامت اس تائب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ اضافہ ہونی چاہیے۔

جزم کی علامت بھی اس تائب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ بھی اضافہ ہونی چاہیے۔

شین معجمہ اس تائب سے غائب معلوم ہوتا ہے۔ سین مہملہ پر نقطہ لگا کر کام چلایا گیا ہے۔ اسے کیوں خارج کیا جائے؟

آجکل کتابت اور املا کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ صرف ہائے مخلوط التلفظ دو چشمی لکھی جاتی ہے۔ مگر آپ کے تائب میں اس کا لحاظ نہیں۔ اس کے بنانے والے ذوق کے ”کتابت والے“ کے ہم مشرب معلوم ہوتے ہیں جن سے شیخ مرحوم کو یہ شکایت تھی :

ہائے رے حسرت دیدار میری ہائے کو بھی

لکھتے ہیں ہائے دو چشمی سے کتابت والے

یہ کو کیوں ہے لکھا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ اس کلمہ کو ہائے ہرز سے لکھیں تو نیچے ایک شوشہ بڑھانا پڑیگا کیونکہ یہ حرف جب



کریگی - مگر اُسے وقت جب اسکے ارکان وہ چولا اتار دینگے جو اس عورت نے اسے پہنا رکھا ہے، اور اس متحرک کے حقیقی سرچشموں تک پہنچینگے جو مشرق کی سرزمین پر موجود ہیں۔

پھر میں نے وہ تمام کتابیں پڑھیں جو علماء عقلیات کے مذہب کے خلاف لکھی ہیں۔ لیکن مجھے کوئی تشفی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ کبھی ایجابی بات کہتے ہی نہیں۔ انکے پاس جو کچھ ہے، سلبی اور انکاری ہے۔

مدت تک دنیا کی دوسری مشغولیتیں اور مسلسل سفر میں رہنے کے بعد پھر مجھے اس اہم موضوع کے لیے مہلت ملی۔ بندرجم مجھ میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ہماری اس زندگی کے علاوہ کوئی اور مخفی زندگی بھی ضرور موجود ہے، اور وہ شاید ہماری زندگی سے زیادہ لطیف اور خوشگوار ہے۔

سنہ ۱۸۹۲ یا سنہ ۹۳ میں انجمن علوم نفسیہ نے مجھے اور ڈاکٹر اسکاٹ اور مسٹر بومر کو ایک مکان کی تحقیقات کیلئے بھیجا۔ اس مکان کے متعلق مشہور تھا کہ اُس میں روحیں رہتی ہیں اور شور و ہنگامہ برپا کیا کرتی ہیں۔

ہم دو رات اس مکان میں رہے۔ پہلی رات کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ دوسری رات ڈاکٹر اسکاٹ مایوس ہو کر چلے گئے۔ صرف میں اور مسٹر بومر رہ گئے۔ ہم نے ہر طرح کے دھوکے سے بچنے کا پورا انتظام کر لیا تھا۔ زینہ پر تار بچھا دیے تھے تاکہ ادنیٰ سی حرکت کا بھی ہمیں علم ہو جائے۔

تھیک آدھی رات کو ہم نے اچانک سخت شور سنا۔ ایسا معلوم ہوا، گویا کوئی میز کو موٹی لاتھی سے پیت رہا ہے۔ ہم نے فوراً دروازہ کھولا اور بارچی خانہ کے طرف دروازے پر سے آواز آرہی تھی۔ مگر ہمیں سخت حیرت ہوئی۔ بارچی خانے کا دروازہ اور کھڑکیاں بالکل بند تھیں۔ زینہ پر بچے ہوئے تار بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے!

اسکے بعد رات بھر ہم نے کوئی آواز نہیں سنی۔

اس واقعہ کے چند سال بعد یہ مکان جل گیا۔ اسکا باغ کھودا گیا تو زمین سے دس برس کے ایک لڑکے کی ہڈیاں نکلیں۔ یہ رات کا شور درحقیقت اسی لڑکے کی روح کا شور تھا۔ وہ اسی گھر میں قتل ہوا تھا اور اُسکی روح اس میں رہنے والوں کو پریشان کیا کرتی تھی۔

اس سلسلہ میں یہ نظریہ بہت سے لوگوں کے سامنے ہے کہ اگر کسی جوان آدمی کی زندگی کسی غیر طبعی اچانک حادثہ سے تلف ہو جائے، تو اُسکی روح کی حیثیت مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور عجیب عجیب صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

کانن ڈائل نے آخر میں لکھا ہے ”اس قسم کے بے شمار واقعات مشاہدہ کرنے کے بعد میں نے اس علم کا وسیع مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ اب مجھے اس پر پورا یقین ہو گیا ہے۔ میرا اعتقاد ہے کہ رُوحوں سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔“

اس کے بعد کے مقالات میں وہ تجربے اور مشاہدے بہ تفصیل بیان کیے ہیں جو سالہا سال تک وہ ”اپنے اذعان و تشفی کیلئے“ جمع کرتا رہا۔ پھر اُن اعتراضات اور شکوک کے جوابات دیے ہیں جو اُن کے خیال میں منکرین مذہب استحضار کے ”بنیادی“ اعتراضات ہیں۔

مارچ پہلے پہل اُسے مذہب مخاطباتِ ارواح کی طرف توجہ ہوئی، اور کس طرح ایک جاحد منکر کی جگہ وہ مصدق معتقد بن گیا۔ دوسرے میں اپنے متعدد تجربے اور مشاہدے بیان کیے ہیں۔ تیسرے اور چوتھے میں منکرین کے رجحانِ انکار پر بحث کی ہے۔ پانچویں سے لیکر آٹھویں مقالہ تک کا موضوع عالم مادی و روحی کے علائق ہیں اور اس ضمن میں اُن امکانات کی نہایت دلنشیں تصویر کھینچی ہے جو بیان کردہ علائق کی ترقی سے دنیا کی معنوی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دینگے!

(سرکونن ڈائل کا بیان)

پہلے مقالہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

”سنہ ۱۸۸۹ - سے پہلے میں جنوبی افریقہ میں طبابت کرتا تھا۔ اُس وقت میرے عقائد کا یہ حال تھا کہ اُن لوگوں پر ہنسنا تھا جو روح کے مصطلح وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ میں خیال کرتا تھا کہ اِس سے زیادہ بے عقلی اور دھم پرستی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

میں بھی آج کل کے تمام جدید تربیت یافتوں کی طرح سائنس پر ایمان رکھتا تھا۔ میرا مذہب، مذہب مادی تھا۔ میرا اعتقاد تھا کہ روح بجز اسکے کچھ نہیں کہ جسم کے وظائف و ترکیب ہی کا ایک نتیجہ ہے، اور عقل کا مرکز دماغ میں ہے۔ میرا یقین تھا کہ ذرائع انسانی طبیعت میں تبدیلی پیدا کر سکتی ہیں۔ اور اُسے نیک اور بد بنادے سکتی ہیں۔ اُس وقت کبھی میرے ذہن میں یہ موٹی سی بات نہیں آئی کہ ایک ماهر موسیقی ہمیشہ ماهر موسیقی ہی رہیگا اگرچہ اُسکی بانسری توت جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ اپنا ہنر ظاہر نہ کر سکے گا، لیکن اُسکا کمال اُس میں بدستور موجود رہیگا۔

سب سے پہلے جس کتاب نے میرے خیالات میں تبدیلی پیدا کی اور مجھے الحاد و مادیت سے نکالا، وہ ”میرز“ کی کتاب ”شخصیت انسانی“ ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اُن کتابوں میں سے شمار کی جائے جنہوں نے انسانی افکار کا بہاؤ ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دیا ہے۔ مثلاً دارزن کی کتاب اصلیت انواع اور یکن کی کتاب منطق جدید۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے انتقالِ فکری کے تجربے شروع کیے۔ میرے ایک دوست مسٹر پال کو بھی اِس موضوع سے بڑی دلچسپی تھی۔ میں اُنکے پیچھے بیٹھ جاتا اور کاغذ پر بعض نقشے بناتا۔ مجھے ہر مرتبہ یہ دیکھ کر حیرت ہو جاتی تھی کہ وہ میرے بنائے ہوئے نقشے بعینہ اپنے کاغذ پر اتار لیتے تھے، حالانکہ وہ میرا کاغذ نہیں دیکھتے تھے۔ پھر میں نے یہ تجربہ بھی کیا کہ وہ دوسرے مکان میں بیٹھا کریں۔ لیکن پھر بھی میں نے دیکھا وہ نقشوں کی بالکل صحیح نقل اتار لیتے تھے!

و اُس وقت مجھے یقین ہوا کہ عقل کو دماغ کا ایسا فعل سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا جس طرح ہم صفحہ کو جگر کا فعل سمجھتے ہیں۔

اسکے بعد میں نے تھیاسوفی کا مطالعہ شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ اِس تحریک کی علم بردار اور رہنما مدم بلیوتسکی ذہین مگر مکار عورت ہے۔ لیکن اِس درجہ گورورت کی موجودگی سے اِس تحریک پر حرف نہیں آ سکتا۔ یہ ایک صحیح تحریک ہے۔ یہ ضرور ترقی



## سات عجائب عالم

جدید علم آثار و تنقیب کی روشنی میں

ایک زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ عجیب اور مشہور چیزیں سات "عجائب عالم" سمجھی جاتی تھیں۔ قدیم دنیا کی کتب تواریخ میں، سیاحت ناموں میں، نظر و فکر کے عام مباحث میں، بول چال کی ضرب المثلوں میں؛ ہر جگہ ان سات عجیب چیزوں کا ذکر برابر آتا ہے :

- (۱) اهرام مصر
- (۲) بابل کے معلق باغ
- (۳) اسکندریہ کا ساحلی منارہ
- (۴) ڈاڈنا کا مندر
- (۵) مسرولوس کا مقبرہ
- (۶) رودس کا مجسمہ
- (۷) مشٹری کا مجسمہ

قدیم یونانی اور عبرانی مورخوں کی زبانی ان عجائب کی تفصیل دیئے جدید کے تاریخی اوراق تک پہنچی ہے۔ بعض قدیم آثار کے کتبوں میں بھی انکی طرف اشارات پائے گئے ہیں۔ آخری ہند کے بعض حکماء یونان و اسکندریہ نے مشٹری کے مجسمہ اور معبد کا ذکر ایسے موقعوں پر کیا ہے، جب انہیں عجائب و غرائب کیلئے کسی قریبی اور معروف تمثیل کی ضرورت ہوئی ہے۔ مثلاً ایک حکیم، افلاطون کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"وہ انسان ہونے پر بھی صرف ایک ہی مرتبہ پیدا ہوسکا، جس طرح مشٹری کا مجسمہ پتھر سے بنائے جانے پر بھی صرف ایک ہی مرتبہ بن سکا ہے !"

(عرب مورخین کی تصریحات)

عربی مورخین کے عام و نظر کی وسعت ان کے پیش روؤں کے اس مشہور خیال سے بے خبر نہیں رہ سکتی تھی۔ انہوں نے بھی "سات عجائب عالم" کا جابجا ذکر کیا ہے، اور یونانی علم ادب کی طرح عربی ادب و معاضرات کی بھی یہ ایک ضرب المثل ہو گئی ہے۔ مشہور عرب جغرافیہ نویس ابو عبد اللہ ادربیسی منارہ اسکندریہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "یہ ان سات عجیب عمارتوں میں سے ایک تھی جن کی تمام دنیا میں شہرت رہ چکی ہے"

عربی ادبیات میں غالباً کسی ایک کتاب میں ان کے حالات نہیں لکھے گئے۔ ابن الندیم ٹکی کتابوں کا ذکر کرتا ہے جو "عجائب دنیا" پر لکھی گئی تھیں۔ لیکن نہیں کہا جاسکتا آ...

چھپائی اور سیاہی وغیرہ مسالہ کا صرف لادبی طور پر کس میں زیادہ ہوتا ہے؟ ٹائپ میں یا لیتھو میں؟ یہ یاد رہے کہ اگر ٹائپ میں طباعت کا صرف لیتھو سے بہت زیادہ ہوا تو کتب جو ٹائپ کی وجہ سے بیکار ہو گئے ہونگے، کتابت کی اجرت کا نرخ گھٹا دینگے۔ اور اس طرح ٹائپ کی ترویج عام میں مزاحم ہو گئے، کیونکہ سب کتب تو کمپوزیشن جانے سے رہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ میں نہیں سمجھا اعلان مذکور میں آپ نے عربی کے ساتھ فارسی اور ترکی زبانوں کو بھی "سامی" کیسے قرار دیا؟ یہ تو کوئی بات نہیں کہ اگر ان دونوں زبانوں کا املا دھنے سے بائیں کو چلتا ہے اور عربی کا بھی یہی حال ہے جو حقیقت میں سامی زبان ہے، تو یہ دونوں زبانیں بھی سامی بنائی جائیں۔ غالباً آپ عجالت میں فارسی اور ترکی زبانوں کو سامی کہہ گئے۔

آپ کا مخلص

برج موهن دتا تریہ - کیفی دھلوی

## الہلال :

یہ اور بعض دیگر مراسلات جو اس باب میں آئی ہیں، شائع دردی جاتی ہیں۔ جذاب کیفی نے اس معاملہ میں جو دلچسپی لی ہے اور اپنے خیالات تفصیل سے ظاہر کیے ہیں، اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ لیکن اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو ٹائپ کے اقسام، اس کی تاریخ، اور اس کی فنی اور صناعی مشکلات ان کے سامنے نہیں ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ یہ تفصیل یہ امور واضح کر دیے جائیں۔ ہم ان مراسلات کی اشاعت کے بعد اس موضوع پر بہ تفصیل اپنے خیالات ظاہر کریں گے۔

البتہ دو باتیں ایسی ہیں جنہیں اسی وقت واضح کر دینا ضروری ہے۔ صاحب مراسلہ لکھتے ہیں "خود آپ نے اپنی پسند اس ٹائپ کی نسبت ظاہر کی ہے جس میں رسالہ کمپوز ہوتا ہے" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس ٹائپ کی نسبت ظاہر کی ہے جس میں پہلے صفحہ کا اعلان کمپوز ہوا ہے۔

فارسی اور ترکی کے سامی نہ ہونے کی نسبت انہوں نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے، اور ان کے متنبہ کرنے کے بعد عبارت پر نظر ڈالی گئی تو واقعی یہ غلطی موجود ہے۔ دراصل مقصود یہ تھا کہ فارسی اور ترکی بھی سامی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔ یہ مطلب نہ تھا کہ یہ زبانیں بھی سامی ہیں۔



اسی نمبر کے اُس حصہ میں جو کاتب کا لکھا ہوا ہے، ایسی ”ی“ کے نیچے نقطہ نہیں دیے گئے۔ یہ دو عملی کیا معنی؟ ان دو نقطوں کی ضرورت کیا ہے؟ کاتب کا وقت اور پریس کی سیاہی فضل کیوں خرچ ہو؟ جرمنی کا اردو ٹائپ بھی اسی اسراف کا مرتکب ہے۔ دیوان غالب جو رهاں سے ٹائپ میں چھپ کر آیا ہے، اس میں چند ایسی بد عنوانیاں نظر آئیں جو شاید آپ کے ٹائپ میں نہیں ہیں۔ اس کتاب کا صفحہ ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے آخر میں ایک نا مکمل غزل ہے :

رہیے اب ایسی جگہ چلا، کر جہاں کوئی نہر:

زباں کوئی نہر

”کوئی“ کا لفظ چار جگہ تو ردیف کا جز بن کر آیا ہے اور وہ جگہ مصرعوں کے متن میں۔ پانچ جگہ تو اس حرف کی شکل اور شان یکساں ہے، لیکن ایک جگہ اُن سے نرالی شان میں لکھا گیا ہے :

”ہوئی“ گر بیمار تو کوئی نہر بیمار دار

سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک ہی لفظ اور ایک ہی تحریر اور ایک ہی معنی میں دو شکلیں کیونکر اختیار کر سکتا ہے؟ یہ بد عنوانی نہ ہونی چاہیے۔ اسی غزل کے مطلع کے دوسرے مصرع میں ”ہم سخن“ کا لفظ آیا ہے۔ لفظ ”سخن“ میں ”س“ اس انداز سے ”خ“ کے ساتھ ملایا گیا ہے جس طرح حرف شناس بچے لکھا کرتے ہیں۔ حرف کی ملاوت کا یہ طریق پسندیدہ نہیں۔

اردو ٹائپ کی رکالت کرتے ہوئے مطمح نظر صرف یہی نہ ہونا چاہیے کہ ارباب صحافت کو کاتبوں کی ناز برداری سے نجات ملے اور اخبار و جرائد جلد اور ایک ہی خط میں چھپ جائیں۔ بلکہ آپ کا فرض ہے کہ اسے ایک قسم کا قومی ادارہ تصورات فرمائیں۔ اور آج کل کے مروجہ طرز املا پر کچھ ترقی کریں۔ نہ یہ کہ اس کی ضروریات بھی پوری نہیں۔ مبتدیوں کے لیے اردو کا قاعدہ بھی چھپنا اور علما کی تصانیف عالیہ بھی۔ اس لیے یہ ایسا ہونا چاہیے کہ انشا کی تمام ضروریات اس سے پوری ہو جائیں اور یہ فن املا کا کماحقہ نمایندہ بن کر کتابت کا نعم البدل ثابت ہو۔

اور مولانا! اس کا بھی خیال رکھیے کہ آج کل انسانی مصروفیت کے ہر شق میں جمالیات کا بڑا زور اور رسوخ ہے۔ جو ٹائپ تجویز ہو، وہ خط نستعلیق کے برابر تو دیدہ زیب ہونا چاہیے۔ یہ کیا ہوا کہ بچوں کے کتھنوں یا کیتے مکڑے کاغذ پر چھاپ کر پیش کر دیے۔ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ٹائپ وضع کرتے وقت خوبصورتی کا خون کیا جائے۔ کیا وجہ ہے کہ نستعلیق کی نقل نہ کی جائے؟ کیوں اُسے اول جمل بنایا جائے؟ آپ کے ٹائپ میں تمام دائرے بد نما اور چپٹے ہیں۔ کیوں نہ گول ہوں؟ آخر اس میں کون سی دقت حایل ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپکے ٹائپ میں بڑی سرخیاں نسخ میں ہیں۔ یعنی اردو ٹائپ کے ساتھ ایک مطبع کو نسخ کا ٹائپ بھی رکھنا پڑیگا۔ یہ دو عملی بد عملی کا حکم رکھتی ہے۔ خفیہ جلی کے کئی درجے قائم کر کے تمام و کمال ٹائپ نستعلیق میں ہونا چاہیے۔

میں پھر عرض کرنا کہ سب سے پہلے آپ یہ کیجیے کہ ٹائپ رائٹر کے ”کی برڈ“ کی طرح آپ کے ٹائپ میں جو چیزیں ہیں، اُن سب کا نمونہ ایک صفحہ پر چھپوا کر شایع فرمائیے تاکہ پتہ چلے اس میں کیا کچھ ہے اور کیا نہیں ہے۔

ٹائپ سے متعلق ایک اقتضائی پہلو بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یعنی یہ بھی دیکھنا ہے کہ کاغذ اور اس کے ساتھ

لفظ کے شروع میں آئے تو شوشہ لبد ہے۔ درمیان اور آخر میں نہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ عربی کے املا میں چونکہ ہائے ہرز کا درجہ شمی شکل میں استعمال بہت تھا بلکہ وہ ہمیشہ درجہ شمی ہی لکھی جاتی ہے جبکہ وہ آخر کلمہ نہر، اسی کا اتباع اردو ٹائپ میں کیا گیا۔ اردو کے مروجہ قاعدہ املا کے مطابق تو آپ کے جریدہ کا نام ہی غلط لکھا ہوا ہے۔ لوح کو تو جانے دیجیے کیونکہ رهاں ”الہلال“ خط نسخ میں ہے اور اس لیے ہائے دو چشمی ہے۔ لیکن ہر صفحہ پر جو جریدہ کا نام درج ہے وہ تو نسخ نہیں بلکہ اردو خط میں ہے۔ مگر یہاں بھی ہائے دو چشمی ہی استعمال کی گئی ہے۔ یہ قاعدہ مذکور کے مطابق غلط ہے۔ آپ کے ٹائپ میں ہائے ہرز جہاں دو چشمی نہیں رهاں عجیب مروجہ رالی شکل اختیار کرتی ہے۔ جیسے صفحہ ۳ کالم ۲ میں ”چہرے“ اور ”نہیں“ کا چہرہ بگڑا گیا ہے۔ حالانکہ یہی ہائے ہرز اسی کالم میں مضمون ”علم الآثار مصر“ کی اول سطر میں ”پلے“ کی شکل میں بہت خوب اور صحیح لکھی گئی ہے۔ متشابہ موقعوں پر ہائے ہرز کو اس ”پلے“ کی شکل میں ہی کیوں نہ لکھا جائے؟

نوں غنہ جب لفظ کے آخر میں آیا ہے اس میں نقطہ نہیں دیا گیا۔ یہ بالکل درست ہے۔ لیکن یہی نوں غنہ جب کلمہ کے بیچ میں واقع ہو تو کس طرح لکھا جائیگا؟ اس وقت کے املا میں اس پر الٹا جزم لگاتے ہیں۔ مگر جزم آپ کے یہاں ہے ہی نہیں۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ کسرۃ اضافت کا وجود آپ کے ٹائپ میں ہے کہ نہیں۔

کشش اکثر قاعدہ نستعلیق قدیم و املاے جدید کے خلاف پائی جاتی ہے۔ جیسے مضمون مذکور کی چوتھی اور پانچویں سطروں میں ”رکھتے“ اور ”کر دیتے“ میں ”ی“ سے پہلے واقع ہوئی ہے۔

املاے قدیم اور جدید دونوں کا مسلمہ اصول ہے کہ حرف کے امتزاج میں کوئی شوشہ فالتو نہیں ہوتا۔ مثلاً ”بننا“ میں تین شوشے یا دندانے ہونگے۔ اگر آپ ایک آواز دندانہ بڑھادیں تو املا کی غلطی کے علاوہ قاری کو زحمت ہوگی۔ اسی مضمون کی گیارہویں سطر میں ”ایجاد“ کا لفظ آیا ہے۔ اس میں ”ی“ اور جیم کے درمیان ایک دندانہ یا شوشہ ٹائپ میں پیدا کر دیا ہے جو نہرنا چاہیے۔ اگر یہ کمپوزیٹر کا تصرف نہیں تو اسکی اصلاح ہونی چاہیے۔

کوئی وجہ نہیں کہ ہائے ہرز آخر کلمہ نسخ میں لکھی جائے، جیسی کہ ”آثار عتیقہ“ میں لکھی ہے۔ ”نہ“ کی شکل آپ کے ٹائپ میں ”نہ“ ہے جو نستعلیق نہیں۔ یہ کیوں؟

”یا“ آخر کلمہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں: یاے معرّف۔ یاے مجہول۔ یاے مفتوح۔ آپ کے ٹائپ میں صرف دو موجود ہیں۔ یاے معرّف گول لکھی گئی ہے۔ یہ تھیک۔ لیکن یاے مجہول و مفتوح دونوں لمبی ہیں۔ یہ تھیک نہیں۔ جب یا کی ایک آواز شکل ہمارے پاس موجود ہے۔ یعنی نصف دائرہ یا کٹی ہوئی، تو کیوں نہ اسے بھی استعمال کیا جائے، تا کہ یاے مفتوح و یاے مجہول باہم متمیز ہو جائیں؟

اردو ٹائپ چونکہ کہیں کہیں موجود ہے، اس لیے ہم کو یہ موقع میسر ہے کہ اُس کی اصلاح و ترمیم کر کے اپنا ایک مکمل ہندوستانی قومی ٹائپ بنائیں جو لیتھو کی جگہ لے۔ اور کیا پبلک اور کیا سرورثۃ تعلیم، دونوں اسے قبول کر لیں۔ آپ کے ٹائپ میں ”یا“ آخر کلمہ کے نیچے بھی دو نقطے دیے جاتے ہیں۔ مگر آپ کے اخبار کے

(۲)

## مقبرۂ موسولوس

(The Tomb of Mausolus)

ایشیائے کوچک میں بدرم نام ایک ساحلی شہر ہے۔ یہ عہد مسیحی سے پہلے ایران کے ماتحت تھا۔ سمندر اور پہاڑ کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے اسکا جغرافیائی موقعہ اس قدر محکم ہے کہ باوجود ماتحت ہونے کے بھی وہ عرصہ تک اپنی اندرونی خود مختاری برقرار رکھ سکا۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں یہاں ایک بادشاہ حکمران تھا۔ اسکا نام ”موسولوس“ تھا۔ اُس نے اپنا پایۂ تخت یہی شہر بدرم قرار دیا تھا۔ اس شہر کا نام اُس وقت ہیلی کارنیسس (Halicarnasous) تھا۔

سنہ ۳۵۳ ق۔ م۔ میں اس نے وفات پائی۔ اسکی ملکہ ارتمیسیا (Artemisia) بہت غمگین ہوئی اور کسی طرح بھی تسلی حاصل نہ کر سکی۔ آخر اُس نے اس طرح اپنا دل بہلانا چاہا کہ اپنے شہر (بادشاہ) کی قبر پر ایک ایسا مقبرہ طیار کرے جیسا دنیا میں کہیں موجود نہ ہو۔ یہ ایک بیوی کے طرف سے اپنے شہر کیلئے وہ یادگار محبت تھی، جو آگے چل کر ایک شہر (شاہجہان اعظم) کے طرف سے اپنی بیوی (تاج محل) کیلئے قائم ہونے والی تھی۔ دراصل یہ مقبرہ ”بیوی“ کا ”شہر“ پر ایک قرض محبت تھا، جسے سرزمین ہند کے ایک وفا پرست ”شہر“ شاہجہان نے ادا کر دیا!

چنانچہ اُس نے ماهر یونانی معمار جمع کیے۔ انہیں بہت کچھ انعام و اکرام دیا، اور مقبرہ بنوانا شروع کیا۔ لیکن ابھی دو برس بھی پورے نہیں گزرے تھے کہ فرط غم سے ملکہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

مقبرہ ابھی طیار نہیں ہوا تھا۔ معماروں نے باہم مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ بالآخر سب کی رائے یہی قرار پائی کہ اس ملکہ نے ہم پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں۔ ہمیں چاہیے اُن کے شکر یہ میں اُس کا نا تمام کام پورا کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے کام جاری رکھا، یہاں تک کہ تعمیر ختم ہو گئی، اور ایک ایسا مقبرہ طیار ہو گیا جیسا چشم فلک نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اب ”موسولوس“ یورپ کی تمام زبانوں میں مقبرہ کیلئے بولا جاتا ہے۔ انگریزی لفظ ”Mausoleum“ اسی ”موسولوس“ سے بنا ہے۔ مقبرہ ایک منزل کا تھا۔ اسی منزل میں بادشاہ کی قبر تھی۔ چھت پر سفید سنگ مرمر کے ۳۶ سڈول ستون نصب کیے گئے تھے۔ ان ستونوں پر مخروطی شکل کا بارہ منزلوں کا منارہ تھا۔ اس پر بادشاہ کی رتھ بنائی گئی تھی جسے چار اسیل گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ عمارت کی پوری بلندی ۱۴۰ فٹ تھی۔

خود عمارت زیادہ بلند اور شاندار نہ تھی۔ لیکن سبک اور نازک اس قدر تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ مخروطی منارہ کی بنیادیں جن ستونوں پر قائم تھیں، وہ اس قدر پتلے تھے کہ دور سے بالکل نظر نہیں آتے تھے۔ شبہ ہوتا تھا کہ عمارت ہوا میں معلق کھڑی ہے!

مورخین کا خیال ہے کہ یہ مقبرہ بارہویں صدی عیسوی تک صحیح رسالہ موجود تھا۔ اسی زمانے میں صلیبی فوجوں نے شہر بدرم پر قبضہ کیا اور مقبرہ کے پتھر اکھاڑ کر اپنا قلعہ بنانے لگے۔ پھر سنہ ۱۵۲۲ء میں جب سلطان سلیم نے اس شہر پر حملہ کیا، تو صلیبیوں نے مقبرہ کے باقی ماندہ ستون بھی اکھاڑ لیے۔

کی تعمیر کس زمانہ میں ہوئی تھی؟ چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ مندر پھر گر پڑا اور یونانیوں نے عوام سے زینہ جمع کر کے تیسری مرتبہ تعمیر کیا۔

پانچویں صدی قبل مسیح میں یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے یہ عمارت دیکھی تھی۔ وہ لکھتا ہے:

”پورا مندر سنگ مرمر کا ہے، اور اُن قدیم مندروں سے، جن کی بنیادوں پر قائم ہوا ہے، چار گنا زیادہ وسیع ہے۔ چاروں طرف سنگ مرمر کے ستونوں کی قطاریں ہیں، اور ہر زاویہ میں آٹھ آٹھ مزید ستون ہیں۔ ہر ستون کی بیٹھک یونانی تصویروں سے آراستہ کی گئی ہے“

سنہ ۳۵۶ ق۔ م میں مشہور ظالم بادشاہ ہیروڈوٹس کو خیال ہوا کہ کوئی ایسا کام کر جائے جس سے اُس کا نام تاریخ میں یادگار رہے۔ اُس نے اس مندر کی عمارت یک قلم برباد کر دی۔ کیونکہ دنیا کی اتنی عجیب اور قیمتی عمارت کا برباد کرنے والا یقیناً تاریخ کے حافظہ میں فراموش نہیں ہو سکتا۔ اُسی وقت سے یونانی زبان میں یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی ہے ”اگر شہرت کے لیے دائنا کا مندر بنا نہیں سکتے تو اسے برباد کر دالو“

لیکن یونانیوں کو یہ معبد اس درجہ عزیز تھا کہ وہ اس کی عدم موجودگی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے پھر از سر نو تعمیر شروع کی اور قومی سرمایہ سے مصارف کا انتظام کیا۔ بیان کیا گیا ہے کہ تمام ملک میں اس کی تعمیر کا جوش اس قدر پھیل گیا تھا کہ عورتوں نے اپنے زیور تک چندے میں دیدیے تھے۔ اُسی زمانہ میں سکندر اعظم کا اس شہر میں گزر ہوا۔ اُس نے خواہش کی کہ اپنے حبيب خاص سے پورا عبادت خانہ بنوا کر دیوی کی نذر کر دے۔ مگر شہر کے باشندوں نے یہ ذلت گوارا نہ کی۔ اور سکندر کی ناراضی سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کر دیا کہ ”آپ خود بھی دیوتا ہیں، اور ایک دیوتا کے لیے دوسرے دیوتا کو نذر دینا جائز نہیں“

خیال کیا جاتا ہے کہ سنہ ۳۲۳ ق۔ م میں یہ عمارت مکمل ہو گئی تھی۔ یہ ۴۲۵ فٹ لمبی تھی۔ سنگ مرمر کے ۱۲۷ کھمبے تھے۔ اور ہر کھمبہ ۶۰ فٹ بلند تھا۔ پورا عبادت خانہ بڑی سلیقہ مندی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ بڑے بڑے مصوروں نے تصویروں بنائی تھیں اور اس نے درو دیوار کی آرائش کے لیے بطور چڑھارے کے پیش کی تھیں۔ ایک تصویر سکندر اعظم کی بھی تھی۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار دکھایا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر نے جب یہ تصویر دیکھی تو ناپسند کی۔ لیکن جب قریب پہنچا تو اُس کا گھوڑا ہنہنا اُٹھا۔ اس پر مصور نے طعنہ زنی کی راہ سے کہا: ”حضور کا گھوڑا اپنے سوار سے کہیں بہتر فن کی شناخت رکھتا ہے“ یہ قول یونانی زبان میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ یونانی سے یورپ کی زبانوں میں منتقل ہو گیا۔

اسکے بعد سنہ ۲۶۰ء میں یہ مندر پھر برباد ہو گیا۔ اس مرتبہ اسے عیسائیوں نے دھابا تھا اور اُس پر گرجا بنادیا تھا۔ مگر یہ گرجا بھی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بے نام و نشان ہو گیا۔

دائنا، ایشیائی دیوی ارمیس کی مورت ہے۔ اشوریوں نے اسے امرتہ یعنی مامتا کے جذبات کا مظہر قرار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسکے سینہ پر بہت سے پستان دکھائے گئے تھے، لیکن جب یونانیوں نے اسکی عبادت شروع کی تو اسکی شکل بدل دی۔ انہوں نے اسے ایک ذہین، قوی، اور جوان عورت کی صورت میں طیار کیا تھا۔



ہوئیں - روتس ' اسکندریہ ' اور اہرام کی تحقیقات اسقدر دشوار نہ تھی - کیونکہ مقامات معلوم تھے اور محل معین ؛ لیکن بقیہ عمارتوں کی تحقیقات کا کام بہت سوار تھا - تاہم جستجو جاری رہی ' اور بالآخر تمام ضروری معلومات روشنی میں آگئیں -

جہاننگ ہمیں معلوم ہے ' اردو میں ان قدیم عجائب کی جدید اثری تحقیقات پر اس وقت تک کچھ نہیں لکھا گیا ہے - ہم چاہتے ہیں ' مختصراً انکی تاریخ اور موجودہ اثری تحقیقات ایک درمقالہ میں بیان کر دیں - یورپ کے اہل قلم ان عجائب کی تاریخ لکھتے وقت عموماً عربی عہد کی تاریخی و علمی تحقیقات نظر انداز کر جاتے ہیں - یا معلوم کرتے ہیں تو اکثر حالات میں ناقص اور غیر محققانہ ہوتی ہیں - اس سلسلہ مقالات سے ایک مقصود یہ بھی ہے کہ جن جن عمارتوں کے متعلق عربی مورخین کی تصریحات موجود ہیں ' وہ اپنے اپنے موقعوں پر نمایاں ہو جائیں -

## ( ۱ )

### دائنا کا مندر

The Temple of Diana

ایک قدیم مورخ کا قول ہے :

” میں نے بابل کے معلق باغ دیکھے - مشرقی اور روتس کے مجسمے دیکھے ' اہرام مصر اور موسولس کا عالی شان مقبرہ دیکھا ' لیکن جب میں نے دائنا کا سربفلک مندر دیکھا تو تمام عجائب عالم میری نظر سے گر گئے “

قدیم مورخوں نے دنیا کی سات عجیب چیزوں میں سے کسی کے متعلق بھی اس قدر نہیں لکھا ہے ' جس قدر اس مندر کے متعلق لکھا ہے - لیکن باوجود اس کے یہ ایسی عجیب بات ہے کہ دنیا نے سب سے زیادہ یہی چیز فراموش کر دی ؟ حتیٰ کہ یہ بھی کسی کو یاد نہ رہا کہ یہ عمارت واقع کس جگہ تھی ؟

سب سے پہلے سنہ ۱۸۶۵ء میں ایل انگریز ڈائٹرورڈ ناسی نے شہر افسس میں اس کا پتہ لگایا - اس کے بعد سنہ ۱۹۰۴ء میں برٹش میوزیم کے ایک اور شخص مسٹر ہوگارت کو مزید تحقیقات کے لیے بھیجا - اس شخص کے عرصہ تک تحقیقات جاری رکھی ' اور اس کے بعد اپنی تحقیقات کے نتائج شائع کیے - اس کا بیان ہے کہ یہ مندر تین پرانے مندروں کے کھنڈروں پر تعمیر ہوا تھا - مندر کی دیواروں کے نیچے تقریباً تین ہزار آثار پائے گئے - یہ مشرقی طرز کے ہیں ' اور اس بات کی زندہ شہادت ہیں کہ یونان کی صنعتی ترقی دراصل مشرق ہی کی تقلید سے شروع ہوئی تھی -

قدیم یونانی شہر افسس جہاں یہ مندر واقع تھا ' اب بالکل برباد ہو گیا ہے - اس کی جگہ اس وقت ایک ترکی شہر ایاسر لوگ نامی آباد ہے اور ایشیائے کوچک میں واقع ہے -

مندر کی تاریخ سنہ ۷۰۰ قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے - کیوں کہ اس کی دیواروں میں بعض ایسی علامتیں موجود ہیں کہ خیال کیا جاتا ہے ' ان کا تعلق اسی زمانہ سے ہے -

سنہ ۶۶۰ ق م میں یورپ کی ایک وحشی قوم نے اس علاقہ پر حملہ کیا اور یہ عمارت برباد کر ڈالی - اس کے بعد پھر از سر نو تعمیر کیا گیا - مگر زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا - کیونکہ مسالہ خراب لگایا گیا تھا - یہ اب تک تحقیق نہیں ہو سکا کہ دوسری مرتبہ

میں ان عجائب کا بھی ذکر تھا یا نہیں ؟ البتہ تاریخوں ' سفر ناموں ' اور تقویم بلدان کی کتابوں میں فرداً فرداً ان کا ذکر موجود ہے - خصوصاً بابل کے معلق باغوں ' اسکندریہ کے منارہ ' اور مصر کے اہرام ( منخرطی مناروں ) کا تو نہایت مفصل تذکرہ موجود ہے - ابن جریر طبری ' ابن حوقل ' ادربیسی ' مسعودی ' ابو عبد اللہ البکری ( صاحب المسالك و الممالک ) ابو عبد اللہ غرناطی ( صاحب نخبة الاعجاب ) ابن جبیر ' ابوالفداء ' ابن اثیر ' بیرونی ' عبد اللطیف بغدادی ' یاقوت حموی ' قزوینی ' مقریزی ' سب نے ان کا ذکر کیا ہے - حموی ' بغدادی ' اور مقریزی کے مباحث اہرام مصر اور منارہ اسکندریہ کے متعلق اس درجہ محققانہ ہیں ' کہ جن جن پہلوؤں پر انہوں نے روشنی ڈال دی ہے ' ان پر موجودہ زمانے کی اثری تحقیقات بھی کوئی اضافہ نہیں کر سکتی - حالانکہ مصری آثار کی جدید تحقیقات نے نئے نئے انکشافات کے انبار لگا دیے ہیں -

دنیا کی تمام عجیب اور مشہور چیزوں کی طرح ان عمارتوں کی نسبت بھی عوام میں طرح طرح کے دور از عقل خرافات مشہور ہو گئے تھے ' اور عہد قبل از اسلام کے بعض مورخوں اور سیاحوں نے بھی انہیں قبول کر لیا تھا - لیکن محققین عرب نے پوری دقت نظر کے ساتھ ان روایات پر نظر ڈالی ' اور بعض نئی مشاہدات کی بنا پر اور بعض کی علمی قواعد کی بنا پر تغلیط کی - یاقوت حموی ' بیرونی ' عبد اللطیف بغدادی ' اور مقریزی ' اگرچہ تمام روایات نقل کر دیتے ہیں ' لیکن جابجا ان کی تغلیط بھی کرتے جاتے ہیں - حموی اور بغدادی نے منارہ اسکندریہ کا مشاہدہ اور تخطیط کر کے جو کچھ لکھا ہے ' اور جس طرح بے اصل روایتوں کی تکیہ کی ہے ' اس سے زیادہ تحقیق آج تک نہیں کی جا سکی -

یاقوت حموی اسکندریہ کے منارہ اور مصر کے عجائب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے ” و هذه أخبار نقلنا ها كما وجدنا ها في كتب العلماء وهي بعيدة المسافة من العقل لايؤمن بها إلا من غلب عليه الجهل “ یعنی یہ تمام روایتیں ہم نے جس طرح علماء کی کتابوں میں پائیں ' بجنسہ نقل کر دیں ' لیکن یہ عقل سے نہایت ہی بعید ہیں ' اور انہیں کوئی نہیں مان سکتا ' الا وہ شخص کہ اس کی عقل پر جہل غالب آگیا ہو “ آئے چل کر ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے ” اما خبر المذارة فقد رويها اخباراً هائلة وادعوا لها دعاري عن الصدق عاذلة “ یعنی منارہ کے متعلق عجیب عجیب باتیں روایت کی گئی ہیں اور طرح طرح کے دعوے کیے گئے ہیں جو سچائی سے ہٹے ہوئے ہیں - پھر جہاں اپنے معائنہ کا ذکر کیا ہے ' وہاں لکھتا ہے ” شاهدته في جماعة من العلماء وكل عاد منا متعجباً من تخصص الرواة “ یعنی میں نے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ منارہ کی سیر کی ' اور ہم میں سے ہر شخص جب مشاہدہ کے بعد لوٹا ' تو وہ رازوں کے اہام و ظنون پر متعجب تھا ( معجم البلدان - ۱ : ۲۴۲ ) عبد اللطیف بغدادی اور مقریزی کی تصریحات بھی ایسی ہی ہیں - حموی نے منارہ کی تعمیری حالت دیکھ کر جو اس کے عہد تک باقی تھی ' اس کی شکل و مساحت پر بھی غور کیا تھا اور اس کا نقشہ بنایا تھا - حموی کے بعد کے مصنفین مثلاً قزوینی وغیرہ نے اسی سے منارہ کا نقشہ نقل کیا ہے -

( جدید علم الآثار کی تحقیقات )

اب سے تقریباً دیرھ سو برس پہلے قدیم آثار کی تحقیقات و متقیب کا نیا دور شروع ہوا ' اور اس سلسلہ میں ان سات عجائب عالم کی تحقیقات پر بھی انفرادی اور جمعیتی کوششیں مبذول

# عالم شرق و اسلام

## شامی جہاد وطنی کا التوا

موجودہ عہد کی ایک قومی جدوجہد پر نظر تدبیر !



شہر دمشق کا ایک عمومی منظر

جس کی درتہائی تاریخی رونق و عظمت فرانسیسی توپوں کی گولہ باری اور فوجی حکام کے قتل و غارت گری سے ہمیشہ کیلئے برباد ہو گئی !



سلطان پاشا اطرش اور دروزی مجاہدین کا معسكر سروداء میں



فرانس اعلان کرتا ہے کہ ”اب ملک میں امن قائم ہو گیا ہے“ مگر یہ ”امن“ کیونکر قائم ہوا ؟ اس طرح قائم ہوا کہ دمشق کے چاروں طرف اور خرد شہر کے اندر ’بری تباہ کن مراکب کی صفوں سے ناکہ بندیاں کی گئیں‘ اور اس طرح ”امن“ کے لیے قتل و غارت کا اعلان کیا گیا !

# ان تہم اصحاب کیلی

## جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

**I. SHENKER,**

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زہر، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

## با این ہمہ

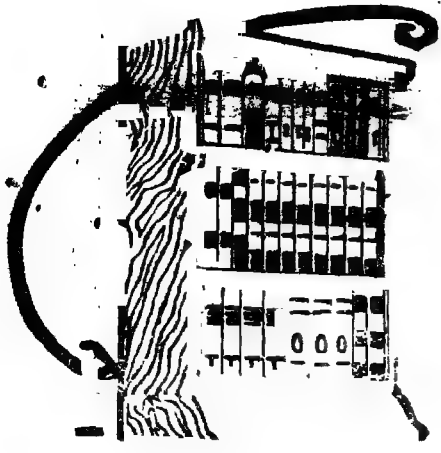
قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں!

## بڑا عظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

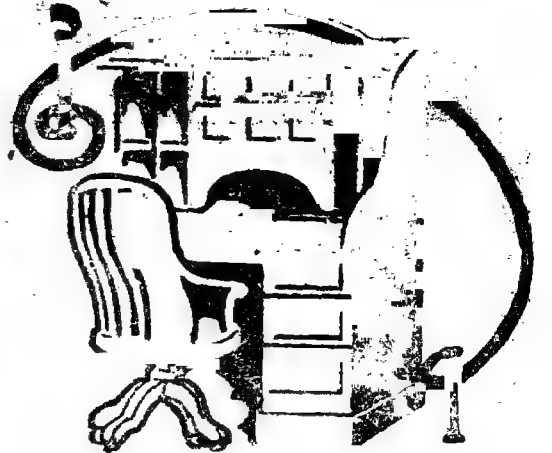
کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

## اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی پلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفیری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔



# مقالات



## ادب عربی اور جدید مصری مباحث

### لیلیٰ مجنون

ایک مصری اہل قلم کی نظری تحقیقات

.. — — — ..

بلاد اسلامیہ کے ادبی و علمی مباحث و افکار کی صدائیں بہت کم ہندوستان تک پہنچتی ہیں۔ اول تو یہاں ایسے علمی مجامع کا وجود ہی نہیں جو مشرقی و اسلامی ممالک کے علمی مجامع و محافل سے تعارف رکھتے ہوں۔ ثانیاً، عربی کے ادبی و علمی مباحث کے ذوق سے نہ صرف نئی تعلیم یافتہ جماعتیں بلکہ قدیم جماعتیں بھی تقریباً محروم ہیں۔ اس لیے نہ تو ان راہروں کی انہیں خبر ہے۔ نہ وہاں کی صدائیں کیلیے کوئی ذوق اور دلچسپی رکھتی ہیں۔

ہم چاہتے ہیں گاہ گاہ الہلال کے صفحات پر وہاں کے بعض اہم عصری مباحث کے نمونے شائع کرتے رہیں۔

کچھ عرصہ سے مصر میں ادب و شعر عربی کی دو متقابل جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں، اور ان میں بحث و مناظرہ کا معرکہ گرم ہے۔ ایک جماعت متجددین مغرطین کی ہے جنہیں اردو اخبارات کی اصطلاح میں ادبی ”انتہا پسند“ (اکسٹریمست یا ریڈیکل) کہنا چاہیے۔ دوسری جماعت ادبی محانظین کی ہے، جنہیں سیاسی جماعتوں کی تقسیم میں قدامت پسند (کنسرویٹو) وغیرہ الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ادب و شعر کی ان دو انتہائی جانبوں نے افراط و تفریط کے عجیب عجیب زاریے پیدا کر دیے ہیں۔ ان دونوں انتہائی جماعتوں کے درمیان بعض اصحاب انتصاد و اعتدال بھی ہیں، لیکن بہت کم۔ کیونکہ جماعت کا ذہنی مزاج فکر و عمل کے ہر گوشے میں، اعتدال سے مالوف نہیں ہوتا۔ افراط و تفریط ہی کی طرف مائل رہتا ہے۔

سیاست کی طرح ادب و شعر میں بھی ان دو مذہبوں کا ظہور، ہر ملک کے علمی اور فکری عہد کے ذہنی خواص میں سے ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں جب یورپ کی ادبیات کا آخری انقلاب ظہور میں آیا، تو اس وقت بھی طریق مدرسہ (Classic) اور طریق رومانیہ (Romantic) کے متبعین میں کشمکش پیدا ہوئی اور انتہائی اطراف نمایاں ہو گئے۔ البتہ یورپ کی زبانوں اور عربی زبان کی نوعیت میں یہ اصولی فرق ہے کہ اٹھارویں صدی میں جب رومانیہ طریقہ کے متجددین پیدا ہوئے تھے، تو اس وقت یورپ کا مدرسہ علم ادب کوئی ایسی ترقی یافتہ حالت نہیں رکھتا تھا کہ ہر گوشہ میں ترقی و توسع کا محتاج نہ ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ در صدیوں کی ابتدائی ادبی ترقی کا نتیجہ تھا جو حرب صلیبیہ کے بعد سے یورپ میں شروع ہوئی تھی۔ اور پھر جو کچھ بھی تھا، صرف ادب کی ایک خاص شاخ میں محدود تھا۔

یعنی شعر قصصی اور قصص تمثیلیہ میں۔ لیکن عربی علم ادب کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس پر نشر و ترقی کی تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ وہ تمدن و علوم کی تمام حالتیں اور اسالیب بیان و تعبیر افکار کے تمام دور طے کر چکی ہیں۔ اس لیے اسکی عصری احتیاج بہت حد تک محدود ہے، اور نئے نئے اسالیب و مذاہب کے اخذ و اختیار میں بہت زیادہ احتیاط و توسط کی ضرورت ہے۔ مغربی اسالیب بیان کی کوزانہ تقلید اور ابداع و تجدید کے افراط و غلو کی جگہ چاہیے کہ مجتہدانہ نظر و اعتبار سے کام لیا جائے، اور عربی ادب و شعر کی خصوصیات کمال و جمال کے تحفظ کے ساتھ قدیم راہروں میں نئی نئی راہروں کی داغ بیل ڈالی جائے۔

بہر حال سیاست و معاشرت کی طرح ادب و شعر میں بھی دو متقابل جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ادبی تجدید و انقلاب کی اس حرکت کا سب سے بڑا قائد ڈاکٹر طرہ حسین استاذ جامعہ مصریہ ہے۔ ڈاکٹر موصوف کی شخصیت میں مصر کے موجودہ عہد کی ایک غیر معمولی ذہانت نمایاں ہوئی ہے۔ وہ پیدائشی نابینا ہے۔ اس کا دماغ حواس خمسہ میں سے ایک سب سے بڑے حاسہ علم سے محروم تھا۔ لیکن باوجود اس کے اس نے جامع ازہر میں علوم عربیہ کی تحصیل کی اور یورپ کی متعدد زبانوں میں بھی درجہ رسوخ و نظر حاصل کر لیا۔ وہ ابھی جامع ازہر میں مشغول تعلیم تھا کہ جامعہ مصریہ اسکی حیرت انگیز ابوالغلائی ذہانت کی شہرت سے متاثر ہوئی اور اپنے صرف سے پیوس اور روم بھجوا دیا تاکہ مغربی لغات و علوم کی تحصیل سے بھی فارغ ہو جائے۔ کئی سال وہاں بسر کرنے کے بعد جب قاہرہ واپس آیا تو اسی جامعہ میں استاذ (پروفیسر) مقرر ہو گیا۔

پچھلے دنوں ڈاکٹر موصوف نے عہد مولدین کے شعراء پر ایک سلسلہ مقالات شروع کیا تھا، جس نے مصر کے ادبی حلقوں میں موافق و مخالف آراء کے پرچوس مباحثے پیدا کر دیے۔ ان مقالات میں وہ اوائل عہد بنو امیہ کے بعض شعراء غزلیہ کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ اور ان کے وجود کو محض قصصی اور شعری وجود قرار دیتا ہے جیسا کہ بعض مستشرقین یورپ کا بھی خیال ہے۔ ہم آج ان مقالات کا ایک حصہ، حذف و اختصار کے بعد شائع کرتے ہیں۔ اس کا تعلق ”لیلیٰ مجنون“ کے مشہور قصہ سے ہے۔ یہ سوال کہ کیا فی الحقیقت قیس عامری اور لیلیٰ کے معاشقہ کا قصہ حقیقی ہے؟ پہلے بھی اُنہ چکا ہے۔ چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں ان لوگوں کی رائیں نقل کی ہیں جنہیں ان شخصیتوں کی حقیقت میں شبہ تھا، لیکن ہم خیال کرتے ہیں اس ادعا اور وثوق کے ساتھ غالباً کہہ ہی انکار نہیں کیا گیا جیسا انکار ڈاکٹر موصوف کر ہے۔

ہم بالفعل اس باب میں اپنی رائے ظاہر نہیں کرینگے کیونکہ اس کے لیے شرح و تفصیل کی ضرورت ہے۔ صرف ڈاکٹر موصوف اور ان کے ناقدین کے مباحث کا خلاصہ ہدیہ قاریوں کو دینگے۔ ڈاکٹر موصوف کی تحریر کا ترجمہ حسب ذیل ہے:



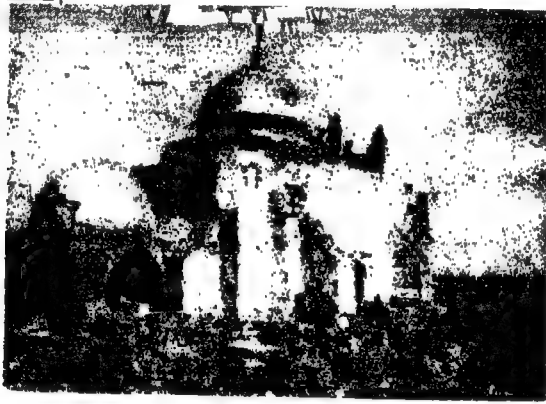


اطراف دمشق کا ایک تاریخی قصبہ جو گولہ باری سے بالکل تباہ کر دیا گیا - تباہی کے بعد فرانسیسی پہنچے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ مکانات کے کھنڈروں اور مقتول لاشوں کے سوا کوئی زندہ چیز باقی نہیں ہے !

—

حتی المحاریب تبکی وہی جامدة

حتی المنابر ترثی وہی عیدان !



دمشق کی ایک قدیم مسجد جسے فرانسیسی حکام نے منہدم کر دیا اور انہدام کے بعد اب اس سے کمین گاہ کا کام لے رہے ہیں !



ی مشہور اور تاریخی مسجد ”جامع التکیہ“ کا داخلی منظر - جسے سلطان سلیم خاں نے تعمیر کیا تھا - فرانسیسیوں نے اس پر قبضہ کر کے اسے فوجی اصطبل بنا دیا - عین معرabo و معتبر کے پاس گھوڑے باندھے گئے !

”حقیقی شعراء“ کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو خیالی محبت کے قائل تھے۔ نہ فکری مراتب عفت و تندرے کے والدانہ تھے۔ وہ ہر ارضی انسان کی طرح زندگی اور اُسکی آلودگیوں سے آلودہ ہوئے اور اپنے اشعار میں اُنکے راگ گاتے رہے۔ اس جماعت کا سرگروہ ”عمر بن ابی ربیعہ“ ہے۔

ہاں، مجمعِ عمر بن ابی ربیعہ کے تاریخی وجود سے انکار نہیں۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ جتنے اشعار اُسکی طرف منسوب ہیں، اکثر اُسی کے ہیں، اور یہ کہ اُسکی شخصیت اُس زمانہ میں بھی تقریباً ویسی ہی تھی، جیسی اس زمانہ میں ہم تصور کرتے ہیں۔ یہی حال کثیر اور عبیدالہ بن قیس الرقیات کا ہے۔

(قیس مجنون)

لیکن مجمعِ قیس بن ملوح (مجنون) کے بارے میں پورا شک ہے۔ میں اُسے تاریخی شخص یقین نہیں کرتا۔ میں تسلیم نہیں کرتا کہ اس نام کا کوئی شاعر موجود تھا اور لوگ اُسے جائزہ اور اُسکے منہ سے اشعار سنتے تھے۔ مجمع یہ بھی یقین نہیں کہ جو اشعار اُسکی طرف منسوب ہیں، اُسی کے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ قیس بن ملوح (مجنون) من جملہ اُن خیالی آدمیوں کے تھا جنہیں جماعتیں اپنا کوئی خاص تخیل یا زندگی کا کوئی خاص اسلوب ظاہر کرنے کے لیے فرض کر لیا کرتی ہیں (یعنی افسانہ و شعر کی ایک خیالی سیر) میرے خیال میں قیس بن ملوح ایک خیالی شخص ہے۔ شعر کے راویوں اور داستان سراؤں نے اُسے شعری و عشقی ضرورتوں سے ایجاد کیا تھا۔ تا کہ مجالس و محافل کی دلچسپیوں کا سامان کریں۔ یا وقت کی ایک ادبی و شعری ضرورت پوری کر دیں۔

یہاں پر میں اُن اصحاب کو مخاطب کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے مجنون کے سچے عشق اور رقیق جذبات کی ثنا خوانی میں بے فائدہ کوشش کی ہے۔ اگر وہ اس کی جگہ یہ بات دکھاتے کہ مجنون، عہدِ اموی کے بعض خیالات و جذبات اور شعر و نثر کے خاص خاص اسلوبوں کا رموز و مظهر ہے، تو اُنکی کوشش زیادہ مفید ہوتی، اور اموی دور کی ایک ایسی خصوصیت ظاہر ہو جاتی جسے عہدِ عباسی نے شروع ہو کر اپنے لہر و لعب اور جسمانی عیش و عشرت کے سیلاب میں ہمیشہ کے لیے غرق کر دیا۔

مجنون پر ایمان رکھنے والوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ قصہ محض افسانہ ہے۔ صحیح تنقید ہرگز اس کا وجود تسلیم نہیں کر سکتی۔ اُس شخص کے بارے میں تم کیا فیصلہ کر گے۔ جسکے نام نسب، قبیلہ، اور واقعات میں اتفاق کی جگہ سخت اختلاف ہو؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ زاری خود اُس کے وجود پر متفق نہ ہوں اور اُسکے حالات سخت مشتبہ لہجہ میں روایت کرتے ہوں؟

ایسے شخص کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہو سکتی ہے جس کے واقعات ابو الفرج اصفہانی صرف اس وجہ سے روایت کرنا چاہتا ہے کہ اس کا موضوع اُسے مجبور کرتا ہے؟ پھر لطف یہ کہ روایات کی صحت کی ذمہ داری لینے سے اسے پوری طرح انکار ہے۔ وہ پورا برجہ اصلی راویوں کی گردن پر ڈال دیتا ہے اور خود الگ ہو جاتا ہے۔ راویوں کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ، بجز رواۃ حدیث کے، زیادہ محتاط نہ تھے۔ اکثر مشتبہ واقعات بھی بیان کر جاتے تھے۔ لیکن، باوجود اپنی اس بے احتیاطی کے وہ مجنون کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں اور اُسکے وجود سے انکار کرتے یا شک ظاہر کرتے ہیں۔ نیز اُسکا نام، نسب، حلیہ، اور سوانح حیات بالاتفاق بیان نہیں کر سکتے۔ پس جب خود اصل راویوں کا یہ حال ہے، تو کیا ہمارے لیے یہ سمجھنا نا مناسب ہوگا کہ مجنون محض ایک افسانہ ہے؟

## لیلیٰ مجنون

از ڈاکٹر طلحہ حسین

اب سے پہلے میں بہت سے ادیبوں کو ناراض کر چکا ہوں۔ بشار بن مبرد پر اُنکی خلاف توقع میں نے نکتہ چینی کی تھی۔ افسوس، آج پھر میں اُنہیں ناخوش کرنے پر مجبور ہوں میں سچ کہتا ہوں، مجمعِ اُنکی ناخوشی میں کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن کیا کروں۔ بحث و نقد کی دیانت مجمعِ اس پر مجبور کرتی ہے۔ جب سے میں نے عربی شاعری پر بحث شروع کی ہے، اہل ادب کی ملامت کا نشانہ بن گیا ہوں۔ وہ ناخوش ہیں۔ کیونکہ میں نے ابونواس اور حسین بن الضحاک کو بشار بن مبرد پر ترجیح دی تھی۔ آج اُنکی ناراضی اور زہمی یادہ ہوجائیگی، کیونکہ میں متعدد شعراء کے وجود سے انکار کرونگا، یا اُنکی شخصیت کی اہمیت گھٹاؤنگا۔ میں آج کہوں گا کہ یہ شاعر یا دوسرے سے موجود ہی نہ تھے۔ یا تھے، مگر اپنے زمانہ میں کوئی نمایاں شخصیت نہیں رکھتے تھے۔ بعد میں لوگوں نے اُنہیں بڑھا دیا۔ اُنکی طرف بہت سے ایسے اشعار منسوب کر دیے جو اُنہوں نے کبھی نہیں کہے تھے۔

میں جانتا ہوں، بہت سے اہل ادب میرا طریق بحث پسند نہیں کرتے۔ وہ صرف اثبات اور ایجاب ہی کا ذوق رکھتے ہیں، اور ہر وہ طریق بحث ناپسند کرتے ہیں جو انکار یا شک پر ختم ہو۔ اُنکے خیال میں وہ شخص محقق نہیں ہے جو ”مجنون“ کے وجود سے انکار کرے، یا اسمیں شک و شبہ کا اظہار کرے۔ جو کوئی ایسی جرأت کرے، وہ اُنکے نزدیک مجرم ہے۔ کیونکہ اُنکے خیال میں وہ عربی علم ادب کی عظمت گھٹانے والا ہے۔ اُنکے نزدیک بڑا محقق وہ ہے جو ادبی قصص و محاضرات کے ہر وجود پر علمی ایمان رکھتا ہو، اور ہر افسانہ شعری، حقیقت کے لباس میں دیکھتا ہو۔ کیونکہ اُنکے خیال میں ایسا کرنے سے عربی عظمت بڑھتی اور عربی ادب کی خدمت ہوتی ہے، اور اسلیے ایسا کرنے میں حقیقت کی پروا کرنا ضروری نہیں۔ اُنکھیں بند کر لینی چاہئیں، اور جہل و اعتراف کی راہوں میں بڑھ چلنا چاہیے!

وہ علم و ادب میں بھی وہی راہ اختیار کرنی چاہتے ہیں جو سیاست میں اختیار کی جاتی ہے۔ صرف جذبات براہِ نیکی خستہ کر اور مرجحہ کے نعرے سنو! بلا شبہ اس طرح تم ان لوگوں کو خوش کر دے سکتے ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ اس طریقہ میں اُن لوگوں کیلئے کوئی دعوت نہیں ہوسکتی جو قوم، ملک، اور جماعت کی رضامندی دیکھنے سے پہلے علم، حقیقت، اور دیانت کے چشم و ابرو پر نظر رکھتے ہیں!

(شعراء غزلیین)

بد قسمتی یا خوش قسمتی سے میں نے علم اور ضمیر کی رضامندی کو لوگوں کی تعریف و تحسین پر ترجیح دے رکھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج میں بغیر کسی احتیاط اور پیش بندی کے اعلان کرتا ہوں کہ شعراء کی وہ جماعت، جسے میں ”اہل غزل“ کے نام سے پکارتا ہوں، عربی ادب کی تاریخ میں وہ درجہ نہیں رکھتی تھی جو آج لوگوں نے اُسے دے رکھا ہے۔

یہ شعراء دراصل در نمایاں قسموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ دونوں کے متعلق میرے خاص خیالات ہیں۔ ایک قسم ”خیالی شعراء“ (”شعری سیرتوں“) کی ہے۔ اسمیں مجنون، قیس بن ذریم، عروہ بن حزام، جمیل بن معمر، وغیرہ داخل ہیں۔ دوسری قسم

## دنیا میں

## کتاب فروشی کا عظیم مرکز

### اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طاب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے :

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے !  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے  
یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے، قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

براہ راست کوئی نہیں پہنچ سکتا - ہر انسان کی پہنچ صرف درمیان کے وسیلہ ہی تک ہو سکتی ہے ، اور اسی کے وسیلہ سے وہ معبود حقیقی تک پہنچ سکتا ہے ، ٹھیک ٹھیک یہی بات تھی کہ کبری آدمی براہ راست پادشاہ تک نہیں پہنچ سکتا - ہر شخص کی پہنچ صرف اپنے اپنے حاکمون اور وزیروں امیروں ہی تک ہو سکتی ہے - وہ چاہیں تو دربار شاہی تک بھی پہنچا دیں -

پادشاہوں تک عوام کا براہ راست نہ پہنچ سکتا ، شاہی عظمت و کبریائی کے تخیل کا نتیجہ تھا - بنیاد اس خیال کی یہ تھی کہ جو شخصیت جس قدر بھی عوام کی رسائی سے بلند ہوگی ، اتنی ہی عظیم اور مقدس ہوگی - جن جس یہ تخیل پادشاہوں کی شخصیت کے ساتھ ترقی کرتا گیا ، اور ان تک پہنچنے کے لیے نئے نئے واسطے اور وسیلے بنتے گئے ، خدا کے تصور میں بھی ایک منظم سلسلہ وسائل کا تخیل پیدا ہوتا گیا - اس تخیل کی انتہا یہ تھی کہ کبری انسان معبود حقیقی سے واسطہ پیدا ہی نہیں کر سکتا - اسکا علاقہ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہے ، صرف وسائل سے ہے - یعنی ان کا فرما طاقتوں سے ہے جن کے سپرد تدبیر عالم کا تمام کارخانہ کر دیا گیا ہے - اسی طرح نذرانہ پیش کش ، قربانی ، بھی ٹھیک ٹھیک رہی بات ہے ، جو ایک طرف انسانی پادشاہی و سروری کے لیے وجود میں آئی ، دوسری طرف تصور الہی میں بھی سرایت کر گئی -

علم مصریات Egyptiology سے مصر کے قدیم الہی تصورات پر نہایت قیمتی روشنی پڑی ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے سب سے زیادہ قدیم معبود وہی تھے جنہیں محلی یا جماعتی معبود کہنا چاہیے - حضرت مسیح (علیہ السلام) سے تقریباً نو ہزار برس پہلے تمام سرزمین مصر محلی معبودوں میں منقسم تھی - اس عہد کے ایک ہزار برس بعد ( یعنی ۸۰۰۰ - قبل مسیح ) میں ایسے معبودوں کا تصور پیدا ہوا جو محلی نہ تھے - مثلاً ” اوزی ریس “ اور اس کے ثالث کی پرستش شروع ہوئی جو انسانیت کا دیوتا تسلیم کیا جاتا تھا - بعض کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے بعد مشرق سے کواکب پرستی کا تخیل مصر پہنچا اور ” رارہ “ ( سورج کے دیوتا ) کا عالمگیر اقتدار تسلیم کر لیا گیا - ہیروڈوٹس اگرچہ اس عہد کے ہزاروں برس بعد مصر پہنچا ہے ، لیکن اس نے بھی یہ پرانی روایتیں معلوم کی ہیں - وہ لکھتا ہے کہ مصر کے قدیم زمانے میں ہر ہر بستی کیلئے الگ الگ خدا تھا - جب ایک آدمی اپنے گانوں سے نکل کر کسی دوسرے گانوں میں جاتا تھا ، تو جب تک وہاں رہتا ، اپنے گانوں کے خدا کی پرستش ترک کر دیتا اور اسی دوسرے گانوں کے خدا کی پوجا کرتا ” کیونکہ وہ لوگ یقین کرتے تھے کہ ایک مقام کا خدا صرف اپنی ہی حکومت میں کارسازی کی قدرت رکھتا ہے - دوسرے مقام کے انتظامات میں دست اندازی نہیں کر سکتا “ !

مصر کی طرح ہندوستان بھی تاریخ تمدن کی سب سے بڑی قدامت رکھتا ہے - یہاں بھی محلی اور قبائلی معبودوں کا تصور ، اقتدار الوہیت کی درجہ بدرجہ تقسیم ” کارخانہ کائنات کے نظم کیلئے تقسیم عمل “ اور اسی طرح کے تمام تخیلات ، اسی عہد کے نشوونما کا پتہ دیتے ہیں -

یونانیوں کے تصور نے تو کوہ الپس کے معبودوں کا ایک پورا دربار حکومت ترتیب دیدیا تھا جسکا مرقع آج تک در و دیوار کی آرایش کا کام دے رہا ہے اور جسکے مناظر ہر مرکزی زندہ جاوید الیڈ میں بار بار

ہے ، تو اس کی بنیاد غالباً اسی طرح اور اسی عہد میں پڑی تھی -

اگر ایک طرف شاہی و تاجدار کی پیدائش اور اس کی درجہ بہ درجہ ترقی سامنے رکھی جائے ، اور دوسری طرف تصور الہی کی اس کڑی پر اور اُسکی تمام ارتقائی کڑیوں پر نظر ڈالی جائے ، تو یہ ایک نظر واضح ہو جائیگا کہ دوسرا تصور ، ٹھیک ٹھیک پہلے کا عکس ہے ، اور دونوں نقشے ایک ہی ذہنی مبداء سے نکلے ہیں - انسان نے ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی طرح کے ذہن و خیال سے حکومت و کبریائی کے دو تخت بنائے - ایک زمین پر آراستہ کیا - دوسرا آسمانوں کی ملکوتی فضا میں بچھا دیا - ایک پر وہ اپنے ابناء جنس کو بٹھا کر ان کے سامنے اطاعت و غلامی کا سر جھکاتا - دوسرے پر اپنے خدا کا جاہ و جلال دیکھ کر سر بسجود ہو جاتا -

یہ جو مختلف قوموں کے قدیم الہی تصورات میں ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے اور بڑے خداؤں کی تقسیم کی گئی ، ہر جگہ کیلئے محلی ( مقامی ) خداؤں اور آسمانی سرپرستوں کا تخیل پیدا ہوا - نذر ، بھینٹ ، اور قربانی ، کی پیش کش ضروری سمجھی گئی ، تقرب الہی کے لیے رسائل و رسائل کے عقیدہ نے راج پایا ، بڑے خدا تک پہنچنے کیلئے چھوٹے خداؤں کی شفاعت ضروری تصور کی گئی ، معبودوں کے غضب و انتقام سے بچنے کیلئے طرح طرح کے مادی اعمال استعمال میں لائے جانے لگے ، خدا کی تمثیلی صورت کی نشست کیلئے تخت یا تخت کے قسم کی کوئی چیز ضروری سمجھی گئی ، اس کے سر کی آراستگی کیلئے ” تاج “ بھی وضع کیا گیا ، اور اس کی حکمرانی کے انصرام اور مشوروں کیلئے دربار اور دربار کے ارکان بھی پیدا ہو گئے ، تو یہ تمام باتیں فی الحقیقت دنیا کی شاہی و حکمرانی ہی کا پرتو ہیں -

دنیا میں جس وقت سے شاہی و حکمرانی کی بنیاد پڑی ہے ، یہ تمام باتیں اس کے لوازم و خصائص میں سے سمجھی جاتی ہیں اور مفہوم حکومت کے بنیادی اجزاء ہیں - طاقت اور اختیار کی سب سے بڑی برائی پادشاہ کیلئے ہوتی ہے - لیکن پادشاہ بذات خود تمام کار و بار حکومت انجام نہیں دے سکتا اور نہ دینا پسند کرتا ہے - اس کے ماتحت وزیر و امیر ہوتے ہیں ، اور وہ احکام شاہی کے مطابق تمام کام انجام دیتے ہیں - اسی چیز نے تصور الہی میں بڑے معبود اور چھوٹے معبودوں کا تخیل پیدا کیا - خیال کیا گیا کہ چھوٹے معبود بڑے معبود کے نیچے رہ کر کائنات قدرت کے تمام کار و بار انجام دیتے ہیں -

یہیں سے تصور الہی میں ” تقسیم عمل “ کا تخیل بھی ترقی پذیر ہوا - حکومت اور انتظام کے ہر صیغہ کے لیے کوئی ایک امیر اور وزیر مقرر ہوتا اور ہر بستی اور شہر کے اوپر کوئی ایک حاکم یا اختیار ہوتا - پادشاہ سب کے اوپر تھا ، لیکن رعایا کا علاقہ اپنے اپنے حاکموں سے تھا - براہ راست پادشاہ سے نہ تھا - حاکموں اور وزیروں کو اختیار پادشاہ ہی سے ملتا ہے ، لیکن جب مل جاتا ہے ، تو وہ اپنے اپنے دائرہ حکومت میں خود مختار ہوتے ہیں - رعایا کا فرض ہوتا ہے کہ انہی کے کہے پر چلے اور اپنی ساری داد فریاد انہی کی چوکھٹوں پر لے جائے - اسی تقسیم عمل اور حکومت بالوسائل کا نقشہ تصور الہی میں بھی قائم ہوا - اور پہلے کارخانہ کائنات کے ہر صیغہ کے لیے الگ الگ خداؤں کی ، پھر زمین کے ہر حصے اور آبادی کے لیے محلی خداؤں اور کارسازوں کی تقسیم عمل میں آئی - یہ بات کہ خدا تک



وسعت، زندگی کے امن، اور عقل و ادراک کے منجھ جانے سے فکر و احساس کا دائرہ اتنا تنگ نہیں رہا، جس قدر پہلے تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر اُسکے جذبات و امیال کی کیفیت میں بھی ترقی ہوئی، اور ابتدائی زندگی کی سختی اور نا تراشیدگی کی جگہ رقت و لطافت کے احساسات ابھرنے لگے۔ اس حالت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تصور الہی کے دائرہ میں بھی ایک نئی وسعت پیدا ہو گئی، اور نئے نئے جذبات سے وہ آشنا ہونے لگا۔

یہ تصور الہی کی دوسری اصولی کڑی ہے۔ اس منزل میں پہنچ کر انسان نے دیکھا کہ خدا کا چہرہ اگرچہ غضب و ہیبت کے خال و خد سے ہولناک ہے، لیکن کبھی کبھی اس پر رحمت و جمال کا تبسم بھی طاری ہو جاتا ہے۔ یہ تبسم ابتدا میں بہت ہلکا تھا۔ جوں جوں انسان کے لطیف جذبات منجھتے گئے، یہ تبسم جمال بھی زیادہ نمایاں اور دلاویز ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ انسان کے تصور الہی میں قہر و جلال کے ساتھ، رحمت و جمال کے تصور کا عنصر بھی شامل ہو گیا۔

یہ رحمت و جمال کے دور کی ابتدا تھی۔ اس دور میں خدا کی ایجابی صفات کا تصور بالکل ابتدائی اور ناقص حالت میں شروع ہوتا ہے، اور ایک خاص حد تک نشرو نما پاتا ہے۔ ابتدائی درجہ میں اسکا عنصر بہت خفیف ہوتا ہے۔ آگے چل کر زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ تاہم مجموعی حیثیت سے غلبہ قہر و جلال کی صفات ہی کا رہتا ہے۔

(تبسم و تمثیل کا دوسرا قدم)

اس دوسرے دور میں تبسم و تمثیل (یعنی خدا کی صفات کو مخلوق کی صفات کی طرح تصور کرنے) نے بھی ایک بہت ہی سست قدم آگے کی طرف بڑھایا۔ تئز بہ کی منزل ذہن انسانی کیلئے بڑی مشکل اور بڑی ہی دور کی منزل تھی۔ اس لیے اس راہ میں اُسکے قدم تیز نہیں آتھے سکتے تھے۔ تاہم آتھتے تھے، اور اہستہ اہستہ تمثیل کی سطح بلند ہوتی جاتی تھی۔

پہلے تمثیل سرتا سر ادنیٰ قسم کے حیوانی صفات کا تھا۔ کیونکہ خود انسانی صفات بھی اسی درجہ میں تھیں۔ پھر انسان کی معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ تمثیل کی نوعیت میں بھی ترقی ہوتی گئی، اور اونچے درجہ کی حیوانی صفات سے تصور آشنا ہو گیا۔ پھر اس میں بھی ترقی ہوئی۔ انسانی اور کائناتی صفات و اعمال میں سے جو صفات و اعمال اونچے درجے کے انسان کی نظروں میں آ سکتے تھے، ان سے خدا کا تصور آراستہ کیا جانے لگا۔

(الوہیت اور شاہیت)

مثلاً جب اجتماعی معیشت کی ترقی و وسعت سے حکومتوں اور حکمرانوں کا ظہور ہوا، اور طاقتور انسانوں نے کمزور افراد کو مسخر کر کے اپنی شاہی و مالکی کی عظمت و سطوت پیدا کر لی، تو ذہن انسانی کے سامنے طاقت اور اقتدار کا ایک نیا پر شکوہ نمونہ آ گیا۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ خدا کے تصور میں بھی ایک طرح کی شاہی و حکمرانی کا جاہ و جلال دیکھنے لگا، اور ساز و سامان حکومت کے وہ تمام اجزاء اُس میں بھی پیدا ہو گئے، جو دنیا کے پادشاہوں اور انکے درباروں میں پیدا ہو گئے تھے۔ یہ جو آگے چل کر خدا کے عالم گیر تصور میں ایک شہنشاہ اور اُسکے دربار حکومت کے تمام لوازم کا تخیل سرایت کر گیا۔ حتیٰ کہ آج خدا کا نام سننے ہی ہمارے تصور میں ایک برے پادشاہ کے تخت و عظمت و جلال کا نقشہ پیدا ہو جاتا



## تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

انسانی تصور الہی کی تکمیل

اور

اس کا سلسلہ ارتقا

(۲)

(دور قہر و جلال)

گذشتہ نمبر میں اس دور کی شرح و تفصیل کا صرف ابتدائی حصہ درج ہو سکا۔ جس مقام پر پچھلا مقالہ ختم ہوا ہے، اُسکے بعد مسودہ میں مزید شرح و تفصیل ہے۔ خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ علم الآثار اور قدیم اصنامی و مذہبی روایات و قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتدائی دور میں تصور انسانی درجہ بدرجہ حسب ذیل منزلوں سے گزرا۔ یہ گویا اس سلسلہ ارتقا کی پہلی اصولی کڑی کی فرعی کڑیاں تھیں:

- (۱) ایک مجہول خوف و دہشت کا تصور۔
- (۲) ابتدائی تشخیص و تعین۔
- (۳) مظاہر فطرت کی مہلک از سلبی قوتوں کا تصور۔
- (۴) خوفناک اور مہلک جانوروں میں ما فوق الطبیعة طاقتوں کا تخیل۔
- (۵) غیر مرئی دیوتاؤں کا تصور۔
- (۶) دیوتاؤں کے تصور میں ترتیب و نظم کا ظہور۔
- (۷) کائنات فطرت کے اعمال و مظاہر میں تقسیم

عمل کا تصور۔ یعنی اس تصور کی ابتدا کہ ہر چیز کی تخلیق و نگرانی کیلئے الگ الگ خدائی طاقتیں ہیں۔ آگے چل کر یہ تقسیم عالم ہو گئی۔ لیکن اس دور میں صرف فطرۃ کے سلبی اور تخریبی افعال میں ہوئی تھی۔

(صفات رحمت و جمال کی آمیزش)

ایک مدت تک ذہن انسانی صرف صفات قہر و جلال ہی کا تماشا ہی رہا۔ خود اُسکا ذہنی مزاج بھی ابھی رقیق و لطیف صفات سے نشو و نما سے محروم تھا، اس لیے وہ خدا کے تصور میں بھی اُن کا جلوہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد انسان کی مدنی زندگی نے چند قدم آگے بڑھائے اور اجتماعی معیشت میں ترقی ہوئی، تو معیشت کے نظم و رابط کے قیام، علائق کی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# الہلال

ایک ہفتہ وار مہوار سال

جلد ۱

کاکتہ : جمعہ ۲۷ - صفر ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۱

Calcutta : Friday, 26, August 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔  
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال۔  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔ الہلال

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۶۵۷ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۸۴	اردو حروف کی حق میں	۲۱۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۱۲۱	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۱۸۶	نستعلیق ہون	۵۶

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کرینگے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔ الہلال

سے ملا دیا گیا ہے، یا پادشاہت کی ابتدا آغاز خلقت کے کسی ایسے عہد سے ہوتی ہے جب دیوتاؤں اور آسمانی طاقتوں کے مابین طبیعت کا زمانہ انجام پا رہے تھے؛ تو یہ بھی اسی صورت حال کا قدرتی نتیجہ ہے۔ قدیم مصریوں کا عام اعتقاد تھا کہ تخت مصر پر پہلا دور دیوتاؤں کی براہ راست حکومت کا گزرا ہے۔ دوسرا دور ایسے انسانوں کی حکومت کا تھا جن میں پوری نہیں آدھی دیوتائی تھی۔ بیس ہزار برس جب ان دونوں دوروں پر گزر چکے، تب انسانوں کا دور حکومت شروع ہوا۔ ہندوستان میں بھی چندر بنسی اور سورج بنسی خاندانوں کا تخیل قائم ہوا، جنکا سلسلہ نسب چاند اور سورج پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ آشوریوں اور بابلیوں کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ کہتے تھے، پادشاہت کا سب سے پہلا سلسلہ سورج دیوتا سے شروع ہوا ہے۔

انسانی پرستش کے تخیل نے بھی اسی دور میں نشوونما پائی۔ تمام ایسے انسان جو عام سطح سے کڑی بلند طاقت حاصل کر لیتے تھے، وہ آسانی دیوتاؤں کا درجہ حاصل کر لیتے۔ عجب نہیں۔ اس کی ابتدا اسی الٰہیت اور پادشاہت کے تشابہ سے ہوئی ہو۔

مظاہر فطرۃ کی پرستش کے سلسلہ میں اجرام سماوی کی پرستش بھی اسی دور میں شروع ہوئی، اور انسانی تخیل نے بہ تدریج اپنے ماحول سے متاثر ہو کر ان کی جسمانی شکل و شباہت وضع کر لی۔ غالباً کواکب کی مختلف جسمانی صورتیں سب سے پہلے در آئے، دجلہ و فرات میں پیدا ہوئی ہیں۔ اُس کے بعد مصر اور یونان میں کواکب کی اصنام کی پرستش کا ظہور ہوا، اور ان کی الٰہی روایات نشوونما پانے لگیں۔ پھر ایک مدت کے بعد جب علم ہئیۃ کی ابتدائی معلومات سے انسان آشنا ہوا، تو کواکب پرستی کے تخیل میں زیادہ نظم و اسلوب پیدا ہو گیا، اور ذہن و فکر کی رقت و لطافت ترقی کرنے لگی۔

## مختارات

شوم اور خاموشی، عورت کا بہترین زیور ہے — اربیدس تہری فرقت محبت کو بڑھاتی، اور زیادہ فرقت محبت کو قتل کر دالتی ہے — میرابو

عورت کے محبت بھرے دل سے زیادہ بڑی چیز دنیا میں کوئی نہیں — لوتھر

عورت اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ مرد کو مانوس کرے — رالٹیر مرد کو خدا سے ہمیشہ دعا کرنی چاہیے کہ عورت اُس کی حقیقت نہ جاننے پائے — تھیکرے

ادم سب سے زیادہ خوش نصیب انسان تھا۔ کیونکہ اُس کی ساس نہ تھی — پارنہ (اتفاق سے ایک شعری خطاب)

”اتفاق“ آہ تم کیا جانو اتفاق کیا ہے؟ اتفاق ایک سفید کبوتر ہے جو اپنی چونچ میں زیتون کی شاخ لیے ہوئے، نا اتفاقی کے طوفان سے نجات دینے کی خوش خبری سنا رہا ہے!

اتفاق چھپھاتی ہوئی ایک بلبل ہے اور اپنے شیریں راگوں سے غمزہ دلوں میں طرب پیدا کر رہی ہے!

اتفاق، خوبصورت عندلیب ہے۔ آسمان میں اڑتی چلی جاتی ہے، اور وہاں سے نسیم جنت بن کر واپس آتی ہے!

اتفاق، آسمانی فرشتہ ہے جو اپنے نورانی پر پہاڑ ررحوں پر پھیلا دیتا ہے!

ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس دربار میں زفس یا زیوس Zeus (مشتربی) عصا شاہی ہاتھ میں لیکر تخت ریاست پر متمکن ہوتا۔ ہیرا اُسکی بیوی ملکہ کی طرح اُسکے بائیں جانب بیٹھتی۔ دونوں طرف تخت کے نیچے بقیہ معبود اور دیوتا بیٹھتے، اور ہیپیا Hebe (زفس کی بیٹی اور شباب کی دیوی) ساقی گری کا فرض انجام دیتی۔ ہرمز الیدہ کی چوتھی نظم شروع کرتے ہوئے کہتا ہے: ”دیوتاؤں نے زفس کے گرد مجلس شوریٰ آراستہ کی۔ سنہری ایوان میں سب جمع ہوئے۔ ہیپیا نے عیش و نشاط کے جاموں کو گردش دی“ الخ

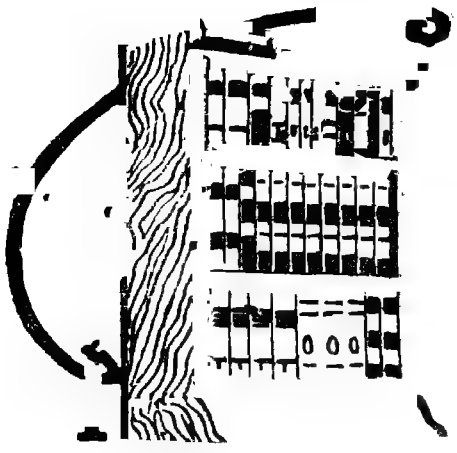
ہندوستان اور یونان، دونوں نے اپنے معبودوں کیلئے سربفلک پہاڑ کی پر اسرار چوٹیاں منتخب کی تھیں۔ ہندوستان میں ہمالہ کی برف آلود چوٹیاں دیوتاؤں کا مسکن اور دربار بنیں۔ یونانیوں کے پاس ہمالہ جیسا پہاڑ نہ تھا، لیکن الیمپس کی ابر آلود چوٹیاں کافی بلند تھیں۔ انہوں نے خیال کیا، ابر کے پر اسرار اور ہیبت انگیز پردہ کے پیچھے ان کے معبودوں کا دربار جاہ و جلال آراستہ ہے!

دیوتاؤں کیلئے طرح طرح کی سواریوں کا تخیل، ہندوستان، یونان، اور مصر کے مقدس رتھ، آشور اور بابل کے تخت رزاں، ایوان کا عجیب الخلق مرکب، سب اسی تخیل کے برگ و بار ہیں۔ ہندوستان، مصر، یونان، تینوں نے معبودوں کی سواری کے جلوس اور تزک و احتشام کے سامان ویسے ہی آراستہ کیے تھے، جیسے پادشاہوں کی سواریاں ان وقتوں میں نکلا کرتی تھیں۔ علم و تاریخ کی خوش قسمتی سے ان عہدوں کی شہیت اور الٰہیت، دونوں کے نقشے ہمارے سامنے آگئے ہیں!

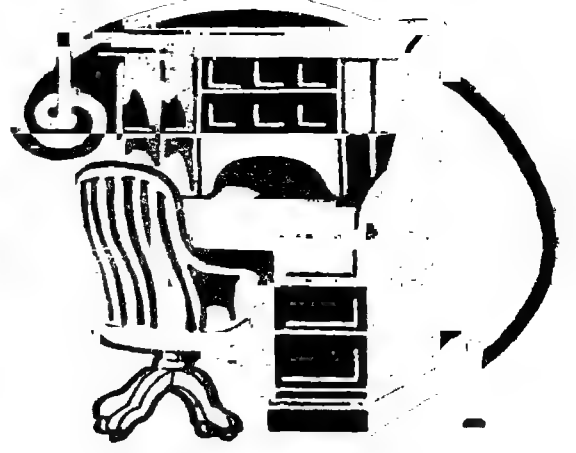
پادشاہت اور الٰہیت کے اسی تماثل کا نتیجہ تھا کہ دونوں میں ایک عجیب طرح کا مخفی لزوم و علاقہ پیدا ہو گیا۔ یعنی دونوں، باہم دیگر ایک دوسرے کے تخیل سے اس طرح متاثر و منفعل ہونے لگے کہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا، اور دوسرے کے اثر سے پہلا متاثر ہوتا۔ کیونکہ دو قریب قریب اور متماثل تخیل بہ یک وقت نشوونما پانے لگے تھے۔ اگر ایک طرف شاہی و سروری کے اعتقاد نے خدا کے تخیل میں اپنا ساز و سامان حکومت پیدا کر دیا، تو دوسری طرف خدا کے تصور کی شان الٰہیت و تقدیس، شاہی و سروری میں بھی پیدا ہو گئی، اور اس طرح ذہن انسانی کے لیے دو ہم شکل چیزوں میں حد امتیاز قائم کرنا دشوار ہو گیا۔

یہیں سے انسانی پادشاہت میں شان الٰہیت و کبریائی کے اعتقاد کی بنیاد پڑی۔ ہندوستان، مصر، دو آبدہ دجلہ و فرات، اور ایران، قدیم تمدن کے چار بنیادی مقامات ہیں، لیکن ان چاروں جگہوں کی تاریخ میں شاہی و سروری کے تاج کے گرد، الٰہیت و سماویت کا مقدس ہالہ نظر آ رہا ہے۔ ہندوستان اور مصر میں پادشاہ کا منصب ایک آسمانی منصب تسلیم کیا گیا۔ ان کے خاندان، نسب، پیدائش، نشوونما، موت، اور ہر طرح کے معاملات میں غیر انسانی قسم کے اسرار و رموز کی تقدیس پیدا ہو گئی۔ وہ خود بھی ایک دیوتا ہو گئے، خدا کا مظہر، ارتار، اور پھر زیادہ ہلکے لفظوں میں خدا کا سایہ تسلیم کیے گئے، اور ”مشبہ“ اور ”مشبہ بہ“ کا امتیاز اس طرح اُٹھ گیا کہ اب اس کا فیصلہ دشوار ہو گیا ہے کہ ان دونوں چیزوں میں ”مشبہ“ کون تھا اور ”مشبہ بہ“ کسے قرار دینا چاہیے؟

یہ جو تمام قدیم قوموں میں آنکی پادشاہتوں کی ابتدا دیوتاؤں سے تسلیم کی گئی ہے، یا پادشاہوں کا سلسلہ نسب اجرام سماویہ



# مقالہ



## لیلیٰ مجنون

— ❦ —

از ڈاکٹر طاہرہ حسین

(۲)

قیس کے بارے میں عام راجی تو صرف اختلاف بیان ہی پر قانع ہیں لیکن ثقہ راجیوں کو انکار یا شک میں شامل نہیں ہے۔ میں تمام اقوال پیش کر کے تحریر کو طول دینا نہیں چاہتا۔ آگاہی کی پہلی اور دوسری جلد میں کافی ذخیرہ موجود ہے، اور باآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

بعض راجیوں کا انکار تو اس درجہ تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے : ”بني عامر (مجنون کے قبیلہ) کے دل اس قدر تھوس ہیں کہ ان میں اتنی زیادہ محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں بے عقل باشندگان یمن سے یہ بعید نہیں۔ لیکن بني نزار اس سے کوسوں دور ہیں“

ایک اور راجی تصریح کرتا ہے :

”میں قبیلہ عامر کے ایک ایک خاندان میں پہرا اور سب سے مجنون کے متعلق سوال کیا۔ مگر کسی نے بھی اس کی راقفیت کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ سخت انکار کیا“

ایک دوسرے راجی کا بیان ہے :

”میں نے بني عامر کے ایک بدوی سے مجنون کا حال پوچھا۔ اس نے بہت سے عامری مجنونوں کے نام بتائے اور ان کے اشعار سنائے مگر قیس بن ملوح کے وجود سے برابر انکار کرتا رہا“

پھر ان راجیوں پر نظر ڈالو جو اس مجنون کے واقعات کے راجی ہیں۔ وہ خود آپس میں سخت اختلاف رکھتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے نام تک پر متفق نہیں۔ کوئی قیس بتاتا ہے۔ کوئی مہدی کہتا ہے۔ کوئی اقرع قرار دیتا ہے۔ کوئی بحتری پر زور دیتا ہے۔ پھر اس کے حسب و نسب کے بارے میں اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ پھر خود اس کا جنون بھی سب تسلیم نہیں کرتے۔ کوئی کہتا ہے، ”وہ بالکل دیوانہ تھا۔ کوئی اسے عقل گردانتا ہے۔ اصمعی کا قول ہے ”وہ مجنون نہیں تھا۔ صرف ابو حیدہ نمیری کی طرح تھوڑی سی سنک تھی“ اس کے بعد یہ بحث شروع ہوتی ہے، آخر وہ مجنون کیسے مشہور ہوا؟ بعض کہتے ہیں ”وہ پہلے ہی سے دیوانہ تھا“ بعض اس کے خلاف ہیں اور یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ ”اس نے ایک شعر میں اپنے آپ کو مجنون کہا تھا۔ اس لیے اس کا یہ لقب پڑ گیا جیسا کہ بہت سے شعراء کا حال ہے۔ مثلاً نابغہ“ اختلاف ابھی ختم نہیں ہوتا، بلکہ جنون کے سبب تک پہنچتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں ”محبت نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا“ بعض کہتے ہیں ”در اصل اس نے اپنے ایک شعر میں خدا کی مشیئت پر اعتراض کیا

تھا، اس لیے خدا نے اس پر اپنا قہر نازل کیا“ اور دیوانہ ہو گیا وہ شعر یہ ہے : (اور کیا بے نظیر شعر ہے !)

قضاها لغیری و ابتلائی بحبها

فہلا بشیئی غیر لیلیٰ ابتلائیا ؟

(خدا نے میری محبت کو تو دوسرے کے لیے کر دیا۔ لیکن مجھے اس کی محبت میں مبتلا کر دیا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ لیلیٰ کے سوا مجھے کسی دوسری مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ؟)

بعض راجی اس کا رد کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ خدا کا قہر جنون کی شکل میں نہیں بلکہ برص کی شکل میں اُترا تھا۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہیں۔ ایسی صورت میں کون یقین کر سکتا ہے کہ مجنون جیسا کوئی مشہور شخص دنیا میں کبھی موجود تھا ؟ بلا شبہ یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر مجنون موجود نہ تھا تو یہ پورا قصہ کہاں سے آگیا ؟ اس کا جواب خود ادب اور شعر کے راجیوں نے دیدیا ہے۔ ابن کلبی لکھتا ہے :

”بني امیہ کا ایک نوجوان اپنی چچیری بہن پر عاشق ہو گیا تھا۔ جوش عشق میں اس نے اشعار کہے۔ پھر ذرا، مبادا راز کھل جائے اور طرفین کی رسوائی ہو۔ لہذا اس نے اس راز داری کے لیے مجنون کا نام اختراع کر لیا اور اپنے اشعار اس کی طرف منسوب کر دیے“

پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں شعر و ادب کے ایسے راجی موجود تھے جنکا کام محض لوگوں کا دل بہلانا اور گرمی صحبت کے لیے داستانسرائی کرنی تھی۔ وہ اشعار و حکایات بناتے تھے اور بصرہ، کوفہ، بغداد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں پھیلا دیتے تھے۔ جس طرح آج کل کے بعض اخبار نویس لندن اور پیرس میں طرح طرح کے افسانے مشہور کر دیتے ہیں۔ یہ معمولی لوگ نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی داخل تھے جنہیں آج کل ثقہ راجی یقین کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اشعار و حوادث گزشتہ میں غیر معمولی مہارت حاصل کی تھی۔ وہ صاحب علم و فکر تھے۔ اس لیے اس زمانہ میں بھی عوام انہیں صادق و معتبر سمجھتے تھے اور ان کی رزایت بغیر شک و شبہ کے قبول کر لیتے تھے۔ اس طرح کے راجیوں میں سے دو راجیوں کے نام میں یہاں پیش کرینگا۔ ”حماد رابہ“ اور ”خلف احمر“ ان دونوں شخصوں نے بے شمار مصنوعی واقعات و اشعار بنائے ہیں۔ یہ دونوں عربی زبان کے ماهر اور بدوی قبائل سے بھی بہتر عربیت کے اسرار و دقائق جاننے والے تھے۔ دونوں اپنے دین میں متہم اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے۔ بعض ہم عصر شعراء ان کے شریک حال ہو گئے تھے۔ اس لیے ان کے راز جانتے تھے اور انکی صداقت میں شبہ کرتے تھے۔

یہ حال صرف راجہ ادب و شعر ہی کا نہیں ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ انسب، سیر، اور فتوح و غزوات کے بہت سے راجی بھی ایسے ہی تھے۔ سیرت ابن ہشام اٹھا کر دیکھو۔ اس میں ایک بڑا ذخیرہ اشعار کا پاؤگے۔ لیکن خود ابن ہشام رزایت کے بعد تصریح کرتا جاتا ہے ”فرق شعر کے اکثر عالم اس قصیدہ سے انکار کرتے ہیں“



# ان تمام اصحاب کیلی

## جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

**I. SHENKER,**

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجیے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کیلئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با این ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں !

بواعظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایران شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کیے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلئے بھی پہلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجیے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفیری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

دیا جائے، جب بھی اُسے مشکوک و مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ بحث کا خاتمہ شک و انکار پر ناپسندیدہ ہے۔ لیکن ہمیں علم و حقیقت کی خاطر کبھی کبھی اس پر مجبور ہوجانا پڑتا ہے۔

ہمارے سامنے متعدد عشقیہ عربی قصے موجود ہیں۔ یہ قصے کئی باتوں میں باہم مشترک ہیں اور کئی باتوں میں مختلف ہیں۔ مثلاً یہ چیز سب میں یکساں طور پر موجود ہے کہ ان تمام قصوں کے ابطال عشق (ہیررز) بدیہی ہیں۔ سب کی محبت یکساں طور پر انتہائی قسم کی ہے۔ محبت نے سب کو یکساں طور پر بڑی بڑی تکلیفیں دیں۔ سب کی محبت پاک تھی۔ سب نے تقریباً ایک ہی طرح اپنے جذبات کا اپنے اشعار میں اظہار کیا ہے۔ سب کے اشعار رقیق اور تقریباً ایک ہی درجہ کے ہیں۔ سب کے راقعات، مصائب، طرز عمل، اور خلفاء و حکام کی مداخلت کی نوعیت بھی یکساں ہے۔ اختلاف صرف اُن کے ناموں میں ہے، اُن کے قبائل میں ہے، یا اُس ماحول میں جس میں انہوں نے پرورش پائی تھی۔

قیس بن ملوح (مجنوں) کے انکار اور قیس بن ذریج (عاشق لبنی) میں شک کرنے کے بعد ہمیں اُن کی جگہ دوسرے اشخاص یا دوسری چیزیں قائم کرنی چاہئیں، ورنہ بحث بے نتیجہ ہوگی۔ نفی سلب کے بعد اثبات و ایجاب ناگزیر ہے۔ میری رائے میں قیس بن ملوح، قیس بن ذریج، جمیل بن معمر، ارز عروہ بن حزام کی جگہ صحیح لفظوں میں صرف ایک چیز ثابت و موجود ہے۔ یعنی عہد مولدین کے قصص عشقیہ کا فن اور مذہب (اسکول) میرا یقین ہے کہ یہ فن، عہد اموی میں ظاہر ہوچکا تھا، یا کم سے کم اُس کی نمایاں بنیادیں پڑچکی تھیں۔ آہستہ آہستہ اِس میں ترتیب و ترقی ہوئی، یہاں تک کہ ایک مستقل فن بن کر موجودہ زمانہ کی عشقیہ قصہ نویسی کے قریب قریب پہنچ گیا۔

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ قیس بن ملوح کی شخصیت تاریخی ہے یا غیر تاریخی؟ میرے سامنے چند عشقیہ قصے موجود ہیں: قصہ قیس بن ملوح، قصہ قیس بن ذریج، قصہ جمیل بن معمر... وغیرہ۔ اب میری بحث کا موضوع یہ قصے ہیں جنہیں متمدن تخیل نے پیدا کیا ہے، نہ کہ خود عشاق۔ مجھے وہ اشخاص تلاش کرنے چاہئیں جنہوں نے یہ قصے بنائے۔ نہ کہ وہ عشاق جن کے حالات یہ قصے بیان کرتے ہیں۔ مجھے قصہ نویسوں کی اختراعی قابلیت اور نظم و نثر میں اُن کی مہارت فنی سے بحث کرنی ہے۔ مجھے اُس ادبی فن پر غور کرنا چاہیے جو ادب و علوم کی دوسری شاخوں کی طرح، اسلام سے پہلے عرب میں ناپید تھا، اور اسلامی تمدن کے گہوارہ میں پیدا ہو گیا۔

بلاشبہ میں جانتا ہوں، اِس بحث کی راہ میں سخت موانع درپیش ہیں۔ یہی ایک مانع کیا کم ہے کہ ان قصوں کے مصنفوں کے نام معلوم نہیں۔ تاہم ہمیں چاہیے کہ ادب عربی کی خصوصیات و کمالات کی تحقیق و کشف کے لیے اس دشوار گزار راہی میں قدم اٹھائیں، اور ان قصوں کا ادبی تجزیہ و تحلیل کر کے اُن کا عیب و ہنر الگ الگ دکھادیں۔ ہمیں چاہیے کہ عہد اموی کے اُن ادبی، اخلاقی، سیاسی، اجتماعی، اسباب کا سراغ لگائیں جنہوں نے ان قصوں کے لیے پہلے پہل زمین طیار کی، اور پھر ان اسباب کی بھی جستجو کریں جسے عہد عباسی میں یہ تمام عمارتیں منہدم ہو گئیں۔

کے باپ نے قیس کو اپنی لڑکی دینے سے انکار کر دیا۔ سبب یہ بتایا کہ قیس اُس کی لڑکی پر عاشق ہے اور عشق طشت از بام ہوچکا ہے۔ بعینہ یہی واقعہ ہم دوسرے عشقیہ قصوں میں بھی پاتے ہیں۔ یہ گویا اُس عہد کے عشقیہ قصوں کا ایک مقبول عام انداز بیان تھا۔ رازوں کا بیان یہ ہے کہ عربوں میں یہ رسم تھی کہ وہ عاشق سے لڑکی کا بیاہ نہیں کرتے تھے۔ میں نہیں جانتا یہ بیان صحیح ہے یا غلط؟ عرب جاہلیہ کا دستور تو اِس کے برعکس تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ رازوں نے یہ دستور محض اپنے دل سے ایجاد کیا ہے تاکہ عشقیہ قصوں میں عشاق کی محرومیوں کی ایک معقول وجہ ہاتھ آجائے۔

یہ واقعہ بھی کچھ کم مضحکہ انگیز نہیں کہ خلیفہ وقت نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر قیس پردہ میں بیٹھنے کے بعد بھی لیلیٰ سے تعرض کرے تو قتل کر دالا جائے۔ پہلے واقعہ کی طرح یہ واقعہ بھی اکثر عشقیہ قصوں میں دہرایا گیا ہے۔ ہم بجا طور پر سوال کر سکتے ہیں کہ کیا خلفاء کیلئے بجز اِس کے کوئی کام باقی نہیں رہا تھا کہ بدیہی عاشقوں کے معاملات محبت میں حاکمانہ مداخلت کرتے رہیں؟ کبھی اُنکے قتل کا حکم دیں۔ کبھی انہیں معاف کر دیں؟ آخر وہ کون سی شرعی بنیاد تھی جس کی بنا پر وہ اِس قسم کے احکام صادر کرتے تھے؟ کیا شریعت میں بے اختیارانہ عشق اتنا بڑا جرم ہے کہ اُس کی تعزیر قتل ہے؟

اِسی طرح یہ واقعہ بھی ایک پر لطف ایجاد ہے کہ قیس جنوں عشق میں وحشی ہو گیا تھا۔ ایسا وحشی کہ اُس کا جنگل کے سوا کہیں جی نہیں لگتا تھا۔ ہرنوں سے موانست ہو گئی تھی۔ اور شب و روز کا ساتھ تھا۔ داستان گو کی مبالغہ پسندی کے لیے اتنا کافی نہ تھا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہے، اور ہمیں بتلاتا ہے کہ ایک دن وہ (راہی) قیس کی جستجو میں اُس درخت تک پہنچ گیا جس کے نیچے قیس ہرنوں کے ساتھ بسیرا لیتا تھا۔ اور اِس طرح پہنچا کہ نہ تو قیس کو اُسکی خبر ہوئی، نہ اُسکے رفیق و مونس ہرنوں کو۔ پہلے یہ سراغ رساں راہی چپکے سے درخت پر چڑھ جاتا ہے، پھر اُترتا ہے اور قیس سے سوال و جواب شروع کر دیتا ہے۔ ہرن آواز سنتے ہی بھاگ گئے۔ قریب تھا کہ قیس بھی چل دے۔ مگر راہی نے فوراً لیلیٰ کا نام لے لیا۔ علی بابا کے ”سم سم“ کی طرح ”لیلیٰ“ کے لفظ نے فوراً اپنا طلسمی اثر دکھایا اور قیس کی وحشت دور ہو گئی۔ اب وہ آدمیت سے باتیں کرنے لگا۔ لیکن پھر اچانک ایک نازک بدن ہرنی نظر آگئی اور اُس کا جوش جنوں از سر نو تازہ ہو گیا!

یہ سب رازوں کا تخیل و تصنع ہے۔ ہم اسے ہرگز واقعہ نہیں سمجھ سکتے۔ یہ مبالغہ کی ایک خاص قسم ہے۔ داستان گو جب معقول گفتگو کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو بے سررپا باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ اکثر قدیم عشقیہ قصوں میں یہی چیز نظر آتی ہے۔ دنیا کی سب سے پرانی قصصی نظم الیڈ کا بھی یہی حال ہے۔ یونانی شعر و ادب کے مغربی نقادوں نے اِسی اسلوب پر الیڈ کی بھی تنقید کی ہے۔ اُسکے غیر معقول رکیک، اور مبالغہ آمیز اشعار کم زور شعراء کا الہامی کلام قرار دیا ہے۔ اور معقول و دلچسپ اشعار کو ماہر شاعروں کا تخیل بتایا ہے۔ (یعنی اُن مغربی نقادوں نے جنہوں نے ہومر کے حقیقی وجود سے انکار کیا ہے)

میرے خیال میں اِس تفصیل کے بعد اگر مجنوں کے ساتھ بہت رعایت کی جائے اور اُسے محض خیالی شخص نہ قرار

(۱) یا تو مشہور شعراء کے ہیں اور راویوں نے غلطی سے معجزوں کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔

(۲) یا معجزوں شعراء کے ہیں اور لیلیٰ کا ذکر دیکھ کر لوگوں نے معجزوں کے سمجھ لیے ہیں۔

(۳) یا خود راویوں نے جان بوجھ کر بنائے ہیں۔

(۴) یا معجزوں نے اپنی گرم بازاری کے لیے گڑھے ہیں اور معجزوں کے سر تھوپ دیے ہیں۔

میں نے بڑی کوشش کی، مگر ان اشعار میں کسی مشترک شخصیت کی روح نہ دیکھ سکا۔

معجزوں کے بارے میں اپنی رائے ایک آرٹ طریقہ سے بھی ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ رازی اُس تعلق کی نوعیت بیان کرنے میں بھی بہت مختلف ہیں جو قیس بن ملح (معجزوں) اور لیلیٰ کے درمیان تھا۔

بعض کہتے ہیں لیلیٰ معجزوں میں بچپن ہی سے تعارف ہو گیا تھا۔ دونوں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ دل کو تعلق ہوا۔ یہاں تک کہ بچپن کے اُنس نے جوانی میں عشق کی صورت اختیار کر لی۔ جوان ہونے پر لیلیٰ قیس سے چھپا دی گئی تھی۔ اِس صدمہ نے اُسے معجزوں بنا دیا۔

بعض یہ قصہ تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ دونوں میں بچپن سے تعارف نہیں ہوا۔ بلکہ اتفاق سے ایک سفر میں ملاقات ہو گئی۔ ایک سفر میں قیس نے چند نازنینیں دیکھیں۔ سلام کیا۔ اُنہوں نے جواب دیا اور بات چیت کے لیے بٹھا لیا۔ قیس سوازی سے اُترا۔ امیر القیس کی طرح اپنی ارتقائی ذہن کردالی اور گوشت بہن بہن کر اُنہیں کھلانے لگا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ شام کو ایک آرٹ نوجوان وارد ہوا۔ سب لڑکیاں قیس کو چھوڑ کر اُس کی ہو رہیں۔ اِس پر قیس خفا ہو کر چلا گیا اور جوش میں اشعار کہے۔ دوسرے دن صبح پھر آدھر گیا تو لڑکیاں موجود نہ تھیں۔ صرف لیلیٰ موجود تھی۔ اُس نے قیس کو بلایا۔ قیس نے کل کی طرح پھر اپنی ارتقائی ذہن کی اور محبت کا اظہار کیا۔ ابتدا میں لیلیٰ نے بے رخی دکھائی۔ قیس بہت شمعیں ہوا۔ لیکن پھر لیلیٰ کو ترس آ گیا۔ اپنی محبت کا بھی اعتراف کر لیا۔

بعض اسے بھی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں۔ قیس عورتوں کے محبت کا دلدادہ تھا۔ لیلیٰ ایک سرور قامت، خوش اندام، خوش رفتار، نازک بدن، دوشیزہ تھی۔ قبیلہ کے نوجوان اُس کے ہاں بیٹھتے اُٹھتے تھے۔ قیس نے سنا تو وہ بھی آنے جانے لگا۔ آخر کار دام محبت میں گرفتار ہو گیا!

اِسی قسم کی آرٹ رائٹیں بھی ہیں۔ اِنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لیلیٰ کی شخصیت بھی قیس سے کچھ کم ما بہ النزاع نہیں ہے۔ ایک روایت میں اُسے بکریاں چرانے والی لڑکی بتایا ہے۔ دوسری میں بدزبانی دوشیزہ، جو نوجوانوں کو روکتی اور اُن سے گفتگو کرنا پسند کرتی ہے۔ تیسری میں اُس وضع کی ایک مہذب اور نستعلیق خاتون، جیسی بڑے بڑے اسلامی شہروں میں ہوا کرتی تھیں۔ کیا صرف یہی ایک اختلاف، لیلیٰ کی شخصیت مشتبہ کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے، جیسا کہ پہلا اختلاف معجزوں کی شخصیت پروری طرح مشترک کر دیتا ہے؟

معجزوں کے قصہ میں آرٹ بھی اندرونی شہادتیں ایسی موجود ہیں جو میری رائے کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ لیلیٰ

اصل یہ ہے کہ عرب، رزم، ایران، اور یونان، باہم بہت حد تک مشابہ ہیں۔ رومیوں نے یونان پر جنگی فتح حاصل کی تھی مگر یونان نے رومیوں پر ادبی فتح پالی۔ یہی حال عربوں کا ہوا۔ اُنہوں نے ایران کو اپنے قومی جوش سے مسخر کیا، مگر خود ایرانی ادب و ذہنیت سے مغلوب ہو گئے۔ اِس ادبی فتح کے جلوے رزم اور بغداد میں یکساں طور پر نظر آتے ہیں۔ یونان اور ایران، دونوں نے یہ کیا کہ رزم اور عرب کے تمدن پر دست دراز کی اور قطع و بید کر کے اسے مسخ کر ڈالا۔ یہی صورت حال انساب اور تاریخ و سیر میں بھی پیش آئی ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر ہمیں پورا حق ہے کہ اپنے ثقہ راویوں کی روایت پر بھی شبہ کریں۔ اور جب وہ معجزوں جیسے قصہ میں اِس قدر باہم مختلف ہوں تو آرز بھی زیادہ شک و احتیاط کریں۔

ہمارے پاس بحث و تحقیق کا ایک طریقہ آرٹ بھی ہے۔ لیکن وہ محض ایک فنی طریقہ ہے۔ تاریخ سے تعلق نہیں رکھتا۔ معجزوں کے اشعار میں ہم اِس طریقہ سے کام لے سکتے ہیں۔ شعر ہمیں خود بتا دے گا کہ یا تو وہ بتکلف بنایا گیا ہے، اِس لیے محبت کا سچا جذبہ پیش نہیں کرتا۔ یا مختلف شاعروں کا کلام ہے اور راویوں نے سہرا یا عمدہ اُسے معجزوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جادظ نے بالکل ٹھیک کہا ہے :

”کوئی شعر نہیں جس میں لیلیٰ کا ذکر ہو اور لوگوں نے قیس بن ملح (معجزوں) کی طرف منسوب نہ کر دیا ہو۔ اور کوئی شعر نہیں جس میں لیلیٰ کا ذکر ہو اور قیس بن ذریعہ کے سر تھوپ نہ دیا گیا ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ معجزوں کی طرف بہت سے شعر منسوب کر دیے گئے ہیں، حالانکہ خود معجزوں کو اُنسے کوئی تعلق نہیں۔ یہ شعر اُن شاعروں کے ہیں جو نہ تو معجزوں تھے، اور نہ محبت نے اُنکا وہ حال کر دیا تھا جو معجزوں کا تھا“

شاعر کی تحقیق کس طریقہ پر کرنی چاہیے؟ خود شاعر کی شخصیت سب سے پہلی چیز ہے۔ یہ اِس لیے کہ شاعر اپنے شعر میں اپنی شخصیت ضرور رکھتا ہے۔ اگر شاعر، کامل ہے تو اُسکا دیوان اُسکی نفسیت اور جذبات کا آئینہ اور اُسکی پوری شخصیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اُس کی مختلف نظموں میں ایک ہی روح، ایک ہی نفسیت، ایک ہی قوت کا فرما نظر آئیگی۔ بلا شبہ تمام اشعار یکساں نہ ہونگے۔ لطافت و رونق اور رقت و جودت میں کمی بیشی ہوگی۔ لیکن شاعر کی شخصیت سب میں نمایاں ہوگی، اور وحدت شعری اِس درجہ واضح ہوگی کہ ذوق سلیم فوراً فیصلہ کر دیگا کہ یہ شعر فلاں کا ہے یا یہ شعر فلاں شاعر کے اسلوب پر ہے۔ ہمارے خیال میں یہ طریق تحقیق ناقابل شک از فنون ادب میں یکساں طور پر قابل عمل ہے۔ خصوصاً شعر غنائی (گانے کے اشعار) میں اُسکی اہمیت غیر معمولی ہے۔ کیونکہ شعر کی یہ صنف، نفس کا شفاف آئینہ اور جذبات کا سچا مظہر ہوتا ہے۔

اِس اصول کی بنا پر کیا ہم معجزوں کے اشعار میں اُس کی کوئی نمایاں شخصیت دیکھ سکتے ہیں؟ میرا دعویٰ ہے کہ نہیں۔ اِس دعوے کے ثبوت میں بحث دراز کرنی نہیں چاہتا۔ میری تحقیقات کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ معجزوں کی طرف جتنے اشعار منسوب کیے گئے ہیں وہ:

کا سب سے بہتر کاتب، شیخ محمد  
عبدہ تھا، اور وہ اسی کا شاگرد تھا!

اُس نے علوم حتمیہ کی جستجو  
بھی تعلیم حاصل کی تھی، وہ بھی  
موجودہ مدارس عربیہ کے متون و شرح  
کی عظیم رکن اندیش تعلیم تھی،  
لیکن وہ ذہین و مستعد طلبا کی  
ایک جماعت منتخب کر کے علوم حکمیہ  
کا درس و املاء شروع کر دیتا ہے، اور قدیم  
معقولات کی وہ تمام گمراہیاں ایک  
ایک کر کے واضح کرتا ہے جنکے اعتقاد  
و جمود نے صدیوں سے مشرقی دنیا  
کا ذہنی ارتقا معطل کر دیا ہے!

مذہب اور علم، دونوں میں  
اُسکی مصلحانہ ذہنیت نمایاں ہوتی  
ہے، اور کسی گوشہ میں بھی اُسکے  
قدم رقت کی مقلدانہ سطح سے مس  
نہیں ہوتے۔ سیاست میں وہ سر تاپا  
انقلاب کی دعوت ہوتا ہے، اور جہاں

کہیں جاتا ہے، چند دنوں کے اندر مستعد اور صالح طبیعتیں  
چن کر انقلاب و تجدید کی روح پھونک دیتا ہے۔ اُس نے بہ یک وقت  
مصر، ایران، اور عراق؛ تینوں مقامات میں اصلاح و انقلاب کی تخم  
ریزی کر دی!

وہ اپنے اولین قیام مصر سے تقریباً بارہ برس بعد پہلی مرتبہ یورپ  
کا سفر کرتا ہے، اور پیرس میں وقت کے سب سے بڑے فلسفی اور  
علم و دین کی نام نہاد نزاع میں سب سے بڑے حریف دین و مذہب  
پروفیسر ریٹاں سے ملتا ہے۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں اس سے عجیب  
الاطوار مشرقی فیلسوف سے اس درجہ متاثر ہوتا ہے کہ اختیار  
طمان میں سید موصوف کے ایک مقالہ کا رد کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”میں نے اس کے شخصیت میں ابن سینا  
اور ابن رشد کی روح دیکھی“ جیسا کہ اوپر  
گزر چکا ہے۔ یاد رہے کہ انسان کی قابلیت  
کیسی ہی کیوں نہ ہو، لیکن مخاطب  
کے تاثر کے لیے وہ بہت کچھ قوت  
بیانیہ اور فصاحت تکلم کا محتاج ہوتا  
ہے۔ جس وقت سید جمال الدین ریٹاں  
سے پیرس میں اور لارڈ سلسبری  
سے لندن میں ملا ہے، اُس وقت اسکی  
فرانسیسی زبان کی تعلیم کی تاریخ  
صرف اتنی تھی کہ اثناء قیام مصر میں  
ایک شخص سے لاطینی الف بے،  
قلمی لکھوا لی تھی، اور پھر کچھ عرصہ  
کے بعد ایک کتاب خرید لی تھی جو  
عربی میں فرانسیسی کی ابتدائی  
تعلیم کیلئے لکھی گئی تھی۔ کوئی  
ثبوت موجود نہیں کہ اُس نے کسی  
انسان سے باقاعدہ فرانسیسی زبان کی



قسطنظیہ میں بار دوم: سنہ ۱۸۹۲

میں ان مقامات کا تعلیمی تنزل منتہا کمال تک پہنچ چکا تھا۔

سب سے زیادہ یہ کہ اُس نے جتنی بھی از جیسی کچھ بھی  
تعلیم حاصل کی تھی، وہ بھی تعلیم تھی جو بجائے خود مسلمانوں  
کے ذہنی تنزل کی پیدوار ہے اور کئی صدیوں سے اسلامی دنیا کے  
دماغی تنزل کا سب سے بڑا سبب بن گئی ہے۔ اس تعلیم سے  
ذہن و فکر کی تمام قوتیں پژمردہ ہو جاسکتی ہیں، لیکن  
آزادانہ نشوونما نہیں پا سکتیں۔

بائیں ہمہ وہ سنہ ۱۸۷۰ - میں جب کہ اُس کی عمر بہ مشکل  
تیس برس کی ہوگی، یکایک قاہرہ میں نمایاں ہوتا ہے، اور صرف  
چالیس دن کے قیام سے اس عظیم مشرقی دار الحکومت کے تمام  
علمی حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کر  
لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اُس کی ”عجیب  
اور نئی قسم کی علمی قابلیتوں“ کی  
شہرت دارالخلافہ قسطنطنیہ تک پہنچتی  
ہے، اور اس کی تمام اصلاحی اور  
انقلابی قوتیں نمایاں ہوجاتی ہیں!

وہ ادب عربی کا ایک عجمی متعلم  
تھا جس نے بعید ترین عجمی ممالک  
میں عجمی اساتذہ سے ناقص اور گمراہ  
قسم کی ادبی تعلیم حاصل کی تھی۔  
لیکن وہ عربی زبان کے سب سے بڑے  
مرکز، قاہرہ میں سب سے پہلے صحیح  
صالح فن عربیہ کا درس دیتا ہے اور  
عربی کتابت و تحریر کا ایک نیا دور پیدا  
کر دیتا ہے۔ آج مصر و شام کے تمام  
مشاہیر اہل قلم اعتراف کرتے ہیں کہ  
”کتابت عربیہ میں ہم سب اسی عجمی  
کے عیال ہیں“ موجودہ عہد میں عربی

ایران میں بار دوم: سنہ ۱۸۹۰



پیرس میں : سنہ ۱۸۸۳ء

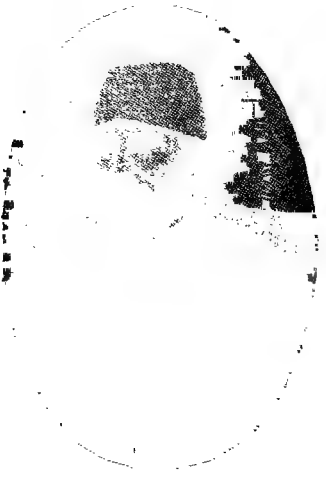
قسطنطنیہ میں : سنہ ۱۸۷۰ء

## مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی

شخصیتیں

قائدین فکر :

سید جمال الدین اسد آبادی



بغیر کسی تامل کے کہا جا سکتا ہے کہ مشرق جدید کے رجال تاریخ اور قائدین فکر کی صف میں اُس کی شخصیت کئی اعتبار سے اپنا سہم و شریک نہیں رکھتی !

” تقریباً دو ماہ گزرے ہیں کہ ایک شخص سید جمال الدین نامی سے میری ملاقات ہوئی - اس شخص کی شخصیت کا میرے دماغ پر جو اثر پڑا ، وہ ایسا ہے جو بہت کم شخصیتیں مجھ پر ڈال سکتی ہیں - یہ اثر بہت قوی اور گہرا تھا ، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے خیال ہوا ، سرحدوں یونیورسٹی کے خطبات کا موضوع یہ قرار دوں کہ ” اسلام اور اُس کا علم سے علاقہ “ سید جمال الدین کی ذہنیہ - ایک ایسی ذہنیت ہے جو : رسمی اسلام کے موثرات کی پرری طرح مقاومت کرسکتی ہے - میں جب اس شخص سے باتیں کر رہا تھا ، تو اُس کے افکار کی آزادی ، طبیعت کی فضیلت ، اور اظہار حقیقت کی جرأت دیکھ کر مجھے خیال ہوا ، میں اس وقت اُن مشاہیر عالم میں سے کسی ایک کو مخاطب کر رہا ہوں جو دنیا کے گزشتہ علمی زمانوں میں گزر چکے ہیں اور جن سے تاریخ کے ذریعہ ہم نے واقفیت حاصل کی ہے - میں گویا ابن سینا ، ابن رشد ، یا اُن حکماء عظام میں سے کسی حکیم کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا جنہوں نے فکر انسانی کو جہل و اڑھام کے قیود سے نجات دلانے کیلئے تاریخ عالم کی پانچ صدیوں تک اپنی شجاعانہ جدوجہد جاری رکھی تھی ! “ ( فیلسوف ریناں )



۳۰ - برس کی عمر میں مصر کا پہلا سفر : سنہ ۱۸۶۹ء

وہ ایک گمنام اور مجہول ماحول میں پیدا ہوا - ایسے مجہول ماحول میں کہ آج تک یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم نہ ہوسکتی کہ وہ فی الحقیقت باشندہ کہاں کا تھا ؟ اسعدآباد کا جو ہرات کے قریب اور افغانستان میں واقع ہے ، یا اسدآباد کا جو ہمدان کے قریب اور ایران میں واقع ہے ؟

اُس کے وطن کی طرح اُس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر بھی ظن و تخمین کے پردے پڑے ہوئے ہیں - تاہم یہ قطعی ہے کہ تعلیم و تربیت کا اسے کوئی موقع ایسا نہیں ملا تھا جو کسی اعتبار سے بھی ممتاز اور قابل ذکر ہو - انیسویں صدی کے کامل تنزل یافتہ افغانستان اور پنجاب کے علماء اپنے گھروں اور مسجدوں میں علوم رسمہ کی جیسی کچھ تعلیم دیا کرتے تھے ، زیادہ سے زیادہ

تعلیم جو اُس نے حاصل کی تھی ، وہ بھی تھی - جن اُستادوں سے اُس نے تعلیم حاصل کی ، وہ بھی یقیناً معمولی درجہ کے تھے - اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی علمی شخصیت قابل ذکر ہو -

دنیا کے نئے تمدنی انقلاب اور نئے علوم سے آشنا ہونے کا بھی اُسے کوئی خاص موقع حاصل نہیں ہوا تھا - اُس کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر افغانستان میں بسر ہوا ، یا ایک روایت کے مطابق ایران میں ، اور یہ دونوں مقامات اُس وقت مغربی تمدن و علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی سامان نہیں رکھتے تھے -



بصرہ میں بہ لباس عربی سنہ ۱۸۸۹ء

( سید جمال الدین )

انیسویں صدی کی تاریخ مشرق نے اصلاح و تجدید کی جس قدر شخصیتیں پیدا کی ہیں ، اُن میں کوئی شخصیت بھی وقت کی عام پیداوار سے اس قدر مختلف اور اپنی طبعی ذہانت اور غیر اکتسابی قوتوں میں غیر معمولی نہیں ہے ، جس قدر سید جمال الدین کی شخصیت ہے -



مکنتہ میں : سنہ ۱۸۷۹ء

(۴)

## مشہوری کا مجسمہ

The Statue of Jupiter

”جرینٹر“ رومنوں کا مشہور دیوتا ہے۔ بعینہ جی دیوتا، یونان میں ”زفس“ (Zeus) کے نام سے پوجا جاتا تھا۔ بلا استثنا تمام قدیم مورخوں نے اس بت کا ذکر کیا ہے جسے ایتھنز میں ”فیداس“ نے بنایا تھا۔ سب اسے بالاتفاق دنیا کے سات عجائب میں شمار کرتے ہیں۔ موجودہ دنیا اُس کے نام و نشان سے بالکل خالی ہے۔ صرف چند سکے دستیاب ہوئے ہیں جن پر اُسکی شکل کا ٹھپا ہے، اور شہر ایتھنز میں اُسکی بنیادیں اور بیٹھک کا نچلا حصہ برآمد ہوا ہے۔

جرمن ماہرین آثار عتیقہ کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ ”زفس“ کا بت خانہ مستطیل تھا۔ اُسکے دونوں کناروں پر چھ چھ ستون اور دونوں پہلوؤں پر ۱۳ - ستون تھے۔ اندر کا ایوان ۹۵ فٹ لائبا اور ۴۳ فٹ چوڑا تھا، اور ستونوں کی دو قطاریں کھڑی کر کے تین حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ ”زفس“ کا بت درمیانی حصہ میں ایک کنارے پر نصب تھا۔ بت اصل میں چوبی تھا مگر اُس پر ہاتھی دانت اور سونا جڑا ہوا تھا۔ ہاتھی دانت جسم کو ظاہر کرتا تھا اور سونا لباس کو۔

قدیم مورخ ہوسینیا کی تصریح کے مطابق بت ایک تخت پر بیٹھا تھا۔ اُسکے سر پر زیترن کی پتے والی شاخ کا تاج تھا۔ دھنے ہاتھ میں فتم کا نشان تھا جو ہاتھی دانت اور سونے سے بنی ہوئی عورت کی شکل میں تھا۔ بائیں ہاتھ میں عصا تھا، جس پر مختلف قیمتی معدنیات کی پچھے کاری تھی۔ عصا پر جھکا ہوا ایک گدہ تھا۔ بت کا جوتا اور تمام لباس سونے کا تھا۔ تخت سونے، آبدوس، ہاتھی دانت، اور جواہرات سے بنایا گیا تھا اور اُس پر بکثرت دلفریب تصویریں منقش تھیں!

ایک رومانی شہنشاہ ہارڈین کے ایک سکے میں اس بت کی تصویر پائی گئی ہے اور اُس سے مورخ موصوف کے قول کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عصا پر بیان کردہ گدہ موجود نہیں ہے۔

بت کی تعمیر کے سلسلہ میں یہ بات مشہور ہے کہ جب اُسکا سر بنانے کا وقت آیا تو لوگوں نے فیداس سے پوچھا ”سر کی وضع کیسی رکھو گے؟“ اُس نے فوراً جواب دیا ”میں ہومر کے اس قول کی پیروی کرونگا: ابن قرونس گویا ہوا۔ اپنی سیاہ ابروؤں والا سر عجیب سے ہالیا۔ بالوں کے گچے اُسکے لازوال سر پر هل رہے تھے!“

بت کی تصویر ایک آرسکے پر بھی ملی ہے۔ اسمیں سر کے بال لائے ہیں، اور گردن پر پتے ہیں۔ داڑھی بھی گھنی اور لمبی ہے اور اُس پر دونوں طرف سے مرنچھیں پھیلی ہوئی ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ایتھیز میں اس بت کی تعمیر سنہ ۴۵۰ ق م میں ہوئی تھی۔

(عرب مورخین)

ہم آئندہ نمبر میں بقیہ عجائب کا ذکر کر کے بتلائینگے کہ عرب مورخین کی تصریحات کیا ہیں؟

اس منارہ کی تعمیر سے غرض یہ تھی کہ جہازوں کو کھڑیوں اور چٹانوں سے ہوشیار کیا جائے اور بندرگاہ کا سیدھا راستہ دکھا دیا جائے۔ اس وقت مختلف مقامات میں کئی ”آرز منارہ بھی موجود ہیں۔ مثلاً ”منارہ اوستیا“ لیکن ان مناروں سے بعض خطرے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اُنکی روشنی دور سے ستارہ کی طرح معلوم ہوتی ہے اور جہازوں کو راستہ بھلا دیتی ہے۔“

مورخ نے منارہ کا خرچ ۸۰۰ وزن بتایا ہے۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ تقریباً ۱۵ - لاکھ روپے صرف ہوئے تھے۔ منارہ کی عظمت کے مقابلہ میں یہ رقم بہت کم معلوم ہوتی ہے۔

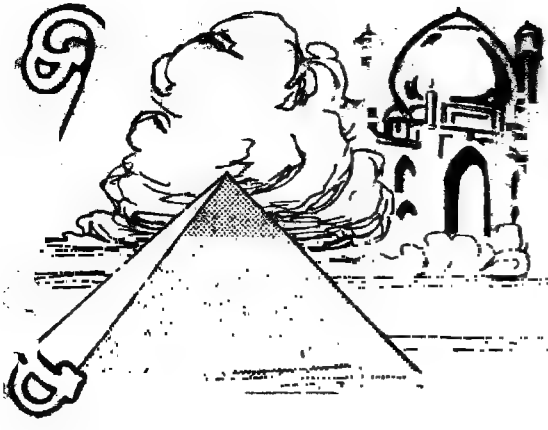
منارہ کا بنانے والا سوسٹرائٹس سکندر اعظم کے مشہور معمار ڈیمکرائٹس کا بیٹا تھا۔ اسنے اپنا نام منارہ پر ان لفظوں میں کندہ کیا تھا: ”کنڈرس کے باشندے سوسٹرائٹس ولد ڈیمکرائٹس کی طرف سے نجات دینے والے دیوتاؤں کو ہدیہ، تاکہ وہ سمندر میں سفر کرنے والوں کو نجات بخشیں۔“

جن سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے تیرھویں صدی عیسوی میں یہ منارہ دیکھا تھا، اُنکا بیان ہے کہ یہ ۶۰۰ فٹ یعنی سو قد آدم بلند تھا۔ عمارت کی وضع بابلی تھی۔ کئی منزلیں اوپر نیچے تھیں۔ ہر منزل اپنے نیچے گئی منزل سے چوٹی اور اوپر کی منزل سے بڑی تھی۔ زبوں دو منزلیں مربع تھیں اور اوپر کی دو مستدیر تھیں۔ ہر منزل میں ایک بڑا روشن دان تھا۔ بنیادیں سنگلاخ تھیں اور چونے کی جگہ سیسہ کی جزائی کی گئی تھی تاکہ سمندر کی موجیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی۔ چوٹی پر ایک بہت بڑا تدر تھا۔ اس میں شب روز آگ جلا کرتی تھی۔ رات کو اُس سے روشنی حاصل ہوتی اور دن کو دھواں نکلتا رہتا۔

کہا جاتا ہے کہ منارہ کے اندر تین سو کمرے تھے اور انمیں فوجی پہرا رہتا تھا۔

بعض قدیم راویوں نے بیان کیا ہے کہ مینار کی زمین پر شیشہ جڑا تھا اور چوٹی پر ایک عظیم الشان آئینہ لگا تھا جسے حرکت دے سکتے تھے اور اُسکے ذریعہ آفتاب کی شعاعیں جمع کر کے سو میل کی مسافت پر جہاز جلا دیے جاتے تھے۔ لیکن یہ محض بے بنیاد باتیں ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ معمار نے کوئی معدنی آئینہ اس غرض سے لگا دیا ہو کہ روشنی میں اضافہ ہو جائے۔

فتم مصر کے بعد عربوں نے ایک مدت تک اس منارہ کی حفاظت کی اور اُس سے کام لیتے رہے۔ لیکن ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے ایک مکار آدمی دمشق بھیجا اور اُس نے یہ کہہ کر خلیفہ کو دھوکا دیا کہ اس منارہ کے نیچے بہت بڑا خزانہ مدفون ہے۔ خلیفہ نے لالچ میں آکر کھودنے کا حکم دیدیا۔ لیکن ابھی صرف آدھی عمارت منہدم ہوئی تھی کہ ولید متنبہ ہو گیا اور اُس نے خیال کیا ایسی قیمتی اور مفید عمارت کا دھانا سخت غلطی ہے۔ اس نے انہدام کے رکنے کا حکم دیا اور از سر نو تعمیر کی کوشش کی۔ لیکن اب اگلی سی تعمیر دشوار تھی۔ کئی باکمال معماروں نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اُسکی چوٹی کا آئینہ زمین پر گر گیا اور پاش پاش ہو گیا۔ اسکے بعد نصف عمارت باقی رہ گئی تھی۔ باشندوں نے اسے مسجد بنا لیا تھا۔ لیکن سنہ ۱۳۷۵ ع میں زلزلہ آیا اور پورا منارہ سمندر میں جا گرا۔ کہا جاتا ہے کہ قلعة قائد بک کے قریب اب تک سمندر کی تہ میں منارہ کے پتھر چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔



# ثر عتیقہ



## سات عجائب عالم

(۳)

### اسکندریہ کا منارہ

( THE PHAROS OF ALEXANDRIA )

سکندر اعظم نے مصر فتح کرنے کے بعد ہی شہر اسکندریہ آباد کیا تھا۔ پچاس سال کے اندر اس شہر نے یورپی ترقی حاصل کر لی، اور بحر متوسط کی سب سے بڑی بندرگاہ بن گیا۔ سکندر کے بعد اُسکے جانشین مصر میں علم درست تھے۔ انہوں نے اسکندریہ کو آرزوئی دی اور علم و حکمت کا مرکز بنادیا۔ سنہ ۲۸۵ ق م میں بطلموس اول حاکم ہوا۔ اُس نے شہر کی رز افزوں تجارتی ترقی دیکھ کر خیال کیا کہ رات کے وقت جہاز رانی کی سہولت کیلئے ایک منارہ تعمیر کر دینا چاہیے۔ چنانچہ اسکندریہ کے قریب جزیرہ فیروس میں یہ منارہ طیار کیا گیا اور فیروس کے نام سے مشہور ہو گیا۔

مورخین میں اختلاف ہے کہ اصل میں یہ نام جزیرہ کا تھا یا منارہ کا؟ بہر حال یہ واقعہ ہے کہ اُسکے بعد جہاز رانی کیلئے روشنی کے جتنے بھی منارہ تعمیر ہوئے، انہیں سے اکثر ”فیروس“ ہی کے نام سے پکارے گئے۔ بلکہ لاطینی، اطالی، اسپینی، اور قدیم انگریزی زبان میں تو اس لفظ کے معنی ہی منارہ روشنی کے ہوئے۔ فرانسیسی میں اب تک اس معنی میں ”فار“ کا لفظ مستعمل ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ مصری، روشنی کے مناروں سے واقف تھے، اور بہت سے منارہ بنا چکے تھے۔ مگر بطلموس کا یہ منارہ اپنی بلندی اور ساخت کی وجہ سے بہت ممتاز اور مشہور ہو گیا۔

مشہور رومانی مورخ پلینی نے (جو سنہ ۷۹ ع میں آتش فشاں پہاڑ فیزوف کے پھٹنے سے ہلاک ہوا) اسکندریہ کا شہر اور یہ منارہ دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے:

”اسکندریہ کی ایک شہرہ آفاق عمارت، وہ برج ہے جسے شاہ مصر نے جزیرہ فیروز میں تعمیر کیا ہے۔ یہ جزیرہ، اسکندریہ کے راستہ میں واقع ہے۔ برج کی تعمیر میں ۸۰۰ رزن خرچ ہوئے تھے۔ بطلموس کی عظمت اور فراخ دلی کی یہ شہادت کافی ہے کہ اُس نے برج کے معمار سوسٹرائس کو اجازت دیدی تھی کہ اس حیرت انگیز عمارت میں اپنا نام کندہ کرے بقاء درام حاصل کر لے!

پیدا ہو گئی۔ خیال ہوا کہ پورے شرح و تفصیل کے ساتھ مشرق جدید کے اس قائد فکر کے سوانح حیات پر نظر ڈالنی چاہیے۔ متفرق لفظوں اور متعدد تصویروں کا یہ مرقع جو آج شائع ہو رہا ہے، اسی سلسلہ مضامین کی تمہیدی قسط ہے۔

تعلیم حاصل کی ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ فرانسیسی زبان میں بہتر سے بہتر تحریر و تقریر کر سکتا تھا۔ ترکی، روسی، اور انگریزی بھی اسی طرح اُس نے سیکھ لی تھی۔

مشہور ہے کہ جب پیرس میں روسی سفیر نے اُس سے ملنا چاہا، تو اُس نے ملاقات کی تاریخ ایسی مقرر کرائی جو دو ہفتہ بعد آنے والی تھی۔ اُس کے بعد وہ ایک کتب فروش کے یہاں گیا اور اُس سے کہا ”مجھے فرانسیسی میں روسی زبان سکھانے والی کتاب چاہیے۔ میں خرید لوں گا۔ بشرطیکہ تم اس کا بھی انتظام کردو کہ آج سے ایک ہفتہ بعد کوئی روسی زبان بولنے والا آدمی مجھ سے ملاقات کرے“ کتب فروش نے کتاب بھی دی، اور ایک ایسے شخص کا انتظام بھی کر دیا جو اُسی کے یہاں ملازم تھا۔ جمال الدین نے ایک ہفتہ تک بطور خود کتاب دیکھی، پھر آٹھویں دن سے چودھویں دن تک روز ایک گھنٹہ روسی سے باتیں کرتا رہا۔ اور پندرہویں دن وہ طیار ہو گیا تھا کہ روسی سفیر سے بغیر کسی مترجم کی وساطت کے ملاقات کرے!

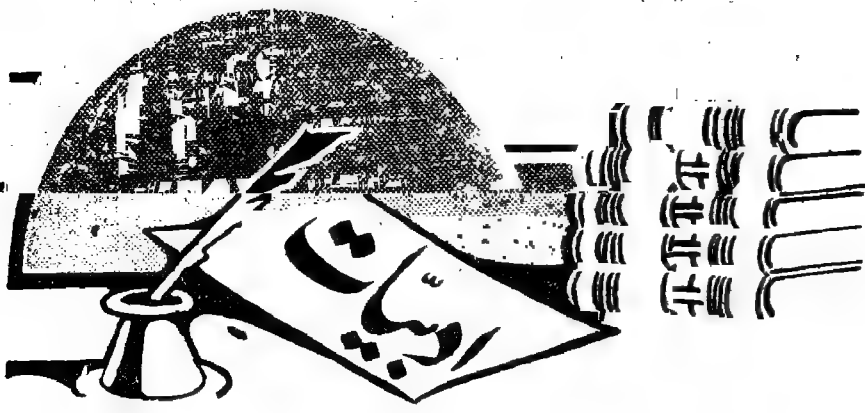
(سید کے سوانح حیات)

اگر سید جمال الدین کی زندگی میں لوگ اُس کے حالات سے واقف نہ ہو سکے تو یہ چنداں عجیب بات نہیں ہے۔ دنیا نے ہمیشہ اپنے اکابر و اعظم سے اُن کی زندگی میں غفلت برتی ہے، اور جب تک وہ دنیا سے رخصت نہیں ہو گئے ہیں، اُن کے حقوق کا اعتراف نہیں کیا ہے۔ خصوصاً مصلحین و مجددین اُمم کے لیے تو زندگی میں تغافل اور موت کے بعد تعظیم و احترام، اس دنیا کا ایک عام اور غیر متغیر قانون ہے۔ لیکن یہ صورت حال کس درجہ عجیب اور تاسف انگیز ہے کہ اُس کی وفات پر پورے تیس برس گزر چکے ہیں، اور وہ تمام مشرقی ممالک بیدار ہو چکے ہیں جہاں اُس نے اصلاح و انقلاب کی ابتدائی تخم ریزی کی تھی، تاہم اُس کی زندگی بدستور تاریخ کی روشنی سے معروض ہے، اور اُس سے زیادہ مشرق کچھ نہیں جانتا، جتنا یورپ کے بعض محب شرق اہل قلم نے بتلا دیا ہے!

افسوس اس جہل و غفلت پر! ہم صرف اپنے قدماء کی شناخت ہی کے لیے یورپ کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے عہد کے اہل فضل و کمال کیلئے بھی اس کے محتاج ہیں۔ جب تک وہ انگلی سے اشارہ کر کے نہ بتلا دے، ہم خود اپنی قوم اور عہد کے بڑے بڑے انسانوں کو بھی نہیں پہچان سکتے!

ہندوستان میں تو الہلال کی اشاعت سے پہلے غالباً لوگ سید جمال الدین کے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔ سنہ ۱۸۷۹ ع میں جب وہ حیدرآباد اور کلکتہ، میں مقیم تھا، تو ہندوستانی مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص یعنی مرحوم عبدالغفور شہباز تھا، جسے اس کے فضل و کمال کی تہذیبی سی شناخت نصیب ہوئی تھی، اور اُس کے چند فارسی مقالات کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا!

حال میں نزلن سے ایک رسالہ سید جمال الدین کے اعمال حیات پر شائع ہوا ہے۔ اُسکے مطالعہ سے خیالات میں بے اختیار جنبش



## قدیم یونانی ادب کا ایک نمونہ

(بلیٹس کا گیت)

(فرانسیسی ترجمے سے اردو میں منتقل کیا گیا)

(میری سہیلی کی شادی)

راستے میں اینک گلاب کے پھول بکھرے پڑے ہیں - شمعین  
بھی تمٹما رہی ہیں ... ..

یہ میری سہیلی "ملیسا" کی شادی کی رات کا واقعہ ہے -  
میں اپنی ماں کے ساتھ گھر لوٹی - اس وقت میرے سر میں  
خیالات کا ہجوم تھا :

"آج میری سہیلی کو جربات نصیب ہوئی ہے ، کل مجھے  
بھی نصیب ہوگئی" میں خیال کرنے لگی "میں بھی ایسے ہی  
شانداز جلوس میں نکلوں گی - میری رتھ بھی پھولوں سے لدی  
ہوگئی ، زیتون کی شاخیں اسپر سایہ کیے ہوگئی ، بانسریاں بچتی  
ہوگئی ، اور میری سہیلیوں کی میٹھی آوازیں سربلی بانسریوں میں  
مل جائیگی - میں بھی ایک دن اپنے برے پہلو میں "ملیسا"  
کی طرح نگاہیں نیچی کیے بیٹھوگئی - مجھے یہ عجیب راز کھل  
جائینگے جو یہ مرقعہ اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے ... اس کے  
بعد ؟ ..... یہ کہ میں اپنے بچوں کو اپنی دزدہ بھری چھاتیوں سے  
لگاؤں گی -

(راز)

... دوسرے دن میں اپنی سہیلی سے ملنے گئی - آنکھیں ملنے  
ہی دونوں کے رخسار سرخ ہوگئے - وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئی  
اب ہم بالکل اکیلے تھے - مجھے اس سے بہت سی باتیں کہنی تھیں -  
مگر اُسکی صورت دیکھتے ہی کچھ یاد نہ رہا !

میری سہیلی جیسی ہمیشہ سے تھی ، ویسی ہی اب بھی  
ہے - کوئی فرق اس میں نظر نہیں آیا - لیکن یہ عجیب بات ہے  
کہ میں اُس سے کچھ مرعوب سی تھی - میں اُس سے آنکھ نہیں  
ملا سکتی تھی -

اچانک میرا در درر ہوگیا - میں اُسکے زانو پر بیٹھ گئی - اُسکے کان  
میں سب باتیں کہیں - اُس نے بھی اپنا سر میرے سر پر رکھ دیا  
اور پورا راز کہہ ڈالا !

(بانسری)

"لیکاسی" نے خوبصورت بانسری مجھے ہدیہ دی - وہ مجھے  
بانسری بجانا سکھانے لگا .....

خوار بچہ چھوڑ گیا - جب بچہ جوان ہوا اور اپنی ماں سے اپنے باپ کا  
حال سنا تو سخت غضب ناک ہوا اور تمہارے ملک پو تروت پڑا -  
اُس نے بے حساب مخارق قتل کی - مجب غصہ تھنڈا ہوا تو اُس  
نے مغلوں کو اس رضع کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جو آج کل  
تمہاری رضع ہے ! "راوی کا اس قصہ سے مقصود یہ تھا کہ ہماری رضع  
ذلت کی رضع ہے ، اور اُنہی کے ایک بادشاہ نے ہمیں اُس کے اختیار  
کرنے پر مجبور کیا ہے ! میں نے یہ افسانہ سن کر اُن کے بادشاہ کا  
شکر یہ ادا کیا کہ معاملہ اتنے ہی پر ختم ہوگیا اور اُس "فاتح" نے  
ہمیں ہندو بننے اور ہندو رسم و رواج اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا !

(۴) مسلمانوں کا حملہ - "مذافرت کی بڑی وجہ" ہندوستان  
پر مسلمانوں کا حملہ ہے - یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی کی  
جنگوں نے اُنہیں بہت ہی سخت نقصان پہنچایا - اُن کی آبادیاں  
برباد ہوگئیں - اُنہیں منتشر و پراگندہ کر دیا گیا - اُن کی صرف  
سلطنت ہی نہیں گئی ، بلکہ مفتوحہ علاقوں سے اُن کے علوم و فنون  
بھی مت گئے ، اور ایسے دور دراز خطوں میں جلا وطن ہوگئے ، جہاں  
تک رسائی مشکل ہے - مثلاً کشمیر اور باناسی (بنارس) وغیرہ -  
(بنارس کو دور اس لیے کہا ہے کہ یہ پنجاب اور وسط ہند سے دور ،  
مشرق کی طرف ہٹا ہوا ہے )

یہی دینی اور سیاسی اسباب ہیں جن کی بنا پر ہندوؤں میں  
مسلمانوں اور تمام اجنبیوں سے سخت نفرت و عداوت پیدا ہوگئی ہے -

(۵) پھر اُنکے اخلاق میں ایک آرز بات بھی راسخ ہوگئی ہے  
اور کسی طرح نکل نہیں سکتی - یہ اُن کے انتہائی علمی و ذہنی  
تنزل کا نتیجہ ہے - وہ یقین کرتے ہیں کہ دنیا صرف اُنہی کی دنیا  
ہے - انسان صرف اُنہی کی سرزمین پر موجود ہیں - بادشاہ صرف  
اُنہی کے بادشاہ ہیں - دین صرف اُنہی کا دین ہے - اور عام صرف  
اُنہی کا علم ہے - یہی وجہ ہے کہ نہایت مغرور اور بر خود غلط ہوگئے  
ہیں - اگر اُسے علماء عرب و عجم کا ذکر کیا جاتا ہے تو مخاطب کو جاہل  
خیال کرتے اور اُسکی تصدیق پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتے ہیں - حالانکہ  
اگر وہ سیر و سیاحت کے عادی ہوتے اور اپنے پہاڑی حدود طے کر کے  
غیر قوموں سے ملتے ، تو یہ جاہلانہ و طفلانہ خیال اُنمیں پیدا نہ ہوتا -

لیکن یاد رہے کہ اُن کے پیش روؤں کا یہ حال نہ تھا - اُنکا مشہور  
فاضل "براہمہ" برہمنوں کی تعظیم کے بیان میں کہتا ہے "جب  
یونانیوں نے باوجود ناپاک ہونے کے علوم و فنون میں کمال حاصل  
کیا اور سب پر باڑی لے گئے ، تو اُنکی بھی تعظیم واجب ہوگئی -  
اُن کا درجہ بھی برہمن کا درجہ ہوگیا !"

خود میری حالت یہ ہوئی کہ مدت تک اُنکے منجموں کے سامنے  
زانوے شاگردی تہ کرتا رہا - کیونکہ میں اُنکی زبان اور اُنکے طریقوں  
سے بے خبر تھا - لیکن جب کچھ اُن کی زبان میں دخل پیدا ہوگیا  
تو میں اُنہیں اپنے یہاں کے علوم کی بنا پر اشیاء کی علتوں اور حساب  
و ریاضی کے براہین سمجھانے لگا - اسپر وہ سخت متعجب ہوئے  
اور استفادہ میں باہم پیش قدمی کرنے لگے - بڑی حیرت سے  
پرچھتے تھے : "ہندوستان کے کن کن علماء کو تم نے دیکھا ہے ؟  
کن کن سے فائدہ اٹھایا ہے ؟" کیونکہ اُنکے خیال میں علم ، ہندوستان  
کے سوا کہیں ہے ہی نہیں - جب میں نے اُن سے کہا کہ میں  
پہلی مرتبہ اُن سے ملا ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں ، یہ دنیا کے  
دوسرے حصوں کے علوم ہیں ، تو وہ آرزو زیادہ متعجب ہوئے ، اور  
بعضوں نے تو مجھے جادوگر سمجھنا شروع کر دیا ۔



بجز خاص ذہانت و قابلیت رکھنے والوں کے، عام لوگوں کے لیے تقریباً نا ممکن ہے۔ ہندو اپنی زبان کی اس پیچیدگی پر اُسی طرح ناز کرتے ہیں جس طرح بعض دوسری قومیں کرتی ہیں، حالانکہ یہ درحقیقت زبان کا عیب ہے - نہ کہ خوبی -

ہندوستان کی زبان کی دو قسمیں ہیں: عامی اور فصیح - عامی، عوام اور بازاریوں کے استعمال کے لیے ہے - فصیح، علم و ادب اور مجالس سلاطین و حکماء کے لیے - یہ اپنے اشتقاق، تصریف، نحو کے دقائق، اور بلاغت کی باریکیوں کی وجہ سے اس قدر مغلق ہے کہ ماهر علماء کے سوا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا -

پہرہ زبان ایسے حروف سے مرکب ہے جنہیں سے بعض حروف عربی اور فارسی حروف سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے - بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہماری زبانیں اور خلق انکے صحیح تلفظ کی قدرت ہی نہیں رکھتے - یہی باعث ہے کہ عربی خط میں انکی تحریر نا ممکن ہے، اگرچہ نقطوں، علامتوں، اور اعراب سے انہیں کتنا ہی مقید کر دیا جائے -

پھر بعض حروف مستعمل ہیں، بعض مترک - ساتھ ہی نقل و صحت کا بھی اُن کے ہاں زیادہ اہتمام نہیں ہے - نتیجہ یہ ہے کہ کتاب ایک دو نقلوں کے بعد برباد ہو جاتی ہے، اور اُس کی زبان ایک نئی زبان بن جاتی ہے - عوام کیا خواص بھی اُسے سمجھ نہیں سکتے - خود میرا تجربہ ہے کہ میں نے اُنہی کے منہ سے کوئی لفظ سنا، پھر مزید تاکید و تصحیح کے خیال سے اُن کے سامنے دھرایا، تو میں نے دیکھا، خود اُن کے لیے اُس کا دوبارہ سمجھنا دشوار ہو گیا تھا!

ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بعض دوسری عجمی زبانوں کی طرح ان کی زبان میں بھی دو تین ساکن حرف ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں، اور اکثر الفاظ میں ابتدا بہ سکون ہے - ہماری زبانیں اس قسم کے الفاظ بولنے کی عادی نہیں - یہی سبب ہے کہ ان کے اکثر الفاظ ہم آسانی سے بول نہیں سکتے -

(۲) دینی اختلاف - باشندگان ہند ہم سے دین میں بھی کلی اختلاف رکھتے ہیں - نہ اُن کا کوئی عقیدہ ہمارے لیے قابل تسلیم ہے، نہ ہمارا کوئی عقیدہ اُن کے لیے قابل قبول - وہ آپس میں بھی مذہبی اختلافات رکھتے ہیں - مگر یہ اختلافات فرعی ہیں - دوسری قوموں سے اُن کا اختلاف اصولی ہے - وہ سب قوموں کو ”ملیج“ (ملچہ) یعنی ناپاک کے لقب سے پکارتے ہیں اور اُن سے ملنا جلنا ناجائز سمجھتے ہیں - حتیٰ کہ اُس پانی اور آگ کو بھی نا پاک سمجھتے ہیں جو کسی غیر باشندہ ہند کے استعمال میں آگئی ہو!

پھر اُن کے خیال میں یہ نجاست اس درجہ شدید ہے کہ پاکی کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں - یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ غیر ہند، اگرچہ ہندو مذہب کا کتنا ہی قائل ہو جائے، اُن میں داخل ہو سکے، یا جو آدمی اُن کے دین سے ایک مرتبہ نکل گیا ہے، وہ پھر اُس میں لوٹ سکے - اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ وہ تمام دنیا سے بالکل الگ ہو گئے ہیں - کوئی بندھن بھی نہیں اور انہیں جوڑنے والا موجود نہیں -

(۳) رسم و عادات - یہ مغایرت اس درجہ شدید ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ہم سے، ہمارے لباس سے، ہماری وضع قطع سے آوارا کرتے ہیں - حتیٰ کہ ہمیں شیطن کی طرف منسوب کرتے ہیں - ہم سے نفرت اُن کے دلوں میں اس قدر راسخ ہے کہ خود میں نے اپنے کانوں سے انہیں کہتے سنا ”تمہاری سرزمین کے ایک بادشاہ نے آکر ہمارا ایک بادشاہ مار ڈالا تھا - مقتول اپنے پیچھے ایک شیر



## ہندوستان اور حکیم ابو ریحان بیرونی

دوسرے پلے ہندوستان کی ذہنی اور معاشرتی حالت

ایک عرب محقق و سیاح کے مشاہدات و تاثرات

مستشرقین یورپ کی کوششوں سے ابو الریحان محمد بن احمد البیرونی کی شہرہ آفاق کتاب ”کتاب الہند“ یا ”تحقیق ما للہند من مقولۃ مقبولۃ فی العقل از مردولۃ“ سنہ ۱۸۸۷ میں شائع ہو چکی ہے - بیرونی پانچویں صدی ہجری کا مشہور حکیم اور محقق ہے - گیارہویں صدی مسیحی کے اوائل یعنی اب سے نو سو برس پہلے اس نے ہندوستان کی سیاحت کی تھی - یہ زمانہ سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کا تھا - محمد بن القاسم کی فتح سندھ کے بعد یہ پہلا مرقعہ تھا کہ مسلمان بہ حیثیت جماعت اندرون ہند میں پڑے - مسلمان، یہاں کے باشندوں سے نا واقف تھے، اور ہندو، مسلمانوں سے نا آشنا - بیرونی، ہندوستان میں بطور سیاح کے داخل ہوا - سنسکرت زبان حاصل کی - ہندو علماء کی صحبت میں بیٹھا - ہندو علوم کی تحصیل کی - انکے حالات سے واقف ہوا - اور پھر غزنی میں بیٹھ کر اپنی یہ جلیل القدر کتاب مرتب کی - اس کتاب کے متعلق بالاتفاق تمام محققین حال کا فیصلہ ہے کہ اُس عہد کے ہندوستان پر اس سے بہتر اور محققانہ بیان کسی مصنف کا موجود نہیں - یہ کتاب ہمارے سامنے نو صدی پہلے کا ہندوستان پیش کرتی ہے - اس میں زیادہ تر بحث ہندو فلسفہ، الہیات، نجوم، ریاضی وغیرہ علوم سے کی ہے - لیکن ضمناً اُس وقت کی معاشرتی حالت پر بھی بہت کچھ روشنی پڑتی ہے - ذیل میں ہم اُسکے جستہ جستہ اقتباسات پیش کرتے ہیں - ان سے قارئین الہلال اندازہ کر سکیں گے کہ قدیم ہندوستان کی معاشرتی ذہنیت کا کیا حال تھا، اور اس طویل مدت میں کتنا کم تغیر اُس میں واقع ہوا ہے؟ غالباً کسی ملک کے ذہنی اور معاشرتی جمود و تصلب کی اس سے بہتر مثال دنیا میں موجود نہیں -

( ہندوستان کے سمجھنے میں دشواریاں )

بیرونی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں وہ دشواریاں بیان کی ہیں جو غیر قوموں کو ہندوستان کے سمجھنے میں پیش آتی تھیں - وہ لکھتا ہے :

”ہندوستانی ہم سے اُن تمام باتوں میں مختلف ہیں جو قوموں میں اشتراک یا تعارف کا ذریعہ ہوا کرتی ہیں - مثلاً :

(۱) زبان - اگرچہ سب قوموں کی زبانیں الگ الگ اور مختلف ہیں لیکن ہندوستان کی زبان (سنسکرت) عربی کی طرح بہت ہی وسیع و دقیق ہے - اجنبی کے لیے اُسکی تحصیل، عربی سے بدرجہا زیادہ دشوار ہے - اس زبان میں ایک ہی چیز کے بہت سے نام اور ایک ہی لفظ کے بہت سے معنی پیدا ہوتے ہیں - انکا اعطاء و ادراک اس قدر مشکل ہے کہ اسماء و مسمیات کی تمیز

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے  
جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ پر رکھے گئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے  
یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسائل  
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی ادب سے نئے سے تازہ  
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے خیال سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی تفصیل ہفت شائع ہوا کرتی ہے

## اقتباسات

— ❦ —

تزازکی اور بد مستی

کون ہے جس نے مشہور روسی رہنما اور لینن کے بعد سب سے زیادہ حیرت انگیز روسی انسان "تزازکی" کا نام نہیں سنا؟ یہ شخص جس نے اپنی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا لوہا دشمن تک سے منوا لیا ہے، انقلاب روس سے پہلے امریکہ میں ایک معمولی درجہ کا بے وقعت اخبار نویس تھا اور شہر بوسٹن میں غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسی زمانہ کا یہ واقعہ اب اخباروں میں شائع ہوا ہے کہ ایک دن تزازکی کو شہر کے کونوال نے اس جرم میں گرفتار کر لیا کہ وہ سڑکوں پر بد مست پھر رہا تھا۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹہ قید میں رکھا گیا۔

اس وقت کونوال کو کیا معلوم تھا کہ اُسکا یہی قیدی عنقریب دنیا کے مشہور انسانوں میں شمار کیا جائیگا؟ (السیاسہ)

(ہنسی)

مشہور فرانسیسی مصنف زیلے کہتا ہے:

"ہنسی انسان کا ایک امتیازی وصف ہے"

یہ قول بالکل صحیح ہے۔ بہت سے قدیم فلاسفہ بھی یہی کہہ چکے ہیں۔ ہنسی اور مسکراہٹ، دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہنسی کی بھئی کئی قسمیں ہیں: گونجنے والی ہنسی، خشک ہنسی، کھوکھلی ہنسی...

ہنسی کا خاصہ انسان میں بے فائدہ نہیں ہے۔ ہنسی میں بہت سے جسمانی فوائد ہیں۔ دل کھولکر ہنسنے کے بعد انسان کو سانس لینے میں بہت آرام محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ جس طرح دوزخ کے بعد پھیدہ زنگی ہوا صاف ہوجاتی ہے، اسی طرح ہنسنے کے بعد اسکی حالت ہوتی ہے۔ پھر ہنسی کا اعضاء ہضم یعنی معدہ، رگڑ وغیرہ پر بھی بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ پیت بھر کے کھانے کے بعد ہنسی غیر معمولی سرعت سے کھانا ہضم ہونے میں مدد دیتی ہے۔ اسی لئے دسترخوان پر ہنسنے ہنسانے والی باتیں کرنا مستحسن ہے اور اسی لیے تنہا بیٹھ کر کھانا ناپسند کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان ضعف معدہ یا دائمی قبض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لقمہ منہ میں لیکر ہنسنے نہیں چاہیے، روزانہ آلات تنفس میں لقمہ کے اجزاء اٹک جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے تو بیٹھ پورزر سے گھونسا نہیں مارنا چاہیے، کیونکہ یہ سخت خطرناک ہے۔

ہنسی پورے نظام عصبی کے لیے مفید ہے۔ جب انسان ہر خوشی کے موقع پر ہنسنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اُسے ہر مرتبہ ہنسنے میں خوشی حاصل ہونے لگتی ہے۔ البتہ بلا وجہ ہنسنے حماقت ہے۔

لیکن آخر ہم ہنسنے کیوں ہیں؟ جو باتیں ایک شخص کو ہنساتی ہیں، بسا اوقات دوسرے کو نہیں ہنساتیں۔ اس کا جواب مشکل ہے!

(سنڈے ریویو)



میرے دل میں اُس وقت کوئی عجیب اور نا معلوم اثر پیدا ہو رہا تھا۔ لیکاسی نے بانسری میرے ہاتھ سے نرمی کے ساتھ لے لی اور بہت ہی دھیمی آواز میں ایک راگ سنایا۔ میرا دل وزر سے دھڑکنے لگا۔.....

ہمارے پاس کہنے کو کوئی بات نہ تھی۔ ہم باہری باہری بانسری بجا کر دل بہلاتے رہے۔

ہم بالکل بے خودی کے عالم میں تھے۔ اچانک مینڈک چلانے لگے۔ اب ہم چونکے۔ رات قریب آ پہنچی۔

مجھے بہت دیر ہو گئی ہے۔ لیکن میں اپنی ماں کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ میں اُس وقت تک اپنی کھوئی ہوئی پیدتی دھونڈ رہی تھی!

(جھونپڑا)

میرا چھوٹا سا جھونپڑا، جہاں ہمارا نرم بستر رکھا ہے، مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ وہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ ہم نے اسی میں اپنی سب سے اچھی رائیں بسر کی ہیں!

ہمارا بستر، درختوں کے پتوں اور پھولوں سے بنا ہے۔ وہ بھی مجھے بہت محبوب ہے، کیونکہ وہ ہم دنوں کو جمع کرتا ہے!

میں کبھی کبھی بہت غمگین ہو جاتی ہوں۔ لیکن جب محبت کے پہلو میں ہوتی ہوں، تو اپنے آپ کو بھی بھول جاتی ہوں۔ مجھے ایک طرح کی غشی سی طاری ہو جاتی ہے۔

(قسم)

"اُس نے کہا:

"جب دنیا کا پانی اُبل کر برف آلود پہاڑوں کی چوٹیاں چھپا دے"

"جب انسان، سمندر کی موجوں پر ڈھیر اور جو بوکر کاٹنے لگے"

"جب سورج کی روشنی، تاریکی ہرجائے"

"جب چاند گر کر چور چور ہو جائے"

"تو اُس وقت میرے لیے بھی رزا ہوگا کہ تجھ سے منہ موڑوں، اور تجھے بھی حق ہوگا کہ مجھے بالکل بھلا دے! اے بلیٹس! اے میری محبت!"

(رات)

جب رات آجاتی ہے اور اندھیرا پھیل جاتا ہے، تو میں خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل جاتی ہوں۔ ہرے بھرے میدانوں میں پہنچتی ہوں۔ میرا شہر وہاں بے خبر پڑا سوتا ہے۔

کبھی میں گھنٹوں کھڑی اُسے دیکھتی رہتی ہوں۔ بالکل چپ، سناتے میں..... میں اُسے اپنے قریب تنہا دیکھ کر خوش ہوتی ہوں۔ پھر میں اپنا منہ اُسکے منہ سے قریب کرتی ہوں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اُسکی سانس کے بوسے لوں!

اُس وقت سناروں کی چمکیلی آنکھوں کے سوا ہمیں کوئی نہیں دیکھتا!

صبح ہو جاتی ہے۔

"اُنی جلدی روشنی لرت آئی!" میں اپنے دل سے کہتی ہوں، "کس جگہ روشنی نہیں پہنچ سکتی؟ کس غار میں سورج کی شعاع کبھی دکھائی نہیں دیتی؟ مجھے اُسکی تلاش ہے۔ تاکہ ہمارا استعراق محبت کبھی ختم نہ ہو... ہمیشہ کیلئے! سورج کی کرنیں ہمیں پریشان کرنے نہ پائیں۔"





صرف ہمدرد دواخانہ لیگا

موم گرا کا نیا تحفہ

یاد رکھئے

شریت روح فرستہ ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہم بھٹی ہو کر لا تقویٰ نہ رہیں ہر دفعہ دھرتی مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر تک شریعت حاصل کر چکا ہو اور جس کو چشم بد (سولیس) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کر لیا گیا ہے۔  
محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل وہیم شتا قانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدس دانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستانی جو وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔  
اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شریعت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موم گرا میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شریعت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوکلہات مثل انگور، سیب، رنگرہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہو جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرج قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ احتلاج قلب، دروسر دوران سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو نفع کرتا ہے۔ سودا دی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔  
معمولی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و دھیریب اور پینک کی صفائی دیدہ زیب ہو اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرا دہم ثواب کے مصداق پاک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مد نظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بول دیکھ کر اس کا استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُسیدار بنو نہ ہو اور جس کی ہر چیز ویسی ہو۔ خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس کو کم رکھی ہو کہ ہر حیثیت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (چھ روپیہ) حکیموں اور عطاردوں کے علاوہ، تاجران شریعت کو بشرطیکہ وہ ایک مہینہ یا اس سے زیادہ خریدیں، دو آنے (۲ روپیہ) روپیہ لین دیا جائے گا۔

**نوٹ:** اس شریعت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز خاندانہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شریعت کا نام بدلنا یا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شریعت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنالیل اور اسپرلفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شریعت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی سے ہی مل سکتا ہے۔

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

پتہ - ہمدرد دواخانہ دہلی

اگر آپ کو

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

دہلی  
(ضیق انھس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگامہ گائیڈ کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کرے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسی مکمل گائیڈ صرف ڈنلاپ گائیڈ لوگریٹ برٹن

HIMROD

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے بیوروں میں

مک ہسٹال سے مل سکتی ہے

سرہیت و اجلال سے خم ہو جاتے تھے۔ لیکن آج دنیائے ناموں پر ہنستی ہو۔ اگر یہ صحیح ہے کہ تاریخ اپنا اعادہ کرتی رہتی ہو تو میں یقین کرنا چاہئے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب ”یہووا“ و عبرانی میں خدا کا نام بھی اسی تمام عظمت کھوکھوکھ کن جگے لگا ہوا۔

یہ تحریک صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی علم برداری ہو رہی ہے۔ متعدد الحادی انجمنوں کی صدر، عورتیں ہیں چنانچہ مغربیوں کی انجمن کی صدر مس کرستین واکر ہے۔ اس کی عمر ۱۸ برس کی ہے۔ تین سال پہلے بہت سخت مذہبی تہمتی، لیکن اب سرگرم چل رہی ہے۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں ایک سترہ برس کی دو شیرہ اس تحریک کی قائد ہے۔ اس کا نام کوئن برسٹوڈ ہے۔ اسی نام سے وہ ایک رسالہ بھی نکالتی ہے۔ یہ رسالہ الحاد کی تبلیغ میں بہت پیش پیش ہے۔ اس کا تعلق درجہ شخص بھی خدایہ عقیدتین رکھتا ہے، مزدور ہے کہ اس کے عقلی قوانین خلل ہوا۔

آمریکہ کے سیاسی بدبر اس الحادی طوفان کو سخت خائف تھا  
 اعداس کی مقاومت کی تدبیریں پر غور کر رہے ہیں۔

## ترکی قالین

ترکی کے قانون بنیاد میں مشہور ہیں۔ پچھلے چند سال سے یونانی  
 ماحوروں نے یہ پروپیگنڈا جاری کر رکھا ہے کہ قانون بنانی کی صفت  
 ترکی کے یونانیوں کے ہاتھ میں تھی وہ جب جلا وطن کر دئے گئے ہیں  
 یہ صفت بھی ترکی سے یونان میں چلی گئی ہو۔ اس پروپیگنڈا نے بالآخر  
 ترکی حکومت کی توجہ اپنی طرف منطوف کی۔ چنانچہ آٹے اس بارے  
 میں ایک بیان شائع کیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ سمترائیں (جوہیں صنعت کار کرکڑی) جنگ سے پہلے ۲۹، ۸۰ کارخانے قایلین سازی کے تھے۔ ان میں ۲۰، ۵۲ ترک، ۱، ۷۵ اور ۳، ۷۰ یونانی ادارہ سازی کارگر کام کرتے تھے۔ یعنی اس وقت بھی ترک کارگریوں کی تعداد یونانیوں اور ارمینوں کی تعداد سے تقریباً یکساں تھی۔

ہوا کیا دہ باتی نہیں ہی جیسا کہ یونانی کہتے ہیں؟

نہیں کیونکہ اس سرکاری میان میں مذکور ہجرت کا وجود جنگ کی  
بربادیوں کے صنعت برابر ترقی کرتی رہی۔ سالہ میں ۳۰، ۱۱  
کارخانے تھے جن میں اس وقت ۲۰، ۱۹ ترک کار ریگ کام کر رہے ہیں  
جنگ سے پہلے ۶۸۰، ۹۰ ہاتھ مربع قالین ہر سال بنتے تھے لیکن  
۱۹۲۶ء میں ان کی مقدار ۴۲، ۸۴، ۱۱ ہاتھ مربع تک پہنچ گئی۔ اسی  
سے ترکی کی صنعتی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

خدا و عباس کے مقدمہ کا فیصلہ

مطلقانہ میں کسی شخص کو بھی شہ نہ تھا کہ خدیو عباس اپنے مقبرہ میں کامیاب ہونگے۔ لیکن افسوس ہو کہ عدالت کا فیصلہ انکے خلاف صادر ہوا: ”موجودہ عدالت کو اس دعوے پر غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہو“ ججوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہو۔ یعنی عدالت نے انگریزی وکیل کی منطبق تسلیم کر لی، اور اپنے آپ کو ایسے مقدمات کے فیصلہ کا مختار نہیں سمجھا۔ عدالت نے دعویٰ سے دعا علیہ کو ۵۰ روپے کا نوٹ منسلک مقدمہ بھی دلائے ہیں!

اس فیصلہ پر ٹشکی کے اخبارات سخت ہرجم ہیں اور اسے صریحاً غلط  
پر محمول کر رہے ہیں۔ اس فیصلہ نے ایک نئی تحریک پیدا کر دی ہے جو  
اخبارات و دوسرے لمبے ہیں کہ اس قسم کی غلطو عدالتیں آئندہ قطعی

انجمن الحاد حنبلیہ اصول کی تبلیغ کرتی ہو:

- ۱۔ عقل کے ہوا کوئی خدا نہیں۔
- ۲۔ آسمانی کتابوں میں جتنے قصے مذکور ہیں، محض بے بنیاد افسانے۔
- ۳۔ جنت، دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔

۴۔ دین، طبیعت سے ماورا اور موسیقی پرستش کا نام ہے، اور ایسے  
 اور کاکئی وجود نہیں۔ اس لئے اُسے مٹا دینا چاہئے۔

۵۔ کلیسا کا نظام، دنیا کے لئے خطرہ ہے۔  
حکومت سے اُس کے مطالبے حنبلی ہیں؛  
۱۔ تمام گرجوں پر بلا کسی امتیاز کے محصول مقرر کرنا چاہئے۔  
۲۔ سرکاری عہدوں پر اور مجلس خواص اور مجلس عوام میں جتنے  
مبھی یا داری ہیں، سب نکال دئے جائیں۔

- ۳۔ مذہبی انجمنوں کو کوئی مالی مدد نہ دی جائے۔
- ۴۔ تمام مدارس میں نئی تعلیم ممنوع قرار دی جائے۔
- ۵۔ ہر قسم کے دینی رسوم اور تہوار منسوخ کر دیے جائیں۔
- ۶۔ تورات و انجیل کی قسم ناجائز قرار دی جائے۔
- ۷۔ آتوار کو مذہبی دن تسلیم نہ کیا جائے۔

۸۔ وہ تمام دینی فرائض و شعائر منسوخ کر دئے جائیں، جنہیں یہی  
فضائل و حسنات خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی جگہ صحیح آداب و ادب و آزادی و  
مساوات کے اصول عام کئے جائیں۔

۹۔ امریکی کے پرے یہ عبارت محو کردی جائے۔ ”خدا پر میلہ تو کل ہو“  
 اجماع دلائل کے خاص نمائندے نے اپنی تحقیقات کے دوران  
 میں ان لوگوں سے ملاقاتیں کیں جو اس عوت کے رہنا ہیں۔ انہیں  
 الحاد کے ناظم سٹر جو ٹوڈ نے اپنی گفتگو میں کہا:  
 ”ہم جانتے ہیں کہ کالہجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں میں  
 ایک بہت بڑی جماعت ہو جو الحاد قبول کر چکی ہو مگر خوف سے اعلان  
 نہیں کرتی۔ خاموشی اور سکون سے اپنے دائرے میں اس کی تبلیغ و  
 اشاعت کر رہی ہو“

ایک اور بڑے لمحہ نے کہا

”خدا بر ایان، اب ایک فرسودہ عقیدہ ہے اور موجودہ تمدن کے  
کاساتھ نہیں لے سکتا جن کتابوں کو آسانی کتابیں خیال کیا جاتا ہے  
خرافات و قصص سے زیادہ وقعت نہیں کھیتیں۔ اگر ہم ان کتابوں پر  
عمل کریں گے تو اپنے ہاتھوں اپنی قدر کھودیں گے اور اپنی خوشی سے  
پاگلوں کے زمرے میں داخل ہو جائیں گے۔ فرید برآں، ان نام نہاد آسمانی  
کتابوں میں ایسے غش قسے درج ہیں جنہیں کوئی بااخلاق آدمی پڑھنا  
گوارا نہیں کر سکتا (موجودہ تورات کے بعض مضامین کی طرف اشارہ  
ہے) موجودہ علم، دین کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ علماء و دقت، جدید ترین علم  
افتکار کی اشاعت کر کے تحریک الحاد کی عظیم خدمت انجام دے رہے  
ہیں۔ انجمن الحاد نے حال میں چند سوالات شائع کئے تھے۔ ان  
جو ابلیس سے معلوم ہوا کہ، فیصدی علماء عصر، محمد ہیں، یا کم از کم لا  
ہیں۔ ان کی تعلیم کا نتیجہ اس کے ہوا کچھ نہیں کہ خدا، روح، ادا بد  
کے اعتقاد سے انکار کیا جائے“

انڈیا یونیورسٹی سے ایک رسالہ ”داگا بوٹہ“ نام شائع ہوتا ہے۔ اس درسگاہ کے لمحہ طالب علموں کا ترجمان انکار ہے۔ اسکے محررین کچھ اشاعت میں اپنے دستخط سے ایک مضمون ”میں لمحہ کیوں ہوں“ کا ترجمہ سے شائع کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے:

کتاب	تعداد	ملاحظات
تفہیم القرآن	۲۴۶	
تفسیر ابن کثیر	۳۸۴۲	
تفسیر قرطبی	۱۹۳۲	
تفسیر طبرسی	۲۳۶	
تفسیر بیضاوی	۲۳۲	
تفسیر ابن عربین	۱۵۳	
تفسیر ابن قیم	۱۰۶	

## امریکہ میں الحاد کی مقبولیت

## الحادی انجمنوں کی تبلیغ

اس وقت امریکہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور مقبول دعوت، الحاد  
ترک ادیان کی دعوت ہے۔ محمدؐ خیالات و دنیا میں قدیم زمانوں کا  
جو وہیں اور دنیا کے نئے علمی دور نے مذہبی عقائد کا قدیم رسوم  
زلزل کر دیا ہے، تاہم اس وقت تک کسی ملک میں بھی الحاد عوام میں تعلیم  
صل نہ کر سکا، اور عامۃ الناس کا میلان مذہب ہی کی طرف رہا مگر  
آئبرکہ میں الحاد ایک عام پسند دعوت کی حیثیت اختیار کر رہا ہے اور  
زور دہاؤں کی جماعتیں زیادہ قوت و دراج حاصل کر رہی ہیں۔  
ریک کے کالج اور یونیورسٹیاں اس دعوت کی اشاعت و تبلیغ کا سب سے  
امیدان ہیں۔ انہی میدانوں میں قوم کے دل و دماغ تیار ہونے  
سے، اور اگر یہ الحاد کی اشاعت و تبلیغ کا مرکز بن گئے ہیں، تو ظاہر  
ہے کہ امریکی دل و دماغ کا سانچا اب مذہب کا نہیں بلکہ الحاد کا سانچا  
ہے!

مشہور امریکی اخبار "ورلڈ" نے اس لہجہ تحریک کی تحقیقات کے لئے اپنا ایک خاص نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اس نے ۱۸ مئی ۱۹۷۷ء کو اپنے ایک فصل بیان شائع کر دیا جو۔ ہم اس بیان کے بعض اہم نقاط پر نظر اٹھائے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہریہ عام کرنے کے لئے ایک نہایت طاقتور انجمن موجود ہے۔ یہ انجمن اس وقت تک ۲۰ کالجوں اور ۱۰ یونیورسٹیوں میں اپنی باقاعدہ شاخیں قائم کر چکی ہے۔ نیز امریکی جنگی طیاروں کے افسروں اور سپاہیوں میں بھی اسے بہت اثر پیدا کر لیا ہے۔ امریکہ کے بیشتر اساتذہ انجمن کے ممبر ہیں اور اس کے مقاصد پھیل رہی ہیں۔

سب سے پہلے جس لوئیورٹھی نے علانیہ الحاد کو اپنا مذہب قرار دیا، وہ صوفیہ نیویارک کی روجسٹر لوئیورٹھی ہے۔ اسنے باضابطہ طور پر انجمن الحاد کی رکنیت قبول کر لی ہے اور اپنے دائرے میں اس کی شاخ قائم کر دی ہے۔ اس شاخ کا نام عجیب ہے "لعون امداح والوں کی انجمن" اس نام نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اب تمام الحادی مدارس کے طالب علموں نے یہی نام اختیار کر لیا ہے۔ اسی قسم کے کئی اور نام بھی مختلف شاخوں نے تجویز کئے ہیں۔ مثلاً نیویارک کی ایک الحادی کمیٹی کا نام ہے "ان لوگوں کی انجمن جن کا کوئی خدا نہیں ہے" فیلادلفیا کی انجمن کا نام "سیاہ بیٹروں کی انجمن" ہے۔ ایک اور شاخ "شیطان کے فرشتوں" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک انجمن "دائرہ کفارہ" کہلاتی ہے۔ ایک دوسری جماعت اپنے آپ کو "لعون رجوں کی جماعت" کہتی ہے، امداح کے صمد کا لقب، اعلیٰ حضرت شیطنت پناہ ہے!

موتوں کے دجا میں، کیونکہ وہ انسان نہیں کر سکتیں۔ انہیں یا کسی مصلح سے، یا جابر یا رستم یا جبرائیل سے درگیا

# برید فرنگ

## ریاستِ متحدہ امریکہ

### بین الاقوامی سیاست

۲ دسمبر ۱۹۷۸ء میں یو این اے ایک سو چار برس پہلے ولایات متحدہ امریکہ کے پانچویں صدیس موزوں نے امریکہ کی مجلس حکومت (سینٹ) کے سامنے ایک تقریر کی تھی۔ یہ تقریر بعد میں تاریخی تقریر بن گئی اور اسے عظیم انسان سیاسی نتائج پیدا کئے۔ اس تقریر میں پریسڈنٹ نے امریکہ کی خارجی حکمت عملی کے لئے ایک اصول پیش کیا تھا جو بعد میں مذہب موزوں کے نام سے مشہور ہوا۔ اس اصول کا منشا یہ تھا کہ "امریکہ کو اپنے معاملات خود ہی طے کرنے چاہئیں اور کسی بیرونی سلطنت کو ان میں مداخلت کا موقعہ نہیں دینا چاہئے" مقصد اس سے یہ تھا کہ برعظیم امریکہ تمام دوسرے براعظموں سے الگ تھلک رہ کر اپنے لئے ایک مخصوص اور مستقل سیاسی دنیا پیدا کر لے۔

چونکہ ولایات متحدہ امریکہ اپنے برعظم میں سب سے زیادہ آباد، مالدار اور طاقتور جمہوریت ہے، اس لئے دوسرے براعظموں سے الگ تھلک ہوجانے کی وجہ سے اسے امریکہ کے تمام دوسری جمہوریتوں پر ایک طرح کی فوقیت یا وصایت (منڈٹ) حاصل ہوگئی ہے اور اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے متعدد موقعوں پر وہ دوسری جمہوریتوں کے معاملات میں مداخلت بھی کر چکی ہے۔ چنانچہ ۱۸۹۸ء میں جب فرانس اور مکسیکو میں نزاع ہوئی، اور پھر جب ۱۹۰۴ء میں اسپین اور کوبا کا معاملہ پیش آیا، تو ولایات متحدہ نے اسی اصل کی بنا پر عملاً مداخلت کی۔ موزوں سے پہلے صدر واشنگٹن نے بھی اپنے ہر وطن کو یہی حق کی تھی کہ یورپی سلطنتوں سے اس طرح کے معاہدات نہ کریں جن سے امریکہ کی بین الاقوامی سیاست سے ملحدگی کی حالت میں خلل پیدا ہونے کا امکان ہو۔

یہی وہ قاعدہ تھا جس کی بنا پر عالمگیر جنگ کے بعد مجلس صلح کو موزوں پر امریکہ میں سخت اختلافات آراء پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر ولسن اور اس کے ہم خیالوں کی رائے تھی کہ اب امریکہ کو گوشہ تنہائی سے نکل کر دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں حصہ لینا چاہئے۔ لیکن مذکورہ بالا قاعدہ کے متقد اس کے مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے امریکہ کو بدستور بین الاقوامی سیاست سے علحیدہ رہنا چاہئے۔ بالآخر دوسری جماعت ہی کو فتح حاصل ہوئی کیونکہ امریکہ کی عام رائے انہی کے حق میں تھی۔ ڈاکٹر ولسن کو اپنی شکست کا اعلان کر لینا پڑا۔

بالشبہ میں اختلافات میں ڈاکٹر ولسن کو شکست ہوئی اور پھر قاعدہ بدستور برقرار رہا۔ لیکن یہ سوال اب ہر حال ہمیشہ مضرب بحث میں ہے گا کہ آخر امریکہ کب تک دنیا کی سیاست سے علحیدہ رہے گا؟ بلکہ یوں کہنا چاہئے جو حادث کا سیلاب اسے کتنا اس کی جگر پر چوڑے رکھے گا؟ ظاہر ہے، جنگ کے بعد دنیا کے سیاسی اور اقتصادی حالات

میں انقلاب عظیم ہو گیا ہے، امریکہ کی تجارت بھی وسیع ہوگئی ہے، ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ مذہب موزوں کے حامی زیادہ عرصہ تک اپنی استقامت لئے قائم رکھ سکیں،

### امریکی صدر جمہوریت

ولایات متحدہ امریکہ کا نظام حکومت، انگلستان اور فرانس وغیرہ ممالک کے نظام سے بہت مختلف ہے۔ دنیا میں کسی صدر جمہوریت کو اتنے اختیارات حاصل نہیں ہیں جتنے امریکی صدر جمہوریت کو ہیں۔ شاہ انگلستان اور صدر جمہوریہ فرانس قریب قریب جملہ اختیارات کے محرم ہیں۔ لیکن امریکہ کے صدر کے ہاتھ میں وسیع اختیارات ہوتے ہیں خصوصاً جنگ یا دوسرے نازک موقعوں پر اسے تقریباً مطلق العنان حاکم کی حیثیت اذوائے قانون حاصل ہوجاتی ہے۔

دنیا کی دوسری حکومتوں کی طرح امریکہ میں وزیر عظم کا عہدہ نہیں ہے۔ صدر جمہوریت ہی اپنے مددگاروں کی مجلس کا رئیس ہوتا ہے لیکن ان مددگاروں کو مجلس حکومت (سینٹ) اور مجلس خواص میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صدر امریکہ اور صدر فرانس میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ آخر الذکر کا انتخاب، عوام اور خواص کی دونوں مجلسوں کا ہو کر کرتی ہے لیکن امریکی صدر کا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ ہر ایک خاص اس غرض کے لئے اپنے نمائندے مقرر کر دیتی ہے۔ یہ نمائندے اپنی اپنی ریاستوں کے صدر مقام میں جمع ہوتے ہیں اور صدر جمہوریت کے لئے کسی شخص کا انتخاب کرتے ہیں۔ تمام ولایتوں کے نمائندے ہر صوبہ (دولٹ) یا ریختہ واشنگٹن بھیجے جاتے ہیں۔ پھر واشنگٹن کی دونوں مجلسیں جمع ہو کر ان اصوات کا شمار کرتی ہیں اور دم سال کے لئے صدر جمہوریت کا اعلان کر دیتی ہیں۔

صدر جمہوریت امریکہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی عمر کم سے کم ۳۵ سال کی ہو، اسے کم سے کم ۱۴ برس امریکہ میں گزارے ہوں اور اس ملک کا مستقل باشندہ ہو۔ صدر جمہوریہ فرانس کے برخلاف امریکہ کے صدر کا ایک نائب بھی ہوتا ہے۔ اور اپنی مدت کے دوران میں صدر کے فوت ہوجانے، یا استعفی ہوجانے یا اپنے فرائض نہ ادا کر سکنے کی حالت میں نائب صدر اس کی جگہ کام کرتا ہے اور صدر کا نائب انتخاب نہیں ہوتا۔ صدر کی موجودگی میں نائب صدر کا کام صرف اس وقت ہوتا ہے کہ وہ مجلس خواص کی صدارت کرتا ہے۔

### ولایات متحدہ

جمہوریہ امریکہ ۴۸ ریاستوں کی ہر ریاست میں دو مجلسیں ہیں ایک کام اندرون ریاست میں قانون بنانا اور حکومت کرنا ہے۔ لیکن تعلیم یا سون کے مشترک اور عام معاملات نیز خارجی سیاست، جمہوریت

مرکزی مقام واشنگٹن کی دونوں مجلسوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ مجلس عوام کے ممبروں کی تعداد ۴۳۵ ہوتی ہے جو ہر دو برس میں ایک مرتبہ منتخب ہوتے ہیں۔ مجلس خواص میں ۹۶ ممبر ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ریاست کی طرف سے عام اس سے کہ اس کی آبادی کم ہو یا زیادہ، دو دو نمائندے ہوتے ہیں۔ ان کی مدت ۶ سال ہوتی ہے مگر ہر دو سال بعد ان میں سے ایک تہائی کا انتخاب از سر نو ہوا کرتا ہے اور اس طرح ۶ سال کے اندر نئی مجلس پیدا ہوجاتی ہے۔ مجلس خواص صدر جمہوریت کے ساتھ معاہدے منظور کرنے میں شریک ہوتی ہے۔ بغیر اس کی منظوری کے کوئی معاہدہ جائز نہیں ہو سکتا۔

### امریکہ کے بیرونی مقبوضات

ایک طرف جمہوریہ امریکہ، دول یوپ کو امریکہ کے معاملات میں دخل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ دوسری طرف خود بھی ملک گیری کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے اور برعظم امریکہ کے باہر بھی تو پا دیاں لیتی ہے!

(۱) جزیرہ گوا کا شمار اگرچہ سخت ممالک میں نہیں ہو لیکن عملاً امریکہ ہی کی اسپر حکومت ہے۔ اس جزیرہ کی آبادی ۱,۰۰,۰۰۰ ہے ۲۹ ہ (۲) الاسکا ایک وسیع علاقہ ہے مگر آبادی ۵۵,۰۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ اسیں شکار کے جائزہ اور قیمتی کانیں بہت ہیں۔

(۳) پورٹو ریکو۔ اس کی آبادی ۳,۰۰,۰۰۰ ہے، یہاں قوم، مبادا اور شکر کی پیداوار بہت ہے۔

(۴) جزائر ہوائائی۔ آبادی ۲۵۵,۰۰۰۔ اکثر باشندے زرد رنگ کے ہیں، قوم، چادری، اور کیلا بہت پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جزائر فلپائن وسیع علاقہ ہے۔ آبادی ایک کروڑ ہے۔

### امریکہ اور باقی دنیا کا مقابلہ

ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ کون کون سے ممالک میں مختلف حیثیتوں پر امریکہ درج کیا ہے:

دنیا کے مجموعی رقبہ میں امریکہ کا رقبہ

۱۸۰۰ میلین  
۱۵۲

دنیا کی مجموعی آبادی میں امریکہ کی آبادی

۱۵۰۰ میلین  
۶۹

دنیا کی مجموعی پیداوار میں امریکہ کی پیداوار

۸۳ فیصد  
۸۳

۱۲۰  
۲۰

۶۴  
۶۴

۴۵  
۴۵

۶۲  
۶۲

۶۰  
۶۰

۶۰  
۶۰

۶۰  
۶۰

۶۰  
۶۰

۶۰  
۶۰

اگر ہم رہا ہنگے تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہو گا۔ کیا موت کسی کے لئے کوئی عیب ہے؟

(استغاب)

وفات

عین وفات کے وقت یہ شعر پڑھو:

الایتنی لم اُمن فی الملک سادۃ ولم اکن فی اللہ امشی الذنظر  
کاش میں نے کبھی سلطنت کی جوتی اکاش لذتیں حاصل کرنے میں  
میں اندھا نہ ہوتا!

مکت کذی طین ماش مینہ لیالی حتی زاد ضلک المقابر  
کاش میں اُس فیکری طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہو!  
(عقد الفریح)

یزید کا فریہ

یزید نے فریہ کے یہ شعر کہے تھے:

جار البرد بقرطاس یخبہ فاجس القلب من قوطا سرفرا  
قصاص خط لئے دوڑا ہوا آیا، تو قلب خوف زندہ ہو گیا۔

قلنا لک الویل یا ذانی کنا کیم قالوا الخلیفۃ امسی مبتدا وجا  
ہم نے کہا تیری ہلاکت! خط میں کیا ہو؟ کہنے لگا خلیفہ سخت پیاری او  
تخلیف میں ہو۔

فادت الارض اذ کاد متید بنا کان اُخبر من ارکانہا اقلعا  
قرب تھا زمین ہیں لیکو جھک جائے۔ گویا اُس کوئی ستون اکھڑ گیا ہو  
ادوی ابن ہند دادی الحدید تبہ کانا جیسا فظلا لیلان معا  
ہند کا لڑکا (معاویہ) مر گیا اور عزت بھی مر گئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے  
تھے اب بھی دونوں ساتھ چلے جا رہی ہیں۔

لا یخ الناس ما دہی دان جعدا ان رفوعہ ولا یوہون رفعا  
جو گر رہے اُسے آدمی لاکھ کوشش کریں اٹھائیں سکتے اور جو اٹھ رہا  
ہے اُسے لاکھ چاہیں گرا نہیں سکتے۔

اغراب السیثقی النعام بہ فواقع الناس عن اطلاقہم قوما  
مبارک و خوبصورت جس کے واسطے سو باطن رحمت طلب کیا جاتا ہو۔ اگر  
لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائیگا۔

(استغاب۔ طبری)

یزید کا خطبہ

تین دن زید گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا اور حنفی خطبہ کیا:  
”تمام ستائش اُس خدا کے لئے جو اپنی مشیت کے مطابق  
عمل کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہو، دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہو محروم کر دیتا ہو  
کسی کو عزت دیتا ہو، کسی کو ذلت دیتا ہو۔ لوگو! معاویہ، خدا کی  
رستوں میں سے ایک رستہ تھا۔ جب تک خدا نے چاہا اُسے دُرازی کیا  
پھر اُسے اپنی مشیت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیش روں سے  
کم تر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اُسے پاک ثابت کرنے کی  
کوشش نہیں کر دوں گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہو اگر  
اُس سے دُرازی کرے تو یہ اُس کی رحمت ہو اگر اُسے عذاب دے  
تو یہ اُس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اُس کے بعد برسر حکومت آیا  
ہوں۔ نہ سرکش ہوں نہ کفر ہوں۔ جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی  
بات ناپسند کرتا ہو، بدل ڈالتا ہو۔ اگر پسند کرتا ہو تو آسان کر دیتا ہو“



## برید شرق

### مکتوب آستانہ

(الامال کے مقالہ نگار تقیم حنفیہ کے قلم سے)

ایشیائے کوچک اور یورپ کا اتصال۔ ترکی میں اشاعت اسلام۔ ۲۳ جولائی کی عید۔ ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟۔ غازی مصطفیٰ کمال کا سفر آذربائیجان۔  
درہ دانیال کی قلعہ بندی

#### ایشیا اور یورپ کا اتصال

غازی مصطفیٰ کمال با آستانہ سفر آستانہ، محض تفریح کے لئے نہ تھا  
بلکہ وہ برابر اہم مسائل کے حل میں مصروف رہو۔ ایک ہندوستانی مسئلہ یہ  
بھی تھا کہ یورپین ترکی کو ایشیائے کوچک سے متصل کر دیا جائے۔  
چنانچہ اس بارے میں وہ تجویزیں زیر غور ہیں۔ ایک یہ کہ باسفورس پر  
ایک عظیم معلق پل تعمیر کیا جائے۔ یہ پل اُسی طرح کا ہوگا جیسا پل  
کلین کا پل ہو، جو اس جزیرے کو نیوآرک سے متصل کر رہا ہو۔ دوسری  
تجویز یہ ہو کہ باسفورس کے نیچے سڑک کھودی جائے اور اُس میں ترکی  
ریلوے جاری ہو۔ ممبرین کا رجحان اسی آخری تجویز کی طرف ہو۔  
ترکی میں آئینہ میں اس غرض کے لئے ایک رقم موجود ہو۔ گودہ ناکانی  
ہے۔ خیال کیا جاتا ہو کہ جس کمپنی کو اس کا ٹھیکہ دیا جائے گا۔  
جب یہ پل یا زینس دوزیل جاری ہو جائے گی تو ایشیائے کوچک  
سے یورپین ترکی بالکل متصل ہو جائے گا اور نقل و حرکت میں ہی  
سہولت ہو جائے گی۔

#### ترکی میں اشاعت اسلام

ادھر کچھ مدت سے اُن لوگوں کے لئے دتیش پیش آرہی تھیں جو دین  
اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جدید قانون مدنی کے اعلان کے  
بعد وہ قواعد منسوخ ہو گئے ہیں جو اس بارے میں پہلے جاری تھے۔  
پہلے دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنا چاہتا تھا تو حاکم  
کے سامنے درخواست پیش کرتا تھا۔ حاکم اُس کے اصلی دین کے پیشوا  
کو طلب کرتا، اور پیشوائے دین اپنے اس ہم مذہب کو جس قدر سمجھا  
سمجھا سکتا تھا، سمجھاتا سمجھاتا۔ اگر وہ اُس کی نصیحت قبول کر لیتا، تو اپنے  
سابق دین پر برقرار رہتا۔ ورنہ مسلمان قاضی کو بلایا جاتا اور وہ اپنے  
کلمہ اسلام کی تلقین کر کے مسلمان بنا لیتا۔

لیکن اب جدید قانون نے یہ سب ریس موقوف کر دیں۔ اب  
اسلام لانے کے لئے صرف اس قدر کرنا پڑتا ہو کہ مفتی کے سامنے  
اپنی درخواست پیش کر دیتا ہو اور وہ اسلام کے اصول و تعلیمات واضح  
کر کے اُسے مسلمان بنا لیتا ہو۔

یہاں کے اخبارات کا بیان ہو کہ نو مسلموں کی تعداد روز بروز بڑھتی  
جاتی ہو۔

#### ۲۳ جولائی کی عید

تمام ترکی قوم نے ۲۳ جولائی کو بڑے جوش و خروش سے عید  
منائی۔ یہ عید اصل اُس تاریخی دن کی یادگار ہو جس قوم نے عید  
منائی۔

کی مطلق الغنان حکومت کو دستور یا مشروطیت (کانشیشن)  
پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء میں پیش آیا تھا۔ اگرچہ  
اب اعلان جمہوریت کے بعد یہ دستور بھی منسوخ ہو گیا ہو، لیکن چونکہ  
یہ دن، دُور جدید کا سنگ بنیاد ہو، اس لئے ترکی قوم آج تک اسے  
ایک قومی و وطنی عید کی طرح مناتی ہو۔

#### ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟

یہاں ایک مدت سے یہ بحث چھری ہو تھی کہ ترکی موسیقی باقی ہو  
یا اُس کی جگہ مغربی موسیقی قبول کر لی جائے؟ یورپین موسیقی کے  
حامی کہتے تھے کہ ترکی موسیقی ناقص ہو۔ اتنی ناقص کہ آدمی بھی  
ایک ساتھ ہو کر کوئی راگ پوری طرح ادا نہیں کر سکتے۔ ترکی موسیقی  
کے حامی کہتے تھے کہ بلاشبہ ترکی موسیقی میں ترکی کی بہت گنجائش ہو  
گودہ ناقص نہیں ہو۔ اس بحث نے بالآخر مقابلہ کی صورت اختیار  
کر لی اور کل ترکی موسیقی کے ۱۲۰ ماہر اپنا فن دکھانے کے لئے جمع  
ہوئے۔

آپ کے قارئین غالباً اس واقعہ سے واقف ہونگے کہ ایک زمانہ میں  
ترکی موسیقی صرف ترقی یافتہ موسیقی تھی۔ ترک اس فن کے استاد تسلیم کئے  
جاتے تھے۔ اُنھوں نے اس میں بہت سی ایجادیں کی تھیں اب  
تک اُن کی بعض ایجادیں مغربی موسیقی میں موجود ہیں۔ یہ عجیب  
ہے کہ وہ اب تک اپنی موسیقی پر ناز کرتے اور اس سے دُش بردار  
ہونے پر تیار نہیں ہیں (یورپ کے موزیسن نے اعتراف کیا ہو کہ بڑے  
قسم کا فوجی باجہ اور فوجی راگ سب پہلے ترکوں ہی نے ایجاد کیا۔

(الامال)

چنانچہ کل کے یادگار جلسے میں بے شمار تخلیق جمع تھی۔ جلد کثرت  
موسیقی کے مشہور پروفیسر رُودون کتاہ نے اپنی تقریر سے کیا۔  
اُنھوں نے کہا:

”ترکی موسیقی کو یورپین موسیقی پر نمایاں امتیاز حاصل ہو سکتا  
ہے چونکہ ہماری مخالفت اس فن شریف سے بہرہ ور ہیں اس لئے میں  
فنی دلائل کی جگہ شہر آفاق فرانسیسی ماہرین، سن سائنس کا تلی  
پیش کرتا ہوں۔ اس آستانہ نے سمجھا ہو جس موسیقی کو ہم حقارت  
ساتھ مشرقی موسیقی کہتے ہیں، وہ مغربی موسیقی سے بہت بلند اور  
متاثر ہو!“

اس کے بعد ۲۳ ترکی آستانہ نے اپنے اساتذہ مثلاً بکر البی  
مید فوج، شیخ دکالی دیو کے راگ ایک ساتھ گائے، اور اس



# بصرت و حکم

## النسایت موت کے دروازہ پر!

### مشاہیر عالم اپنے اوقاتِ فانی میں

#### امیر معاویہ بن ابی سفیان

امیر معاویہ بن ابی سفیان کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہو عرب کا غم، خرم، عقل، تدبیر، پورے تناسب سے اس باغ میں جمع ہو گیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ ان کی تدبیر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریباً پوری زندگی امارت و حکومت میں بسر ہوئی۔ اور ہمیشہ ان کی سیاست کامیاب ہی رہی وہ اس عہد کے ایک پورے سیاسی آدمی تھے۔

#### ایک عجیب غم

جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور لوگوں میں ان کی موت کے چرچے ہونے لگے، تو امیر معاویہ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ دلی عہد، یزید، (جسے جرأً زور شمشیر دلی عہد منوایا گیا تھا) دار الخلافہ سے دور تھا اور ابتری پیدا ہو جانے کا قوی احتمال تھا۔ انھوں نے فوراً اپنے تیمارداروں سے کہا:

”میری آنکھوں میں خوب سرمہ لگاؤ۔ سرمہ میں تیل ڈالو“ حکم کی تعمیل کی گئی، سرمہ اور روغن نے بیمار چہرے میں زندگی پیدا کر دی۔

#### پھر انھوں نے حکم دیا:

”میرا بھونا اونچا کرو۔ مجھے بٹھا دو۔ میرے پیچھے بٹکے لگاؤ“ اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

#### پھر کہا:

”لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب آئیں اور کھڑے کھڑے سلام کر کے رخصت ہو جائیں۔ کوئی بیٹھنے نہ پائے“

لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کر کے باہر جاتے تو آپس میں کہتے ”کون کتنا ہو خلیفہ مرے ہیں؟ وہ تو نہایت تڑنا ہوا اور تندرست ہیں!“

#### جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:

وَجَلَدِي لِلشَّامِثِينَ اَرِيْمُ  
اِنَّ لِرَبِّ الدُّهْرِ لَا اَنْفَعُضِعُ  
شامت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں تیا میں انھیں ہمیشہ یہی دکھاتا ہوں کہ زمانہ کی مصائب مجھ کو مغلوب نہیں کر سکتیں۔ (طبری ج ۶)

#### دنیا کی بے ثباتی

دورانِ خلافت میں قریش کی ایک جماعت، عبادت کو آئی۔ امیر معاویہ نے اس کے سامنے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا: ”دنیا گاہ دنیا، اس کے سوا کچھ نہیں ہے ہم ابھی طرح دیکھ

#### اپنی فیاضی کی یاد

وفات سے کچھ پہلے اشہب بن ریحل کے یہ شعر پڑھے جو اسے قبائلیں میں کہتے تھے:

اذا مات، مات الجود والقطع الندي  
من الناس الا من قلیل معدود  
تیری موت کے ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی مر جائیگی۔

دودت ملک السالین و اسکوا  
من الدین و الدنیا تجلت بورد  
سالموں کے ہاتھ لٹا دئے جائیگے اور دین اور دنیا کی عمر و میاں ان کے انتظار میں ہوں گی۔

یہ سن کر ان کی لڑکیاں چلا اٹھیں ہرگز نہیں، امیر المؤمنین اخذ  
آپ کو سلامت رکھا!

انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف یہ شعر پڑھا:

واذا المنيّة انتبت الغلابة  
القيت كل تميّة لا تمنع  
جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہو تو کوئی تمویذ بھی نفع نہیں پہنچا  
نقصیت

پھر بیہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی اور اپنے غزوہ کو یاد دیکھ کر کہا:

”الغزوہ جل سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو ڈرتا ہو، خدا اس کی نگہ کرتا ہو۔ اس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہو“ (طبری)

#### یزید کی آمد

امیر معاویہ کی نازک حالت سے، قاصد کے ذریعہ، دلی عہد زب کو مطلع کیا گیا۔ وہ فوراً روانہ ہوا۔ پہنچے پہنچے حالت اور بھی ابتر ہو چکی تھی۔ یزید جب پہنچا تو سکرات موت کی حالت شروع ہو چکی تھی اس نے باپ کو پکڑا مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھا:

لو عاش حى طلى الدنيا لعاش  
ام الناس لا عاجزو ولا دکل  
اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلا شک آدمیوں کا انا زندہ رہتا، وہ نہ عاجز ہو، نہ کمر نہ دہو۔

الحول القلب والارباب ولن  
يدفع وقت المنيّة الحيل  
وہ بڑا ہی عاقل و مدبر دہم ہو۔ لیکن موت کے وقت کوئی تدبیر بھی نہیں آتی۔

#### یزید سے خطاب

معاویہ نے یہ سن کر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

”لے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے زیادہ خون ہے وہ تجھ سے میرا پڑا ہوا ہے۔ جان پدا! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے آپ صروریا سے فارغ ہوئے یا وضو کر تو میں ت مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپ نے میرا کرتا دیکھا وہ مونٹھے سے بھٹ گیا تھا۔ فرمایا ”معاویہ! تجھے کرتا پہنا دوں؟“ میں عرض کیا ”میں آپ پر قربان! ضرور“ چنانچہ آپ نے کرتا عنایت فرمایا۔ ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ترشہ میں نے تھوڑے سے بال اور کرتے ہوئے ناخن اٹھائے تھے بھی آج تک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں۔ دیکھ، جب مر جاؤ تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور آنکھوں میں کھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا بچھا کر مجھے آگ لٹا، اور کفن پہنا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہو تو وہ یہ ہے“ (استیعاب - عقد الفید)

#### سکراتِ موت

سکرات کے علاوہ یہ شعر زبان پر جاری تھا:

فل من خالدا باکنا  
دہل الموت یا الناس ملہ

پکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کر چکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم میں دنیا کی بہار کی طرف دوڑے، اور اس کے سب فرے ٹوٹے مگر ہم نے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پٹا کھایا۔ بالکل کا پلٹ کر دی۔ ایک ایک کر کے تمام گریں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دنیا نے ہم سے ہٹاؤ کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنادیا۔ آہ، یہ دنیا کتنی خراب جگہ ہو؟ یہ دنیا کیسا برا مقام ہو؟“

(احیاء علوم الدین جلد ۴)

#### آخری خطبہ

امیر معاویہ نے اپنی بیاری میں آخری خطبہ یہ دیا:

”اے لوگو! میں اس کھیتی کی بانی ہوں جو کٹ چکی ہو۔ مجھے تبرکات ملی تھی۔ میرے بعد جسے حاکم آئیں گے، مجھ سے برے ہونگے۔ لیکن اسی طرح، جیسے اگلے حکم مجھ سے اچھے تھے۔“

(احیاء ج ۴)

#### حسرت

جب وقت آخر ہوا تو کہا، مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ بٹھائے گئے۔ دیر تک ذکر الہی میں مصروف رہی۔ پھر رونے لگے اور کہا:

”معاویہ! اپنے رب کو اب یاد کرتا ہو جبکہ ٹہر پائے نے کلمہ کا نہیں کھا اور رحم کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں۔ اُس وقت کیوں نہ یہ خیال آیا جب شباب کی ڈالی تڑنا تازہ اور ہری بھری تھی؟“

#### پھر چلا کر رونے اور دعا کی:

”اے رب! سخت دل، گنگناڑ بوڑھی پر رحم کر! الہی! اس کی ٹھوکریں معاف کر دے! اس کے گناہ بخش دے! اپنے وسیع علم کو اس شخص کے شامل حال کر جسے تیرے سوا کسی سے امید نہیں کی، تیرے سوا کسی پر پھر دوسرے نہیں کیا!“

(احیاء ج ۴)

#### بیٹیوں سے خطاب

تیار داری ان کی دونوں لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کو روٹ بدلانے لگیں تو انھیں بغور دیکھ کر کہا: تم ایک ڈوٹوال کی وجہ کو کر دینا بلواری ہو۔ اُس نے دنیا بھر کے خزانے جمع کر لئے لیکن کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

قد صیت لکم من سنی ذی نصب  
وقد فیکم انظاف والرحلا  
میں نے تمھارے لئے بہت سخت محنت سے کوشش کی اور تمھیں دوزخ ٹھوکریں کھانے سے پرہیز کروایا۔ (طبری)

امیں نیم ضروری سمجھے اور حکومت مجلس کا فیصلہ منظور نہ کرے، تو ایسی صورت میں نائب السلطنت کو حق ہوگا کہ لائحہ کو فرد تو صحیح و تشریح کے ساتھ دوبارہ مجلس کے سامنے پیش کرے۔ اگر مجلس اب بھی اسے منظور نہ کرے، تو پھر آخری فیصلہ خود سلطان اعظم کرے گی۔ مجلس کو حق ہوگا کہ اپنے صدر کے ذریعہ ہر اس تجویز کے بارے میں سلطان سے رجوع کرے جس پر ایک ماہ گزر چکا ہو اور کوئی شہری حکم جاری نہ ہوا ہو۔

### مجلس کے ارکان

مجلس شوریٰ کے لئے حسب ذیل ارکان منتخب ہونے ہیں:

(۱) شیخ یوسف قطان۔

(۲) شیخ احمد سبھی۔

(۳) شیخ صالح شطا۔

(۴) شیخ عبدالعزیز زواہی۔

(۵) شیخ محمد بن یحییٰ بن عقیل۔

(۶) شیخ عبدالعزیز ابراہیم حنفی۔

(۷) شیخ عبدالغفرین نید۔

(۸) شیخ عبدالوہاب عطار۔

### ایک امید افزا واقعہ

کچھ مدت ہوئی، بعض اہل کفر نے سلطان ابن سعود کے پاس بھیج کر کے لئے ایک محضر طیار کیا تھا اور اس میں حکمہ حفظان صحت کی شکایتیں لکھی تھیں۔ یہ محضر ایک شخص حسن سلیمان کو دیا گیا تاکہ سلطان تک پہنچا دے۔ اس زمانہ میں نائب السلطنت امیر فیصل مکہ میں موجود نہ تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں ان کے مشیر خاص شریف حسین عثمان اور شیخ عبدالغفرین عقیقی، حکومت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس محضر کا حال ان دونوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے شخص مذکور کو طلب کیا اور حکم دیا کہ محضر ان کے حوالہ کر دے۔ اسے ابھار کیا۔ امیر شریف حسن عثمان نے غصہ میں آکر اسے دو گھنٹہ کے لئے تیار کر دیا۔

شخص مذکور نے رہا ہوتے ہی حکومت کے ان دونوں بڑے عہدے داروں پر (جو گورنر کے قائم مقام تھے) مقدمہ دائر کر دیا۔ ناٹش میں حسب ذیل الزام لگائے تھے:

(۱) انھوں نے سلطان اعظم کی توہین کی کیونکہ وہ محضر لے لینا چاہا جو سلطان کی خدمت میں پیش ہونے والا تھا۔

(۲) انھوں نے مدعی کو سلطان تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔

(۳) انھوں نے بغیر کسی قانونی موجب کے مدعی کو قید کیا۔

(۴) انھوں نے سرکاری محکمہ کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات نہیں کی۔

سلطان نے دعویٰ سن کر کاغذات مجلس تفتیش کے حوالے کر دیئے اور حسب ذیل دو سوالوں کے جواب طلب کیے:

(۱) کیا مدعا علیہا اس کا ردوائی کا حق تھا جو انھوں نے کی؟

(۲) کیا انھیں ایسی کارروائیاں کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہی؟

مجلس تفتیش نے پوری طرح تحقیقات کی، مدعی، مدعا علیہا اور گواہوں کے بیانات سنے، اور بالآخر سلطان کے سوالوں کے یہ جواب دیئے:

(۱) انھیں اس کا ردوائی کا ہرگز حق نہ تھا۔

(۲) انھیں بغیر مزاکرے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

نیز مجلس نے یہ قانون بھی بنایا کہ جو عہدہ دار بھی خلاف انصاف و قانون کام کرے گا، یا کسی کے حق پر دست درازی کرے گا، اسے سرکاری خدمت سے ملازمت الگ کر دیا جائے گا۔

مجلس کا فیصلہ معلوم کر کے سلطان نے دونوں عہدے داروں کو

اور تمام ملک کے لئے ایک ہی تعلیمی لائحہ (بروگرام) بنانا ہو حکومت چاہتی ہو تعلیم تمام ملک میں عام ہو جائے۔ کوئی قریہ بلکہ کوئی قبیلہ بھی اس سے محروم نہ رہنے پائے۔ نیز حفظان صحت، حجاج کے آرام دہ مسطوفوں کی تنظیم، اور اسی طرح کے تمام اہم کام آپ کے سامنے ہیں اور آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔ آخر میں اس مجلس کے افتتاح کا اعلان کرنا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ہمارے تمام کاموں کو کامیاب کرے۔ والسلام علیکم

### مجلس شوریٰ کا نظام

مجلس شوریٰ کا نظام بالاختصاص حسب ذیل ہے:

دفعہ (۱) یہ مجلس ۸ ارکان سے مرکب ہوگی۔

دفعہ (۲) مجلس شوریٰ کا صدر نائب السلطنت ہوگا۔

دفعہ (۳) ارکان مجلس کا انتخاب حسب ذیل اصول پر ہوگا:

(۱) ۴ مکن، اہل فضل و تجربہ کے مشورے سے منتخب ہونگے۔

(۲) باقی ۴ مکن حکومت اپنی رائے سے نامزد کرے گی۔ (ان میں دو

مکن مخفی ہونگے۔

دفعہ (۴) مجلس شوریٰ کی رکنیت کی مدت دو سال ہوگی۔ لیکن نصف

ارکان ہر سال بدلتا یا کرینگے (عام اس سے کہ منتخب ہوں یا نامزد کئے

ہوئے) پرانے ارکان کو دوبارہ انتخاب بھی ہو سکتا ہو۔

دفعہ (۵) مجلس شوریٰ کے رکن بننے کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں:

(الف) اس کی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو۔

(ب) تجربہ کار اور معاملات کا سمجھنے والا ہو۔

(ج) سزا یافتہ اور دیوالیہ نہ ہو۔

(د) نیک چلن ہو۔

دفعہ (۶) حسب ذیل امور مجلس شوریٰ کے سامنے حکومت کی جانب سے

پیش ہونگے:

(۱) حکومت کے مختلف محکموں اور بلدیہ (میونسپلٹی) اور مندرجہ ذیلہ کے

میزانیہ (بجٹ)

(۲) اقتصادی و عمرانی وزارت پر عمل کرنے کی اجازت۔

(۳) تجارتی امتیازات اور اقتصادی مالی تجاویز۔

(۴) نظارت نافذ (پبلک ورکس) کے لئے کسی جائداد کی ضبطی۔

(۵) نئے قوانین اور انتظامات۔

(۶) میزانیہ میں اگر سال کے اندر مزید اضافہ کی ضرورت ہو۔

(۷) اگر کسی محکمہ ۱۰ پونڈ سے زیادہ کسی خرچ کی ضرورت پیش آجائے۔

(۸) اجنبی ملازموں کی تقرری۔

(۹) حکومت کے محکمے اگر کہیں یا تاجروں سے دو سو پونڈ سے زیادہ

کی خرید و فروخت کریں۔

دفعہ (۱۰) مجلس دو قسموں پر تقسیم ہوگی۔ ہر قسم ان معاملات پر غور و بحث

کرے گی جو اس کا نظم پیش کرے گا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو اپنے

فیصلے سے آگاہ کرینگے اور اپنے کاغذات کا تبادلہ کریں گی تاکہ دونوں

کو غور و بحث کا موقع ملے۔ اس کے بعد مجلس کے کسی عام جلسے میں تو

کا فیصلہ منظور کرنے کے لئے پیش کیا جائے گا۔

دفعہ (۱۱) مجلس کا نصاب (کورم) چار ارکان اور صدر کی موجودگی

سے پورا ہو جائے گا اور تجویز مجلس کی ۲/۳ اصوات (دو طس)

سے پاس ہونے کی۔

دفعہ (۱۲) مجلس ہر سہ ماہی دو مرتبہ منعقد ہوگی۔ لیکن صدر کی دعوت پر

اس سے زیادہ مرتبہ بھی جمع ہو سکتی ہو۔

دفعہ (۱۳) مجلس کو حق ہوگا کہ قوانین کی تعلیق میں اگر حکومت سے کوئی

غلطی واقع ہو جائے، تو اسے متنبہ کرے۔

دفعہ (۱۴) اگر حکومت کوئی لائحہ پیش کرے اور مجلس اسے رد کرے یا

ہم نے ہی مناسب سمجھا کہ اس کے ارکان کا انتخاب، تمام باشندوں کی طرف سے ہو۔ لیکن وقت کی تنگی اور باشندوں کے اشغال کی کثرت مانع آئی۔ مجبوراً ہم نے یہ کیا کہ ہر مرحلے سے مغز آدمیوں کی ایک ایک جماعت طلب کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف یہی لوگ مغز آدمی ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان ہم امدادی مانتے ہیں۔ ہم نے تحصیل سی غرض سے طلب کیا جو کہ جدید مجلس شوریٰ کے لئے ارکان کا انتخاب کردہ انسان پر فرض ہو کہ ایسے معاملات میں اپنے قلب فراموش نہ بنے، کیونکہ قلب ہمیشہ ہوا و ہوس کی طرف مائل ہو جاتا ہو۔ ہمیں عقل و تدبیر سے کام لینا چاہئے اور تجربہ کار اور قابل لوگوں کو منتخب کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر مجلس صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائے گی تو ملک اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل کر سکے گا۔ تم یہی لوگ منتخب کرو جنہیں شخص اور باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا یقین کرنے ہو۔ یہ اس لئے کہ حکومت تو اپنے حقوق کسی نہ کسی طرح حاصل ہی کر لیتی ہو۔ لیکن باشندوں کے حقوق تلف ہو سکتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کا انتخاب ہونا چاہئے جو محکمے کے حقوق کے تحفظ کی قابلیت و جرأت رکھتے ہوں۔ یہ لوگ محکمے کے سامنے امداد وکیل ہونگے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

### سلطان کی دوسری تقریر

سلطان نے دوسری تقریر مجلس شوریٰ کے ارکان کے سامنے کی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

”حضرات ارکان مجلس! میں آپ کو سلام کرتا اور اس اعتماد پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں جس کا آپ کے اباؤ نے ملک نے آپ کو اہل سمجھا اور آپ کو اس مجلس کے لئے منتخب کیا۔ مجلس شوریٰ حقیقت ان بنیادوں میں سے ایک بنیاد جو جن پر قانونی حکومتیں قائم ہو اُترتی ہیں۔ یہی شوریٰ ہو جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وارد ہو ”وامر ہم شوریٰ انہم“ میں یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوں کہ آپ اس مجلس میں شریک ہو کر ملک کی خدمت اور حدود شرعیہ کے قیام و حفاظت کی کوششوں میں حکومت کا ہاتھ بٹانے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری گردن پر ایک بڑی امانت رکھ دی ہے۔ ہم اس بوجھ کے اٹھانے میں اپنے تئیں اہل فضل و جہت کی امداد و اعانت کا محتاج پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم نے شہر کے دوسرا داکا ہر کو اس مجلس کے لئے دعوت دی اور انھوں نے آپ کو اپنے اعتماد کا اہل مجسم کرنا شروع کر لیا۔ اب ہم نے اپنی ذمہ داری اٹھا کر آپ کے کندھوں پر رکھ دی ہے۔ میں بعد مجوز زادی اللہ زنگ برتر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو ملک اور اہل ملک کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی کے اثنائیں دیکھ لیں گے کہ حکومت اصلاحات کے جاری کرنے میں پوری طرح سنجیدہ اور مستعد ہو۔ یقیناً اپنے اس کا آغاز اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہوگا۔ ہم نے تفتیش اصلاح کی ایک علیحدہ مجلس بنادی ہے جس کا کام یہ ہے کہ حکومت کے تمام محکموں کی جانچ کرے، اور ان صورتوں پر غور کرے جن سے ان کی اصلاح و درستگی ہو سکتی ہو۔ یہ کیٹی اپنے عمل کا ایک مرحلہ طے کر چکی ہے، لیکن ابھی اسے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

عقرب آپ کی مجلس میں بڑی بڑی تجویزیں پیش ہوں گی حکومت کے محکموں کے میزانیہ بھی پیش ہونگے۔ آپ ان پر غور کریں گے اور اپنے فیصلے صادر کریں گے۔ ملک کو سب سے زیادہ ضرورت پانی کی ہے۔ آپ کے سامنے جدید قسم کے کنوئیں کھودنے کی تجویز آئے گی۔ اسی طرح اور بہت سے مفید کام آپ کو کرنا ہونگے۔ مثلاً جدہ اور مکہ کے مابین عمود ٹرول کا اجراء، کسی بعض شہروں کی توسیع، ڈاک اور تار کے صنعتی ارج اس محکمہ نے وہ تمام طیاریاں مکمل کر لی ہیں جو بین الاقوامی طیاروں کے ضمن میں شامل ہونے کے بعد اب اسے عمل میں لانی ہیں۔

نیز تعلیم کی اشاعت کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ آپ کو اس پر غور کرنا

خوبی سے ادا کئے کہ سب تسلیم کر لیا پرا کر ترکی موسیقی، عظیم صلاحیت ملکتی ہو۔

### غازی مصطفیٰ کمال کا سفر اوردہ

شہر ترکی تاریخی شہر اوردہ کے ایک وفد نے اگر غازی مصطفیٰ کمال پاشا کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی۔ موصوف نے دعوت منظور کر لی۔ خیال کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں وہ قریب کے اہم شہروں کا بھی معائنہ کریں گے۔

### دردہ دانیال کی قلعہ بندی

اخبارات کا بیان ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے آستانہ میں پہنچ کر جنگی اور ملکی امور کے ساتھ ان تداریک پر بھی غور کیا ہے جن سے مستقبل میں تنظیم کی حفاظت بھی ہو جائے اور وہ آنا تجارتی بندر گاہ بھی باقی رہے۔ چنانچہ طے پایا ہے کہ امریکہ سے ایک قرض حاصل کیا جائے اور اس روپیہ سے دردہ دانیال اور باسفورس کی پورے طور پر قلعہ بندی کر دی جائے۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ معاہدہ لوزان میں اس بارے میں بعض پابندیاں موجود ہیں۔ مگر اب بظاہر ترک ان پابندیوں کی پرواہ کرنا نہیں چاہتے۔

### اطلاع ضروری

الہلال میں لاہور کی "الہلال کلب" کمیٹی کا اشتہار شائع ہو رہا ہے۔ اور اس کا پتہ صاف درج ہے لیکن بعض حضرات صرف الہلال کا نام دیکھ کر درخواست الہلال کے دفتر میں بھیجتے ہیں اور بلا ضرورت خط و کتابت کرنی پڑتی ہے۔ اس "الہلال کلب" کمیٹی سے رسالہ الہلال کلکتہ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لاہور کی ایک کلب کمیٹی ہے۔ اور اسی کا پتہ پتہ اس کے اشتہار کے نیچے درج ہے۔

**ایک نام نہاد و قدیم کے ہنر چاہیں تو**  
**نئی لاہور**  
 کامطالعہ کریں اس کے مستقل جنید افس کو چھ سو موقوف کی انعامی کتابیں مفت دی جاتی ہیں انعامی کتابوں کی فہرست اور نمونہ سالانہ آنے کے نکتہ سمجھ کر طلب کریں  
**مینجرائی لاہور**



## مکتوب حجاز

### اصلاح و ترقی کا اعلان اور عالم امیدیم!

ذیل میں ہم اپنے مقالہ نگار مقیم جہوہ کا مکتوب ترجمہ و اختصار کے بعد درج کرتے ہیں۔ انہوں نے مدعو کیا ہے کہ آئندہ مسلسل مقالات بھیجے دیں گے۔ مقالہ نگار نے جن احتیاط اور اعتدال نظر کے ساتھ حالات حجاز پر نظر ڈالی ہے، ہم اس کا اقرار کرتے ہیں، مگر یہ سچ ہے کہ بحال موجودہ انہوں نے حکومت کی بیان کردہ اصلاحات سے جو امیدیں قائم کی ہیں وہ قبل از وقت ثابت نہیں کی ہیں۔ اس راہ میں سب سے پہلی چیز اہل کاروں، اور مخلص کارکنوں کا جدوجہد اور جہان تک ہماری سطوات ہے، ہم دونوں کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت حجاز ان سے یکجہل ہم دست ہو۔ خود مقالہ نگار بھی اس اقرار کرتے ہیں۔

دلیل احمد بھٹ بعد ذلک امرا

### امیدیم

حجاز کی موجودہ حالت، ہر اعتبار سے، امیدیم کے متضاد اثرات کی ایک مرکب تصویر ہے! ایک طرف امید کی شعلیں چمکانے شروع ہوئی ہیں تاکہ صدیوں کی تاریکی کا مقابلہ کریں۔ دوسری طرف مایوسی کی ظلمت اتنی شدید وسیع ہو کر نہیں کہا جاسکتا مستقبل قریب میں ہیں روشنی کی تابانی کا انتظام کرنا چاہئے، یا ظلمت کے احاطہ و فرخ مندی کا؟ ایک طرف سلطان ابن سعود کی شخصیت اور اس کی سطوات و طاقت کا نطفہ ہے جسے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ملک میں امن قائم کر دیا، تمام سرکش جماعتیں قابو میں آئیں، نظم و اصلاح کے لئے زمین طیار ہو گئی، اور اگر حکومت کے مزاج میں صلاحیت اور اعصاب و حکومت میں کاروائی ہو، تو بہت جلد سرزمین حجاز کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف نظر اٹھائے تو حکومت کا مزاج غیر صلح، کارواں اشخاص تقریباً نا پید، اصحاب اغراض کا ہر طرف سے ہجوم، مخلص منرض میں امتیاز مسدود، اور اہل و غیر اہل کے لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ سلطان صحرا سے بھلے حجاز آئے ہیں اور آتے ہی ایک نظم و تدبیر حکومت کی از سر نو تخلیق کی ہم پیش آگئی ہے۔ اماں پیدا ہوتے ہیں، مگر جو دین نہیں آسکتے۔ بہت اٹھتی ہے، مگر قدم نہیں اٹھا سکتی۔ کام اہم اور مشکلات سے لبریز ہے۔ مزدور صلاحیت، صبر، استقامت، اور انتظار کی ہے، لیکن ادب سے لے کر نیچے تک ہر وجود نفع عاجل کا شیفہ ہے، اور اس لئے کوئی صحیح اور رفیع قدم اٹھ نہیں سکتا۔

### اصلاحات کا اعلان

لیکن حال میں مجلس شری کے قیام اور بعض ارکان حکومت کے تقرر و تبدل سے طلبہ گاران اصلاح کو جو نئی امیدیں دلائی گئی ہیں، مزدور قابل توجہ ہیں، اور ضروری ہے کہ ان کا اقرار کیا جائے لیکن یہ کہ ان کی موجودہ صورت و حالت آپنی نظروں میں زیادہ وقت طویل نہ کر سکے، لیکن اہل حجاز کے لئے جو صدیوں سے "اصلاح" آوازوں کا داروہ کے معانی سے نا آشنا ہو چکے ہیں، یہ یقیناً ایک امید افزا اقدام ہے۔

### سلطان کی تقریریں

مجلس شہری کے افتتاح کے لئے حجاز میں ایک شاندار جلسہ

تھا۔ سلطان نے اس تقریر دو تقریریں کیں: ایک عام حاضرین کو مخاطب کر کے۔ دوسری مجلس شہری کے ممبروں کے سامنے پہلی تقریر کا خلاصہ ذیل ہے:

"میں گھر کے باشندوں کو اس اجتماع کا مقصد بتانا چاہتا ہوں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں کے باشندے ہم سے رہنے والے بن جائیں زیادہ سے زیادہ اختلاط رکھیں اور زیادہ سے زیادہ میل جول کریں اس اختلاط کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہی فائدہ کیا کہ جو کہ ہم میں ہم محبت و اخوت محکم ہوگی اور ان سازشوں کی تمام کوششیں ایکجاں جائیں گی جو ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے ہر وقت مستعد ہوتی ہیں۔ "راہی اور رعیت کی دوستی اور بے تعلقی، خود غرضیوں کے لئے میدان کشادہ کر دیتی ہے۔ وہ بڑی آسانی سے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کا مودہ پا جاتے ہیں۔ اگر راہی اصرار میں نزدیکی نہیں ہو تو ظاہر ہے، ہر خود غرض جب چاہے، حکام کو گرا کر کرے سکتا ہے۔ حاکم ہرگز حقیقت حال سے واقف نہیں ہو سکتا اور بالآخر رعیتا کے لئے نصیب پیدا کرے سکتا ہے۔ لیکن اگر حاکم و محکوم میں قناعت و تقارب کے رشتے موجود ہوں، تو خود غرض لوگ حکام کو دھوکا دینے سے ڈریں گے۔ مبادا ان کی بدیتی اور دروغ گوئی فتنہ از ہام ہو جائے"

"آج کے اجتماع سے یہی غرض ہے کہ ہمارے اور باشندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ قربت و اختلاط قائم ہو جائے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے اور عام مخلوق کے درمیان ہرگز کوئی پردہ نہیں ہو گا۔ محل کا دروازہ ہمیشہ ہر انسان کے لئے کھلا ہو گا۔ نیز ہم ہر شخص کو ہمیشہ اپنے تمام عہدہ داروں کو رعایا سے حسن سلوک کی وصیت کرتے رہتے ہیں"

"بلاشبہ، عام مخلوق سے دوستی، نفس و جسم کے لئے آرام و راحت کا موجب ہے۔ لیکن دین اور شرافت کا تقاضہ اس سے منع کرتا ہے۔ دین، مخلوق سے دوستی کی اجازت نہیں دیتا۔ شرافت، مخلوق سے بے پرواہی و دامن کشی۔ کیونکہ اختلاط اور قناعت میں ہزاروں مصلحتیں اور نیکیاں ہیں۔ یقیناً کہ ہم اپنی پوری قوت سے اصلاح حال کی کوشش کر رہے ہیں۔ سال در سال میں انتشار و عدم بہت سی نئی اصلاحات بھی جاری کریں گے۔ ہماری نظر کے سامنے ہر لمحہ یہ فرمان ربانی موجود ہے "قل اعلموا فیہمیری اللہ علیکم" (قل کر، خدا تمہارا علمائے گاہکے گا) ابن آدم اگر نیکی کرتا ہے، تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ نتائج و ثمرات کی بخشش صرف اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔" یہ بالکل یقینی ہے کہ حکام کی درستگی، رعایا کی درستگی پر ہے ہمارا فرض نہیں مجبور کرتا ہے کہ ہمیشہ اس خیر و صلاح کی جستجو میں لگے رہیں جس سے ایک طرف مسلمانوں کی درستگی ہو، دوسری طرف ہمیں خدا کی رضا مندی حاصل ہو"

"ہم نے بعض عہدے دار معزول کر دیے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ انہوں نے کوئی خطا کی تھی، بلکہ اس لئے کہ ان سے بہتر آدمی مل گئے تھے۔ میں معزول عہدے داروں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے فرائض ایسا غاری سے انجام دیے تھے"

"ہم نے آپ ہی کے اذیوں کی ایک مجلس بنادی ہے کہ حکومت کے مختلف انتظامی محکموں کی دیکھ بھال کریں، ان کے نظام پر نظر ڈالیں ہم نے تاسر ذہن داری اس مجلس کے کارندوں پر ڈال دی ہے کہ کوئی نیکو اہل کہ اپنے مصلح ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہیں امید ہے کہ یہ مجلس اپنے فرائض، بحسن و خوبی انجام دے گی۔

"ہم نے مجلس شہری کے مطالبہ پر خوب غور کیا۔ چونکہ یہ مجلس از حد اہم اور باشندوں کے لئے فائدہ دہر ضروری و مفید ہے اس



برابر موجود ہوتا تھا۔

### ایک واقعہ

حاکم جوت امیر عبدالمدین عقیل کی بابت مجھے ایک بات ضرور کہنی چاہئے۔ یہ حاکم، دوسرے عرب حکام کے برخلاف ذی علم اور وسیع المعلومات ہو۔ شریعتہ حقہ کے مطابق حکومت کرتا ہو۔ اس کے علاقے میں جرائم بالکل ناپید ہیں۔ مثال کے طور پر ایک چشم دید واقعہ لکھتا ہوں:

ایک دن میں امیر موصوت کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا ”میں حاصل سے آ رہا ہوں۔ جوت سے ہم دن کے فاصلے پر ایک بھری ہوئی پوری میں نے پڑی دیکھی ہو“ حاکم نے سوال کیا ”اُس پوری میں کیا ہو؟“ شخص نے کوئی جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم اس واقعہ کے دوسرے دن ایک اور شخص نے یہی خبر سنائی۔ حاکم نے اُس سے بھی یہی سوال کیا۔ اُسے کہا ”اسیں اتوہ ہو“ حاکم نے پوچھا تو نے کیوں کر جانا؟“ اُسے کہا ”اپنی لالچی سے دبا کر“ امیر حاکم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے ۵۰ بید لگا دو۔ مجھے اس سزا پر بہت تعجب ہوا اور امیر سے استفسار کیا۔ اسے جواب دیا ”پوری دیکھنا جرم نہیں ہو، لیکن اسے یہ جو کہوں گی کہ اُس میں کیا ہو؟“ اس کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ پوری اس کی نہ تھی۔ اس کے بعد میر نے مجھے بتایا کہ اہل نجد، عموماً نہایت دیانت دار اور پرہیزگار ہیں اگر راستے میں سونا بھی پڑا ہو تو کبھی اُن کی مت نہیں بدلتی! جوت کا دار الحکومت، ایک قلعہ نامعظم محل میں واقع ہو۔ اس کا نام ”تقراور“ ہو۔ یہودیوں نے اپنے عروج کے زمانے میں تعمیر کیا تھا باشندوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۴۰۰ سال پہلے یہ بنا تھا۔

جوت کے باشندے باوجود غریب ہونے کے بڑے مہمان نواز ہیں۔ مہمان کی خدمت و خاطر فرض میں سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ خوب تمدن ہیں۔ میں نے کوئی شخص بھی کمزور، اور ڈبلا نہیں دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا، پوری آبادی میں ایک انسان بھی بیمار نہیں ہو۔ یہ جو کہ یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہو، پیداوار کافی ہو اور باشندے طبعی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

امیر عبدالمدین نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ انگریز اور امریکن سیاحوں نے بار بار کوشش کی کہ علمی اور جغرافیائی تحقیقات کے بہانہ سے آگے بڑھیں۔ مگر سلطان ابن سعود نے اجازت نہیں دی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسی قسم کے حیلوں سے اُنھوں نے مشرقی ملکوں میں اپنے قدم جانے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز مسٹر آئرش بہت سی موٹریں اور روپیہ لے کر آیا اور یہ ظاہر کیا کہ جوت کی مٹی بہت عمدہ ہو اس لئے وہ مٹی کے برتن بنانے کا کارخانہ قائم کرے گا۔ مگر سلطان نے قیام کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور یورپین نے کہا کہ خود اپنے تحت ریاض میں طبرول کے زین دھڑ چٹے موجود ہیں۔ میں انھیں بکھلنے دے سکتا ہوں۔ مگر سلطان نے اسے بھی منظور نہیں کیا۔ حالانکہ جوت کے باشندے کو طبرول کی بہت ضرورت ہو۔ سلطان کی دلی آرزو ہے کہ خالص اسلامی علمی جماعتیں تھیں آئیں اور یہاں کی قیمتی کاین بکالیں کہ وہ یورپین کینپل تاجروں کی آنکھیں محققوں کی آمد رفت سے ڈرتے ہیں۔



## خواص و سوانح

### زندگی پر آخری نظر

#### ایک کرڈ پتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟

سے طے کی تھی، کیونکہ میرے پاس یل کا کرایہ نہ تھا۔ پھر ایک دقت وہ بھی دیکھا جب پوری ترین صرف میرے لئے وہ دانہ ہوتی تھی تاکہ مجھے میٹھی پیٹا دیا کرے!

\*\*\*

”میری زندگی کے ان آخری لمحوں میں میرا حفظہ، زندگی کے تمام انقلابات ایک ایک کر کے میری آنکھوں کے سامنے سے گزرا رہا ہو۔ اس وقت میں اس قابل ہوں کہ زندگی پر ایک سفیانہ فیصلہ کی نظر دل سکوں!“

\*\*\*

”زندگی کے متعلق میرا نرم سے نرم فیصلہ یہ ہے کہ وہ ایک عظیم انسانی کرط عائی ہو جو طبع، شہوت، اور طاقت کے سبب آتیشیں مادوں پر یک ہی ہو۔ تمام بلند، رفیق، شریف جذبات ناپید ہو چکے ہیں۔ اُن کی جگہ خبیث، فاجرانہ، پرشور عناصر نے لی ہو۔ قہر اور دل کی خواہش اس قدر دست ہو گئی ہو کہ بالمشورہ کے سوا کوئی دوسرے قوت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔“

\*\*\*

”زندگی کے تمام دن باہم مشابہ ہیں، اگلا دلنے والے میں بچتا دلنے والے ہیں۔ ایک ہی قسم کے چہرے، ایک ہی قسم کے مزاج، ایک ہی قسم کے دل، ایک ہی قسم کی چیزیں! ہر نیا دن ویسا ہی برا بھلا! بچلا دن تھا! ہر نفس طمع دہوس سے اسی طرح لبریز جس طرح دنیا کا ہر باشندہ! زیادہ مال کی مجوزانہ طلب! زیادہ عیش کی غرض پرستانہ خواہش! اگر کام بہت کم، نیکی اور بھی کم! انسانوں کی بھڑال جمع کرنے پر ٹوٹ پڑی ہو۔ کسی کو خودداری کا خیال نہیں۔ کسی کو شرافت کی پروا نہیں۔ ایک حساس آدمی کے لئے یہ منظر موت سے کم نہیں!“

\*\*\*

”اسٹیج پر دولت کا کوئی دیوتا نمودار ہوتا ہو۔ خوشامدیوں، چالو سوں، امین الوتوں کی ٹھیس اُسپر ٹوٹ پڑتی ہیں، وہ کھلا پلا آہو۔ جلسے کرتا ہو، لہو و لعب کے تمام سامان مہیا کرتا ہو۔ اُسکی بڑی تعریفیں ہونے لگتی ہیں۔ اُس کی دوستی کا لاکھوں دم بھرنے لگتے ہیں۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہو کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی انسان نہیں۔ میں خدا کا پیٹہ اداؤں کی مخلوق کی آنکھ کا تارہ ہوں!“

”لیکن اب اس کا سونا چاندی ختم ہوا، اُس پر دنیا کی نظریں بھا پھر گئیں۔ اب نہ دوست دوست ہیں نہ عزیز عزیز۔ حسرت اور اندھا، صرف یہ دو کمرہ رفیق زندگی بھر کی رفاقت، کہ اُس سے پہلو میں

مسطحیں دھماٹ، لذت کا مشہور کرڈ پتی تھا۔ لیکن ایک گمانی خدانے اُسے دیوالیہ کر دیا۔ گزشتہ ماہ اُس نے زندگی سے ہزار ہوں کر خودکشی کر لی۔ لیکن مرنے سے پہلے ذیل کی تحریر لکھ کر اپنی میز پر رکھی تھی

”میں اس وقت ابدیت و غلو د کے دروازہ پر کھڑا ہوں اور دنیا کے نام اپنا آخری پیام لکھ رہا ہوں۔ میں نے زندگی پر اُس نقطہ نظر سے نگاہ ڈالی ہو، جو ایک مرنے والے انسان ہی کا نقطہ نگاہ ہو سکتا ہو!“

\*\*\*

میرے فنا پذیر عقیدے میں دنیا کا قدیم عالمگیر تمدن ہم اگست ۱۹۱۷ء (یعنی جنگ عوی کے آغاز کی طوفان اشادہ کرنا ہو) میں مر گیا۔ اس کے بعد سے اب تک جدید عالمگیر تمدن کی پیدائش نہیں ہوئی ہو۔

\*\*\*

میں نے پادشاہوں کی میزبانی کی امیروں کو بے تحاشانہ اُنکے سادہ ناموں سے پکارا۔ میری ملکیت میں شائد اہواز تھا جیسر میں نے پورے کوہ ارمی کی سیر کی۔ میرے مصلیٰ میں اسیل گھوڑوں کی صفیں بندھی تھیں۔ میں تھیلوں کا بھی مالک تھا۔ بڑی بڑی انجنا جاری کرنے والی کینیں میں بھی میرے حصے تھی۔ میں نے عظیم الشان تجارتی کار بار کئے۔ میرا راس المال بندہ کروڑ پونڈ (۱۰۰۰۰۰۰ روپے) تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے صرف ایک دن کے اندر ۵، ۷، ۹ پونڈ نفع لیا تھا۔ ان حالات میں، میں امید کرتا ہوں کہ سب لوگ مجھ سے اتفاق کرینگے کہ مجھے زندگی کے باسے میں اظہار کا حق حاصل ہو۔

\*\*\*

”مجھ پر زندگی کے گرم اور سرد، ہر طرح کے موسم گزر چکے ہیں۔ میں نے فائدہ کشی کی مصیبت کا مزہ بھی چکھا ہو، اور میں نے دولت کی سرگرمی بھی محسوس کی ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ تین دن کے بھوکے کا احساس کیا ہوتا ہو؟ اور مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ دولت کی فراوانی دل و دماغ پر کیا اثر ڈالتی ہو؟ مجھ پر وہ وقت گزر چکا ہو جب میری کوئی آرزو بھی ایسی نہ تھی جو میری قدرت سے باہر ہو۔ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب ہزاروں انسان اپنے پیٹ کی رولی کے لئے میرا ہاتھ تھمتے تھے!“

\*\*\*

”مگر وہ دے کے ایک دم میں نے ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ پونڈ جینے تھے لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب تاش کی ایک بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی! دو تندی کے لالکھ اور غربت کا اشلنگ! دو دنیا کی جیت کے لالکھ! اب میرے دل نے محسوس کئے۔ ایک مرتبہ شلنگ میں لذت سے ذیل تک کی ہمیل کی سافت، میں نے اپنے پیڑ میں



# سیر فی الماض

اَدْلُ سِيرٍ دَانِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُ اَكَيْفَ كَانَتْ قَبْلَهُ الدِّينَ فَيَقْتُلُهُمْ

(۸: ۳۰)

## سیاحان عالم کے مشاہدات و تاثرات

### ایک مصری سیاح نجد میں

حال میں ایک مصری سیاح نے نجد کی سیاحت کی ہو۔ اُس کے مشاہدات کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

#### صحرائی سفر کا آغاز

صحرائی سفر کا پہلا اتفاق تھا۔ میں وہاں کے راستوں، سواریوں اور باشندوں کے طرزِ معیشت سے بالکل ناواقف تھا۔ میرا اس سفر کا آغاز، شرقِ اردن کے پاسے تخت، عمان سے ہوا۔ میں نے ایک موٹر گاڑی پر بیٹھ کر وہاں سے داخل ہو گیا۔ راستے میں کہیں درخت، گھاس، پانی، اور جاندار مخلوق نظر نہیں آئی۔ ہاں کبھی کبھی اونٹوں کے ٹانگے چلتے دکھائی دیتے تھے۔ اب سے پہلے یہ راستہ نہایت خطرناک تھا۔ بغیر کافی جنگی قوت کے کسی کا بھی جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر اب بالکل امن و امان ہے۔ کابل ایکٹن کے سفر کے بعد میں قریات الملح میں پہنچ گیا۔

#### قریات الملح

اسی مقام سے سلطان ابن سعود کی سلطنت شروع ہوتی ہے۔ میں نے پہنچنے ہی وہاں کے بعض شیوخ قبائل سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ پائے تخت نجد، ریاض، جانے کا غرض ہے۔ اُنھوں نے نہایت خوش اخلاقی سے میزبانہ مقدم کیا اور میرے لئے فوراً اونٹ مہیا کر دیے۔ ایک میری سواری کے واسطے تھا اور میرے خدمتگاروں کے لئے۔ یہ خدمتگار بھی اپنی شیخ نے محض اپنی مہربانی سے میری خدمت کے لئے ساتھ کر لئے تھے۔ اتفاق سے ۵ اونٹوں کا ایک ٹانڈہ بھی ریاض جا رہا تھا۔ میں بھی اسی میں شامل ہو گیا۔

یہاں یہ منظر میرے پیش اُڑ گئے کہ مجھے بہت طویل سفر کرنا پڑے گا۔ یعنی قریات الملح سے جوت تک ۹ دن۔ جوت سے حائل تک ۱۰ دن۔ حائل سے بریدہ تک ۸ دن۔ بریدہ سے ریاض تک ۸ دن یعنی پانچ دن تک پہنچنے کے لئے مسلسل ۳۵ دن صحرائیں چلنا پڑے گا۔ پھر راستہ میں ۲۵ دن آرام کے لئے قریہ جاؤں گا۔ گویا پورے دو مہینے ہیں بیابانی دنیا میں بسر کرنے ہونگے!

”قریات الملح“ جہاں سے ہمارا سفر اونٹ پر شروع ہوا، ایک چٹو سا گاؤں ہے اور نجد کو شرقِ اردن سے جدا کرتا ہے۔ یہ جبل الدردرد سے ڈیڑھ دن کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا حاکم اعلیٰ، ایک نجدی افسر ہے اور احکام شریعت کے بموجب حکومت کرتا ہے۔ اس کی آبادی ۱۰۰ سے زائد نہیں ہوگی۔ یہاں کی معیشت، گھریلو کی زراعت، غلات، اور اونٹوں اور مویشیوں کی پرورش ہے۔ یہاں تنگ بھی بنتا ہے اور مویشی

مسافروں کے ہاتھ اچھی قیمت پر کھاتا ہے۔ محصول، زکوٰۃ کے نام سے وصول کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ سالانہ ہر ۶ اونٹ پر، جمیدی، ۱۰ اونٹوں پر ۱۱۱ قرش مصری (ایک قرش ۲۰۰ گرام ہے) ہر سو بکری پر دو بکریاں وصول کی جاتی ہیں۔ یہاں جرائم اور فوج کا نام تک سننے میں نہیں آتا۔ حاکم کو ”امیر“ کہتے ہیں۔

امیر قریات الملح نے اپنے چوتھے پر (جو اس کی ٹھیک یاد رہا عام کی جگہ پر) میرا استقبال کیا۔ میرے لئے تھوہ حاضر کیا گیا۔ آہستہ بہت اصرار کیا کہ چند دن اُس کا ہمان رہوں۔ مگر مجھے سفر کی جلدی تھی دوسرے دن وہ مجھے اپنے ہمراہ قبیلہ بنی صخر میں لے گیا۔ یہ قبیلہ اس گاؤں سے ۵۰ کیلو میٹر کے فاصلہ پر بنی صخر کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنی شجاعت، جرأت، اور غارت گری میں اس قدر مشہور ہے کہ تمام عرب اُس کے نام سے ہراتا ہے۔

#### صحرائی زندگی

آگے بڑھنے سے پہلے مجھے صحرائی زندگی کے متعلق چند تبدیلیوں کا کہنیے چاہیے۔ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ نجد میں سیاحت کے لئے ضروری ہے کہ چہرے پر دائری موجود ہو چنانچہ میں نے اپنی دائری کی پرورش شروع کر دی تھی۔ نجد کی سرحدیں طویل ہوتے ہوئے میری دائری کافی حد تک دراز ہو چکی تھی۔ میں نے بڑی لباس بھی خرید لیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ سر بھی مٹانا پڑے گا۔

قریات الملح میں مجھے اس کی خبر ہوئی میں نے اپنا سر نجدی امیروں کے رقم پر چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے اندر کھوپڑی صاف تھی۔ میں نے آئینہ دیکھا تو اپنی صورت پر جان نہ سکا۔ لمبی دائری، مونچھیں صاف، سر گھٹا ہوا۔ ایک عجیب شکل بن گئی!

مجھے پہلی ہی منزل میں معلوم ہو گیا کہ یہ سفر کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔ شہری زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر عذاب کیا ہوگا کہ وہ صابون تک نہ پائیں۔ صحرائیں صابون، نایاب و بہت قیمت پر کھاتا ہے۔ خود صحرائی عربوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کپڑے کبھی نہیں دھوئے۔ کھانے کے بعد ہاتھ بھی نہیں دھوئے۔ اُن کا عام مقولہ ہے ”عربوں کا صابون، اُن کی دائری ہے!“ یہاں کی زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے دائری کا نام نہ معلوم ہوا۔ یقیناً دائری، صحرائیں بہت مفید چیز ہے۔ رمال کی پودھی قائم مقامی کرتی ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ نہ اسی مقدس رمال سے پونچھ لے جاتے ہیں!

قریات الملح سے جوت تک ہیں ۹ دن چلنا تھا۔ اس مقام راستے

میں ہیں صرف ۳ کنوئین ہے۔ آگے کے لئے ہم نے پانی بھر لیا۔ میں نے عجیب بات دیکھی کہ اونٹوں نے ۹ دن کی مدت میں صرف ایک مرتبہ پانی پیا۔ میرے ساتھی مسافروں نے بتایا کہ جاڑے میں اونٹ پندرہ پندرہ دن بغیر پانی پئے چلتے رہتے ہیں۔ میرے یہ ساتھی، صحرائی بدلتے ہیں۔ اُنھیں نہایت خوش اخلاق پائے۔ اُن کے اخلاق کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اگرچہ اُنھیں ہمسرا اور اُس کے بادشاہ سے کوئی طمع یا خوف نہیں، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مصری ہوں، اس لئے راستے بھر بلند آواز سے ہمسرا اور اُس کے بادشاہ کے لئے دعا میں لگے رہے۔ اُنکے اس طرزِ عمل نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام نے کتنی مختلف قوموں کو ایک رشتہ میں منسلک کر کے بھائی بھائی بنا دیا ہے!

یہ بد اگرچہ اپنی فطری مساوی پر قائم ہیں، تاہم اُنکے اقوال اور حرکات و سکنات، اُن کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ فضول گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ سیاسی اختلافات سے بھی گریز کرتے ہیں۔ راستہ بھر میں نے کبھی نہیں سنا کہ اُنھوں نے نجد یا نجد کی سیاست پر ایک لفظ بھی کہا ہو۔ جب بھی میں نے کوئی ذکرِ خطیر اُدھر یہ کہہ کر پہلو بجا لیتے تھے ”حکومت، خدا کی ہو اور پھر عبدالعزیز بن سعود کی“ اُن کی گفتگو کا اصلی موضوع، عرب کی شجاعت، ہمت اور دینی فضائل و کمالات تھا۔ عربی شہر اگرچہ صحرائی میں پیدا ہوا مگر چونکہ نجدی ہمیشہ ذکرِ الہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے مشہور شاعری کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ اُن کی دینی روح سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ راستے میں ہیں ایک مقام ملا۔ اس کا نام خطاط ہے۔ یہ دراصل وسط صحرائیں میں ایک کنگدہ کی سیلہ ہے۔ اس کی سیلہ چمکی ہوئی کہ اونٹ کا پاؤں اُس پر چم نہیں سکتا اور انسان کے لئے بھی اُس پر چرنا بہت مشکل ہے۔ بڑوں میں عام طور پر مشہور ہے کہ اس ٹیلے کے نیچے سونے کا خزانہ مدفون ہے۔ لیکن چونکہ ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہے کہ قوم لوط اسی مقام پر آباد تھی اور یہیں برباد ہوئی، اس لئے اُن کی دینی روح کسی طرح گوارا نہیں کرتی کہ یہ مقام جا کر دیکھیں جہاں عذابِ الہی نازل ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہر کہ صدیوں سے اس ٹیلے کو کسی انسانی قدم نے نہیں چھوا!

اُنھیں نہ ہم ایک مقام پر پہنچے جسے ”قریہ“ کہتے ہیں۔ مجھ سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ اسکے گرد کے پہاڑ برف سے ڈھکے تھے اور نیچے ہر طرف سنہ زار تھا۔ صحرائیں ایسا منظر میرے لئے بالکل غلط توقع تھا۔ یہ جگہ سوئٹزرلینڈ کے مناظر پیش کرتی تھی۔ بلکہ اس کے منظر میں صحرائی کی عیب خاموشی نے ایک عجیب جلال و جمال کا مرکب منظر پیدا کر دیا تھا!

#### ”جوت“

نویں دن ہم جوت پہنچ گئے۔ حاکم جوت عبدالرحمن بن عقیل نے جوت ہی سنا، اپنے آہنی استقبال کے لئے مجھ کو اور بذاتِ خود بھی قصبہ کے چھانک پر آ کر خیر مقدم کیا۔

”جوت“ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ چاندی طرف پہاڑ ہیں۔ پہاڑ کی کچھ، عرب بھر میں مشہور ہے۔ کہیں، جو، اور بعض ترکائیوں کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ انگد، شقاو، اخروٹ، نارنگی، لیموں، اور خربوزہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ باشندے تجارت پیشہ بھی ہیں اور دستکار بھی۔ کھال کی باغیت یہاں بھی ہوتی ہے۔ ادنیٰ کپڑوں کی وجہ سے بھی ایسے بہت شہرت حاصل ہے۔ نجد کی مشہور عبا ”عجبی الجوت“ پر لیا رہتی ہے۔ اونٹ اور بکری کی تجارت کی بھی یہ ایک بڑی جگہ ہے۔ اس کے صحرائیں شتر مرغ، ہرن، اور گوزر بجز موجود ہیں۔ سیاح کا گوشت عرب بہت پسند کرتے ہیں۔ میری دعوتوں میں بھی گوزر

لَا تُهِنُوا كَلِمَةَ اللَّهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

# الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سالہ

جلد ۱

نمبر ۱۲ : جمعہ ۵ - ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 2, September 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۸۶۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۱۱۳	اردو حروف کی حق میں	۲۷۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۱۹۶	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۱۴	نستعلیق ہوں	۶۸

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کرینگی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔ 'الہلال'

مہ جائے ہیں!

# آفس

## نپولین پر قاتلانہ حملے

یہ ابھی ابھی میدان جنگ سے آیا تھا۔ لوگ لڑائی کی خبریں پوچھ رہے تھے وہ بتا رہا تھا کہ فرانسیسی فوجوں نے کس طرح آسٹریا نوجوں کو لپکا کر لیا۔ لوی دلف نے آگے بڑھ کر سوال کیا:

”نپولین ہیں کب مشرف کرے گا؟“

سپاہی نے تعجب سے سر اٹھا کر کہا:

”سپہ سالار کی زبانی میں نے سنا ہے کہ نپولین آج رات یا کل شہر میں داخل ہوگا۔ وہ ابھی میدان جنگ کا نقشہ مرتب کرنے میں مصروف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سلام کے لئے بہت یحییٰ ہیں۔“

”ہاں میں اُسے ایک بالکل انوکھے طریقہ سے سلام کر دیتا ہوں۔“

دلف نے جواب دیا:

پھر یہ شخص اپنے مکان گیا، بندوٹی، اور شائع عام پر ایک مکان میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ صبح وہ ٹری بیچنے سے کھڑکی میں بیٹھا بیڑی کی آمکا انتظار کر رہا تھا۔ سورج کی کرنوں کی روشنی میں اُسے دو سواردوں کی صفیں نظر آئیں۔ سب آگے ایک درمیانی قدم کا سوا متاز ڈیڑی پہنے آ رہا تھا۔ دلف نے سمجھ لیا کہ نپولین یہی ہے۔ بندہ درست کر کے چھتیا لی۔ لیکن اُس کے ہاتھ کا پٹنے لگے۔ قریب تھا کہ بندوٹی گر جائے۔ مگر اُس نے اپنے تئیں سنبھالا۔ جب نپولین چند گناصل پر آگیا تو فریاد کیا: ”لیکن میں اس وقت اچانک، پیچھے ہٹ رہا تھا اور اس زور سے اُسے کھینچا کہ بیوش ہو کر گر پڑا۔“

نپولین کو اس واقعہ کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ اپنی قیام گاہ پہنچا اور حکمہ جاسوسی کے افسر علی کو بلانے لگا:

”فرانسیسی فوج کے خلاف کسی سازش کا تو پتہ نہیں چلا؟“

”ہاں حضور والا! ۳۰ سازشوں سے زیادہ کا حال اب تک معلوم ہو چکا ہے۔“

”سازش کے یانوں کا بھی کچھ پتہ لگا؟“

”مجھ پر سب بڑا فرض شہنشاہ کی زندگی کی حفاظت کا ہے۔ ایک افسر نے ابھی ایک ناعابت اندیش کو گرفتار کیا ہے جو پرگولی چلانے والا تھا۔“

نپولین نے تعجب سے پوچھا:

”وہ پردشا کا باشندہ ہوا یا آسٹریا کا؟“

”لویرین ہے۔ افسر نے جواب دیا۔“

نپولین یہ سن کر سخت متحیر ہوا:

”خوب! میں تو اس بد نصیب ملک کو آسٹریا کی غلامی سے لے کر فرانسیسی فوج کا خون بہا رہا ہوں، امداد اس کا بدلہ لے دیا جاتا ہے کہ وہ کس سے قتل!“

اُس نے مجرم کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ۲۰ منٹ کے بعد وہ تھا۔ نپولین کھڑا تھا۔ مجرم اُسکے سامنے لا کر کھڑا کیا گیا۔ اُس نے طنز تویرا کا دلیدہ تھا۔ ”ایں جانب جزل برٹہ۔ نپولین نے آنکھیں مجرم کے چہرہ پر جا دیں۔ ان آنکھوں میں نہیں معلوم کیا

نپولین بوناپارٹ کے اخلاق پر موزوں نے جس تفصیل سے نظر ڈالی ہے شاید جدید دنیا کے کسی انسان کی شخصیت اس قدر زبردست نہ رہی ہو۔ نپولین نے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں اکٹ ڈالی تھیں۔ اخلاق کے قانون میں اس کی فاحشہ اولوالغری، اخلاق کا سب سے بڑا جرم تھی۔ اور اسی وجہ سے مفتوح ملکوں میں اُس کی جان کے ہزاروں دشمن پیدا ہو گئے تھے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اُس کی پوری زندگی میں، اُس پر قاتلانہ حملے صرف دو ہی ہوئے۔ حملہ آوروں کے جذبات ہیں سمجھو چاہیں۔ اُن پر ظلم ہوا تھا۔ اُن کی آزادی چھینی گئی تھی۔ وہ جوش اور ہجانہ دم پرتی میں سب کچھ کر سکتے تھے لیکن دیکھتا ہے کہ نپولین نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا ایک مجرم کی وجہ سے سیکڑوں بے گناہ قتل کئے گئے؟ کیا خود مجرموں کو اُس ہولناک طریقہ پر سزا دی گئی جو عام طور پر آج بھی سزا دنیا میں رائج ہے؟ تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے کہ اس فراخ دل، بلند ہمت انسان نے پوری شرافت سے دونوں قاتلوں کو معاف کر دینا چاہا، اگرچہ اُن میں سے ایک نے معافی قبول نہیں کی اور موت کو ترجیح دی۔ یہ دونوں واقعے بہت دلچسپ اور عبرت انگیز ہیں۔

### یورپا میں حملہ

شاہ تویرا (جرمنی) نے آسٹریا کے مقابل میں نپولین سے مدد طلب کی تھی۔ جولین ۲۷ جولائی کو دہلی داخل ہوا۔ شاہ تویرا اُس کے پہلو پہلو چل رہا تھا۔

اُس وقت تویرا کے باشندوں میں اپنے ملک کی سیاسی حالت کے متعلق سخت اختلاف پائے گئے۔ ایک گروہ فرانسیسی اثر پسند کرنا تھا اور آسٹریا کو ترجیح دیتا تھا۔ نپولین کے آنے سے ایک دن پہلے اُس شہر کے دو آدمیوں میں تکرار ہوئی۔ اُن میں سے ایک فرانس کا طرفدار تھا دوسرا آسٹریا کا۔ آخر الذکر کا نام ”لوی دلف“ تھا۔ اُس کی عمر ۲۷ برس کی تھی۔ فرانس اور نپولین سے سخت نفرت کرنا تھا۔ نفرت کی وجہ بالکل معقول تھی۔ اُس کا باپ اور بھائی فرانسیسیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے اور ان کو جاسوسی کے الزام میں اس قدر تکلیف دی گئی تھی کہ وہ جانبر نہ ہو سکی۔ اس سے بھی زیادہ اُس کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ جس جنگ میں مدد کے لئے نپولین کو بلایا گیا تھا، اُس کی وجہ سے اس شخص کی شادی لمتوی ہو گئی تھی۔ اُسے اپنی سنگت سے غایت درجہ محبت تھی وہ کسی طرح بھی شادی میں تاخیر گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

غرض کہ ان اسباب کی وجہ سے شخص مذکور غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی کو فرانس کی طرفداری کی وجہ سے زود کیا اور قسم کھائی کہ کل نپولین کو ضرور قتل کر ڈالے گا۔ اُسے کہا: ”اگر ماورط کا اس ظالم دشمن کے قتل کی کسی کجرات نہیں۔ توین ہم انجام دوں گا اور ملک کو اُس کے شیرو دشمن سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دوں گا!“

چنانچہ وہ اس ارادہ سے فوراً روانہ ہو گیا، اُسے نپولین کی آمد کی تاریخ معلوم نہ تھی۔ باوجود میں ایک لویرین سپاہی کے گرد بھٹک لگی تھی۔

”میرے خیال میں جو کوئی بھی زندگی کو اس نظر سے دیکھے گا اور اس معیار نظر سے وزن کرے گا، وہ ہرگز ہمیشہ کی خند سوجانے پر فخر نہیں ہو سکتا!“

”لیکن، تھوڑا مجھے اپنی زندگی کے اس آخری لمحے میں ایک نظر اور اٹھانے دو۔ آہ اجیر لوارڈن پر میری بیوی اور میرے تینوں بچوں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ یہ دیکھو، میری بیوی کی محبت کا خلاصہ سے لبریز آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں!“

”اُن! یہ میرے لڑکے کے متبرم ہونٹ ہیں، یہ ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ وہی ہے۔“

”الہی! یہ میری دونوں لڑکیاں کھڑی ہیں۔ اپنی طویل بلکوں کے اندر سے مجھے دیکھتی اور پردانہ شفقت کے دوسہ کے لئے بڑھ رہی ہیں!“

”ہاں، اب میں زندگی کی سرت محسوس کرتا ہوں!.....“

لیکن ہم اس سرت سے بھی کیوں نہ دست بردار ہو جائیں؟

”کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ انسان زندگی کی تمام مصائب و آلام اپنے مجبوروں کے دہرہ پہنچ کر بھول جاتا ہے؟“

”لیکن یہ دیکھو، میرے مجبوروں کی تصویروں پر پردہ پڑ گیا۔..... اب میرا سر جھک رہا ہے۔ میرے سینے کے اندر شعلے سے جھلک رہے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک نہکتے ہوئے تیزور پر کھڑا ہوں۔..... میں نے تار میں اپنی پوری دنیا کھودی۔ مجھے اس معصیت کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔.....“

”میری بیوی، میرے عزیز بچو، میرے وہ تمام دوست و سہو جاسوت بھی میرے دل میں موجود ہوا خدا تمہیں برکت دے! اور تمہارے ساتھ ہوا خدا کرے، تم دنیا اور دنیا کی زندگی کو اُس سے زیادہ نہ سمجھو جتنے وہ فی الحقیقت ہے۔.....“

م قوت تھی کہ مجرم ثابت لاسکا۔ منسک بھل کر چلا یا۔ ”غوا غوا“

نپولین نے نرمی سے پوچھا: ”وہ اسباب کیا تھے جنہوں نے تجھ پر جرم پڑا دیا؟“

مجرم نے تمام واقعات صحیح صحیح بتائے۔ اس پر نپولین نے کہا:

”لیکن میں میرا قصہ کیا ہے؟ اگر دول یورپ مجھ کو مٹانا چاہتی ہیں، میں اپنی عافیت کرتا ہوں تو میرا گناہ کیا ہے؟ تمہاری شادی رکھنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ نہ میں اُس کے التواء کا اصلی سبب ہوں لیکن اگر تم مجھ کو باعث سمجھو ہو تو میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ آج ہی تمہاری سنگت سے تمہاری شادی ہو جائے۔ میں اپنی جیب خاص سے سوا خزانہ اس تقریب میں پیش کرتا ہوں۔ برٹہ اکل تم فوج کے ایک دستہ کے ساتھ اس شادی میں شریک ہونا، اور میری طرف سے دو لکھ امان کیساتھ جلیوں میں جلنا!“

پھر نپولین مترجم کی طرف متوجہ ہوا:

”اس شخص سے امدد کہیں نے معاف کر دیا۔ میں تمہارے کو خوشی دہری کا متمنی ہوں!“

دلف خلافت توقع یہ برتاؤ دیکھ کر سمجھ گیا۔ دلی ہمد تویرا نے:

نپولین نے سادگی سے جواب دیا: ”فرز شاہراہ سے ایں نے قوالہ شادی کا ایک شخص کوئی فرض ادا کیا ہے۔ کبھی کبھی غصہ دیکھ کر دشا کو بدمعاشی میں ہو جاتا ہے۔“

(۶)

## بابل کے معلق باغ

The Hanging Gardens of Babylon

\*\*\*

بابل، قدیم دنیا کا مشہور ترین شہر ہے۔ بہت سی قوموں اور سلطنتوں نے اسے باری باری فتح کیا اور اپنی عظمت و شوکت کا مرکز قرار دیا۔ مشہور ہے کہ اس کا اولین بادشاہ نمرود اور اس کا خاندان تھا۔ اس کی اولاد میں سب سے زیادہ شہرت ”آر“ خامس کو حاصل ہوئی۔ اس کا نام اور بعض حالات اُن اینٹوں پر مسماری خط میں کندہ ملے ہیں، جو حال میں زمین سے نکالی گئی ہیں۔

خاندان نمرود کے بعد ایک دوسری سلطنت کا قبضہ ہوا۔ تاریخ میں اس کا نام ایرانی سلطنت ہے۔ دوسرے پچیس سال اس نے حکومت کی۔ اس کے بعد ۲۲۲۵ ق م میں ایک آر سلطنت قائم ہوئی۔ اس کا نام ”ایلامی“ ہے۔ اسی کے ایک بادشاہ ”کودلا امر“ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقابلہ کیا تھا اور فتحیاب ہوئے تھے۔

تقریباً سنہ ۲۰۰۰ ق م میں اس پر کلدانیوں نے قبضہ کیا اور ساڑھے چار صدی تک حکومت کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد مصریوں کا غلبہ ہوا اور سنہ ۱۳۱۴ ق م تک حکمران رہے۔ اشوریوں نے مصریوں کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی۔ یہاں تک کہ سنہ ۵۳۸ ق م میں کورش شاہ ایران نے اُن کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس وقت سے ایرانیوں کا دور شروع ہوتا ہے۔

بابل اور نینوی میں ہمیشہ رقابت چلی جاتی تھی۔ ایک دوسرے کی بربادی پر تلے رہتے تھے۔ سنہ ۷۴۵ ق م میں اہل نینوی نے بابل فتح کر لیا تھا۔ لیکن سنہ ۶۰۶ ق م میں بابلیوں نے ایرانیوں کی مدد سے اُنہیں نکال باہر کیا۔ پھر خود نینوی پر حملہ کیا اور اسے اس طرح مٹا دیا کہ اُس کا نشان تک باقی نہ رہا۔ ابھی حال میں بڑی تحقیقات کے بعد پتہ چلا ہے کہ یہ قدیم شہر کس جگہ واقع تھا، کیسا عظیم الشان تھا؟ اور کس بے دردی سے برباد کر دیا گیا؟

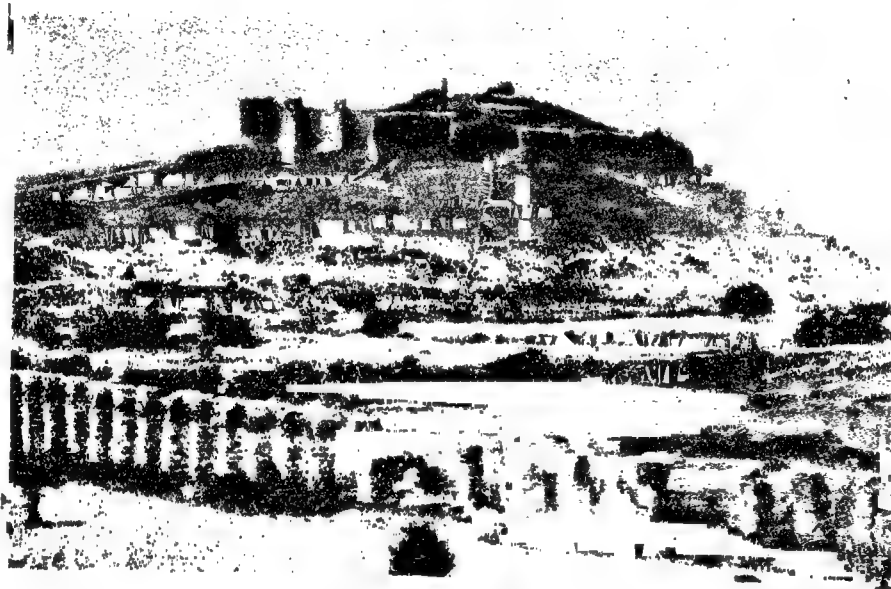
نینوی کی بربادی کے بعد ہی بخت نصر ظاہر ہوا۔ بابل کے معلق باغ اسی نے بنائے تھے۔ اُن سے مقصود صرف یہ تھا کہ اپنی بیوی کی خوش نودی اور تفریح کا سامان کرے۔

یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ بخت نصر نے ارادہ کیا، بابل کو از سر نو اس طرح بنائے کہ دنیا، نینوی کی شان و شوکت بھول جائے۔ چنانچہ نینوی کے قیدیوں اور معماروں سے یہ نیا شہر طیار کرایا گیا۔ خود ہیروڈوٹس نے اپنی سیاحت کے دوران میں بابل کی بھی سیر کی تھی، چنانچہ اُس کے

حالات اپنی تاریخ میں لکھے ہیں۔ اُس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل، زمین کے مربع ٹکڑے پر قائم تھا۔ بیچ میں دریا فرات سے بہ کر اُس کے دو حصے کر دیے تھے۔ ہر حصہ ۱۵ میل لانبا تھا۔ یعنی پورا شہر تیس میل کے وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ چاروں طرف شہر پناہ تھی۔ ۳۵۰ فٹ بلند اور ۸۷ فٹ موٹی تھی۔ اس میں پیتل کے سو پھاٹک تھے۔ پھاٹکوں کے ستون اور چھتیں بھی پیتل کی تھیں۔

شہر میں سب سے زیادہ شاندار، عجیب، اور دلچسپ چیز یہ ”معلق باغ“ تھی جو اُس وقت سے اب تک پوری دنیا کے لیے عجوبہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ باغ پتھر کی عمارتوں پر ایک ایسے علاقہ میں نصب کیے گئے تھے، جہاں پتھر کی دیوار ہونے کی وجہ سے نادر اور قیمتی چیز سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ عبادت خانوں میں بطور نذرانہ کے پتھر پیش کرتے تھے اور پرانے عبادت خانوں سے نئے عبادت خانوں میں بڑے اہتمام سے منتقل کیے جاتے تھے۔ دجلہ اور فرات کی وادی میں آج تک پتھر کی بڑی قلت ہے۔

لیکن کیا یہ باغ واقعی معلق تھے؟ اس بارے میں ایک سخت غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ حال کے بعض مورخین بھی اس غلطی سے نہ بچ سکے۔ دراصل انکا معلق ہونا محض ایک نظریہ اور مجازی وصف تھا۔ ورنہ وہ معلق نہ تھے۔ قدیم یونانی اور رومانی مورخوں نے انکے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے اس کے معنی ”معلق“ نہیں بلکہ منزل در منزل باغ کے ہیں۔ یہ باغ پتھر کے کئی منزله چبوتروں پر لگائے گئے تھے۔ ہر اوپر کا چبوترہ نیچے کے چبوترے سے عرض میں چھوٹا تھا۔ اس طرح تمام چبوترے بلند ہوتے ہوئے ۳۵۰ فٹ تک پہنچ گئے تھے۔



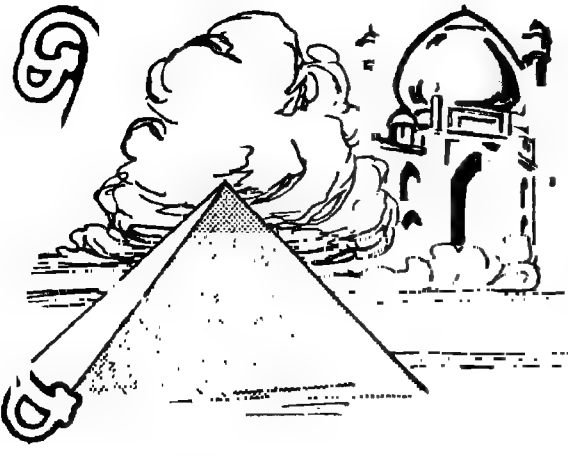
سات عجائب عالم میں سے دائنہ کے مندر کا بقایا

پہاڑ کے نیچے جو کھنڈر نظر آ رہا ہے، یہی اس مندر کا بقایا ہے۔ اوپر ترکوں کا قلعہ ہے

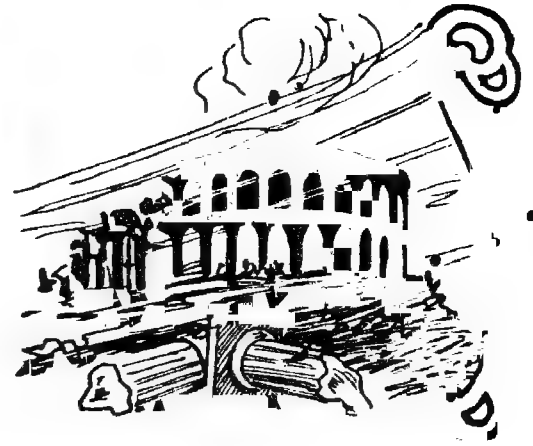
کی گئی تھی جتنی درختوں کی پرورش کیلیے ضروری تھی۔ پانی اوپر چڑھا کر بالائی منزل پر تالاب بنایا گیا تھا، نیچے سے اُس میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ اور اُسی سے پورے باغ کی آب پاشی ہوتی تھی۔ ہر چبوترہ کی زمین یا چھت بانس سے پات دی گئی تھی۔ اُس کے اوپر سیسہ پگھلا کر پھیلا دیا تھا۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی تھی کہ دیواروں اور بنیادوں تک نمی نہ پہنچ سکے اور باغ ہمیشہ برقرار رہیں۔ ہر طبقے یا چبوترے کے نیچے بڑے بڑے ایوان تھے اور بابل و نینوی کے بہترین سامان آرائش سے آراستہ تھے۔ ہر در طبقوں کے مابین وسیع زینے بنے ہوئے تھے۔ جنسے بادشاہ، ملکہ، اور درباری ایک ساتھ اوپر نیچے آ جا سکتے تھے۔

باغوں میں قسم قسم کے پھولوں، پھلوں، از میوؤں کے خوشنما درخت لگے تھے۔ موسم بہار میں عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ ہرے بہرے درختوں کے پتے پوری عمارت چھپا لیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعی باغ ہوا میں معلق کھڑے ہیں۔ خوشبو اس قدر ہوتی تھی کہ تمام شہر معطر ہو جاتا تھا۔ خیال ہوتا تھا کہ جنٹ آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی ہے۔ بابل کی گرمی دیکھتے ہوئے یہ باغ





# تاریخ حقیقہ



## سات عجائب عالم

(۵)

### روڈس کا عظیم بت

(The Colossus)

جزیرہ روڈس (بحر متوسط) میں یہ عظیم الشان اور شہرہ آفاق بت قائم تھا۔ لیکن اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ عہد مسیحی سے سو برس پہلے ہی وہ برباد ہو چکا تھا۔ مرکب دھات کا یہ بت تکرے تکرے کر کے اس طرح بچھا گیا، جس طرح پرانا لوہا بکتا ہے!

مشہور رومانی مورخ پلینی نے پہلی صدی عیسوی میں جزیرہ روڈس کی سیر کی تھی۔ وہ لکھتا ہے:

”ہر چیز سے زیادہ حیرت انگیز آفتاب کا وہ عظیم الشان بت تھا جو اس جزیرہ میں نصب تھا۔ اسے کیرس لندنی نے بنایا تھا۔ یہ ستر گز (رومانی) بلند تھا۔ ۶۵ سال قائم رہنے کے بعد زلزلہ سے گریزا۔ وہ اب تک بدستور زمیں پر پڑا ہے اور دیکھنے والوں کیلئے ایک منظر حیرت ہے! کم آدمی ایسے نکلینگے جو بت کے ہاتھ کا انگوٹھا اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر بھی قبضہ میں لاسکیں۔ بت کی انگلیاں اتنی بڑی ہیں کہ شاید ہی اتنے بڑے مجسمے کہیں موجود ہوں۔ پندلیاں انہی موٹی ہیں کہ انکے اندر لمبی گہری سرنگیں معلوم ہوتی ہیں۔ پندلیوں کے اندر عظیم الشان سنگی ستون تھے تاکہ پاؤں بت کے جسم کا بوجھ سنبھال سکیں“

یہ بت دراصل اپالو دیوتا کے اعزاز میں بنایا گیا تھا۔ یہ دیوتا اس جزیرہ کا معبود اور محافظ سمجھا جاتا تھا۔ کیرس بت تراش نے بارہ برس کی محنت سے اسے طیار کیا تھا۔ لیکن سنہ ۲۲۴ ق م میں زلزلہ نے اسے گرا دیا۔

اس بت کی عظمت و شہرت اس قدر عام ہو گئی تھی کہ باہر کے لوگوں میں طرح طرح کے مافوق العادۃ قصے مشہور ہو گئے تھے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جزیرہ کی خلیج پر اس طرح کھڑا ہے کہ اس کا ایک پاؤں ایک کنارے پر ہے، دوسرا دوسرے کنارے پر۔ لیکن یہ خلاف واقعہ ہے۔ دراصل یہ بت ایک برہنہ آدمی کی شکل پیش کرتا تھا اور وہ اپنے دونوں پاؤں جوڑے کھڑا تھا۔ رومن مورخ پلینی نے اس کی بلندی کی نسبت جو کچھ کہا ہے، اس کی کسی دوسرے مورخ نے تغلیط نہیں کی ہے۔ اس کے حساب سے بت کی بلندی ۱۵۰ فٹ تھی!

پورا بت مرکب دھات کا تھا۔ تانگیں پتھر کی تھیں، اور مرکب دھات کی چادرز سے تھکی ہوئی تھیں۔ پیروں سے سر تک ایک

اندرونی زینہ بنا تھا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ اس زینہ سے چڑھ کر روز رات کو بت کی آنکھوں میں آگ جلا دی جاتی تھی تاکہ اس کی روشنی سے جہازوں کی رہنمائی ہو۔

کہا جاتا ہے، کیرس نے بت قائم کرنے کے بعد محسوس کیا کہ اس سے ایک سخت فنی غلطی ہو گئی ہے۔ اس غلطی کی اصلاح ناممکن تھی۔ لہذا اس نے خودکشی کر لی۔ لیکن اس کی غلطی بعد میں کسی کو بھی نظر نہیں آئی۔ یونان اور پوری دنیا بیک زبان اس کی صناعی کا اعتراف کر رہی ہے۔

روڈس باوجود اپنی قدیم بدحالی کے اس زمانہ میں بہت دولت مند ہو گیا تھا۔ معدنی مصنوعات میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ بابل اور مصر سے تجارت کا سلسلہ قائم تھا۔ یونانیوں نے اس کی دولت مندی دیکھ کر اس پر قبضہ کر لیا اور وہاں ایک عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کی۔ شہر کی رونق بھی اس درجہ بڑھ گئی کہ ایتھنز کا مقابلہ کرتا تھا۔ بعد میں اسپارٹا والوں نے اسے فتح کیا۔ ان کے بعد شاہ موسولوس نے غلبہ حاصل کیا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کی قبر دنیا کے سات عجائب میں سے شمار ہوتی تھی اور ابھی ابھی ہم اس کے تذکرہ سے فارغ ہوئے ہیں۔

آگے چل کر ایرانیوں نے حملہ کیا۔ ایرانیوں سے سکندر اعظم نے چھینا۔ سکندر کی وفات کے بعد اس نے پھر اپنی آزادی حاصل کر لی اور خود مختار ہو گیا۔ یہی زمانہ اس کا سنہری زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت بحر متوسط میں تجارت کی اصلی منڈیوں دو ہی تھیں: اسکندریہ اور روڈس۔

اس بت کی تاریخ یہ ہے کہ مصر کے ایک بطلموس پادشاہ نے (یعنی اس خاندان شاہی کے پادشاہ نے جو بطلموس کے لقب سے ملقب تھے) اپنے بھائی سے جنگ کی تھی۔ روڈس کے باشندوں نے بطلموس کی مدد کی اور فتح دلائی۔ اس پر اس کے بھائی نے جزیرہ سے انتقام لینا چاہا اور ایک فوج گران جہازوں میں لا کر محاصرہ کر لیا۔ فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ جزیرہ کی پوری آبادی اس سے کم تھی۔ اہل روڈس زبردست دشمن دیکھ کر گھبرا گئے۔ مگر بہادر تھے۔ مقابلہ کیا۔ بطلموس کو ان کا احسان یاد تھا۔ اس نے اس مصیبت کا حال سنا تو فوراً مدد کے لیے اپنی فوج بھیج دی۔ اس طرح روڈس اپنی حفاظت میں کامیاب ہو گیا۔

اسی نجات کی یادگار میں اہل روڈس نے یہ بت بنایا تھا، اور اپنے دیوتا اپالو کو نذر دی تھی بت کے بنانے میں جتنا کانسہ لگا، وہ سب دشمن سے غنیمت میں حاصل کیا گیا تھا۔

عربوں کی فتح کے زمانہ تک اس بت کے کھنڈر موجود تھے۔ یورپین مورخوں کا بیان ہے کہ انہوں نے یہ کھنڈر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دالے۔ یہودی نے اس سے تین سو ٹن کانسہ حاصل کیا۔



## تفسیر سورۃ فاتحہ کا ایک صفحہ

نور الہی کی تکمیل

اور

اس کا سلسلہ ارتقا

( ۳ )

( شاہیت اور الہیت کے تشابہ کے نتائج )

شاہیت اور الہیت کے اس لازم و تشابہ نے انسان کے تصور الہی پر جو گہرہ اور دور رس اثر ڈالا ہے، اُس کا اندازہ سوسری مطالعہ سے نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے کہ تصور الہی کے ایک ایک جز اور ایک ایک عنصر پر نظر ڈالی جائے، اور اُسکی امتزاجی اور خمیری حالت کی تحلیل کی جائے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل نقاط خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہیں :

( ۱ ) انسان کی معیشت کی تاریخ میں نظم و حکومت کی ابتدا جمہوریت کے عنصر سے ہوئی ہے، نہ کہ شاہیت و مالکیت کے عنصر سے۔

یہاں لفظ ”جمہوریت“ سے مقصود جمہوری نظام حکومت نہیں ہے، بلکہ جمہوریت کی وہ سادہ اور عنصری حالت مراد ہے جب کسی ایک شخص کو مالکانہ و حاکمانہ اقتدار حاصل نہ تھا۔ ایک سے زیادہ آدمی مل جل کر اپنے معاملات کا انتظام کر لیا کرتے تھے۔ یہ بات کہ کسی خاص فرد کو مالکیت و فرمان روائی کا اختیار حاصل نہ ہو کہ جو چاہے حکم دے اور جس طرح چاہے اپنے ماتحتوں کے معاملات معیشت کا فیصلہ کرے، بلکہ مساویانہ طریقہ پر لوگ مل جل کر اپنی ضروریات نظم و اجتماع کا انتظام کریں، جمہوریت کا اصلی عنصر ہے، اور یہی عنصری حالت یہاں مقصود ہے۔

شخصی مالکیت اور شاہیت انسانی اجتماع کی ایک غیر طبعی حالت ہے جو اُس وقت پیدا ہوئی، جب طاقتور افراد نے کمزور افراد کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنا مطیع و منقاد بنانا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ زیادہ طاقتور فرد کو کم طاقتور افراد سے غلامی و چاکری کرائے کا حق حاصل ہے۔ پھر جن جن تمدن و شہریت میں ترقی ہوئی گئی، مالکانہ قبضہ و تصرف بھی زیادہ خوش اسلوب اور منظم ہوتا گیا، یہاں تک کہ شاہیت و حکمرانی کا نظام پیدا ہو گیا۔

یہ بات کہ انسانی اجتماع کی تاریخ میں غیر شخصی شاہیت، شخصیت و شاہیت پر مقدم ہے، تاریخ کی روشنی میں صاف نظر آ جاتی ہے۔ ہم دنیا کے تمدنی عہد سے جس قدر پیچھے ہٹتے جائیں گے، شاہیت اور شخصیت کا نظام مفقود ہوتا جائیگا، اور مشترک جماعتی نظم اپنی ابتدائی اور سادہ حالت میں عارفانہ نظر آئے گا۔ دنیا کی جس قدر بھی غیر متمدن اور وحشی قومیں تاریخ کے علم میں آئی ہیں، ان میں ایک قوم بھی ایسی نہیں ہے جس میں شخصی شاہیت کا نظام پایا گیا ہو۔ امریکہ، افریقہ، استرلیا، جزائر بحر شمال، اور قبائل گرین لینڈ کی غیر متمدن آبادیاں شخصی مالکیت و سروری سے اُسی طرح نا آشنا پائی گئیں، جس طرح سکے کے استعمال سے نا واقف تھیں۔ عرب جس وقت تک بدویانہ زندگی میں رہا، شخصی حاکمیت سے آشنا نہ ہوسکا۔ تاریخ کی روشنی میں جو ترتیب نظام حکومت کی راضع ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صحرائی اور انفرادی معشیت میں کسی نظم کا محتاج نہ تھا۔ جب قبائل کی زندگی شروع ہوئی تو خود بخود ایک ایسا سادہ اور بسیط نظم پیدا ہو گیا، جیسا آج کل بھی دیہاتی پنچایتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بستی کے بڑے بڑے کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اور تمام جھگڑے اور قصے چکا دیے۔ اس طریق کار سے رفتہ رفتہ قبائل کی سرداری کا منصب پیدا ہو گیا۔ انہی سرداروں کے آگے چل کر اپنے دشمن قبائل کو زیر کرنا اور غلام بنا کر رکھنا شروع کر دیا، اور اسی سے شخصی مالکیت کی بنیاد پڑ گئی۔

شخصی مالکیت اور شاہیت کی بنیاد فائزانہ قوی کے استعمال اور جبر و تعدی کی ہولناکیوں سے پڑی تھی۔ یہ سرتاسر انسان کے سلبی اور تخریبی صفات تھے۔ ایجابی و تعمیری نہ تھے۔ البتہ آگے چل کر عفو و بخشش اور عطاؤ نوال کے اوصاف کی بھی گنجائش نکال آئی۔ لیکن چونکہ شاہیت کا مایہ خمیر ہیبت و قہر تھا، اس لیے غلبہ ہمیشہ اسی قسم کے صفات کا رہا۔ رحم و بخشش کے اوصاف اس درجہ بڑھ نہ سکے کہ شاہی قہر و جلال کی ہیبت و سطوت میں خلل انداز ہوسکتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ازل دن سے شاہیت کا تصور سرتاسر ہیبت و قہر کا تصور ہو گیا۔ یہ بات انسان کے تخیل میں جم گئی کہ جس قدر ایک پادشاہ زیادہ پر ہیبت اور قہرمان ہوگا، اُتنی ہی اُس کی شاہیت زیادہ مقتدر اور مسلم ہوگی !

ضروری تھا کہ شاہیت کے اس تصور سے انسان کا تصور الہی بھی متاثر ہوتا، کیوں کہ دونوں میں مماثلت کی نسبت پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دوسرے دور میں یہ مماثلت بھی صفات قہر و جلال کے استغراق کا ایک قوی باعث ہو گئی اور انسان کا تصور رحمت و جمال کی طرف تیز قدم نہ اٹھا سکا۔ ٹھیک ٹھیک شاہیت و مالکیت کے تصور کی طرح، خدا کے تصور میں بھی تمام فائزانہ اور جابرانہ اوصاف نمایاں ہیں، اور جس طرح رحمت و جمال کا عنصر شاہیت کے تصور میں مغلوب اور کمزور ہے، اُسی طرح الہیت کے تصور میں بھی زیادہ نہیں اُبھر سکتا۔ پھر جن جن شاہیت کے مزاج و اوصاف میں رقیق و لطیف جذبات کا عنصر بڑھنے لگتا ہے، تصور الہی میں بھی اس جانب ترقی ہونے لگتی ہے۔ شاہیت کا ابتدائی اور عالمگیر تصور یہ تھا کہ وہ ایک ایسا وجود ہے جس سے ہمیشہ ڈرتے اور لرزتے رہنا چاہیے۔ اُس کا غضب بے پناہ، اور اس کی ہولناکی لا علاج ہے۔ وہ ایک ادنیٰ سی لغزش پر قتل کرواتا اور ایک ذرا سی خطا پر تکرے تکرے کر ڈالتا ہے۔ البتہ

ہوکر مصریوں نے اُسکی لاش اس میں دفن نہ ہونے دی۔ لیکن اس کے ایک کمرہ میں بادشاہ کا نام سرخ روشنائی سے لکھا ہوا پایا گیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مزدوروں نے پتھر پر اسکا نام تعمیر سے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔ اگر یہ نام موجود نہ ہوتا تو دنیا ہرگز نہ جان سکتی کہ یہ عمارت کس شخص نے بنائی تھی۔

بادشاہ کا تابوت سنگ سرخ کا ہے۔ سارے سات فٹ لائبا، تین فٹ چار انچ چوڑا، اور تین فٹ چار انچ اونچا ہے۔

بادشاہ کے کمرے کے اوپر پانچ چھوٹے کمرے اور ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ شاہی کمرہ پر سے عمارت کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ ملکہ کا کمرہ بادشاہ کے کمرے کے نیچے ہے اور اصلی راستہ سے ایک گلی اُسکی طرف جاتی ہے۔

قدیم زمانوں سے یہ بات مشہور چلی آتی تھی کہ ہرم کے اندر ایک بہت بڑا خزانہ موجود ہے۔ مگر کبھی کسی کو اُسکے کھودنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ خلیفہ مامون الرشید نے البتہ کھدوانا شروع کیا تھا، مگر بعد میں معلوم ہو گیا کہ خزانہ کی افواہیں بے بنیاد ہیں۔

یونانی سیاح ہیروڈوٹس نے ہرم کی سیر کی تھی اور اپنی کتاب میں اُس کا حال لکھا ہے۔

شروع میں ہرم پر چکنا پلاستر لگا ہوا تھا۔ کوئی اُس پر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ مگر اب یہ پلاستر اُتر گیا ہے اور اُسکی چوٹی پر پہنچنا ممکن ہے۔

اس ہرم کی بلندی ۴۸۱ فٹ ہے۔ شمالی جانب سے ۶۱۲ اور باقی تین طرف سے تھیک ۷۵۵ فٹ ۷- انچ لائبا ہے۔ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ قدیم مصریوں نے علم ہندسہ میں بڑی ترقی حاصل کی تھی۔

یہ تصویر اُن تصویحات کی بنا پر بنائی گئی ہے جو قدیم سیاحوں اور مورخوں کی زبانی معلوم ہوئی ہیں۔ اسی ہرم کو حاصل ہے۔

(مورخین عرب کی تحقیقات)

سات عجائب عالم کا یہ مختصر بیان تھا جو ختم ہو گیا۔ ہم نے بابل، منارہ اسکندریہ، اور اہرام کے حالات میں صرف وہی امور بیان کیے جو آخرین تحقیقات پر مبنی ہیں، اور وہ تمام تفصیلات ترک کر دیں جو غالباً اردو کے کتب و رسائل میں ترجمہ کی جا چکی ہیں۔ اب اس کے بعد ہمیں تفصیل کے ساتھ وہ تحقیقات بیان کرنی ہیں جو قدیم عرب مورخین نے کی تھی، خصوصاً بابل، اسکندریہ، اور اہرام مصر کی نسبت اُن کی تصویحات تاریخ کا نہایت قیمتی اور قابل غور موضوع بحث ہے۔

فردوس بریں کا حکم رکھتے تھے۔ یہی باعث ہے کہ اُن کا دنیا کے عجائبات میں شمار ہوا اور سارے جہان میں شہرت ہو کر کی طرح پھیل گئی۔

لیکن زمانہ کے بے رحم ہاتھوں نے یہ دلفریب باغ بھی نہ چھوڑے۔ بابل کی جنت برباد ہو گئی اور شہر بھی تہہ وبالا ہو گیا۔ صدیوں تک لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ باغ واقع کہاں پر تھے؟ سنہ ۱۹۰۴ء میں زمین کھودنے پر ایسے آثار نکلے جو اُس عمارت کے خیال کیسے جائے ہیں جس پر باغ نصب تھے۔ اُن باغوں کا بانی بخت نصر (بزرگدین) وہی بخت نصر ہے جس نے بیت المقدس برباد کر کے یہودیوں کو قید کر لیا تھا۔

(۷)

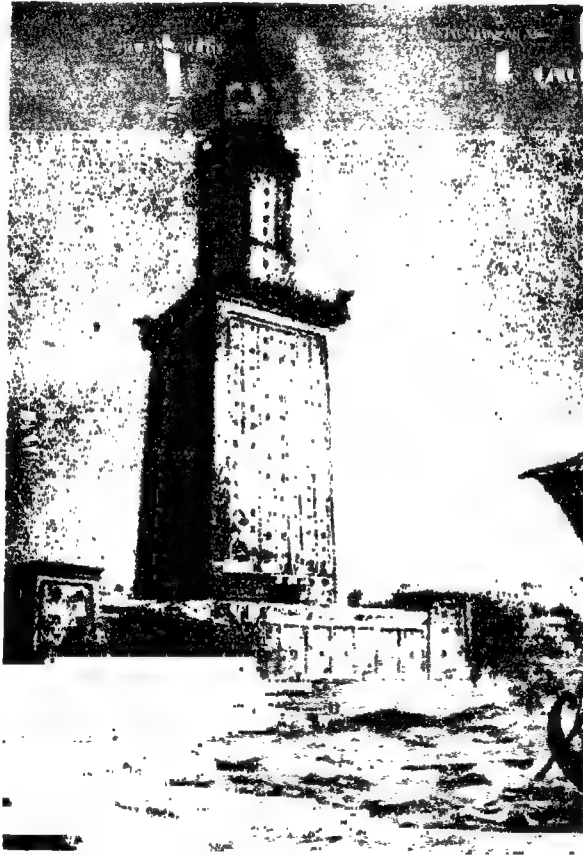
## اہرام مصر

(The Pyramids of Egypt)

دنیا کے سات عجائب میں صرف اہرام مصری ہیں جو اب تک قائم اور انقلابات زمانہ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ مصر میں متعدد اہرام ہیں۔ مگر اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور عجائب عالم میں شمار ہونے والا ہرم ”ہرم کبیر“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قاہرہ کی موجودہ آبادی سے ۶۸ کیلو میٹر فاصلہ پر جنوب میں واقع ہے۔ اس میں اب تک کوئی اہم تغیر نہیں ہوا ہے۔ صرف اوپر کا پلاستر اُتر گیا ہے اور چوٹی پر سے کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہے۔

یہ ہرم اب سے چھ ہزار سال پہلے تعمیر ہوا تھا۔ مصر کی چوتھی سلطنت میں ایک بادشاہ نے اسے بنایا۔ ساتھ برس اس نے حکومت کی تھی۔ مصری زبان میں اسکا نام ”خوفو“ تھا۔ یونانی اُسے ”خیوبس“ کہتے تھے۔ قدیم مصری ہرم کو ”یاخیت خوفو“ کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کے معنی ہیں ”خوفو کا مقبرہ“۔ دراصل یہ عمارت بادشاہ نے اسی غرض سے بنائی تھی کہ مرنے کے بعد اس میں دفن ہو۔ ہرم کے مصری نام ہی سے اسکا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود ہرم کے اندر تابوت بھی ملا ہے اور اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ اصل میں یہ مقبرہ ہی تھا۔

ہرم کا دروازہ شمال کی طرف ہے۔ اس دروازے سے ایک طویل اور تنگ سرنگ نما راستے میں داخل ہوتے ہیں۔ راستہ ایک ٹھہ خانے تک لیجاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہی تہ خانہ قبر کیلئے مخصوص کیا گیا تھا۔ کیونکہ اسی میں تابوت رکھا ہے۔ مگر خود بادشاہ کی لاش اُس میں نہیں ملی۔ نہیں کہا جاسکتا، بادشاہ اُس میں کیوں دفن نہیں کیا گیا؟ نیز اب تک یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اُسکی اصلی قبر کہاں ہے؟ بعض مورخین کا خیال ہے کہ بادشاہ نے اس مقبرہ کے بنانے میں رعایا پر بہت ظلم کیا تھا۔ اس لیے ناراض



(اسکندریہ کا شہر آفاق منظر)

تضاد کی مشکل حل کرتا ہے۔ یعنی اس اعتقاد کا نقشہ آراستہ کرتا ہے کہ خالق حقیقی کے ماتحت دو کارساز ٹوتیں کار فرما ہیں: قوت خیر اور قوت شر۔ یعنی ”یزدان“ اور ”اھرمز“۔ تمام ایجابی اور جمالی صفات یزدان کے حصے میں آتی ہیں اور تمام ملبی اور قہری صفات اھرمز کے حصے میں۔ یزدان کی تعظیمی صفت بڑا چاہتی ہے۔ اھرمز کی تعظیمی صفت بگڑنا چاہتی ہے۔ گویا کون رفساد کی کشاکش اپنی منکھاء عزیت میں دو متضاد کار فرماؤں کی کشمکش پر ختم ہوتی ہے۔

غرضکہ اس دور کے آخری عہد میں بہ حیثیت مجموعی ذہن انسانی نے ایک ایسی مزاحی استعداد پیدا کر لی تھی کہ وہ صفات سلبدہ کے ساتھ صفات ایجابیہ کا بھی بلا استقلال تصور کر سکتا تھا۔ البتہ غلبہ اب بھی صفات سلبدہ ہی کے تصور کا تھا۔ تصور الہی کے اس بنیادی نقطہ میں کہ عبادت کی اصل خدا کے غضب و قہر سے بچنا ہے، نہ نہ اُسے چاہنا اور اُس سے نزدیک ہونا، کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پس گویا اس عہد میں انسان خدا کی رحمت و جمال کا نظارہ کرے لگا، لیکن اس کے ذہن پر تسلط خدا کے قہر و غضب کے خوف ہی کا تھا۔ جمال و رحمت کی شیفتگی کا نہ تھا۔ اس منزل تک پہنچنے کیلئے آئے الہی کئی ارتقائی منزلیں طے کرنی تھیں۔

مذہبی اعمال میں تمام تر دار و مدار قربانی اور اسکی بے شمار اقسام پر تھا۔ عام و حکمت اور رزق و بخشش ہی کا دیونا کیوں نہ ہو، لیکن بغیر قتل و ہلاکت کی بھینٹ کے خورش نہیں ہو سکتا تھا۔ مذہبی اور معبدی رسوم کی کار فرما جماعتیں (یعنی مندروں کے پجاریوں، معلموں، رہنماؤں کی جماعتیں) صدیوں سے ایک طاقتور نظام کی شکل میں قائم ہو چکی تھیں۔ ان کے اقتدار و بالا دستی کا اعتقاد مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ ضروری عنصر بن گیا تھا۔ ان معبدی اور اصنامی جماعتوں کے نظام کے قیام نے بھی انسان کے دینی عقائد کی تاریخ میں بہت بڑا حصہ لیا۔ عوام پر ان کا اقتدار جن وسائل سے قائم رہ سکتا تھا، ان میں سب سے زیادہ موثر چیز مذہبی قسم کا خوف اور آسمانی قسم کی دھشت انگیزی تھی۔ اس لیے یہ جماعتیں قدرتی طور پر آسمانی قہر و غضب کی دائمی مبلغ بن گئی تھیں اور انسانی دماغ کو خوف و دھشت سے الگ ہو کر خدا کے طرف نظر اٹھانے کی مہلت ہی نہیں ملتی تھی۔ جن لوگوں نے مصر، ہندوستان، اور یونان کی معبدی جماعتوں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے، وہ اندازہ کر سکیں گے کہ اُس عہد کے دھشت انگیز دینی موثرات میں یہ چیز کس درجہ قوی و فعال رہی ہے؟

اس دور کے اس آخری عہد میں پہنچ کر ہمارے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ سنین و ایام کے موجودہ حسابات سے اس کا زمانہ متعین کر سکیں۔ یہ تقریباً سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح (ع) کا زمانہ ہے۔ اس عہد کے کچھ عرصے بعد سامی دعوت کے قیام و اشاعت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

(سامی دعوت کا ظہور)

”سامی دعوت“ سے مقصد تورات کی دعوت ہے۔ تورات کے ظہور کا زمانہ تقریباً (تقریباً اس لیے کہ ایام و سنین کے صحیح تعین میں متعدد تاریخی اور ہئیتی اختلافات حائل ہیں) ۱۶۴۵ - قبل مسیح ہے۔ تورات کے عبرانی سنین کی جو تقویم آجکل کے علماء فن نے مرتب کی ہے، بعینہ رہی ہے جو ابورعنان بدرزنی وغیرہ عرب محققین نے تقویم سے مرتب کی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کا مصر سے خرچ ہندرجہ صدر سنہ میں ہوا تھا۔ اس لیے تقریباً یہی زمانہ حضرت موسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ظہور اور تورات کے نازل و دعوت کا زمانہ ہے۔

مصر میں ”نہوت“ اور ”ہرمس“ میں (اور ہرمس Hermes یونانیوں کا بھی معبود تھا) عام و حکمت کے تمام ابتدائی سرچشے دیکھے (۱) بابل کے جو علم کلیہ کے کشف و ترقی کا سب سے پہلا سرچشمہ ہے، آسمان کے اوزاع الوہیت میں سورج کا قہر اور مریخ کی خوں آشام تلواریں دیکھی تھیں۔ اب زہرہ کی - - - عار و عار کی حکمت و دانائی کی مستعدہ صورت کا بھی نمائندگی ہو گیا۔ یونان کی فکری لطافت اور وسعت تخیل نے اس میں آرزو زیادہ نظم و انضباط پیدا کیا۔ عشق و محبت، علم و حکمت، صلح و امن، زراعت و پیداوار، مل و دولت، سب کے آسمانی کارساز الگ الگ جلوہ فرما ہو گئے اور انکی جو کھنڈیں صفات جمالیہ کے حاجت مندوں کا قبیلہ عبادت بن گئیں۔ مصر، ہندوستان، اور یونان میں بابل کی کولمب پرستی کی دعوت پہنچ چکی تھی، اس لیے ان دیوتاؤں کا تخیل زیادہ تر اجرام سماویہ ہی کے تعبدانہ مشاہدہ میں پیدا ہوا۔

ایران جو دنیا کے قدیم کے اديان و ملل میں اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے غیر معمولی امتیاز رکھتا ہے - - - اور جس کے باوجود مظاہر پرستی کے انہماک کے، اصنامی پرستش کے تخیل سے ہمیشہ گریز کیا، اس بارے میں ایک بالکل مختلف نوعیت کا تخیل قائم کرنا ہے۔ اور توتیت کے ذریعہ صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے

(۱) ہرمس کے بارے میں بعض مورخین کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے، اور انکی تقلید سے زمانہ حال کے بعض مستشرقین یورپ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ چونکہ یونان اور مصر کے عقیدے میں ہرمس عام و حکمت کا دیوتا تھا، اس لیے متاخرین حکماء نے اثر عام و فزون کی ابتدا اسکی طرف منسوب کر دی تھی اور بعض کتابوں میں علم کا تذکرہ اس طرح شروع کیا گیا تھا، گویا ہرمس کا الہام ربانی بیان کر رہا ہے۔ جب ان کتابوں کا عہد عیسیٰ میں ترجمہ ہوا تو بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ ہرمس یونان و مصر کے حکماء میں سے کوئی حکیم ہے۔ پھر کوشش کی گئی کہ اُس کا زمانہ متعین کیا جائے۔ بعضوں نے اسکا زمانہ ایسا متعین کیا جو حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ ان سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہرمس اور ادریس ایک ہی شخصیت کے ہونے میں ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ تورات میں جس ”اخنوخ“ کا ذکر آیا ہے، وہی یونانیوں کے یہاں ہرمس کے نام سے مشہور ہے۔ بعضوں نے دیکھا کہ ہرمس کا تذکرہ مختلف زمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس لیے انہوں نے تہذیب کی یہ صورت نکالی کہ تین ہرمس فرض کر لیتے: کبیر، درمیانی، صغیر۔ حالانکہ سرے سے ہرمس نامی کسی انسان کا وجود ہی ثابت نہیں۔ وہ محض ایک خیالی شخصیت ہے۔ جیسی شخصیت ہندوستان میں نظم و حکمت کے لیے پیاس جی کی فرض کر لی گئی ہے۔ ابن الندیم نے فہرست میں (صفحہ ۲۶۷ و ۳۱۳) جمال الدین قفطی نے تاریخ الحکماء میں (صفحہ ۳۴۶) اور ابن ابی اشیعہ نے عیون الانباء میں (جلد ۱ - صفحہ ۱۰۶) ہرمس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے، وہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہرمس حکیم کے نام سے جو کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں، زیادہ تر قدیم فن کیمیا اور الحکام نجوم کی کتابیں ہیں۔ رسل کے ابتدائی خطوط بھی اُسی کے طرز منسوب ہیں۔ البتہ یورپنی اور عجمی کی بعض تصویحات سے معلوم ہوتا ہے کہ فن ہئیت و رزق میں بھی اس کے بعض رسائل ترجمہ کیے گئے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کی سات اقلیموں والی تقسیم جو ایران کے ”ہفت کشور“ سے لی گئی تھی، محمد بن ابراہیم فزاری نے اسی کے طرف منسوب کی ہے (معجم البلدان جلد ۱ - صفحہ ۲۶)



مسئولیت کا نتیجہ ہے۔ چونکہ خدا کے تصور میں بھی شہادت کی مماثلت کارگر ہو چکی تھی، اس لیے اس میں بھی یہی شان پیدا کر دی گئی۔

(۴) حکومت بالواسطہ، یعنی خالق حقیقی سے کائنات ہستی کا تعلق براہ راست نہیں ہے۔ درمیان میں واسطی و رسائل ہیں۔ خدا انہی کے ذریعہ تمام کارخانہ وجود چلا رہا ہے، اسی تشابہ کا ایک نہایت گہرا اور دور رس نتیجہ ہے۔

(۵) تصور الہی کا یہ قدیم اور راسخ اعتقاد کہ بخشش معامی کیلئے جسم انسانی کی تعذیب ضروری ہے، بغیر اس کے خدا کی خوشنودی حاصل نہیں ہو سکتی، اسی تشابہ کے برگ و بار میں سے ہے۔ غضب ناک اور مطلق العنان پادشاہ چہوڑے چہوڑے قصور پر سخت سخت سزائیں دیدیگے تھے، اور جب تک سزا راقع نہیں ہو جاتی تھی، اُن کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ یہی بات خدا کے تصور میں بھی پیدا ہو گئی۔ انسان نے دیکھا کہ اُسکی جسمانی عقربت، اُسکے شاہی ممالکوں کا غضب ٹھنڈا کر دیتی ہے، اسی لیے اُس نے خیال کیا کہ اُس کے آسمانی خداوندوں کے اطفاء غضب کیلئے بھی ضروری ہے کہ طرح طرح کی جسمانی عقوبتیں اور اذیتیں برداشت کرے۔ قربانی کی شکل میں یہی چیز قتل نفس تک پہنچ گئی۔ انسان اپنے ہم جنس کو، اپنی اولاد کو، خود اپنے آپ کو عفو قصور اور حصول رضاء الہی کیلئے قتل کرنے لگا۔

(۶) خدا کے تصور کا ایک نہایت اہم پہلو اُس کی معبودیت کا اعتقاد ہے۔ یعنی یہ کہ اُس کی عبادت کرنی چاہیے۔ لیکن عبادت کیوں کرنی چاہیے؟ اِس کا صحیح جواب ذہن انسانی کی نارسا استعداد معلوم نہ کر سکی۔ خدا کا تصور کرتے ہوئے اِس نے صرف اُس کی صفات قہر و جلال ہی کا نظارہ کیا تھا، اِس لیے عبادت کی بنیاد خوف و دہشت کے جذبات سے پڑی تھی، نہ کہ محبت و عبدیت سے۔ اُس نے خدا کو ایک خوفناک ہستی کی شکل میں دیکھا تھا، اِس لیے اُس کے غضب سے بچنے کے لیے اُس کی خورشامد کرنی چاہنا تھا۔ شہادت و الہیت کے تشابہ سے یہ تخیل اور زیادہ راسخ و محکم ہو گیا۔ مطق العنان اور قہرمان شہادت بھی ہر انسان سے غلامی و چاکری کراتی تھی، ازل و لگ اپنے دل کی خوشنودی سے نہیں بلکہ سزا کے خوف سے اُن کی خدمت و اطاعت کرتے تھے۔ نیز اُن کے ہیجان غضب سے بچنے کیلئے طرح طرح کے نذرانے اور تحفے پیش کرتے تھے۔ خدا کی معبودیت کی بھی ٹھیک ٹھیک یہی نوعیت تھی۔ جس طرح انسان اپنے تخت نشین حاکموں کی چاکری کرتا تھا، تاکہ اُن کے ظم و قہر سے بچے، اُسی طرح وہ اپنے آسمان نشین کارسازوں کی بھی بندگی کرتا، تاکہ اُن کے غضب و جلال کا نشانہ نہ بنے۔ جس طرح وہ اپنے پادشاہوں کو طرح طرح کے نذرانے پیش کرتا تھا تاکہ وہ خوش ہو کر مہربان ہو جائیں، اُسی طرح وہ اپنے خداؤں کے لیے بھی طرح طرح کے نذرانے تجویز کرتا تاکہ وہ مہربان ہو کر اُس کی التجائیں سن لیں۔

(دوسرے دور کا منتہا باروغ)

اِس دور کی منتہا ترقی یہ تھی کہ بہ تدریج صفات رحمت و جمال کا عنصر جو ابتدا میں بہت ہی دھیمہ تھا، اِس درجہ ابھر آیا کہ صفات سلبدہ کی طرح صفات ایجابیہ کا بھی بالاستقلال تصور قائم ہو گیا۔ ہندوستان اور مصر میں علم، محبت، درگاہ، نسل، اور رزق کے بھی دیوتا اُسی طرح پیدا ہو گئے، جس طرح ہلاکت اور بربادی کے بے شمار دیوتا موجود تھے۔ ہندوستان کی سرسوتی، لکشمی، اور درگا وغیرہ کی مورتیاں آج تک ہمارے سامنے سے گذرتی ہیں۔

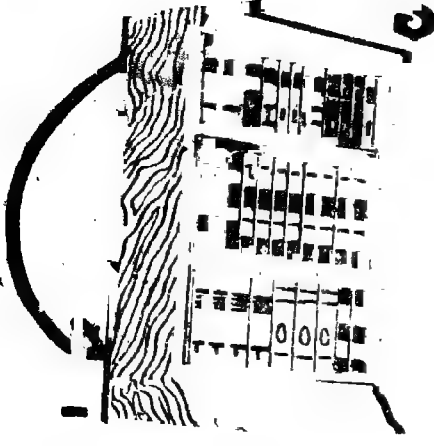
گاہ گاہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اِس کی طبعیت رحم و کرم پر آجاتی ہے، اور وہ بخشش بھی دیتا ہے اور ملامت بھی کر دیتا ہے۔ یعنی یہی تصور خدا کا بھی تھا۔ اور اسی خدا کی صفات رحمت و جمال کی نسبت جو کچھ بھی سمجھا جاتا تھا، وہ اِس سے زیادہ نہ تھا، جیسا ایک پر ہیبت بادشاہ کی نسبت سمجھا جاسکتا ہے۔

(۲) صفات الہی کے تصور کا ایک نازک اور دقیق پہلو یہ ہے کہ خدا کے افعال کیلئے کوئی مقصد و غایت ہونی چاہیے یا نہیں؟ اِس لحاظ سے افعال الہی کی دو ہی نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اُسکے تمام افعال بغیر کسی غایت اور حکمت کے ہیں۔ ایک یہ کہ اُسکا ہر فعل کسی مقصد اور حکمت پر مبنی ہے۔ شہادت اور الہیت کے تشابہ کا اثر تصور الہی کے اِس گوشہ پر بھی پڑا۔ انسان ہزاروں برس تک خدا کے افعال بھی اُسی رنگ و روپ میں دیکھتا رہا، جسمیں اپنے چاندی سونے کے تخت پر بیٹھنے والوں کو دیکھتا تھا۔ وہ ”قدرت“ کے ساتھ ”حکمت“ جمع نہیں کر سکا۔ اُسکا خیال یہ تھا کہ حکمت اور مقصد کی رعایت دلیل عجز ہے۔ یہ علم انسانوں کیلئے ضروری ہے جو اپنے حاکموں اور پادشاہوں کے سامنے جوابدہ ہیں، لیکن ایک پادشاہ جو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں، حکمت و غایت کی رعایت سے ماوراء ہے۔ ایک پادشاہ جسقدر زیادہ طاقتور اور زیادہ اونچے قسم کا ہوگا، اُنہی ہی اُسکے اعمال زیادہ مطاق العنان، زیادہ بے ترتیب، زیادہ بے مصلحت، زیادہ بے معنی ہونگے۔ وہ بغیر کسی سبب و موجب کے ہزاروں آدمی قتل کر ڈالے گا۔ بغیر کسی مصلحت کے عمارتیں ڈھا دیگا، بغیر کسی ضرورت کے نئی عمارتیں کھڑی کر دیگا۔ ہر سکتا ہے کہ محض اُنی سی بات دیکھنے کیلئے کہ رات کی تاریکی میں آنسو دہکے کا تماشا کیسا ہوتا ہے؟ وہ ایک پورا آباد شہر جلا ڈالے!

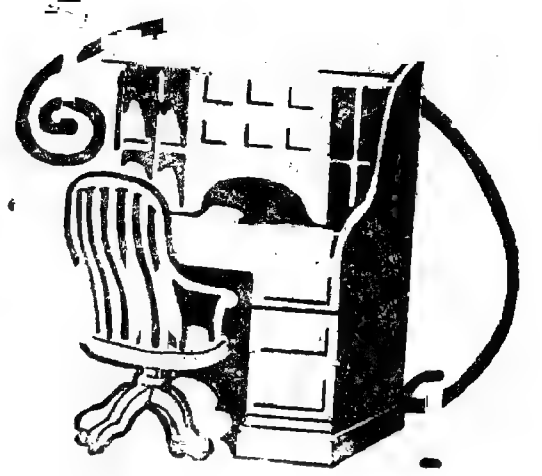
یہ عجیب و غریب ہندوستان، مصر، یونان، وغیرہ قدیم متقدم ممالک کی دیوتاؤں کی عبادتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دیوتاؤں کے جسقدر بھی اعمال دکھائے ہیں، وہ سب اُسی نوعیت کے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چند انسان ہر طرح کی طاقت اور اختیار پا کر بے قابو ہو گئے ہیں اور طاقت اور اختیار سے کھیلنے لگتے ہیں۔ محض اسیلئے کہ وہ طاقت رکھتے ہیں، اپنی اپنی طاقتیں لہو و لعب کی طرح بلا ضرورت استعمال میں لاتے ہیں، اور انکی اِس کھیل کود سے کائنات ہستی کے ہزاروں کارخانے بننے پگھلنے لگتے ہیں، تو اِس چیز کے اندر بھی شاہی و مالکی مزاج کام کر رہا ہے۔ پادشاہوں کی زندگی اُسی ہی تھی، اسیلئے دیوتاؤں کے تصور میں بھی اُسی کا عکس نمایاں ہو گیا۔

تصور الہی کے اِس دور کے بعد اگرچہ تصور کے تمام اجزاء میں ترقی ہو گئی تھی، لیکن چونکہ شہادت اور الہیت کا تشابہ راسخ ہو چکا تھا، اسیلئے ترقی کی ہر منزل میں شہادت ہی کی قسم کا تصور قائم ہوتا رہا۔ اُس سے الگ نہ ہو سکا۔

(۳) یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام قدیم اقوام کے الہی تصورات میں، باوجودیکہ وہ تمدن و شایستگی کے بڑے بڑے درجے طے کر چکی تھیں، ادنیٰ درجہ کے حیرانی اور ہیمنی افعال کے تخیلات سے کسی طرح کا اجتناب نہیں پایا جاتا، تو اِس میں بھی بہت حد تک اُسی تشابہ کو دخل ہے۔ بلاشبہ ان تخیلات کی بنیاد جمیع بشریہ کے عہد طفولیت میں پڑی تھی جبکہ ذہن انسانی بالکل ناتراشیدہ حالت میں تھا، لیکن عہد تمدن میں کیوں یہ تخیلات بالکل متروک نہیں ہو گئے؟ اِس کی علت یہی ہے کہ شہادت اور الہیت کے تشابہ نے یہ اعتقاد پیدا کر دیا تھا کہ شہادت و خداوندیت کیلئے اِس قسم کی زندگی نقائص کا موجب نہیں ہے، برائی اور غیر



# مقالہ



## مقرر یا سیاسی ؟

(سیاست سے پہلے تربیت)

(مقتبس از بعض رسائل مصر)

ڈیوک ولنگٹن مقرر نہ تھا، بلکہ اپنی کم سخنی کی وجہ سے ”خاموش“ کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا۔ تاہم ”آہنی“ کہلاتا تھا، کیونکہ آسنے جنگ میں نپولین جیسے فاتح کو تباہ کیا اور حالت امن میں محض اپنی اخلاقی قوت سے اپنے تمام مخالف زیر کر لیے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ خاموش ولنگٹن کا مرتبہ مقرر گلیڈسٹون سے کم تھا۔

ہم قوت خطابت کی اہمیت گہٹانی نہیں چاہتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قوت خدا کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت اور قوموں کی اجتماعی زندگی میں ایک ضروری عامل ہے۔ لیکن ہم اپنی قوم کا یہ اعتقاد غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ”تقریر ہی سب کچھ ہے“ جس کی تقریر موثر ہوتی ہے۔ آئے سب کچھ سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تقریر کمزور ہوتی ہے، آئے کچھ نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ ایک کم علم، بہترین مقرر ہو سکتا ہے اور علامہ دروازے، تقریر کے میدان میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔

تھوڑے دن ہوئے، مسٹر بالدون موجودہ وزیر اعظم انگلستان نے ایک کالج کے طالب علموں کے سامنے تقریر کی تھی۔ یہ تقریر ہمارے موضوع سے متعلق ہے، اور اس لائق ہے کہ عوام آئے پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں۔ انہوں نے نہایت عمدہ طور پر ثابت کیا ہے کہ افراد اور قوموں کی سیاسی زندگی میں تربیت کتنی ضروری چیز ہے؟

وزیر اعظم نے کہا ”تربیت کا سب سے بڑا ثمرہ یہ ہے کہ وہ عقل کو تصنع اور ریا سے پاک کرتی اور حقائق اشیا دیکھنے کا موقعہ بہم پہنچاتی ہے۔ علم ہمیں بالکل صحیح طور پر فصاحت و بلاغت سے بدھن کرتا ہے۔ آزاد ملکوں میں اگر کسی شخص کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا ضروری ہے، تو وہ لیجے دار تقریریں کرنے والا شخص ہے۔ یعنی وہ شخص جو نیم تعلیم یافتہ بھیڑ کو اپنی لسانی سے مسحور کر دیتا اور گمراہی کو خوشنما بنا کر عام کرتا ہے۔ آزادی کے ہر زمانہ میں سب سے بڑا خطرہ، یہی گمراہ مقرر رہے ہیں۔ اس وقت بھی ہیں، اور آئندہ بھی رہیں گے۔ ہماری موجودہ آزادی مقدس ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آزادی ہمارے ملک کے لیے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ ہم کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ساقط اخلاق کے فصیح البیان مقرر اپنی زبانوں نے زہر سے آسے مسموم کر دالیں“

”بچپن میں خوشنما لفظوں اور بلیغ جملوں پر میں عاشق تھا۔ لیکن اتھارہ برس کی عمر میں پہنچکر میں نے ”فررد“ کا یہ قول پڑھا ”فن خطابت (تقریر) علمی بدکاری ہے“ اس دن سے میرا عشق، نفرت سے بدل گیا اور فصاحت و بلاغت پر سے میرا بھروسہ اٹھ گیا“

”وزیر اعظم ہونے کے بعد میں نے سنا کہ جماعت کی ایک معزز خاتون نے، جس سے مجھے تعارف کی عزت حاصل نہیں، اپنے

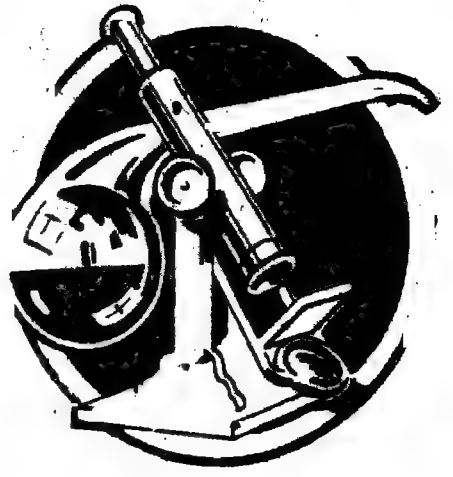
ہمارے ہاں ”سیاست“ سب سے آسان تر کام ہے، کیونکہ کسی اصول اور قاعدہ کا علم اس کیلئے ضروری نہیں۔ لوہاری، نجاری، جلد بندی، نعل بندی، حتیٰ کہ حجامت بھی سیاست سے مشکل ہے، کیونکہ یہ تمام پیشے اپنے مقررہ اصول اور قواعد رکھتے ہیں، جنکے جانے بغیر کوئی آدمی انہیں اختیار نہیں کر سکتا۔ لیکن ”سیاست“ کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ جس لمحہ چاہر ”سیاسی“ ہونے کا اعلان کر دے سکتے ہو، اور سیاست کے نام سے جو بکواس بھی چاہو بلا تامل کر سکتے ہو۔ کوئی تم پر اعتراض کی جرات نہیں کر سکتا، کیونکہ ہمارے ہاں سیاست کسی اصول اور قاعدہ پر مبنی نہیں ہے۔

لیکن جو قومیں ”سیاست“ جانتی ہیں، انکے نزدیک یہ چیز بہت مشکل ہے۔ انکے یہاں اسکے لیے کچھ اصول و قواعد ہیں، جن میں کمال حاصل کیے بغیر کوئی آدمی سیاسی نہیں ہو سکتا۔ انکے نزدیک سیاست کی شرطوں میں سے اولین شرط، اخلاق ہے اور آخری شرط، کلام یا تقریر ہے۔ انکے یہاں سیاسی ایک خاموش، پر فکر اور کارکن ہستی ہے۔ اسکی آواز بازاروں میں سنی نہیں جاتی۔ مجلسیں اسکی لفاظی سے نا آشنا ہوتی ہیں۔ وہ خاموش دریا کی طرح، بغیر کبھی شور و غل کے کام کرتا ہے۔ انکے یہاں سیاسی زیادہ بولنے والے، کم کام کرنے والے، اور اپنی شہرت کا دنگا بچانے والے کو نہیں کہتے۔ بلا شبہ اگر اپنے تدبیر اور قوت عمل کے ساتھ سیاسی قوت خطابت کا بھی مالک ہے، تو سونے پر سہاگا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن برک، برایت، اور گلیڈسٹون کی شہرت صرف انکی خطابت کی وجہ سے نہ تھی۔ وہ پہلے سیاسی تھے۔ پھر خطیب اور مقرر۔

بہت سے بڑے بڑے سیاسی ایسے گذرے ہیں جنکی تقریریں مجلسوں میں نہیں گونجتی تھیں۔ لیکن انکے خاموش کام دنیا کو ہلا دالتے تھے۔ ان سیاسیوں کی فصاحت کا یہ حال تھا کہ جب پارلیمنٹ میں تقریر کرنے کھڑے ہوتے تھے، تو بہت سے ارکان اٹھکر سگریٹ نوشی کیلئے چلے جاتے تھے۔ اور جو بیٹھے رہتے تھے، انہیں سے بھی اکثر اونگھ کر خراتے لینے لگتے تھے۔ لیکن باوجود اسکے انکے عمل اب تک زندہ ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں انکے نام جلی حروف میں لکھے ہیں۔ برخلاف اسکے بڑے بڑے مقرر جو بادلوں کی طرح گرجتے تھے، مرنے ہی گمنام ہو گئے!



# مذکرہ علمیہ



## لاسکی کا راز

—\*—

لاسکی (بے تار کی تار برقی) کی دنیا میں بہت سے ایسے راز ہیں جنہیں علم اب تک حل نہیں کر سکا ہے۔

\*\*\*

مثلاً یہ کہ لاسکی لہریں 'روشنی سے زیادہ اندھیرے میں تیز چلتی ہیں۔ لاسکی سے خفیف سی بھی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ دن سے زیادہ رات میں اُس کی آواز بلند ہوتی ہے۔ غروب کے بعد لاسکی لہروں کی رفتار تقریباً دوگنی ہو جاتی ہے۔

علماء اس مسئلہ کے قطعی حل سے اب تک عاجز ہیں۔ بہترین ترجیحہ جو کی گئی ہے یہ ہے کہ نور اور حرارت کا لاسکی لہروں سے گہرا علاقہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں اُن موجوں سے پیدا ہوتی ہیں جو ائیر (ایئر) میں نہایت ہی غیر معمولی سرعت سے بہتی ہیں۔ ان موجوں اور خود ائیر کی موجوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ اول الذکر 'آخر الذکر سے بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ سطح زمین سے جو ائیر محیط ہے 'وہ دن میں نور و حرارت کی اُن موجوں سے لبریز ہوتا ہے جو سورج سے منفصل ہوتی ہیں۔ یہ موجیں 'ائیر کی موجوں میں سخت اضطراب پیدا کر دیتی ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آواز میں بھی اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ائیر ہی کے ذریعہ منتقل ہوتی ہیں۔

یہ صرف دن ہی میں ہوتا ہے 'جبکہ نور و حرارت کی موجیں ائیر میں موجود ہوتی ہیں۔ رات کو چونکہ ائیر اُسے خالی ہوتا ہے 'اس لئے اُسکی موجوں میں اضطراب پیدا نہیں ہوتا 'اور چونکہ اُسکی موجوں میں اضطراب پیدا نہیں ہوتا 'اس لیے آواز بھی صاف اور بلند سنائی دیتی ہے۔

\*\*\*

لاسکی کا یہ راز بھی عجیب ہے کہ اُسکی موجیں ہمیشہ قوسی خط پر چلتی ہیں۔ گویا زمین کی قوسی سطح کے مطابق اپنا راستہ بناتی ہیں۔ لیکن نور و حرارت کی موجوں کا یہ حال نہیں ہے۔ وہ خط مستقیم پر بہتی ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ مثلاً ایک منارہ تمہیں تیس میل کی مسافت پر سے دکھائی نہیں دیتا۔ اسکی درجہ ہیں: ایک یہ کہ زمین گول ہے اور اُسکی سطح قوسی شکل کی ہے 'لہذا درز کی بلندیوں افق میں چھپ جاتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نور کی شعاعیں خط مستقیم پر پھیلتی ہیں اور افق میں چھپی ہوئی بلندیوں ظاہر نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اس کے لاسکی موجیں پورے نصف کرہ ارضی تک پھیلائی جاسکتی ہیں 'کیونکہ وہ زمین کی سطح کے مطابق چلتی ہیں۔

اس کی تعلیل علماء کے ایک گروہ نے یہ کی ہے کہ لاسکی لہروں کی رفتار 'اُس غبار کے ذرات یا ائیر کی وجہ سے قوسی ہو جاتی ہے جو کرہ ارضی کی فضا میں منتشر اور اُس سے محیط ہے۔ اُنکا خیال ہے کہ یہ لہروں جب لاسکی آلہ سے نکلتی ہیں تو ایک عظیم قوت کے ساتھ بلند ہونا شروع ہوتی ہیں 'یہاں تک کہ زمین سے محیط غباری طبقہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ پھر وہاں سے لوٹتی ہیں اور اُسی طرح زمین پر منعکس ہوتی ہیں 'جس طرح آئینہ سے نور منعکس ہوتا ہے۔ یہ عمل برابر جاری رہتا ہے۔ گویا یہ لہروں فضا میں پراگندہ ہونے کے لیے بہاگتی ہیں مگر غباری ذرے انہیں واپس کر دیتے ہیں!

لیکن علماء کا ایک دوسرا گروہ ائیر کے وجود ہی سے منکر ہے۔ اُسکا دعویٰ یہ ہے کہ جن لہروں کو ہم لاسکی کہتے ہیں 'وہ فضا میں نہیں بلند ہوتیں۔ زمین ہی پر بہتی ہیں۔

\*\*\*

یہ لاسکی راز بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ بعض علاقوں میں قوی سے قوی لاسکی آواز بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ یا بہت ہی دھیمی سنی جاتی ہے۔ یہ علاقے اس فن کی اصطلاح میں 'خاموش علاقے' یا 'موت کے علاقے' کہلاتے ہیں۔ ایک امریکی عالم لاسکی کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ لاسکی آلہ لینک شمال کی سمت روانہ ہوا تا کہ اس علم پر تقریریں کرے۔ لیکن وہ جوں جوں شمال کی طرف بڑھتا گیا 'اُسکا آلہ بھی کمزور پڑتا گیا۔ اُسے خیال ہوا کہ شاید آلہ میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ چنانچہ نیا آلہ خرید لیا۔ مگر اُسکی آواز بھی دھیمی ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایک ایسے شہر میں پہنچا 'جہاں آلہ سے مطلقاً کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ وہ سخت متعجب ہوا اور کوئی سبب سمجھ نہ سکا۔ مگر برابر سفر کرتا رہا 'یہاں تک کہ آلہ سے آواز پیدا ہونا اور بڑھنا شروع ہوگئی۔ بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ آلہ میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی تھی 'بلکہ 'موت کے علاقے' نے اُسے معطل کر دیا تھا۔

\*\*\*

یہ 'اور اُسی طرح کے بعض اور لاسکی معے ہیں جنہیں علم اب تک پوری طرح حل نہیں کر سکا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ معے حل ہو جائیں 'لیکن علم انسانی کے معے اور کائنات ہستی کے راز کبھی حل نہ ہو سکیں گے۔ انسان دس معے سلجھتا ہے 'تر سونے معے اُس کے اضطراب عجز کے لیے پیدا ہو جاتے ہیں۔ انسان کے لیے اب سے ہزاروں برس پیشتر بھی علم کے معے تھے 'اب بھی معے ہیں 'اور شاید آئندہ بھی ہمیشہ معے باقی رہیں گے۔

وما ازینتم من العلم الا قلیلا۔

جنگ کے بعد انہوں نے مصر کے کامل استقلال کا مطالبہ کیا ہے ( اسی مسلک پر گامزن رہے جو واقعہً عربی کے بعد خود شیخ محمد عبدہ نے اختیار کر لیا تھا - ہمیشہ انکا شمار شیخ کی جماعت کے مخصوص افراد میں رہا - وہ ان تمام لوگوں میں جنہیں شیخ کی فیض صحبت نے پیدا کیا تھا، نمایاں اور ممتاز تھے -

شیخ محمد عبدہ مرحوم کا یہ حال تھا کہ وہ فطرت کی بہترین دماغی بخششیں لیکر پیدا ہوئے، لیکن جامع اُہر کی تعلیمی فضا سے کوئی بلند تر تعلیمی فضا حاصل نہ کر سکے - اسی اثنا میں سید جمال الدین مرحوم قاہرہ پہنچے، اور ان کے فیض صحبت سے شیخ کے تمام فطری جواہر ابھر آئے -

سید موصوف کی دعوت اگرچہ تعلیمی اور دینی اصلاح پر مشتمل تھی، لیکن اُس کا محوری مرکز سیاسی انقلاب تھا، کیونکہ وہ یقین کرتے تھے کہ اسلام کی

دینی روح، سیاسی روح سے الگ نہیں

ہے - انہوں نے مصر میں بھی انقلابی

دعوت کی تخم ریزی کی - اُس وقت

مصر اسماعیل پاشا کی مسرفانہ اور

عیش پرستانہ زندگی سے تباہ ہو رہا تھا -

اغیار و اجانب کی مداخلتوں کے نئے نئے

دروازے کھل رہے تھے، طالبین اصلاح کی

تمام امیدیں ولی عہد مصر توفیق پاشا

سے وابستہ تھیں - سید جمال الدین نے

توفیق تک رسائی حاصل کرنے کے لیے

یہ طریقہ اختیار کیا، کہ پہلے خود قاہرہ

کے فری میسن لاج میں داخل ہوئے،

پھر کوشش کر کے توفیق کو بھی اس کا

گرینڈ ماسٹر منتخب کرا لیا، اور اس

طرح فری میسن کا مخفی اور محفوظ

جماعتی دائرہ اپنے اور اُس کے گرد

کھینچ لیا - توفیق پاشا سید موصوف کے

اصلاحی خیالات سے پوری طرح متاثر ہوا،

اور عہد و ائق کیا کہ با اقتدار ہونے ہی

اصلاح و انقلاب حال کے لیے پوری طرح

کوشش کریگا - لیکن جب کچھ عرصہ

کے بعد وہ خدیو مصر ہوا، اور سید

جمال الدین آن عہد و موثیق کے ایفا کے طالب ہوئے، تو پہلے

تولیت راعل شروع کیا - پھر صاف انکار کر دیا، اور کوشش کی

کہ جمال الدین مصر سے نکل جائیں -

سید جمال الدین یہ حالت دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے - اُن کا

عقیدہ یہ تھا کہ جو افراد قوم اور ملک کی نجات کی راہ میں حائل

ہوں، انہیں راہ سے ہٹا دینا جرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کی خدمت

ہے - چنانچہ انہوں نے توفیق پاشا کے قتل کی کوششیں شروع کر

دیں - اور اس کام کے لیے قریباً اُن کے نوجوان تلمیذ محمد عبدہ

کے نام نکلا - شیخ نے اس واقعہ کے بیس برس بعد ایک خط میں

جو مسٹر بلنت کے نام لکھا تھا، اقرار کیا ہے کہ توفیق کو قتل کر دینے

کیا یہ وہ طیارہ ہو گئے تھے - توفیق پاشا قاہرہ سے اسکندریہ جا رہا تھا،

یہ پستول لیکر سرک پر کھڑے ہو گئے - مگر جب حملہ کا وقت

نہ ماہ بعد جب خدیو توفیق پاشا کی وطن فرشتی اور سلطان محمد کی مذہب اور منزل حکمت عملی کی کمزوری تل الکبیر کے معرکہ کے بعد انگریزی فوج مصر میں داخل ہوئی، تو عربی پاشا اور محمود بارودی پر مقدمہ چلایا گیا، اور شیخ محمد عبدہ بھی ان کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے - ان کا جرم یہ بتلایا گیا کہ انہوں نے وقائع مصریہ میں ایسے مقالات لکھے تھے جن میں ایک کی حمایت کی گئی تھی - غالباً سعد زغلول بھی اُن کے تعلق سے مبتلائے محسن ہوئے لیکن بعد کو رہا کر دیے گئے - ورنہ فی الحقیقت شیخ کے تعلق و تلمذ کے سرا ان کا تحریک میں کوئی حصہ نہ تھا -

اسی زمانہ میں انہیں نئی تعلیم کا شوق ہوا - پہلے فرانسیسی زبان

کی تحصیل کی - پھر قانون کا مطالعہ کیا - اور سنہ ۱۸۸۹ میں وکالت

شروع کر دی - اُن کی غیر معمولی ذہانت

اور طبعی استعداد کے ثبوت میں یہ

واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انہوں

نے مصر کی اعلیٰ عدالتوں میں وکالت

کرنی چاہی، تو سرکاری محکمہ نے

اجازت دینے سے انکار کر دیا - کیونکہ وہ تو

انہوں نے باقاعدہ سرکاری مدارس میں

تعلیم حاصل کی تھی، نہ یورپ کے

مدارس قانون کی کوی سند رکھتے تھے -

لیکن انہوں نے اپنے استحقاق و اہلیت پر

اصرار کیا، اور کہا "اگر اس معاملہ کا

دار و مدار استعداد اور اہلیت پر ہے

تو کہ سند کے ایک پرزہ پر، تو قانون کا

سخت سے سخت امتحان لے لیا

جائے - اگر میں یورپ کے سند یافتہ

معاملوں سے (مصر میں قانون کے

پیرسٹر کو محامی کہتے ہیں) بہتر

ثابت ہوں تو میری درخواست منظور

کی جائے - یہ واقعہ ہے کہ امتحان

لیا گیا، اور اُن کی قانونی استعداد

بہتر سے بہتر معیار پر بھی پوری

اُتری!

انکی غیر معمولی استعداد نے

بہت جلد ترقی مناصب کی راہ اُن پر کھل دی - پہلے بعض

قانونی مناصب پر مامور ہوئے - پھر سنہ ۱۹۰۶ میں اس درجہ

شہرت حاصل کر لی کہ وزیر تعلیم ہو گئے -

اسی زمانہ میں مصری مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی)

کے نظام میں رسعت ہوئی، اور نئے نئے طریقہ رائج ہوئے - یہ ہر

موقعہ پر سرکاری مناصب کیلئے ایک ازل درجہ کے امیدوار تسلیم

کیے جاتے تھے - سنہ ۱۹۱۱ میں مجلس تشریع نے انہیں اپنا

رئیس منتخب کیا، جس پر وہ (غالباً) سنہ ۱۹۱۴ تک قائم رہے -

(سعد زغلول کا سیاسی مسلک)

سعد زغلول کی تعلیمی اور سیاسی، دونوں زندگیوں کی ابتدا

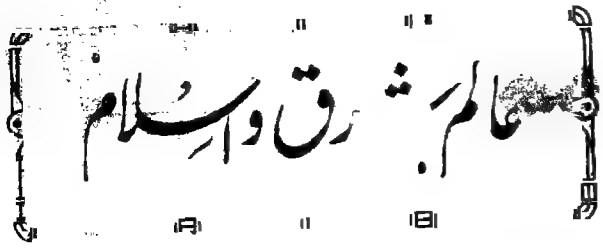
شیخ محمد عبدہ کی تعلیم و تاثیر سے ہوئی تھی، اسلئے وہ اپنی

زندگانی کے آخری سالوں تک (یعنی سنہ ۱۹۱۸ تک جبکہ التواء

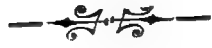


فقید الشرق، احمد سعد زغلول





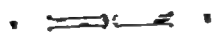
## مرحوم سعد باشا زغلول



مصر کی آخری حرکت استقلال کا قائد عظیم

۱۹۱۱ء - ۱۹۲۷ء

### الموت نقاد علی کفہ جواہر یختار منها الجیاد !



سعد باشا زغلول کے انتقال سے عالم شرق و اسلام کی ایک ایسی شخصیت رپوش ہوگئی جس میں قوم کی سیاسی قیادت و رہنمائی کی نہایت طاقتور روح نمایاں ہوئی تھی۔ اُس کی رہنمائی زندگی کی تاریخ کو طویل طویل تاریخ نہیں ہے۔ اُس نے اپنی طویل زندگی کے صرف آخری چند سال قوم کی سیاسی رہنمائی میں صرف کیے، لیکن اس قلیل وقت کا یہ استعمال ایسا بروقت اور اس درجہ صحیح و طاقتور تھا کہ تاریخ نے فوراً اپنے دروازے کھول دیے، اور مصر کے قومی رہنما کے لیے اکابر و مشاہیر عالم کی صف میں جگہ طیار کردی۔ یقیناً وہ ان لوگوں میں سے تھا، جنکے کارناموں کیلئے تاریخ کے اوراق ہمیشہ منظر رہتے ہیں !

(مختصر سوانح حیات)

سعد باشا کا سنہ ولادت ۱۸۶۰ء ہے۔ ان کی طفولیت کے زمانے میں نئی تعلیم کے مدارس نے اس درجہ فروغ نہیں پایا تھا کہ لوگوں کو ان کی طرف توجہ ہوتی۔ اُن سب کے لیے جو تعلیم کا شوق رکھتے ہوں، صرف ایک ہی جگہ تھی، اور وہ جامع ازہر کی درس گاہ تھی۔ چنانچہ علوم عربیہ و اسلامیہ کی متوسط درجہ تک تعلیم انہوں نے اور ان کے چھوٹے بھائی فتحي بے نے جامع ازہر ہی میں حاصل کی۔

ان کی عمر ابھی بیس برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ قاہرہ میں سید جمال الدین کی علمی مجالس کی شہرت پھیلی۔ یہ سید موصوف کا مصر میں دوسرا زرد تھا، اور شیخ محمد عبدہ ان کے نہایت سرگرم شاگرد ہوچکے تھے۔ سعد زغلول بھی انکی مجالس درس میں پہنچنے لگے، اور شیخ محمد عبدہ سے اُن کا رشتہ ارادت و تلمذ قائم ہوگیا۔ اسی رشتہ نے ان کی اُس تعلیمی ذہنیت میں جو جامع ازہر کے تعلیمی جمود سے پیدا ہوئی تھی، ایک انقلابی حالت پیدا کردی، اور نظر و فکر کی نئی نئی راہیں کھلنے لگیں۔ اُن کی وہ غیر معمولی قوت خطابت و فصاحت جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے معاصرین میں ممتاز رہے، دراصل شیخ محمد عبدہ ہی کی صحبت و تلمذ کا نتیجہ تھی۔

عربی پاشا کی فوجی تحریک جو بہت حد تک سید جمال الدین کی سیاسی تخم ریزیوں کا قبل از وقت نتیجہ تھی، جب سنہ ۱۸۸۲ء میں نمودار ہوئی، تو شیخ محمد عبدہ حکومت مصر کے سرکاری گزٹ ”الوقائع المصریہ“ کے معرر اور مطبوعات مصریہ کے مدیر تھے، اور غالباً سعد زغلول بھی انکے ساتھ اسی دفتر میں کام کرتے

درس سے سوال کیا ”کیا تم جدید وزیر اعظم کو مہذب کہہ سکتے ہو؟“ مجھے شک ہے، یہ خالص ”مہذب“ کے معنی پوری طرح سمجھتی ہے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ اُس کے نزدیک تہذیب کوئی ایسی چیز ضرور ہے جس سے انگلستان کے وزیر اعظم کو متصف ہونا چاہیے۔ اور بلاشبہ یہ بہت عمدہ خیال ہے۔

”میرے نزدیک تہذیب ایک ایسا عمل ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مدرسہ میں میرا چال چلن بے داغ تھا، لیکن میں تمہارے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے طالب علمی کا زمانہ بے کار ضایع کردیا۔ جس دن سے مجھے ہوش آیا، اُس دن سے میں برابر اپنی کمی پوری کرنے میں کوشاں ہوں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ دنیا میں کوئی مسرت بھی اُس مسرت کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو علم حاصل کرنے میں حاصل ہوتی ہے۔ میں آج بھی طالب علم ہوں، اور سو برس کی عمر حاصل کرنے کے بعد بھی طالب علم رہوں گا۔ اپنے موجودہ منصب سے نکلنے کے بعد میرا اولین فرض یہ ہوگا کہ پوری مستعدی سے علم حاصل کرنا شروع کر دوں“

”ہم سب جانتے ہیں کہ کوئی قوم بھی قدرت کی طرف سے متمن بنا کر نہیں بھیجی گئی ہے۔ تمام متمن قوموں نے تمدن و تہذیب کوشش کرکے حاصل کی ہے۔ تمدن کی راہ مشکلات سے لبریز ہے۔ تمدن، تنزل کے خطرہ سے محفوظ نہیں ہے۔ سینکڑوں قومیں جو کبھی متمن تھیں، اپنی غفلت کی وجہ سے وحشی ہوگئیں۔ ہمیں اپنی موجودہ تہذیب پر گہمند نہیں کرنا چاہئے۔ یہ تہذیب جو ہم نے خون پانی ایک کرکے اور لگاتار محنتوں کے بعد حاصل کی ہے، ذرا سی غفلت اور غرور سے تنزل اور پستی سے بدل جا سکتی ہے۔ محض مادی ترقی اور مادی علم، تمدن نہیں ہے۔ تمدن اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہے۔ انسانیت کا سب سے زیادہ خطرناک زمانہ وہ ہے جبکہ علم تیزی سے آگے بڑھ رہا ہو، اور اپنے ساتھ مادی ترقی، مادی علم، اور مادی سامان آسائش عام کر رہا ہو۔ لوگ بلا محنت کے کھا رہے ہوں، بے خطر مادی لذتوں سے متمن ہو رہے ہوں، اور معنوی ترقی اور روحی اصلاح و تہذیب سے غافل ہوں۔ میں درتا ہوں، ہمارا موجودہ زمانہ وہی خطرناک زمانہ نہ ہو، اور ہماری موجودہ تہذیب کی کشتی مادی خواہشوں کی چٹانوں سے ٹکرا کر غرق نہ ہو جائے“

”تعلیم و تربیت کی اس سے زیادہ کوئی غرض نہیں کہ لوگوں کو اشیاء کی اصلی حقیقت معلوم ہو۔ ہر چیز کو ویسا ہی دیکھیں، جیسی وہ ہے، اور اُسی درجہ میں رکھیں جس درجہ میں اُسے ہونا چاہیے۔ یہ غرض صرف انہیں معلموں کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے جو خود بے غرض ہیں۔ حق کی تعلیم صرف اس لیے دیتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ حق کو پوری سچائی، صفائی، اور دیانت سے ظاہر کرتے ہیں۔ خود غرض معلم، سیاسی اغراض کے بندے، حقیر دنیائی مقاصد پر حق کو قربان کرنے والے لوگ، ہرگز حق کے معلم نہیں ہوسکتے۔ ایسے معلم قوم کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں، اور ان دجالوں سے قوم کے نوجوانوں کی حفاظت و حمایت ہر محب وطن کا اولین فرض ہے۔ ہمیں انکی جزا کاٹ ڈالنی چاہیے اور قوم کو اُن کے شر سے ہمیشہ کے لیے نجات دیدینی چاہیے“



# تاریخ و عبر

## تاریخ عبدالعزیز کا صفحہ

### محمد الامین اور عبداللہ المامون

حال میں ڈاکٹر احمد زید فاضل مصری نے "عبداللہ المامون" کے نام سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب تاریخ کی شائع کی ہے اور تاریخ اسلام کے اس اہم عہد کی ذہنی اور فنی حالت پر مشروح بحث کی ہے۔ بحث کا ایک اہم موضوع امین اور مامون کی حریفانہ شخصیتیں ہیں۔ اور ان کی اخلاقی اور نفسیاتی حالت کا موازنہ ہے۔ ذیل میں اس کا ایک حصہ ترجمہ کے بعد درج کیا جا رہا ہے:

#### محمد الامین

محمد الامین بن ہارون الرشید ستر سالہ عمر میں پیدا ہوا۔ یہی سال ہارون الرشید کی تخت نشینی کا ہے۔ امین اپنے سوتیلے بھائی، امویں عمر بن یونس چھوٹا تھا۔

امین کی ماں زبیدہ بنت جعفر بن المنصور ہے۔ لہذا وہ ماں اور باپ دونوں طرف سے ہاشمی ہے۔ اس کے بعد یہ نسلی امتیاز کسی بھی خلیفہ کو حاصل نہیں ہوا۔

امین کے ہاشمی امویں کو سلطنت میں بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا۔ جب انھوں نے محسوس کیا کہ خلافت کی طرف دوسرے عابدیوں کی گردنیں اٹھ رہی ہیں، تو کوشش کی، کہ ان کا بھانجا امین کو تخت کا جانشین ہے۔ چنانچہ عیسیٰ بن جعفر بن المنصور نے (جو امین کا بھوٹا تھا) فضل بن یحییٰ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ امین کے لئے ولید کی بیعت حاصل کرے۔ فضل بن یحییٰ برکی کو خلافت میں جو رسوخ حاصل تھا، محتاج تشریح نہیں۔ ہارون الرشید نے اسے ایک بڑی فوج دیکر خراسان کی بغاوت فرد کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ موقع اسے تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے بہترین موقع تھا۔ فضل نے خیال کیا، اگر امین اس کی کوشش سے تخت خلافت پر بیٹھے گا، تو اس کا رسوخ سے زیادہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی تمام قوتیں اس لئے وقف کر دیں، فوج کے تمام سپاہیوں کو بلا لیا، اور محمد الامین کی دلی عہد کا اعلان کر دیا۔ بغیر کسی توقع کے اس کی پوری فوج بیعت کر لی۔ اس عہد کا شاعر مسلم کہتا ہے:

قد بايع الشعلان في هذا المدي المحمدين زبيدة ابنت جعفر  
تسري كسنا هو

ببيعة لولي العهد احكاما

بالنصح من بلا الشفاق والحب

قد ركد الفضل عقد الاقراض له

لمصطفى من بني العباس ختف

خلیفہ ہارون الرشید کو جب واقعہ کی اطلاع ہوئی تو معلوم اس کے اقد سے بھل چکا تھا۔ اہل شرق بیعت کر چکے تھے۔ اب اس کے ہوا پارہ کا رنہ تھا کہ اسے منظور کر لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور محمد الامین اضابطہ دلی عہد مقرر ہو گیا۔ اب ان الملاحق کہتا ہے:

غزت امير المؤمنين علي الرشيد برأى هدى فالحمد ذي الجبر  
بادجو ديكما بن هارون كابر الركانه تعا، ليكن اس طرح به آسانی دلی عہد قرار پایا۔

#### امین کی نفسیاتی و اخلاقی تحلیل

مشاہیر عالم کے عہد طفولیت کی تاریخ بھی ان کی غفلت کے آثار و علام سے خالی نہیں ہوتی۔ ان میں بعض قابلیتیں فطری ہوتی ہیں اور بعض تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارے قدیم مورخین نے اپنی تاریخی شخصیتوں کے عہد طفولیت کی طرف سے عموماً بے اعتنائی برتی ہے اس لئے ان کی اخلاقی تحلیل اور نفسیاتی کیفیات کی بنیادیں متعین کرنا آج آسان نہیں۔ تاہم ہمیں یہی کاشفکار ہونا چاہئے جسے اپنی کتاب الحما سن المسادی میں محمد الامین کے عہد طفولیت و تعلیم پر کسی قدر روشنی ڈالی ہے۔ اور اس طرح زبیدہ کا ایک خواب بھی قابل ذکر ہے جسے سودی نے مروج الذہب میں روایت کیا ہے۔ ان ناکمل روایتوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ امین کو اعتماد کرنے کی خواہش پڑی وہ کیوں فصیح، بلیغ، ادیب تھا؟ وہ کیوں لہو و لعب کا دلدادہ تھا؟ کیوں پرسکون تھا اور خوریزی سے خائف رہتا تھا؟

ہمیں معلوم ہے کہ ہارون الرشید نے امین کو فضل بن یحییٰ کی گود میں دیا تھا اور امویں کو جعفر بن یحییٰ کی گود میں۔ فضل بن یحییٰ نے امین کے آئین، شہم ابن بشر اور اسلمی سے کہا تھا "سب زیادہ اس بات کی کوشش کرنا کہ اسے خوریزی سے نفرت ہو جائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں خلافت سے سفاک نہ بنائے" اسی طرح ہارون الرشید نے امین کے معلم، اعرغوی سے کہا تھا "اگر خوریزی سے اس کی اصلاح نہ ہو تو سختی کرنا" اب ہمیں متنا چاہئے خود امین کا یہ علم اپنے شاگرد کی بابت کیا کہتا ہے؟

"میں اکثر بڑی سختی سے پیش آتا تھا۔ حتیٰ کہ ان اوقات میں بھی اسے پابند رکھتا تھا جو کھیل کود کے لئے مقرر تھے۔ امین نے اپنی والدہ سے میری شکایت کر دی۔ زبیدہ نے مجھے خط لکھا کہ بچہ کی تندہی برقرار نہ رہنے کے لئے اسے چند گھنٹے کی ہمت ضرور دینی چاہئے۔ اس پر میں نے کہا شانزادہ کا درجہ اب بلند ہو چکا ہے۔ اس کی شہرت عام ہو گئی ہے۔ امیر المؤمنین کی اس سے محبت اور سلطنت کی

ولید کی کاقتضی یہ ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ یہ سخت نامناسب ہوگا کہ وہ زبان کی فصاحت سے ناواقف قوانین شریعت سے جاہل، اور دقائق سیاست سے ناظر ہو جائے۔ کیونکہ حکومت کی بنیادیں یہی ہیں۔ اس پر خادمہ نے اگرچہ جواب دیا کہ یہ ہم گروہ ماں ہو اور ماں کا دل بچے کی تکلیف سے بھین ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس میں ایک درپردہ مادی بھی ہے۔ اگر کوئی بیان کر دے۔ میں نے کہا ضرور بیان کر دو۔ اسے کہا میری آقا زبیدہ نے مجھ سے اپنا یہ خواب بیان کیا ہے کہ جس رات امین کا محل میں محسوس کیا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ تین عورتیں آئی ہیں۔ ایک میرے دہنے طرف بیٹھی، دوسری بائیں طرف، تیسری نے میرے پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی "بادشاہ، بڑی سخاوت والا، بڑا بوجھ اٹھانے والا، جلد چلا جانے والا" دوسری نے کہا "باپ بچا، کم عمر، صاف دل، عیش پرستی میں پڑنے والا؟ تیسری نے کہا "آؤ، بڑے چلن والا، بہت ضائع کرنے والا، کم جھگڑنے والا، کم انصاف کرنے والا" زبیدہ کہتی ہے میں خون زدہ ہو کر بیدار ہو گئی۔ پھر جس کوئی خواب نہیں دیکھا۔ لیکن جس رات ولادت ہوئی اس رات ہی تینوں عورتیں مجھے سوتے میں نظر آئیں۔ وہ امیں اور زبیدہ کے سرانے بیٹھ گئیں۔ سب ایک ساتھ جھک کر اس کا منہ دیکھا۔ ایک کہنے لگی "تر تازہ پودا، نازک پھول، خوشنما جن، شیریں چشملہ باتی ہے گا۔ جلد فنا ہو جائے گا" دوسری نے کہا "بیوقوف، بڑا، تباہی کی طرف دھڑکے گا، عسار پر جری ہوگا" تیسری لولی "اسکی قبر کھودو۔ اس کا کفن قریب لاؤ۔ اس کا جنازہ طیار کر دو۔ موت اس کے لئے زندگی سے بہتر ہے" زبیدہ کہتی ہے۔ میں خون سے سم گئی۔ مجھ کو بلایا۔ سب نے ورازی عمر کی بشارت دی۔ مگر ہارون برابر خون سے کانپتا رہا ہے۔ یہ واقعہ بیان کر کے شاہی خادمہ کہنے لگی اے آخر کیا ہمارا خون، امیر کی تقدیر کو دگر کر سکتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔

آخر بخوبی کے بعد ہارون نے مشورہ امام فن قطرب بخوبی کو امین کی تعلیم پر مقرر کیا۔ جادوگر، امین پر عاشق تھا اور برابر کو شال تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس کا معلم مقرر ہو جائے۔ مگر کام نہ ہو سکا اس کا فتنہ و فحور مشہور ہو گیا تھا۔ حاد کو اپنے حریف قطرب کی کامیابی پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ منصب اسے اس لئے مل گیا کہ مجھ سے زیادہ دیا کا جو اور اپنا تنہا چھپانے میں ہوشیہ ہے۔ چنانچہ خود ایک کاغذ پر چند اشعار لکھے اور خلیفہ کے خادم کو رشوت دیکر آمادہ کر لیا کہ کاغذ خلیفہ کے قلمدان میں رکھ دیا جائے۔ جب خلیفہ نے قلمدان منگایا تو کیا دیکھا کہ ایک کاغذ پر یہ اشعار مرقوم ہیں:

قل للام: جزاك الله مغفرة

لايجمع الدين بين السخط والذنب

اسخط غريم الذنب غفلة

والذنب يعلم بالسخط من طيب

ہارون رشید نے یہ منظوم فقرہ پڑھ کر کہا "دیکھو یہ معلم کس چلن نہ ہو۔ اسے محل سے بکھال دو" چنانچہ قطرب بکھال دیا گیا اور حاد اس کا جانشین بنا۔ شہر یا اسی آدمی ہمیشہ اس کی نگرانی کرتے تھے۔

ہم اس قسم کی روایتوں سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ امین کی نشوونما کیسی خراب ہوئی تھی۔ اور اس کے مستقبل پر اسے کیسا خراب اثر ڈالا تھا؟ امین کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا نقص بھی عظیم ہے کہ اسے سیاسی فہم نہ مل سکی اور اسے حاصل کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ حالانکہ

تھا - مقصود یہ تھا کہ حزب الوطنی کو شکست ہو - مصطفیٰ پاشا نے جب انتقال کیا اور ان کی جگہ مرحوم فرید بے حزب الوطنی کے رئیس منتخب ہوئے ، تو جن لوگوں نے ان کی مساعی کی تخریب میں سرکاری رسائل سے کام لیا ، ان میں ایک سرگرم طاقتور شخصیت سعد پاشا کی بھی تھی - شیخ عبد العزیز شریشر نے جب اللوا کی جگہ حزب الوطنی کے لیے ”العلم“ جاری کیا تو جس شخص نے سب سے زیادہ اپنے رسائل کاران کی مخالفت میں خرچ کیے ، حتیٰ کہ ان کی گرفتاری کے احکام بھی صادر ہو گئے ، وہ سعد پاشا زغلزل ہی تھے !

اس سلسلہ میں سنہ ۱۸۹۰ سے لیکر سنہ ۱۹۱۸ تک جو واقعات پیش آئے ، وہ بے شمار ہیں ، اور ایک مقالہ میں ان کا استقصاء ممکن نہیں - مصر کی سیاسی حالت نے ایک ایسی نوعیت پیدا کر لی تھی کہ اُس میں دو مذہبوں کے سوا عملاً تیسرے مذہب کی گنجائش ہی نہ تھی - یا تو انگریزی قبضہ مصر سے مصر کو فوراً نجات ملنی چاہیے ، یا اسے جاری رہنا چاہیے - یہی دو اصولی اعتقاد ”حزب الوطنی“ اور ”حزب الاحتمال“ کی شکل میں ظاہر ہوئے - حزب الاحتمال کے داعی یعقوب صروف اور فارس نمر اصحاب ”المقطم“ تھے ، اور حزب الوطنی کی صدائیں مصطفیٰ ہامل مرحوم کی زبان سے بلند ہوتی تھیں - چونکہ قبضہ مصر کی صریح موافقت مصری طبائع پر بالطبع گراں گزرتی تھی ، اس لیے ارباب مناصب و مورات اپنے آپکو حزب الاحتمال میں ظاہر کرنے سے جھجکتے تھے ، اور اس قسم کی پردہ پوش ترجیہیں کرنے لگتے تھے جیسی ہمیشہ ان حالات میں ضعفاء ہمت اور بیچارگان عزم نے کی ہیں - مثلاً ”تدریجی اصلاحات“ کا مغالطہ ، ”مصلح وقت“ کا حیلہ ، ”تعلیمی استعداد کی تقدیم“ کا فریب خیال ، اور اسی طرح کے حیل و مغالطات ، لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ان تمام لوگوں کی ذہنیت حزب الاحتمال ہی کی ذہنیت تھی ، کیونکہ بیرونی قبضہ کی موجودگی میں صرف دو ہی سیاسی عقیدے کسی ملک کے لیے ہوسکتے ہیں : یا تو قبضہ رہنا چاہیے ، یا اسے فوراً ختم ہو جانا چاہیے - ان دونوں کے درمیان تیسری راہ ممکن نہیں ! ریریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلاً !

( سنہ ۱۹۱۸ میں انقلاب فکر )

بہر حال سعد پاشا کی پوری زندگی جس عالم میں بسر ہوئی تھی ، اُس سے قومی و وطنی جہاد استقلال کا عالم متصل نہ تھا - فاصلہ پر تھا - لیکن سنہ ۱۹۱۸ میں جب مصر کو ایک رهنمائے صادق کی ضرورت ہوئی ، تو قدرت الہی نے اس کا غیر مترقب سامان کر دیا اور اچانک سعد پاشا کی طاقتور شخصیت نمایاں ہو گئی - انہوں نے ایک ہی جست میں وہ پورا فاصلہ طے کر لیا جو اُن کے پانچا سالہ محروم حیات اور مصر کی تحریک حریت و استقلال کے درمیان حائل تھا !

حقیقت یہ ہے کہ اگر زغلزل پاشا جیسا شخص جس کی تمام زندگی حکومت کے برے برے ذمہ دارانہ مناصب میں گزر چکی تھی ، اور جس کے مدارج میں لارڈ کرومرنگ شریک ہو چکے تھے ، اس موقع پر مصر کا علم استقلال نہ اُٹھاتا ، تو یہ تحریک اس قدر طاقت و اہمیت حاصل نہ کرسکتی ، جو اُس نے چند ماہ کے اندر حاصل کر لی تھی !

انہوں نے محسوس کیا کہ یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے جس قدر انہوں نے ذمہ داری لیتے ہوئے خیال کیا تھا - ان کا دل مضطرب ہو کر رھ گیا اور حملہ نہ کرسکے -

اس کے بعد جمال الدین مصر سے نکل جانے پر مجبور ہوئے اور ہندوستان چلے آئے -

عربی پاشا کے حادثہ میں شیخ محمد عبدہ کو بھی جلا وطنی کی سزا دی گئی تھی ، لیکن چھ سات سال کے بعد جب انہوں نے مصر آنا چاہا تو حکومت نے اجازت دیدی ، اور واپسی کے تہہ تیہ ہی عرصہ بعد افتاء کے عہدہ پر مامور ہو گئے - اسی عہد سے مصر میں ان کی دینی و تعلیمی اصلاحات کا اصلی دور شروع ہوتا ہے -

لیکن ابتدائی سیاسی زندگی کی ناکامیوں کا جو رد فعل اُن کے اندر پیدا ہو گیا تھا ، ضروری تھا کہ اس کے اثرات ان کے فکری مزاج میں بھی سرايت کرجائے - چنانچہ وہ مدۃ العمر کے لیے سیاست سے یک قلم علیحدہ ہو گئے - اس سے بھی زیادہ یہ کہ مصر میں انگریزی قبضہ کے فوائد کا اعتراف کر لیا ، اور پوری زندگی نام نہاد اعتدال سے بھی زیادہ محتاط سیاسی عقائد میں بسر کر دی - انہوں نے اپنے مشہور مقالہ ”الاسلام والنصرانیہ“ میں سیاست سے اور اُن تمام باتوں سے جو سیاست سے ادنیٰ تعلق بھی رکھتی ہوں ، حتیٰ کہ سیاست کے لغوی مادہ سے بھی ”جوڑ“ ”تعوذ“ کیا ہے ، وہ اُن کی فکری حالت کا مظہر ہے -

انہوں نے متعدد مرتبہ اپنے اس مسلک کی تشریح بھی کی تھی - اُنکا خیال یہ تھا کہ انگریزی قبضہ کی وجہ سے اگرچہ مصر کے سیاسی استقلال کو نقصان پہنچا ہے ، لیکن ساتھ ہی تحریر و تقویر کی آزادی اور تعلیمی و اقتصادی ترقی کے فوائد بھی حاصل ہوئے ہیں - ملک کا فرض ہے کہ پہلے اس مہلت سے فائدہ اُٹھا کر اپنی تعلیمی اور دینی حالت درست کر لے - پھر سیاسی استقلال کے لیے سعی ہو - اُنکا جو سیاسی لائحہ مستر بلنت نے ”مصر کی مخفی تاریخ“ میں شائع کیا ہے ، وہ تعجب انگیز حد تک انکی سیاسی فطانت پسندی ظاہر کرتا ہے - سنہ ۱۹۰۱ میں انکا خیال تھا کہ مصر کے لیے بڑی سے بڑی چیز جو ہو سکتی ہے ، وہ صرف یہ ہے کہ ایک اچھی قسم کی مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) آئے دیدی جائے جسکی ایک بڑی تعداد کے انتخاب کا حق ملک کو حاصل ہو - وہ اس لائحہ میں انگریزی قبضہ کے خلاف ایک اعظ نہیں کہتے -

بہر حال شیخ محمد عبدہ کا سیاسی مسلک اس نوعیت کا تھا ، اور چونکہ سعد زغلزل بھی انہی کے تلمیذ اور صحبت یافتہ تھے ، اس لیے سیاسی عقائد میں اس سطح سے بلند نہ ہو سکے - سنہ ۱۹۱۷ تک انکی تمام زندگی سرکاری مناصب میں گزری ، اور آزاد قومی تحریکات کے خلاف وہ ایسے ہی ایک سرگرم سرکاری عہدہ دار رہے ، جیسے مصر کے دفتری اقتدار کے تمام دیگر افراد تھے - سنہ ۱۸۹۶ میں جب مرحوم مصطفیٰ کامل پاشا نے حزب الوطنی کی بنیاد ڈالی ، تو یہ بھی اسے ایسے ہی مخالف تھے ، جیسے مصر کے سرکاری حلقہ کے تمام افراد (بہ استثناء خدیو عباس ، کیونکہ وہ مخفی طور مصطفیٰ کامل کا سرپرست تھا) مخالف تھے - سنہ ۱۹۰۵ میں مید علی یوسف مالک الموبد نے ”حزب الامۃ“ قائم کی ، تو اندر بھی سعد زغلزل اور ان کے ساتھیوں ہی کا ہاتھ کام کر رہا

”سن لے امیر! توجہ کچھ بھی ہو اور جس حیثیت میں بھی ہو پھر بھی ایک آدمی ہو! لیکن میں — آہ، میں ایک ماں ہوں! اور موت اور ہلاکت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت کرتی ہوں — تو انسان کو ہلاک کرتا ہو۔ میری گود میں لگا پرورش ہوتی ہو۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ میرے عقیدے میں لٹا کرنا، تو انائی میں داخل ہو، مگر مجھے یقین نہیں آتا، اور میں کڑی لگا، جب تک تو میری فریاد کو — میری داد کو نہیں پہنچے گا۔ عورت نے کمال تمکین و وقار کے لہجہ میں کہا ”اس لئے کہ میں ایک ماں ہوں! ایک گھیا ری ماں!“

تیمور نے عورت کی بیچنی اور بے پروائی کو حیرت سے دیکھا  
اسکو پہنچنے کی اجازت دی ”میں سن رہا ہوں تم اصل واقعات کو“  
عورت، شہنشاہ کے سامنے چار زانو ہو بیٹھی اور کہنے لگی  
”امیر! میں سالر مو کی بیٹے والی ہوں — تو نے ہرگز  
اس جگہ کا نام نہ سنا ہوگا کیونکہ وہ دور ہے — یہاں سب بہت  
ہی دور! .... میرا باپ اور شہر ہر ماہی گیر تھے، ایک دن بحر  
قرآقوں نے چھاپا مارا اور“ — اُس نے روتے ہوئے کہا  
”دونوں قتل کر ڈالے — میرے“ — اُس کی ہلکی بندھ گئی  
تھی — ”میرے لخت جگر کو جو نہایت خوبصورت تھا —“  
تیمور کے منہ سے آہ نکل گئی — اس نے دل ہی دل میں کہا  
”خوبصورت! .... میرے ایکے جہانگیر کی طرح آہ“ —

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے سیلاب درد بہاتے ہوئے کہا "بے رحم قزاق میرا لڑکا پکڑنے گئے، آج چار سال! — آہ، پورے چار سال گزرے کہیں اُس کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ہوں مگر کبھی پتہ نشان نہیں ملتا — امیر! میں سمجھتی ہوں میرا لڑکا میرے پاس ہے، کیونکہ بائزید کے لشکر نے اُن بھری قزاقوں کو گرفتار کر لیا تھا اور تو نے بائزید کو شکست دے کر اُس کا سب کچھ چھین لیا — ضرور ہے کہ میرا لڑکا میرے پاس ہو گا اور اس لئے میں چاہتی ہوں تو اُسے میرے سپرد کر دے!"

حاضرینِ دربار، عورت کی باتوں پر ہنس پڑے "یہ دیوانی ہو گئی ہے۔"

شاعر کراتنی نے کہا : ہاں یہ دلوانی ہو مگر ایک اس کی طرح !  
 میوہ نے دریافت کیا : ” بڑھیا تو کس طرح اس قدر دُور دور  
 راستوں سے اس جگہ آ پہنچی ؟ تو نے ایسے ایسے پہاڑ اور  
 جنگل کیونکر طے کئے ؟ راستہ میں وحشی لیریں اور ڈاکوؤں  
 ہاتھوں سے کس طرح بچی ؟“

آہ، ماں کی محبت!! —————!! ماں کی ہمیں پرورش  
کرنی چاہئے! دُنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہو جو ماں کی محبت کے  
راستہ میں حائل اور مانع ہو سکے! انسان کے تمام کامل صفات  
حسنات ————— سب ماں کے دودھ کی چھاؤں میں پرورش  
پاتے ہیں۔ —————!! بچوں، آفتاب کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، انیک  
نختی، محبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی! محبت، نعمت کے بغیر ممکن

# ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار تاگس گورگی کے ایک اخلاقی افسانہ کا ترجمہ)

میں محمود نظر آتا تھا!  
یہ دہی کرائی جو جس کو ایک دن، تیرہ کی اس طرح گفتگو ہوئی تھی:  
"کرائی! اگر مجھے فروخت کیا جائے تو تم کتنے میں خرید دے گے؟" تیرہ  
نے مسکراتے ہوئے بوجھا۔

”پچھلے سپاہیوں کے معاملے میں! کراتی کا جواب تھا۔  
 ”یہ تو صرف میرے نہیں بلکہ آپ کے لیے گتیت ہے!“ تیمار نے غضبناک  
 سہو کر کہا۔

”میں نے بھی تو اسی پنگے کی قیمت لگائی ہو ورنہ خود آپ کی ذات کے لئے تو کوئی ایک روپ بھی نہ دے گا۔“

”کر آئی نے بیاہی سے جواب دیا۔“

کیا ازبوت اور جابر خشتہ! — کس قدر دہشت انگیز!!  
 — کس درجہ ہولناک!!! — اور کرائی کی یہ بیخون گنگنا  
 کیا اس حق گوشتاغر کی شہرت، تیمار کی شہرت سے زیادہ بلند ہوئے  
 لاحق نہیں رکھتی؟؟

یہ ایک — اس بزم نوشاوش کے مترنم اور خوشگوار  
ہنگاموں میں، ایک آواز — جس طرح بادلوں سے بجلی کو بجاتی  
ہے — "یلیریم بازید" کے مغلوب کرنے والے کے کانوں میں  
آئی — ا

یہ آواز — ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شیر  
کی آواز کی طرح سنائی دی !!

تیمور کے انتقام جو اردو زخمی دل کو، جو اُس کے فرزند بلند  
کے صنائع ہو جانے کے سبب سے تمام دنیا اور دنیا والوں کے خلاف  
غیظ و غضب سے لیز ہو گیا تھا — یہ آواز ایک آشنا سی اور  
معلوم ہوئی! جامِ عشرت، اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُس کے لبوں  
پر ایک اضطرابی لہر دوڑ گئی۔ یہ لہر کبھی تھی "یہ دلخراش آواز  
کہاں سے آئی؟"

[illegible]

تیمور نے حکم دیا اور — عورت خیمہ میں داخل ہوئی —  
 برہنہ پا! بیٹھے ہوئے کپڑے! سینہ چھپانے کے لئے! اپنی زلفیں بکھیر  
 ہوئے! چہرہ کا رنگ اڑا ہوا — بغیر کسی کپکپاہٹ کے! جو  
 ایسے اجاہ — و جلال اور ہمتیال شہنشاہ کی موجودگی کا ادنیٰ

اسیر تیرہ گود لگانی، دودھ کا نہول میں، جو گلاب دیا سمن کے  
سرخ و سفید پتھروں کے ایک صحن ابر پائے سے چھپا ہوا تھا، عیش و  
نشاط اور ناز و نوش میں مشغول تھا۔ — سمرقندی شاعروں کے  
ابن دودھ کو بہرہ دار لکھنے کے نام سے موسوم کیا تھا۔ — اُس عجیب  
مقام سے شہر کے تمام آسمان شکوہ، مینار، اور مساجد و معابد کے  
سبز گنبد بخوبی نظر آتے تھے۔ — دودھ کی لمبائی کے گرد، پندرہ ہزار  
زنگین قاتیں، بڑے بڑے پنکھوں کی طرح، زمین پر قائم تھیں،  
اور ان پر دیبا و پریاں کی رنگین جھنڈیاں — ایسا معلوم ہوتا  
تھا، جاناغہ پھول ہوائیں تیر رہے ہیں!

تیمور کا خیمہ، ان مقاموں اور چھو لہاریوں کے درمیان ایک خوبصورت ملک کی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواصوں کثیروں کے حلقہ میں گھڑی ہو۔ اُس کے خیمہ کی قنات، زمین کا مربع حصہ بگھرے ہوئے تھی جس کے چاروں حصے تقریباً سو قدم طویل اور تین فیروں کے برابر بلند تھے۔ خیمہ بارہ طلائی ستونوں پر قائم تھا جو درمیان ہی حصے کے نیچے نصب تھے اور اس غرض سے کہ کہیں یہ رنگ دلو کا ارضی اور آسمان کی طرف نہ اڑ جائے، یا سورج ریشم طنائوں کے ساتھ ٹک کر دیا گیا تھا۔ خیمہ کے چاروں گوشوں میں ایک ایک چاندی کا بنا ہوا شاہین، جو صنت کا نفیس ترین نمونہ تھا، بٹھایا گیا تھا۔ خیمہ کے بیچ میں پانچواں شاہین، خود تیمور تھا۔ وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کیسے کہتے ہیں؟؟

تیمور کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیا سے تیار کیا گیا تھا، اس پر راج ہزار سے زیادہ مردارید کے دانے لٹکے تھے۔ سر پر سفید اور نکستہ کلا جس کے نیچے سے اُس کے سپید دیاہ بال باہر نکل رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں سے، جو چادرل طرٹ نمران تھیں، جوش کا خون اُبل رہا تھا! اُس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز کو یکہ جہت سے دیکھ سکتی تھیں۔ اُن سے زہر کی سی سردی اور خشکی ٹپک رہی تھی۔!

” شہنشاہ کے کاؤں میں سرانیدپ کے عقیق کے دو گونوارک  
تھے، رنگ میں حسین و جمیل ہونٹوں سے لٹے جلتے !!  
خیمہ میں نہایت نفیس اور قیمتی قالین بچھے تھے جن پر عیش و  
عشرت کا سامان ہمایا تھا۔ ایک طرف ..... مغنیوں اور سازندوں  
کا ہجوم تھا ————— تیمور کے قریب، اُس کے عزیز اقربا، دوسرے  
بادشاہ، خواہن، اور فوجی افسر بیٹھے تھے ————— سے زیادہ  
نزدیک، اُس کے دربار کا شاعر و کوائی ————— اپنے کیف موزی



بادشاہوں کے لئے یہ چیز لازمی ہو۔ خصوصاً اس عہد میں جبکہ بادشاہ  
اکمل حلقہ العنان ہوتے تھے۔ ان کی رہنمائی کے لئے یزدین اور  
ذاتی تقویٰ کے کوئی ضابطہ اور قانون موجود نہ تھا۔ ہادی الرشید کو  
اسی ولی عہدی کے زمانہ میں اس کا پورا موقع ملا۔ خلیفہ ہادی نے اسے  
جنگ بدم کا سپہ سالار بنایا تھا۔ بڑے بڑے سپہ سالاروں اور سیاسی  
مدبروں کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ اسی طرح امون کو بھی کافی تجربہ حاصل  
ہوا تھا۔ خراسان وغیرہ بلاد میں وہ برسر حکومت رہا تھا اور پختہ کار ہو  
گیا تھا۔ لیکن محمد الامین اس تمام سیاسی اور علمی تعلیم و تربیت سے محروم  
رہا۔ زبیدہ کا لاڈ اور پیار، مصاحبوں کی چال بازی، ہاشمی ماموںوں  
کا دلدارہ امین کی ہلاکت کے ابتدائی اسباب تھے۔

چنانچہ تخت نشین ہونے کے بعد ہم اسے ایک عیش پرست، مرتع  
اور غافل حکمران پاتے ہیں۔ تخت خلافت پر ٹپکن ہونے اور عبداللہ  
المامون کی بیعت حاصل کر لینے کے بعد اسے اپنے تئیں امویوں کے  
حوالے کر دیا۔ خوبصورت لڑکے اور خواجہ سرا محل میں جمع ہو گئے تھے۔ سارا  
وقت لہو لعب اور عیش و عشرت میں صرف ہوتا تھا۔ اسی طرف،  
بعض ماموںوں کی تصریح کے ساتھ، ایک ہم عصر شاعر اشارہ کرتا ہے:

الایام من الموی بطوس	غریبا یفا دی بالنفوس
لقد البیت للخصیان بعلما	تخل منہم شوم السوس
فاما "نول" فانشان فیہ	وفی "بدر" فیا لک من جلیس
ما العصی "بشار" لیدیہ	اذا ذکر دایہ سہم سہم
وآحق البغیر "خس" حالا	لیدیہ عند فخر الکودس
لہم من عرو مشطر و مشطر	یعا قرنیہ شرب الخندیس
واللغایات لیدیہ حظ	سوی التعلیل بالودیہ العویس
اذا کان الریس کذا سقیما	نکیت صلاحنا بعد الریس
فلو علم یقیم بدار طوس	نفر علی البقم بدار طوس

عبداللہ المامون

عبداللہ المامون ۱۴۸ ہجری ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوا۔ یہی  
خلیفہ ہادی الرشید کی تخت نشینی کا دن ہے۔ ہادی اس مبارک سال  
میں بچہ کی پیدائش سے بہت خوش ہوا اور اس کا نام "المامون"  
(مبارک) رکھا۔ اس کی ماں "مرجل" ایک کنیز تھی۔ بعض مورخین کہتے  
ہیں اس کا سلسلہ نسب ایران کے ایک مغز خاندان سے ملتا ہے۔  
مامون نے گواہ خلافت میں پردن پائی اور اعلیٰ تعلیم و تربیت  
حاصل کی۔ شریعت سے آراء ذات و نجابت اس پر نمایاں تھے۔ بلند  
ہمت اور اولوالعزم تھلاہٹ حیالات اور ایک حرکات سے نفرت  
کرتا تھا۔

مامون میں یہ تمام صفات موجود تھیں اپنے باپ خلیفہ کا بہت  
محبوب تھا۔ عمر بڑا تھا۔ مگر اس پر بڑی عمدہ ہوسکا۔ کیونکہ امین  
کی والدہ، زبیدہ کا اثر خلیفہ پر مامون کی ماں سے بہت زیادہ تھا  
پھر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، امین کے ہاشمی ماموںوں اور فضل بن  
یحییٰ بنی کی سازش نے خلیفہ کو بے بس کر دیا تھا۔ اسے طوعا یا کرہا  
امین کو ولی عہد تسلیم کر لیا۔

مورخین نے مامون کی نجابت کے بہت سے قصے لکھے ہیں خود  
اس کا معلم ابو محمد قنیری روایت کرتا ہے:

"میں مامون کا معلم تھا۔ ایک دن قصر خلافت میں گیا اور دیر  
تک منتظر رہا۔ بار بار آدھی گھنٹہ کے طلب کیا مگر وہ نہ آیا۔ میں نے  
اس کے اہلین سعید الجوری سے شکایت کی۔ سعید نے کہا ہاں،  
سست ہو گیا ہے۔ لیکن باوجود اسکے اپنی سستی کا الزام خادموں کو  
دیتا ہے۔ جب وہ اپنے تو سخی سے پیش آیا۔ چنانچہ جب شاہزادہ سیر  
دبیرہ ہو چکا، نوین نے مامون کی اس کی آنکھوں میں آجودا ڈال دیا

آئے اور ہاتھوں سے لٹے لگاتے میں خبر کی جعفر بن یحییٰ وزیر ارادہ  
ہو۔ مامون نے جلدی سے ردال بکالا، آنکھیں پر ٹپکیں، لباس بدست  
کیا، فرش پر چار زانو ہو بیٹھا، اور پیش خدمت سے کہا "ذکر کھڑ  
ہونے کی اجازت دو" میں مجلس سے خوفزدہ اٹھ گیا۔ مجھے تعین تھا  
وہ وزیر سے ضرور شکایت کرے گا۔ مامون نے وزیر سے بڑی خندہ  
میشائی کے ساتھ گفتگو کی۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ابھی درجہ کا  
ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں باتیں کرتے جاتے تھے اور خوب  
ہنستے تھے۔ جب وزیر رخصت ہونے لگا تو مامون نے غلاموں کو  
اس کی سواری پیش کرنے کا حکم دیا۔ نیز اس کے رکاب میں بیٹنے کو  
کہا۔ پھر مجھے طلب کیا اور فرمایا سبق پورا کرو۔ میں نے دعا دیکر  
عرض کیا۔ "میں تو خوف سے کانپ رہا تھا کہ آپ وزیر سے میری  
شکایت کر دینگے" اس نے فوراً جواب دیا "انا لعدو دانا الیہ راجعون۔  
اے ابو محمد! میں خود ہادی الرشید پر بھی یہ کبھی ظاہر نہ کرتا کہ مجھے علم  
نے سرزنش کی ہے۔ بھلا وزیر کیا چیز ہے! جو ہم تمہیں پریشان کرے  
تھا وہ کبھی واقع نہیں ہو سکتا اگرچہ سو مرتبہ بھی مجھے تیرہ کرو۔ خدا  
تمہیں معاف کرے۔ اب آؤ، پڑھا، شروع کرو!"

بچپن ہی میں مامون غیر معمولی طور پر عقلمند تھا۔ ثبوت کے  
لئے یہ مشہور قصہ کفایت کرتا ہے۔ ایک دن زبیدہ نے ہادی الرشید  
کو ملاحت کی کہ امین سے زیادہ مامون کی کیوں تفریق کرتا ہے؟ خلیفہ  
نے کہا اس کا سبب ابھی معلوم ہوا تھا ہے۔ چنانچہ ایک مصاحب کو  
حکم دیا کہ جا کر دونوں سے خلوت میں پوچھے "خلیفہ ہو کر کیا کر دینگے؟"  
امین نے خوش ہو کر جواب دیا مجھے مالال کر دوں گا۔ مامون کا جواب  
یہ تھا "بیوقوف! تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اس میں کیا کرے  
گا جب امیر المؤمنین دنیا میں باقی نہیں رہیں گے؟ میری تمنا تو یہ  
ہے کہ ہم سب اسی قبرستان میں ہو جائیں!" یہ جواب شکر زبیدہ مذمت  
سے خاموش ہو گئی۔

بچپن ہی سے مامون کو پورا احساس تھا کہ وہ ایک جلیل القدر  
شاہزادہ ہے اور مستقبل میں تخت خلافت پر ٹپکن ہونے والا ہے۔ چنانچہ  
شاہی آداب و رسوم کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اس کا یہ واقعہ بہت ہی  
مشہور ہے کہ ایک دن اپنے ایک دوسرے معلم حسن اللؤلؤی کے سامنے  
بیٹھا تھا کہ اذگہ گیا۔ معلم نے کہا "سو گئے؟" مامون نے غضبنا  
ہو کر آنکھیں کھول دیں اور کہا "قسم رب کبھی میرا معلم محض ارادہ  
آدی ہو!" پھر غلاموں کو حکم دیا، اسے محل سے نکال دیں خلیفہ  
نے سنا تو مسرت سے یہ شعر پڑھا:

دہل فیت الخطی الاوشیج  
وتفرس الانی مناجمات النخل

اپنی اعلیٰ صفات نے مامون کو خلیفہ کا محبوب بنا دیا تھا۔ اپنی  
نے اپنے بھائی کے بعد اس کے خلیفہ بننے کی سفارش کی۔ اپنی نے  
اس عہد کے تمام عقلاہ شاہیر کو اس سے وابستہ کر دیا تھا۔  
شرع ہی سے ظاہر ہوتا تھا کہ مامون جماعت کا آدمی تھا  
کا قائم ہے۔ ایسے آدمی کے لئے ایک بڑی شرط، قوت خطاب بھی  
ہے۔ قدرت نے مامون کو بڑی فیاضی سے یہ قوت بخش دی تھی۔  
چنانچہ روایت ہے کہ جب مامون، اس شہد کو ہو چکا تو خلیفہ نے بعض  
نصائح کو حکم دیا کہ اس کے لئے خطبہ لکھیں۔ خطبہ طیار کیا گیا اور جمعہ  
کے دن مامون نے مسجد میں سنایا۔ اسے یہ خطبہ اس لیری، سلاست  
فصاحت، اور شان سے سنایا تھا کہ تمام حاضرین رونے لگے اور کئی  
شبہ کر سکا کہ یہ خطبہ مردوں نے طیار کیا ہے۔ ابو محمد زبیدی نے قوی  
قصیدہ لکھا:

لہن امیر المؤمنین کرامتہ علیہ بالمشکوٰۃ وجوب

بان دلی الحمد مامون ہاشم  
بد افضلہ اذقام دہر خلیب  
دلارامہ الناس من کل جانب  
بالصاریہ والعود منہ صلیب  
راہم بقول: الفتنہ اجمالہ  
دلی دودہ للسامین عجیب!

مامون کی ہی نجابت و ذہانت تھی جس نے ہادیوں کو خون زدہ کر  
رکھا تھا۔ وہ امین کے لئے مامون سے خائف تھا، امدامون کے لئے  
امین سے اندیشہ کرتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا، امین کے ہاتھ میں سلطنت  
کی تمام قوتیں ہوں گی اور وہ اپنے اولوالعزم بھائی کے محلے میں  
کوئی کوشش اٹھانے لکھے گا۔ دوسری طرف اسے یہ بھی صاف نظر  
آ رہا تھا کہ مامون، عقلمند، مدبر، بلند ہمت ہے اور اپنے سادہ لوح  
بھائی کو آسانی سے تباہ کر ڈال سکتا ہے۔ پھر دونوں کے طرفداروں  
کی قوت بھی اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ امین کی پشت پر بنی ہاشم اور  
قریش تھے۔ مامون کی حمایت پر تمام ایرانی عنصر کربتہ اور کافی  
طاقتور تھا۔

اس خطرہ کے سد باب کے لئے اسے دونوں بھائیوں سے  
ایک عہد لکھوایا۔ سلسلہ ہجری میں انھیں اور اس کے بڑے بڑے  
طرفداروں کو ساتھ لے کر حج کو گیا اور ہزاروں قسموں کے ساتھ  
یہ عہد خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

تمام حالات پر نظر ڈالنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہادی  
الرشید، مامون کو زیادہ چاہتا تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ  
طوئیں میں وفات کرتے وقت اس نے اپنی تمام ذاتی فوج، ہتھیار  
اور مال و دولت، مامون کے نام وصیت کر دی۔

پھر مامون کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ وہ آدمیوں کو پہچانتا  
تھا اور ان کے ارتحباب میں ہمیشہ خوش قسمت تھا۔ مامون کے آڈی  
بھی اگرچہ خود غرضیوں سے خالی نہ تھے، مگر وہ جانتے تھے کہ ان کا  
ذاتی نفع اسی میں ہے کہ مامون کا سیاب ہو اور خلیفہ بنے۔ ان لوگوں  
کی وفاداری کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ان میں اکثر ایرانی تھے  
تھے۔ اور معلوم ہے کہ مامون کی ماں بھی ایرانی تھی۔ اس لئے قدرتی  
طور پر ان کی ہمدردی اسے حاصل تھی۔

مامون کی خراسان سے غیر معمولی دلچسپی کا بھی یہی راز ہے۔  
مامون، نمایاں طور پر خراسانیوں کا طرفدار تھا۔ اس کی یہ طرفداری  
لوگوں کو صاف محسوس ہوتی تھی، اور عربی عنصر کی بددلی کا موجب  
بن گئی تھی۔ تاریخ میں یہ واقعہ ثبت ہے کہ ایک شخص مامون سے  
بار بار کہا "امیر المؤمنین! شام کے عربوں پر بھی ویسی ہی شفقت  
کیجئے جیسی خراسان کے عجمیوں پر کرتے ہیں" مامون نے جواب دیا  
"تم نے مجھے جواب پر مجبور کر دیا۔ سنو، قبیلہ قیس کو میں اس کے  
گھوڑوں پر سے اس طرح اتار سکا کہ میرے خزانے میں اب ایک پیہ  
بھی باقی نہیں رہا (یعنی دولت دیکر انھیں اپنی مخالفت سے باز رکھا)  
وہ امین، تو نہ میں نے کبھی اس سے محبت کی اور نہ اسے کبھی مجھ سے محبت  
کی۔ رہا خضاعہ تو اس کے سرور باربر سفیانی (یعنی ایک حبشیہ) کہہ دو  
بادشاہ) کا انتظار کر رہی ہیں کہ اس کی بیوی کریں۔ رہا زبیدہ تو وہ  
اس وقت سے اپنے خدایہ خفا ہے جو اسے اپنا بی بی مقرر میں پیدا کیا؟  
مامون کا یہ جواب بڑی حد تک درست ہے۔ لیکن خراسان کی طرف  
اس کے میلان کی اصلی وجہ وہی اس کی فارسیت ہے جس کا اوپر ذکر  
ہو چکا ہے۔ اس کی ماں بھی فارسی تھی اور اس کی تعلیم و تربیت میں بھی  
فارسی اثر غالب تھا۔ اسی بنا پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بعض محققین نے امین  
کو شیہ کہیں قرار دیا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ فارسی ماحول، شیعہ لبریز تھا

۳۴ اور مامون نے اسی میں پرورش پائی تھی۔



# اقتباس تراجم

## پروپاگنڈا

قریب کو کوئی علاقہ باقی نہیں رہا۔ انسانیت نے اپنے قریبی ماضی سے تمام رشتے تقریباً منقطع کر لئے ہیں۔ اب وہ اسے مقدس و محترم نہیں سمجھتی اور اس کی حفاظت میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتی جنگ نے یہی نہیں کیا کہ انقلابی تفرقہ دہ کر دیا ہو، بلکہ انسانیت کی ذہنیت بھی کچھ ایسی کر دی ہو کہ وہ تبدیلی کی شیدا ہو گئی ہو، اسے تلاش کرنی ہو، اسے لینے کے لئے یحییٰ ہو۔ یہ نئی فکری مدح تمام انسانی طبقات میں کم و بیش عام ہو۔

اس نئی ترقی کے ساتھ ساتھ عمل کا ایک نیا طریقہ بھی عام ہو گیا ہو۔ اس طریقہ کو ”پروپاگنڈا“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہو۔ آج یہ لفظ ہر کہہ و سنہ کی زبان پر ہو۔ حالانکہ جنگ سے پہلے صرف ایک خاص گروہ میں مستعمل تھا۔ لوگ جب اسے کسی کی زبان سے سنا یا کاغذ پر لکھا دیکھتے تھے تو ان کے اندر ایک ہم خوف سا پیدا ہو جاتا تھا۔ وہ اسے بھی فری تین وغیرہ پر اسرار لفظ کی طرح کوئی خطرناک لفظ سمجھتے تھے!

”پروپاگنڈا“ لاطینی زبان کا لفظ ہو۔ اس کے لغوی معنی ہیں ”بہت سی، زیادتی، فراوانی“ اور اصطلاح میں کسی تحریک کے پھیلاؤ اور عام کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کی تاریخ یہ ہو کہ مسیحی مذہب میں نام ہی رکھا۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ لاطینی قوموں میں مسیحیت پھیلائی جائے۔ کچھ مدت بعد یہ لفظ ان تمام طریقوں کے لئے مستعمل ہونے لگا جو مختلف مذہبی اور سیاسی انجمنیں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے کام میں لاتی تھیں۔ ایک طویل زمانہ تک یہ لفظ خواص ہی کے حلقہ میں گردش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ عوام میں بھی اس لفظ کو مقبولیت حاصل ہو گئی اور وہ ان جنگ میں تو بڑھ چکے تھے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی ہو کہ صنعت، حرفت، تجارت، سیاست، مذہب، غرض ہر شعبہ میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا اور اس کے مفہوم سے کام لیا جاتا ہو۔ تاجر اپنی تجارت کے فروغ دینے اور قوم کی ترقی کے لئے ہر ممکن سے بیک میں اسے مقبول بنانے کے لئے جو کچھ کرتے ہیں، اسے بھی ”پروپاگنڈا“ ہی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ یہی نہیں بلکہ مفسر تحریریں اور غلط اصولوں کی اشاعت تبلیغ میں بھی یہی ہتیار کام میں لایا جاتا ہو۔

یہ محقق ہو کہ افراد اپنے انفرادی ماحول میں، جماعتی ماحول کو زیادہ عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں، جماعت کے ماحول میں جاننے کے بعد ان کی ذہنیت بڑی حد تک گہرا ہو جاتی ہو اور وہ ایسے انحال پسند کرنے لگتے ہیں جو اپنے انفرادی ماحول میں ناپسند کرنے علم اجتماع نے صحیح طور پر ثابت کر دیا ہو کہ جماعت کا داغ، فرد کے داغ سے کہیں زیادہ گہرا، پست، اور منفعل ہوتا ہو۔ پس فرد سے

علم اجتماع نے ثابت کر دیا ہو کہ ذہن انسانی کی ترقی و حقیقت ان تغیرات اور تبدیلی انقلابات سے وابستہ ہو جو مختلف تمدنی موثرات کے ماتحت افراد، جماعت، اور اقوام کی زندگیوں میں واقع ہوتے ہیں۔ تمدن کی تاریخ دراصل ان تبدیلی تبدیلیوں کی تاریخ جو جو تاریخ کے مسلسل زائوں میں قوموں کی زندگی میں واقع ہوتی رہی ہیں۔

افراد چونکہ نظر اپنے اسلاف کی تقلید کی طرت مائل ہوتے ہیں اور موروثی عقائد و عادات کے دہلاوہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہر اس جدت کی مخالفت کرتے ہیں جو موروثی قدامت کو شکست دینے والی یا اس میں تبدیلی کرنے والی ہوتی ہو۔ افراد اگر ”جدید“ کو قبول بھی کرتے ہیں تو طویل حدود و حدود اپنے قدیم عقائد خیالات مطابق اس بات پر تکیہ کریم اور تبدیلی کے بعد یہ افراد کی جبلت و طبیعت ہو جس سے وہ مجبور ہیں۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ افراد و جماعت کی زندگی میں تبدیلی بہت آہستہ سرایت کرتی ہو اور انسانی تاریخ میں انقلاب، چوٹی کی چال جگہ بہت عرصہ بعد دہنا ہوتا ہو۔ لیکن کبھی اس تبدیلی اور آہستہ رفتار پر ایسے غیر معمولی حالات طاری ہو جاتے ہیں کہ افراد و جماعت کی ذہنیت ان سے کلیتہً متاثر ہو جاتی ہو۔ طبیعتیں بے خود ہو جاتی ہیں۔ قدامت کا خرقہ دھڑو جاتا ہو اور جدت سے نفرت زائل ہو جاتی ہو۔ اس گمانی تغیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ جماعت تھوڑی ہی مدت میں جت کر کے وہ ان مراحل کو طے کر لیتی ہیں جو عام حالات میں کہیں صدیوں کے سفر کے بعد طے کرتی۔

ان غیر معمولی موثرات و عوامل میں، جو تمدن کی رفتار بگڑا کر ڈالنے اور اسے سرعت بخشتے ہیں، ایک بڑا موثر سبب ”جنگ“ ہے۔ گزشتہ عالمگیر جنگ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہو۔ یہ جنگ اگر دنیا کی سب سے بڑی نہیں تو بہت ہی بڑی جنگوں میں سے ایک نہایت ہی ہولناک جنگ ضرور تھی۔ لیکن باوجود ان تمام مصائب و آلام کے اعتراف کے جو اس جنگ سے پیدا ہوئے، یہیں اس نہایت ہی تیز تبدیلی کو بھی تسلیم کرنا چاہئے جو اس جنگ نے معاشرہ و اجتماع کی ہر شاخ میں اپنا نمونہ پیدا کر دی ہو۔ پھر اس تبدیلی سے افراد و جماعت کی زندگی کے ہر شعبہ میں جو عظیم انقلابات طاری ہوئے ہیں انہیں بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے حقیقت یہ ہو کہ گزشتہ دس باہ سال میں انسانیت نے ترقی کے چھینے مرتیل طے کئے ہیں، عام حالات میں وہ صدیوں کی حدود و حدود سے بھی طے نہ ہوتے۔ ان تیز انقلابات و تغیرات نے افراد اور جماعتوں کی ذہنیت پر عظیم اثر ڈالا ہو اور اسے ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا ہو جو سرسبز حیرت انگیز ہے حتیٰ کہ چشم بینا دیکھ سکتی ہو کہ آخری چند سال کی دورے کے بعد اب انسانیت اس لفظ پر پہنچ گئی ہو جس سے ماضی

نہیں — اور شاعر اور سپاہی — کوئی بھی ان کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا —

مظالم عورت نے کرنا — تینو! میرا لہو کا مجھے دلائے! شاعر کرنا — لہو — ماؤں کی ہیں پرستش کرنی چاہئے اس لئے کہ وہ ہمارے لئے بڑے بڑے آدمی پیدا کرتی ہیں، اور آدمی کو بلند رتبہ پر پہنچاتی ہیں — اسطوفردوسی! اور — اسی طرح سعدی اپنی شہدائیں شیریں زبانی کے ساتھ — غریب اپنی شہدائیں کی سہی زہرا لہو دبا عیوں کے ساتھ — سکندر، ہونو اور ہرام گور — یہ سب عورت کے، ایک ماں کے بچے ہیں! تینو! اس عورت کی باتوں سے کسی گہری فکر میں چلا گیا۔ پھر سراٹھا کر — اسنے حکم دیا کہ تین سو شہسوار فوراً اس لڑکے کی تلاش میں روانہ ہو جائیں، جو شخص ڈھونڈ کر لائے گا اسے انعام دیا جائے گا — ”پھر اسنے آہ بھر کر کہا — میں سمجھ گیا یہ عورت اس قدر بے پروا اور بے خوف کیوں ہو؟ — چونکہ وہ ماں ہی — ایک محبت کرنے والی ماں! اور کوئی ماں نہیں ہوتی جو محبت نہ کرتی ہو! لڑکے کے کھوجانے سو اس کے دل میں آگ ہی بھڑک رہی ہو — ایسی آگ جو بریل تک، قرون تک، شرارے چھڑک سکتی ہو“

تینو! کے حکم جاری کر لے پر کرمانی کی شاعرانہ اور درد آشنا روح وجد میں لگ گئی — اسنے فی البدیہہ یہ اشعار موزوں کر لکھے:

## ماں

یہ کون نغمہ ساری دنیا کے نغمائے طرب شیریں؟ جو آسمان کے ستاروں، باغوں کے پھولوں کا عکس بنی ہو؟ کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہو؟

زانہ کے اہل ذوق میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہوگا کہ وہ محبت ہو جس سے یہ خاکدان تیرہ سو دور ہوا!

حیرت ہستی ہلکے ہلکے!

وہ چیز جو آفتاب نصفت النہار اُردی ہشت سوسو ہزار درجہ زیاہہ اچھی ہو، خوبصورت ہو، خوشنما ہو

کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہو؟

فضائے شبوں میں میں نے دیکھے ہیں مسکراتے ہونے ستارے میں جاتا ہوں کہ چشم محبوب سالکے بھولوں خوشنما ہوا

شراب گوں ہو ترش لیا ہوا

میں جانتا ہوں کہ اس کا ایک ہلکا سا زانیں نسیم دل شکستہ کے حق میں کس درجہ ہر آنکھیز و موزا ہوا

لب تکلم کا معجزہ ہو!

کرشمہ آرائی ہے احساس جن کے باوجود ایک

نہ کہہ سکا کوئی شاعر آخر وہ نغمہ دل پذیر کیا ہو؟

جوب سے بہتر ہو دل لیا ہوا!

مگر میں کہتا ہوں اب کہ وہ نغمہ — وہ دلدادہ نغمہ!

جو ساری دنیا کے سالکے رنگیں ترانوں کا اصل تبد ہو!

جو قلب فطرت کا آئینہ ہو!

وہ نغمہ — وہ کائنات کا — کائنات کا سچا دل ہو!

وہ دل کہ جس کا جان دالوہ نے پیاسے نام ماں رکھا ہو!

دہی محبت کی ابتدا ہے!!

دہی محبت کی ابتدا ہے!!

مترجمہ اختر شیرانی۔ لاہور



دھیانہ حرکات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ظالمانہ سلوک رد رکھا جاتا ہو، حتیٰ کہ طاقتور جماعت محض اپنے زور سے دوسری جماعت کو کھیل دیتی ہو۔ فریکٹ ٹریٹ نے تاریخ انگلستان میں لکھا ہے: "یہ لڑائی دو وحشی قوموں میں ہو رہی تھی۔ انھوں نے ہمہ انصاف بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اگر انھیں کوئی خیال تھا تو صرف یہ تھا کہ کچھ طرح انکے دشمن تباہ ہو جائیں۔ دونوں طرف سے سخت مظالم کئے گئے جن پر پردہ ڈالنا ہی مناسب ہو" انگریزی تواریخ نے اپنی حرکات پر تو واقعی پردہ ڈال دیا ہو، لیکن ہندوستانیوں کے مظالم کا بہت بڑی طرح سے خاکہ کھینچا گیا۔ سیکڑوں فرضی قصے تواریخ میں منج کئے گئے تاکہ انگریزوں کو انکے بڑھنے سے جوش پیدا ہو۔ آج ہم اس تصویر کا دوسرا رخ بتاتے ہیں جو تقریباً ۷۰ سال سے لوگوں کی نظروں سے عموماً چھپا دیا گیا ہو۔

### پشاور کا واقعہ

۱۸۵۷ء میں ۱۲۰ سپاہی بکڑے گئے۔ ان میں کسی نے بھی اپنے افسروں کو قتل نہیں کیا تھا۔ بہت سے آدمی ایسے تھے جو بغیر کسی مجبور ارادے کے بغاوت میں شامل ہو گئے تھے بنگلہس نے اپنے دور و زوڈی کٹر پشاور کو لکھا تھا کہ میں ۷۷ بگہ قیدیوں کی جاں بخشی کی معاف کر رہا ہوں کیونکہ مجھے انکے افسروں نے یقین دلایا ہے کہ ان لوگوں نے بغاوت میں مطلق حصہ نہیں لیا۔ باقی کو توپ کے ذریعہ اڑا دیا جائے۔ سر لارنس نے جواب دیا کہ چونکہ وہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اس لیے ان پر رحم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھی میں تمام آدمیوں کو بچانسی دینا نہیں چاہتا۔ میرا معاشرت یہ ہے کہ یہی عزت نامہ سز میں دی جائیں کہ عوام الناس ڈر جائیں، میری تجویز یہ ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہتائی کو سزائے موت دی جائے۔ اڈنڈا ان سپاہیوں میں سے چن چلائے جو نہایت سرکش اور گستاخ ہوں۔ یا جن کے خلاف انکے افسر شکایت کریں اگر ان صفات کے آدمی لیتے نہ ہیں جن سے مجوزہ تعداد پوری ہو سکے تو پھر لڑ رہے سپاہیوں کو شامل کر لیا جائے۔ باقی قیدیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں۔ سزائی حالت میں بھی تین سال سے کم نہ ہو۔

لارڈ رابرٹ نے جو ان دنوں لکھنؤ کے عہدے پر تھا، اپنی والدہ کو ایک خط میں اسی واقعہ کے متعلق لکھا ہے: "مجموعاً پشاور تک پیادہ پہنچے۔ راہ میں باغیوں کو قتل کرتے رہے اور فوجوں سے ہتھیار لیتے رہے۔ لوگوں پر سزائے موت کا جو توپ سے واقع ہو، بڑا اثر پڑتا ہے۔ یہ بڑا ہی خوفناک منظر ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ان مظالم کے دور میں ان بدعاش مسلمانوں کو تباہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم خدا کی مدد سے ہندوستان پر قابض ہونگے"

### پنجاب کے واقعات

ایک توپ میں بہت زیادہ بارود بھری ہوئی تھی جب ایک شخص کو اس کے سامنے لا کر رکھا گیا اور توپ چل گئی، تو اس شخص کے سیکڑوں ٹکڑے ہو گئے اور اسے اڑ گئے۔ اس کا سر قاشاٹیوں میں سے ایک کو جا لگا اور کئی آدمیوں پر خون کے پھینٹے پڑے۔ جنرل بنگلہس جسے ہم امام طغٹ میں دیوتا کی طرح پوجتے تھے، اٹھوڑ کو ایک خط میں لکھتا ہے: "ہیں ایک قانون بنا چاہئے جس کی رو سے ہم انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کو زندہ جلا سکیں اور زندہ ہی ان کا چہرہ آواز سکیں۔ محض بچانسی دینے سے ہمارا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں دنیا کے ایک ایسے کوٹے میں جہاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکیں۔ مشرقی ممالک کا قصہ یہ ہے کہ جب تک لوگوں پر گورنمنٹ کا ڈر اور خوف طاری نہ ہو جائے تب تک اسکے قوانین کی قدر نہیں کی جاتی" کہ پھر اس سرکاری ڈیپٹی کمنشنر تھا۔ لکھتا ہے کہ پنجاب کے تمام افسر ظلم

کرنے میں ابتدا کرتے تھے تاکہ لوگ ڈر جائیں۔ اور انتقام لینے کی جرأت نہ کر سکیں۔

ٹامسن نے سر بری کاٹن کو چند مسلمان قیدیوں کے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ سنایا تھا۔ شام کے وقت ایک سکھ اڑی آیا اور سلام کر کے کہا۔ میرے خیال میں حضور قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہو گئے ہیں فوراً حالات چلا گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ قیدی زمین پر بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ بالکل برہنہ اور آخری سانس لے رہے ہیں۔ انکے جسم کے ہر ایک حصے پر تانبا گرم کر کے نشان کئے گئے تھے۔ مجھے ان کی حالت پر رحم آیا اور سپرٹول سے قتل کر دیا تاکہ جاں کنڈی کی تکلیف سے بچ جائیں جب کاٹن نے یہ بد و انگریز واقعہ سنا تو ان سے پوچھا پھر نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جنھوں نے یہ وحشیانہ حرکت کی تھی؟ ٹامسن نے جواب دیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا!

### وحشیانہ قتل و مذب

مدر کے دنوں میں ہر ہندوستانی سپاہی کے خلاف الزام تھا کہ اسنے انگریز بچوں اور عورتوں کے قتل میں مدد دی ہو۔ خواہ وہ کبھی جگہ پر ہو اور کتنا ہی بے علاقہ ہو، اگر کوئی انگریز دہلی میں قتل کیا گیا ہو، تو لاہور اور پشاور کے ہندوستانی سپاہی بھی قابل گرفت تھے، ایک چشم دید گواہ لکھتا ہے: "میں نے دیکھا کہ ایک انگریز ایک رنجی قیدی کو سنگینوں سے مار رہا تھا۔ لیکن کوئی ضرب مملکت ثابت نہ ہوئی۔ اس واسطے دو تین لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی گئی، اور اسے اس آگ میں پھینکا گیا۔ سکھ اور انگریز یخونناک منظر بڑے غم سے لے کر دیکھتے تھے۔ رسل نے بھی جو طائر لندن کا نامہ لکھا تھا۔ اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ بلکہ کہتا ہے: "میں اس قیدی کی جلی ہوئی ہڈیاں بھی اس جگہ دیکھی تھیں"

سب سے پہلے اسی رسل نے ان وحشیانہ حرکات اور مظالم پر صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے: "یہ انتقامہ سزائیں مثلاً مسلمانوں کو سوز کے چمڑے میں اُل کر پیس دینا اور قتل کرنے سے پہلے انکے منہ میں سوز کی چربی ڈالنا، اور ہندوؤں سے انکے خلاف مذہب حرکات کرنا، انسانیت کے خلاف اور مذہب سے گری ہوئی حرکتیں ہیں۔ ان سزائوں سے بڑے خوفناک نتائج پیدا ہو گئے جو ہمارے واسطے ہلک ثابت ہو گئے"

جب ان مظالم کی حد ہو گئی تو گورنر جنرل نے اس رجحان کو روکنا کہ ایک مفصل حکم جاری کیا جس کی رو سے دیہات کا جلاوا اور نئے آدمیوں کو بغیر کسی ثبوت کے سزا دینا منسوخ قرار دیا گیا تھا۔ ان افسروں سے سزائے موت کے اختیارات بھی چھین لئے گئے جنھوں نے انڈیا دھندہ اختیارات رہتے تھے، ۲۸ اگست کو جان گرانٹ جو کچھ دہلی میں گورنر بنا کر بھیجا گیا تاکہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں مشیاد آدمیوں کی بچانسی کی سزائیں متوی کرے۔ انگریزوں نے کیننگ آف گرانٹ کے خلاف بہت شدہ مچایا کیونکہ انھوں نے بہت سے آدمیوں کو بچانسی سے بچا دیا تھا۔

ایک دفعہ اگست کے دنوں میں ایک انگریزی فوج دیہا جا کر واپس رہی تھی۔ راہ میں چند وفادار سپاہی مل گئے۔ مگر انھیں بھی سنگینوں سے اڑا دیا گیا۔

یہ مسلمہ امر ہے، کہ بہت سے سپاہی محض خوف کی وجہ سے بھاگ گئے اور پھر بغاوت پر مجبور ہو گئے۔ اگر ہم نے ابتدا میں مظالم نہ کئے ہوتے تو خدا دوستک نہ پھیلتا اور لوگ رحم و انصاف سے سناووس ہو کر اپنی نہ ہو جاتے۔

ایک پادری کی جو وہ بڑے غم سے لکھتی ہے: "اسنے بہت سی قیدیوں کو قتل کرنے پر آمادہ کیا لیکن چونکہ یہ کام انکے مذہب کے خلاف تھا

اس نے سنگینوں کی لوگ سے کرنا تھا تھا۔ بعض قیدیوں نے بڑی جلدی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ انھیں خیال تھا۔ کہ وہ اس طرح بچانسی سے بچ جائیں گے۔ لیکن ان کی یہ غلط فہمی فوراً دور ہو گئی۔ کیونکہ بالآخر سب کو بچانسی دی گئی!

مجنڈی ایک جگہ لکھتا ہے: "میں نے وہ رات مسجد یعنی جامع مسجد دہلی کی ناکہ بندی میں گزار دی اور رات کا بہت سا حصہ ان قیدیوں کے قتل کرنے میں خرچ کیا۔ جو دن کے وقت پکڑے گئے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے مرتے وقت ایسی شجاعت اور شہادت دکھائی کہ ہم بھی داد دے بغیر نہ رہ سکے"

ایک انگریزی جو دہلی کے محاصرے میں موجود تھا، لکھتا ہے: "میں نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگریز صلح کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ تو قتل عام سے خوش ہوتے ہیں"

جب پھر ریٹاڈ کا پورے لئے کوچ رہا تھا، تو جنرل نیل نے اس کو مفصل ذیل ہدایات بھیجیں جو قابل غور ہیں۔ ان دیہات کو جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہو، تباہ کر دیا جائے۔ جن محلوں میں پٹھان لوہہ باش رکھتے ہیں انھیں سار کر دیا جائے اور باقی قتل کر دیے جائیں۔ باغی پٹھانوں کے تمام سپاہیوں کو بچانسی دی جائے چونکہ فوجیوں نے بغاوت کی ہے، اس لئے اس پر بھی حکم دیا جائے اور تباہ کر دیا جائے۔ اگر ڈیپٹی ملکہ گرانٹ ر ہوجائے تو اسے بچانسی دے دی جائے اور اس کا سر شہر کی کسی بلند عمارت پر لٹکا جائے" بنگم آفدہ نے سہ ماہی کے ایک اعلان میں یہ فقرہ لکھا تھا: "میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا کہ انگریز کوئی جرم معاف کر سکتے ہیں"

### ہزار ہا جانوں کا قتل

آخر کار کیننگ اور جان لارنس نے بھی اس قتل عام کے روکنے کی کوشش کی۔ ڈورابھائی (یعنی لاڈ بنگلہس) نے تو ابتدا ہی سے اس کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ جب انگریزوں کا غضب جوشا پڑھا تو اسنے ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا: "مجھے یقین ہے کہ ہمارے فوجی ہندوستان کے لوگوں سے خوفناک انتقام لین گی۔ لیکن میں ان انگریز حاکموں کے اس طریقے سے بالکل متفق نہیں جن نے کہا ہے کہ ہندوستان کی باگ ہو۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہم غیر مالک میں بجائے انصاف کے انتقام کے زور سے حکومت کریں۔ میں ظلم کے بدلے میں ظلم نہیں کرنا چاہتا"

لاڈ بنگلہس نے ملکہ مظفر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا: "لوگ کہتے ہیں کہ انتقام برتتے ہوئے ہیں، اور وہ لوگ بھی جنھیں اپنے ہاتھوں کے زور و بہتر مثال قائم کرنی چاہئے تھی، اس جوش سے خالی نہیں۔ میں جب اپنے لوگوں کی حرکات دیکھتا ہوں تو شرم کے مائے پسینہ پسینہ ہو جاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے کس طرح چلیں پچاس ہزار آدمی قتل کر دیے" ملکہ کو تو یہ نے اس خط کا جواب یہ دیا تھا: "لاڈ بنگلہس کو یقین کرنا چاہئے کہ میں بھی انگریزوں کی ان وحشیانہ حرکات پر سخت نادم ہوں اور خاص کر انگلستان کی بے لک پر جسے برطانوی فوجوں کی کارگزاری بنظر حقین دیکھی ہے" چونکہ لاڈ بنگلہس نے ملکہ کو دیکھا تھا اس لئے وہ وقت پر انگریزوں کا جوش ٹھنڈا نہ کر سکا۔ اس کے ماتحت اس کے اختیار سے باہر تھے۔

### قتل و مذب کی مطلق انہائی

سر جارج کیبل اپنی سوانحی میں لکھتا ہے: "میں نے اپنی اہل لکے متعلق بہت دفعہ سنا ہے لیکن میں ابھی تک اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ ہندوستان میں ان دنوں اس کا جو مطلب سمجھا گیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہر ایک فوجی کو کھلی اجازت تھی کہ وہ جسے چاہے قتل کرے یا جسے



# مطبوعہ جدیدہ

عذر ۱۸۵ء

اور "تصویر کا دوسرا رخ"

حال میں ایک کتاب امریکہ کی شایع ہوئی جس کا نام

The other side of medal

ہو۔ یعنی تصویر کا دوسرا رخ، اس کا مصنف ایک مشہور اہل علم ایڈیٹر  
 ٹامسن ہے۔ اس نے یہ کتاب اپنے لکھی ہوئے "عذر" کے اثنائیں  
 برطانیہ حکام نے جو اتحادی تدابیر اختیار کی تھیں یا حکومت کے عہد  
 ہیت کے مظاہر کے لئے جو نوجوان ریزاں جاکر رکھی گئی تھیں ان کے  
 واقعات مستند تاریخی مصادر سے اخذ کر کے یکجا کر کے جانیں اور اس  
 ہندوستانی فوج کی ہولناک تصویر کا دوسرا رخ بھی دنیا کے سامنے آئے  
 عذر کے تصویر کا ایک رخ تو وہ تھا جو باغی فوج کے قتل و  
 غارت اور لوٹ مار کی صورت میں دنیا دیکھ چکا ہو۔ اس سلسلہ میں  
 زیادہ وحشیانہ طرز عمل دہی، لکھنؤ، اور کانپور میں بے گناہ انگریز  
 عورتوں اور بچوں کا قتل تھا۔ قتلہ دہی میں ۵۲ انگریز مقتول ہوئے۔  
 باوجود بدرفت بہادر شاہ مرحوم کی سیم مخالفانہ کوششوں کے باغی  
 فوج نے انھیں قتل کر ڈالا۔ غالباً اس سے لے کر ایک ایک کر کے  
 مختلف ہیں ان میں عورتیں بھی تھیں۔ لکھنؤ میں بھی عذر کے بعد  
 ۱۲۰ انگریز قیدی لنگھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جن میں ایک ہندوستانی فوج  
 عہدوں کی بھی۔ کابینہ میں جاں بخشی کا ہمد کرنے کے بعد جو حوالہ لکھنؤ  
 کی کشتیوں پر کیا گیا جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، وہ آٹا دانے کے  
 حکم سے ہوا ہونا ہوا ہو، لیکن یقیناً ہمد درجہ کا حشیانہ فعل تھا۔  
 مختلف مقامات میں غیر مسلح اور بے پناہ انگریزوں پر لگے فوجی  
 نوکروں نے جو حملے کئے اور عورتیں قتل کر ڈالی گئیں، بلاشبہ ان  
 واقعات کے لئے کوئی معذرت قبول نہیں کی گئی۔

یہ عذر کی تصویر کا ایک رخ ہے، اور ایک سو سے زیادہ انگریز  
 اہل قلم اس کی وحشت و ہولناکی کے خال و خط نمایاں کر چکے ہیں۔  
 لیکن تصویر کے دوسرے رخ کی شہادت کیا ہو؟ وہ اخلاقی  
 انسانیت کا مسخ ہے، یا وحشت و ہولناکی کا بے پناہ رخ ہے کہ ہولناک  
 ہو یا زیادہ؟ دنیا کی ان حکمران اور قابو یافتہ قوموں میں ہمیں  
 انتقام و غصے کے موقع پر اپنی اخلاقی برتری (کریسمس) کے مظاہر کا حق  
 ملتا ہے، انگریزی قوم کی جگہ کی جگہ کی تھی ہو؟ اسے خود ہندوستانیوں  
 کی بددعویٰ ہو کہ ہندوستان کے سب سے بڑے شہر میں جو قتل عام  
 کیا، اور بڑے طرح طرح، غیر قابل، اور کھلم کھلا بے گناہ آبادی ترو  
 بالا کر دی گئی، تاریخ کو اسے لے کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ یہ سوال ہیں  
 جو عذر کے تاریخ نے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ  
 ہے کہ آج تک ہندوستان میں جو تحقیق کی روشنی اس گوشہ پر نہیں پڑی  
 اس کتاب میں مطبوعہ ہے۔ سال ۱۹۲۷ء کی روشنی دہی ہے، اور

کوشش کی ہو کہ مستند اور بے لالہ تاریخی مصادر کو واقعات جمع کر کے جانیں  
 مصنف کے شکل تھا کہ اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کر لے گا  
 اس حکومت ہند کے مرکزی افسران اور انگلستان کے بعض اہم سرکاری  
 مباحث کے سوا اور کوئی ذریعہ علم تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ دونوں  
 اس لیے میں غیر نفاذ نہیں قرار دے جاسکتے۔ اہم تاریخی شہادت کا  
 حقد و خیر بھی جمع ہو گیا ہو، اس سے بحیثیت مجموعی تصویر کا دوسرا  
 رخ نمایاں ہو جاتا ہے۔

اب ہندوستان اس منزل پر پہنچا ہے کہ اس قسم کے قتل  
 محض سیاسی منظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی اہلی حیثیت سیاسی نہیں  
 بلکہ انسانی ہے۔ عذر کے مصنف کا عظیم مقصد ہندوستان کے نئے دور  
 حیات کے ہر گوشے پر انور ڈالا، ضروری ہو کہ تاریخ کے سامنے پیش کیا  
 جائے، اور اسے جو طور پر اجاگر کیا جائے فیصلہ کر لے۔

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض غرضی مقصد کا ترجمہ پیش  
 کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ پوری تحریر کی صاحب کمال اسٹیٹ آبادانے کیا ہے  
 ان کا ارادہ ہے کہ قومی کتاب کا ترجمہ اعداد میں مرتب کریں۔  
 اس سہجہ ترجمہ قومی دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

اگر عذر میں یہ شکل عام طور پر مشہور ہو کہ اگر کوئی شخص ہندوستان  
 کے متعلق کسی معمولی درجہ کے ایوان میں بھی لکھنے لکھنے کے تمام سامعین کی  
 تحت ایوان خالی کر دیں گے۔ ایک زمانہ تھا جب انگریز علماء ہندوستانی  
 علوم و فنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ حال ہے کہ ہندوستانی  
 مسائل پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ ہمیں یقین  
 ہو گیا ہو، ہندوستانی ہماری حکومت سے تنگ آ گئے ہیں۔ انھوں نے  
 ہمارے حسن انتظام کی قدر نہیں کی۔ ہم اگر اب بھی فراموشی کر سکیں ہندوستان  
 کو بددعویٰ شہر قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

لیکن جو مشہور و غل جلیا لالہ باغ کے قتل عام پر ہوا تھا، اس سے  
 ظاہر ہو کہ ہم اپنے آبادی و جداد سے کس زیادہ رحمت و رحمت داتے ہوئے ہیں۔ کہہ  
 ہم ہندوستان میں دوسرا غنہ پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

اب ہمارے لائق اور ہونہار نوجوان ہندوستانی ملازمین ہو  
 گئے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معمولی قابلیت کے آدمی ہندوستان چاہے  
 ہیں۔

ہندوستان کے متعلق غلط اور بے بنیاد پر دیکھنا اور پتہ میں پھیلنا  
 جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے باشندے محض وحشی اندھی مصلحتی ہیں!  
 ہندوستانی مورخ نہیں ہیں۔ انہیں واقعات کو سلسلہ وار ترتیب  
 دینا نہیں آتا۔ وہ تحقیق کے نئے طریقوں سے نا آشنا ہیں یہی وجہ ہے

کہ آج تک عذر کے متعلق ہندوستان میں کوئی تاریخ صحیح شایع نہیں  
 ہوئی۔ حالانکہ دوسری طرف انگریزوں نے اس واقعہ پر سیکڑوں کتابیں  
 لکھ کر شہر کر۔ یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے تصویر کا صرف ایک رخ دکھایا ہے  
 عذر کے اسباب

عام طور پر عذر کے دو سبب بیان کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ ایسٹ  
 انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام مجھے کیے بعد ہنگوے اپنی حکومت میں  
 بلائے تھے۔ اس واسطے ہندوستانیوں کے دلوں میں کمپنی کے متعلق بہت  
 شکوک پیدا ہو گئے۔ دوسرا سبب دہلی چربی والے کا دوسروں کا قصہ ہے۔  
 انیس (2۸۵۸) جو ان دنوں کا عہد انجیف تھا لکھتا ہے  
 "میں نے مشکوک کار توں دیکھے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ سپاہیوں  
 کے عذرات حق بجانب ہیں۔ مجھے یہ ہرگز خیال نہ تھا۔ کہ ان کا دوسروں  
 کے استعمال میں گائے اور سور کی چربی لگائی جائے گی۔ میرے خیال  
 میں ہندوستانی سپاہیوں کے جذبات کی مطلق برداشت نہیں کی گئی۔"

یہ کار توں جو انیس دنوں میں بلج کر گئے تھے، سوند اور گائے  
 کی چربی سے آلودہ ہوتے تھے۔ اور پشیر اس کے کڑھیں بند توں تھا  
 ڈالا جائے، دانوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ اس کا دوسرے کے چند حصے کو  
 سخت ہوتے تھے کہ بغیر دانت کے استعمال کے چلائے نہیں جاسکتے تھے  
 ہندو مذہب میں گلے کا احترام کیا جاتا ہے، جب انھیں یہ کار توں  
 استعمال کرنا پڑے تو سخت رنج ہوا۔ یہی حال مسلمان سپاہیوں کا بھی  
 تھا۔ چنانچہ تمام فوج میں ایک کھل کی طرح گئی۔ رسالہ ہندوستان میں  
 ۵۸ سپاہیوں نے ایسے کار توں کے استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔  
 ان کا کورٹ مارشل کیا گیا۔ اور دس دس سال کی سزا دی گئی جس  
 طریقے سے یہ حکم سنایا گیا تھا وہ تہذیب سے بگاڑا تھا۔ مصنف موصوف  
 نے اس خوفناک منظر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"۵۸ سپاہیوں کو گارڈ کی حراست میں فوجی عدالت کے درجہ  
 پیش کیا گیا اور یہ سخت حکم سنایا گیا۔ ان کی فوجی زندگی ان کے جسم سے  
 آٹا دی گئی پھر اسی وقت بیڑیاں پہنائی گئیں۔ یہ نہایت دردناک  
 نظارہ تھا۔ ان کے ساتھیوں کو ان کی حالت زار پر ترس آ رہا تھا۔  
 ان قیدیوں میں بہت سے ایسے سپاہی بھی تھے جنھوں نے انگریزوں کی  
 خاطر ٹری ٹری قربانیاں کی تھیں۔ اور مختلف لڑائیوں میں مددگار  
 بہادری دکھائی تھی۔ تمام قیدیوں نے آواز بلند کر کے منہ دھرتا  
 کی کہ اس نے عین حق سے بچا یا جائے۔ لیکن کسی نے زور نہ کی جب وہ  
 بالوں ہو گئے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو لٹکا کر کہا کہ انھیں شرم  
 نہیں آتی کہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم خاموشی سے مشاہدہ  
 ہے ہو؟ اس دردناک اپیل سے حاضرین کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ انھوں  
 کہ وہ کچھ کر گزرتے۔ لیکن قیدیوں اور بندو قوں کی موجودگی میں وہ کیا  
 کر سکتے تھے؟ ناچار انھیں صبر کرنا پڑا۔ لیکن اس واقعہ سے ہر ایک کو  
 انگریزوں کے خلاف ہو گیا۔ وہ لوگ جو ان کی خاطر اپنی جانیں لڑاتے  
 تھے، ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر  
 کرتے ہوئے لکھا ہے۔ یہ ایک ایسا امتحان حکم تھا جس کی نظیر ملے نہیں  
 ہے۔ بغاوت کا آغاز اسی حکم سے شروع ہوا ہے۔

دوسرے دن (یعنی ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء) ایک رسالہ اور دوسرا  
 فوجی نے جلیانے کے دروازے زبردستی کھول کر اپنے ساتھیوں کو آنا  
 کر دیا۔ پھر انگریز افسروں کے گھر جلائے۔ جہاں کہیں کوئی فرنگی بلا  
 قتل کر دیا گیا، اور اس کے بعد سب کے بے ڈہلی روادہ ہو گئے جب  
 باغی پلٹیں ملیں تھیں۔ تو وہاں بھی انھوں نے انگریزوں کے قتل  
 کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ جب ایک محکوم قوم اپنے  
 حاکموں سے جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتی ہے تو وہ دونوں طرف سے

# ان تمام اصحاب کے لئے

جو  
قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی آئینہ یاد کا شوق رکھتے ہیں  
دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہم  
مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں،  
پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح  
کے پرانے صنعتی عجائب و نوادہ، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔  
کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور دفاتر کی نمائش ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل ادب  
دولوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادہ عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مسافت و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،  
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے اہل علم ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل کرتے  
رہتے ہیں۔ قاترو کے نئے ایوان شاہی کے نوادہ ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادہ موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت  
مکمل چوکھار اسفرو یا مقامی اہل علم سے مل سکتے ہیں۔

## سعد پاشا ز غلول کو اقوال

قویت

قومی زندگی

مٹھے ہوئے

## ہمارا مطالبہ

## سعد کی زندگی

مصری قوم

عزالت

قومی عہد

میرا دل

## نادی کارخانہ

فنايت

2000

## تائیدی

## محکوم کی مصالحت

تدے کی خواہش

مادی قوت

عن زید کامیاب

## سیاسی اتفاق

## انتہا پسندی

1.

بل نہ کہ استغناء

1

خبر پانچواں میں مظلوم کے گھونٹنری اور نظام کے کوڑا چھاپے بتاوا



علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی ہو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا مشہور حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یوہین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہماریاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کر آتی ہے



یا دوست

موسم گرما کا نیا انتخاب

صوفیوں کا دواخانہ

شربت روح افزا ۲۹۳ (حفظ)

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل دہم شتافانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دہانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیو سیسٹم کا نام میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر اور پر رنگ و لغزب اور پکینگ کی صفائی ویدہ زیب ہو اس کی اشاعت سے محض فانی نفع متھو نہیں بلکہ ہم خدادہم ثواب کے مبداء پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیا کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں امید ہو کہ آپ بول و دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُسیدار اماندہ ہو اور جس کی ہر چیز پسند ہو۔ خوش ہو گئے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہو کہ ہر حشیت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں قیمت فی بول ایک روپیہ اٹھ آنے (پیر) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک جڑ یا اس سے زیادہ خریدیں ۲ روپیہ گیش یا چاٹھا۔

خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بڑے پرمہد دو خانہ کا خوشمالیل اور سپر لفظ جڑ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

## تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

پتہ۔ ہمدرد و اخوانہ دہی

چند

اگر آپ محکمستان کی حیات کرنا چاہتے ہیں تو

مادرِ مہر

(ضیق و آس)

کسی طرح کی بھی معمولی شکاری کی شکایت ہو تو  
تال نہ کیجئے۔ اپنے قریب دروازہ فروش کی دکان

سے فوراً الکیٹین

**HIMROD**

مشہور عالم و ادیب گوارا  
استیصال کیمو

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما کا مدد ملے گا کی ضرورت ہے جو پاکستان کے تمام شہروں، سوائیوں

ہو تو ان کلبیوں، تھپیڑوں، قص کاہوں، قابلِ یدِ مقلّا اور آثارِ قدیمہ وغیرہ سے ایک مطلع

کر دے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیا سکے جن کی ایک شہیاد کو

قدم قدم پڑھتا پیش آتی ہے

ایسی کھل گائی کہ ہر ایک صر

ط د ملا ی گ ا ط ط لو گ ر ی ط ی ن

*The Dunlop Guide to Great Britain*

دوسرا ایڈیشن ہی ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ایجوکیشنل سٹورز کے ہنگاموں سے مل سکتی ہے۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہی، اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہی۔ آئندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائیں بھیج دیں۔ اہللال

## فدائیان اسلام پر مصائب کا ہجوم کیوں ہو؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور اس کے علاج کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیتہ ملاحظہ فرمائے۔

”الجمعیتہ“ تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہے جو علماء کی زبان کھلانے کا مستحق ہے اور جس کا اہم ترین مقصد ملتِ بیضی کی محافظت ہے۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دندان شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید کرنا مخصوص طریقہ ہے۔

اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے انجاء بھی ایک ضروری چیز ہو گیا ہے اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اس کی حاجت ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کی محافظ ہے اور اصلاح قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچائیں حق کی آواز جتنے کثرت سے لوگوں کے کان میں جا سیکے گا دنیا ہی

### اخبار الجمعیتہ کی پانچ خصوصیات

- (۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہے۔
- (۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کر کے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہے۔
- (۳) عربی، فارسی، اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہے۔
- (۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت الدین صاحب صدیقہ جمعیتہ علماء ہند کے قلم کے اشاعت کرتا ہے۔
- (۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہے جس میں اس کی دلچسپی میں اصناف ہوتا ہے۔
- ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ چھ سالانہ چھ روپیہ (دے) ہفتہ
- ششماہی تین روپیہ چار آنے (دے)
- مینجر الجمعیتہ دہلی



**ایٹیم بنیاد و کرم کے پہنچا پیرتن**  
**نئی لاہور**

کامیاب علمیں اس کے مستقل جنید اس کو فوجی مسوئوں کی انعامی کتابیں مفت دی جاتی ہیں انعامی کتابوں کی فہرست اور نمونہ سالانہ وائز کے نکتہ سے بھی طلب کریں

**مینجر انتخاب لاہور**

### حیرت انگیز نذر عایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں  
صرف دس روپے میں  
محمولہ لاک اور پیکنگ بھی معات

آپ کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے  
قابل گولڈن سٹونج ایسے ریگولٹر کونجی شہر عالمی پانچویں سید



نئے ذہن کی خوشنمیزی عمل سکھانے اور بصورت مضبوط دیکھنے میں خوبصورت چال کا چھاپا  
ایک نیا ہی جی جیت ست ایم نہایت صحیح تاخیری قیمت سے بیرون کا مضبوط نام کا سچا  
استراحت دینا چھانہ ہم بین باغیچہ آہلئے دھرم اور سستیائیت دو روپے  
محمولہ لاک اور پیکنگ بھی معات

یہ نون گھڑیاں گولڈن سٹونج ایسے ریگولٹر کونجی شہر عالمی پانچویں سید  
مال کی نگاہی اور قوم کی شہرت کی جیسے براہِ رسالت ہی وقت گزرتے ہی  
جب تک یہ گھڑیاں شاک میں ہوں گے اس کے بعد نہیں کے زمانہ ہوں گے آپ کو ایسی آواز  
ہو جیسی ایسا نہ ہو کہ اس شاک ختم ہو جائے اور آپ کی فرائض کی تعمیل ہو سکے۔  
نوٹ: ایک اور گھڑی کے خریدنے کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے ان سے بڑی قیمت مندرجہ  
چاہے کچھ لے گی یا محمولہ لاک اور پیکنگ وغیرہ بھی ان کو داکرنا ہو گا +

پتہ: لاہور، امرتسر، جی ہوس اسٹاکس ویٹ اینڈ ٹریڈ کمپنی ۸۳ مقام محل

### جامع الشواہد

طبعی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر اسلام میں شائع ہوئی تھی جب وہ اپنی  
میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد  
کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رو سے  
نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا اختیار مذہب و ملت تمام  
نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟  
قیمت بارہ آنے۔ (مینجر اسلام کلکتہ)

## کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا کا بہترین فائوٹن قلم

امریکن کارخانہ شیفر کا

”لائف ٹائم“ قلم ہے؟

۱۱۔ اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالت

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

۱۲۔ اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر

کام لے سکتا ہے

۱۳۔ اتنا خوبصورت، سب سے سخی اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا

میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے سب سے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو شیفر

کا

”لائف ٹائم“

لینا چاہئے!

جسمانی خواص کے ماں باپ دوسرے طبقہ کی نسل میں بالانفراد  
الگ الگ، اپنے اپنے خواص نمایاں کر دے سکتے ہیں!

(۳) نسل کے تیسرے طبقہ میں جن افراد کے اندر مورث  
اعلیٰ کے خواص انفرادی اور غیر مخلوط حالت میں نمایاں ہو جاتے  
ہیں، ان کی نسل میں آئندہ ان اجدادی خواص کا اختلاط و امتزاج  
نہیں ہوتا، بلکہ اجدادی خواص کی جو ایک قسم، ان میں نمایاں  
ہوئی ہے، وہ مستقلاً قائم ہو جاتی ہے، اور اپنی نسل میں متواتر  
ہونے لگتی ہے۔

(۴) لیکن دوسرے طبقہ میں جو نصف تعداد ایسی پیدا  
ہوتی ہے، جس میں اجدادی خواص مخلوط و ممزوج حالت میں  
نمایاں ہوتے ہیں، ان میں قانون توارث کا یہ عددی تناسب  
برابر قائم رہتا اور آگے کی طرف بڑھتا ہے۔ یعنی ان کی نسل  
میں بھی ۲۵ - ۲۵ - فی صدی الگ الگ آبائی خواص ظاہر  
ہوتے ہیں، اور ۵۰ - فی صدی مخلوط و ممزوج رہتے ہیں۔

(۵) ماں باپ کے الگ الگ جسمانی خواص سے مولود

میں جو مخلوط و ممزوج  
حالت پیدا ہو جاتی ہے،  
وہ ہمیشہ اپنی نسل میں  
اس طرح متواتر ہوتی ہے  
کہ نصف تعداد مخلوط قسم  
کی ہوگی، اور نصف مورث  
اعلیٰ کے الگ الگ خواص  
کی۔

(انسان میں قانون توارث)

تھیک یہی حالت  
انسانی وراثت میں بھی  
پیش آتی ہے۔ اگر کوئی  
خالص سفید رنگ کا انسان  
حبشی عورت سے شادی  
کر لے تو اُسکی نسل ضرور  
سانولے رنگ کی ہوگی۔  
پھر اگر کسی طرح خود  
اُسکی اولاد میں باہم دگر  
تناسل و توالد شروع ہو جائے،  
تو مرغیوں کی طرح اس  
نسل میں بھی ۲۵ - فیصدی اولاد خالص سفید رنگ کی ہوگی،  
۲۵ فیصدی خالص سیاہ رنگ کی، اور ۵۰ فیصدی سانولی۔

جسمانی خواص کے توارث کی یہ نوعیت، معنوی خواص کے  
توارث کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے  
کہ کیا اسی طرح انسان کے ذہنی و معنوی خواص و اوصاف میں  
بھی توارث کا سلسلہ قائم ہے؟ اور اگر قائم ہے تو کیا اُس کا قانون  
بھی ایسا ہی ہے، اور ایسا ہی عددی تناسب رکھتا ہے، جیسا  
جسمانی خواص کے توارث میں ہے؟ ان سوالات کا جواب بہت زیادہ  
تفصیل و بحث کا محتاج ہے۔ اس لیے سر دست ہم انہیں نہیں  
چھیڑتے۔

ایک بالکل سفید مرغی اور ایک بالکل سیاہ مرغی لڑ، اور ان کی  
نسل کا تجربہ کر۔ اب ایسا ہوگا کہ ان دونوں کے اتحاد تناسلی سے  
جو بچے پیدا ہونگے، وہ نہ تو بالکل سیاہ رنگ کے ہونگے، نہ بالکل  
سفید رنگ کے۔ مخلوط قسم کے ہونگے۔ یہ اس نسل کا پہلا طبقہ  
ہوگا۔ اس مخلوط رنگ کی مرغیوں کی نسل آگے بڑھنے پر۔ ان  
سے جو دوسرا طبقہ نسل کا پیدا ہوگا، اُس کی حالت یہ ہوگی کہ  
ان میں ۲۵ - فی صدی مرغیاں بالکل سیاہ ہونگی، ۲۵ - فی  
صدی بالکل سفید، اور ۵۰ - فی صدی مخلوط رنگت کی۔ گویا  
دوسرے طبقہ میں ان کے مورث اعلیٰ کی کامل رنگت ۲۵ - فی  
صدی میں نمایاں ہوئی، مگر ۵۰ - فی صدی میں مورث ثانی  
و اقرب کا سا مخلوط رنگ قائم رہا۔ اب اس دوسرے طبقہ سے  
تیسرا طبقہ پیدا کر۔ اس تیسرے طبقہ کا حال یہ ہوگا کہ سفید سے  
سفید بچے پیدا ہونگے۔ سیاہ سے سیاہ پیدا ہونگے۔ مگر مخلوط  
رنگت کے بچوں میں پھر بھی تناسب نمایاں ہو جائیگا، جو دوسرے  
طبقہ میں تھا۔ یعنی اُسکی نسل میں ۲۵ - فی صدی سیاہ  
اور ۲۵ - فی صدی سفید ہونگے۔ باقی ۵۰ - فی صدی اپنے  
ماں باپ جیسے مخلوط رنگ  
کے ہونگے!

پھر ان ۵۰ - فی صدی  
مخلوط رنگ والوں کی نسل  
جب آگے بڑھیکے، تو  
اُس میں بھی یہ تناسب  
برابر قائم رہیگا۔ یعنی ہمیشہ  
نصف تعداد مخلوط رنگت  
کی ہوگی اور ۲۵ - فی  
صدی سفید، اور ۲۵ - فی  
صدی سیاہ ہوگی۔

لیکن تیسرے طبقہ میں  
جن افراد کے اندر اُنکے مورث  
اعلیٰ کی کامل رنگت متواتر  
ہوگئی تھی، ان کی نسل  
میں مستقلاً ایک رنگت  
قائم ہو جائیگی۔ سفید سے  
ہمیشہ سفید بچے پیدا  
ہونگے، اور سیاہ سے ہمیشہ  
سیاہ۔

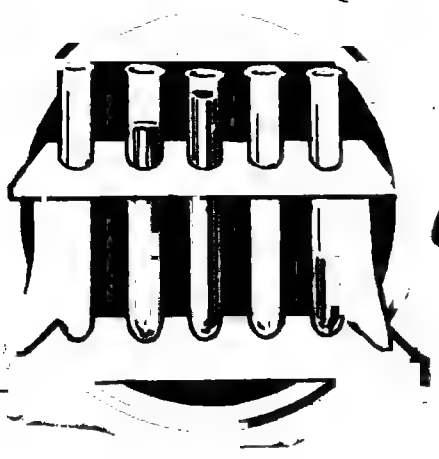
اس سے معلوم ہوا کہ:

(۱) قانون توارث میں مورث اعلیٰ کے دو مختلف جسمانی  
خواص، پہلے طبقہ میں ایک ایسا مزاج پیدا کر لیتے ہیں جو ملا جلا  
مزاج ہوتا ہے۔ یعنی ان میں دونوں طرح کے خاصے اکھٹے ہو کر  
مخلوط ہو جاتے ہیں۔

(۲) اس پہلے نسلی طبقہ نے جو مخلوط مزاج کر لیا ہے، وہ  
نسل کی آئندہ افزائش میں ایک مستقل اور متواتر حیثیت اختیار  
کر لیتا ہے، اور اپنی نسل میں برابر قائم رہتا ہے، لیکن ساتھ ہی  
یہ عجیب بات بھی ہے کہ دوسرے طبقہ میں نصف تعداد ہمیشہ  
ایسے افراد کی پیدا ہوتی ہے، جن میں اس مخلوط و ممزوج حالت  
کی جگہ مورث اعلیٰ کے انفرادی خواص الگ الگ نمایاں ہو جاتے  
ہیں۔ اس نصف تعداد میں آدھی تعداد ایک قسم کے خاصہ کی  
اور آدھی ایک قسم کے خاصہ کی ہوتی ہے۔ اس طرح دو مختلف







# مذکرہ علمیہ



## قانون توارث و معنوی

( منڈل کا ناموس وراثت )

جملہ اوراق ضائع ہو گئے - سنہ ۱۸۶۶ میں اُس کا ایک چھوٹا سا رسالہ شایع ہوا تھا جس میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے - یہ رسالہ بھی گم نام ہو گیا - یہاں تک کہ سنہ ۱۹۰۰ میں علماء مغرب کی نظروں اُس پر دوبارہ پڑیں ، اور وسیع پیمانہ پر اُسکی اشاعت کی گئی - آج حیوانات کی پرورش کرنے والوں میں کوئی شخص بھی ایسا موجود نہیں جو منڈل اور اُس کے نظریہ سے ناواقف ہو یا اُس سے مستفید نہ ہو رہا ہو -

( ناموس منڈل )

منڈل کا نظریہ ، تین وراثتی اصولوں پر قائم ہے :

( ۱ ) پہلی اصل کا خلاصہ یہ ہے کہ فرد کی بعض صفات ( عام اس سے کہ وہ فرد ، حیوان ہو یا نبات ) اُسکی آئندہ نسلوں میں مفقود نہیں ہو جاتیں بلکہ برابر باقی رہتی ہیں ، اور عرصہ تک بغیر کسی کمی کے ظاہر ہوتی رہتی ہیں - ( اسکی مثال یہ ہے کہ بعض انسانی خاندانوں کے خال و خط خاص قسم کے ہوتے ہیں ، اور طویل زمانوں تک اُن کی نسلوں میں بدستور قائم رہتے ہیں - چنانچہ بعض خاندانوں میں زائد انگلیاں ، یا کٹا ہوا ہونٹھ ، یا چندھی آنکھیں ، یا سفید بالوں کا گچھا ، غرضکہ مختلف قسم کی جسمانی خصوصیتیں ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور اُن کے افراد میں وقتاً فوقتاً پوری طرح ظاہر ہوتی رہتی ہیں -



ڈاکٹر منڈل

( ۲ ) دوسری اصل کا خلاصہ یہ ہے

کہ بعض صفات ایسی ہوتی ہیں جنکا ظہور مسلسل نہیں ہوتا - تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ظاہر ہوتی ہیں ، مگر برابر ظاہر ہوتی رہتی ہیں -

یعنی پہلے ایک مدت تک نمایاں رہتی ہیں - پھر غائب ہو جاتی ہیں - پھر لوٹ آتی ہیں - پھر غائب ہو جاتی ہیں - صرف تجربہ ہی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون صفت پہلی قسم کی ہے ؟ کون صفت دوسری قسم کی ہے ؟ اسکی مثال یہ ہے کہ جب بے سینگ کے حیوانات کا سینگ والے حیوان میں اتحاد تناسلی ہوتا ہے ، تو اُنکی نسل بے سینگ کی پیدا ہوتی ہے - لیکن جب یہی نسل اُگے بڑھتی ہے تو اُسکی اولاد میں ایک خاص تناسب سے بعض افراد سینگ والے پیدا ہوتے ہیں - بعض بے سینگ کے -

برخلاف اسکے جب کیس والے مرغ کا اتحاد بے کیس مرغی سے ہوتا ہے تو نسل ، کیس والی پیدا ہوتی ہے - لیکن پھر اُگے چل کر بعض کے کیس ہو جاتا ہے - بعض کے نہیں ہوتا - مگر یہ معاملہ ہمیشہ ایک ہی تناسب سے پیش آتا ہے -

( ۳ ) تیسری اصل ، اُس تناسب کا تعین اور انضباط ہے جو اس توارث و تناسل میں کار فرما ہے - تشریح اُسکے حسب ذیل ہے :

مخلوقات کی جسمانی و معنوی زندگی میں قانون توارث کا مسئلہ ، اُن اہم ترین مسائل میں سے ہے جنہوں نے قدیم زمانے سے علماء کو اپنی طرف متوجہ رکھا ہے - طبیعی علوم کی ترقی کے بعد گزشتہ صدی میں اس مسئلہ نے اور بھی زیادہ اہمیت حاصل کر لی اور بے شمار علماء نے اُس پر بحث کی - بہت سے نظریے قائم ہوئے - بہت سے مذاہب ترتیب دیے گئے - لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شہرت و اہمیت اُس نظریہ کو حاصل ہے ، جو اپنے موجد ، ڈاکٹر منڈل کی طرف منسوب ہے اور ”ناموس منڈل“ کہلاتا ہے - ذیل میں ہم اس نظریہ کی مختصر تشریح کرتے ہیں -

( منڈل )

سنہ ۱۸۲۲ میں دوسرا شخص ایسے پیدا ہوئے ، جنہوں نے اپنی پوری زندگی وراثت کے اثرات و نتائج کی بحث و تحقیق میں صرف کر دی : ان میں سے ایک انگلستان میں پیدا ہوا - اسکا نام گلٹن ہے - اور اسکی کتاب ”عظمت کی وراثت“ بہت مشہور ہو چکی ہے - دوسرا منڈل ہے - یہ ہنگریں نسل کا تھا - سیلیشیا میں پیدا ہوا - اسکی ابتدائی تربیت دینی تعلیمات کی تھی -

رہبانوں کی جماعت میں داخل کر دیا گیا تھا - لیکن ۲۹ سال کی عمر میں رہبانیت ترک کر دی اور وائٹا کے دارالعلوم میں داخل ہو کر طبیعی علوم کی تحصیل شروع کر دی - تعلیم ختم کر کے وہ برن میں استاد مقرر ہو گیا اور اپنے فرصت کے اوقات مسئلہ وراثت کی تحقیق میں صرف کرنے لگا - شروع شروع اُسکے تجربے صرف نباتات میں محصور تھے -

اپنی تحقیق کے دوران میں بالآخر وہ ایک عجیب معاملہ پر پہنچا - اُسے دیکھا ، یہ عجیب معاملہ ، وراثت میں ہمیشہ پیش آتا ہے ، اور کبھی اُس میں خلل نہیں پڑتا - یہ وہ وقت تھا جب اُس کے تجارب ، عالم حیوان تک وسیع ہو چکے تھے - اُس نے شہد کی مکھیوں بے بھی پچاس چھتے بنائے تھے - اور مختلف قسم کی مکھیاں باہم دیگر جمع کر کے اُنکی نسل کے جسمانی اور معنوی خواص کا تجربہ کرتا تھا لیکن مکھیوں کے متعلق اُسکی تحقیقات کے

قوانین کا تدریجی نتیجہ ہے۔ یہی ہونا چاہیے تھا جو ہوا، یہی ہمیشہ ہوا کیا ہے اور شاید ہمیشہ یہی ہوا کرے گا۔

(انقلابات کے بانی)

یہاں یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ انقلابات کے بانی کون ہوتے ہیں: افراد یا جماعتیں؟ کارلائل اور بہت سے محققین کی رائے ہے کہ زبردست شخصیتوں کے افراد ہی انقلابات پیدا کرتے اور اجتماعی نظام کی کاپا پلت کر دیتے ہیں۔ لیکن علم اجتماع کے دوسرے بہت سے علماء، افراد کے بجائے جماعتوں کو اصل قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قوموں کے دماغ میں انقلاب کی مخفی لہریں پہلے پیدا ہوتی ہیں، پھر وہی چند افراد میں مجسم ہو کر رونما ہوتی ہیں اور سوسائٹی پر انقلاب طاری ہو جاتا ہے۔ پس افراد بذات خود انقلاب کا سبب نہیں ہوتے، بلکہ انقلابی لہروں کا مظہر ہوتے ہیں۔ زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہو کہ جماعتی اثرات، افراد کو طیار کر کے انقلاب کرتے ہیں۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ انقلاب کا موجب نہ تھا جماعتیں ہوتی ہیں، نہ صرف افراد۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے پر اثر ڈالتے اور ایک

نئی فضا طیار کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ اگر خاص قسم کے اجتماعی حالات و موثرات موجود نہ ہوتے تو لینن، موسولینی، مصطفیٰ کمال جیسے افراد ابھر نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ یہ افراد مدت سے موجود تھے مگر اُسی وقت رونما ہوئے جب حالات نے ان کی مساعدت کی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یقینی ہے کہ اگر یہ افراد اپنی غیر معمولی قوتیں کام میں نہ لائے تو ان کے مساعد حالات بھی پیدا نہیں ہو سکتے تھے اور انقلابات بھی طاری نہیں ہو سکتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انقلاب میں افراد اور جماعتیں دونوں برابر کی حصہ دار ہوتی ہیں، تنہا کوئی ایک سوسائٹی، میں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔

لینن، روس کا دیکٹیٹر، جو اب مر چکا ہے (انقلابی روح اور قومیں)

یہ بھی ایک ثابت حقیقت ہے کہ تمام قومیں انقلاب کی

یکساں صلاحیت نہیں رکھتیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ فرانس اور بحر متوسط کے کناروں پر رہنے والی اکثر قومیں انقلاب کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ اب وہاں اور دوسرے اسباب نے انہیں دوسری قوموں سے زیادہ حساس، جلد متاثر و ہزینا، اور خیالی بنا دیا ہے۔ وہ نئے نظریے جلد



کرنی - قوم نے اس نئی شہنشاہی کا اُسی جوش و خروش سے استقبال کیا جس جوش و خروش سے قدیم شہنشاہی کا خاتمہ کیا تھا اور حریت و آزادی کے عام بلند کیے تھے۔ ایک شخصیت کے خلاف عظیم الشان جہاد اس پر جا کے ختم ہو گیا کہ دوسری شخصیت، قائم ہو گئی۔ کیا اس سے بھی زیادہ غیر معقول نتیجہ کسی تحریک کا نکل سکتا ہے؟ لیکن نہیں، یہ نتیجہ بالکل معقول تھا۔

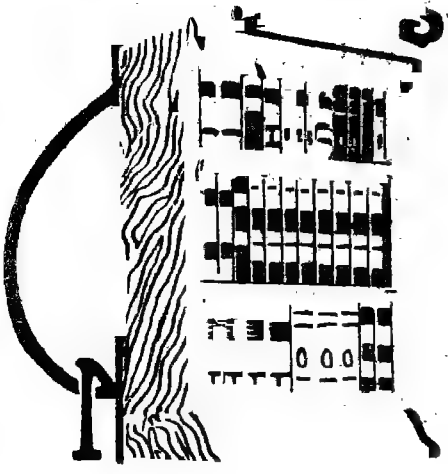
موسولینی، اٹلی کا دیکٹیٹر اجتماعی اصول و قوانین کے بالکل مطابق تھا۔

یہ کیسے؟ یہ اس طرح کہ انسانی جماعتیں کتنی ہی شورش اور بیچینی کا اظہار کریں، نظام حکومت کی کتنی ہی مخالف نظر آئیں، مگر وہ اپنی اجتماعی افتاد طبع سے مجبور ہو کر درپردہ یہی خواہش رکھتی ہیں کہ کوئی نہ کوئی زبردست نظام قائم ہو، جو ہر قسم کی بیچینی کا قلع قمع کر دے اور امن و آمان ہر طرف پھیلا دے۔ یہی سبب ہے کہ جوں ہی کوئی نئی شخصیت نمودار ہوتی ہے اور قوم محسوس کرتی ہے کہ وہ شخصیت امن بحال کر سکتی ہے، تو بے اختیار اُس کے سامنے سر جھکا دیتی ہے اور حریت و آزادی کی اپنی تمام خواہشیں نا دانستہ فراموش کر بیٹھتی ہے۔ دنیا کی تمام تاریخی شورشیں ہمیں یہی بتاتی ہیں۔ فرانس کے عظیم الشان انقلاب نے

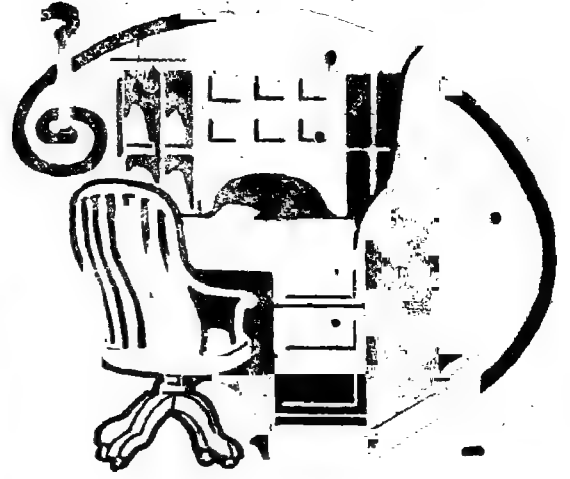
بھی ہمیں یہی دکھایا ہے۔ ایک محقق نے کیا ہی خوب بتایا ہے ”فرانس کی ”تیسری انقلابی کمیٹی“ کے ممبروں میں سے عہد ہونا پارٹی (نیپولین) میں ایک نے بادشاہی قبول کر لی۔ پندرہ نے ”کونت“ کا لقب اختیار کیا۔ سات نے مجلس امراء کی شرکت منظور کی۔ اور چھ وزیر بن گئے“ یہی وہ لڑکے تھے جو انقلاب کے سب سے بڑے رکن اور عام بردار تھے۔

(جنگ کے بعد انقلاب)

اب ہم تاریخ کی اس عالمگیر جنگ کے بعد والے موجودہ انقلاب کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ایک مدت سے یورپ میں مختلف قسم کے خیالات اور نظریے پھیل رہے تھے۔ ان خیالات اور نظریوں نے بتدریج دماغوں میں ہیجان پیدا کیا۔ اس ہیجان نے اجتماعی سیاسی، اور اقتصادی پیچیدگیاں پیدا کیں۔ ان پیچیدگیوں نے جنگ عمومی کی آگ بھڑکائی۔ اور جنگ نے مذکورہ بالا اجتماعی کلیہ کی بنا پر لینن اور موسولینی اور مصطفیٰ کمال جیسی آہنی شخصیات پیدا کر دیں۔ پس جنگ کے بعد جو صورت نمودار ہوئی ہے، وہ ہرگز تعجب انگیز نہیں بلکہ مستحکم و مضبوط اجتماعی



# مقالہ



## عہد انقلاب اور شخصی استبداد

شخصی مطلق العنانی

دنیا کی موجودہ سیاست پر ایک سرسری نظر

کی طرح استبداد و قہر کی حکومت قائم کر دی۔ اس نے صاف اعلان کر دیا ہے ”اس وقت اتلی کو ایک ایسے زبردست حاکم کی ضرورت ہے جو ہر بے چینی کو کچل کر فنا کر سکے“ یہی صورت اسپین، ترکی، یونان، ارباب چین میں پیش آ رہی ہے۔ ان تمام ملکوں میں شخصیتیں برسر حکومت آگئی ہیں اور مفید یا مضر نتائج پیدا کر رہی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خود فرانس اور انگلستان میں بھی شخصیت کی طرف میلان بڑھ رہا ہے۔ فرانس میں تو ایک سال پہلے اخبارات تک میں یہ چرچا شروع ہو گیا تھا کہ موجودہ اقتصادی اور سیاسی گتھیدوں کے سلجھانے میں جمہوری نظام حکومت ناممکن ثابت ہوا ہے۔ لہذا روس وغیرہ ممالک کی طرح یہاں بھی ”ڈیکٹیٹر شپ“ یعنی شخصی استبداد قائم ہو جانا چاہیے۔ انگلستان میں گواب تک اس قسم کا خیال با ضابطہ ظاہر نہیں کیا گیا۔ لیکن عملاً ملک اسی طرف جارہا ہے۔ موجودہ کنسر وٹو وزارت بھی درحقیقت ایک قسم کی ڈیکٹیٹر شپ ہی ہے اور اس کے رجعی (قدامت پسند) ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔

(تاریخ کا سبق)

آخر یہ صورت کیوں پیش آئی؟ اس انقلاب کی علت کیا ہے؟ تاریخ ہمیں کیا سبق دیتی ہے؟ جواب ظاہر ہے اور تاریخ عالم پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی سوسائٹی کے نظام میں برہمی پیدا ہوتی ہے اور دماغی بے ترتیبی اور اختلال، عام ہو کر شورشیں اور بغاوتوں کا دروازہ کھل دیتا ہے، تو ہمیشہ یہی نتیجہ ہوتا ہے جو جنگ کے بعد آج ہم دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی مضبوط ارادے کے افراد برسر اقتدار آکر اپنی شخصیتیں نمایاں کرتے ہیں اور نظام حکومت اپنی مرضی کے مطابق استوار کر دیتے ہیں۔



غازی مصطفیٰ کمال پاشا

انقلاب فرانس، اس دعویٰ کی سب سے بڑی اور صاف دلیل ہے۔ کیسے جوش و خروش سے قوم بغاوت کے لیے اٹھی؟ حریت، مساوات، اخوت کا راگ کیسی بلند آہنگی سے الاپا؟ کیسے کیسے اصول و مبادی کا اعلان کیا گیا؟ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نہ کہ آندھی کی طرح حریت و مساوات کی ہوائیں آئیں اور نکل گئیں پھر جو فضا میں سکون پیدا ہوا تو گرہ و غبار کے اندر سے مستبد شخصیتیں حکومت کی بے نیام آبدار تلواریں لئے نمودار تھیں! ان شخصیتوں میں سب سے آخری مگر سب سے زبردست شخصیت نیپولین بونا پارت کی تھی۔ اس عجیب انسان نے یہی نہیں کیا کہ بغاوت اور انقلاب کا قلع قمع کر دیا بلکہ ساتھ ساتھ اپنی شہنشاہی بھی قائم

جنگ عظیم کے بعد یورپی دنیا، خاص کر یورپ اور بالخصوص ان ممالک نے عجیب پلٹا کھایا ہے جو میدان جنگ میں یہ کہہ کر اترے تھے کہ استبداد و ظلم مٹانا چاہتے ہیں۔ پہلے ان ممالک میں جو بھی نظام حکومت قائم تھا وہ جنگ کے بعد قائم نہ رہا اور علانیہ یا در پردہ اس میں بڑی تبدیلی ہو گئی ہے۔ لوگ سمجھتے تھے اس جنگ کے بعد دنیا میں جمہوریت اور کامل حریت کا دور دورہ ہو جائیگا اور آزادی کا ایک ایسا نظام جاری و ساری ہو جائیگا جس کے عشق میں انسانیت ہمیشہ سے سرگرداں ہے لیکن نتیجہ بالکل برعکس نکلا۔ جمہوریت و دستوریت کی جگہ شخصیت و استبداد نے لے لی۔ اس وقت کرہ ارضی کے اکثر ممالک میں شخصی حکومتیں قائم ہو گئی ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلے بادشاہوں کی شخصیتیں زرین تختوں پر جلوہ گر نظر آتی تھیں اور اب عام افراد یا فوجی افسر حکومت کی کرسیوں پر نظر آتے ہیں۔

روس میں خاندان رومانوف اور زار کی جگہ بالشویک ڈیکٹیٹروں (مطلق العنان حکام) نے لے لی ہے۔ لینن نے جس طور پر حکومت کی وہ بھی زار ہی جیسی حکومت تھی۔ یعنی شخصیت، مطلق العنانی اور استبداد۔ یہ بات

دوسری ہے کہ زار کی شخصیت نے ملک کو تباہ کیا اور لینن کی شخصیت نے اسے زندہ اور خوش حال کر دیا۔ دنیا کی تاریخ میں لینن جیسے مطلق العنان حاکم کی کوئی مثال نہیں ملتی جس نے اپنے غیر منہاجی اختیارات اس طرح عوام اور مظلوموں کی بہلائی میں صرف کیے ہوں۔

یہی حال اتلی کا ہے۔ اگرچہ پارلیمنٹ اور دستوری بادشاہ (یعنی محدود اختیارات رکھنے والا) بدستور موجود ہے لیکن حکومت ایک فرد واحد، موسرینی کے آہنی ہاتھوں میں ہے۔ یہ شخص پہلے انقلاب پسند اور اشتراکیت کا حامی تھا، پھر جنگ کے بعد ظلم پسند بن کر اتلی پر جاری ہو گیا اور مستبد سے مستبد بادشاہوں

اس طرح ہر دباؤ پر وہ ایک نئی صورت میں تبدیل ہوتا جائیگا۔ پس اگر انسانی جماعت کی طبیعت بھی اسی مادے کی طرح نرم ہوتی، اور اُس میں جمود و قدامت پرستی کی ٹھوس پھتیں نہ ہوتیں، تو ظاہر ہے، کیسی طوائف الملوک کی اور انتشار پیدا ہو جاتا؟ روز روز اُس میں تبدیلیاں ہوتی رہتیں، اور نظام انسانی تہہ و بالا ہو کر رہ جاتا۔

تمام عملی فلسفے شمار کر۔ سقراط کا مذہب دیکھو، کلبی، ایپی کوری، رواقی، مشائی، وغیرہم کے مذاہب پر نظر ڈالو۔ اس کے بعد غور کر کہ اگر اجتماع انسانی کا مزاج نرم مادے کی طرح ہر وقت تبدیلی قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا، تو ان بے شمار اور متضاد مذاہب کی موجودگی میں اُس کا کیا حال ہو جاتا؟ یقیناً اُس کا سارا نظام علم و فکر زیر و زبر ہو جاتا اور کوی وسطی و اصاح راہ پیدا نہ ہوتی۔

یہی حال سیاست، دین، زبان اور اُن تمام امور کا ہے جن پر تمدن کے ستون قائم ہیں۔

پس اب یہ واضح ہو گیا کہ تقدم و ارتقاء ایک ایجابی قوت ہے، جسے باوجود مقاومت کرنے کے سلبی قوت یعنی جمود کی صفت مدد دیتی اور آگے بڑھاتی ہے۔ اگر اجتماع انسانی ایک مادی دقیقہ ہوتا تو اُسے جواہر باہم جذب و دفع کے متضاد عملوں میں مصروف نظر آئے۔ کیونکہ یہ متضاد عمل، اُس کی ہستی قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ تھیک اسی طرح تقدم و جمود کی متضاد صفتیں بھی اجتماع انسانی کے بقاء و دوام اور نشو و ارتقاء کیلئے لازمی ہیں۔

بنابریں ہمیں قدامت پرست جامدن کو یک قلم برا نہیں سمجھنا چاہیے۔ انکا جمود بھی بقاء و حیات کیلئے اسی طرح ضروری ہے، جس طرح تجدد اور تقدم پر عمل کرنے والوں کا وجود ضروری ہے۔ جامدن، اجتماع انسانی کیلئے ایک سلبی قوت ہیں، جو جماعت کی رفتار میں اعتدال و توازن پیدا کرتے رہتے ہیں۔

### ( ۳ )

ہربرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب ”مبانی معاشرت و اجتماع“ ما بعد الالیات کے تصور کی بحث سے شروع کی ہے۔ وہ کہتا ہے تصور کی تین قسمیں ہیں: ( ۱ ) تصور غیر عضوی اور اسکا تعلق آسمان و زمین اور سیاروں کی بنا سے ہے۔ ( ۲ ) تصور عضوی اور اسکا تعلق طبیعی ظواہر سے ہے جنہیں ہم طبیعت حیہ اور مختلف درجوں کے نبات و حیوان کی ترکیب میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر وہ مظاہر ذہنی (سائیکا لوجی) جو اُن صور حیہ کا خاصہ ہیں جو ترقی کی اُس حد پر پہنچ گئی ہیں جہاں طبیعت طورے انہیں ان مظاہر کا اہل بنا دیا ہے۔ ( ۳ ) تصور ما بعد الالیات یا ما بعد العضویات۔ یہ فی الحقیقت حالت اجتماعی کا سن بلوغ اور جماعت کے افراد میں تقسیم عمل ہے۔

اگر ہم اس اصول کی تحلیل کریں اور اپنے موضوع پر اُسے تطبیق دیں، تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ تصور مابعد الالیات، نشو و کا وہ آخری درجہ ہے جس تک حیوانی جماعتوں کی ترقی پہنچی ہے۔ انسان بھی اس سب میں حیوان کا شریک ہے، بلکہ، مابعد الالیات میں اُس زیادہ سے زیادہ ترقی تک پہنچ گیا ہے جہاں تک حیوان سے پہنچنا ممکن ہے۔ اگر یہی ہے تو پھر انسان کو باقی مخلوق پر کیا امتیاز حاصل ہے؟ انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مابعد العقلیت سے ایک ایسی قوت حاصل کرتا ہے جسکے ذریعہ اپنی عقل کو اپنے مجموع کی بھلائی میں لگاتا ہے!

اور علم میں ہوا ہے جو لاهوتی پیشواؤں کا مبتدع دین ہے اور ناقص و خام مدعیان علم کا کج اندیش علم ہے، تو ہم بڑی آسانی سے نہ صرف پچھلی تاریخ کے تمام حوادث کی تحلیل کر سکیں گے، بلکہ مستقبل کے واقعات پر بھی روشنی ڈال سکیں گے۔

### ( ۲ )

انسانی جماعتیں شعور رکھتی ہیں مگر فکر نہیں رکھتیں۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ جماعت کی شعوری ترقی کا پیمانہ، اُسکا وہ فرد ہے جو سب سے زیادہ کمزور فکر، سب سے زیادہ مضطرب شعور، رکھتا ہے۔ جماعت جس طرح محض شعور رکھتی ہے، اسی طرح سراسر جمود سے بھی لبریز ہوتی ہے۔ اور یہ کہ اُسکا یہ جمود ترقی کے گونا گوں میدانوں میں اُسکے قدموں کے توازن کیلئے ضروری ہے۔

سالہا سال سے علماء اجتماع وہی کہہ رہے ہیں جو گستاخ لیبیاں کا نظریہ ہے۔ لیکن کبھی اُن کے ذہن میں یہ حقیقت نہیں آئی کہ جماعت، ایک جامد مخلوق ہے۔ تغیر و تجدید بہت دیر میں قبول کرتی ہے۔ اس بارے میں مجھے صرف ایک انگریز عالم کارل پیرسن کا قول ملا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”دارزن اور اسپنسر کی تصانیف میں بڑا فرق یہ ہے کہ اسپنسر کی کتابیں باوجود اپنی تمام قوت و تاثیر کے جلد مت جائیدگی۔ برخلاف اس کے دارزن کی کتابیں باقی رہیں گی۔ کیونکہ اُن میں بے نظیر بصیرت اور قوت ادراک موجود ہے۔ ان کتابوں نے، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایسے اصول و مبادی پیش کر دیے، جنہوں نے دنیا کو قدیم انکار کے بدلے پر مجبور کر دیا۔ نیز ہمارے اخلاقی مطمح نظر کو بھی اونچا کرنا اور ہمارے سامنے میدان زیادہ وسیع کرنا شروع کر دیا ہے۔ بلاشبہ ان اصول و مبادی کا اثر بہت سست رفتار ہے، لیکن یہ سست رفتاری ہمیں نا امید نہ کرے۔ سب سے قوی موثر، جو ہمارے اجتماعی بقاء کی عمارت محفوظ رکھتا ہے، وہ وہی صفت ہے جسے ہم سب سے زیادہ مکرہ رکھتے ہیں۔ یعنی قدامت اور جمود کی صفت۔ اسی قدر نہیں بلکہ وہ دھشت ناگ مخالفانہ صدائیں جو ہر جدید فکر کے خلاف جماعت کی طرف سے بلند ہو جاتی ہیں، ہماری اجتماعی زندگی کی حفاظت کے لیے قوی ترین موثر ہیں۔ جماعت کا یہ جمود اُس کے جسم کی محافظت کرتا ہے اور نئے نئے تجربوں کا تختہ مشق بننے نہیں دیتا۔ نیز صالح کو غیر صالح اور اصلح کو غیر اصلح سے متمیز کر دیتا ہے“

عالم مادی اور جماعات انسانی کی تکرین میں بہت بڑی مشابہت موجود ہے۔ دونوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اُن کے نظام و توازن کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح جوہر فرد (ایٹم) میں دو متضاد کهربائی لہریں: ایجابی اور سلبی جاری ہوتی ہیں، یا جس طرح تمام مادی دقائق میں جذب و دفع کی دو مخالف قوتیں جمع ہوتی ہیں، تھیک اسی طرح اجتماع انسانی میں تقدم و جمود کے دو مخالف عناصر ہوتے ہیں۔ زندگی کے لیے موت لازمی ہوتی ہے اور موت کے لیے بعث (دوبارہ زندگی) ضروری ہوتا ہے۔ اس طریقہ پر غور کرنے سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جماعت کی سلبی صفات جنہیں ہم نا پسند کرتے ہیں، درحقیقت اُس کے بقاء کے لیے ناگزیر ہیں۔

اس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے کوئی نرم مادہ لے لو اور اُس پر دباؤ ڈالو، تم دیکھو گے کہ دباؤ کے ساتھ ہی اُس کی شکل بدل جائیگی۔ پھر دوبارہ اُسے دباؤ فوراً دوسری شکل اختیار کر لے گا۔



## علم اور دین

کیا فی الحقیقت علم اور دین دو محارب فریق ہیں ؟

وہ کہ کر شور اٹھتا ہے کہ دین اور علم میں نزاع قائم ہے، اور یہ کہ علم اور دین، دونوں کی فطرت میں اس عداوت و تنافر کی بنیادیں مخفی ہیں۔ بلاشبہ یہ دعویٰ ایک مدت سے زبان زد خاص و عام ہے۔ مزید برآں تاریخ سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے۔ صرف تاریخ ہی نہیں، خود ہمارا مشاہدہ بھی اسکی تائید کرتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ اب تک کوئی قطعی ثبوت اس دعوے کی صحت کا نہیں ملا۔ تاریخی راقعات اور ہمارے مشاہدے کتنے ہی کثیر ہوں، تاہم یقینی طور پر ثابت نہیں کر سکتے کہ دین اور علم کے طبائع فی الحقیقت باہم متضاد ہیں۔

موجودہ تمدنی حالات پر ایک سرسری نظر، اس دعوے کے مشکوک کر دینے کے لیے کافی ہے۔ موجودہ عہد میں مادی علم کا دھارا اتنی شدت و قوت سے بہہ رہا ہے، جس کی نظیر کسی پچھلے زمانے میں نہیں مل سکتی۔ لیکن باوجود اس کے ٹھیک علم کے پہلو بہ پہلو، ہم دینی روح کو بھی پوری مضبوطی سے قائم پاتے ہیں۔ کسی عہد میں بھی دینی روح انسانی قلب میں بہ حدیث عمومی اس سے زیادہ راسخ نہیں ہوگی، جتنی اس وقت ہے۔ بے شک ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا پر ایسے تمدنی درگزرے ہیں جن میں وقتی طور دین کا دبدبہ گھٹ گیا اور مادیت کے غوغا پر اسکا نعرہ غالب نہ آسکا، لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ خارج میں دین کی آواز کتنی ہی پست کیوں نہ ہو گئی ہو، روح کے اندر اسکی بنیادیں ہمیشہ یکساں طور پر استوار رہی ہیں۔ انسانیت کی پوری تاریخ میں ایک لمحہ بھی ایسا بتایا نہیں جاسکتا، جس میں دینی یقین و ایمان کے ستون متزلزل ہو گئے ہوں۔

اگر واقعی دین اور علم میں معرکہ برپا ہوتا تو اب تک مدت کا فیصلہ بھی ہو چکا ہوتا۔ ۲۵ - صدیوں سے یہ دونوں نام نہاد حریف پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔ مگر اب تک دنیا نے انکا کوئی فیصلہ کن معرکہ نہیں دیکھا۔ کیا یہ طویل و عریض مدت بھی فیصلہ کے لیے کافی نہ تھی ؟

لیکن فیصلہ ہوتا کیونکر؟ دونوں میں اگر فی الحقیقت کوئی نزاع ہوتی تو اس کا فیصلہ بھی وقوع میں آتا۔ یہاں سرے سے جنگ ہی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اپنے لیے فکر انسانی میں بالکل الگ الگ میدان رکھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر باقی و قائم ہیں۔ دونوں کا کہیں بھی حقیقی تصادم نہیں ہوتا۔ دونوں فکر انسانی کے دو علحدہ علحدہ مظہر ہیں۔

لیکن اگر حقیقت یہ ہے تو پھر اس طویل اور خونی تاریخ کی ہم کیا ترجیحہ کریں جبکہ دینی پیشواؤں نے علم کا گلا گھونٹنے کی کوششیں کیں ؟ نیز اس مبارزت طلبی کی کیا تاویل کریں جو اصحاب علم کی طرف سے اس وقت تک دین کو دبی جا رہی ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ وہ دین جو طبیعت انسانی کا ثمرہ ہے، اور وہ علم جو عقل انسانی کا نتیجہ ہے، دونوں میں کبھی تصادم نہیں ہوا، جو تصادم ہوا ہے، وہ سراسر اس دین

قبول کر لیتیں اور ان پر عمل کرنے میں تیزی سے پیش قدمی کرتی ہیں۔ لہذا وہ زیادہ انقلاب پسند ہیں۔

پرخلاف انکے انگلو سکسن (انگریزی) قومیں، زیادہ عملی ہیں۔ محض نظریوں سے متاثر نہیں ہوتیں۔ ان کے جذبات اور دماغی رجحان زیادہ پائدار ہیں۔ وہ انقلاب کی طرف کم مائل ہوتی ہیں۔ جرمن قوموں کا بھی یہی حال ہے، مگر ان میں احساس کسی قدر زیادہ ہے۔

روس، روحانی و نظری خیالات کی طرف سب سے زیادہ مائل ہیں۔ کمزور عقل اور کمزور ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے ہر انقلابی دعوت کو لبیک کہنے کے لیے طیارہ رھتے ہیں۔ اس خصوصیت میں اگر ان پر کوئی سبقت لے گیا ہے تو وہ یہودی ہیں۔ یہ قوم باغیانہ دماغ رکھتی ہے اور ہر جگہ بغاوت کی تخم ریزی کرتی ہے۔ ایک محقق نے بتلایا ہے ”اجتماعی نظامات پر سب سے زیادہ نکتہ چیں اور بغاوت کی سرگرم دعوت دینے والی کتابیں زیادہ تر یہودیوں ہی کے قلم سے نکلی ہیں۔ حتیٰ کہ موجودہ سرشیلزم یا بالشیوزم بھی ایک یہودی ہی کی ایجاد ہے۔ اس کا نام کارل مارکس تھا۔ اور اس مذہب کے برے برے ارکان مثلاً لینن، ٹراسکی وغیرہ سب یہودی النسل ہیں۔ یہودیوں کے اس خاصے کے دو سبب ہیں : اول یہ کہ وہ سامی نسل ہیں۔ اور معلوم ہے کہ سامی نسل فطرتاً خیالیات و نظریات کی دلدادہ ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مخصوص اجتماعی حالات نے یہودیوں کا دماغ باغیانہ کر دیا ہے۔ دنیا میں شاید سب سے زیادہ مصیبتیں اسی قوم نے برداشت کی ہیں اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اُس میں بغاوت و انقلاب کی روح قائم ہو گئی ہے۔

پھر یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ جو قومیں جمود و تقلید کی زیادہ دلدادہ ہوتی ہیں اور حالات کی تدریجی تبدیلی کے ساتھ اپنے تئیں بدلتی نہیں رکھتیں بلکہ اپنے جمود پر اڑی رہتی ہیں، وہ اگرچہ دیر میں انقلابی روح سے متاثر ہوتی ہیں مگر جب ایک دفعہ ہو جاتی ہیں تو پھر انہی میں سب سے بڑا انفجار بھی ہوتا ہے اور اچانک ان کی سوسائٹی درہم برہم ہو جاتی ہے۔ اس اصل کی بنا پر پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں جب کبھی انقلاب ہوگا تو نہایت ہی ہولناک ہوگا اور پوری موجودہ سوسائٹی کو درہم برہم کر دالے گا۔ کیونکہ یہ ملک سخت جمود کی حالت میں رہا ہے اور تدریجی ترقی سے برابر انکار کرتا رہا ہے۔ ہندوستان میں جب انقلاب آئے گا تو دنیا بھر کے انقلابات سے زیادہ موثر ثابت ہوگا اور شاید سوسائٹی کی موجودہ کوئی چیز بھی باقی نہ چھوڑے گا۔ عادات و اطوار، رسم و رواج، خیالات و افکار غرضکہ کوئی شے بھی اس کی ضرب سے نہ بچے گی۔ اگر ایسے ہولناک انقلاب سے بچنا ہو تو اسکی صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ ابھی سے ملک کو تدریجی ترقی پر لگایا جائے۔ جوں جوں حالات بدلیں، ملک میں بھی تبدیلی پیدا کی جائے۔ ورنہ موجودہ جمود اور قہراؤ، آئندہ قیامت کا پیش خیمہ بننے والا معلوم ہوتا ہے۔

نظروں سے دور - میں اس پر مطمئن ہوا - میں نے اسے اپنا منہ چھپاتے دیکھا ، اور اس شرم و حیا پر مبارک باد دی - لیکن اے حضرات ! یہ میری غلطی تھی - کیوں کہ اس نے بہت جلد اس عارضی حیا کا پردہ چاک کر ڈالا اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ باہر نکل آئی !

”سان جاک کا قید خانہ یقیناً اس ملک قتل ( یعنی گلوٹین ) کے لیے توفین آمیز ہے - لہذا اب ہمیں طیار ہوجانا چاہیے کہ جلد اسے پھر عام میدانوں میں سورج کے نیچے دیگھینگے - جلادوں کی قطاریں اس کے سامنے کھڑی ہونگی - مسلم پولیس اور فوج اس کے اعز میں دست بستہ ہوگی - بہت ممکن ہے اس کا تخت خونی ، اسی بلدیہ ( کارپوریشن ) کے رزین داؤں کے نیچے بچھایا جائے ، جس کی کھڑکیوں میں کھڑے ہو کر بعض ڈالٹنوں نے ۲۴ فروری کو اسے چلا چلا کر گالیاں دی تھیں -

”اب گلوٹین پھر طیاری کر رہی ہے - اس نے سوچنا شروع کر دیا ہے کہ مضطرب ہیئت اجتماعیہ کو اپنے استقرار کے لیے ، پھر تمل پچھلی روایات کی طرف لوٹ جانا چاہیے - چونکہ وہ خود بھی ایک قدیم رسم ہے ، اس لیے اسے بھی از سر نو آگے بڑھنا چاہیے - وہ تمل مصلحین کے خلاف احتجاج بلند کر رہی ہے ، کیونکہ انہوں نے انتہائی گستاخی کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ سر ہٹنے کا آلہ اس مجمع کا نشان نہیں ہوسکتا ، جس کی کتاب ، انجیل ہے !

”وہ ان مصلحین پر سخت خفا ہے - کیونکہ محسوس کرتی ہے کہ ان خیالی آدمیوں کے سامنے ، جو نظام اطاعت نہیں جاتے ، وہ بے وقعت ہوتی ہے ( قہقہہ ) وہ چاہتی ہے دنیا بھر اس کی عظمت کا راگ گائے اور اس کے سامنے تعظیم سے جھک جائے - اگر ایسا نہیں ہے تو وہ خفا ہو جائیگی ، اپنی توہین پر شور مچائیگی ، عدالت میں دعویٰ کریگی ، اور معارضہ طلب کریگی “ ( قہقہہ )

جم — مقرر کے بیان پر استعساں یا مذمت کا اظہار قطعی طور پر ممنوع ہے - اس موقع پر قہقہ نہایت نا مناسب ہے -

وگنر ہیگو ( تقریر جاری رکھتے ہوئے ) ”یہ ملک معظّمہ ( گلوٹین ) خون کی مالک ہے - لیکن وہ اتنی ذہنی نہیں سمجھتی - وہ جرمانے اور قیدخانے کی بھی حاکم بننا چاہتی ہے -

”محترم عدالت ! جس دن میرے سامنے وہ پرانہ پیش کیا گیا جو میرے لڑکے کے نام آیا تھا - یعنی اس مقدمہ کا سمن “ ( آج کل ہم کتنے عجائبات دیکھ رہے ہیں اور ہمیں عجائبات دیکھنے کا کس قدر عادی ہونا چاہئے ؟ ) مجمع اعتراف کرنا چاہئے کہ وہ پرانہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی - میں نے تعجب سے کہا - کیا ؟ ... تو کیا اب ہم اس حد تک پہنچ گئے ہیں ؟ کیا اب ہم اس وجہ سے مجرم قرار پائیں گے کہ عقل ، ضمیر ، آزادی خیل ، اور قانون طبیعت کے حامی ہیں ؟ کیا اب ہم سے صرف مادی احترام کافی سمجھا نہیں جاتا ( جس سے ہمیں کبھی انکار نہیں ہوا ) جو ہم پر واجب ہے ، اور جسے ہم فعلاً پیش بھی کر رہے ہیں ) بلکہ اب ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ معذرتی احترام بھی ان سڑوں کیلئے پیش کریں جو انسانی ضمیر کو پاش پاش کر رہی ہیں - جنہیں دیکھ کر ہر عقلمند کا رنگ فق ہو جاتا ہے - جسے دین نفرت کر رہا ہے ؟ وہ سڑائیں جو سنگ دلی سے بھی بڑھ کر ایک بڑائی ہیں - جنکے نفاذ کے بعد انکی تلافی محال ہے - جو بالکل ہندھی ہیں - وہ سڑائیں جو انسانی خون سے تر ہوتی ہیں - جو دین سے بالکل دور ہیں - وہ جب مجرم کے سر پر نازل ہوتی ہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ انسانیت اس عالم میں موجود نہیں ہے - جب بے گناہ پر پڑتی ہیں تو خود خدا کے وجود میں شک پیدا ہو جاتا ہے ...

”میرے خیال میں سرکاری وکیل کی منطق یہ خواہش تو نہ رکھتی ہوگی ( قہقہہ )

”اس مسئلہ کے صاف کردینے کے بعد اب میں اصلی موضوع پر متوجہ ہوتا ہوں -

”جم اور جیوری ! اس ضابطہ قانون میں ، جسے ہم ”قدیم برٹین ضابطہ قانون“ کہہ سکتے ہیں ، ایک ایسا قانون موجود ہے جس کی منسوخ پر گزشتہ سو برس سے تمام فلاسفہ ، مفکرین ، اور حقیقی سیاست دان زور دے رہے ہیں - سب کا بیک زبان مطالبہ رہا ہے کہ ”مقدس تعزیرات“ سے یہ قانون ہمیشہ کے لیے نکال دیا جائے -

”اس قانون کے متعلق بکریا نے کہا تھا ”یہ بے دین قانون ہے“ فرانکلین کہا کرتا تھا ”یہ خوفناک قانون ہے“ لیکن ہمیں معلوم ہے ان دونوں پر کبھی توہین قانون کا مقدمہ نہیں چلایا گیا -

”اسی قانون کے بارے میں لڑی فلپ نے ( جس کا نام میں اس احترام کے بغیر نہیں لے سکتا جو پیری اور بد نصیبی کے لیے اور ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو اس قانون کی قربان گاہ پر بہینت چڑھا ہو ) کہا تھا ”زندگی بھر میں اس سے نفرت کرتا رہا ہوں“ اسی قانون پر مسیور چیز اور مسیور دی بروگلی نے سختی سے نکتہ چینی کی تھی -

”یہی وہ قانون ہے جسے ہماری پارلیمنٹ نے اب سے بیس برس پہلے تسلیم کیا ہے - یعنی اکتوبر سنہ ۱۸۳۰ ع میں - حالانکہ ٹھیک اسی زمانہ میں ایک نیم وحشی امریکن پارلیمنٹ نے اسے ملک کے ضابطہ قوانین سے خارج کر دیا تھا -

”یہی وہ قانون ہے جسے تین سال ہوئے فرنکفورت کانگریس نے منسوخ کیا - اور اسی کو چند سال ہوئے انجمن جمہوریت رومان نے باطل کر دیے جانے کا فیصلہ کیا ہے -

”یہی قانون ہے جسے ہماری مقنن مجلس نے سنہ ۱۸۴۸ ع میں بڑے پس و پیش کے بعد منظور کیا تھا - یہی وہ قانون ہے جو اس وقت جب کہ میں تقریر کر رہا ہوں ان دو تجویزوں کے رحم پر زندہ ہے جو اس کے خلاف ہماری مقنن مجلس میں پیش ہیں -

”یہی وہ قانون ہے جسے آسکانیا اور روس ، دونوں تھکرا چکے ہیں ، اور اب وقت آگیا ہے کہ فرانس بھی اسے نفرت سے ٹھکرا دیے -

”یہی وہ قانون ہے جس کے سامنے سے انسانی ضمیر نفرت و کراہت کے ساتھ بھاگتا ہے -

”وہ قانون کیا ہے ؟

”قتل !

”اور اے حضرات ! یہی وہ قانون ہے جس نے آج یہ مقدمہ پیدا کیا ہے - یہی ہمارا حقیقی دشمن ہے - ممکن ہے سرکاری وکیل کو غصہ آجائے - لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے پیچھے یہی قانون چھپا ہوا ہے ( قہقہہ )

”مجمع اعتراف ہے کہ مسیولین فوشر کی طرح گزشتہ بیس برس سے میں بھی یقین کرتا تھا کہ ”اب گلوٹین“ عام میدانوں میں ظاہر نہیں ہوگی - لیکن مجمع یہ بھی یقین تھا کہ اب گلوٹین ، قانونی نقاب اڑھتی جاتی ہے - اب اس کی حیثیت پہلے سے بہتر ہوگئی ہے - اب اس نے میدان چھوڑ دیا ہے ، جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع ہوتی ہے - اب وہ سڑوں کا ہجوم پسند نہیں کرتی - اب اس کا تماشہ دل پسند نہیں رہا - اب وہ تماشہ تاریکی میں دکھاتی ہے - ”سان جاک“ کے قید خانے میں - خالی جگہ میں - لوگوں کی

اس تقریر کی قانونی اور ادبی 'دُنوں حیثیتیں ایسی ہیں کہ ضروری ہے 'اردو علم ادب اس سے خالی نہ رہے۔ ہم نے حتی الوسع لفظی ترجمہ کیا ہے۔

(رکٹر ہیگو کی تقریر)

"سرکاری رکیل کے ابتدائی الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ الزام سے دست بردار ہو جائیگا۔ لیکن میرا یہ یقین 'محض بے بنیاد رہم ثابت ہوا اور بہت جلد دور ہو گیا۔ سرکاری رکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کی سب نا کام رہیں) کہ موضوع کو محدود و محصور کر دے۔ لیکن موضوع کی طبیعت نے اسے تفصیل پر مجبور کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام پہلوؤں میں آگئے 'اور رکیل کی خلاف مرضی معاملہ نے اپنی پوری اہمیت حاصل کر لی۔ لیکن مجمع اس نتیجہ پر کوئی شکایت نہیں ہے۔"

"میں اب بلا کسی تمہید کے فوراً الزام کا مقابلہ کرتا ہوں۔"

"لیکن سب سے پہلے ہمیں ایک بنیاد پر متفق ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ مشہور مقررہ ہے "موضوع کی عمدہ تعریف" عمدہ بحث پیدا کرتی ہے "پس ہمیں سب سے پہلے یہ طے کر لینا چاہیے کہ "قانون کی حرمت" کے معنی کیا ہیں؟ یہ اس لیے کہ آج کی بحث کی بنیاد یہی مسئلہ ہے۔"

"نا ممکن ہے اس جملہ کے معنی یہ ہوں کہ قانون کی حرمت کے بہانے سے قانون پر نکتہ چینی رک دی جائے۔ اس جملہ کے معنی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتے کہ قانون کی تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس۔ یہ جملہ 'نکتہ چینی کی پوری آزادی دیتا ہے' سخت سے سخت نکتہ چینی کی بھی 'بلکہ مذمت کی بھی۔ صرف ایک قانون ہی کی نہیں بلکہ خود ملک کے دستور (کانسٹیٹیوشن) کی بھی جو سب سے اعلیٰ قانون ہوتا ہے۔"

"یہ جملہ ہمیں پوری آزادی دیتا ہے کہ تشریعی قوت (قانون ساز قوت) کو کسی "خطرناک" قانون کی منسوخی پر آمادہ کریں۔ ایسی قدر نہیں بلکہ یہ ہمیں اجازت دیتا ہے کہ قانون کی راہ میں ہر قسم کی اخلاقی اور معذوبی دشواریاں حائل کریں۔ بلا شبہ وہ ہمیں مادی دشواریاں پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"قانون دفن ہونے دو، اگرچہ کتنا ہی خراب، کتنا ہی ظالمانہ، کتنا ہی وحشیانہ ہو۔ اپنے دل و دماغ کے سامنے اس کی شکایت کرو۔ مقنن سے شکوہ کرو۔ مگر خود قانون کو رکو نہیں۔ اسے جاری ہونے دو۔ بیانگ دھل کہو کہ وہ خراب ہے۔ ظالمانہ ہے۔ وحشیانہ ہے۔ لیکن اس کی راہ رک کر کہتے نہ ہو۔"

"ہم نکتہ چینی کریں گے۔ مذمت کریں گے۔ مگر بغاوت نہیں کریں گے۔ یہی وہ حقیقی معنی ہیں، یہی وہ وحید معنی ہیں "قانون کے احترام" کے، اگر یہ نہیں تو اسے حضرات ذرا غور تو کیجیے۔"

"قانون سازی کا مشکل عمل دو قسموں پر منقسم ہوتا ہے: مقنن اور اخبارات۔ اگر میری تشریح قبول نہ کی جائے تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ دوسری قسم معدوم ہو جائیگی۔ کیونکہ اخبارات کا فرض ہے کہ قوانین پر نکتہ چینی کر کے مقنن کو قانون سازی میں مدد دیں، وہ مدد جس کے بغیر کوئی قانون مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب یہ قسم معدوم ہو جائیگی تو قدرتی طور پر پہلی قسم، یعنی مقنن کا وجود بھی بیکار ہو جائیگا۔ یعنی ہماری پارلیمنٹ معطل ہو کر رہ جائیگی اور اس کے لیے اس کے سوا کوئی کام باقی نہ رہے گا کہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔"

## کیا قانون کی نکتہ چینی، قانون کی

### توہین ہے؟

— مجاہد —

تاریخ قوانین مدینہ کا ایک صفحہ

رکٹر ہیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

(۱)

سنہ ۱۸۵۱ کا واقعہ ہے کہ فرانس میں ایک مجرم کو قتل کی سزا دی جا رہی تھی۔ مجرم نے گلوٹین (انقلاب فرانس کے الٹ قتل) پر چڑھنے سے انکار کیا، شور مچایا، زاریاں کیا، نوحہ و بکا کیا، سخت جسمانی مزاحمت کی، مگر اُس کی کوئی سعی کارگر نہیں ہوئی۔ عدالت فیصلہ کر چکی تھی۔ جلادوں نے بے دست و پا کر کے اسے گلوٹین پر چڑھایا اور قتل کر دیا گیا۔

فرانس کے مشہور شاعر و کاتب رکٹر ہیگو کے لڑکے چارلس ہیگو نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، تو بے اختیار ہو گیا اور قتل کی سزا کے خلاف اخبار L'Evenement میں ایک مضمون شائع کیا۔ حکومت کی نظر سے یہ مضمون گزرا تو کاتب پر قانون کی توہین کا مقدمہ دائر کیا، کیونکہ اس مضمون میں براہ راست قانون کی اس نوعیت پر حملہ کیا گیا تھا۔

اس واقعہ نے فرانس میں سخت ہلچل ڈال دی۔ بیک وقت دو بحثیں پیدا ہوئیں: سزائے قتل کی اخلاقی حیثیت اور قانون کی "نکتہ چینی" اور قانون کی "توہین" میں فرق۔ انہی دُنوں اہم بحثوں پر رکٹر ہیگو نے ۱۱ جون سنہ ۱۸۵۱ کو عدالت میں ایک بہت ہی بلیغ اور پر زور تقریر کی۔ اس موضوع پر یہ تقریر بے نظیر سمجھی جاتی ہے۔ اس میں فرانس کے شاعر نے قوت و استدلال اور قوت خطابت دُنوں کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔

فرد اور جماعت کبھی متفق نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ دو متضاد وجود ہیں۔ دُنوں کی طبیعت ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ایک ہی زمانہ میں رہنے والے افراد کی عظیم تعداد کبھی بھی جماعت کے تصور اور اس کے مظاہر پر متنبہ نہیں ہوتی اور نہ اس تصور کو بھلائی اور امن کی طرف لانے کی کوشش کرتی ہے۔ فرد جماعت کے تصور سے خود بھی تصور حاصل کرتا ہے۔ لیکن اسے وقوع کی اسے ہرگز کوئی خبر نہیں ہوتی۔ پھر خود جماعت بھی اپنے تصور کا کوئی احساس نہیں کرتی، یہاں تک کہ امتداد زمانہ، جماعت کے تدریجی تصور کو نمایاں کر دیتا ہے اور آئندہ نسلیں اسے محسوس کرتی اور دیکھتی ہیں۔

فرد کا جماعت کے شعور کے ماتحت آجانا اسے اپنی مستقل عقلیت سے دور کر دیتا ہے۔ جماعتی شعور کا دھارا اسے جدھر چاہتا ہے، بھال بیجاتا ہے: شر کی طرف یا خیر کی طرف۔ جماعتی شعور اور انفرادی عقلیت کی جنگ نے پوری انسانی تاریخ بنائی ہے۔ تمام جنگی حوادث، اجتماعی انقلابات اور مختلف مدنیات کے قیام میں ہمیں ہر جگہ یہی حقیقت نمایاں نظر آتی ہے۔ یہی روح، نفسانیت کی گردن پکڑے ہمیشہ کہینچتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

یہ دونوں نظریے "پیل جنیوا میں پھر لشبونہ (پرتگال) میں مشہور ہوئے۔ لشبونہ سے یہ خیال اسپین پہنچا اور یہ دونوں ملک اس پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔

(کولمبس کی مہم)

پہلا نظریہ یعنی بحر اٹلانٹک میں غرباً سفر، سب سے پیل جنیوا کے ایک باشندے کولمبس نے پیش کیا۔ میں کہتا ہوں "سب سے پیل" حالانکہ اس سے میری مراد "اہل یورپ میں سب سے پیل" ہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کولمبس سے بہت پیل اندلس اور مصر کے مسلمان اس پر غور کرچکے تھے۔ صرف غور ہی نہیں بلکہ اسے عمل میں بھی لا چکے تھے، اگرچہ کامیاب نہ ہو سکے۔

میرا فرض ہے کہ یہ تاریخی حقیقت، جس پر انسان اور زمانے کی ناانصافیوں نے پردے ڈال رکھے ہیں، روشنی میں لے آں۔

علماء یورپ ہمیں بتاتے ہیں کہ سب سے پیل کولمبس کو خیال پیدا ہوا کہ بحر اٹلانٹک میں غرباً چلنے سے ہندوستان تک پہنچ سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ خیال لے کر وہ لشبونہ گیا اور جان نانی شاہ پرتگال کے سامنے پیش کیا۔ لیکن یہ بادشاہ بد نصیب تھا اس نے کولمبس کی بات نہ مانی بلکہ اسے مجنوں قرار دیا۔ کولمبس خفا ہو کر اسپین چلا گیا اور فرڈیننڈ اور ملکہ ایزابلا کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نئی دنیا تک پہنچ گیا جس کا نام اس وقت لوگوں نے "مغربی ہند" (Indes Occiden Tales) (۱) رکھا تھا کیونکہ کولمبس کا ارادہ، ہندوستان پہنچنے کا تھا۔ اسی کی تلاش میں امریکہ نکل آیا۔ اسی لیے اسے ہندوستان ہی سے تعبیر کیا گیا۔

لیکن جب کہ کولمبس، لشبونہ میں یہ خیال لیے ہوئے بحر اٹلانٹک کی متلاطم موجوں پر امید کی نظریں ڈال رہا تھا، تو مہیا اس کے دل میں یہ خیال بھی گزرا تھا کہ اسی لشبونہ میں کھڑے ہو کر عرب ٹھیک اسی مقصد بلکہ اس سے بھی بڑے مقصد سے سمندر پر نظریں ڈال چکے ہیں؟

کیا کولمبس کو یہ خبر پہنچی تھی کہ اسی لشبونہ کے مسلمانوں نے اس سے بہت پہلے ارادہ کیا تھا کہ بحر ظلمات میں تحقیقات کے لیے در آئیں؟

کولمبس کو شاید معلوم نہ ہوا ہو، لیکن یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔ لشبونہ کے اُن مسلمانوں میں سے جو "مغربین" کے لقب سے مشہور ہیں، آتھ عم زان بھائیوں نے کمر ہمت چست کی۔ جہاز طیار کیے۔ کئی مہینے کا کھانا پانی جمع کیا، اور اُس ہوا کے آغاز پر جو انہیں مغرب کے کناروں تک لیجا سکتی تھی، بحر ظلمات میں روانہ ہو گئے۔ اُن کے سفر کا حال شریف ادیبی نے اپنی کتاب "نزهة المشتاق في اختراق الافاق" میں لکھا ہے۔ اہل لشبونہ اپنے ان "مجنوں" کو بھولے نہیں بلکہ اُن کی یادگار باقی رکھنے کے لیے اپنے شہر کے ایک محلہ کا نام "درب المغربین" رکھ دیا۔

(۱) گیارہویں صدی ہجری کے عرب مصنفین کی کتابوں میں بھی امریکا کا نام (الہند المغربیہ)، لکھا ہے۔ دیکھو مقدمہ "کتاب العزیر المنافع للمجاہدین بالبارد والمدافع" جو مصر کے سلطانی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

مگر ان کوششوں کے باوجود بھی شہر عکاء صلیبیوں کے قبضہ میں باقی رہا، اور اُن تمام نقصانوں کی تلافی کرتا رہا جو انہیں اپنے مشرقی مقبوضات سے معرومی کی وجہ سے پہنچے تھے۔ یہ دیکھ کر ملک اشرف بن قلاؤں نے چاہا، یہ مقام بھی اُن سے واپس لے لیا جائے۔ چنانچہ اُس نے حملہ کیا اور سنہ ۱۲۹۱ء میں کامیاب ہو گیا۔

عکاء کے واقعہ کے بعد مشرق کی فتح کے دروازے ایک مرتبہ پھر مغرب پر بند ہو گئے۔ لیکن وہ نا امید نہ ہوا، اور رزم کے پاپا اور یورپ کے بادشاہ برابر حملہ کی طیاریاں کرتے رہے۔ چنانچہ چارلس ہشتم شاہ فرانس نے عزم مصمم کر لیا تھا کہ اپنے جنگی بیڑوں کی قوت سے فلسطین اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لے۔ لیکن تجارتی مفاد نے اُس وقت جنگی کارروائیاں کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور مشرق و مغرب کا تصادم ہوتے ہوئے رک گیا۔

عکاء کی فتح کے بعد مشرقی تجارت کی باگیں مصر کے ہاتھ آ گئی۔ اب بحر متوسط کی تجارت پیشہ قومیں کیلیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اسکندریہ، دمياط، اور بیروت کے بازاروں کا طواف کریں۔ چنانچہ وینس اور جنیوا وغیرہ کے تاجر ان بازاروں پر رُت پڑے۔ کیونکہ مشرق کی مصنوعات اور ہندوستان کی پیداوار حاصل کرنے کا اور کوئی دوسرا راستہ اُن کے سامنے موجود نہ تھا۔ اُس زمانے میں ہندوستان کے گرم مسالے یورپ میں از حد مقبول تھے اور غذا کا لازمی جزء بن گئے تھے۔ یہ مسالے بھی مصر ہی کے راستے یورپ کو حاصل ہوتے تھے۔

اس تجارتی مرکزیت نے مصر کو دولت و ثروت کا بھی مرکز بنا دیا۔ بادشاہ اور باشندے مالا مال ہو گئے تھے۔ تمام یورپ میں قاہرہ "قاہرہ عظمیٰ" کے نام سے پکارا جاتا تھا!

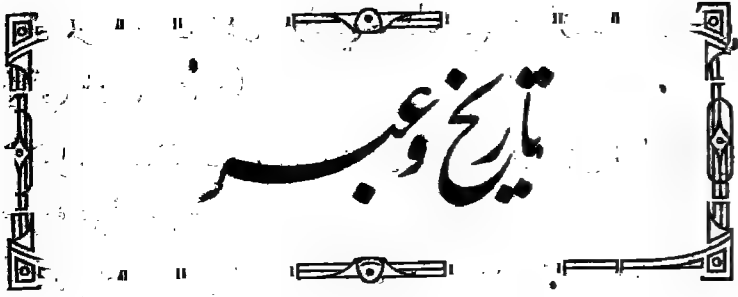
(راس امید کی دریافت)

تقریباً در سو برس تک یہی حالت رہی۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۴۹۲ء (۱۵۱۶ء) میں مصر اپنی آزادی سے محروم ہو گیا۔ اُسکی تجارتی مرکزیت کو شاید اب بھی کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ اُسی زمانے میں پرتگالیوں نے "راس امید" دریافت کر لی اور اس طرح مصر کی سیاسی اور تجارتی دونوں اہمیتیں ختم ہو گئیں۔

راس امید، اتفاقیہ طور پر دریافت نہیں ہوا بلکہ ضرورت نے اُسکی طرف رہنمائی کی تھی۔ یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستان کی تجارت اُس کا باعث ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ قدیم زمانے سے ہندوستان، دنیا کی سیاست میں زبردست موثر رہا ہے۔ اُسکی فتح کے لیے دنیا میں بے شمار انقلاب پیدا ہوئے اور بے شمار ملکوں کی آزادیاں پامال ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ نئی دنیا یعنی امریکا کا اکتشاف بھی اسی ہندوستان کی طمع و شوق میں ہوا۔

عکاء سے محروم ہوجانے کے بعد یورپ نے دیکھا کہ مشرق اور ہندوستان کی تجارت کیلیے اب وہ یک قلم مصر کے رحم پر ہے، اور بلا وجہ مصر کو بے شمار محصول ادا کرتا ہے۔ چنانچہ عقلاء یورپ نے غور کرنا شروع کیا کہ ہندوستان تک پہنچنے کی کڑی اسی راہ نکلے جسمیں مصر کا توسط نہ ہو۔ اس مشکل کے در جل اُن کے سامنے آئے: ایک یہ کہ بحر اٹلانٹک میں مغرب کی طرف سیدھے چلے جائیں، یہاں تک کہ ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جائیں۔ دوسرے یہ کہ افریقا کا چکر لگا کر ہندوستان پہنچیں۔





## ہندوستان کی تجارت پر مشرق و مغرب کا تصادم

امریکا اور راس امید کے اکتشافات

راسکو دبی گاما نے ایک عرب کے ذریعہ کامیابی حاصل کی

مشہور مصری کاتب و محقق احمد زکی پاشا نے اپنے ایک سلسلہ مضامین میں مندرجہ بالا عنوانوں پر جو روشنی ڈالی ہے، وہ نہایت اہم اور دلچسپ ہے۔ انکی بحث خلاصہ حسب ذیل ہے:

”صلیبی جنگوں نے بہت سی مغربی قوموں کے مقبوضات، شام میں پیدا کردیے تھے۔ ایشیا کے دروازوں پر ان مقبوضات سے یورپ کو بہت فوائد حاصل ہوئے۔ تمام مشرق کی مصنوعات حاصل کرنے اور ہندوستان سے تجارت بڑھانے کے بہترین موقع میسر آگئے۔ صلیبیوں نے کبھی کبھی اتنی قوت بھی پیدا کر لی تھی کہ خود دمشق اور قاہرہ سے خراج وصول کیا کرتے تھے۔ (۱) انہوں نے کرک پر قبضہ کر کے حجاز کے راستہ پر تسلط حاصل کر لیا تھا۔ عقبہ اور طور پر بھی قبضہ جمانے کی کوشش میں تھے، اور قریب تھا کہ پورے بحر احمر پر چھا جائیں۔ (۲)

لیکن مشرق قریب کے سلاطین، عین وقت پر بیدار ہو گئے۔ ان میں باہم سخت حسد و منافست تھی۔ تاہم مشترک خطرے کے سامنے متفق ہو گئے، اور اسد الدین، نور الدین، صلاح الدین، نجم الدین، ملکہ شجرۃ الدر، ملک الظاہر بیبرس، منصور قلاؤن، کی یادگار کوششوں نے مصر اور شام کی سرزمینیں یورپین حملہ آوروں سے پاک کر دیں۔

(۱) دیکھو ابن فضل اللہ کی مسالک الابصار

(۲) ابن فضل اللہ نے اپنی کتاب ”التعریف بالمصطلح الشریف“ میں لکھا ہے کہ اہل فرنگ نے کرک میں بحری بیڑے طیار کیے اور انہیں! یکر بحر قلزم میں پہنچے، تاکہ حجاز پر حملہ آور ہوں اور اپنے دل کا بخار نکالیں۔ لیکن ایوبی اور عادلہ ہمتوں نے انہیں پست گردالا۔ صلاح الدین ایوبی نے انکے بہت سے آدمی گرفتار کر لیے اور منی بھیج دیے تاکہ جمرۃ العقیدہ پر اسی طرح ذبح کر دالے جائیں جس طرح قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (منہ)

”لیکن نہیں! نہیں! ہرگز نہیں! ہم ابھی اس حد تک نہیں پہنچے ہیں۔ میں نے کہا مجھے پرزور دیکھ کر سخت حیرت ہوئی (آپ عنقریب جان لینگے میری حیرت کس درجہ عظیم تھی) کیونکہ میں نے خیال کیا، اگر اس ”جرم“ کا کوئی حقیقی مجرم ہے، تو وہ میرا بیٹا نہیں، خود میں ہوں۔

”میں اس وقت عدالت کے سامنے پوری صفائی سے اعلان کرتا ہوں کہ اس جرم کا حقیقی مجرم میں ہوں، میں! کیونکہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں ہی ان سزاؤں کے خلاف ہر ممکن ذریعہ سے جنگ کر رہا ہوں۔

”میں تصدیق کرتا ہوں کہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں نے ہر طریقہ سے ”انسانی زندگی کی حرمت“ بچانے کی کوشش کی ہے۔ یعنی وہی جرم کرتا رہا ہوں جو اس وقت میرے لڑکے پر عائد کیا جا رہا ہے۔ میں نے یہ جرم اپنے لڑکے سے بہت پہلے شروع کیا تھا، اور اس سے کہیں زیادہ سخت طریقہ پر اسکا ارتکاب کرتا رہا ہوں۔ مہربان سرکاری رکیل! دیکھو! میں خود اپنے خلاف گواہی دے رہا ہوں۔ میں اقبالی مجرم ہوں۔ حلفیہ اقبال کرتا ہوں۔ میں نے ہر موقع پر یہ جرم کیا ہے۔ بار بار کیا ہے۔ اصرار کے ساتھ کیا ہے۔ ہمیشہ کرنے کا عزم رکھا ہے۔ یہ عزم اس وقت بھی میرے قلب میں موجود۔ بلکہ اس وقت بھی میں اس جرم سے آلودہ ہو رہا ہوں۔ خود عدالت کے سامنے آلودہ ہو رہا ہوں!

”ہاں... میں خود اپنی زبان سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر ان تمام قوانین کی بیخ کنی کرتا رہا ہوں جو وحشیانہ ہیں۔ میں ہمیشہ اس بوزے قانون کا دشمن رہا ہوں جو کہتا ہے ”آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت“ محترم جج اور جیوری! میں آپکے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ائندہ بھی زندگی بھر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رہوں گا۔ میں ایک مصنف کی حیثیت سے عمر بھر اپنے قلم سے انکی مخالفت کروں گا، اور ایک مقنن کی حیثیت سے اپنی آواز ہمیشہ انکے برخلاف بلند رکھوں گا۔

”اے حضرات! میں اعلان کرتا ہوں (یہ کہہ کر مقرر نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کے طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تھی) اس ذات کے سامنے جو اسی قانون قتل کی قربان گاہ پر بےینت چڑھائی گئی، جسکے سامنے اس وقت ہم کھڑے ہیں۔ یہ مقدس تصویر ہمیں اس وقت دیکھ رہی ہے۔ میں اس مقدس ”قربانی“ کے سامنے قسم کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں۔ یہ وہ ہستی تھی جس نے انسانیت کی ابدی تعلیم کی خاطر، اپنے تئیں جلادوں کے حوالہ کر دیا۔ انسانی قانون نے اسے سولی پر لٹکایا، حالانکہ اسکا وجود خود ”قانون الہی“ تھا۔

”ہاں میں اسی تصویر کے روبرو بار بار کہتا ہوں کہ میرے لڑکے نے جو کچھ لکھا، وہ صرف اس وجہ سے لکھا کہ میں نے بچپن ہی سے اسے اسکی تلقین کی تھی... کیونکہ وہ جب سے میرا جسمانی لڑکا ہے، اسی وقت سے میرا روحانی فرزند بھی ہے۔ کیونکہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے باپ کی راہ پر چلے۔ لیکن بیٹے کا باپ کے طریقے پر چلنا بھی ایک عظیم جرم ہے۔ واقعی یہ جرم میرے لیے سخت حیرت انگیز ہے!

”حضرات! میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ الزام واقعی میرے لیے شدید تعجب کا موجب ہے.....“

# سیرنی لارض

اولم لیسروانی الارض فی نظر و کیف کان عاقبتہ الذین من قبلہم

(۸:۳۰)

تیا حان عالم کے مشاہدات و آثار

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کا تذکرہ و ملاحظہ، الملأ)

ہیں تو قیدی کہاں سے آئیں؟ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی حکم شریعت، جو اہل کی بیخ کنی کے لئے بہترین قانون ہیں۔ اور یہ کہ غیور سے زیادہ احکام شریعت کی پابندی کسی مسلمان قوم میں نہیں ہو سکتی جیسی مسیح آبادی کے قید خانے میں ایک قیدی کا بھی موجودہ ہونا۔

یقیناً اس بیستویں صدی میں عجوبہ کا حکم رکھتا ہے۔ حال کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ یہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ موجود ہے اور اپنے طبی خواص میں "فیسی" کے معدنی خضے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا پانی ہر قسم کا تنگ بچھلا دیتا ہے۔ گرنے کے جملہ امراض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ خون صاف کرتا ہے اور حیرت انگیز سرعت سے غذا ہضم کر دیتا ہے۔ اس چشمے کا نام "السلح" ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چشمے ہیں اور سب شیریں اور عمدہ ہیں۔ آب ہوا کی اس خوبی کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے باشندے خوب توانا و تندرست ہیں۔

اب سے پہلے حاکم، ابن الرشید کی ریاست کا بایہ تخت تھا۔ یہ ریاست ایک زمانہ میں ریاض کے خاندان سعود کے تابع تھی پھر کچھ مدت خود مختار رہی۔ اب ایک مرتبہ پھر خاندان سعود کے زیر نگیں آگئی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

حاکم کے باشندے، دراصل قبیلہ "شمر" کے افراد ہیں۔ یہ قبیلہ صحرا میں پودا باش رکھتا تھا۔ پھر اس کا ایک بڑا حصہ کٹ کر شہری بن گیا، اور حاکم میں آباد ہو گیا۔

حاکم میں "اخوان" بکثرت نظر آتے ہیں۔ انھیں یہاں "جنا" کہتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ سرخ لپٹوں پر عامہ باندھتے ہیں۔ چھوٹے عمارے باندھنے والے معمولی لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ بڑے عمارے والے شیخ ہوتے ہیں۔ نجد میں اس گروہ کو سب سے زیادہ اہمیت و قوت حاصل ہے۔ حاکم، احسا، اور حجاز کی فوجات انہی کے ہاتھوں واقع ہوئی ہیں۔ تمام عرب میں ان کی شجاعت اور پامردی کے دکنے بچ رہے ہیں۔ بڑی بڑی فوجوں پر ان کا نام رعب و حیرت طاری کر دیتا ہے۔ اب سے چند سال پہلے یہ سخت وحشی اور جاہل تھے۔ دین کا کوئی حکم بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن آج ان میں سے ہر شخص شریعت کے تمام علی احکام کا عالم ہے۔ نجد و حجاز میں اتباع شریعت اور ترک بدع و فحش کی تبلیغ ہی جماعت ہے۔

قصہ

حاکم میں ایک ہفتہ سلطان کی امانی میں وکرم نے پھر سفر شروع کر دیا۔ اب منزل مقصود، تریہ تھی۔ تریہ، حاکم سے ۸ دن کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ صاف اور میدانی ہے۔

راستہ میں سب سے پہلی آبادی "عدہ" کی ملی۔ اس گاؤں کا منظر نہایت دل فریب ہے۔ اس کے گرد دھبے ہیں، اور دور تک سرخ لٹک پہاڑوں کا سلسلہ بھلا ہوا ہے۔ پہاڑت ہی دلچسپ منظر پیش کرتے ہیں۔ انکے نیچے میدانیوں پر سنہری رنگ بکھی ہوئی ہے اور از حد منظر فریب ہے!

راستہ میں ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا۔ ہمارے قافلہ کے ایک مسافر کی اونٹنی رات کو کہیں بھاگ گئی۔ ہر چند تلاش ہوئی مگر کہیں نہ پایا۔ عین ناامیدی کے وقت ایک بد نظر آیا۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا "میں نے اس شکل کی اونٹنی فلاں مقام پر دیکھی تھی میں اُسے لاسکتا تھا، مگر اس ڈر سے ہاتھ نہیں لگا پا کہ چور نہ سمجھا جاؤں" اس واقعہ سے مجھے اہل نجد کی امانت و دیانت کا ادب ہی زیادہ یقین ہو گیا۔ میں صحتی زیادہ جستجو کرتا گیا، مجھے معلوم ہوا گیا کہ چوری اور قزاقی نجد میں بالکل نامعلوم ہے۔

راستہ میں چار گاؤں اور بھی ملے: کمنہ، جوارہ، ذال، اور ہنہ

اور بیسویں کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ حاکم، مدینہ منورہ سے ۸ دن، شام سے ۵ دن، اور عراق سے بھی تقریباً ۵ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ تجارت کا ایک مرکزی مقام ہے۔ ہندوستان کے چاول کی یہاں بڑی بڑی منڈی ہے۔ اس علاقے کی اہلی غذا یہی چاول ہے۔ فہم قسم کی ترکاریاں، سبزیاں، اور میوے بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ خلیفستان بے شمار ہیں۔ لیکن کچھ بد مزہ اور گھٹیا قسم کی ہوتی ہے میں نے غورتوں کو بازار میں دوٹی، میوے، ترکاری، مرغی، اٹری، بچے دیکھا۔ وہ سیاہ کرتے پہنے تھیں۔ اوپر سے سفید چادریں اوڑھ لیتی تھیں، مگر اس قدر آہستہ کہ کوئی دوسرا آدمی ان کی آواز نہیں سن سکتا!

یہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ صرف فرانسیسی سک، جسے یہ لوگ "شوٹی" کہتے ہیں، مستعمل ہے۔ انگریزی یا ترکی کے نہیں چلتے۔

ایک دن میں حاکم حاکم کے نائب کا سامان رہا۔ دوسرے دن خود حاکم، امیر عبدالعزیز بن سعود نے مجھے اپنے دار الحکومت میں مدعو کیا اور غیر معمولی خاطر تواضع کی۔ پہلی نظریں دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ امیر شاید متکبر و مغرور ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نہایت ہی منکسر مزاج، خوش اخلاق، اور خوش صحبت ہے۔ وہ اپنے اس صوبے میں اور اس کے اطراف کے تمام شمالی علاقوں میں سلطان ابن سعود کے ماتحت مطلق العنان حکم ہے، اس کے احکام کے سامنے کوئی روک ٹوک نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے احکام کتاب و سنت کے احکام کے تحت ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ سے بال بھر تجاؤد کرنا اس علاقے میں ایسا جرم ہے کہ اس کے لئے کوئی معافی نہیں!

حاکم کے پاس دو موٹریں ہیں جن پر وہ اکثر سفر کیا کرتا ہے۔ موٹر چلانے والا ایک شامی عرب ہے۔ دوسرا نجدی ہے۔

حاکم کے ایک مصاحب کے ساتھ میں قید خانہ دیکھنے گیا۔ مجھے یقین تھا، مجرموں کی بڑی بھر دیکھوں گا۔ مگر قید خانے میں بچکاری حیرت کی کوئی حد نہ تھی۔ وہاں ایک قیدی بھی موجود تھا۔ صرف محافظ سیاہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ میں نے تعجب سے پوچھا "قیدی کہاں ہیں؟" سپاہیوں نے جواب دیا "جب مجرم ہی نہیں

"جوت" سے "حاکم" تک اونٹ کی پیٹھ پر دس دن کی مسافت ہے راستہ نہایت ہی آجائز اور سیاہانی ہے۔ ہم کبھی رنگ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھتے تھے۔ کبھی نشیبی وادیوں میں ہوتے تھے۔ کبھی ایسی بلند پہاڑیوں پر چلتے جن کے نیچے ہولناک گہرائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ راستہ ایسا دشوار و خطرناک ہے کہ اونٹ کا ذرا قدم گم ہو گا جاکے تو لوٹ یقینی ہے۔ عظیم لمبائی پر سے انسان فوراً تخت الٹنے میں جا بیٹھے۔

اس سفر میں پہلے ۶ دن تک کہیں پانی نہیں ملا۔ اگر پانی ہمارے ساتھ مشکوں میں اور اونٹوں کے ساتھ انکے پیٹ میں نہ ہوتا تو موت یقینی تھی۔ اس تمام مدت میں غسل کرنا کیا معنی غسل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پانی کا ایک ایک قطرہ خود زندگی کی طرح قیمتی تھا۔

ساتویں دن علی الصباح ہمیں "جبہ" نام ایک آبادی ملی۔ یہاں کے تمام مکان ایسی سفید مٹی سے بنے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ چند شیوخ مجھے پوچھتے ہوئے آئے اور ہمارے بننے کی درخواست کی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انھیں پہلے ہی خبر پہنچ گئی تھی کہ ایک مصری، شاہ نجد کی ملاقات کے لئے آ رہا ہے۔ "لہذا" انھوں نے کہا "ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ تمہیں اپنا ہمان بناتے"

نویں دن ہم "قنا" میں پہنچ گئے۔ یہ بہت ہی چھوٹا گاؤں ہے۔ حتیٰ کہ یہاں ہمیں کھانے کے لئے ایک بکری بھی مول نہ مل سکی۔ لیکن ہم کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ تھوڑے فاصلہ پر تین گاؤں اور تھے۔ ان میں سے ہر گاؤں "ام جہان" ہے اور اس کی آبادی صرف ۴ گھر ہیں۔ مکانوں کے گرد درختوں کے چند درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے عرب تات کا تلفظ "گان" کی طرح کرتے ہیں۔

حاکم

دسویں دن "حاکم" ہمارے سامنے تھا۔ سلطان ابن سعود کے عم زاد بھائی امیر عبدالعزیز بن سعود ابن جلوی، حاکم حاکم کا نائب ہمارے استقبال کے لئے شہر کے ہر موجود تھا۔

ہم نے اپنے تمام کچیلے صحرائی مسافر میں حاکم سے زیادہ آباد کوئی مقام نہیں دیکھا۔ یہ ایک حد تک شہر کا حکم رکھتا ہے۔ آبادی مسیح ہے۔ شریکین کشادہ اور منظم ہیں۔ بازار بھی بہت بڑا ہے جس میں اونٹوں

کیا ہے ”یہ جگہ ساحل کے قریب ایک آبائے میں واقع ہے۔ اس کے ایک جانب پہاڑ ہے اور دوسری جانب بحرِ ظلمات ہے۔ یہاں سمندر سخت طرفانی حالت میں رہتا ہے۔ کشتیاں ٹک نہیں سکتیں۔ ٹوٹ جاتی ہیں“

پرتگالیوں نے اس مقام کا نام ”راسِ طوفان“ رکھا تھا۔ لیکن جانِ ثانی شاہ پرتگال نے اس کا نام ”راسِ امید“ رکھ دیا۔ کیونکہ اس کی دریافت نے براہِ راست ہندوستان تک پہنچنے کی امید پیدا کر دی تھی۔

لیکن یہ امید جان کی زندگی میں پوری نہیں ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ممانویل ثانی تخت نشین ہوا۔ اس نے راسکوٹی گاما کو سنہ ۱۴۹۷ء میں اس مہم پر روانہ کیا تا کہ ہندوستان کی راہ دریافت کرے۔ اس شخص نے سفر شروع کیا۔ راسِ امید عبور کر کے سراحل کفرہ میں پہنچا۔ پھر ممباسہ آیا، پھر ملندہ میں وارد ہوا۔ یہیں اسکی ملاقات حسبِ تصریح قطب الدین کے (جیسا کہ ”برقِ یمانی“ میں مذکور ہے) ”ایک بحری آدمی سے ہوئی۔ اسکا نام احمد بن ماجد تھا۔ اسی نے نشہ کی حالت میں راسکوٹی گاما کو ہندوستان کا سیدھا راستہ بتا دیا۔ اور اس کے بعد بحرِ ہند میں پرتگالیوں کی کثرت ہو گئی۔ لیکن خود پرتگالی مورخ، احمد بن ماجد کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ البتہ ایک ایسے آدمی کا وجود ضرور تسلیم کرتے ہیں جو راسکوٹی گاما کا شرک سفر ہو گیا تھا۔ اور اسکا نام وہ ”معام کنہ“ Malem Cana بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان پہنچ کر گجرات میں فوت ہو گیا۔ بعضوں نے اسکا نام Malem Canaque لکھا ہے۔

بعض پرتگالی مورخ کسی ایسے شخص کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔ انکا بیان ہے کہ سلطانِ ملندہ نے راسکوٹی گاما کے ملکہ سے دو آدمی کر دیے تھے جو بحرِ ہند سے بحری رواف تھے۔

بہر حال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ راسِ امید کی دریافت میں عربوں کا بھی حصہ ہے۔ اور راسِ امید سے ہندوستان تک پہنچنے میں تو سراسر عربوں ہی نے رہنمائی کی تھی۔

## مختارات

(اخبار نویسی)

سلطان عبدالحمید نے معزل ہونے کے بعد کہا ”اگر میں یلدز (محل) میں لوٹ سکوں تو اخبار نویسوں کو ایک ہی قید خانہ میں بند کر دوں گا“

”اس ملک میں ہر نرس آدمیوں میں صرف ایک شخص کو افشا پردہ کرنا چاہیے“ (وزارتِ امریکا)

”اخبار نویس کی صورت دیکھ شہنائوں کا بار، ابلیس بھی کانپ جاتا ہے“ (رلیم سٹیڈ)

”کیرے ماورائے میں سے اخبار نویس بی ہے“ (ملکہ اسپین)  
”اے قلم تو نہایت خوبصورت ہے لیکن میری سلطنت میں تو شیطان سے بھی بدتر ثابت ہوا ہے“ (آخری زورس)

پرتگال کے معزل بادشاہ ”مانویل“ نے اخبار نویسوں سے کہا ”تمہیں نے مجھ پر ہاتھ کیا ہے“

جمہوریہ وینزولا (امریکا) کے صدر ”کاسر“ کا قول ہے:  
”اگرچہ ہم کا ہاتھک بھی میں کوئی دیکھوں تو کہتا نہ ہوں گا جتنے اخبار نویس کے قلم سے دنیا میں“

کولمبس کو بیشک یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ امریکا تک پہنچ گیا۔ لیکن کس طرح پہنچا؟ کیا اُس کے دھم میں بھی یہ بات موجود تھی کہ بحرِ ظلمات کے دامنوں میں ایک آرزو دنیا بھی چھپی ہوئی ہے؟ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ وہ تو ہندوستان کے ارادے سے نکلا تھا اور محض اتفاق سے امریکا پہنچ گیا۔ لیکن لشہرہ کے مسلمان تو اسی دنیا کی تحقیق کے لیے نکلے تھے۔ انہیں ہندوستان کی فکر نہ تھی۔ نہ تجارت و دولت کی طمع تھی۔ اُن کے سامنے صرف جغرافیائی تحقیقات تھی۔ ظاہر ہے کہ کولمبس اور اُن کے نقطہ نظر میں کتنا اختلاف تھا۔ اور دُروں میں کون زیادہ تحسینِ علم کا مستحق ہے؟

یہی نہیں بلکہ کولمبس سے قریب سو برس پہلے ہی مسلمانوں نے امریکا کا تصور کر لیا تھا۔ ملک الذاصر محمد بن قلاؤں کے عہد میں ایک عالم، قاہرہ میں موجود تھے۔ اُن کا نام ابو النہاء محمود بن ابی القاسم الاصفہانی تھا۔ ابن فضل اللہ العمري اپنی کتاب ”مسالك الابصار في ممالك الامصار“ (جلد ۱ صفحہ ۳۱) میں لکھتے ہیں:

”میں اسے بعید نہیں سمجھتا کہ زمین کے اس رخ پر پانی کے ہت جانے کی وجہ سے جو خشکی نمودار ہو گئی ہے، ایسی ہی خشکی زمین کے دوسرے رخ پر بھی موجود ہو۔ چونکہ یہ مستبعد نہیں ہے، اس لیے یہ بھی مستبعد نہیں کہ اُس طرف کی خشکی پر بھی ایسے ہی حیوان و نباتات موجود ہوں، جیسے ہماری اس زمین میں موجود ہیں، یا وہ کسی اور جنس و نوع کے ہوں“

(راسکوٹی گاما اور راسِ امید)

ہندوستان تک پہنچنے کے پہلے نظریہ نے امریکا کو ظاہر کیا۔ اب دوسرا نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ بحرِ اٹلانٹک میں افریقہ کے گرد گھوم کر ہندوستان کی راہ نکالی جائے۔

یہ خیال سب سے پہلے جنڈوا میں رہنے والے دو بہائیں: اولینو Ogolino اور ویدینو Vadino کو ہوا۔ وہ اس مہم پر روانہ بھی ہو گئے مگر کامیاب نہ ہوئے اور غرق ہو گئے۔

لیکن یہ خیال برابر زندہ رہا۔ اور ہمتیں بڑھاتا رہا۔ اُس وقت پرتگال کے ملک میں بڑی تجارتی بیداری موجود تھی۔ پرتگالی ہمت و شجاعت میں تمام یورپین قوموں کے آگے تھے۔ پرتگال کی ناک اُدام عزتوں کا بھی اس حرکت میں بڑا حصہ تھا۔ انہوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ انہی لوگوں سے شادی کرینگے جو افریقا کے ساحلوں پر اپنی شجاعت و بسالت ثابت کر دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگالی نوجوان سراحل افریقا پر ٹوٹ پڑے، اور بتدریج بہت سی بندرگاہوں کے مالک بن گئے۔ ان مہموں میں عربوں اور یہودیوں نے اُنکی بڑی مدد کی۔ یہ لوگ افریقا سے اُس وقت سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے پرتگالی پاشاؤں خصوصاً شاہِ ہنری کو (جو ملاح کے لقب سے مشہور تھا) اپنی قیمتی معلومات سے آگاہ کیا، اور اس طرح افریقا کی تحقیق و فتح میں پرتگالیوں کے رہنما بنے۔ یہی عرب اور یہودی تھے جنہوں نے پرتگال کو گینیا کی سرے کی کانوں سے آگاہ کیا تھا۔ غرض کہ سنہ ۱۴۱۴ء سے سنہ ۱۴۸۶ء تک پرتگالی اپنے مقاصد ”سراحل افریقا پر پھیلاتے رہے“ یہاں تک کہ سنہ ۱۴۸۶ء میں پرتگالی امیر البحر جنرلی افریقا کے آخری نقطہ تک پہنچ گیا۔ یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر قطب الدین نیروالی نے اپنی کتاب ”البرق الیمانی فی الفتح العثماني“ میں اس طرح

غزوان شرف ہوگا۔ بقایا تین بیٹوں میں بھی کچھ گڑبڑ ہو۔ لیکن محققین ہر وہ بنادت نہیں کریں گے۔ میری خواہش ہے کہ وہ بھی محرف ہو جائیں۔ تاکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ منظری“

منظری سیاست کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا کرتا تھا۔ اس نے بہت سی ضرب المثل نظم مزاحی اور علم بخشش کا سخت مداح تھا، لیکن اُسے بھی ایسے ظالمانہ فعل کی تائید کی۔ اس کے بعد اس نے ہڈسن کو ایک جلیجی لکھی کہ وہ شخص تھا جسے ہمارے شاہ کے لڑکوں کو سخت میری سے قتل کیا تھا۔ انگریز مورخین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جسے ہڈسن کے پس منظر کی مذمت نہ کی ہو لیکن منظری اسے لکھتا ہے:

”میرے پیارے ہڈسن۔

میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اس کے بیٹوں کو قتل کر دیا۔ میں امید کرتا ہوں تم اسی طرح اور شاہزادہ کی قتل کرو گے۔ منظری“

ایک آدمی اتنا مجروح تھا کہ وہ قتل پر جانے کے قابل نہ تھا۔ منظری کی ہدایت کے مطابق اسے سرکاری گواہ بنایا گیا۔ چنانچہ کپڑے کو نعلین ذیل خط لکھا ہے: ”مجروح مذکور کو لاہور بھیجا جائے، تاکہ وہ خود ہی زبان سے امرتسر کے واقعات بیان کرے۔“ بغیر اس کے کوئی شخص بتا نہیں کرے گا، ۱۷۱۱ء میں بعض آدمی ایسے بھی ہوئے جو آواز دے رہے ہوں گے۔ ان کے گرفتار کر کے ہماری طرف بھیج دو۔ تم کافی تعداد قتل کر چکے ہو، اب ہم اپنی زوجوں کے لئے کچھ آدمی چاہیں“

ایک کے بدلے ۵۰۰

اس مجروح قیدی اور اہم آدمیوں کو لاہور بھیجا گیا۔ جہاں وہ بے تحاشہ قتل کر دیئے گئے۔ کوہر خود اقبال کرتا ہے کہ ان افسر کے قتل کے بعد ہن کے اندر اس کے بدلے ۵۰۰ آدمیوں کا خون بہایا گیا۔

کابور میں ایک کنواں ہے۔ جہاں چند انگریزوں کو قتل کر کے پھینک دیا تھا۔ لیکن اقبال میں بھی ایک کنواں ہے۔ جہاں سیکڑوں ہندوستانی ہار کر پھینک دیئے گئے۔

رسل اپنی ڈائری میں لکھتا ہے: ”ایک افسر نے جو ریتا کی فوج کے نام مقرر تھا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ ہندوستانیوں کو اندھا دھند قتل کیا جاتا رہا۔ وہ دن کے عرصے میں ۲۴ آدمیوں کو شہر کے کنارے پھانسی دی۔ مقتولین میں وہ لوگ تھے جو پٹن کو اس کی راہ میں مل جاتے تھے۔ آدمیوں کو محض اس وجہ سے پھانسی دی گئی کہ جب پٹن کو چھ کر ہی ان کے منہ شہر کی طرف نہ تھے۔ دہریہ طوط دیکھ رہے تھے۔ ان راہ میں آتا تھا، جلایا جاتا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہ ناک واقعات کا جو کچھ حادثے بہت پہلے ہوئے تھے۔ اگر نانیوں کا یہ قتل عام کانپور کے واقعہ کے بعد نہ ہوتا تو پھر شاید حق بجانب ہوتے۔ افسر نے کورنے ان مظالم کے دیکھنے کی اور ریتا ڈسے کہا کہ اگر یہی حالت رہی تو لوگ دیہات کے بھاگ جائیں گے اور فوج کے لئے خود نوش کا سامان لے کر دقت واقع ہوگی۔ بالآخر یہی ہوا۔ جہاں کس فوج جاتی تھی نا بالکل دیران ہو جاتے تھے۔ لوگ غلہ دینے سے گھبراتے کیونکہ انہیں تھا کہ اگر انہوں نے یہ نیک کام کیا تو پھر بھی انہیں پھانسی دی جائے گی“

ایک پادری لکھتا ہے: ”انگریز ہندوستانیوں سے اس قدر نفرت ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ان کے ملازم بھی جو عام مرد کے زمانہ میں دفا دار رہے تھے، ان کی بدسلوکی اور بے نیچہ سکہ۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ پھر بھی انکی دفا دار، صلائی میں فرق نہ آیا۔ بہت سے ڈہلی برادر اور سائیں مالواری میں دخی ہوئے تھے، زمین پر پڑے سر نہ گئے۔“

مگر کسی نے علاج معالجہ کی مطلق پروا نہ کی۔ وہ دن کے وقت دھوپ میں پڑے رہتے۔ رات کے وقت سرور میں جب تک کے باشندوں کو قتل عام ہوا، تو ان میں بہت سے ایسے آدمی تھے جو ہماری کامیابی پر خوش تھے۔ اور ہماری فتح یابی کے لئے دعائیں مانگتے تھے، لیکن ان کی بھی دعائیں ان کے واسطے ملک ثابت ہوئیں۔ بعض نوجوان انگریز تو ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ علاوہ پرکتے تھے ”تمام خدمت گاروں اور یوہیوں کو جو کیمپ میں ہی قتل کر دیا جائے“ یہ وہ ملازم تھے جنہوں نے اپنی جان بھیلی پر رکھ کر ہماری خدمت کی تھی“

دست ستم نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تسلیم کیا ہے کہ بہت سے ہندوستانیوں نے ہماری جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

کے (۱۸۵۷ء) اپنی کتاب میں قتل عام سے پیشتر کے واقعات لیں لکھتا ہے:

”آرشل لا جاری ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ وہ ظالمانہ قانون جو مئی اور جون میں مجلس مقننہ نے پاس کئے تھے، بڑی شدت سے اپنا کام کر رہے تھے۔ فوجی اور سول افسر ہندوستانیوں کو بلا تیز قتل کر رہے تھے۔ گورنر جنرل نے جو خط و کتابت پارلیمنٹ سے ان دنوں کی تھی، اس میں موج ہو کہ بے گناہ بوڑھوں، عورتوں، اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ دیہات جلانے جاتے تھے۔ ان کے باشندوں کو بھی اُسی میں جلایا جاتا تھا۔ انگریز فوجیہ طور پر کہا کرتے تھے ”ہم کوئی آدمی بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا“

واقعات قتل از حادثہ کانپور

ایک دفعہ چند چھوٹے لڑکے محض شرارتاً، باغیوں کا سالباں ہینر ڈھول بجانے لگے۔ انہیں گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ ایک انگریز افسر جو گورنر آرشل لا کرکھ تھا، روتا ہوا کان افسر کے پاس گیا۔ اور ان کی جاں بخشی کی سفارش کی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی، اور ان معصوم بچوں کو پھانسی دی گئی۔

دیہات میں انگریزوں کی جماعتیں چکر لگاتی تھیں، جو کوئی ملتا تھا اسے کسی درخت پر لٹکا کر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

کانپور میں سڑک پر گھنٹہ گاہا بنانے کا عجیب طریقہ تھا۔ اس ایک قیدی سے کہا اگر تم مجھے تن ایسے آدمیوں کے نام بتا دو جو واجب القتل ہوں تو میں تمہاری جان بخش دلاؤں گا۔ لیکن اس نے ایسے آدمیوں کے نام بتائے جن کے نام سے وہ خود بھی دقت تھا، اس لئے قیدی قتل کیا گیا!

اگرہ اور سہارنپور میں بھی پھانسی کا رواج بڑے زور سے رہتا تھا۔ دیہاتی لوگ گروہ درگروہ گرفتار کر کے لائے جاتے تھے۔ ان میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی، جنہوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہوگا لیکن تمام قیدی فی الفور بغیر کسی تحقیقات کے قتل کر دیئے جاتے تھے۔ دہلی میں ستمبر ۱۸۵۷ء کو فوج کی گئی۔ سر کو لپیڈ بیان کرتی ہو کہ ایک ہفتے کے اندر کان افسر نے چار پانچ سو آدمی بے دریغ کر ڈالے۔ گورنر سپاہی ان خوفناک مناظر میں نہایت دلچسپی لیتے تھے۔ نواب بھکر کو بھی انی دلوں میں پھانسی دی گئی، لوگ کہتے ہیں کہ اسے بڑی دیر کے بعد جان دی۔

ایک دفعہ ایک جہری ستر گارٹن کے پاس سالانہ بیچنے کے لئے آیا۔ ستر گارٹن نے کہا تم بہت زیادہ قیمت مانگتے ہو، میں انہی تمہیں سگات صاحب کے حوالے کر دوں گی۔ وہ اس نام سے ایسا مرعوب ہوا کہ سالانہ وہیں چھڑک بھاگ گیا اور پھر واپس نہ آیا۔

سے ہندوستانی سخت ڈرتے تھے۔ کیونکہ ”جو کوئی اس کی گرفت میں آتا ہے، وہ اسے قتل کر دیتا ہے“

گورنر آرشل لا کسی پرچم نہیں لڑتی تھی۔ جو کوئی گرفتار ہوتا تھا۔ ضروری قتل کر دیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بڑی پھانسی لکڑی کی لگی تھی۔ ۶۱۵ آدمی ہر روز پھانسی دے جاتے تھے۔ انگریز فوجی بڑی متانت سے پاس ٹھہر کر یہ مناظر دیکھتا کرتے!

گورنر جنرل نے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جولائی کے واقعات کے متعلق ایک مفصل رپورٹ لکھی تھی۔ ذیل میں اس کا اقتباس کیا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں لوگ بلا امتیاز پھانسی دے گئے۔ ان میں ایسے آدمی بھی تھے جن کے برخلاف محض شک تھا۔ سیکڑوں دیہات لوگ تھے، اور بعد ازاں چلائے گئے۔ ان خوفناک حرکات سے وہ قویں بھی سخت ناراض ہو گئیں۔ جو حکومت کی دفا دہتیں۔ شمالی ہند میں قتل ہو گیا۔ کیونکہ ایسی اندیشہ نگری میں باقاعدہ کاشت کاری کرنا ناممکن تھا، جو سپاہی رحمت پر گھر آئے تھے یا جو پٹن کے ٹوٹ جانے کے بعد اپنے گھر کو واپس جاسے تھے اور جنہوں نے بغاوت میں مطلقاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی تھی، ان سب کے ساتھ انگریزی فوجیں ہی لوگ کرتی تھیں جو باغیوں سے کیا جاتا تھا۔ گورنر جنرل کے تحت افسر کی ان امورناک حرکات سے ملک میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ گورنر ہندوؤں اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر اب تک لگی ہے“

تجدیدی لکھتا ہے: ”گورنر جنرل پھانسی اور قتل عام کی دھمکیاں چل رہی تھیں۔ جب کھنڈن ستر کیا گیا تو بے شمار آدمی پھانسی پر چڑھا دیئے گئے۔ اس وقت یہ تیسر نہیں کی جاتی تھی کہ آیا قیدی سپاہی ہو یا اودھ کا کسان ہو؟ صرف اتنی بات کافی تھی کہ چڑھایا ہو۔“

آرٹن نے بھی ٹیلیگرام میں ایک مراسلہ بھیجا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے: ”جب ہماری فوج دہلی میں داخل ہوئی۔ تو جو آدمی فیصل کے اندر ملا، اسی جگہ سنگینوں سے مار دیا گیا۔ مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ کئی گھروں میں سے ۴۰۰۔۵۰۰۔۵۰۰ آدمی پکڑے گئے، یہ لوگ باغی نہیں تھے۔ شہر کے باشندے تھے۔ انہیں کانپور اسید تھی کہ انہیں سگات کر دیا جائے گا، لیکن وہ سخت ایس ہوئے“

ہو تیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے: ”بے گناہ آدمی اسے جلتے تھے وہ جان بخشی کے لئے ہاتھ جوڑتے تھے۔ بوڑھے آدمی جو خون اندر کی وجہ سے کانپتے تھے، گاجر مولی کی طرح کاٹے جاتے تھے لیکن انگریزوں کو بھی کافی اشتعال دلایا گیا تھا۔ کیونکہ انکے چند آدمی شہر کی گلی کوچوں میں مارے گئے تھے“

یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ جو بھی ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ لوٹ مار شروع ہو گئی۔ جو ہندوستانی ملتا تھا کوئی سے مار دیا جاتا تھا۔ شراب خانے اور دیگر دکانیں لوٹ لی گئیں اور انگریزوں نے شراب پی کر جہاں کہیں ہندوستانیوں کا مجمع دیکھا، ان پر لوٹ پڑے۔ ایسی حالت میں بیچارے باشندے کیا کرتے؟ کیا وہ انگریز سپاہیوں کو پکڑ کر کان افسر کے پاس لے جاتے؟ لیکن وہاں تو یہ حال تھا کہ کان افسر سے لیکر معمولی سپاہی تک، سب ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے“

ستر آرٹن جو ٹائمر کا نام لکھتا تھا، ۱۴ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھتا ہے: ”کل میں اور ایک افسر ۲۰ سپاہیوں کے شہر میں چکر لگا رہے تھے۔ ہم نے ۱۴ مقتول عورتیں دیکھیں جن کے گھر انکے شہر میں تھے۔ ڈالے تھے، اور انکے اوپر چادریں ڈھانپ دی تھیں۔ ہم نے ایک ہی



مَصْبُوءٌ جَدِيدٌ

غزل ۱۸۵۷

اور ”تصویر کا دوسرا رخ“

(7)

## بلیک ہول اور عید کی قربانی

کو ترجمانِ دُشمن اور ترس کا ڈپٹی کسٹھ تھا، اپنی کتاب "فسادِ پنجاب" سے لکھتا ہے۔ "۲۶ نمبر لیٹن نے ۳۰ جولائی کو لاہور میں بغاوت کر کے اپنے کمانِ افسر کو قتل کیا تھا۔ اس کی پاداش میں تمام سپاہی ترقی کر دیے گئے!"

۳۸ مئی کو ۳۸ ہندوستانی سپاہیوں سے احتیاطاً اسلحے لئے گئے تھے، تقریباً تین ماہ تک ان پر سکھ اور انگریز پہراتے رہے، ۳۰ جولائی کو سخت طوفان باد آیا۔ اور قیدیوں میں غیر معمولی جوش و خروش پائیگا۔ اس آنا میں ایک سپاہی تلوار لے کر باہر آیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو لٹکار کر کہا۔ "آؤ انگریزوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اس نے جانچے ہی کمان انفر کو قتل کر دیا۔ اور تمام فوج طوفان کی اڑ میں بھاگ رہی۔ ان میں سے سیکڑوں سپاہی سبھوں اور انگریزوں کی گولہ باری سے مارے گئے تھے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے دریائے رادھی عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پولیس نے مزاحمت کی۔ کو پراپر سے ان کے قناب میں آیا۔ اسے اپنی کتاب میں ان سپاہیوں کی حالت بیان کی ہو، "دیہات کے لوگ دریائے کنارے باغیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ ان میں سے ایک سو ۵ آدمیوں کو انھوں نے قتل کر دیا اور سیکڑوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ چونکہ ۴۰ میل سفر کر کے آئے تھے۔ اس لئے سخت تھکے ہوئے تھے۔ اور دریا کے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اچار ڈوب گئے۔ باغیوں کی ایک خاصی تعداد دریا عبور کر کے ایک جنگل میں چھپ گئی تھی۔ کو پرا نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دریا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کیا۔

باغیوں کو خیال ہوا، اُن کا کورٹ مارشل کیا جائے گا اور وہ بغیر کسی

۴ لے ڈنڈائے ہوئے تھے۔ کیونکہ سلطان تاجد جہان فتح کر کے واپس ہوئے تھے۔

سلطان کو ہماری آمد کی اطلاع پہلے سے ہو گئی تھی۔ انھوں نے اپنا خاص نمائندہ میرے استقبال کے لئے شہر کے بھاٹک پر بھیجا وہ مجھے اپنے ہمراہ قصر شاہی میں لے گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں سلطان کے حضور پہنچا۔ مگر انھوں نے اس طرح میلا خرم مقدم کیا، اگلا عمر بھر سے میرے دست ہیں۔ جیسا کہ میں نے سفر کی غرض معلوم ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور جزیرۃ العرب کے حالات کی تحقیق میں میری ہر طرح امداد کا وعدہ فرمایا۔

سلطان نے ہنایت فراخ دل سے میری تواضع کی۔ پورا ایک سال میرے قیام کے لئے خالی کر دیا مجھے اجازت دی کہ جب چاہوں ان کی

آخر الذکر کا دل میں تنک کا پہاڑ ہی اور غو باشتند کی ملکیت ہو وہ حکومت کو محصول ادا کئے بغیر تنک نکالتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔ بریدہ کے حاکم مبارک بن میرک، کو ہماری آمد کی خبر مل گئی۔

و تھی۔ اُس نے آبادی سے باہر آکر سلطان کی طرف سے ہمارا خیر مقدم کیا اور وہاں بنایا۔ یہ عالم بھی نہایت خوش اخلاق اور متین ہی۔

بریدہ، ریک کے میدان میں واقع ہو۔ حاصل کی طرح یہاں بھی  
عمارتیں بکھرتی ہیں۔ یہاں بھی زراعت اچھی ہوتی ہو۔ خلیستان بہت  
ہیں۔ اس کی کھجور اگرچہ چھوٹی ہو مگر پر مغز اور شیریں ہوتی ہو۔ لیکن  
اُس میں یہ سخت عیب ہو کہ دیر پھم ہوتی ہو۔ بریدہ، اس تمام علاقے  
کا، جیسے تقسیم کئے ہیں، پایہ تخت ہو۔ وسط نجد میں بریدہ سب سے  
زیادہ متمن جبکہ ہو۔ یہاں شہر کی طرح سہ منزلہ عمارتیں بڑی تعداد  
میں موجود ہیں۔ یہاں کے باشندے نجد میں سب سے زیادہ متمن، دولت  
مند، حجت و چالاک، اور تجارت کے ماہر ہیں۔ یہ لوگ حجاز، شام،  
مصر، بلکہ ہندوستان تک کے بازاروں سے بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں۔  
تجارت نے اُن کے تعلقات، متمن دنیا سے پیدا کر دیے ہیں۔ وہ بہت  
لمنار اور سلیقہ مند ہو گئے ہیں۔ اُن کی زبان بھی غیر نجدیوں کے لئے  
سہل ہو۔ مجھے اُن کے دسترخوان پر شبہ ہوتا تھا کہ یہ مصر یا شام  
کا دسترخوان ہو۔ کیونکہ الوان و اسما کے شہری کھانے موجود ہوتے  
تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ان میں مذہبی تعصب بھی بہت کم ہو گیا ہو۔ حتیٰ  
کہ میں نے انھیں خفیہ متبا کو بھی پیتے دیکھا ہو۔ متبا کو کا نام نجد میں  
”شیتن“ ہو اور اُس کا رکھنا تک جرم ہو۔ سلطان ابن سعود کی حکومت  
میں بریدہ کے بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان بڑے بڑے عہدوں پر فائز  
ہیں۔

بریدہ میں تین دن قیام کر کے ہم نے ریاض، کاٹھ کیا، نجد کے پایہ تخت تک پہنچنے کے لئے یہاں سے دو راستے ہیں: طریقِ دَآدی اور طریقِ سَعوی۔ آخر الذکر زیادہ مختصر ہے۔ اسی آٹنا میں معلوم ہوا کہ فتح حجاز کے بعد سلطان عبدالعزیز پہلی مرتبہ نجد واپس آئے ہیں اور جلد ہی ریاض پہنچنے والے ہیں۔ لہذا ہم نے مختصر راستہ اختیار کیا تاکہ سلطان سے پہلے پہنچ جائیں اور اُن کا شاہی استقبال دیکھ سکیں۔ حجاز میں سفر کے بعدم ایک گاؤں ”الوشجر“ میں پہنچے۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان ۲۶ مئی ۱۹۰۲ء کے جلسہ کے ساتھ آج ہی یہاں سے گزرے ہیں۔ راستے میں کوئی قابلِ ذکر مقام یا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اِلا یہ کہ یہاں کے باشندے ٹڈی کھانے کے بہت دلدادہ ہیں۔ اتنے دلدادہ کہ مجھے حیرت ہو گئی۔ دُنیا ٹڈی سے پناہ مانگتی ہے۔ مگر یہ اُس کی آمد کی دعائیں مانگتے ہیں، اُسے بہت مبارک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ ٹڈی کو خشک کر کے رکھ لیتے ہیں اور دودھ دراز لکڑی میں اپنے دودھوں کو بطور قیمتی تحفے کے بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مقررین نجدی تاجروں کے پاس ٹڈیوں کی پھیلیاں آتی رہتی ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں!

ریاض سے پہلے ہیں کئی آبادیاں ملیں۔ مثلاً: بنجرہ، برہ، درعیہ وغیرہ۔ درعیہ، نجد کا تاریخی شہر ہے۔ یہیں سے خالد بن ولیدؓ نے ظہور کیا۔ یہی نجد کا قدیم پایہ تخت ہے۔ یہی دہایت کا اولین مرکز ہے۔ یہیں نجدیوں اور ابوہریرہؓ پاشا مصری کی فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ شہر کے کھنڈروں میں اب تک مصری توپوں کے نشان موجود ہیں۔ درعیہ سے متصل ایک گاؤں ”عینہ“ ہے۔ یہ بھی بہت تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہیں سے مسئلہ کذاب نے فروغ کیا تھا۔

آٹھویں دن ہم ریاض پہنچ گئے۔ شہر خوب آراستہ تھا۔ ہر طرف  
سڑکوں کے غروب بلند ہوئے تھے۔ تمام مسجد مبارکباد دینے کے

✽ مجلس میں یہ اختلاف سختاً ہوں نیز اپنے افسرین کو حکم دیا کہ مسلمانوں کی جمعہ در تہیب میں سری ہر طرحے در کریں۔

نزاحت کے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر انھیں پولیس اسٹیشن کے ایک کمرے میں بند کیا گیا۔ دوسرے روز سیکھائے لے آئے۔ کوہر کے ہمراہیوں میں مسلمانوں کی بھی کچھ تعداد تھی۔ چونکہ اسے شک تھا کہ شاید وہ بڑے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔ اس لئے انھیں رخصت دے دی گئی تاکہ انہیں جاکر عید الضحیٰ منائیں۔ عید الضحیٰ قربانی کا تہوار ہوتا ہے۔ کوہر بھی ایک خاص تہم کی قربانی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے پولیس اسٹیشن کے قریب ہی ایک خشک کنواں مل گیا۔ دس دس قیدیوں کو اکٹھا باندھا گیا اور باری باری باہر لا کر گولیوں کی بوچھاڑ سے مار دیا گیا۔ جب ۱۵ آدمی اس طرح مارے گئے۔ تو قاتل کرنے والوں میں سے ایک بوڑھا آدمی بے ہوش ہو گیا۔ اس لئے مارنے والی جماعت کو کچھ عرصہ کے لئے آرام دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسی طریقے سے قیدی مارے گئے۔ حتیٰ کہ مقتولین کی تعداد ۲۳ تک پہنچ گئی۔ اتنے میں انہیں کو معلوم ہوا کہ بقیہ باغی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلنا چاہتے۔ جب دروازہ کھولا گیا۔ تو اتفاقاً ایک ہول والے حادثے کا نقشہ سامنے موجود تھا، ۵۴ آدمی خون گریں اور سانس بند ہونے کی وجہ سے ٹوٹ تپ کر مر چکے تھے۔ ان تمام باغیوں کی لاشیں اسی کنوین میں پھینک دی گئیں اور ادھر سے ٹیٹھال دی گئی۔ اس حادثہ کی تاثر زدہ داری کو پر عائد ہوتی ہے۔ جسے تنہا سیکھ فوج کی مذبحے بے شمار مسلمانوں کو ظالمانہ طریقے سے تباہ کیا، اس میں شک نہیں۔ کہ بعد میں اس کی حرکت پر بڑی لعن طعن کی گئی۔ محض زبانی لعن طعن سے کیا ہوتا ہے؟۔ لارنس نے جو پنجاب کے نزدیک (چیف کسٹرز) تھا ایک خط میں اُس کی بڑی تعریف کی ہے۔ لکھتا ہے:

”میں تم کو بھاری کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے اور بھاری پولیس نے بڑی جان بازی دکھلائی۔ گورنٹ بھاری بہت مشکوہ۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان باغیوں کا انجام دوسرا درمیل کے لئے کافی تہیہ ہوگی۔ جو باغی ادھر ادھر منڈلا رہے ہیں انہیں پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ لاڈلن ۲ راکٹ سٹہ۔ لاٹھو لاڈلن کے بعد منگل کی صبح پنجاب کا لٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ اُس نے بھی اسی واقعہ کے متعلق گوتیر کو خط لکھا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ”جو کچھ تم نے کیا۔ بہت اچھا کیا۔ اس نازک وقت میں کسی حیلہ و حجت کی ضرورت نہ تھی۔ جب تک تم زندہ رہو گے، یہ بھلے واسطے

سہ : واقعہ آگزیاتہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہوتا ہے سر جان لادسن کی  
سوانح عمری جلد دوم میں دیکھا جائے (الملال)

صاحبان نے جلسوں اور اخباروں میں ظاہر فرمائیں، میری بے ادبی متا  
زانی جائے اگر عرض کر دوں کہ اسے دیکھ کر میرا جیسا غیر جانبدار آدمی  
بھی اسلام کے متعلق اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکا۔ اور جن لوگوں کے  
دل و دماغ پہلے ہی سے شک اور شبہات سے بھرے ہوئے ہوئے اور  
ہزاروں لاکھوں غیر مسلم ایسے ہی ہیں، ان کے خیالات جیسے کچھ ہوسکتے ہو،  
اُس کا آپ اندازہ فرمائیے۔ اگر فی الحقیقت اسلام کی تعلیم اپنے ماننے  
والوں کے لئے ایسی ہی ہو اور اس کے احکام کا یہی حال ہو تو میری  
تعلیمات مشتبہ ہو جاتی ہیں جو آپ نے میرے دل پر نقش کی ہیں،  
اور اگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے، تو یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ ہزاروں  
لاکھوں آدمی ایک ہی طرح کی بے بنیاد بات پر اکتھے ہو جائیں اور اس  
دور شور سے اس کا اعلان کریں اور اس کا رد نہ کیا جائے۔

اس بیہودہ پیغلیٹ "رنجیلا رسول" پر عدت سے کس کیل رہا  
تھا۔ جب یہ چھاپا گیا تھا تو میں نے بھی دیکھا تھا، اور میں عرض  
کرتا ہوں کہ اسے پڑھ کر میرے دل پر اس کے سوا کوئی اثر نہیں پڑا کہ  
اُس کا لکھنے والا سخت حقیر و ذلیل ہو گیا۔ دُنیا میں کوئی شریف اور  
ثالثۃ النہان خواہ کسی مذہب اور اعتقاد کا ہو لیکن کبھی یہ بات پسند  
نہیں کرے گا کہ دُنیا کے اُن بنیان مذہب کا جن کی تعلیمات نے لاکھوں  
کرودوں انسانوں کو خدا پرستی کی راہ پر لگایا ہے، گندہ لفظوں میں ذکر  
کیا جائے، یا اُن کی زندگی کی نامعقول طریق پرستی اُٹائی جائے۔  
البتہ ایسے نادان اور جاہل آدمی اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ  
رہیں گے۔ جب مسلمان اخبارات نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا، تو  
میں نے انہیں بالکل حق بجانب سمجھا۔ مجھے میرے بعض دوستوں نے  
بتلایا کہ اگر یہ پیغلیٹ ہر حال میں قابلِ اعتراض ہو لیکن یہ خود مسلمانوں  
کے ایک ایسے ہی گندہ پیغلیٹ کے جواب میں لکھا گیا ہو لیکن میں نے کہا  
اگر کسی مسلمان نے لکھا تھا تو ایک بُرائی کی تھی، اور کسی انسان کے بُرائی  
کرنے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے لئے بُری بات ابھی نہیں ہو  
جاسکتی۔

یہاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو طریقہ  
ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمانوں نے اختیار کیا  
اور ایک کے بعد ایک جو باتیں کہیں وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف  
تھیں بلکہ کچھ عجیب طرح کی مذہبی پیشگی ظاہر کرتی ہیں جنہیں کسی طرح بھی  
کسی ٹھیک راستے پر لایا نہیں جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہو کہ  
تمام لیڈر دل اور مولانا صاحبان نے اور جمعیت العلماء نے جس میں پنج  
سومولوی صاحبان کا ہونا بتلایا گیا ہے، فتویٰ جاری کر دیا کہ رنجیلا  
رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ شریعت  
اسلام کا قانون ہی ہے جو کہ جوئی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی اسلام کے  
خلاف کوئی بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے۔ مجھے معاف  
رکھا جائے اگر عرض کر دوں کہ اس بات کے کہنے میں تو کوئی بُرائی کی  
بات نہیں ہے کہ جب کبھی ہماری بنی آئی تھی تو ہم اپنے خلاف ہر زبان  
وراد آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ اگر اسلام کو اس پر فر ہو تو یہ ایسا خیر  
نہیں ہے جو صرت اُسی کے حصے میں آیا ہو۔ جس کسی کو دنیا میں طاقت  
ملی ہو اُس نے لوگوں کو قتل کیا ہو اور تلوار کے زور سے اپنی بہت  
قائم کی ہو۔ اسلام کا خیر تو اس بات میں ہونا چاہئے تھا کہ اُسے انسانوں  
کو سزا دینے کی جگہ چھوڑا ہو، اور قتل کرنے کی جگہ زندگی بخشی ہو۔ جتنا  
نے مجھے پچھلے سال لکھا تھا کہ اسلام کی اصلی اسیرط انسانیت کی  
اسیرط ہو اور یہی فرق اُس میں اور تمام مذاہب میں ہے۔ اُس نے  
ہر گزٹ کو انسانیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ ملک، جماعت، اور وطن  
کی ہنگامہ سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت  
میں کیونکر اسلام کا یہ قانون انسانیت کی اسیرط کے ساتھ ہو سکتا ہو

کہ جہاں کوئی نادان اور جاہل آدمی بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کر  
فوراً اُس کے ہڈیوں کو پٹے کر لئے جائیں۔

آپ یقین فرمائے کہ یہ بات میری اس عقیدت کی جو میں اسلام  
سے رکھتا ہوں اتنی خلاف بھی کہ پہلے تو مجھے اس پر یقین نہیں ہوا  
لیکن اس کے بعد میں نے جب خود جمعیت العلماء اور انجمن خدام دین  
اور مولانا محمد علی صاحب کے فتوے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کے  
سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اسے تسلیم کر لیتا۔

اچھا اگر یہ اسلام کا قانون بھی ہو جب بھی ہندوستان میں اسے  
راج کرنے کا مطالبہ کرنا میں نہیں سمجھتا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر بانی اسلام  
کے لئے مسلمان ایسا قانون چاہیں گے تو دوسرے مذاہب بھی مطالبہ  
کریں گے۔ پھر کیا مسلمان اس سے شغف ہونگے کہ جو مسلمان ہندو،  
پارسیوں، بدھوں، کے بدگوں کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً  
قتل کر ڈالنا چاہئے؟

چند روز اقیقت مجھے اسلام کی کتابوں سے ہو، اسکے مطابق  
میں نے اس قانون کی تحقیق کرنی چاہی۔ مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں  
چلا۔ لیکن رسالہ درمیان کس میں جن مولوی صاحبان نے شہادت  
دی ہے، انھوں نے بتلایا ہے کہ کتاب سارم سلول (انصارم السلول)  
میں ایسا ہی لکھا ہے۔ میں نے یہاں اپنے مسلمان دوستوں سے اس  
کتاب کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ نہیں بتلا سکے۔ بہر حال جمعیت العلماء  
کے فتوے اور مولانا محمد علی صاحب کے اعلان سے تو یہی ثابت  
ہوتا ہے کہ اسلام کا حکم ایسا ہی ہے۔

علاوہ بریں اس معاملہ میں یہ طریق عمل بھی اسلام کے اخلاق  
کا کوئی اچھا اثر ہم لوگوں پر نہیں ڈال سکتا جس شخص نے اسلام کے  
خلاف کچھ لکھا ہو اسے بازاری گالیاں دی جائیں۔ اور ملوں، گتا،  
اور ایسے ہی لفظ کے جائیں جیسے مولانا محمد علی صاحب جیسے ذمہ دار  
لیڈر برابر اپنی تقریروں میں کہتے رہے۔ کیا اُس شخص کو کافی دینے سے  
اُس کی اس بدزبانی اور بے ادبی کا بدلہ لیا جاسکتا ہو جو اُس نے  
بانی اسلام جیسے عظیم الشان انسان کی شان میں کی ہے؟ اگر نہیں تو  
اس طرح کی گالیاں دینے سے خود اپنا اخلاق خراب ہوتا ہے۔ اور  
کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتا۔

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ محض ایک دونادان اور  
بد زبان آدمیوں کے کچھ لکھ دینے پر اس قدر جوش و خروش دکھلایا  
جائے، گویا مسلمانوں کے لئے کوئی بُری مصیبت کی بات پیش آگئی ہو  
حالانکہ خود مسلمان صاحبان تمام غیر مذہب کے خلاف برابر ہر قسم کی  
ابھی بُری باتیں کہتے آئے ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی نہ تو ہندوؤں  
نے اس طرح شور مچایا ہے نہ مسلمانوں نے۔ یقیناً اس طرح کی باتوں  
سے جو منطقی ثابت ہوتی ہو وہ قابلِ تہنیں نہیں ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہو کہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے قائم ہونے  
سے پہلے نہ تو کسی طرح کا تبلیغ کا خیال تھا، اور نہ مذہبی بحث ہوتا  
کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جانب سے ہمیشہ کتابیں ان کے خلاف لکھی  
جاتی تھیں۔ میں نے لاکھوں بار پڑھ کر کتابیں دیکھی جو اس اچھی  
ٹیشن کی وجہ سے چند صاحبوں نے جمع کی ہیں، اور میں آپ کے پاس کتاب  
ہوں کہ ان میں ہندوؤں کے رشوں اور اذیتوں کے خلاف جو  
بے ہودہ باتیں لکھی ہیں وہ اس بیہودگی سے بہت زیادہ ہے جو گندہ لفظ  
رسول لکھنے والے نے دکھلایا ہے۔ یہ کتابیں میں میں میں تیس تیس  
بریں سے ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر فروخت ہوتی ہیں، لیکن کبھی  
ہندوؤں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ان کے لکھنے والوں کے سر قلم کو روک  
جائیں۔ مسلم نہیں جناب دالاک نظر سے یہ کتابیں گزری ہیں یا نہیں  
اگر ایشاد ہوگا تو میں مجبوراً ادل گا۔ ایک کتاب تختہ آئندہ ہے۔ جو

مولوی عبدالصاحب نے لکھی ہو جو دہلی کے بڑے مولوی ہیں۔ اس  
ایک نظم ہو جس کا ٹیپ یہ ہو،  
کمو یہ کون دھرم ہو؟

اس میں ہندوؤں کے رشوں اور اذیتوں کے خلاف اس قدر  
فحش اور گندہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہے کہ کوئی مذہب آدمی اسے  
پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میری ناقص عقل اس بات سے عاجز ہے کہ جب  
خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل دوسروں کے ساتھ ہو تو وہ خود اس قدر  
عدت سے زیادہ شور و غل کیسے مچا سکتے ہیں؟

علاوہ بریں یہ بات بھی بُری عجیب ہے کہ اسلام کے قانون میں  
اپنے مخالفوں کے لئے معافی کی کوئی جگہ نہیں۔ رنجیلا رسول کے  
پبلشر نے صاف لفظوں میں اظہارِ افسوس کر دیا تھا، لیکن مسلمانوں  
کا یہ مطالبہ تھا کہ نہیں اسے قتل کرنا چاہئے!

مجھے میرے دوستوں نے کہا ہے کہ امرت ملک کی جو معلم صاحب  
ہو رہی ہے اور مسلمانوں کے اندھا دھند جوش و خروش کا جو حال  
ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ مصلحت کے خلاف ہو گا کہ جناب کوئی  
بات بھی اپنے ہم مذہبوں کی عام رائے کے خلاف کہیں اس لئے یہ سب  
کچھ آپ دیکھتے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اگر میرے دوستوں کا خیال  
صحیح ہو تو اگرچہ یہ بات میرے لئے بڑے ہی رنج کی ہوگی لیکن میں  
ایسی گستاخی نہیں کر سکتا کہ اس بارے میں زبان کھولوں۔ کم از کم یہی  
کہنے کے اس بارے میں میرے دل کے شکوک دور کر دیجئے کیونکہ ان  
کی وجہ سے مجھے بہت ہی پریشانی ہو رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ  
صاف معلوم ہو جائے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کیا ہیں۔

اگر جناب ترتیب کے ساتھ جواب عنایت کریں گے تو زیادہ بہتر  
ہوگا۔ میں ہنر وار عرض کر دیتا ہوں:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانی اسلام  
کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے اور جس مسلمان  
کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُٹھ کر  
اُڑا دے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر  
کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام قوم چھوڑنے  
شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہوگا، اسکو برا بھلا  
نہ کہیں۔ تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اپنی ہستی سے بچال  
دینا چاہئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کہے تو  
اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب نے  
فرمایا ہے؟

(۴) آپ کے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا  
قانون بنانا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی اُن کے  
اداس پر افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے  
اور اسے جہانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی جی  
لکھتے آئے ہیں اور اس میں رنجیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی  
ہے، کیا وہ بھی اسی طرح سزا کی سزا نہیں ہیں جیسی رنجیلا رسول اور  
رسالہ درمیان ہیں؟

(۷) سو دوسو برس سے جو سیکڑوں عیسائی شری اسلام کے خلاف  
سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور امرت ہزاروں کی تعداد  
میں وہ موجود ہیں، کیوں ان کے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھایا  
گیا جس قدر اس موقع پر دکھلایا گیا ہے؟ (دیکھو کتاب امل)

# مراسلہ

## ایک جواب طلبِ مرسلہ

دلا زار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

### اسلام اور سزا و قتل

مندرجہ ذیل مراسلت پنجاب کے ایک ہندو دوست کی ہے جو وہاں کی ایک مذہبی انجمن کے عہدہ دار ہیں۔ مسئلہ میں انہوں نے مجھ سے خط و کتابت کی اور اپنی طبیعت کی مذہبی بے اطمینانی اور جستجو کے حق حقیقت کا شوق ظاہر کیا تھا۔ جب کبھی کوئی آدمی اس بابے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہے، تو میں ہمیشہ اُسے تقلیدی بندشوں سے آزاد ہونے اور مذہب کے آزادانہ مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہی مشورہ میں نے انھیں بھی دیا۔ اس پر انہوں نے بہت سے سوالات کچھ کر بھیجے جن میں سے بعض سوالات کا تعلق اُن شکوک سے تھا جو نفسِ مذہب اور اُس کی ضرورت سے تعلق رکھتے تھے، اور بعض کا تعلق سبقت اور اسلام سے تھا جو کہ خط و کتابت کے ذریعہ اس طرح کے معاملات انجام نہیں پاسکتے، اس لئے میں نے انھیں لکھا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ آجائیں اور میرے پاس آئیں وہ اُسے اور کچھ عصمتیک یہاں مقیم ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت حد تک اُن کی طبیعت تقلیدی بندشوں سے آزاد ہو چکی ہے، اور آزادی فکر کے ساتھ اُس کے مطالعہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب واپس جانے لگے تو انہوں نے اقرار کیا کہ اُن کی طبیعت کا دوہٹائی اضطراب دور ہو چکا ہے۔ اس کے بعد دقتاً وقتاً وہ مجھ سے خط و کتابت کرتے رہے۔ گذشتہ دسمبر میں گنوہٹی کا گزرس کے موقع پر پھر کلکتہ لئے اور مجھ سے ملے، اور جس اُردو قلبی حالت سابق سے زیادہ ترقی یافتہ پائی۔

اس ہفتہ اُن کی یہ تحریر میرے نام آئی ہے۔ ضرورت نہ تھی کہ اسے الملک میں فوج کیا جاتا ہے۔ لیکن تحریر کے آخر میں اُنہ نے جو کچھ لکھا ہے، اور اس سے اُن کی طبیعت کے جن تاثرات کا چرچا ہے، اُن کے ازالہ کے لئے ضروری ہو گیا کہ یہ خط الملک میں منبج کر دیا جائے، اور الملک ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے۔ اس ہفتہ یہ شائع کر دیا جاتا ہے، لیکن جواب آئندہ ہفتہ لکھ سکوں گا، کیونکہ آج یکایک تہہ جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس تحریر کی ہمت نہیں ہے۔ (اول الکلام)

مدۃ العمر میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آپ نے میری آنکھ پر سے کچھ بھی گئے بہت سے پرے ہٹا دیئے، اور میری دل کو جو پرانا مذہب کی حالت دیکھ کر مذہب کی طرف ہی سے برگشتہ ہو گیا تھا پھر مذہب کی صداقتوں کی راہ پر لگا دیا۔ خصوصاً مذہب اسلام اُس کے بانی کی تعلیم کی حقیقت اپنے مجھ پر روشن کر دی۔ اسی ہی کی میرے خیال میں کوئی انسان بھی جو انصاف اور حق پر سے بالکل محروم نہ ہو گیا ہو اُس کی طرف بے اختیار کھینچے ہو۔ بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم سے کم وہ اُس کی عزت اور احترام کرنے سے تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔

آپ کو معلوم ہو کہ میں دو برس سے بالکل ایک دوسری ہی بات سے مذہبی صداقت کا مطالعہ کر رہا ہوں، لیکن مجھے معاف کیجئے؟ ایک بہت بڑی شکل ہم لوگوں کی ماہ میں یہ ہو کہ آپ جیسے بڑا اسلام کی تعلیم اور اس پرٹ جو ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں تو ہونٹ پی جاتی ہے، تو صرف ہی نہیں کہ نہیں جلتی بلکہ برخلاف اُس کے ایسی ایسی باتیں سامنے آ جاتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند داغ شک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ابھی حال میں پمفلٹ، ”رنگیلا رسول“ پر جو ایسی طنز شروع کیا گیا اور جو جو باتیں بڑے بڑے مسلمان لیڈروں اور مولانا

میں نے اہمیت سے کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں بھیجا کہ میں ارادہ کر چکا تھا راولپنڈی کے معاملات نیشا کر کلکتہ میں حاضری دوں گا۔ لیکن گھر کے بھگڑے ایسے نکل گئے کہ اب تک چھٹکارا نہ ہو سکا۔ شاید کچھ دنوں اور اسی طرح نکل جائیں۔ میں اُن بھی یہ خط لکھ کر جناب کے اوقات میں خلل نہیں ڈالتا اور ساری باتیں اپنی حاضری پر اٹھا رکھتا، لیکن اس طرف ایک معاملہ نے میرے خیالات میں نہایت پریشانی پیدا کر دی ہے اور میں اسکو زیادہ دیر تک روک نہیں سکتا۔ مجھ کو یقین ہے کہ وہ معاملہ میرے ہی لئے نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ ہزاروں انسانوں کے لئے بے دلی اور پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا اس لئے مجھ پر اُس عریضہ لکھ کر جناب کا تھوڑا سادقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آپ اس عریضہ کا جواب، یا اسے چھوڑ کر بطور خود اس معاملہ میں اپنی رائے اخبارات کے صفحوں پر شائع کر دیتے یا الملک ہی میں اقدام فرماتے لیکن اگر ملک میں اس کی اشاعت خلاف مصلحت ہو تو کم سے کم میرے دل کا اضطراب تو دور کریں۔

جناب پر ایک مدت سے میرے دل کا حال پوری طرح روشن ہے۔ میں ہر طرح کے مذہبی اور کیوں نہ کہ انصاف سے الگ ہو کر مذہب عالم میں سچائی اور حقیقت کا متلاشی ہوں، اور مجھے آپ کی ذات مبارک سے اس بابے میں دقتاً وقتاً جو مدد ملی ہے، اس کے لئے

سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اُسے کہا اُنکے قاتل کو اس وقت قتل کر دیا ہے کہ مبادا یہ عورتیں انگریزوں کے قابو میں آجائیں۔ کیونکہ وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر اسی آدمی نے اُنکے شوہروں کی لاشیں دکھائیں۔ جنہوں نے اس فعل کے بعد اپنے آپ کو قتل کر دیا تھا۔ اس شہر نے نادر شاہ کے قتل عام کے بعد ایسے خوفناک مناظر بھی نہیں دیکھے تھے۔ جہنم دہلی تاراج ہوئی، وہ لوگ جو ہمارے خلاف لڑ رہے تھے، شہر سے بھگڑ کر بھاگ گئے تھے۔ صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جنہوں نے فسادات میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن انہوں نے ہو کہ بلا امتیاز قتل کئے گئے۔

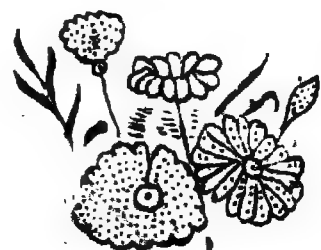
اس وقت ہندو ہنری آف انڈیا نے جو ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب بھیجی تھی، یہ واقعات قطعاً منظرِ انداز کرتے ہیں۔ اسے صرف معمولی طور پر ایک مذہب فوج کے داخلہ شہر کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہی تاریخ نادر شاہ کے قتل عام کی بری سبب تصویر دکھلاتی ہے۔ حالانکہ نادر شاہ کا قتل عام اس غدر کے قتل عام کے مقابلے میں کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ نادر شاہ کا قتل عام صرف چند گھنٹہ رہا تھا، اور یہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

### حادثہ کانپور

بعض انگریز مورخ کہتے ہیں کہ چونکہ باغیوں نے کانپور میں انگریزوں پر ظلم ڈھائے تھے، اس لئے وہ اُن مقام لینے میں حق بجانب تھے۔ میں ذیل میں کانپور کے حادثہ کے متعلق چند واقعات درج کرتا ہوں۔ انکا ناظرین خود اندازہ لگا لیں گے کہ صورت حال کیا تھی۔

سر جانج فارلے نے اپنی کتاب ”ہندوستانی بغاوت“ میں لکھا ہے۔ ”یہ امر بے ثبوت ہے کہ کانپور کے ان سپاہیوں نے جو انگریز قیدیوں کی حراست پر مامور تھے، انھیں قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا، یہ ظالمانہ فعل نانا کے ہمدعا شہر میں سے ایک کچھڑے کی ایسا سے سرزد ہوا تھا۔ اس فعل کی ذمہ داری کسی صورت میں بھی تمام ہندوستانی قوم پر عائد نہیں ہو سکتی۔ جب کوئی انگریز کسی تاریخ میں پڑتا ہے کہ مسز جیمز یا مسز جیننگز کو کسی ہندوستانی نے طعنے لگے یا طعنے لگا دیا۔ تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن دوسری طرف یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ سیکڑوں عورتیں اور بچے انگریز فوجوں کی بدولت اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اگر میں ایک انگریز لیڈی کے خوفناک انجام سے ہمدہی ہے، تو میں یہ بھول نہ جانا چاہئے کہ ہندوستان کے باشندے بھی آخر انسان تھے۔ کانپور کے کنوئیں کا حادثہ کوئی آدمی پسند نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت ہندوستان کے باغیوں کو شکست دے کر کانپور کی طرف بڑھ رہا تھا، اور باغیوں نے جب ہلے قتل و سلب کی شہرت سنی تو انہوں نے بھی اشتعال میں آکر قیدیوں کے ساتھ دلیا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ اُنکے بھائیوں اور بہنوں سے ہو رہا تھا“

ان دنوں یہ عالم انواہ ہمارے لوگوں نے شہر کر رکھی تھی کہ ہندوستانیوں نے انگریز عورتوں کی عصمت دری کی اور پھر انھیں قتل کر دیا، سر جانج کیمبل ان تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور تمام شہوت مومخ اُن کی تائید کرتے ہیں، (مترجمہ محمد علی دیل ایسٹ آباد)





کوڑی کے خلاف آگاہی ہے یہ اخبار اجنبیوں کے پردہ میں اور  
اسی کے اظہار پر مبنی ہے

یہ اخبارات کی باہمی تکرار ہے لیکن اب تک دونوں حکومتیں بالکل ہوش  
ہیں۔ بلکہ دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا یقین دلا رہی ہیں۔ چنانچہ ایرانی  
سفارت کے متقدم زندی خاں نے اخبارات کو حریفانہ بیان دیا ہے۔  
”اخبار آزاد ہیں، جو چاہیں لکھیں۔ ایرانی اخبارات کی طرح ترکی اخبار  
بھی سخت لہجہ اختیار کر لیتے ہیں، اور ان کا لہجہ ایران کی مخالفت پر  
مبنی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس قسم کی باتیں ہرگز دہشت گردی اور اسلامی  
ملکوں کے تعلقات پر اثر نہیں ڈال سکتیں جن کی دوستی مشترک فوائد پر  
استوار ہے“

تقریباً ہی خیال خود ایرانی سفیر نے بھی ظاہر کیا ہے۔ اسے کہا  
”دونوں ملکوں کی دوستی باہم اور دوامی ہے۔ دونوں حکومتیں  
پورے حزم و احتیاط سے تمام مسائل حل کرنے پر کمر بستہ ہیں۔ کوئی حادثہ  
بھی ہم سے تعلقات خراب نہیں کر سکتا“  
امید کی جاتی ہے، جلد یہ معمولی نزاع ختم ہو جائے گی۔

ترکی یا تخت  
غازی مصطفیٰ پاشا کے سفر آستانہ سے بعض حلقوں میں یہ خیال  
پیدا ہو گیا تھا کہ ترکی یا تخت، جلد انگریزوں سے مصطفیٰ میں منتقل ہو جائے  
گا۔ مگر انگریزوں کا نیم سرکاری اخبار ”حاکمیت ملت“ اس کی تردید کرتا  
ہے۔ اسے لکھا ہے:

”جب ہم نے ارادہ کیا کہ ترکی کی اذیت کو تو اس میں خیال  
ہرگز ہمارے سامنے نہ تھا کہ ساتھ ہی غریبوں کی خوشی کا بھی ہمیں سامان  
کرنا چاہیے۔ ہم نے ضرورتاً انگریزوں کو پایہ تخت بنایا تھا۔ وہ ضرورت  
اب تک موجود ہے۔ جب تک ہم امن و امان کے سایہ میں چلنا چاہتے  
حاصل نہ کر لیں، اس وقت تک انگریز ہی کو پایہ تخت دینا چاہیے لہذا  
اس کی تبدیلی کا سوال، اس وقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا“

## کتب شام

(الہلال کے نامہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

### ہائی کشر کا بیان

ادھر دین بنتے سے میں نے کوئی مکتوب آج نہیں لکھا۔ کیونکہ حال  
میں کوئی قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہائی کشر کے لوگوں پر  
مہر سکوت شروع سے لگ گئی تھی، وہ اب تک باقی تھی۔ ہر طرف افواہوں  
کی گرم بازار تھی، مگر حقیقت کا کس پر تہ نہ تھا۔ حکومت جتنا زیادہ  
اہم و اہم خبریں تھی، افواہیں اتنی ہی زیادہ پھیلتی تھیں۔ اکثر لوگوں  
کا رجحان یہ تھا کہ حکومت کچھ نہ کچھ کرنے والی ہو۔ اگر بے نہیں تو ملک  
کے مطالبات کا ایک بڑا حصہ ضرور قبول کرے گی۔ خصوصاً اب جبکہ در  
مجاہدین نے سید ڈال دئے ہیں، حکومت بھی نرم ہو جائے گی اور  
باشندوں کی ضرورت اشک شوقی کرے گی۔

لیکن ان قریب خوردوں کو اگرچہ بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا،  
تاہم وہ دین آہی گیا جب انھیں حقیقت عربوں کے مشاہدے پر مجبور  
ہونا پڑا۔ مدت تک نقادانہ پوش پہنے کے بعد ہائی کشر نے اپنا منہ  
کھولا تو اس میں کمرور کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ درہنہ جہاد ختم ہو گیا  
سے حکومت کی ہمت بلند ہوئی۔ اب اسے کوئی خوف بھی باقی نہ رہا۔  
چنانچہ ہائی کشر نے اپنی پالیسی اور حکمرانہ سلطنت فرانس کی سیاست

موجودہ شام کے بائیں میں طے کر چکی ہے، ظاہر کر دی۔ ہائی کشر کا بیان  
یقیناً تمام مشرق کے لئے جوت دہشت کا ایک سبق ہے۔ اور وہ جب  
ذیل ہے:

”ہائی کشر کو اپنے قیام پر شام کے دوران میں بار بار موقوفہ ملا کہ  
فرانسیسی حکومت اور فرانسیسی پارلیمنٹ کی معاملات خارجہ کی کمیٹی  
کے درجہ شامی صورت حال کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کر دیں خصوصاً  
باشندوں کی وہ امیدیں صفائی کے ساتھ ظاہر کریں جو شام کے مختلف  
حصوں میں دورہ کرنے کے بعد انھیں معلوم ہوئی تھیں۔“

ہائی کشر نے شام میں اپنی واپسی کے بعد مختلف حکومتوں کے  
ذمہ داروں سے بھی بار بار تبادلہ خیال کیا۔ حکمرانہ حکومت کے خیالات  
و مقاصد ان پر ظاہر کئے اور وہ بنیادیں پوری وضاحت سے پیش  
کر دیں جن پر وہ اپنی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بنیادیں  
حب ذیل ہیں:

(۱) معاہدہ حکمرانہ کی دفعہ ایک کی رو سے چونکہ فرانس نے  
اپنے سر پر ذمہ داری لے لی ہے کہ ”شام اور لبنان کے لئے وہ راستہ  
ہموار کرے گا جس پر حل کردہ تبدیلی خود مختار بن سکیں گے“ اور یہ اندر  
خود مختاری کی طرف و حالات کے مطابق ہمت افزائی کرے گا۔ اس  
لئے فرانس مجلس اقوام سے حاصل کی ہوئی اپنی یہ ذمہ داری برابر  
پوری کرتا رہے گا۔ یہاں پر اس ذمہ داری سے دست بردار ہو جانے  
کا ہرگز کوئی سوال پیش نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس ذمہ داری کی حیثیت:  
معاہدہ درسیلر کی دفعہ ۲۲ کی تطبیق، مشرق میں بہت ہی زیادہ  
مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں کی بعض جماعتیں مدت دراز سے  
ترقی کے اس درجہ تک پہنچ گئی ہیں جسے انھیں مشرق قریب کی ترقی  
پذیر قوموں کی صف اول میں ہونا چاہیے۔ حکمرانہ سلطنت نے ہر  
امان برقرار رکھے ہوئے، جو ترقی کی اصلی بنیاد ہے، ان جماعتوں کی  
امیدیں پوری کرنے میں کبھی غفلت نہیں برتی۔ لیکن یہ واقعہ جو کہ  
امیدوں کی تطبیق میں اب تک بکثرت رکاوٹیں حائل ہوتی رہی ہیں  
اور یہ صورت اس وجہ سے کہ ان میں باہم بہت زیادہ تناقض موجود ہے۔  
ان جماعتوں کی امیدیں بر لانا و شام میں فرانسیسی سیاست کی  
ایک بڑی بنیاد ہے۔ حکمرانہ سلطنت اب تک اپنی اس سیاست پر قائم  
ہے اور غرض بالآخر کئے ہوئے ہو کہ ہمیشہ یہ امیدیں پوری کرتی رہے  
گی جب تک وہ دائرہ نظام اور امن و امان میں رہیں اور جب تک  
اقلیات کے حقوق، جن کی معاہدوں نے ضمانت کر دی ہے، اور ملک  
کے عام مصالح کے خلاف نہ ہوں۔

(۳) فرانسیسی سیاست کا دوام اور قانون اساسی۔  
یہ سیاست، جسے سیودی جودنل پوری وضاحت سے معین کیجئے  
ہیں اور جسے حکومت فرانس اور مجلس اقوام نے منظور کر لیا ہے،  
ضرور ہو کہ ملک کے قانون اساسی میں قائم رکھی جائے۔ ہائی کشر  
مضبوطی سے اس سیاست کو برقرار رکھیں گے۔

لیکن یاد ہو کہ قانون اساسی، صرف وہی لوگ بنائیں گے جو  
اسے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہی حکومتیں اسکے  
بنانے میں شریک ہوں گی جو موجودہ نظام کے ماتحت ملک میں قائم  
ہیں۔ اپنی حکومتوں کو حق ہو کہ ملک کے مصالح پر غور کریں، اپنے  
باہمی اختلافات شانے کی سعی کریں، اور مشترک مصالح کے لئے  
باہم معاہدے طے کریں۔ حکمرانہ سلطنت، انہیں ہر ممکن مدد دے  
گی اور ان کے امن و حکم کی حیثیت سے کام کرے گی۔

اگر جدید نظام پر پورے ملک کی رضامندی ضروری سمجھی گئی تو  
اس مقصد کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اگر رضامندی

حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو حکمرانہ سلطنت، اس میں امان کی حفاظت اور  
مستقبل کی درستی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے گی۔

(۴) امن و امان

اب ملک میں ایک مرتبہ پھر امن و امان پوری طرح عام ہو گیا ہے۔  
حکمرانہ سلطنت نے اس راہ میں عظیم کوششیں اور بہت بڑی قربانیاں  
کی ہیں۔ اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ فرانس اس  
دوستی کے برقرار رکھنے کا غیر متزلزل ارادہ رکھتا ہے جو اسے ملک  
شام و لبنان سے ہے۔

ملک کی ترقی کے لئے امن و امان کی موجودگی ضروری ہے۔ اپنی  
سے ہرگز کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ اسے نقصان پہنچتی ہے۔  
یہ ہائی کشر کے بیان کا ضروری حصہ ہے۔ ناظرین خود اندازہ  
کر سکتے ہیں کہ یہ بیان اس درجہ مضبوط اور بے معنی ہے؟ اس کے  
اگر کچھ معنی ہیں تو صرف یہ ہیں کہ فرانس، شام کے مطالبات منطوقہ  
نہیں کرے گا بلکہ اپنی جنگی قوت اسے بدستور احکام و مقہور رکھو گا۔

### فرانس کی بدیتی

شام میں فرانس کی بدیتی کا ایک ثبوت، مذکورہ بالا بیان کے  
علاوہ، یہ ہے کہ اسے شکست خوردہ دروزی مجاہدین کی بے چارگی  
سے فائدہ اٹھانے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ گزشتہ  
ہفتے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جبل دروز کے باشندوں نے ملک  
شام سے اپنی کامل علیحدگی کا مطالبہ کیا ہے۔ نیز وہ چاہتے ہیں کہ  
ان کے علاقے پر حاکم، فرانسیسی ہو جائے۔

ملک کی عام رائے اس موضوع پر بہت بریشان ہوئی،  
کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شام کی سیاسی وحدت اب تک جو  
پر آگاہ ہو چکی ہے، فرانس کی نظریں وہ کافی نہیں ہے۔ فرانس  
ابھی اس بے نصیب ملک کے اور بھی بہت سے ٹکڑے کرنا چاہتا  
ہے۔ جبل دروز کی علیحدگی کے بعد شام، صرف دمشق اور مضافات  
کے علاقے کا نام رہ جائے گا۔

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہو کہ جن دروز سرداروں کی  
طرف یہ مطالبہ منسوب کیا جا رہا ہے، وہ ملک میں نہایت پرول پر  
تھے۔ مثلاً عبدالغفار باشا اطرش، امیر حرن، نجم باشا حلبی، شیخ  
محمد الجری، حمزہ درویش و غیرہ۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس  
پہلے ملک کی سیاسی تقسیم و تجزی کے سخت مخالف تھے۔ بلکہ انہوں  
خویش جامہ ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ موجودہ تقسیم منسوخ کر دی  
جائے، اور ملک میں ایک ہی وحدت سیاسی قائم ہو۔

لیکن بہت جلد حقیقت آشکار ہو گئی۔ عام رائے نے معلوم کر لیا  
کہ یہ چیز بھی فرانس کی بدیتی نے پیدا کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ ہفتوں  
ہائی کشر، دمشق گئے۔ ان کے ساتھ ان کا نفس ناطقہ کرنل لٹو  
بھی تھا۔ یہ شخص اپنی ظلم پسندی اور ملک شام سے دشمنی میں کافی  
شہرت حاصل کر چکا ہے۔ دمشق سے یہ جبل دروز گیا اور وہاں مذکور  
سرداروں کے ذکورہ بالا محضر پر دستخط کرنے کو کہا۔ انھوں نے انکار کیا  
مگر اپنے انھیں اپنی قوت کی زور سے مجبور کر دیا۔

اس واقعہ نے باشندوں کو فرانس سے ادھی زیادہ بڑھ کر دیا ہے

### ایک اور مصیبت

یہ مصائب کیا کم تھیں کہ ملک پر ایک تازہ مصیبت، خود ایک ملکی  
کے ہاتھوں نازل ہو رہی ہے۔ داماد احمد نامی ایک، دمشق کی عارضی  
حکومت کا صدر ہے۔ اسکے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ شام کے  
تحت شاہی پر غریب تنگ ہو گا۔ اس طے میں یہ بالکل فرانس کا  
غلام بن گیا ہے اور بری طرح خادمان قوم کرتا رہا ہے۔ حالانکہ  
یہ ہرگز اسے اخبار الجواب کے اظہار خدایاں آنندی کو دشمن نہیں

یہ ہرگز اسے اخبار الجواب کے اظہار خدایاں آنندی کو دشمن نہیں



تجدد — ۱۱۴۹، ۱۱۵۰ لیو  
 تعمیر — ۲۶، ۱۳۸  
 توسل — ۱۵۱، ۳۵۳  
 معان — ۱۰۲۸، ۴۲۸

ادیرہم نے لکھا جو کہ یہ فیصلہ سب نے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس پر صرف دو حکومتیں متشکی ہیں: سر دیا اور مین۔ سر دیا کی حکومت اسے قبول کرنے سے استعفا کر دیا ہے۔ آٹام کی بھی اس سے استعفا کر دی ہے۔ لیکن ان دونوں کے استعفا سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکا۔

### ترکی اور ایران

مال کا ایک اہم واقعہ، ترکی اور ایران کی کشیدگی ہے۔ جس پر یہ کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض حوادث ایسے پیش آئے، جنہوں نے خطرہ میں سو وطن کی حالت پیدا کر دی۔

تفصیل یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض جرائم پیشہ عناصر قبائل موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ قتل و غارت کے موئے تماشہ کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے ان قبائل میں ایک بہت ہی خطرناک شخص "اسماعیل سمیقو" نامی ظاہر ہوا ہے اور سرحد کی آبادیوں کی زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ موقعہ پا کر لوٹ مار مچا دیتا ہے اور ہاتھوں میں بھاگ جاتا ہے۔ ترکی حکومت بہت دن سے اس کی تاک میں تھی۔ مگر حال میں مجرموں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا، تو اس سے فائدہ اٹھا کر اس نے حکومت کو اطلاع دی کہ آپ اس نے اپنے قدیم جرائم سے توبہ کر لی ہے اور آئندہ برائیاں نہ کریں گے۔ حکومت نے اس کی بات پر یقین کیا اور معافی دیدی۔ چنانچہ وہ آزادی سے ترکی حدود میں زندگی بسر کرنے لگا۔

لیکن گزشتہ مہینوں میں اس نے پھر گھبراہٹ مچائی اور اپنی قدیم جرائم زندگی اختیار کر لی۔ وہ ایرانی سرحدوں میں داخل ہو گیا اور قریب آبادیوں میں غارت گری شروع کر دی۔

اصلی واقعہ صرف اسی قدر ہے۔ لیکن ایرانی اخبارات نے اسے دوسری نظر سے دیکھا اور اس قزاق کی حرکتوں کا ذمہ دار، ترکی کو قرار دیا۔ چنانچہ طرآن کا نیم سرکاری اخبار "ایران" اس واقعہ پر اس طرح خامہ فرسائی کرتا ہے:

"سرحدی قبائل کی کون بہت افزائی کر رہا ہے؟ انہیں کون پتہ تقسیم کرتا ہے؟ ان کے ذریعہ ایران میں کون بدامنی پھیلا رہا ہے؟ ایرانی ان سوالوں کا صاف جواب چاہتے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ترکی اس بارے میں کیا تدابیر اختیار کرنے والی ہے؟ ایران اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے بھی کرنے پر کمر بستہ ہے۔"

اخبار "شفق سرخ" لکھتا ہے

"سرحد کے ترک افسر ایرانی علاقوں میں خلاف توقع سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، سرخ ٹوپی کی بیٹی سے تبدیلی، یہ باتیں ظاہر ہیں کہ کئی ہی دشمن خدائی کی باتیں نظر آتیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ قوموں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتیں۔ نوجوان ترکی، بڑھاپا ترکی ہی کی طرح ہے۔ بڑھاپا ترکی ہمیشہ ایران سے بے فائدہ دست بگریباں رہی۔ اب نوجوان ترکی بھی اپنی اسی موروثی سیاست پر واپس آ رہی ہے اور ایران سے چھڑ چھاڑ شروع کر دی ہے۔"

اسی لے لے لے میں تقریباً تمام ایرانی اخبارات نے اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ترکی اخبارات کا لہجہ بھی کچھ کم سخت نہیں ہے۔ چنانچہ اخبار "جمہوریت" لکھتا ہے:

"ہم جانتے ہیں ایران میں قسح اخبار موجود نہیں ہیں۔ ان کی آواز کوئی قوت و وزن نہیں رکھتی۔ ضرور ہمیں اطمینان دینا چاہیے۔"

## مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ بنگار قیام قسطنطنیہ کے قلم سے)

شاہ مصر کا سفر انگلستان۔ ترکی قرضے کا تصفیہ۔ ترکی اور ایران۔ ترکی اپنے تخت

بیدار ہو گیا ہے، اور غاصب یورپ سے اپنے حقوق واپس لینے پر تیار ہے۔  
 ترکی قرضے کا تصفیہ

مردم سلطنت عثمانیہ نے یورپ سے بہت سے قرضے لئے کئے تھے۔ انہی قرضوں نے بالآخر اس کے دروازے یورپ میں مداخلت کے لئے کھول دیئے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر سلطنت عثمانیہ اپنے اکثر مقروضات سے محروم ہو گئی۔ اب یہ مشکل پیش آئی کہ یہ قرضے اس سے کیوں کر واپس کئے جائیں؟ اکثر قرضوں میں انہی مقروضات کی آمدنی دین تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ باوجود اپنے مالک سے محروم ہوجانے کے، یہ تمام قرضے اسی دیوالیہ سلطنت سے وصول کرے۔ مگر یہ عملاً ناممکن تھا۔ کیونکہ اس کی آمدنی یہ بارگراں اٹھا نہیں سکتی تھی۔ اسی زمانے میں قومی حکومت نے اناطولیہ میں نکل کر اس کے یورپ کے سامنے جھکے سو اٹھارہ کر دیا۔ اسی کا نتیجہ معاہدہ سیدری کے بعد معاہدہ لوزان ہوا۔ اگر قرضے کی گنتی اس معاہدے سے بھی سلجھ نہ سکی۔ اب گزشتہ نصف سالہ سال کی دودھ در کے بعد ایک فیصلہ ہوا ہے اور سب نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اس فیصلہ کی دو دھنیں بہت اہم ہیں: ایک یہ کہ ترکی اپنے قرضہ کی نصف مقدار سونے کے سکے کی شکل میں ادا کرے، اور باقی نصف کاغذ کے سکے کی صورت میں۔ دوسری یہ کہ ترکی کا تمام قدیم قرضہ ان تمام مالک پر تقسیم کر دیا جائے جو قرضہ لیتے وقت اس کے قبضہ میں تھے۔ صرف ایک حصہ ترکی کے لئے باقی ہے۔

یہ فیصلہ یقیناً منصفانہ ہے۔ جنگ کے اہتمام پر ترکی کے ذمہ یورپ کا قرضہ ۶۹۲،۸۴،۶۱۱ لیرہ (ترکی پونڈ) تھا۔ اب جدید لیرہ کی نو سے اس کی قیمت اس طرح عمل میں آئی ہے:

ترکی	۸،۴۵،۹۴،۴۹۵
یونان	۱،۱۱،۵۲،۴۵۳
شام	۱،۰۸،۱۸۸،۴۵۹
سیریا	۵۴،۳۵،۵۴۹
عراق	۵۲۰،۱۴۱،۴۸۹
فلسطین	۳۲،۸۴،۴۲۹
بلغاریہ	۱۴،۱۶،۳۵۴
البانیا	۱۶،۳۳،۲۳۳
مجار	۱۳،۹۹،۵۱۸
ہین	۱۱،۸۲،۱۰۴
شرق آرمین	۷،۳۳،۹۱۰
آرمی	۲،۴۴،۲۰۰

### شاہ مصر کا سفر انگلستان

ترکی اخبارات، شاہ مصر کے سفر انگلستان کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور اسے نہ صرف مصر کے تمام مشرقی مالک کے لئے اخلاقی حیثیت سے مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موقر اخبار "وقت" یوں اظہار خیال کرتا ہے: "شاہ مصر کی یہ سیاحت ایک نہایت سچیدہ سیاسی مسئلہ کے حل کے لئے آخری قدم ہے۔ اب سے پہلے مصر کے سب سے بڑے اہم ترین سیاست مثلاً سزا پاشا زغلول اور عدلی پاشا کین نے سر توڑ کوشش کیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب خود شاہ مصر اپنے ذریعہ علم کے ساتھ انگلستان روانہ ہوئے ہیں تاکہ مسئلہ مصر، جو ۵۴ برس سے لاپتہ ہو رہا ہے، قطعی طور پر حل ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس آخری کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر اب بھی یہ مسئلہ حل نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے، وہ آئندہ کبھی معاہدے سے حل نہ ہوگا، اس کا فیصلہ صرف قوت و تشدد ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔"

"مشرق میں انگریزوں نے صریح جبر و ظلم سے مصر پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان بچانے کے لئے برطانیہ کو مصر کی ضرورت تھی، جیسا کہ اس مقصد کے لئے اسے دنیا کے ہر ملک پر قبضہ کی ضرورت تھی۔ برطانیہ کا غم مصر تھا کہ مصر کو بالکل ہضم کر جائے۔ چنانچہ جنگ عظیم کے موقع پر اس کے الحاق کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر اس سے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ نہ ہر اقدار کی طرح بھی ہضم نہیں کیا جاسکتا۔ مصر، اگرچہ لالام ہو بہت سی قوموں نے اسے ہضم کرنا چاہا، مگر جس نے بھی اسے چٹکنے کی جرأت کی، خود فنا ہو گیا۔ چنانچہ چند ہی سال بعد انگلستان ہی یہ لقمہ لگنے پر مجبور ہوا اور مصر کے الحاق سے دست بردار ہو جانا پڑا۔"

"شاہ مصر کی سیاحت نے یورپ کے سامنے صرف یہی ثبوت پیش نہیں کیا کہ مصر اپنی آزادی پر مصر ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ یورپ مشرق میں استقلال و حریت کی ایک ناقابل مقاومت تحریک عام ہو گئی ہے۔ شاہ مصر نے صاف طور پر بتا دیا کہ اب مشرق، وہ مشرق نہیں ہے جو کبھی غفلت و قناعت اور تن پروری کا مرکز تھا۔ اب وہ

بقیہ مضمون ص ۱۹

کیا میں امید رکھوں کہ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر اسی آغاز میں جیسا تفصیل و بحث کے ساتھ ہمیشہ اپنے لکھا ہے ان امور پر روشنی ڈالیں گے اور مجھ پر حیران فرمائیں گے.....

# ان تمام صحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں،  
پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح  
کے پرانے صنعتی عجائب و نوادہ اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے  
کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور دفاتر کی فرسٹیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل  
دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نواد عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و سوائے کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔  
دنیا کے تمام قدیم تمدن مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،  
ترکستان، چین، وغیرہ مالک ہیں ہمارے ایکٹ ہیشگردش کرتے رہتے ہیں۔

بایں ہمہ

قیمتیں نجیب انگیز عمدتاً امداد ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل  
کرتے رہتے ہیں۔ قارئین کے لئے ایوان شہی کے نوادہ بھی قابل ہیں ہم نے فراموش نہیں

اگر آپ کے پاس نوادہ موجود ہوں

تو

آپ فرحت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے خط و کتابت کیجئے بہت  
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

برید فزناک

مکتوب امریکہ

(اہلال کے مقابلہ بخار مقیم واشینگٹن کے قلم سے)

ایک نئی تحریک۔ امریکہ کی دولت۔

## ایک نئی تحریک

اپنے دو پچھلے مکتوبوں میں امریکہ کی سنیو انی زندگی اور تحریک الحاد کی مقبولیت پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اپنی دونوں موضوعوں سے متعلق آج ایک تیسری بحث پیش کرتا ہوں۔ اس بحث نے پورے شمالی امریکہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہو۔ فی الحال اس بحث سے زیادہ اہم اور مقبول عام و خاص کوئی دوسری بحث یہاں نہیں ہے۔ ہر طرف اسی کا جوا ہے اور ہر جگہ اُسی رگم تھریں مود رہی ہیں۔

بحث یہ ہے کہ اگر ہم میں شادی کا موجودہ طریقہ مضرب ہے۔ مرد اور عورت دونوں کی خالص زندگی مکمل کرنے والا ہے۔ لہذا اُسے بدل دینا چاہئے۔

آمریک میں بھی شادی کا طریقہ وہی ہو جو دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں رائج ہو۔ یعنی مرد و عورت، عقد کر کے زندگی بھر ساتھ رہنے کے پابند ہو جائیں گے۔ نئی تحریک اسی پابندی کے خلاف شروع ہوئی ہے۔ اُس کی نشانی یہ ہو کہ شادی کے دو دور یا درجے کر دئے جائیں: ایک تجربی۔ دوسرا دائمی۔ تجربی سے مقصود یہ ہو کہ مرد اور عورت اگرچہ باضابطہ عقد کریں گے، مگر یہ عقد، معلق و مشروط ہوگا۔ اگر ساتھ رہ کر اُنھیں تجربہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ عقد اُن کی زندگی کو بُرست نہیں بنا سکتا تو اُنھیں حق ہوگا کہ فوراً جدا ہو جائیں۔ لیکن اگر تجربے سے ثابت ہو کہ وہ ساتھ خوش رہ سکتے ہیں تو اپنے دائمی عقد کا اعلان کر دیں۔

اس تحریک کا سرگرم، مٹر لٹری ہو۔ یہ ایک عدالت کا جج  
ہو اور بیجا دلائل کے مقدمے فیصلہ کیا کرنا ہو۔ اسے اپنی تحریک  
کا نام "عقد رفاقت" رکھا ہو۔ خود اس کے اپنے لفظوں میں تحریک  
کی غرض یہ ہو کہ "مرد اور عورت باہم ساتھ رہنے کا سمجھ تو کریں، مگر اس  
عہد کے ساتھ کہ ایک سال تک نسل پیدا ہونے دیں گے۔ باوجود  
یک جا رہنے کے بعد اگر وہ دیکھیں کہ ان کی طبیعتیں باہم متفق ہو سکتی  
ہیں تو اپنے اس تجربی عقد کو دائمی عقد کی صورت میں تبدیل کر دیں  
ورنہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں"

مشرقی لٹری نے ایک اخبار کے نمائندے سے بیان کیا:

”میں برس سے میں عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہوں۔ اس طویل تجربے نے مجھے یقین دلادیا ہے کہ سگراج کا موجودہ نظام، ناقص اور سخت معزول کا موجب ہے۔ لہذا میں نے تجزیہ سگراج کی تجزیہ سگراج بہرے خیال میں مگر دنیا اس تجزیہ پر عمل کرے تو ان تمام مصائب سے نجات پا جائے گی جو عقد کے موجودہ طریقے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں۔ تجزیہ سگراج یقیناً دنیا کو مسرت و سعادت بخشنے کا اور انسان

کی خانگی زندگی، قابل رشک بنامے گا۔

تجربہ کی عقد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرد اور عورت سال کے خاتمہ پر اگر دائمی عقد کے طالب ہوں تو انھیں حکومت کے سامنے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ باہم محبت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا طبی معائنہ ہوگا۔ اگر اس معائنہ میں بھی وہ کامیاب ہو گئے تو ان کی درخواست منظور کر لی جائے گی، ورنہ انھیں جبراً حلالہ کا حکم ملے گا۔

یہ ہمہ تحریک کا خلاصہ۔ لیکن اسنے تمام ملک میں ایک ہلچل مچا دی ہو۔ روشن خیال طبقہ عام طور پر تحریک کی حمایت کر رہا ہو۔ مگر مذہبی پیشوا اور اُنکے متبعین اس کے سخت خلاف ہیں۔ اسے کفر و لجاجت قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ تحریک مقبول ہو جائے گی تو سیت اور کینیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مسیحی ہیئت اجتماعِ بدھ برہم ہو جائے گی۔ فسق و فجور کے بند (۴) دروازے کھُل جائیں گے۔ غرض کہ وہ اسے شیطانی تحریک قرار دے رہے ہیں۔ دیکھا چاہئے اس نظر پر جنگ میں کون فریقِ فتح بابِ موت ہو گا؟

## آمریکہ کی دولت

دولیات متحدہ امریکہ کی دولت و قدرت کے افسانے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ واقعی جس قدر خزانے اس ملک میں موجود ہیں، اتنے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ اس وقت میرے سامنے ایک امریکن سالہ کھلا رکھا ہے۔ اسے اسی معاملہ پر بحث کی ہے۔  
وہ لکھتا ہے:

”جس کے پاس تین چار کروڑ ڈالرجع ہیں، وہ اسوقت امریکہ میں ”دولتمند خیال نہیں کیا جاتا۔ کروڑیتی، اب امریکہ میں کسی شہر قطار میں نہیں ہیں۔ اب شہار صرف ”قارونیں“ کا ہوتا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ حکومت نے امریکی قوم کی انفرادی دولت کے اعداد شمار شائع کئے۔ اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ امریکہ میں ایک سے بہت زیادہ آدمی ایسے موجود ہیں جن کی دولت ایک ہزار ملین ڈالر یعنی ۲۰ کروڑ روپے سے بھی زیادہ ہے۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۲۵ء میں جن آدمیوں کی دولت ایک ملین ڈالر سے زیادہ تھی، ان کی تعداد ۲۰۷ ہے لیکن گمان غالب ہے کہ یہ شمار ناقص ہے۔ لوگ، آمدنی کے محصول کو بچنے کے لئے اپنی اصلی آمدنی چھپاتے ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ سلاسل میں ایسے دولتمندوں کی تعداد ۲۰۶ تھی۔ کسی طرح خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ۹ سال کی طویل مدت میں، جبکہ دولت کے در و دانے ہر طرف سے آ کر یک پر کھل گئے تھے، ایسے دولتمندوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا ہو۔

ذیل کے نقشہ سے امریکہ کی دولت مندی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا

۲۳	دو تین تک سالانہ آمدنی کے مالک
۳۳	دو تین تک سالانہ آمدنی کے مالک
۲۹	تین تین تک " "
۱۵	پہلین تک " "
۹	۵ تین تک " "
۷	۵ تین سے زیادہ " "

P. 2

لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ نقشہ ناقص ہے۔ تاہم ملین ڈالر سے زیادہ آمدنی کے ملکوں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی ایک کروڑ پونڈ سالانہ سے بھی زیادہ ہے۔ سرکاری ردداد میں ان کے تلم شامل ہوئے ہیں۔ انہی میں مسٹر نور ڈاؤن کا بیٹا، مسٹر ملین مکی ڈیر مال، اُن کا بھائی، مسٹر ہونی، مسٹر نیڈیلٹ، مسٹر سیکر وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک قابلِ ذِکرات یہ بھی ہو کہ امریکہ میں، دوسرے ملکوں کے برخلاف یہ صورت حال نہیں ہو کہ امیروں کی دولت برابر بڑھتی جاوے اور غریبوں کی غربت روز بروز زیادہ ہوتی جائے۔ بلکہ واقعہ یہ ہو کہ امیروں کی دولت بہت آہستہ آہستہ بڑھتی ہو، لیکن غریب جلد از جلد امیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا دو دعوے معلوم ہوتا ہو کہ معمولی آمدنی رکھنے والے (یعنی جو لوگ آمدنی کا حصول ادا کرتے ہیں) سالانہ ۵ ہزار ڈالر تک زیادہ کماتے ہیں۔

دودا کے ایک دوسرے نقشے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۵ء میں حکومت نے حنبلیہ تحصیل و ضلع کو:

**اُجرتِ درختخواہ یا نے والوں سے:** .....،.....،.....،.....،.....

تجارتی کمپنیوں سے: ۹۶۰۰۰۰۰۰۰

حقوق طباعت خریدہ شدہ الی کمپنیوں سے: ۱۸۶۵-۱۸۷۰ء

سود خوار ہا جنوں سے: ۴۸,۵۰,۰۰,۰۰۰ //

آمریکہ کی دولتمندی کے راگ گانے والوں کے بالمقابل علماء اقتصادیات کلامیک گردہ ایسا بھی موجود ہے جو اس دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اُس کی رائے میں امریکہ کی دولت کسی یا زیادہ بنیاد پر قائم نہیں ہے۔ وہ اپنی دلیل میں پچھلے دس گیارہ سال کے علماء و شمار سے پیش کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں دولت مند کی تعداد نہایت غیر مناسب تعداد میں گھٹتی چلتی رہی ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ملک کی دولت کوئی مستحکم بنیاد نہیں رکھتی۔ وہ اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:

۶۰	۱۹۱۴
۲۰۶	۱۹۱۶
۲۱	۱۹۲۰
۷۵	۱۹۲۴
۲-۷	۱۹۲۵



# گراں

علم و کتب کی دست اور دست طلب کی کوتاہی ہو گھرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقلد کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W.1.**

جو  
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور اُن کے کتب خانہ قصر کے لکڑیوں میں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ

بچوں کے لکڑی ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سو قلمی اور ترسے سے ایلوشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے ہیل

ہر چھپا ہوا کتبے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے



یاد رکھئے

## موسم گرما کا نیا تجربہ

صرف ہمدرد دوا خانہ ملے گا

## شریت روح فستز (جرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم باسکی ہرگز لا تقرب مذہب ہم ہر دلعزیزی و خیر مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بہ (جریس) سے محفوظ رکھ کر تمام ہندوستان کے واسطے بطور بھی کرایا گیا ہے۔

محرم ناظرین! آپ میں جو محاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے تعارف کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل پیچیدہ شفا دہ خیر دہی اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان میں جو مسیح بر اعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے غلات نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں غش ذائقہ و لذت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ درجہ کے فوائدات مثل انگور، سیب، رنگرہ و غیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانتانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور جھڑپ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سرد و دران سردی و غیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عمدہ اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جہاں استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و لہریب اور پکینگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اور اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خیر دہی کو اب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مد نظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بوتل دیکھ کر اس کا استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا آمیزہ افزا نمود ہے اور جس کی ہر چیز ویسی ہی ہے۔ خوش ہو گئے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (دو) حکیموں اور عطارد کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں دو آنے فی بوتل پیش کیا جائیگا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی فحلت ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا متا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دوا خانہ کا خوشنالیبل اور ہر لفظ جرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دوا خانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دوا خانہ دہلی ہی بک سکتا ہے۔ "فہرست و مطلقانہ معہ خبری مسئلہ" کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔

پتہ - ہمدرد دوا خانہ دہلی - - - - - تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ کو

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

د (ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائیڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوائیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کرے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکیں جن کی ایک سیاحت کو

قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ گائیڈ بوک برطانیہ

The Dandup Guide to Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک شال میں مل سکتی ہے

لَا تُفَرِّقُوا بَيْنَ الْفُقَرَاءِ وَالْغَنَىٰ وَالْغَنَىٰ وَالْفُقَرَاءِ

# الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

نمبر ۱۴ : جمعہ ۱۹ - ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 16, September 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرن کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی میں اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقاضا ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۱۲۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

۲۹۹	اردو حروف کی حق میں	۱۹۷	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ		موجودہ مشترک طباعت کی حق میں
۱۰۵	نستعلیق ہوں	۲۱۵	پتھر کی چھپائی کی حق میں

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کرینگے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

## کلماتِ ختمِ سعیدِ شازِ غلو

جلا وطنی میں قوم سے خطاب  
 انہوں نے ہیں ملک بے نکالا، گرم نے ہیں اپنے دلوں میں جگہ  
 دی! انہوں نے ہیں گناہ کر دیا چاہا، گرم نے ہمارا نام اپنے منہ قلیہ  
 نقش کر لیا! انہوں نے اپنی قوت سے ہمیں براگندہ کر دیا چاہا، گرم اور بھی زیا  
 باہم جڑ گئے! انہوں نے تشدد سے ہمیں ذلیل کرنا چاہا، گرم اور زیادہ موزن گئے  
 انہوں نے طرح طرح کے حیلوں سے ہمیں گرا کرنا چاہا، گرم گرا  
 نہ ہوئے۔ ان کے فریب نے ہمیں اور زیادہ راہ ہدایت دکھادی!  
 اس طرح خدا نے انہیں رسوا کیا، اور ہمیں سرخرو دل بخشا!  
 امن علم  
 امن عالم اگر چاہتے ہو، تو دوسروں کا حق نہ چھینو۔  
 آزادی

آزادی، میرا پیشی حق ہو، عطیہ کے طور پر اسے قبول نہیں  
 کر سکتا۔ آزادی، میری اپنی پشتینی ملکیت ہو کسی کو حق نہیں کہ میری  
 ہی ملکیت مجھے عطیہ کے طور پر دے۔  
 عورتوں کی تربیت  
 قوی ترقی کے لئے عورتوں کی تربیت، اولین شرط ہو۔

حق  
 حق کی طرف لوٹنا بھی معیوب نہیں۔  
 حق، قوت، قوم، حکومت  
 حق، قوت سے بالا ہو۔ قوم، حکومت سب بزر ہو۔

ہر جرح کرتے ہیں، مگر جب ہم ممانعت کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو  
 لہتے ہیں "تم سنا د کرتے ہو!"

علم، اخلاق  
 ہمیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں، زیادہ اخلاق کی ضرورت ہے۔  
 بااخلاقی کا قانون  
 جس قانون کی بنا، بد اخلاقی پر ہو، وہ باطل قانون ہو۔  
 آزادی کا استعمال  
 ہم آزادی سے محبت رکھتے ہیں، مگر اس سے بھی زیادہ ہم اس کو صحیح  
 استعمال سے محبت کرتے ہیں۔

مقصد کی کامیابی  
 مقصد کی کامیابی کے لئے مزدوری ہو کہ ہم جد جہد کریں، اور اگر فو  
 جو توڑ بھی سکیں!

خون یا محبت؟  
 میں چاہتا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کریں، نہ کہ مجھ سے ڈریں۔

## جامعُ الشواہد

طبع ثنائی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی  
 تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا  
 یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے  
 لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری  
 نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز  
 مذہب، ملت تمام نوعِ انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے مدرسہ اسلامیہ  
 رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب  
 مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہو۔

قیمت بارہ آنے۔ غیر الملل کلکتہ



**ایک نام نہاد و سچی تم کے ہمارا چاہیں تو**  
**نئی لا جو ب لاہور**

کامطالعہ کیں اس کے مستقل جنیدوں کو چھپو منوں کی  
 انعامی کتابیں مفت دی جاتی ہیں انعامی کتابوں کی فہرست  
 اور نمونہ سالانہ آواز کے کٹ بھیج کر طلب کریں

**میں جو انتخاب لا جو ب لاہور**



## کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا کا بہترین فائنٹن قلم  
 امریکن کارخشا "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت  
 یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں  
 ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی بھر  
 دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سٹخ اور سنہری  
 بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم دنیا

میں کوئی نہیں  
 کم از کم تجھے کچھ  
 یاد رکھو

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو  
 "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہیو!



عورتوں کی انجمن نے اس تجویز پر دو اہم اعتراض کیے ہیں : ایک یہ کہ اس معاملہ پر غور کرتے وقت عورتوں سے رائے نہیں لی گئی - دوسرے یہ کہ فرانسیسی عورت اینک اپنے سیاسی حقوق سے محروم ہے - چنانچہ اسے مجلس حکومت ، بلدیہ ، اور مجلس ضلع ، وغیرہ نمائندہ مجلسوں میں انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ہے -

عورتوں کی مشہور زیم میڈم میز نے اخبارات میں احتجاجی مضمون شائع کیا ہے - وہ لکھتی ہے :

فرانسیسی عورت ، وطن مقدس کی خدمت سے جی نہیں چراتی - لیکن جبکہ اسے مردوں کے برابر حقوق دینے سے انکار کیا جاتا ہے تو اس پر مردوں سے زیادہ بوجھ ڈالنا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے ؟ فرانسیسی عورت اگر اور کوئی خدمت انجام نہ بھی دے ، جب بھی اسکی یہ خدمت کیا کم ہے کہ وہ وطن کے لیے مجاہد پیدا کرتی ہے ؟ اسکی یہی ایک خدمت اور اس خدمت کی شدید تکلیفیں اسے مردوں کے ہم پلہ کر دیتی ہیں - پھر فوجی خدمت کا ایک نیا بوجھ اسے سرپر دال کر اسے مصائب میں کیوں اضافہ کیا جاتا ہے ؟

نیز یہی خاتون لکھتی ہے :

”عورتوں سے فوجی خدمت لیکر حکومت فرانس ، ملک کو ساری دنیا میں بدنام کرنا چاہتی ہے - اس وقت جبکہ تمام سلطنتیں جنگی طیارے کم کرنے پر غور کر رہی ہیں ، ہماری حکومت ایک نئی طیارے کا اضافہ کرنے پر تلی ہوئی ہے - حکومت کی یہ تجویز لندن اور ہیگ کے معاہدوں کے بالکل خلاف ہے - ہم ہرگز قبول نہیں کر سکتے کہ ہمارا ملک فوجی چھاؤنی بن جائے“

(عورتوں کے سیاسی حقوق)

حکومت فرانس کی اس تجویز نے عورتوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا ایک نیا رولہ پیدا کر دیا ہے - انہوں نے باضابطہ کوشش شروع کر دی ہے - تمام سیاسی پارٹیوں سے انہوں نے درخواست کی ہے کہ حق انتخاب ہمیں بھی دیا جائے ، ورنہ ہم تمام ملک میں شورش برپا کر دیں گے -

فرانس کی عورتوں کا سب سے بڑا استدلال دوسرے ملکوں کی حالت سے ہے - وہ کہتی ہیں ، دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں عورتوں کو حق انتخاب حاصل ہو گیا ہے - پھر ایک اکیلے فرانس کی عورتیں اس سے کیوں محروم ہیں ؟ حالانکہ سب سے پہلے فرانس ہی نے جمہوریت کا علم بلند کیا تھا -

عورتوں کی یہ حجت قوی ہے - کیونکہ واقعی اکثر متمدن ملکوں میں عورتوں کو انتخاب میں شرکت کا حق حاصل ہو گیا ہے - چنانچہ ڈنمارک میں یہ حق سنہ ۱۹۱۵ء میں حاصل ہوا - روس میں سنہ ۱۹۱۷ء میں - پولینڈ ، یوکرین ، استونیا ، لٹھونیا ، ایرلینڈ اور برطانیہ میں سنہ ۱۹۱۸ء میں - برطانوی قانون کے الفاظ یہ ہیں ”تمام سیاسی حقوق ہر اس عورت کو حاصل ہیں جو تیس سال کی عمر رکھتی ہے ، شادی شدہ ہے ، یا اپنے نام سے کرایہ مکان ادا کرتی ہے ، یا یونیورسٹی کی سند رکھتی ہے“ سوئڈن ، ناروے ، آسٹریا ، زیکوسلاویا ، ہنگری ، اور جرمنی کی عورتوں کو یہ حق سنہ ۱۹۱۹ء میں حاصل ہوا - اہل بلجیم ، نرسوال ، آسٹریلیا ، نیوزی لینڈ ، اور ولایت متحدہ امریکا کو سنہ ۱۹۲۰ء میں -

ظاہر ہے اس صورت میں فرانس کی عورتیں اپنی محرومی پر کیونکر صبر کر سکتی ہیں ؟

یہ بات نہیں ہے کہ انگلستان کی نیش زنی کے مقابلہ میں فرانس خالی بیٹھا شکوے شکایت ہی کر رہا ہو - اس سیاسی جنگ میں وہ بھی اپنی تمام قوت و قابلیت صرف کر رہا ہے - بلاشبہ اس وقت یورپ میں اسے بڑی حد تک شکست اٹھانی پڑی ہے - لیکن اسے اس شکست کا بدلہ انگلستان سے مشرق قریب و بعید میں لے لیا ہے - ترکی کی طرفداری کر کے اس نے برطانیہ کو سخت نقصان پہنچایا ہے - اور اب چین میں بھی برطانیہ سے مختلف روش اختیار کر کے اسے ایسی زک دی ہے کہ مدتوں نہ بھولے گا -

مسیمو بریاں وزیر خارجہ نے چال ہی میں مسئلہ چین پر ایک طویل تقریر کی ہے - ان کے یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں :

”چین کا مسئلہ اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس نے ”بعض“ سلطنتوں کو بری طرح بد حواس کر ڈالا ہے - مگر اس بارے میں فرانس نے ایک بالکل صاف اور تھوس مسلک قرار دے لیا ہے - وہ مسلک یہ ہے کہ ہم چینی انقلاب کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرنی گے - چینی قوم پرست اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ فرانس ان کا کیسا قدردان اور مداح ہے - یہی وجہ ہے کہ فرانس کے جملہ حقوق چین میں بالکل محفوظ ہیں - حالانکہ ”بعض“ دوسری سلطنتوں کو اپنے حقوق بچانے کے لیے فوجیں بھیجنا پڑی ہیں - ہم چین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری طرف سے اس کے لیے نہ تو جنگ کا خطرہ ہے ، نہ ہم اس کی راہ میں کوئی روزا اٹکانا چاہتے ہیں“

(فرانس میں شاہی)

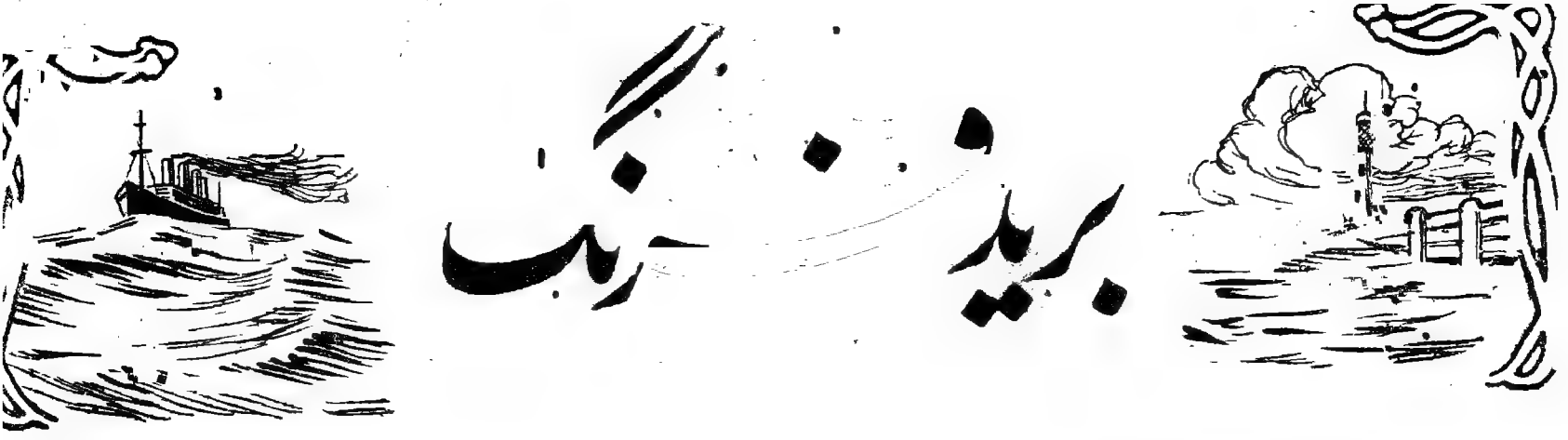
اس وقت فرانس میں سخت اندرونی خلفشار موجود ہے - قوم تین بڑے گروہوں میں بت گئی ہے - ایک جماعت موجودہ جمہوری نظام کی حامی ہے اور یہی سب سے بڑی جماعت ہے - دوسری جماعت اشتراکیوں کی ہے - وہ چاہتی ہے اشتراکی نظام قائم ہو جائے - تیسری شاہ پسند ہے اور شاہی کا آلتا ہوا تخت پھر از سر نو بچھانا چاہتی ہے -

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ انقلاب کے بعد سے اس وقت تک کوئی زمانہ بھی فرانس پر ایسا نہیں گذرا کہ شاہ پسند جماعت موجود نہ رہی ہو - دیوک دی ارلیان کا خاندان برابر تخت شاہی کا دعوے دار رہا - آجکل شاہ پسندوں میں پھر حرکت پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے بڑی سرگرمی سے اپنی دعاۃ شروع کر دی ہے - گزشتہ ہفتہ کونت دی بلوا نے اخبارات میں ایک پر زور مضمون شائع کیا ہے اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بالشویک خطرے کے استیصال اور یورپ کی تمام مشکلات کے حل کی حقیقی صورت یہی ہے کہ فرانس کی موجودہ جمہوریت توڑ دی جائے اور شاہی حکومت قائم ہو - کونت نے تخت شاہی کیلئے دیوک دی گیز کا نام بھی پیش کیا ہے جو قدیم خاندان شاہی کا ایک بڑا رکن اور فی الحال بادشاہی کا دعویدار ہے -

(عورتوں کی فوجی بھرتی)

فرانسیسی حکومت بہت بڑے پیمانہ پر جنگی طیارے کر رہی ہے - حال میں اسے ایک مسرود قانون پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے - اس سے مقصود فرانسیسی عورتوں کو فوجی خدمت پر مجبور کرنا ہے - اس تجویز نے تمام ملک میں بیچینی پیدا کر دی ہے - عورتوں میں ناراضی عام ہے اور مردوں کی بھی بہت سی انجمنیں برہمی کا اظہار کر رہی ہیں -





## مکتوب فرانس

انگلستان اور فرانس کی کشمکش - فرانس میں شاہی دعاۃ -  
عورتوں کیلئے جبری فوجی خدمت - عورتوں کے سیاسی حقوق

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

ادھر چند سال سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات برابر خراب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ انگلستان دیکھتا ہے کہ جرمنی کی تباہی کے بعد اُسکے اصلی اور زبردست دشمن دو ہیں: روس اور فرانس۔ روس اُسکی ملک گیربی کا دشمن ہے، اور فرانس دنیا کے ہر خطہ میں اُسکی ملک گیربی کا شریک بننا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگلستان نے بیک وقت دو سیاسی میدان جنگ قائم کر دیے ہیں۔ ایک میں روس سے نبرد آزمائی کر رہا ہے۔ دوسرے میں فرانس سے۔

فرانس کو رک دینے کے لیے انگلستان نے یہ تدبیر کی ہے کہ اسے یورپ میں اُسکے تمام دوستوں اور حامیوں سے محروم کر دیا ہے۔ اس وقت فرانس بالکل بے یار و مددگار ہے۔ انگلستان کی یہ قدیم حکمت عملی ہے کہ وہ حریف کے مقابلہ میں بذات خود بہت کم آتا ہے۔ دوسرے دوسروں کو شہ دیتا اور نئے نئے دشمن اپنے حریف کے سامنے کھڑے کرتا رہتا ہے۔ اس وقت بھی اُسکا یہی طرز عمل ہے۔ مدت تک فرانس کا سامنا جرمنی سے رہا۔ اب اُس کی تباہی کے بعد اٹلی کو کھڑا کر دیا ہے۔ فیشیسم نے اٹلی کو دیوانہ بنا دیا ہے اور وہ ناعاقبت اندیشانہ انگلستان کا چیلہ بن گیا ہے۔

اٹلی پر افسوس پھونک چکنے کے بعد انگلستان نے ہنگری، رومانیہ، بلغاریہ، یونان، اسپین، لیتھونیا، استونیا، اور فنلینڈ کو بھی ملا لیا۔ صرف پولینڈ اہنک فرانس کے زیر اثر تھا مگر آج کل سر آسٹن چمبرلین اُسے بھی مسحور کر رہے ہیں، اور باخبر لوگوں کو یقین ہے کہ امروز فردا میں پولینڈ بھی انگریزی جال میں پھنس جائیگا۔

اس صورت حال نے فرانس کو سخت بدحواس کر دالا ہے۔ فرانسیسی مدبر اور اخبار بری طرح انگلستان کو گالیاں دے رہے ہیں۔ انہیں صاف نظر آ رہا ہے کہ بحر متوسط میں انگلستان اُن کی قوت کس طرح مفلوج کر رہا ہے اور اٹلی کو آگے بڑھا کر اُنکی قومی ہستی کے لیے سخت خطرے پیدا کر دیے ہیں۔

اخبار ”طان“ نے اس ہفتہ ایک افتتاحیہ شایع کیا ہے اور اُس میں انگلستان پر بہت لے دے کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”برطانیہ یقین کرتا ہے کہ اس وقت دنیا کے امن اور جنگ دونوں کی کنجیاں اُسی اکیلے کے ہاتھ میں ہیں۔ اُس نے خفیہ معاہدوں کی قدیم سنت پھر زندہ کی ہے اور پورے یورپ میں سازش کا جال پھیلا دیا ہے۔ اس وقت فرانس کو پس پشت ڈال کر اُسے اعتقاد اٹلی پر ہے۔ اٹلی کی رضامندی وہ ہر قیمت پر خرید رہا ہے لیکن یہ قیمت وہ اپنی حبیب سے ادا نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کی جیب پر سودا کرتا ہے۔ سان ریمو کانفرنس سے پہلے ہی انگلستان نے اٹلی ایشیا کے کوچک کا ایک وسیع علاقہ رشوت میں پیش کیا تھا۔ لید ترکی کی قوت نے اٹلی کے حوصلے پست کر دیے۔ پھر جنیوا کانفرنس سے پہلے اُس نے اٹلی کو فرانس کے برابر بحری قوت رکھنے کا حق دے دیا۔ پھر لندن کانفرنس سے پہلے اٹلی کو ٹیرول کا معاوضہ اور تجارتی مراعات دینے کو اپنا کر لیا تھا۔ سنہ ۱۹۲۴ء کے ختم ہونے سے پہلے ہی گوبلینڈ کا علاقہ اٹلی کو دیدیا گیا۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء میں لوکارنو معاہدہ ہوا۔ اس میں اٹلی کو فرانس سے بالا ترجیح دے دی گئی۔ ۵ دسمبر سنہ ۲۵ء کو اٹالین طرابلس میں کفرہ اور جغوب، سنوسیو کے متبرک شہر بھی شامل کر دیے گئے۔ ابھی پورا مہینہ بھی گزرنے پایا تھا کہ ۲۹ دسمبر کو افریقا اور ایشیا میں اٹالین مطالبات پر ”دوستانہ غور“ کیا گیا۔ اس کے ایک مہینہ بعد ۲۷ جنوری سنہ ۲۶ء کو اٹلی نے جنگی قرضہ میں سے ایک بہت بڑی رقم معاف کر دی گئی۔ ۱۶ اپریل سنہ ۲۶ء کو اٹالین علاقہ اریٹرا اور بھی زیادہ وسیع کر دیا گیا اور حبش کی بانٹ میں اٹلی کا ساجھا بھی تسلیم کر لیا گیا۔ پھر ۷ اگست میں اٹلی اور اسپین کے مابین معاہدہ کرایا گیا اور انگریزی مدبروں نے اعلان کیا کہ یہ معاہدہ بحر متوسط میں سیاسی توازن کی بہترین ضمانت اور فرانس کی گردن دبانے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ پھر ۲۰ دسمبر سنہ ۲۶ء کو جب کہ اٹلی اور فرانس کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے، جرمنی اور اٹلی میں معاہدہ پر دستخط ثبت کر دیے گئے۔ یہ معاہدہ درحقیقت ہجومی دفاعی معاہدہ ہے اور اس نے فرانس کی سلامتی کے لیے شدید خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ اس کے ایک مہینہ بعد ۲۰ جنوری سنہ ۲۷ء کو بحر احمر کے عربی سواحل کی تقسیم ہوئی اور اٹلی نے جو کچھ مانگا، انگلستان نے بخوشی دیدیا۔“

”اٹلی کی یہ خوشامد، محض موسولینی کی سیاہ آنکھوں کے لیے نہیں ہے۔ دراصل انگلستان اُسے فرانس کے سر پر اُسی طرح سوار کرنے کی فکر میں ہے، جس طرح اب سے پہلے جرمنی کو مدتوں سوار رکھا چکا ہے۔ انگلستان نے یورپ کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی سلطنتوں کو پھسلا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ فرانس کو چھوٹ بنا کر الگ کر دیا ہے۔“

اس ایک اقتباس ہی سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات کی موجودہ نوعیت معلوم کر لی جاسکتی ہے اور اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت یورپ کی سیاست کس طرف جا رہی ہے؟

سے لمحوں کا حساب مانگتا ہے۔ ہر گھنٹہ نہ سہی ۳۵ - منٹ -  
جناب ۳۵ منٹ - اب تو آپ کو کوئی شکایت باقی نہیں؟ ہاں ۳۵  
منٹ کی خوفناک کشمکش کے بعد... اُس منظر سے جس کا کوئی  
نام نہیں... اُس عذاب سے - تمام آدمیوں کا عذاب - آپ اچھی  
طرح سنتے ہیں؟... پوری قوم کے عذاب سے - گلوتیں کے عذاب  
سے - اس وحشیانہ عذاب سے ' جس کی مدت ' پوری ایک صدی  
سے بھی زیادہ طویل ہوگئی تھی ' بد قسمت قیدی کو رہائی دی  
گئی اور وہ قید خانے پہنچا دیا گیا - اُس وقت قوم نے اطمینان کی  
سانس لی - اُس وقت قوم نے - اُس قوم نے جس کے پاس  
اب تک انسانیت کا کچھ بقایا ہے - اُس قوم نے جو رحم دل ہے  
کیونکہ وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ خود مختار اور حاکم ہے - ہاں  
اُس قوم نے خیال کیا کہ قیدی کی گلو خلاصی ہوگئی -

" لیکن نہیں ' گلو خلاصی؟ ہرگز نہیں! بلا شبہ گلوتیں کو اُس  
وقت شکست ہوئی - لیکن وہ بدستور سر بلند کھڑی رہی !

اُسی وقت نہیں ' وہ ہر روز سر بلند کھڑی ہے - تمام انسانوں کی  
آنکھوں کے سامنے ' اُن کی مرضی کے خلاف ' کھڑی ہے !

" پھر کیا ہوا؟ شام کو جلا ' قیدی پر ٹوٹ پڑے - اُسے رسیوں  
اور زنجیروں سے اس طرح باندھا کہ ایک بے حس و حرکت  
لاش بن گیا - اندھیرے میں اُس میدان میں لوٹا لائے - وہ  
اب بھی چلاتا تھا - روتا تھا - خدا کو پکارتا تھا - اپنے ماں باپ کو  
پکارتا تھا - زندگی کی دعائیں مانگتا تھا - مگر؟ مگر اُس کا منہ بند  
کر دیا گیا - اُسے گلوتیں پر چڑھا دیا گیا - آہ... اس کے بعد؟ ایک  
خونچکل سر ' زمین پر پڑا تھا! اُس وقت انسانیت ' فرط تاثر سے تھرا  
اُٹھی - قوم کے بدن میں رعشہ پڑ گیا - کیونکہ قانون کے نام پر کبھی  
کوئی قتل ' اس قتل سے زیادہ مکروہ اور کمینہ نہیں ہوا تھا - اُسی  
وقت ہر انسان نے عمیق تاثر کے ساتھ محسوس کیا کہ وحشت  
و بربریت نے انسانیت کی پوری توہین اور نیکی کی پوری تذلیل  
کی ہے !

" عین اُس وقت ایک مرد خدا ' ایک نوجوان ' اپنے دل کی  
گہرائیوں سے چلا اُٹھا - یہ چیخ اُس کی روح کی چیخ تھی - شفقت  
کی چیخ ' رنج و الم کی چیخ ' رعب و ہیبت کی چیخ - وہ چیخ جو  
انسانیت نے بے چین ہو کر بلند کی تھی - لیکن یہ چیخ تمہاری  
نظر میں جرم ہے ' اور تم اُس پر سزا دینے کی طیاریاں کر رہے ہو!  
" یہ تمام راقعات سنکر ' یہ تمام جاں گسل تفصیلات سن کر اے  
حضرات! آپ بادب گلوتیں سے کہینگے " تو حق پر ہے " اور تیوری  
چڑھا کر رحم سے ' مقدس رحم سے کہینگے " تو مجرم ہے " !  
" لیکن نہیں اے حضرات! یہ ناممکن ہے - میں کہتا ہوں  
ناممکن ہے -

" محترم سرکاری وکیل! میں بغیر کسی تلخی کے کہتا ہوں  
کہ تم کسی حق کی مدافعت نہیں کر رہے ہو - تم غلطی پر ہو - تم  
مدنیت کی روح سے برسر پیکار ہو - تم ترقی کے اخلاق سے دست  
بگریب ہو - قلب انسانی تمہارا دشمن ہے - ضمیر انسانی تمہارا  
حریف ہے - وہ تمام اصول و مبادی تمہارے مقابلے میں صف بستہ  
ہیں جن کے سایہ میں ساتھ ہوس سے فرانس ترقی کر رہا ہے -  
جنہوں نے دنیا کو وحشت سے نکال کر متمدن دنیا بنا دیا ہے - ان  
تمام اصول و مبادی کا لب لباب اور نچوڑ یہ ہے کہ انسانی  
زندگی کی حرمت غیر تعلیم یافتہ طبقہ پر براہِ رانہ شفقت - مذہب

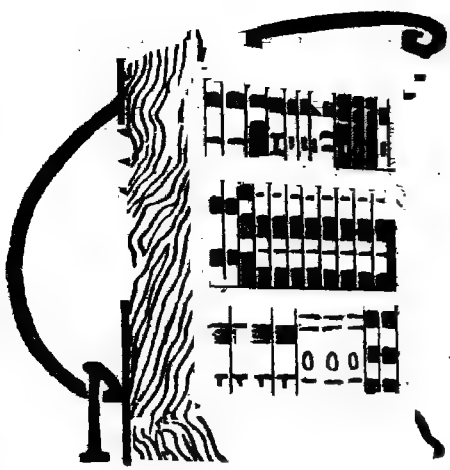
" یہ تمام مقنن ' یہ تمام فلاسفہ ' یہ تمام شرفاء ' جنہوں نے اس  
طرح کی باتیں کہیں ' کیا قانون کی توہین کرنے والے تھے؟ وہ قانون  
جو ہمیشہ رقتی اور مقامی ہوتا ہے؟ میں نہیں اجانتا ' سرکاری وکیل  
کا جواب کیا ہوگا؟ ممکن ہے وہ کہے " ہاں توہین کرنے والے تھے "۔  
لیکن میں؟ تو میں یہی کہتا ہوں کہ یہ لوگ ' بازگشت تھے اُس قانون  
کی ' جس سے بڑا کوئی قانون کبھی موجود نہیں ہوا ' یعنی  
" انسانی ضمیر " کی بازگشت - کیا ان لوگوں نے اپنے وقت کی  
عدالت کو بے حوص کیا ' وہ عدالت جو تغیر پذیر اور غیر معصوم  
ہے؟ ہرگز نہیں - وہ تو ابھی عدالت کے طلب گار تھے !

" حضرات! قانون کی نکتہ چینی کا حق ' سخت سے سخت  
نکتہ چینی کا حق ' خصوصاً تعزیری قوانین کی نکتہ چینی کا حق '۔  
وہ قوانین جو ہمارے اخلاق میں وحشت کی تخم ریزی کرتے ہیں '۔  
ہمارا مقدس فرض ہے - اصلاح کے فرض کے پہلو میں یہ فرض ایک  
نور ہے جو ہمیں صراطِ مستقیم دکھاتا ہے - یہ حق جس طرح مقنن  
کو حاصل ہے ' اُسی طرح انشاء پر داز کو بھی حاصل ہے - یہ حق  
رُئی اور ابھی ہے - آپ اس کا ضرور اعتراف کریں گے اور ملزموں کو یقیناً  
دی کر دیں گے -

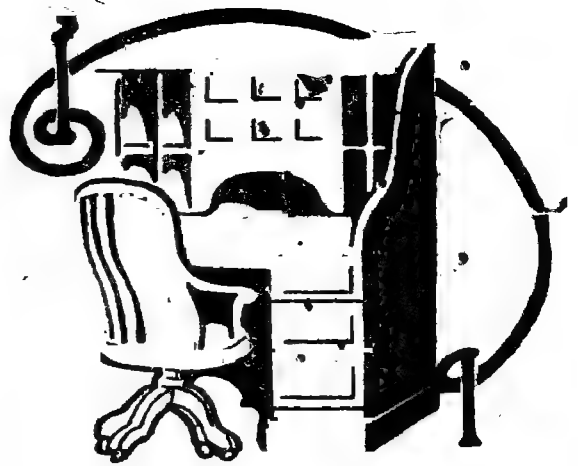
" لیکن سرکاری وکیل کہتا ہے ( اور یہ اُسکی دوسری دلیل ہے )  
" اخبار کی نکتہ چینی ' ضرورت سے زیادہ تھی - سخت تھی -  
لیکن اے حضرات! ذرا قریب سے معاملے پر نظر ڈالیے - ذرا اس  
ام نہاد جرم کو غور سے دیکھیے! اخبار کا یہ ہولناک گناہ روز روشن  
میں دیکھیے !

" کیا؟... ایک شخص... اُسے موت کا فتویٰ سنا دیا  
... بد نصیب آدمی!... ایک دن نور کے ترکے اُسے میدان  
ام میں کھینچ لے گئے... گلوتیں... مہیب گلوتیں ' اُس نے اپنی  
کھوں سے قائم دیکھی... پھر؟... اُس کے خون نے جوش  
را... اُس نے مقاومت کرنی چاہی... اُس نے مرنے سے انکار  
... آہ! یا الہی! میں خوب جانتا ہوں - مجھے فوراً کہا جائیگا  
وہ قاتل تھا " لیکن پھر... سنو... سنو... اُسے دو جلاویں  
' اُٹھالیا - اُس کے دونوں ہاتھ بندھے تھے - اُس کے دونوں پاؤں  
بے بندھے تھے - لیکن اُس نے جد و جہد کی - اُس نے اپنے دونوں  
' ہٹے ہوئے پاؤں ' گلوتیں میں ڈال دیے - پھنسا دیے - اُسے  
رہیں کے خلاف ' خود گلوتیں کو استعمال کیا - جد و جہد جاری  
ہی - قوم نے یہ منظر مشاہدہ کیا تو اُس پر خوف چھا گیا -  
انہوں نے سخت محنت کی - ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا -  
یہ جد و جہد وحشیانہ تھی ' سنگ دلانہ تھی - اُن کی پیشانی  
' آلود اور شرم سے تاریک ہو رہی تھی - اُن کا رنگ فق ہو رہا تھا -  
نہکن سے ہانپ رہے تھے - مایوس تھے - میں نہیں کہہ سکتا ' کس  
ناک خیال نے انہیں مایوس کر دیا تھا؟

بے شک قوتِ قانون کے ہاتھ رہنی چاہیے - یہ مسلم ہے - یہ  
الاصول ہے - لیکن؟ لیکن یہ کہ بد نصیب قیدی ' گلوتیں  
لیٹ گیا تھا - روزِ کر معافی کی التجائیں کر رہا تھا - مگر؟ مگر  
اُس کے کپڑے اتار ڈالے گئے - اُس کا جسم ننگا کر دیا گیا - اُس  
سانوں پر سے خون کے فرارے اڑنے لگے... مگر اُس کی جد و جہد  
یہ رہی - آخر یوں گھٹتے کے بعد - ہاں یوں گھٹتے کے بعد ( یہاں  
وکاری وکیل نے ہاتھ کے اشارے سے وقت کی تعدید کو غلط  
- وکٹر ہیکر نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا : ) سرکاری وکیل ہم



مقالہ



توہین

— ၁၁၆ —

تاریخ قوانین مدنیہ کا ایک صفحہ

100

ڈکٹر ہیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

11 11 11 11 11 11

( ۲ )

”یہ ایک منحوس قانون ہے - یہ قانون ‘دنیا کے سامنے ایسے مناظر پیش کرتا ہے جو ادب و حیا سے بالکل خالی ہیں۔ انسانیت‘ شرم و ندامت سے اپنا منہ چھپا لیتی ہے - خطرناک مناظر! وحشیانہ مناظر! یہ قانون ‘انسانیت کو وحشت کی طرف واپس لے جانا چاہتا ہے - اُس کی قربانیاں کتنی ہی کم ہوں‘ مگر حد سے زیادہ خوفناک ہوتی ہیں! اُس کے نتائج کتنے ہی ہولناک ہوں‘ مگر وہ انسانوں کو نکتہ چینی کی اجازت دینا نہیں چاہتا۔ اگر کوئی حساس ضمیر رکھنے والا نکتہ چینی کی جرأت کرتا ہے‘ تو اُس کی جرأت ‘قانون کی توہین‘ خیال کی جاتی ہے۔ اور وہ عدالت کے اندر مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا ہے!

”پھر اس کے بعد ؟ جرمانہ ! اس کے بعد ؟ قید خانہ !

”اگر یہی ہے تو آئیے، ہم پارلیمنٹ بند کر دیں۔ مدرسے بند کر دیں۔ اب ترقی و تمدن کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ آئیے، اب ہم اپنے آپ کو ”تاتار“ اور ”تبتی“ کہیں۔ اب ہم متمدن قوم بناتی نہیں رہے۔“

”ہاں اب ہمارے لیے یہی ارادی ہے کہ اپنے آپ کو نیم وحشی یا خالص وحشی قوم کہیں۔ اگر دنیا میں کبھی فرانس نامی کڑی ملک موجود تھا، تو اب وہ موجود نہیں رہا۔ تم نے فرانس کو بدل ڈالا ہے۔ بلاشبہ فرانس، شاہ پسند نہیں ہے۔ لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ جمہوری بھی نہیں ہے۔ اب وہ ان دنوں کے سوا کچھ آڑھ گیا ہے! (قہقہہ)

جج — میں دوبارہ تذبذب پر مجبور ہوں - میں خاموشی کی درخواست کرتا ہوں، رزہ ایوان کے خالی کردینے کا حکم دے گا -  
'وکر ہیگو — (تقریر جاری رکھتے ہوئے) ائیے ہم واقعات پر غور کریں - الزام کو حقائق پر منطبق کریں -

”محترم جج ارر جیوری! ایک وقت اسپین میں محاکم تفتیش تھے، ارر رھی ”قانون“ تھے... بہت خوب - لیکن مجمعے یہ کہنے دیجیے کہ فجر ہر لٹاک سزائیں یہ محاکم تفتیش دیا کرتے تھے، اُن سزاؤں کا احترام قانون کا احترام نہیں تھا - ایک زمانہ میں ہاتھ

کاٹنا قانون تھا، لیکن ہاتھ کٹنے کی کبھی تعظیم نہیں کی گئی۔ ایک زمانہ میں آگ سے داغنا، قانون تھا، مگر اس فعل کی تقدیس کبھی قانون نہ تھی۔ اب ہمارے زمانے میں گلوٹین، قانون ہے... بہت خوب... میں دعوے سے اس حقیقت کا اعلان کرتا ہوں کہ اگرچہ آج گلوٹین قانون ہے، مگر خرد گلوٹین کی کبھی تعظیم نہیں کی گئی اور نہ اس وقت کی جا رہی ہے۔ میرے آقا، سرکاری وکیل! یہ کیونکر؟ میں ابھی آپ کو اس سوال کا جواب دیتے دیتا ہوں۔

”میں کہتا ہوں اس ملک کے باشندے گلرئیں کو بھی نفرت و کراہیت کے اُسی گڑھے میں پھینک دینا چاہتے ہیں، جس میں اب سے پہلے، ساری جہان کی تحسین و آفریں کے غلغلہ کے ساتھ، آگ سے داغے، ہاتھ کاٹنے، اور محاکم تفتیش کی سزاؤں کو ابد الابد تک کے لیے پھینک چکے ہیں۔“

”باشندے چاہتے ہیں‘ عدالت کے بلند اور مقدس چبوترے پر سے  
اس سترے ہوئے منحوس قانون کی لاش اٹھا پھینکیں - کیونکہ یہ  
عدل و انصاف کے نورانی چہرے کو اپنی تعفن اور ظلمت سے بگاڑ  
رہا ہے .... آہ ... جلاں کا منحوس چہرہ .... !

”چونکہ ہم یہ انسانی فرض ادا کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہم پر شورش پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ہے۔“

”ہاں بے شک ہم نہایت خطرناک لوگ ہیں۔ حد سے زیادہ خوفناک لوگ! کیوں؟ اس لیے کہ ہم گلوٹین کی منسوخ چاہتے ہیں... اس سے بھی بڑے کر کوئی جرم دنیا میں موجود ہے؟“

اخبار..... اِل کے معرر پر الزام ہے کہ اُسنے قانون کا احترام نہیں کیا۔ حضرات! تہڑی دیر کے لیے ہم اِس قانون کی عبارت میں، بحث سے الگ ہو جائیں، اور پورے خُشوع و خضوع کے ساتھ اُس قانون کے سامنے کھڑے ہوں جو ہر قانون کی بنیاد ہے۔ انسانی ضمیر کے سامنے، جو ہر سینے میں محفوظ ہے !

جب ”سرون“ نے، جو اپنے عہد میں سرکاری رکیل تھا، یہ کہا تھا کہ ”ہمارے تعزیری قوانین، الزام کے دروازے کھولتے مگر ملزم کیلئے بند کرتے ہیں“ تو کیا اُس نے یہ کہہ کر قانون کی توہین کی تھی؟

”جب رائیڈ نے اپنے زمانے کے ججوں کی نسبت کہا تھا ”...،  
ان ججوں کا ذکر نہ کرو۔ ان میں سے آدھے بندر ہیں اور آدھے چیتے“  
(حقیقہ) تو کیا اُس نے قانون کی تڑھیں کی تھیں؟

”جب“ روبرو کولر“ نے ایک قانون کے متعلق خود پارلیمنٹ میں گلا پھار کر کہا تھا ”اگر تم یہ قانون بنائے ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اسے توڑ دوں گا“ تو کیا یہ کہہ کر اس نے قانون کی توہین کی تھی؟

قسم کی بھی مداخلت کرے۔ اُنکے خیال میں افراد کو اپنے بچوں کی تعلیم پر مجبور کرنا "زراعت کے خاص طریقے جاری کرنے" کا رخاں ہے۔ اُنکے قوائد قرار دینا "مزدوری کی شرح مقرر کرنا" یہ، اور اس قسم کے دوسرے کام، حکومت کے لیے نازرا ہیں۔ وہ کہتے ہیں، حکومت کو صرف وہ کام کرنے چاہئیں جن سے افراد کی شخصی آزادی محفوظ رہے۔ مثلاً اسے فوج مرتب کرنا، قلعے بنانا، اور جنگی بیڑے طیار کرنے چاہئیں، تاکہ دوسری قومیں ملک کی آزادی پر حملہ نہ کر سکیں۔ اسی طرح پولیس اور دیوانی اور فوجداری عدالتیں وغیرہ رکھنا بھی جائز ہے تاکہ افراد کے حقوق محفوظ رہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ حکومت پر کوئی پابندی عاید نہیں کرتا۔ اُس کے خیال میں حکومت کو وہ تمام کام کرنے چاہئیں جسے افراد یا جماعت کی بھلائی متصور ہو۔

### (رطنی اور آئینی آزادی)

علم سیاست میں "استقلال فردی" اور "مشروط آزادی" کے علاوہ ایک قسم "رطنی آزادی" کی بھی ہے۔ اس سے مقصود قوم کی خود مختاری ہے۔ جب کوئی قوم اپنی خود مختاری حاصل کر لیتی ہے تو کہا جاتا ہے، اُسے "رطنی آزادی" پالی۔

آزادی کی ایک چوتھی قسم بھی ہے اور اُسے سیاست کی اصطلاح میں "دستوری آزادی" کہتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ قوم پر ایک ایسی حکومت قائم ہو جسے خود قوم ہی نے منتخب کیا ہو، اور وہ قوم کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ ہو، جیسی کہ ولایات متحدہ امریکا، فرانس، اور انگلستان وغیرہ کی حکومتیں ہیں۔

### (سلطنت اور حکومت)

یہاں یہ جاننا بھی مناسب ہے کہ سلطنت (استیت) اور حکومت (گورنمنٹ) میں کیا فرق ہے؟ سلطنت سے مقصود یہ ہے کہ کسی محدود خطہ میں انسانی افراد کی کوئی جماعت اُٹھ ہو اور اُس پر کوئی حکمران قوت موجود ہو، عام اس سے کہ حکمران قوت اکثریت کے ہاتھ میں ہو، یا اقلیت کے ہاتھ میں، یا فرد واحد کے ہاتھ میں۔ یہ قوت باقی تمام لوگوں پر غالب و جاری ہو۔ لہذا سلطنت کے موجود ہونے کے لیے در چیزیں ضروری ہیں: حکم اور اطاعت۔ جہاں کہیں حکم کرنے والی قوت اور اطاعت کرنے والی جماعت موجود ہو، کہا جائیگا کہ سلطنت موجود ہے۔ یا یوں سمجھو کہ سلطنت، حاکم اور محکوم کے مجموعہ کا نام ہے۔ وہی حکومت تیرے اُس شخص یا جماعت کا نام ہے جسکے ہاتھ میں حکمران قوت ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ "مشروط آزادی" (اور یہی شہری آزادی ہے) کی حفاظت کا ذمہ حکومت کے سر ہے۔ لیکن اگر حکومت کسی مستبد اور ظالم شخص کے ہاتھ میں ہوگی تو وہ اپنی مرضی کے مطابق افراد کی آزادی اور حقوق پر دست درازی کر سکتا ہے۔ دستوری حکومتوں میں استبداد کا اتنا خطرہ نہیں ہے۔ لیکن اُن میں بھی شخصی آزادی کی ضمانت یکساں نہیں ہوتی۔ اس ضمانت کا تعلق براہ راست، دستور حکومت سے ہوتا ہے۔ جن ملکوں کا دستور حکومت زیادہ مستحکم ہوتا اور مشکل سے بدلا جاسکتا ہے، وہاں شخصی آزادی سب سے زیادہ محفوظ رہتی ہے۔ یہ اس لیے کہ اگر دستور حکومت آسانی سے بدلا جاسکتا ہے تو شخصی آزادی پر بھی آسانی کے ساتھ دست بھرازی کی جاسکتی ہے۔

پوری کرنے میں مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ کمی کو بھی اُسکی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں ہے۔ یہ آزادی ہر حقیقت مذهب استقلال فردی یا مذهب عقد اجتماعی (سوشل لنڈریکٹ) کے ماننے والوں کی آزادی ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ حکومت کے وجود سے پہلے افراد کو مکمل آزادی میسر تھی۔ پھر انہوں نے حاکم اعلیٰ کو اپنی آزادی کا کچھ حصہ اس شرط پر دیدیا کہ وہ اس کے معارضہ میں اُنکے حقوق کی حفاظت و حمایت کرے۔ یہ خیال دراصل سترہویں اور اٹھارویں صدی کے بادشاہوں کے قہر و استبداد کی وجہ سے پیدا ہوا۔ سیاست اُس زمانہ کے علماء نے کہا "حاکم کی قوت و اختیار ذاتی و طبیعی نہیں ہے بلکہ رعایا کی بخشی ہوئی ہے"

غور و بحث کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ آزادی صرف اسی شخص کو حاصل ہو سکتی ہے جس کے متعلق فرض کر لیا جائے کہ اُسے ایسی غیر محدود قوت و قدرت حاصل ہوگئی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی ہر خواہش بے رک ٹوک پوری کر سکتا ہے۔ اس آزادی کے دلدادہ کہتے ہیں کہ ہر فرد کو حق ہے کہ اپنی تمام خواہشیں جس وقت اور جس طرح چاہے پوری کرے۔ اس آزادی کا تصور ایسی حالت میں ہوگا نہیں ہو سکتا جب کہ ایک ہی غرض کے حصول کے لیے متعدد افراد کھڑے ہوں۔ ہر شخص اُسے صرف اپنے ہی لئے لینا چاہے۔ ظاہر ہے، ایسی صورت میں یہ خیالی آزادی قائم نہیں رہ سکتی۔ ضرور تصادم ہوگا۔ زیادہ طاقتور غالب آئیگا۔ کمزور مغلوب و محروم رہینگے، اور اُن کی آزادی سلب ہو جائیگی۔

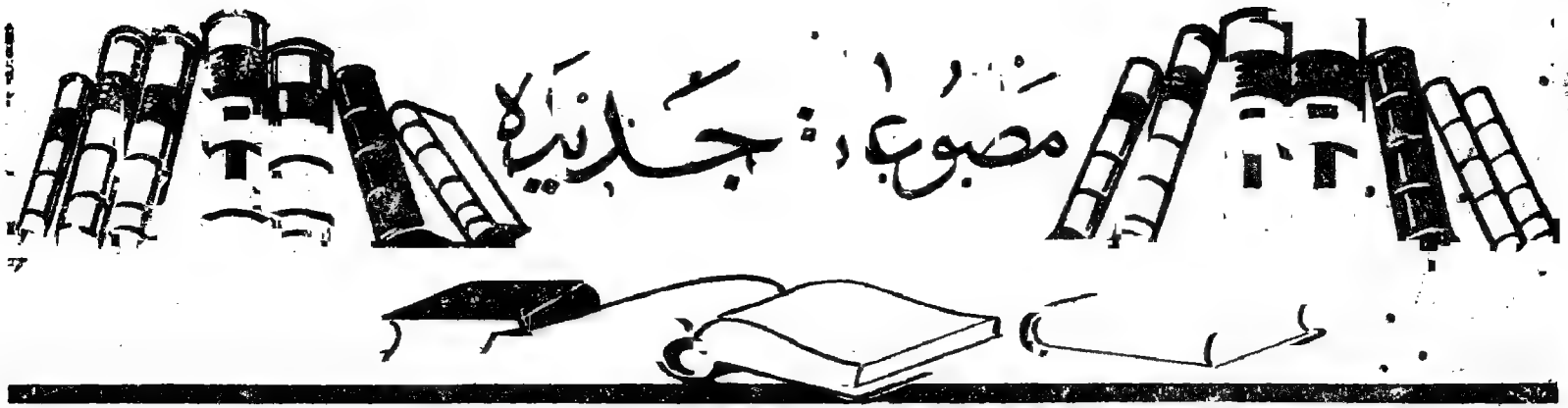
### (مشروط آزادی)

فرد کو زیادہ سے زیادہ اتنی آزادی مل سکتی ہے کہ وہ اپنے تمام افعال میں آزاد ہو جب تک کہ دوسروں کی آزادی اُس کی آزادی کی وجہ سے خطرے میں نہ پڑے۔ فرانس کے انقلابیوں نے بھی اپنے سنہ ۱۸۷۹ ع کے اعلان میں آزادی کی یہی تعریف کی تھی: "آزادی ایک قوت ہے جس سے انسان اپنی ہر خواہش پوری کر سکتا ہے بشرطیکہ اُس کی خواہش دوسروں کے لیے نقصان دہ نہ ہو" ہر برٹ اسپنسر نے بھی آزادی کی تعریف یہ کی ہے "ہر شخص آزاد ہے، جو چاہے کرے، بشرطیکہ اپنے فعل سے دوسروں کی آزادی پر دست درازی نہ کرے"

یہ جائز آزادی ہے اور حکومت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ بلکہ بغیر حکومت کے اُسکا وجود مشکل ہے۔ یہ آزادی اسی وقت ممکن ہے جب کہ اُس کی پشت پناہی پر ایک حاکمانہ نظام موجود ہو۔ اس آزادی کی اولین شرط یہ ہے کہ دوسروں کی آزادی اور حقوق پر دست درازی نہ ہونے پائے۔ لہذا ایک بالا ترقی کا وجود لازمی ہے جو ہر فرد کے حقوق معین کر دے، اُن کی حفاظت و حمایت کی ذمہ دار بن جائے، اور ہر قسم کی زیادتی روک سکے۔ پس جائز شخصی آزادی، نظام حکومت ہی کے ذریعہ پائی جاسکتی ہے۔ اس آزادی کو سیاسی اصطلاح میں "شہری آزادی" کے نام سے پکارتے ہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ حکومت کا اہم ترین فرض، شخصی آزادی کی ضمانت ہے۔ لیکن اس بارے میں بھی علماء سیاست کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ حکومت کا فرض صرف اسی قدر ہے کہ افراد کی شخصی آزادی کی دور سے حفاظت کرے مگر خود اُس میں دخل نہ دے۔ چنانچہ وہ حکومت کے لیے جائز نہیں سمجھتے کہ افراد کے ذاتی معاملات میں کمی





## شخصی آزادی

— — —

مختلف سیاسی مذاہب کی نظر میں

۔ ۔ ۔

حال میں مندرجہ صدر موضوع ”الحریۃ الشخصیہ“ پر ایک ہایت مفید اور دلچسپ مجموعہ مقالات مصر میں شائع ہوا ہے جس کے مقالہ نگاروں نے کوشش کی ہے کہ اس باب میں جس قدر مختلف نقطہ ہائے نظر اور سیاسی مذاہب موجود ہیں، انہیں صحت بیان کے ساتھ واضح کر دیا جائے۔ ”شخصی آزادی“ کے باب میں اگرچہ بے شمار افکار و آراء موجود ہیں، لیکن اہم اور اصولی مذاہب تین ہیں:

(۱) ”مذہب تقنید علی الاطلاق“ یعنی وہ مذہب جو کامل شہادت اور شاہی استبداد کے اعتراف کا نتیجہ ہے، اور جو کہتا ہے کہ کسی فرد واحد کو اپنے مالکوں اور آقاؤں کے خلاف مطالبہ آزادی کا حق ہی نہیں ہے۔

(۲) ”مذہب استقلال مقید و مشروط“ جو اس وقت عملاً تمام اُن ممالک کی ہیئت اجتماعیہ کا مذہب ہے، جو دستوری یا جمہوری حکومت کے طریقوں پر عامل ہو چکے ہیں۔ اس مذہب کے معتقدین شخصی آزادی کا مطالبہ ہر فرد کا فطری حق قرار دیتے ہیں، مگر ساتھ ہی جماعت، قوم، اور نظم کے مشترک مقاصد کی بالا تری بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے اعتقاد میں ہر فرد کو آزاد ہونا چاہیے، لیکن اُسی حد تک، جس حد تک جماعت، قوم، اور حاکمانہ نظام کا مزاج موافقت کرے۔

(۳) ”مذہب استقلال فردی علی الاطلاق“ جو فرد کے حقوق آزادی کو اصل قرار دیکر ہیئت اجتماعیہ کا تمام نظام اُس کے مطابق رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے معتقدین اُن تمام قیود اور شرائط کے اعتراف سے انکار کرتے ہیں جو کسی حال میں بھی فرد کی انفرادی آزادی کے خلاف ہوں۔

اصلاح جو مذہب انتقام کی جگہ قائم ہو گیا ہے۔ تمہاری دشمن ہر وہ چیز ہے جو عقل کو روشنی بخشتی ہے۔ ہر وہ چیز جو روح کو ابھارتی ہے: یعنی دین اور فلسفہ۔ ایک طرف سے (حضرت) مسیح (علیہ السلام) اور دوسری طرف سے رائیور!

”حضرات! اب میں اپنا بیان ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اے میرے فرزند! میری آنکھ کے نور! میرے جگر کے تکرے! ہاں اے میری جان! میں تجھے کو مخاطب کرتا ہوں۔ تجھے کو جو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہے! آج تو شرافت و عزت کی ایک عظیم منزل طے کر رہا ہے۔ خدا نے تجھے محبت کی نظر سے دیکھا اور اس لائق بنایا کہ تو بحق کیلئے جنگ کرے۔ مقدس حق کے لیے غم کھائے۔ تو آج اُس منزل میں قدم رکھ رہا ہے، جو ہمارے زمانے میں حقیقی

پہلا مذہب یقلم مٹرک و مہجور سمجھا جاتا تھا، لیکن اگلی کے فیشی سیزم نے پھر اُسے زندہ کر دیا ہے۔

ہم اس مجموعہ سے پہلے ایک مقالہ دوسرے مذہب کی تائید میں (جو وقت کا عام اور معمول بہ مذہب ہے) حذف و اضافہ کے بعد نقل کرتے ہیں۔ اُس کے بعد تیسرے مذہب کے موجد انکار و مباحث نقل کریں گے تاکہ قارئین الہلال اس اہم موضوع کے تمام اطراف پر نظر ڈال سکیں۔

شخصی آزادی کے معنی کیا ہیں؟ لوگوں کو اس کے شرح و بیان میں سخت ٹھوکریں لگی ہیں۔ شخصی آزادی کا مفہوم عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر فرد اپنی ہر طلب بے رک ٹوک پوری کر سکے۔ اس غلط فہمی کا بڑا سبب، حکام کا طرز عمل ہے۔ مطلق العنانی اور ذاتی مفاد کے مقابلے میں رعایا کے فوائد سے بے پراستی؛ انہوں نے اپنا شعار بنا لیا۔ اس غلو کا نتیجہ یہ نکلا کہ محکوموں میں بھی غلو پیدا ہو گیا: انتہائی استبداد کے مقابلے میں انتہائی آزادی کا مطالبہ شروع ہوا۔ اور اس طرح شخصی آزادی کا صحیح مفہوم بدل گیا۔

اس غلو نے بالآخر یہ اصول پیدا کیا کہ ”حکومت اور آزادی یک جا جمع نہیں ہو سکتی“ اس اصول کے ماننے والوں کا استدلال یہ ہے کہ حکومت سے مقصود ملک میں ایسے حاکم اعلیٰ کا وجود ہے، جسکی اطاعت تمام افراد کے لیے ضروری ہو۔ وہ قانون بنائے، قانون کی پابندی پر مجبور کرے، مخالفین کو سزائیں دے، محصور لگائے، رعایا کی مرضی کے خلاف اعلان جنگ کر دے، اور قتل و خونریزی کا بازار گرم ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں، اس صورت میں کسی فرد کی بھی شخصی آزادی محفوظ نہیں رہ سکتی۔

(مذہب استقلال فردی)

اس اصول کے قائل ہر قسم کی حکومت کے خلاف ہیں۔ اُنکے خیال میں حکومت کی موجودگی افراد کو اُنکی کامل آزادی سے محروم کر دیتی ہے۔ وہ کہتے ہیں، ہر فرد کو اپنی خواہشیں

مردانگی کی منزل ہے۔ یعنی عدل و انصاف کیلئے جنگ۔ حقیقت کیلئے جنگ۔ عظیم بن جا! بلند ہوجا! تو کیا ہے؟ عقل انسانی اور حقیقی جمہوریت کا ایک معمولی سپاہی! تو آج اُس جگہ بیٹھا ہے جس پر تجھے پہلے ”برانجیہ“ بیٹھ چکا ہے۔ تو ”لامونیہ“ کی کرسی پر بیٹھا ہے۔ اپنے عقائد میں کمزور نہ ہو۔ یہ تجھے میرے آخری لفظ ہیں۔ یہ میری وصیت ہے، بشرطیکہ تجھے وصیت کی ضرورت ہو۔ غور کر، تو اس وقت ”لزارک“ کی جگہ بیٹھا ہے۔ آہ میری مسرت! میرے لڑکے کو کیسی عزت ملی ہے!...

”میں کہ چکا...“



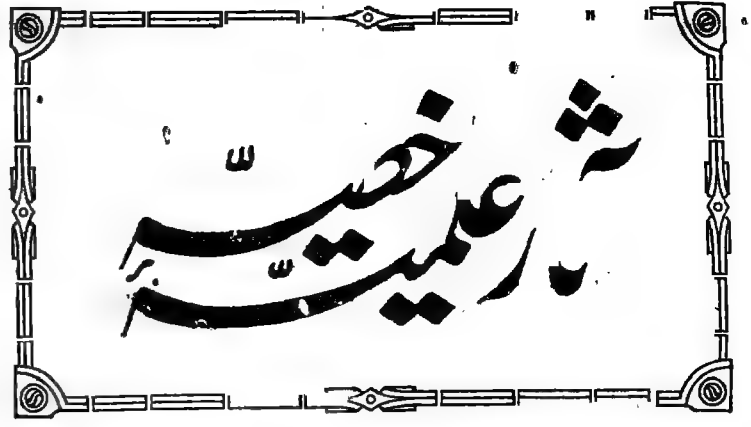
کت ( مالا بار ) پہنچتا ہے ، مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہیں آتی ، اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دکن پہنچ کر سلاطین عادل شامی کا مہمان ہوتا ہے ۔ یہاں عرصہ تک مقیم رہتا ہے ، لیکن اُس کے بعد پھر طرح طرح کے تغیرات و حوادث پیش آتے ہیں ۔ یہاں تک کہ بالآخر یہ نسخہ سنہ ۱۷۹۹ - میں ایک فرانسیسی کے ہاتھ لگتا ہے اور اب پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ ہے !

کتاب عراق میں پیدا ہوئی ، رے میں لکھی گئی ، غزنی میں مقیم ہوئی ، غزنی سے مصر پہنچی ، مصر سے یمن ، یمن سے مالا بار ، مالا بار سے بیجا پور ، بیجا پور سے پانڈی چری ، پانڈی چری سے ایشیا اور یورپ کے تمام بری اور بحری فاصلے طے کر کے پیرس دار الحکومت فرانس میں !

بہ ہیں تفارت وہ از کجاست تا بجای ؟

( ہندوستان کا گذشتہ دور علم )

اس سلسلہ میں ہندوستان کا پچھلا دور علم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے ۔ یہ ملک عربی و اسلامی تمدن کے تمام بڑے بڑے مرکزوں سے بعید و مہجور تھا ۔ دمشق ، بغداد ، قاہرہ ، اندلس ، خوارزم ، شیراز ، رے ، اصفہان ، یمن ، وغیرہ ممالک ، عربی و اسلامی تمدن کے وقتاً فوقتاً مرکز رہے ، لیکن ہندوستان ان میں سے کسی ملک سے بھی متصل اور قریب نہ تھا ۔ تاہم ہندوستان میں وقتاً فوقتاً علوم عربیہ و اسلامیہ کے جیسے جیسے عظیم الشان ذخیرے جمع ہوئے ، اور عربی علوم کے اصولی نسخوں اور امہات نقل و کتابت کا جیسا قیمتی سرمایہ فراہم ہوا ، وہ کسی طرح بھی اسلامی تمدن کے مرکزی مقامات سے کمتر قرار نہیں دیا جاسکتا ، اور ہندوستان کے امراء و علماء کی علمی قدر دانیوں اور علمی مساعی کی حیرت انگیز شہادت بہم پہنچاتا ہے ۔ گذشتہ نو صدیوں کے اندر بے شمار ملکی انقلابات پیش آئے ۔ ہر انقلاب میں علم و تمدن کا پچھلا ذخیرہ برباد ہوا ، اور نئے ذخیروں کی از سر نو بنیادیں پڑیں ۔ خصوصاً سترھویں صدی کے اڑائل سے لیکر گذشتہ ۵۷ ع کی انقلابی بربادیں تک کا زمانہ تو علمی ذخائر کی تباہیوں کا ایک مسلسل دور تھا ۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ جونپور ، مالوہ ، دکن ، دہلی ، آگرہ ، لکھنؤ ، اور مرشد آباد میں نو سو برس کے اسلامی تمدن نے جس قدر ذخائر علم جمع کیے تھے ، ان کا در تھائی حصہ یکدم برباد ہو گیا ، اور ایک تھائی حصہ جو باقی رہا ، اُس کا بھی بڑا حصہ منتشر ہو کر یا تو یورپ پہنچ گیا ، یا گمنام اور مجہول گوشوں میں ناپید ہو گیا ۔ با ایں ہمہ آج بھی ہندوستان کی فراہم شدہ کتابوں کا جس قدر سراغ خود ملک کے اندر یا ملک سے باہر لگ سکتا ہے ، اُس سے ہم اس کی عظمت و کثرت کا وثوق کے ساتھ اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ عربی و اسلامی علوم و فنون کی کرمی شاخ بھی ایسی نہیں ہے جس کی امہات کتب کے اصولی نسخے ( یعنی وہ نسخے جو یا تو مصنف کے ہاتھ کے اکم ہوئے تھے ، یا ائمہ فن کے درس و مطالعہ میں رہ چکے تھے اور اس لیے نقل لینے کے لیے زیادہ مستند سمجھے جاتے تھے ، یا اسی طرح کی کوئی اور اہمیت رکھتے تھے ) ہندوستان نہ پہنچے ہوں ، اور نہ صرف سلاطین و امراء کے کتب خانوں میں ، بلکہ ایک ایک قصبہ اور قریہ کے اندر ان کی بڑی تعداد موجود نہ ہو ۔ قرآن مجید ، صحاح ستہ ، معجم و مسانید ، تفاسیر و شرح ، امہات اصول و فقہ ، تاریخ و علوم کے وہ نسخے جو سلاسل علم کے ائمہ و اکابر نے حجاز ، عراق ، مصر ،



## صحیح بخاری کا ایک تاریخی نسخہ

( مجدد الدین فیروز آبادی اور دولت رسولیہ )

انسان کی طرح کتابوں کی بھی زندگی ہے ۔ جس طرح انسان پر پیدائش و موت ، اقامت و سفر ، غربت و ہجر ، اور عروج و زوال کے حوادث و ایام گزرتے ہیں ، تھیک اسی طرح کے حوادث و ایام سے فکر انسانی کی ان کاغذی مخلوقات کی تاریخ بھی مرتب ہوتی ہے ۔ ایک شخص دنیا کے کسی خاص حصے میں پیدا ہوتا ہے ، لیکن سیلاب حوادث اچانک اُسے دنیا کے ایک در دراز حصے میں پہنچا دیتے ہیں جس کا اُسے کبھی رھم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا ۔ یہی حال دنیا کی مشہور و معروف کتابوں اور ان کے تاریخی نسخوں کا بھی ہے ۔ سینکڑوں ہزاروں کتابیں اور ان کے نسخے آج دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں ۔ اگر ان کی تاریخی حیات پر نظر ڈالی جائے ، تو انقلاب و حوادث عالم کی ایک عجیب و غریب داستان نمایاں ہو جائیگی ۔ نہیں معلوم انتقال اور تغیر کی کیسی کیسی منزلوں سے گزرنے کے بعد ، وہ اپنے مولد و منشاء کی جگہ ، ان مقامات میں آج پناہ گزین ہو سکے ہیں ۔ بہت ممکن ہے کہ ایک کتاب اب سے ایک ہزار برس پہلے دنیا کے کسی ایک گوشہ میں پیدا ہوئی ہو ، اور آج دس صدیوں کے ان انقلابات و تغیرات کے بعد جن سے بے شمار ملکوں اور قوموں کی موت و حیات اور عروج و زوال کی داستانیں وابستہ ہیں ، دنیا کے ایک دوسرے انتہائی گوشہ میں پہنچ گئی ہو !

( ایک نسخہ کی سوانح حیات )

شیخ ابو اسماعیل ازہدی نے دسویں صدی ہجری کے وسط میں فتوح الشام کی روایات جمع کیں ۔ صاحب ابن عباد نے چوتھی صدی ہجری میں اپنے خزانہ کتب کے لیے اُس کا نسخہ ابن فارس امام لغۃ و عربیۃ کی زیر نگرانی و تصحیح لکھوایا ۔ پانچویں صدی میں یہ نسخہ نہیں معلوم حوادث و تغیرات کی کتنی منزلیں طے کر کے غزنی پہنچا ، اور سلاطین غزنویہ کی مراہیر اُس پر ثبت ہوئیں ۔ پھر غزنی سے نکل کر دشت غربت و مہاجرت کی نئی نئی منزلیں طے کیں ، اور تمام بلاد ایران و عراق طے کر کے مصر جا پہنچا ، چنانچہ ساتویں صدی کے اواخر میں شیخ ابو یعلیٰ مصری کا دستخط اُس پر ثبت ہوا ، اور نصف صدی تک اسی سرزمین میں مقیم رہا ۔ پھر اُس کے بعد یہی نسخہ یمن پہنچتا ہے ، اور کتب خانہ شاہی کی مہر اس پر ثبت ہوتی ہے ۔ نیز بعض سلاطین یمن اسی نسخے پر اس کی قرأت و درس کی اجازت اپنے شیوخ سے لیتے ہیں ۔ پھر یمن سے یہ نسخہ نکلتا ہے ، اور کالی

اور حکومت کا اقتدار اختیار محدود کرے۔ سلطنت کی ترقی و ترقی روکتا ہے۔ برخلاف اس کے دوسرا مذہب 'افراد اور سلطنت کو ایک ہی جسم قرار دیتا ہے اور اس طرح اسے نفع پہنچاتا ہے۔ اس مذہب کی رے فرد کو جماعت یا قوم کے فائدے کے لیے شخصی نقصان گوارا کر لینا چاہئے۔ جیسا کہ ہاتھ، سر یا دل کی حفاظت کے لئے اپنا وجود خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔

اگر افراد اس مذہب پر ایمان لے آئیں، تو حاکم کے ان تمام قوانین کی بغرضی اطاعت کرینگے، جن سے اگرچہ شخصی طور پر انہیں نقصان پہنچ سکتا ہے مگر وہ جماعت کے لئے مفید ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھینگے کہ قانون، عام فائدہ کے لئے ہے، نہ کہ شخصی فائدہ کے لئے، اور یہ کہ عام مصلحت کے مقابلے میں شخصی مصلحت فنا ہو جانی چاہئے۔

لیکن اگر مذہب "استقلال فردی" تسلیم کر لیا جائے تو اس کے لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حاکمانہ قوت کا احترام جاتا رہے گا اور سلطنت کی ترقی رک جائیگی۔ پھر جب سلطنت کمزور ہو جائیگی تو لازمی طور پر فرد بھی کمزور ہو جائیگا۔ کمزور سلطنتوں کی یہی حالت دنیا مشاہدہ کر رہی ہے۔ وہ نہ تو خود خوش نصیب ہیں، نہ ان میں افراد ہی کو خوش نصیبی میسر ہے۔ موجودہ علماء سیاست کا خیال ہے کہ تاریخ کے تجربے اور روز مرہ کے مشاہدے ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ "مذہب عضوی" قبول کریں اور دنیا میں اس کی اشاعت کریں۔

یہ نا ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت ایسی موجود ہو سکے جسکی بنیاد مذہب استقلال فردی پر ہو۔ جماعتوں کی کامیابی و ترقی کے لیے لازمی ہے کہ اس کے تمام افراد، مذہب عضوی کے ماننے والے ہوں، مجموعہ میں جذب ہو جائیں، اور عوام کی مصلحت کے سامنے اپنی شخصیت، بھول جائیں۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے انسانی جماعتیں (سیاسی ہوں یا اجتماعی) ترقی کر سکتی ہیں۔ کوئی انسانی جماعت، انانیت کو اپنا اصول قرار دے کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ یہ نا ممکن ہے کہ تمام افراد کے اغراض اور خواہشیں بالکل متفق و متحد ہو جائیں۔ یہی باعث ہے کہ جن ملکوں میں حکومت سے بے اعتمادی، مذہب انانیت یا استقلال فردی کے طرف عام میلان پیدا کر رہی ہے، وہاں کوئی بھی مشترک عمل کامیاب نہیں ہوتا۔ کتنی ہی انجمنیں قائم ہوتی ہیں شروع شروع میں بڑا جوش و خروش دکھایا جاتا ہے، لیکن پھر بہت جلد کارکنوں میں پھرت پڑ جاتی ہے اور پوری تحریک ختم ہو جاتی ہے۔

مشرق اس بیماری کا بڑی طرح شکار ہوا ہے۔ اسکی وطنیت، قومیت فنا ہو گئی ہے، عام مصالح ضائع ہو گئے ہیں، اور جماعتی تحریکوں کی کامیابی کی بہت کم مثالیں نظر آتی ہیں۔ مشرق کو یہ مہلک مرض درحقیقت مستبد بادشاہوں کی وجہ سے لاحق ہوا۔ یہ بادشاہ صدیوں تک مشرقی قوموں پر مسلط رہے ہیں، اور اپنے ذاتی اغراض کے لیے جماعتی مصالح برباد کرتے آئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نسلوں کے تجربہ و مشاہدہ کے بعد مشرقی اقوام کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ قومی وحدت، بیکار ہے، اور مصلحت عام کے لیے سعی حاصل ہے۔ ہوتے ہوئے اب انکی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وطنیت، قومیت، عام مصلحت، جماعت، وغیرہ الفاظ کے لیے ان کے دلوں میں کوئی کشش پیدا ہی نہیں ہوتی۔



سب سے زیادہ مشکل تبدیلی امریکا کے دستور حکومت کی ہے۔ اس تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی در ثلث آبادی کی منظوری لی جائے۔ یعنی مجلس حکومت کے دو ثلث ممبروں کی رضامندی ضروری ہے۔ لیکن دوسرے ممالک مثلاً انگلستان میں دستور کی تبدیلی اتنی مشکل نہیں ہے۔ وہاں پارلیمنٹ کو اختیار ہے، جب چاہے، تھوڑی سی اکثریت پیدا کر کے بدل ڈالے۔

بنا بریں امریکا کا نظام حکومت دنیا کے تمام ملکوں کے موجود نظام حکومت سے زیادہ بہتر اور شخصی آزادی کے لیے زیادہ ضمانت رکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں جتنی شہری آزادی موجود ہے، اتنی روئے زمین پر کسی دوسرے ملک میں موجود نہیں۔ البتہ روس کا نیا انقلاب اس سے مستثنیٰ ہے۔

(حکومت اور افراد)

حکومت کو افراد پر کس قسم کا اقتدار حاصل ہونا چاہیے؟ اس کے متعلق کے لیے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ فرد اور سلطنت یا قوم کے درمیان کیا تعلق ہے؟

"مذہب استقلال فردی" کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ سلطنت یا قوم میں فرد، مستقل مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ کہ تمام افراد نے باہم معاہدہ کر کے اپنے تئیں اس شرط پر حاکم کے حوالہ کر دیا ہے کہ وہ ان کی شخصی آزادی کی حفاظت کرے اور دوسرے افراد کی دست درازیاں کرے۔ لہذا حکومت کا اقتدار اختیار صرف اسی دائرے میں محدود ہے۔ یعنی زیادتی کا روکنا۔ اٹھارویں صدی کے علماء سیاست میں اس مذہب نے بہت مقبولیت حاصل کی تھی، مگر بعد میں عملاً متروک ہو گیا۔

علماء سیاست کا ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فرد اور سلطنت کا باہمی تعلق ایک مضبوط طبیعی تعلق ہے۔ یہ تعلق ریسا ہی ہے، جیسا مختلف اعضاء کا جسم سے ہوتا ہے۔ جس طرح ہاتھ جسم سے کٹ کر باقی نہیں رہ سکتا، اسی طرح فرد، سلطنت یا قوم سے علیحدہ ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ سلطنت اس وقت سے موجود ہے، جب سے انسان کی جماعتی زندگی کا آغاز ہوا ہے۔ شروع میں جب انسان ابتدائی وحشت کی حالت میں تھا، تو اس وقت سلطنت بھی بالکل ابتدائی حالت میں تھی۔ اس زمانہ میں قبیلہ ہی سلطنت تھی۔ کیونکہ سلطنت کی یہ تعریف کہ "حاکم اور محکوم موجود ہوں" قبیلے پر بھی صادق آتی تھی۔ غرض کہ اس گروہ کا مذہب یہ ہے کہ فرد اور سلطنت میں ہرگز تفریق نہیں ہو سکتی۔ اس مذہب کا نام "مذہب عضوی" ہے۔ اس مذہب کے بموجب سلطنت میں زندہ جسم کی طرح لگا تار نمونہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی دائمی نمونہ، نظام اجتماعی کی ترقی کا باعث حقیقی ہے۔

اس تمثیل سے مقصود یہ نہیں ہے کہ سلطنت ہر اعتبار سے زندہ جسم کے مشابہ ہے۔ کیونکہ سلطنت کا نمونہ، اضطراری اور غیر اختیاری نہیں ہے۔ یعنی اس کی ترقی میں افراد کے ارادے کو دخل ہے۔ افراد ہی اپنے ارادے سے اسے ترقی دیتے اور آگے بڑھاتے ہیں۔ برخلاف اس کے حیوانی و نباتی اجسام کے نمونہ میں اختیار و ارادہ دخل نہیں رکھتا۔ وہ اضطراری و طبعی طور پر موجود ہوتا اور برابر جاری رہتا ہے۔

اس مذہب نے مذہب "استقلال فردی" کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ آخر الذکر، فرد کو سلطنت سے الگ حیثیت دیتا

## (ملک الاشرف)

اسی سلسلہ حکومت کا ساتواں فرمانروا ملک الاشرف اسماعیل بن عباس بن علی بن داؤد رسولی تھا، جسکا اس نسخہ کی تحریر میں ذکر ہے، اور جس کے کتب خانہ سے یہ نسخہ نکل کر کسی طرح ہندوستان پہنچ گیا ہے۔

ملک الاشرف ۲۱ - شعبان سنہ ۷۷۸ - ۵ میں مسند نشین ہوا اور سنہ ۸۰۳ - ۵ میں انتقال کیا۔ شیخ شرف الدین بن ابی بکر المقری نے مرثیہ لکھا تھا، جسکے اشعار حافظ ابن حجر نے نقل کیے ہیں:

ہو الدھر کرت بالخطوب کناثبہ

و غصت بانیاب حداد نواثبہ

تمام مورخین بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس خاندان کے تمام سلاطین اہل علم و فضل تھے، اور علم و فضل کی قدر شناسی میں اپنا عدیل نہیں رکھتے تھے۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا جس نے حکومت مصر کی نیابت سے ترقی کر کے استقلال و فرمانروائی کی حیثیت حاصل کر لی، سلطان نور الدین تھا۔ الخوزجی صاحب عقود اللولؤ (جس کا ذکر آگے آتا ہے) لکھتا ہے کہ اُس کی زندگی کی سب سے بڑی مشغولیت یہ تھی کہ اطراف عالم سے اہل علم و فضل کو یمن و حجاز میں جمع کرے، اور مدارس و مساجد سے اپنی مملکت معمور کر دے۔ مکہ معظمہ، تعز، عدن، زبید، وادی سہام، اور تہامہ کے ایک ایک قصبہ میں اُس نے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کیں۔ مکہ معظمہ کا مدرسہ اُس عہد کے تمام مدارس حجاز پر فوقیت رکھتا تھا۔ زبید میں تین مدرسے الگ الگ تعمیر کیے۔ مدرسہ شافعیہ، مدرسہ حنفیہ، اور دارالحدیث۔ ان سب کے لیے اوقاف و محاصل تھے جن سے مدرسین و طلباء کو وظائف دیے جاتے تھے۔ (جلد اول: ۸۴) ملک المظفر جو اس سلسلہ کا دوسرا فرمانروا ہے، وہ نہ صرف علوم کا قدر شناس اور مدارس و جوامع کا بانی تھا، بلکہ خود بھی صاحب علم و فضل تھا۔ تفسیر، حدیث، اور طب میں اُس کی مصنفات کا حافظ ابن حجر عسقلانی اور قاضی شوکانی نے ذکر کیا ہے۔ الخوزجی لکھتا ہے کہ حدیث کی تمام اہمات کتب اس نے اپنے قلم سے لکھی تھیں۔ ان کی تعداد و ضخامت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حکومت کی آلودگیوں کے ساتھ علم و کتابت کے لیے اتنا وقت کیونکر نکل سکا؟ اُس کے علمی شوق کا یہ حال تھا کہ امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر جب اُس کی نظر سے گزری تو بعض حصے ناقص اور تشنہ محسوس ہوئے۔ اُس وقت قاہرہ میں تاج الدین بن بنت العز قاضی القضاۃ تھے۔ انہیں لکھا کہ تفسیر کے مصححہ نسخہ بھیج دیں۔ انہوں نے چار نسخے بھیجے۔ لیکن ان سب کا بھی وہی حال تھا۔ اس پر خیال ہوا کہ خود مصنف کے قلم کا لکھا ہوا مسودہ دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ ایک سفارت یمن سے ہرات بھیجی گئی۔ اُس نے امام موصوف کے قلم سے لکھا ہوا اصلی نسخہ بصرہ کثیر حاصل کیا۔ خود سلطان موصوف کی یہ عبارت خوزجی نے نقل کی ہے ”میں نے جب یہ اصلی نسخہ دیکھا تو میری کارش دوز ہو گئی، کیونکہ اس میں وہ تمام مقامات سادہ چھوڑ دیے گئے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا ارادہ نظر ثانی کا تھا جو پورا نہ ہو سکا“ (جلد ۱: ۲۲۸) جن اہل نظر نے تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، وہ سلطان موصوف کی محبت نظر رائے کی تصدیق کرینگے۔

## (یمن کے سلاطین رسولی)

یمن کے خاندان رسولی کا تذکرہ عام تاریخچے میں بہت کم ملتا ہے، اس لیے لوگ اُن کے ناموں سے آشنا نہیں۔ اس نسخہ کی تاریخ حیات کی ترمیم کے لیے ضروری ہے کہ مختصراً اس کا ذکر کر دیا جائے۔

یمن میں ساتویں صدی ہجری کے اوائل سے لیکر تقریباً نویں صدی کے درمیانی عہد تک ایک خاص خاندان کے افراد کی حکومت رہی ہے جو ”رسولی“ کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ لوگ اصلاً ترکمان تھے، اور ترکمانوں کے قبیلہ ”میجک“ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن جب اتفاقات وقت نے یمن جیسے خالص عربی ملک کا حکمران بنا دیا، تو ضرورت ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح اپنا سلسلہ نسب عرب سلاطین و امراء سے ملا دیں۔ چنانچہ ظاہر کیا گیا کہ اُن کے مورث اعلیٰ جبیلہ بن اہم غسانی کی نسل سے ہیں جو حضرة عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں مسلمان ہو کر پھر مسیحی ہو گیا تھا، اور قسطنطنیہ چلا گیا تھا۔ الحاق نسب کی صورت یہ اختیار لی گئی کہ جبیلہ عرصہ تک روم میں مقیم رہا۔ اُس نے اگرچہ مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا، لیکن اس کا قلب مطمئن نہ تھا۔ مرتے وقت اُس نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ بلاد روم سے نکل کر اسلامی ممالک میں جائیں اور مسلمان ہو کر زندگی بسر کریں۔ وہ ترکمانوں کے قبائل میں آ کر مقیم ہو گئے۔ اور اس طرح ان کی عربیت، ترکمانیت سے تبدیل ہو گئی!

اس خاندان کا پہلا فرد جو تاریخ میں نمایاں ہوتا ہے، محمد بن ارون بن یوحی رسنم ہے۔ خلفاء عباسیہ کے زمانے میں یہ عراق آیا رہتھوڑے عرصہ کے اندر عزت و قبولیت حاصل کر لی۔ اُس زمانے میں حکومت بغداد کو ایک سفیر و رسول کی ضرورت تھی جو مصر شام میں احکام خلافت کا مبلغ ہو۔ خلیفہ نے محمد بن ہارن کا اس غرض سے انتخاب کیا، اور اس طرح یہ خاندان پہلے عراق سے ام میں، اور پھر شام سے مصر میں منتقل ہو گیا۔ بغداد کی سفارت و کالت کی بنا پر محمد بن ہارن ”رسول“ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ تلقب اس قدر مشہور ہوا کہ آگے چل کر پورا خاندان ”رسول“ کی نسبت سے پکارا جانے لگا۔

مصر میں جب ایوبیوں کی حکومت قائم ہوئی، تو یمن میں وقت مصر کے زیر اثر تھا۔ انہوں نے وہاں کی ولایت کیلئے توران شاہ بن ایوب کو بھیجا، اور اسے ساتھ خاندان رسولی کو بھی روانہ کر دیا، کیونکہ مصر میں انکی موجودگی سیاسی مصالح کے خلاف تھی۔ عرصہ تک یہ خاندان یمن میں امراء و اشراف کی زندگی بسر کرتا رہا۔ لیکن ساتویں صدی کے اوائل میں جب ملک ظاہر بیدرس مصر میں حکمران ہوا، تو یمن میں ایسے تغیرات و حوادث پیش آئے کہ اس خاندان کو امارت سے نکل کر ریاست و فرمانروائی کی تخت نشینی کا موقعہ مل گیا، اور کچھ عرصہ کی کشمکش و تنازع کے بعد حکومت مصر نے بھی اس کا استقلال تسلیم کر لیا۔ اس خاندان کا پہلا حکمران ملک المنصور نور الدین عمر بن علی بن رسول تھا۔ یہ سنہ ۶۲۸ - ۵ میں مسند نشین ہوا، اور سنہ ۶۴۷ھ میں اپنے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یمن کے علاوہ حجاز و حرمین کی حراست و خدمت بھی مصر سے نکل کر اسی حکمران خاندان کے قبضہ میں آ گئی تھی۔



سنہ ۹۷۰ میں دکن پہنچا، اور دکن سے ایک شائق علم شیخ محمد یوسف نامی نے حاصل کیا۔

(جامع صحیح بخاری نسخہ رسولي)

آج ہم صحیح بخاری کے نسخہ رسولي کے آخری صفحہ عکس مع مختصر تشریحات کے شائع کرتے ہیں۔ یہ نسخہ مسد ملک حکیم محمد اجمل خان صاحب رئیس دہلی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس نسخہ کی تاریخی نوعیت حسب ذیل ہے:

(۱) اصل نسخہ بغداد میں لکھا گیا ہے اور وہاں درس و املا میں رہ چکا ہے۔

(۲) بغداد سے شام پہنچا اور متعدد علماء و حفاظ حدیث نے املا و درس کے وقت اسکی تصحیح کی اور جابجا بین السطور اور حواشی میں اختلاف رواۃ و نسخ کی نسبت فوائد و منہیات کا اضافہ کیا۔

(۳) شام سے یہ نسخہ غالباً مصر پہنچا، اور خاندان رسولي کے امراء مقیمین قاہرہ کے ہاتھ لگا۔ جب وہ یمن پر قابض ہوئے تو اُن کے ساتھ یمن پہنچکر شاہی کتب خانہ میں داخل ہوا۔

(۴) جب شیخ مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس، یمن پہنچے، اور سلطان ملک الاشرف رسولي نے اُن سے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کرنی چاہی، تو اسی نسخہ پر درس و املا کا سلسلہ جاری ہوا، اور اتمام درس کے بعد شیخ موصوف نے اپنے قلم سے ملک الاشرف کے لیے سند و اجازت کی سطور تحریر کر دیں۔

چنانچہ کتاب کے آخر میں شیخ مجدد الدین کے قلم سے حسب ذیل عبارت مرقوم ہے:

”..... سماعاً علی لجمع

الصحيح مولانا و مولانا و خليفة الله

في عصرنا، السلطان بن السلطان بن

السلطان، المالك الملك الاشرف،

ممهّد الدين و الدين، اسماعيل بن

العباس بن علي بن داود، خلد الله

سلطانہ، رشید بعدلہ قواعد الدين و اركانہ؛ في بضع وثلثين

مجلساً من شهر رمضان، سوي المجلسين الاخيرين في شوال، من

عام تسعة وتسعين و سبعمائة، و اجزيت روايته و رواية سائر ما

يجوز لي و عني روايته بشرطه۔ قاله و كذبه الملتجعي الى حرم الله

تعالى محمد بن ابی محمد بن محمد بن ابراهيم الفيروزآبادي:

تجازز الله عنه، و صلى الله على سيدنا محمد و آله و اصحابه و سلم

خوارزم، بلاد فارس، اور مغرب و اندلس میں لکے تھے یا انکی تصحیح کی تھی، نہ صرف دہلی و آگرہ کے شاہی کتب خانوں میں بلکہ جونپور اور اردہ کے قریب تک میں موجود تھے۔ یاقوت مستعصمی کے لکے ہوئے مصاحف، رہے اور شیراز کے مجمع قراء و حفاظ کے مصححہ قرآن، حفاظ حدیث کے لکے ہوئے یا املاء شدہ مجامیع حدیث، حافظ ابن صلاح اور نو ری جیسے اکابر حدیث کے دستخطی مصححین، حافظ ابو العجاج مزی اور امام ذہبی کی مصححہ صحاح سنہ، حافظ ابن حجر

اور انکے معاصرین کی خود نوشتہ

مصنفات، آگرہ اور دہلی میں اسی

طرح ملتی تھیں، جس طرح بغداد

اور قاہرہ میں مل سکتی تھیں!

(پانچ نسخے)

ہندوستان کے مختلف گوشوں

میں اب بھی اس پچھلے دور علم

کے نشان قدم باقی ہیں۔ حیرت

ہوتی ہے کہ عدم رفن کے اُن ذخائر

کی کثرت و عظمت کا کیا حال ہوگا،

جو اتنی بربادیوں کے بعد بھی

بے نام و نشان نہ ہو سکے؟

ہم چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں

بعض تاریخی نسخوں کا ذکر کریں۔

بالفعل پانچ نسخوں کی تاریخ پیدش

نظر ہے۔ یہ وہ نسخے ہیں جن

میں بے کسی کی زندگی پانچ صدیوں

سے کم نہیں ہے اور جن پر انقلاب

و حوادث ایام کے بڑے بڑے دور گزر

چکے ہیں:

(۱) جامع صحیح بخاری کا

نسخہ رسولي مصححہ و درسیہ شیخ

مجدد الدین فیروز آبادی صاحب

قاموس و سقر السعادة۔

(۲) صحیح مسلم کا نصف

اخیر مصححہ حافظ ابن الصلاح

صاحب مقدمہ۔ و درسیہ حفاظ مدرّسہ

اشرفیہ قاہرہ۔

(۳) کتاب زاد الرفاق صلاح

الدین الایوبی (المتوفی

سنہ ۵۵۷ھ) مصححہ مصنف

جس پر قاضی الفاضل یعنی قاضی

عبدالرحیم بن علی وزیر سلطان صلاح الدین ایوبی کا دستخط

ثبت ہے۔

(۴) تاریخ مکہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی۔

مصححہ شمس الدین یوسف سبط ابن الجوزی۔

(۵) مقامات حریری کا نسخہ غرناطہ جو امیر ناصر الدین

عسقلانی (المتوفی سنہ ۷۳۳ھ) کے کتب خانہ میں داخل ہوا۔ پھر

# تاریخ و عبر

## تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد امویہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

## تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد سیاسی و دینی و تحرکات

کچھ عرصہ پہلے مرحوم شیخ محمد قاضی نے جامعہ مدینہ میں تاریخ اسلام پر دو سال تک درس دیا تھا جس کا مجموعہ تاریخ اسلام کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کا ایک نیا ایڈیشن جامعہ نے شائع کیا ہے، جسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نظر ثانی کر کے کتاب کے متعدد اہم مقامات زیادہ مبسوط اور جامع کر دیے ہیں اور جرح بحث بھی پہلے سے زیادہ موزوں اور مسلسل ہو۔ بلاشبہ تاریخ اسلام کے مباحث کی سطح اس کی بہت زیادہ بلند ہوئی ہے جس قدر اس کتاب میں نظر آ رہی ہو۔ تاہم کتاب کی قدیمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نئے ایڈیشن کے اضافات میں سب سے زیادہ اہم مقام عہد امویہ کے اختتام اور عباسیہ کی تاسیس کے دینی و سیاسی و تحرکات ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ چند جملوں میں شائع کر دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے تاریخ اسلام کے مطالعہ میں نیکمادش اور نظر کی راہ باز ہوتی ہے۔

### عباس بن عبدالمطلب

عباس بن عبدالمطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ یہ بنی ہاشم کے ایک مفرد سردار اور مشہور فرد تھے۔ جاہلیت میں ابو سفیان مخرن عرب سے ان کی دوستی بہت گہری تھی۔ ظہور اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا اخلاص آخری حد تک پہنچ گیا تھا، اگرچہ باقاعدہ مسلمان ایک مدت کے بعد ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بڑی عزت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ یہ خلافت عثمان میں (۸۸ھ) برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

### عبداللہ بن عباس

عبداللہ بن عباس، اپنے والد کے تجلے لڑکے تھے۔ ہجرت سے دو برس پہلے پیدا ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہت محبت تھی۔ آپ ان کے لئے تفقہ فی القرآن کی دعا کی تھی۔ حضرت عمرؓ ان کی علمیت، عقل، فصاحت کی وجہ سے انھیں اپنی مشورت کی خاص مجلسوں میں شریک کرتے، اور باوجود کم سنی کے ان سے فتویٰ لیتے تھے۔ حضرت عثمان نے انھیں ۳۷ھ کے حج کا امیر مقرر کیا۔ حضرت علیؓ کی خلافت میں وہ ان کے دست راست اور قوت بازو تھے۔ ہجرت کے بعد کی ولایت (گزرت) بھی انھیں ملی تھی۔ امیر معاویہ کی خلافت میں وہ سیاسیات سے الگ ہو کر طائف میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۴۰ھ میں انتقال کیا۔

### علی بن عبداللہ بن عباس

حضرت عبداللہ بن عباس کی اولاد میں سب سے زیادہ اہمیت، ان کے سب سے چھوٹے بیٹے، علی، کو حاصل ہے۔ یہ عین اُس دن پیدا ہوئے جس دن امیر المومنین علیؓ علیہ السلام پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اسی مناسبت سے ان کا نام، علی رکھا گیا۔ یہ نہایت باوقار، وحید، فصیح، دلیر، اور علی حوصلہ تھے۔ کہا جاتا ہے، اُس وقت ان سے زیادہ خوبصورت کوئی فردی موجود نہ تھا۔ ان کا زہد و عبادت بھی بہت مشہور ہے۔ بنی امیہ نے انھیں

یہ دہیں ہے اور ان کی تمام اولاد بھی وہیں پیدا ہوئی۔ علامہ ابن کثیر نے انتقال کیا۔

### محمد بن علی

محمد بن علیؓ کے بیٹوں میں "محمد" نے بہت شہرت حاصل کی۔ کیونکہ وہ ابراہیم، ابوالعباس السفاح، اور ابو جعفر منصور کے والد تھے جن سے خلافت عباسی کا آغاز ہوا۔ اسی قدر میں بلکہ انھیں نے یہ نئی دعوت شروع کی اور اپنے باپ علی بن عبداللہ کی زندگی میں شروع کی لیکن خود علی کو اس سے کوئی حلق نہ تھا۔

### عباسی خلافت کا تخت

ابن حلیل القندھاذن کے قاتل کے بعد اب اس کی جگہ چاہو کہ عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا اور اسی خلافت برباد کر کے انھوں نے اپنی شہنشاہی کس طرح قائم کر لی؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وفات کے بعد معاملہ خلافت میں جو اختلاف پائے ہوئے، اُس کی تفصیلات معلوم دشوہ ہیں۔ بالآخر جمہور صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح اس خطرناک اختلاف کا خاتمہ ہو گیا۔

لیکن معلوم ہو کہ ایک جماعت ابتدا سے موجود تھی جو خلافت کلمتی بنو ہاشم یعنی خاندان نبوت میں محسوس دیکھتی تھی۔ اسی جماعت میں حضرت عباسؓ بھی تھے۔ یہ اگرچہ بنو ہاشم میں سب سے زیادہ سنی ہو، مگر کوئی شخص بھی انھیں حضرت علیؓ پر ترجیح نہیں دیتا تھا۔ حضرت علیؓ علیہ السلام اپنے تئیں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے خود حضرت فاطمہ علیہا السلام کا بھی یہی خیال تھا۔

لیکن بالآخر حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، اور ان کی تمام جماعت نے جس کے فیصلہ پر عمل کیا۔ عہد صدیقی اور عہد رفتی دونوں گزر گئے۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں خلافت کی بحث نے دوسروں کو

نے حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کر کے ان کے ساتھ باافضائی کی ہے۔ حضرت عثمان کے آخری عہد میں حضرت عباس کا انتقال ہوا۔ انھیں نے کثیر اولاد چھوڑی، مگر یہ ثابت نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی خلافت حاصل کرنے کا متنبی ہوا ہے۔

حضرت عثمان کی خلافت کے چھٹے سال ایک جماعت میں خلیفہ پیدا ہوا کہ خلافت، حضرت عثمان سے حضرت علیؓ کو منتقل کر دی جائے اس تحریک کے چند داعی، بڑے بڑے اسلامی مرکزوں: کوفہ، بصرہ اور مضافہ (مصر) میں ظاہر ہوئے۔ تحریک کا آغاز اس طرح ہوا کہ حضرت عثمان کے عمال و حکام کی مذہب شرع کی گئی۔ ان کی برائیاں مشہور کی جانے لگیں۔ ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کو یہ باتیں لکھتے اور پھر سب اپنی جماعت کے لوگوں کو مدینہ میں ان حالات سے مطلع کرتے۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں حضرت عثمان کے ولایت و حکام بنام ہو گئے اور عام شہریت پیدا ہو گئی۔ اس کامیابی کے بعد ان لوگوں نے خود خلیفہ کی ذمت شروع کی اور حضرت عثمان پر بہت سے الزام لگائے جن میں بعض صحیح تھے اور بعض بالکل بے بنیاد تھے۔ حضرت عثمان کی نرمی طبیعت اور قند و مناد سے مدد دہم، اعتباط نے اس وقت حال کے کمیت ہمت افزا فضا پیدا کر دی تھی۔ انھوں نے سینوں اسلامی مرکزوں یعنی کوفہ، بصرہ، اور مضافہ کے شورش پسند جمع کئے، اور فریادی بن کر دار الخلافہ، مدینہ پر چڑھ کر ڈرے۔ حضرت عثمان نے غایت درجہ نرمی دکھائی۔ ان کی تمام شکایتیں تسلیم کر لیں، اور مطالبات منظور کر لئے۔ اس پر ظاہر ہوئے رضامندی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اپنے اپنے ملکوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

مگر چند دن بعد صوبہ حال نے ایک نیا پہلو بنا دیا۔ مصری وفد جو ش و غضب کی حالت میں راستہ سے واپس لوٹا۔ اُس کے پاس ایک خط تھا جس پر حضرت عثمان کی تھری اہداس کا مضمون یہ تھا کہ "مصری وفد قتل کر ڈالا جائے"۔ بیان کیا گیا کہ یہ خط حضرت عثمان نے والی مصر کے نام بھیجا تھا۔ لیکن جب یہ خط پیش ہوا تو حضرت عثمان نے قسم کھا کر کہا کہ نہ تو انھوں نے یہ خط لکھا ہے اور نہ اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ انھوں نے یقین کر لیا کہ گروہ سنیہ کے مرتد بنی الحکم کی شرارت قرار دیا اور اُس کے حوالہ کر دیے کا مطالبہ کیا حضرت عثمان نے مروان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ اس پر انھوں نے ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر اُس کو قتل کر دیا جس سے تاریخ اسلام کی طبیعت اس وقت تک قطعاً آسا نہیں ہوئی۔ حضرت عثمان قتل کر ڈالے گئے۔ یہ پہلی اجتماعی مصیبت تھی جو مسلمانوں سے دنیا میں سرزد ہوئی!

اب خلافت، حضرت علیؓ علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی۔ آپ نے بیعت پیش کے بعد قبول کر لیا۔ لیکن آپ کو ایک دن بھی چین نہ ملا۔ یہ نظم و ضبط بکھر چکا تھا۔ سرکشی و طغیان کا مادہ سر اٹھا چکا تھا۔ نزاع و شقاق نے مسلمانوں کا گھر دیکھ لیا تھا۔ مدینہ سے برابر جنگیں جاری نہیں۔ یہاں تک کہ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہو گئے۔

آپ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کو اہل کوفہ نے خلیفہ بنایا مگر انھوں نے انتہائی دلائل و سببوں سے نظیر امت سے کام لیکر جس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے، مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں کا خاتمہ کر دینا چاہا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اہل عراق بھر دوسرے کے قابل نہیں ہیں اور ان کے عظیم الترمہ و دلہ کے لئے ہمیشہ پریشانیوں کا موجب ہے۔ انھوں نے امیر معاویہ سے صلح کر لی، اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ شہید ہوئے۔

اقامت پر اصرار کیا۔ اُس زمانے میں یمن کے قاضی القضاۃ جمال الدین الیمی شارح التنبیہ کا انتقال ہو گیا تھا اور منصب خالی تھا یہ اس منصب پر مامور ہوئے اور بیس سال تک یمن کے قاضی القضاۃ رہے۔

(نسخہ کی تاریخی توثیق)

خوش قسمتی سے یمن کے خاندان رسولی کی ایک مستقل تاریخ شائع ہو گئی ہے۔ یہ شیخ علی بن الحسن الخزرجی کی العقود اللؤلؤیہ فی تاریخ الدولۃ الرسولیہ ہے جسے در در جلدوں میں گب میمریل فنڈ کے امینوں نے قاہرہ میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اس کا اصلی نسخہ یمن سے عہد عالمگیری میں 'ہندوستان آیا تھا' اور معتمد خاں عالمگیری کے کتب خانے میں داخل ہوا تھا۔ وہاں سے نکلا اور محمد شاہ کے عہد میں اس کے وزیر قمر الدین خاں مذہب کے قبضہ میں آیا۔ قمر الدین خاں کے کتب خانے سے نکل کر وارن ہسٹنگز کے پاس پہنچا۔ اُس نے انڈیا آفس کے کتب خانے کی نذر کر دیا۔

اس تاریخ میں سلاطین رسولیہ کے عہد کے واقعات روزنامچہ کی طرح تاریخ وار درج ہیں۔ میں نے اس خیال سے ملک اشرف کے زمانے کے واقعات پر نظر ڈالی کہ شاید اس نسخہ کے درس و املاء کی طرف کوئی اشارہ مل جائے۔ میرا قیاس صحیح نکلا۔ فیروز آبادی نے صحیح بخاری کے درس و املاء کی جن مجالس کا اپنی عبارت میں ذکر کیا ہے، 'تھیک' انہی تاریخوں میں اُسکا ذکر خزرجی نے بھی کیا ہے۔

سنہ ۷۹۶ء کے واقعات میں لکھتا ہے :

"۲۴ رمضان کو یمن میں امام فقیہ علامۃ القاضی الاجل مجد الدین محمد بن یعقوب الشیرازی پہنچے۔ سلطان نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ چار ہزار درہم بطور رقم ضیافت کے پہلے ہی دن مرحمت فرمائے۔ اس سے پہلے چار ہزار درہم عدن بھیجے گئے تھے تاکہ عدن سے زبید تک کے مصارف سفر میں مدد دیں۔ شیخ موصوف علوم حدیث، نحو، لغۃ، تاریخ، اور فقہ میں درجۃ شایخ رکھتے ہیں۔ انکی مصنفات میں سے بخاری کی شرح ہے جو نہایت مشرح اور مفید ہے" (جلد ۲ : ۲۶۵)

پھر سنہ ۷۹۷ء کے وقائع میں لکھتا ہے کہ ۶ - ذی الحجۃ کو شیخ مجد الدین قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے اور سلطان کا فرمان اس بارے میں شائع ہوا۔ (صفحہ ۲۷۸)

سنہ ۷۹۹ء کے وقائع میں لکھتا ہے :

"ر فی شہر رمضان من ہذہ السنۃ سمع السلطان صحیح البخاری من حدیث رسول اللہ صلع علی القاضی مجد الدین یومئذ و کان ذا سند عال من طرق شتى" (صفحہ ۲۸۶)

اس تصریح سے عبارت مندرجہ نسخہ کی پوری توثیق ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ سلطان ملک الاشرف نے فیروز آبادی سے صحیح بخاری کی سند و اجازت حاصل کی تھی، اور رمضان میں املاء و سماع کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ جو نسخہ زیر درس و املاء رہا، اور جس پر سند دی گئی، وہ یہی نسخہ ہے۔ نہیں معلوم اس نسخہ پر ایام و حوادث کے کیسے کیسے تغیرات گزر چکے ہیں؟

اسی خاندان کا تیسرا حکمران الملک المرید تھا جس کی نسبت خزرجی نے تصریح کی ہے کہ اسکی تصنیف مختصر کتاب الجمہرۃ علماء عصر میں مقبول و مشہور ہے۔

• • • ملک الاشرف کے باپ ملک الافضل کا ترجمہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے درر کامنہ میں درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں علم و فضل کا قدر شناس تھا اور خود بھی تمام علوم عربیہ و دینیہ میں درجۃ رسوخ و نظر رکھتا تھا۔ اسکی مصنفات میں سے یمن کی در تاریخیں، تاریخ ابن خلکان کا مختصر، اور فن انساب میں بغیۃ ذری الہم اس درجہ کی کتابیں تھیں، جنکی اہمیت کا تمام اکابر مصر و شام نے اعتراف کیا تھا۔

خود ملک الاشرف کا (جسکے کتب خانہ کا یہ نسخہ ہے اور جس نے اس پر فیروز آبادی سے سند حدیث لی) یہ حال تھا کہ مصر، حجاز، شام، عراق، اور بلاد فارس تک کے علماء کو اُسکی قدر شناسیوں نے کہینچ بلایا تھا۔ اس نے بھی اپنے پیشروں کی طرح بلاد یمن و حجاز میں متعدد عظیم الشان عمارتیں درس و ترویج علم کیلئے تعمیر کیں اور بڑے بڑے محاصل انکے مخارج کیلئے وقف کر دیے۔ وہ خود بھی صاحب علم و فضل تھا اور علوم لغۃ و ادب اور فقہ و حدیث کا ہمیشہ اشتغال رکھتا تھا۔ اُس کی علمی قدر دانیوں کا اندازہ کرنے کے لیے صرف وہی معاملات کفایت کرتے ہیں جو اس میں اور فیروز آبادی میں پیش آتے رہے۔ عربی لغۃ کی سب سے زیادہ مقبول و متداول کتاب القاموس اُسی کی قدر دانیوں نے فیروز آبادی سے لکھوائی تھی۔ چنانچہ قاموس کے دیباچہ میں مصنف اس خاندان کے مدح کرتے ہوئے لکھتا ہے :

مولی ملوک الارض، من فی رجہ  
مقباس نور ایما مقباس

(مجدد الدین فیروز آبادی)

مجدد الدین فیروز آبادی اُن اکابر علم میں سے تھے جنہیں سلاطین وقت کی فیاضیوں نے صف علم کی طرح صف اِمارت میں بھی ممتاز کر دیا تھا۔ اُن کا سنہ ولادت ۷۲۹ھ - ۵۷۲۹ھ اور تاریخ وفات ۲۰ شوال سنہ ۸۱۷ھ - ۵۸۱۷ھ گزررن میں پیدا ہوئے، شیراز میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور عراق اور مصر و شام کے ائمۃ علوم سے تکمیل کی۔ اُن کے اساتذہ میں وقت کے تمام ائمۃ علوم مثلاً شیخ تقی الدین سبکی، ابن مظفر النابلسی، حافظ علائی، ابن نباتہ، عز الدین ابن جماعة وغیرہم کے نام نظر آتے ہیں۔ امام ابن قیم بھی اُن کے اساتذہ میں ہیں۔ یہ انہی کے فیض تلمذ کا نتیجہ تھا کہ اگرچہ اُن کی ابتدائی نشو و نما فقہاء شافعیہ کے زیر اثر ہوئی، لیکن تقلید کی بندشوں سے آزاد ہو گئے، اور اصحاب تحقیق و اجتہاد کا ذوق و مشرب پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ان کی کتاب سفر السعاده اور الاسعاد فی رتبۃ الاجتہاد میں اس ذوق کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ اُس عہد کے سلاطین میں کوئی پادشاہ ایسا نہیں ہے جس نے اُن کی قدر دانی نہ کی ہو۔ شاہ منصور بن شجاع صاحب تبریز، ملک الاشرف صاحب بصرہ، بایزید یلدرم، تیمور صاحب قران، احمد بن اویس صاحب بغداد، ناصر الدین محمد شاہ دہلی، ان سب کے درباروں میں وہ پہنچے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہوئے۔ سنہ ۷۹۶ھ میں ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے سرحال یمن میں اترے اور ملک الاشرف سلطان یمن سے ملاقات ہوئی۔ وہ ان کے فضل و کمال کا غلغلہ پہلے ہی سن چکا تھا۔ یہ موقع غنیمت تصور کیا، اور یمن کی

پہلی ملاقات ہی میں سلطان مجھے بالکل بے تکلف تھے۔ پہلی ملاقات میں میری مزاج پرسی سے شروع کی۔ "رات میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" "میرے عہدے داروں نے کیسا سلوک کیا؟" "کبھی بدو نے کوئی شرارت تو نہیں کی؟" اسی قسم کے بہت سے سوال شروع کر دیے۔ میں نے اپنے سفر کی تمام روداد سنا دی۔ جس قدر میری خاطر تواضع ہوئی تھی، شکریہ کے ساتھ اُس کا بھی ذکر کیا۔ جو کچھ امن و امان میں نے مشاہدہ کیا تھا، اُس کی طرف بھی اشارہ کیا۔ چوری، قزاقی، اور جرائم کی عدم موجودگی پر تعجب کا اظہار کیا۔

میری خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

۱۔ الحمد للہ ہمارے ملک میں ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہے۔  
تمام نجدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ فقہ اسلامی  
میں ۴ مذہب شہد ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل کا  
مذہب، سنت رسول اللہ سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے عقیدے  
میں تمام مسلمان، باہم بھائی بھائی ہیں۔ نجد میں ایک مسلمان کا دھڑک  
مسلمان سے "السلام علیکم" کہہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ دو دنوں خدا کے  
امان و سلام میں ہوگو۔ تمام مسلمان، مکلفہ توحید پر جمع ہیں۔ تمام حلال  
الستین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اس بنیاد پر ہماری سلطنت  
قائم ہے۔ ہم سلطنت کے بھوکے نہیں ہیں اور نہ فقر و غرور اور تن پروری  
کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ زمین اللہ کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ جل  
اپنی یہ امانت ہمارے سپرد کی ہے۔ لہذا ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ  
زیادہ سے زیادہ ایمان نڈاری کے ساتھ یہ امانت ادا کر دیں ہیں  
شرک سے نفرت ہے۔ اگر ہم تمام مشرک ملکوں کی فرزندانی بھی  
پیش کی جائے تو ہم اسے ہرگز منظور نہ کریں۔ ہم کسی سے بھی لڑائی  
پسند نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ کفار سے بھی نہیں۔ البتہ اُن کے لئے ہلکا  
یہ دعا ضرور ہے کہ خدا انہیں صراط مستقیم دکھائے۔ جب تک وہ  
ہم سے تفرق نہیں کرتے، ہم بھی انہیں نہیں پھیریں گے۔ ہم اُن سے  
دور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اُن سے تشبہ بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔  
حتیٰ کہ اُن کا لباس بھی پسند نہیں کرتے۔ حقیقی مسلم وہ ہے جو اپنے  
دین کے اصول کی پیروی کرتا ہے۔ جو کوئی کفار کی تقلید کرتا ہے، وہ  
نہ اپنے دین میں کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہے نہ دنیا میں  
یہ گفتگو، اس جلیل القدر صحرائی پادشاہ کی ذہینت پوری  
صفائی سے ظاہر کرتی ہے۔ صحرا عرب کے باشندے صدیوں سے  
قتل و غارت گری اور جرم و گناہ کے عادی تھے۔ صرت صحرا ہی کے  
نہیں بلکہ حجاز کے باشندے بھی۔ وہ کسی نظام و حکومت کی طاعت  
کے عادی نہ تھے۔ لیکن یہی سلطان کا تدبیر و تدبیرہ تھا جسے انہیں  
اپنے آہنی ہاتھوں سے مطیع کیا اور امن و نظام قائم کر دیا۔

تجدد کی حکومت، قدیم وضع کی ہو۔ وہاں حکومت، علو و اعلیٰ و  
پرتقم نہیں ہو۔ نہ مجلس حکومت ہو، نہ وزارت ہو۔ پوری حکومت،  
خود سلطان کی ذات ہو، اور ان کا قانون، کتاب دہشت ہو۔  
لیکن کیا مجال کہ کسی قسم کی بد نظمی پیدا ہو جائے۔ اور وضع کے تمام  
حسابات مرتب رہتے ہیں، خود سلطان ان کی نگرانی کرتے ہیں۔  
ایک مسہ کا کچھ غصہ، ہنسنے سے ہو سکتا۔ دفعہ ۱۳۱۔ کہ اسے صفا

اولم يسير في الارض فننظر ا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم

سَيَّاحِ عَالَمِ كے مشاہدات و تاثرات

## ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی یہ تیسری قسط ہے۔ الملال)

شعور سے کام لیا جاتا ہے۔ نماز فجر کے بعد روز صبح کو موزن، نماز کی حاضری لیتا ہے۔ پہلے دن کی غیر حاضری پر ٹوپی بھین لی جاتی ہے۔ دوسرے دن کی غیر حاضری پر جہ ضبط کر لیا جاتا ہے۔ تیسرے دن کی غیر حاضری پر جہائی سزا دی جاتی ہے!

نماز جمعہ کے بعد پادشاہ یا اس کا نائب، محل شاہی کے ایوان میں نمازیوں سے ملاقات کے لئے بیٹھا ہے۔ اس وقت تمام حاضرین کو پہلے چار اور پندرہ توہ پلایا جاتا ہے۔ آخر میں بخوردانیاں پھرائی جاتی ہیں جن میں مشک و عنبر ملگتا ہے۔

تقرشا ہی بالکل عربی طرز کا ہو۔ اُس میں اینٹ چونے کے بڑے بڑے خوبصورت ستون کھڑے ہیں، جن کے نقش و نگار نہایت نظر فریب ہیں۔ دو مندر، عمارت ہو۔ بجلی مندر میں دعوت کا وسیع ایوان ہو۔ اس میں بیک وقت سیکڑوں نہان بیٹھ سکتے ہیں۔ اطراف میں علم لوگوں کے لئے کھلانے کے کمرے ہیں۔ بیچ کی منزل، گویا دعوت خانہ ہو۔ بالائی منزل میں وسیع ایوان ہیں۔ ایک ایوان میں خود سلطان کا کتب خانہ اور دفتر خاص ہو۔ ایک اور ایوان، ولی عہد امیر سعود کے لئے مخصوص ہو۔ باقی حصوں میں بڑے بڑے ایوان اور شاہی طبیک قیام ہو۔ اسی محل کے متصل ایک اور محل ہو، اور اس میں سلطانہ اور شاہی بیگمیں رہتی ہیں۔ زمانہ حدم حشم کی تعداد ۴۰۰ ہے۔

سلطان عبدالعزیز بن سعود، دراز قامت ہیں۔ جسم بھرا ہوا اور  
ٹھوس ہے۔ رنگ، گندی ہے۔ آنکھیں چمکیلی ہیں۔ پیشانی، کشادہ ہے۔  
عینک استعمال کرتے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت، قوت ارادی، غم  
خیز، خوش مزاجی، تدبیر، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان کی صورت  
دیکھتے ہی آدمی محسوس کر لیتا ہے۔ عمر، ۵۰ کے قریب ہے۔ بالوں کی  
کے انگوٹھے میں گولی لٹکی تھی۔ اُس کا نشان اب تک نمایاں ہے۔  
وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے ہیں۔ بخدی ہفتے کا فرزند جبہ پہنتے ہیں اور  
اُمرا کا ایک دامن، عماما، بظاہر اعلیٰ سے پہنتے ہیں تاکہ نہ مل سکیں

ریاض، پایہ تخت ہونے کی وجہ سے نجد کا سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہے۔ اُس میں بکثرت بلند عمارتیں موجود ہیں، مگر سب قدیم طرز کی ہیں۔ شاہی خاندان کے محل اپنی وسعت اور خوشنالی میں ریاض کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہیں۔ شہر کے گرد عظیم الشان شہرناہ ہے۔ مرنے والے شرفی موضع کے پچاس ملک لگے ہیں اور ضرورت کے وقت عقل مکرر کرتے جاتے ہیں۔ ریاض کے چاروں طرف نخلستان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مردِ خاص شاہان شاہی کا ہے۔ اس میں دو چیزیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا: ایک گھٹاب اور دوسری کیاس۔ معلوم ہوتا ہے سلطان ابن سعود نے روئی کے یہ چند درخت اتفاقاً طور پر نصب نہیں کر کے ہیں بلکہ نجد میں روئی کی کاشت جاری کرنی چاہتے ہیں جیسا کہ مجھ سے بعض اراکین حکومت نے اشارۃً بیان کیا تھا۔ اگر سلطان نے یہ کیا تو یقیناً ملک کو بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ باشندے الامال ہو جائیں گے۔

ریاض میں چند دینی عدد سے موجود ہیں۔ مگر ان کی حیثیت، قدیم مسجدی کتبیں سے زیادہ نہیں۔ ان میں بچوں کو ضرورت بھر لکھنا پڑنا سکھایا جاتا ہو۔ نیز لپہا قرآن بھی حفظ کر دیتے ہیں۔ علوم دینیہ کی تکمیل میں لوگ اپنا زیادہ وقت صرف نہیں کرتے بہت عقوبت بڑی آدی ایسا کرتے ہیں۔ باقی ضرورت بھر تعلیم حاصل کر کے دنیاوی کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قرآنی احکام کی رُو سے مزدوری نہیں کہ تمام لوگ علوم دینیہ حاصل کریں۔ یہ کافی ہو کہ ایک پنج جماعت ان میں مشغول رہو۔

ریاض میں گل و سبزی ہیں۔ ان میں کوئی زینت دار لاش نہیں  
 آتی۔ فرش بھی نہیں ہوتا۔ گنبد بھی نہیں ہیں۔ اکثر میں چبھ بھی  
 نہیں ہو۔ جگہ کی نماز صرف ایک صوف میں ہوتی ہو۔ خطبہ سننے کا مقام  
 اس درجہ شدید ہو کہ بعض لوگ زمزم ہی سے اگر غمیر کے سامنے بیٹھ  
 جاتے ہیں۔ مسجدوں میں روشنی بھی ایسا دہ نہیں کی جاتی۔ ایک دُور



سیر کی۔ یہ دلی عہدی کی پہلی مدت ہو جو بڑے شہر منوائی گئی۔ تیرہ کے زمانے میں پھر اتھری بید ہوئی۔ اہل مدینہ نے تیرہ کی مغزنی کا مطالبہ کیا۔ لیکن بڑی طرح کچل ڈالے گئے۔ کوئٹہ نے حضرت حنین علیہ السلام کو دعوت دی۔ مگر میں وقت پر بے وفائی بھی کی اور کربلا کا وہ فاجعہ کبریٰ پیش آیا جس پر آج تک مریخ کا ظلم قائم کر رہا ہو۔ اسی اثنا میں عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے اپنی خلافت کا علم بلند کیا، اور مکہ معظمہ میں تکرار ہو گئے۔

تیرہ کی وفات نے عبدالعزیز بن ابی سلمہ کی موت بہت بڑی دی، حجاز، مصر، اور عراق زیر نگین ہو گئے۔ لیکن بنو ہاشم نے ان کی بیعت سے انکار کیا۔ چنانچہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اور عبدالعزیز بن عباس وغیرہ ان سے برابر گشتہ رہے۔

اسی زمانہ میں ایک خود غرض اور چالاک آدمی، مختار بن ابی عبید اللہ، عراق میں ظاہر ہوا۔ اہل بیت کی حمایت کا دعویٰ کیا اور امام ہمدی، یعنی محمد بن الحنفیہ کے لئے دعوت شروع کی۔ یہ وہ وقت تھا جب خاندان علی بن ابی طالب علیہم السلام میں سب سے زیادہ معتز محمد بن الحنفیہ ہی تھے۔ لیکن مختار کو زیادہ عروج حاصل نہ ہو سکا عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے اپنے بھائی مصعب کی قیادت میں ایک فوج جرار تہا کے مقابلہ پر بھیجا اور اسے قتل کر ڈالا۔ مختار مغلوب ہو گیا مگر عراق میں شیعہ (یعنی طرفداران خاندان علی کی جماعت) برابر قائم رہی۔

محمد بن الحنفیہ نے بالآخر عبدالملک بن مروان کی خلافت تسلیم کر لی۔ لیکن شیعان محمد بن حنفیہ اس کے بعد بھی انہی کو خلافت کا مستحق یقین کرتے رہے اور ان کی بیعت کو مجبوری کی بیعت قرار دیا حتیٰ کہ ان کے انتقال پر ایک گروہ نے اس حد تک غلو کیا کہ ابھی موت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا گیا کہ وہ غائب ہو گئے ہیں اور غریب واپس آئیں گے۔ چنانچہ ان کا شاعر السید الحمیری کہتا ہے:

وسبط لا ینطق الموت حتی یقود الخیل یقودہا اللوار

محمد بن الحنفیہ کی وفات کے بعد ان کی جماعت میں اختلاف پیدا ہوا۔ ایک گروہ انہیں زندہ بتا کر انہی کی حمایت پر قائم رہا۔ ایک گروہ نے ان کے بیٹے ابوالحسن کی امامت کا اعلان کیا۔ یہ دونوں جماعتیں مکہ کیساتی کہلاتی ہیں۔ کیسان، مختار بن ابی عبید کا لقب تھا، ادیبہ دونوں اسی کی طرف منسوب ہیں۔

لیکن ایک تیسری جماعت نے حضرت حنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے زین العابدین علی بن حسین کی حمایت شروع کی لیکن خود امام زین العابدین کی نسبت ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی اپنی خلافت کا دعویٰ کیا ہو۔

اس جماعت کا اعتقاد یہ تھا کہ خلافت حضرت علی کے بعد ان کی فاطمی اولاد میں محصور ہو۔ اس لئے حضرت حنین کے بعد امام زین العابدین کو حق خلافت پہنچتا ہے، کیونکہ واقعہ کربلا کے بعد اپنے بھائیوں میں صرف ہی ایک زندہ بچے تھے۔ یہی جماعت ہے جو آج کے جگہ "امیرہ کے لقب سے مشہور ہوئی۔ کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی وصیت کی تھی۔ ان کے بعد امامت حضرت حسن کی طرف منتقل ہوئی۔ پھر حضرت حسین کی طرف، پھر علی بن حسین کی طرف اسی طرح ہر زمانہ میں امت کے لئے ایک منصوص امام کی موجودگی ضرور ہے اور وہ بھی فاطمہ کی ایک معین شخصیت ہے۔

اس وقت خاندان عباس میں سب سے بڑے علی بن عبدالعزیز بن عباس تھے۔ انہی سے عباسیوں نے ظہور کیا۔ یہ حجاز چھوڑ کر حمیرہ نامی مقام میں مقیم ہو گئے تھے۔ انہی کے وقت سے عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ

ابوالحسن بن محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اپنی عمر کے آخری دنوں میں علی بن عبدالعزیز کے یہاں حمیرہ میں مقیم تھے۔ وفات کے وقت انہوں نے خلافت کا حق علی بن عبدالعزیز اور ان کی اولاد کو بخش دیا اور اپنے حامیوں ان کی نصرت و حمایت کی وصیت کی۔ چنانچہ اس وقت سے شیعوں کا کیسانی گروہ علی بن عبدالعزیز بن عباس کا حامی بن گیا۔

لیکن بنی فاطمہ کے طرفدار شیعوں نے اسے تسلیم نہیں کیا، کیونکہ محمد بن الحنفیہ کی امامت کے قائل نہ تھے حضرت امام زین العابدین کی وفات کے بعد ان میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ ان کے ایک گروہ نے محمد الباقر بن زین العابدین (علیہما السلام) کی امامت پر زور دیا۔ باقی لوگوں نے خلافت کو ہر فاطمی کا حق قرار دیا۔ چنانچہ انہی کی ایک جماعت زید بن علی بن حسین کی طرف منسوب ہو گئی اور زیدیہ کہلائی جو آج تک موجود ہے۔

خلافت کے لئے علی بن عبدالعزیز شیعوں کی صرف دو جماعتوں نے کی تھی: کیسانی اور زیدی۔ اول الذکر علی بن عبدالعزیز بن عباس کے طرفدار ہو گئے تھے، اور آخر الذکر زید بن علی بن حسین اور ان کے بیٹے کی۔

علی بن عبدالعزیز بن عباس اور محمد الباقر بن علی بن حسین، دونوں کی وفات تقریباً ایک ہی وقت میں ہوئی۔ اول الذکر کے حامی کیسانی شیعہ، ان کے بیٹے محمد بن علی کے مددگار بن گئے، اور آخر الذکر کے حامی امامیہ شیعوں نے ان کے بیٹے جعفر الصادق (علیہ السلام) کو امام تسلیم کر لیا۔ مگر آخری جماعت نے کوئی علی اقدام نہیں کیا تھا۔

#### داعی ادل

اب خاندان عباس بن عبدالطلب کے سرگروہ محمد بن علی بن جعفر بن عباس تھے۔ یہ بڑے ماعقل اور دور اندیش تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ سلطنت، ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں چاہے منتقل نہیں کی جاسکتی۔ اس کے لئے عام رائے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے حلبیازی سے پرہیز کیا، اور سکون و صبر سے دعوت پھیلانے کا سامان مہیا کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اپنے حامیوں کو حکم دیا کہ اہل بیت کے لئے خلافت کی دعوت عام کریں مگر اہل بیت میں سے کسی خاص آدمی کا نام نہ لیں، کیونکہ ادل تو جس شخص کا نام لیا جاتا، اس کی جان خطر میں پڑ جاتی۔ ثانیاً اہل بیت کا نام شیخ اہل بیت کی تمام جماعتوں کو متحد کر دیتا تھا، مگر خاندان و شخص کے تعین سے اختلاف و نزاع شروع ہو جاتا۔

انہوں نے انتہائی سیاسی دانش مندی سے اپنی دعوت کے لئے خراسان منتخب کیا۔ کوئٹہ چونکہ قدیم سے شیخان اہل بیت کا صدر مقام تھا لہذا اسے مرکز قرار دیا۔

خراسان میں اس دعوت کی کامیابی کے دو سبب ہو سکتے تھے: ایک یہ کہ عجمی مسلمان، شیخیہ تخیل کو کامیابی سمجھ سکتا تھا، کیونکہ شیخیہ تخیل یہ ہے کہ خلافت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں منتقل ہو جائے عجمی مسلمان چونکہ عربی عصبیت اور قرشی قبائل کی مناسبت سے متاثر نہ تھا، اس لئے اس کی عقل میں مسئلہ خلافت کا بہترین حل یہی ہو سکتا تھا کہ پیغمبر کی خلافت، پیغمبر کے خاندان ہی میں ہو، جیسا کہ تمام عجمی شاہی خاندانوں کا دستور تھا کہ پادشاہ کے بعد اس کا وارث اس کا بیٹا ہو کر آتا تھا۔

دوسرے یہ کہ ایران ایک قدیم تمدن اور شاندار تاریخ کا مالک تھا۔ بنی امیہ نے اس ملک سے غلاموں کا سا بڑا لوٹ لیا تھا۔ ایرانی عنصر، عربی عنصر کے مٹانے بالکل حقیقہ رہا گیا تھا۔ لہذا ایرانی کو قدرتی طور پر یہ خواہش تھی کہ موجودہ خلافت ختم ہو، اور ان کی اباد و اجافت سے نئی سلطنت قائم ہو، تاکہ انہیں قوی عزت و

عروج حاصل کرنے کا نیا موقع مل سکے۔

ابن الحنفیہ نے "کتاب البلدان" میں لکھا ہے کہ جب محمد بن علی بن عبدالعزیز بن عباس اپنے دعاۃ بھیجنے لگے تو ان سے کہا: "کوئٹہ، علی (علیہ السلام) اور ان کی اولاد کی محبت میں شرار ہو۔ بصرہ، عثمانی ہو اور اس میں ایمان کا قائل ہو۔ وہ کتا ہو قاتل بنو، مقتول بن جاوہ۔ جزیرہ، گمراہ حردی (طاجری) ہو، وحشی بدوؤں اور نصاریٰ کے اخلاق والے مسلمانوں سے لبرز ہو۔ شام، آل ابی سفیان کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ بنی مروان کی اطاعت، شدید جہالت، سخت کینہ اس کے غیر میں ہو۔ رہا کہ اور مدینہ تو ان پر ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کا قلب ہو۔ لیکن ہاں خراسان کے دور داڑے تھے اس لئے سانسے کھلتے ہیں۔ وہاں عظیم آبادیاں ہیں، مثلاً شجاعت ہے۔ سلیم سینے ہیں۔ خالی دلی ہیں، خواہشوں نے انہیں بھڑک نہیں کیا ہے، مناد نے انہیں بگاڑ نہیں ہے۔ وہ ایسی فوج بھی جو توانا اور نومند ہو، بھاری حم، جوڑے شانے، ادبچے قد، بڑے سر، دار ہمایاں اور موٹھیں، ہولناک نعرے، شاندار بانیں، میں مشرق سے نیک فال رکھتا ہوں، جہاں سے دنیا کی شمع طلوع ہوتی اور مخلوق کا نور ظاہر ہوتا ہے"

#### حنفیہ انجمن کا قیام

یہ حنفیہ انجمن، علی بن عبدالعزیز بن عباس ہی کی زندگی میں قائم ہوئی یہ زمانہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس کے دور مرکز قرار دئے گئے: کوئٹہ اور خراسان۔ کوئٹہ میں علی بن عبدالعزیز کا مقام عیسوی مقرر کیا گیا اور خراسان میں محمد بن حنفیہ اور ابوبکر مہر سراج بھیجے گئے۔ نیز بارہ داعی یا نقیب منتخب ہوئے۔ ان کے منتخب ذیل ہیں:

- (۱) سلیمان بن کثیر الخرمی
- (۲) الملک بن ایشم الخرمی
- (۳) طلحہ بن ذریق الخرمی
- (۴) عمرو بن ۳ عین الخرمی
- (۵) عیسیٰ بن عین الخرمی
- (۶) محمد بن شبیب الطائی
- (۷) لاہرن قرظی لہمی
- (۸) موسیٰ بن کعب لہمی
- (۹) القاسم بن مجاشع البیسی
- (۱۰) ابوداؤد خالد بن ابراہیم الشیبانی
- (۱۱) ابوعلی المرادی شبل بن لہمان الحنفی
- (۱۲) عمران بن اسماعیل المعطی

ان کے علاوہ ۷۰ آدمی اور مقرر کئے گئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ ان بارہ نقیبوں کے حکم پر عمل کریں۔ محمد بن علی نے ان سب کے لئے ایک تحریک لکھ دی جو ہنر اور وصیت اور دستور العمل کے تھی۔ دوسری صدی ہجری کے آغاز سے دعوت شروع ہوئی اور مسلمانوں تک جاری رہی۔ یہی وہ سال ہیں جس میں عباسیوں نے کامیابی حاصل کی اور ابوالعباس السفاح کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی



# برید شرق

## مکتوب مصر

(المال کے مقالہ نگار نعیم قاہرہ کے قلم سے)

### فقید شرق احمد سعد زعزلول پاشا مرحوم

ذیل کی مراسلت معمول سے زیادہ طویل ہے۔ ہم نے بڑا حصہ حزن کر دیا ہے۔ اس پر بھی ہیں خون جو کہ یہ آہنگی اشاعت کا مڑا حصہ رک لے گا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ مادہ کی غیر معمولی اہمیت اور شخص موضوع کی عظمت دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ جگہ نکالی جائے۔

مصر میں اس ہفتہ اہم ترین واقعہ، احمد سعد پاشا زعزلول کی پہلی غیر متوقع وفات ہے۔ عین اس وقت جبکہ میں ان کی بحالی صحت، اور ناہ مصر کی سیاحت انگلستان کے تازہ سفر پر بحث کرنا چاہتا تھا، اچانک یہ حادثہ جانکاہ پیش آگیا۔ حیران ہوں اپنا یہ مکتوب کس طرح شروع کروں؟ مرحوم کی سوانح عمری بیان کروں؟ ان نقصانات کا ذکر کروں جو اس واقعہ سے مصر کو پہنچ سکتے ہیں؟ ان کے جنازہ کے شاندار جلوس کا ذکر کروں؟ ان کی خلیل القدر مرحوم کا ماتم نکھوں؟ وہ نوہ نہ تھا بیان کروں جو اس وقت تمام ملک میں برپا ہے جس کا شور میں ان سطور کی تحریر کے وقت بھی سن رہا ہوں، اور جس کا بیان یقیناً میری قلم سے باہر ہے۔ میں شائع دہلہ الجاسم میں نعیم ہوں۔ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں، ہر ایک آواز دھماکے سے غناک ہیں۔ عورتوں اور بچوں تک کے چہرے ان کے دلی حزن مال کی شہادت دے رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا قاہرہ کے ہر گھر میں اس کے کسی قریبی عزیز کا ام پیش آگیا ہو۔

#### آغاز مرض

ہمارے مکتوب مرحوم کے کان میں خفیف سا الہتاب ظاہر ہوا اور بالآخر یہ شکایت ہلک ثابت ہوئی۔ وہ اپنے دیہاتی مقام مسجد وصیف میں قیام کرتے۔ مرض کی نوعیت دیکھ کر ڈاکٹروں نے بڑے ہی کڑواہٹ اور نا اہلیاں۔ چنانچہ قاہرہ لائے گئے اور یہاں کے اطباء سے معائنہ لایا گیا۔

قاہرہ میں طبیعت بحال ہو گئی تھی۔ لیکن گزشتہ دو شنبہ کو مرض نے از سر نو حملہ کیا۔ باوجود بچے رات کو دوائیں پہلو میں وہ محسوس ہوا۔ نکل کے دن حواضت برابر برپا رہی۔ صبح ۸ بجے مرحوم نے اپنی حرم سے اچانک کہا "میں ختم ہو گیا!" یہ کہتے ہی زبان بند ہو گئی، اور اسی دن یعنی ۳ اگست کی رات کو ۱۰ بجے طائر روح پر داڑ کر گیا! انشاء اللہ الیہ راجعون!

#### خبر کو نیکر مشہور ہوئی؟

وفات کے دن صبح ہی سے مرحوم کے مکان میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ وفات کے وقت ڈاکٹروں کے علاوہ مرحوم کے وفادار مددگار اور بھائی بھائی اور پاشا برکات بھی ہسپتال کے پاس موجود تھے۔ وفات

کے بعد ہی وہ نیچے کی منزل میں اتر کر آئے۔ حاضرین نے ڈوڑ کھات دریا فتنہ کیا۔ گردہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ سب حیرت میں تھے اور طرح طرح کے قیاسات لگا رہے تھے۔ اسی آئنا میں ادھر سے لے کر صدائیں بلند ہوئیں۔ اس پر حاضرین وہ بارہ فتح الشہ پاشا کی طرف دوڑے۔ وہ اب بھی چپ تھے۔ لیکن انھوں نے زور سے اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ مارے۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ ایک لمحہ کے لئے سب پرستار اچھا نکلیا۔ پھر ایک وقت سب کی آنکھیں اشک بار ہوئیں یہ حادثہ ایسا دل ہلا دینے والا تھا کہ رونے پر کسی کو ملامت نہیں کی جاسکتی تھی۔ کرامت گھٹ گیا تھا۔ عین اس وقت ڈاکٹر شفیق ادریس نے اتر کر آئے اور مضبوط آواز میں چلائے "سنگواریہ پر رحم کرو! اچھا رونا اسے ہلاک کر ڈالے گا۔ سحر مرگے، لیکن اگر تم چاہو تو انھیں بچے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھ سکتے ہو"

مگر یہ وقت نصیحت سننے کا نہ تھا۔ نالہ و بکا برابر بلند رہا۔ قرب جوار کے لوگوں نے سنا تو ان پر بھی یہی حالت طاری ہو گئی۔ چیم زدن میں یہ مشہور خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اب کوئی نہ تھا جو اس حادثہ قوم و ملت پر اٹھتی نہ ہو

اسی وقت تار کے ذریعہ تمام دنیا میں خبر پھیل گئی۔

#### سعد پاشا کی بیوہ

سعد پاشا کی وفات پر ان کی بیوی کا جو حال ہوگا، ظاہر ہے ہسپتال میں ان دونوں کی محبت ضرب المثل اور تمام مردوں اور عورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ سعد پاشا کو ان سے اس درجہ محبت تھی کہ اگرچہ اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر انھوں نے بھی دوسری شادی کا خیال نہیں کیا۔ (تسا ہی نہیں، بلکہ مرحوم نے اپنی تمام دولت اور جائیداد بھی اپنی بیوی کو باعنا بطریقہ کر دی تھی۔ ظاہر ہے ایسے وفادار شوہر کی موت اور پھر اس شہر کی موت جس کی عظمت ساری دنیا تسلیم کرتی تھی، اس کی بیوی کے لئے کسی عظیم مصیبت ہوگی؟ اور کئی سال سے یہ مغز خاتون بیاد ہو۔ ڈاکٹروں نے سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ مرض کی خدمت میں حصہ نہ لے۔ مگر اسے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس قدر ناتواں تھی کہ بہ شکل جل سکتی تھی۔ اس پر بھی تیار نہ تھی میں چھ دن مشغول رہتی تھی

اخبارات نے وہ موثر مناجات شائع کر دی جو جو بیوہ نے اپنے متوفی شوہر کی نعش کو مخاطب کر کے کی تھی۔

#### مجلس و زوار

اطلاع پاتے ہی مجلس و زوار کا ایک فوری جلسہ منعقد ہوا اور اسے قوم کے نام حب دین اعلان شائع کیا: "وفات، انتہائی رنج دالم کے ساتھ مصری قوم کو اس کے عظیم رہنما، سعد پاشا زعزلول کی وفات کی جانکاہ خبر پہنچاتی ہے۔ مختصر بیماری کے بعد موت کے بے پناہ ہاتھ نے قوم کے رہنما، اس کی امیدوں کے مرکز، اس کی بیداری کے قائد، اس کی حمایت کے علم بردار کو ذرا بھی ملت نہ بے یار چھین لیا۔ خدا مرحوم پر اپنی رحمت نازل کرے اور قوم کو صبر جمیل عطا فرمائے"

#### جنازہ

رات بھر مرحوم کے مکان میں زائرین کا ہجوم رہا۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے تمام وزوار اور سفراء دول بھی پہنچ گئے۔ بارہ بجے دن کو نعش بالائی منزل سے نیچے لائی گئی۔ اس پر صرف کفنی تھی۔ کوئی قیمتی چادر نہ تھی۔ نیچے آتے ہی پھولوں کی بادش شروع ہو گئی بے شمار ٹوکے پھولوں سے بھرے ہوئے، لوگ اپنے ساتھ لائے تھے نعش دیکھ کر ایک مرتبہ پھر گریہ و بکا برپا ہو گیا!

اب مصری فوج بھی پہنچ چکی تھی۔ جنازہ سرکاری طور پر اٹھنا طے پایا تھا۔ تمام سرکاری عہدے دار، امار، وزرا، سفراء پارلیمنٹ کے ممبر، مسلمان، قبطی، رومی، ارمن، یہودی فرقوں کے علماء، کاہن، ربی، اور اخبار اپنے اپنے خاص لباس میں موجود تھے۔ جب تمام طیاریاں مکمل ہو گئیں تو سعد پاشا کی بیگم باہ نقاب منہ پر ڈالے برآمد ہوئیں۔ وہ صنف سے چل نہیں سکتی تھیں۔ کئی عورتوں کے سہارے وہ اپنی موٹر تک پہنچیں، مگر بیٹھے سے پہلے ہی بہوش ہو گئیں۔ فوراً منغش دوائیں دے کر انھیں ہوش میں لایا گیا۔ اب وزرا اور فوجی افسروں نے نعش اپنے کاندھوں پر اٹھائی اور آپ کی گاڑی پر رکھی۔ اس وقت کا منظر ناقابل بیان ہے معلوم ہوتا تھا، مصر کا آسمان دھڑکنے لگا تھا۔ رونے والی عورتوں اور مردوں کی چیخیں باہر مل گئی تھیں۔ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ نہیں معلوم رونے والوں میں کتنی قوت پیدا ہو گئی تھی، اور ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے کتنے دریا سناٹے تھے کہ نوہ و بکا کا سلسلہ کسی طرح بھی رکنے پر نہیں آتا تھا!

#### مصری علم

اس وقت محبت و عقیدت کا ایک جھگڑا پیش آگیا۔ فوج کے افسروں نے نعش اٹھانے سے پہلے کہا "جنگی زوایات کی مناسبت ضروری ہے کہ مرحوم کی نعش پر مصر کا فوجی پرچم ڈالا جائے" ساتھ ہی انھوں نے اپنا پرچم پیش بھی کر دیا۔ مگر مرحوم کی بیوہ نے اس سے انکار کیا۔ انھوں نے ایک ریشمی علم پہلے سے طیارہ کر لیا تھا۔ انھوں نے اصرار کیا کہ نعش اسی میں لپیٹی جائے۔ مجبوراً افسروں کو اپنی صف سے باز رہنا پڑا۔

اس کے بعد ملکی افسروں نے کہا "مرحوم کے تمام نئے ان کی نعش پر رکھے جائیں، کیونکہ وہ ہماری جماعت کے آدمی تھے" مگر یہ زعزلول نے اس سے بھی انکار کیا۔ انھوں نے کہا "مجھے پڑا متعہ مصری علم ہے۔ اس تبدیلی کوئی دوسرا متعہ نہیں رکھا جاسکتا" جوں ہی نعش توپ پر رکھی گئی، منادی سہایت ہی بلند آواز سے چلا "لا الہ الا اللہ۔ البقاہ بعدہ" ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے "رجاک یا سعد" عورتیں چلائی "فلتحنی ذکری سعد" اور

بادشاہ نے مجاز میں اگر حکومت کی دفعہ دوسری کر دی ہو۔ مجاز کی حکومت دوسری کی حکومت ہو۔ وہاں کے لئے تجدید کی حکومت ہو۔

### سلطان کی نیا ضمی

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلسل تین سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان اپنے دارالسلطنت میں واپس آئے تھے۔ وہ ہم سے ۳ دن پہلے ریاض پہنچ چکے تھے۔ تاہم ہم نے اپنی آمد پر دیکھا کہ شہر میں انبساط کے منظر نظر آ رہے ہیں۔ بے شمار وفد، تجدد کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے تھے اور عقیدت و خلوص کا اظہار کر رہے تھے۔ دوسری طرف سلطان کی نیا ضمیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ کوئی نہ محتاج وہ اس کی توقع سے زیادہ دئے ہوئے ہوں۔ ان کی سخاوت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "یقیناً یہ ایک ایسا آدمی ہو جو نہ دولت سے محبت کرتا ہو نہ فقر و فاقہ سے ڈرتا ہو"

### ملوکیت نجد کا اعلان

خوش قسمتی سے میں اس تاریخی جلسہ میں بھی شریک ہو سکا جو سلطان ابن سعود کو "ملک نجد" بنانے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ نجدیوں نے یہ دیکھ کر سلطان ابن سعود اب ملک الحجاز ہو گئے ہیں۔ پسند کیا کہ اپنے ملک کے لئے بھی ان کا یہی لقب قرار پاجائے۔

### سلطان کی لڑائی کا عقد

اسی طرح ایک اور جلسہ میں بھی مجھے شرکت کا موقع ملا۔ یہ سلطان کی بیٹی شامزادی "سامہ" کی شادی کا جلسہ تھا۔ امیر فیصل ابن سعود سلطان کے بیٹے سے ان کا عقد ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ نجد میں شادیاں کس قدر سادہ ہوتی ہیں۔ یہ خود سلطان کی لڑکی شادی تھی۔ مگر اس میں نہ کوئی اسرار تھا نہ دھوم دھماکا از حد سادہ تقریب تھی۔ قصر شاہی کے ایوان میں فرش بچھا دیا گیا تھا۔ کھانے چنے گئے۔ دعوت و لبیک کے بعد سلطان کے حکم سے ۵۰۰ گھبراہٹیں بیچ کر گئیں اور عام دعوت شروع ہو گئی۔ اس میں امیریزب کی کوئی تفریق نہ تھی۔ ہر کس نامکس مدعو تھا۔

### تجارت و زرعت

ریاض کے باشندے عام طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ احسا، کویت اور جبرین سے مال لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ نجد کی ایک بڑی تجارت، موتی کی تجارت ہے۔ غواہی میں نجدیوں نے خاص شہرت حاصل کر لی ہے اور کافی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ریاض کے اطراف میں زراعت کم ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ تجارتی شہر ہے نہ کہ زرعی۔

### سلطان کے معمولات

سلطان کے معمولات یہ ہیں کہ کچھ رات سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے کسی خدمتگار کو بھی اتنے سوچے اپنی خدمت کے لئے نہیں بلاتے خود ہی پانی پیتے ہیں۔ دمنہ کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ فجر کی اذان سن کر مسجد جاتے ہیں۔ نماز کے بعد محل واپس آتے ہیں۔ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ تناول کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے دفتر میں آتے ہیں خط لکھتے ہیں۔ سرکاری کاغذات ملاحظہ کرتے ہیں۔ احکام لکھتے ہیں طلوع آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد تک یہی مشغولیت رہتی ہے۔ پھر ایوان عام میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں خاص لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں پھر انہیں کے وفد حاضر ہوتے ہیں۔ ان سے بڑی ہی بے تکلفی ہوتی ہے شروع ہوتی ہے یہ لوگ بڑے ہی آزاد مزاج ہیں۔ اپنے بادشاہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں، گویا اپنے کسی بھائی کے سامنے ہیں۔

خیال میں ان کا یہ طرز خطاب اس لئے ہے کہ وہ اپنے اتباع سلف صالح سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے "یا عبد العزیز! کہہ دے تھے۔ ایک شخص نے میرا تعجب محسوس کر کے میرے کان میں کہا۔ یہ طریقہ خود سلطان ہی نے مقرر کیا ہے۔ وہ خطاب کے دوسرے طریقے قبول نہیں کرتا۔" چاشت کے وقت ایک دوسرے ایوان میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ "مجلس کبیر" کہلاتی ہے۔ یہاں نجد کے بڑے بڑے شیوخ اور خاندان رشید اور خاندان عاید کے امراء سے ملاقات ہوتی ہے۔ اہل الذکر خاندان حاکم کا فرزند تھا۔ آخر الذکر اہل ہاکا۔ اب یہ دونوں ریاستیں، نجد کے ماتحت ہیں اور ان کے شاہی خاندان، ریاض میں قید ہیں۔ لیکن یہ قید ایسی ہے کہ ان پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ شہر کے اندر اپنی نقل و حرکت میں بالکل آزاد ہیں اور نہایت عزت و احترام کا ان سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔

اس مجلس میں سلطان کی گفتگو عام معاملات پر ہوتی ہے۔ دین، تاریخ، ادب، سیاست، ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور صفائی سے۔ ان کی صاف گوئی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن سلطان نے ایک شامی اخبار مجھے دیا۔ اس میں خبر درج تھی کہ "سید عبداللہ بن عاید کہ سے بھاگ گئے ہیں اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن سعود پر یورش کر رہے ہیں"

سلطان نے کہا۔ اخبار نے یہ خبر لکھی ہے، حالانکہ سید عبداللہ یہاں اس مجلس میں موجود ہیں۔ ہم اور سید عبداللہ اور خاندان رشید، سب بھاگے ہیں۔ ہم میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ سلطان کے قول کی تمام مجلس نے تصدیق کی۔ خصوصاً سید عبداللہ بن عاید نے۔

اس مجلس سے آٹھ کر سلطان اپنے والد "عبدالرحمن بن سعود" سے ملاقات کو جاتے ہیں۔ ان کی عمر اب نوے سال کے قریب ہو چکی ہے اب تک ہوش حواس بالکل درست اور قوی مضبوط ہیں۔ نہایت خوش اخلاق، خوش صحبت، خوش گفتار ہیں۔ والد سے رخصت ہو کر اپنی بڑی بہن شامزادی "نورہ" سے ملنے جاتے ہیں۔ نجد میں بڑی بہن کی عزت بہت زیادہ کی جاتی ہے۔ سلطان حد سے زیادہ ان کا احترام کرتے ہیں۔ یہ نجدی شامزادی بھی اپنے عربی اخلاق میں غیر معمولی ہے۔ اس کی شرافت و سخاوت و دود و درخشندہ ہے۔ خود مجھ سے اس کا برتاؤ نہایت ہی شفقت کا تھا۔ روز میری خیریت دریافت کرتی تھی۔ میرے لئے اچھے اچھے کھانے بھیجا کرتی تھی۔

عشاء کے بعد سلطان کی گھنٹے اپنے عہدے داروں سے ملاقات میں صرت کرتے ہیں۔ ہر عہدے دار کے دفتر میں خود جاتے ہیں۔ دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ضروری مشورے اہل اہل بیت سے لیتے ہیں۔

یہ ان کے روزمرہ کے معمولات ہیں۔ لیکن کبھی کبھی صحرا میں شکار کے لئے بھی جاتے ہیں۔ یہ سفر اچکل موٹروں پر ہوتا ہے۔

### شیوخ نجد کا سلطان کی خیرات

پچھلے دنوں مصری اخبارات نے یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ نجد کے سب سے بڑے شیوخ مثلاً فیصل الدردیش شیخ قبیلہ ارطایہ اور سلطان بن ماجد شیخ قبیلہ غطفاء، سلطان ابن سعود کے مخالف ہو گئے ہیں ریاض میں اپنی موجودگی کے وقت میں نے بھی اس قسم کی خبریں سنی تھیں فیصل الدردیش کی مخالفت کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے سال تم حج میں محل مصری کی فوج سے نجدیوں کا نظام ہو گیا تھا، انہیں فیصل الدردیش کی رائے ہے کہ سلطان نے مصریوں کی طرف فساد کی اور نجدیوں کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ لیکن یہ خبر غلط تھی۔ خود میں نے بھی

زیادہ عقیدت و ملامت کا اظہار کر دیا تھا۔

بلشبہ سلطان بن ماجد کو کچھ شکایت ہو گئی تھی۔ یہ شکایت بعض شرعی احکام کی تطبیق کے بارے میں تھی۔ لیکن بہت جلد غلط فہمی دور ہو گئی اور وہ بھی سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

### نجدیوں کا ایمان

تمام نجدیوں۔ بدوؤں اور شہریوں۔ کا پختہ ایمان ہے کہ آدمی صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی شکر کی پابندی میں سرگرم رہے۔ ہر آدمی کی قسم۔ پہلے سر لکھدی گئی ہے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہرگز اس میں تعلیم و تاجر نہیں ہو سکتی لہذا اسے موت سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو چاہئے۔ ہر آدمی کو اس کے عمل کی جزا و سزا ملے گی۔ یہی کاٹھا اصل ہوگا۔ ہدی پر عذاب پائے گا۔ یہی باعث ہے کہ وہ ہر قسم کے گناہوں اور جرموں سے، خفیہ اور علانیہ، پرہیز کرتے ہیں۔

### شوق حجاج

جنگ کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ دین الہی کے دشمن کا قتل عظیم ترین ثواب خیال کرتے ہیں۔ دین کی راہ میں خود قتل ہو جانا، شہادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس بات پر انہیں اس درجہ یقین ہے کہ بڑے ہی شوق سے جنگ پر جاتے ہیں۔ ہر بڑا پنا کفن اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ نہایت بے پروائی سے اپنے تئیں موت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ جب ان کا کوئی ساتھی لڑائی میں گر جاتا ہے، تو بیکہ بان غور مالتے ہیں "داخلیلا! القہد سبقتی الی الجنة!" (دلے دلا! ہم سے پہلے ہی جنت میں داخل ہو گیا!) جب دشمن کو ہجکا دیتے ہیں تو جلاتے ہیں "یا اہل التوحید! یا اہل التوحید! یا اک فہد دیاک! مستعین" (ہاں لے اہل توحید! خدا یا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں!)

وہ گولیوں کی بارڈ کو "یح الجنة" (جنت کی ہوا) کہتے ہیں اور انتہائی شوق و رغبت سے سینے تلے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں وہ اس موت کو موت نہیں، زندگی خیال کرتے ہیں۔ اگر ان کے کسی آدمی کی پیٹ پر گولی لگتی ہے تو اسے بزدل کہتے اور سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے "ہیشہ سے بڑھ کر فہد۔ پت بھی نہ دکھاؤ۔ موت اٹل ہے، اس سے کہاں بھاگ سکے ہو؟ شہادت کی موت مرکز سردی زندگی حاصل کرنا" میدان سے بھاگنا ان کے خیال میں ایسا عیب ہے کہ ایسے شخص کو دفن تک نہیں کرتے۔ یہی بات ہے کہ وہ مر جاتے ہیں مگر بھاگتے نہیں۔ ان کی یہ ثابت قدمی، بالا، ان کے دشمن کے حوصلے پرست کر دیتی ہے اور وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ نجدیوں کی یہ شجاعت و بہادری، عرب میں اس قدر مشہور ہو گئی ہے کہ لوگ ان کے نام ہی سے ڈرتے ہیں۔ چند نجدی سوارا سیکڑوں آدمی بھگکا دیتے ہیں۔ مجاز کی جنگ، اس حقیقت کا بین ثبوت ہے۔ مجازی فوج اس قدر محبوب ہو گئی تھی کہ بے دریغ ہتیار ڈال دیتی تھی۔ حاکم، احسا اور قطیف وغیرہ ممالک کی فتح بھی زیادہ تر اسی وجہ کی وجہ سے ہوئی تھی۔

### موت کے بعد

نجدی، سنت نبوی کی اتباع میں بہت ہی سخت ہیں۔ اپنے مقبول اور مردوں کا نام نہیں کرتے۔ قبروں پر گنبد اور عمارتیں نہیں بناتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد جس طرح آدمی کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح اس کا عہد بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ کتے ہیں مردوں کو ہماری ظاہری تصویر و عظیم کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ آخرت میں ان میں جو جملے گاہی اہل دہرہ میں آتے



جلے۔ اس کا نام بدستوری ہے گا۔ مرحوم کی بیوہ کو زندگی بھر اس سے رہنے کا حق ہو گا۔

یہ مکان مرحوم نے مسلمانوں میں پھیر لیا تھا۔ اور اپنی حرم قوم بونف کو دیا تھا۔ وزارت نے طے کیا کہ مکان کا وہ تمام سامان اسی رتب سے باقی رکھا جائے گا، جس طرح مرحوم کی وفات کے وقت تھا۔ حتیٰ کہ مرحوم کے کپڑے بھی محفوظ رکھے جائیں گے۔ اپنی کپڑوں میں ایک سبز جبہ بھی جو وہ اپنے وطن لباس کے ادب رہتا کرتے تھے۔ لکھے پڑے کا بھی تمام سامان علی حال رکھا رہے گا۔ مگر کی ہر چیز پر لکھا جائے گا کہ کب خریدی گئی؟ کیوں خریدی گئی؟ اور مرحوم اس سے کیا کام لیتے تھے؟

(۳) بیت الہدیٰ میں مرحوم کی نعش دفن کی جائے گی۔ ان کی سوجہ قربانی ہو۔ اس نئے انتظام کی تکمیل اور جدید شاندار مقبرے کی تعمیر کے بعد نعش بنایاں منتقل کر دی جائے گی۔

(۴) سعد پاشا "ابیانہ" گاؤں کے جس مکان میں پیدا ہوئے تھے، وہ بھی خرید لیا جائے اور اس میں شفاخانہ یا دوسری کو آجائے (۵) پایہ تخت میں ایک عظیم الشان شفاخانہ یا تیم خانہ قائم کیا جائے اور مرحوم کے نام پر اس کا نام رکھا جائے۔

### تقریر کے پیغام

بیگم زغلول کے نام دینا بھر سے تقریر کے پیغام آ رہے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں اور بادشاہوں نے تالیف کی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا پیغام سلطان ابن سعود اور ان کے بیٹے امیر فیصل کا تھا۔ ان دونوں نے نہایت سچ دلال کا اظہار کیا جو ادراہس حادثہ کو تمام مشرق کے لئے مفید قرار دیا ہے۔ اگر میں ان تمام پیغاموں کا ذکر کروں تو چھٹی بہت طویل ہو جائے گی۔

### یورپین اخبارات کے افکار

یہ معلوم کرنا نہایت اہم ہے کہ زغلول پاشا کی وفات کو یورپ کے اخبارات نے کس نظر سے دیکھا ہے؟ خصوصاً برطانوی اخباروں نے کس طرح اظہار خیال کیا ہے؟

ٹائمز آف لندن لکھتا ہے:

"زغلول پاشا نے معاملات مصر میں جو حاصل کیا، اس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ کچھ بھی ہو، لیکن یہ یقینی ہے کہ تاریخ انھیں مصر جدید کا سب سے بڑا آدمی شمار کرے گی۔ وہ اپنے اندر ایک حیرت انگیز زندگی رکھتے تھے، اگرچہ زیادہ مضبوط جسم کے مالک نہ تھے۔ وہ اپنی جمالیات اور شکل و صورت میں مصری "فلاح" (کسان) کا مکمل نمونہ تھے زبردست شخصیت اور اخلاق رکھتے تھے۔ خلاق عادت شجاعت، شہادت، صراحت، ان کی نمایاں صفت تھی۔ بڑی قوت استدلال، مسکت حجت، حاضر جوابی، خوش گفتاری، اور حیرت انگیز خطابت نے انھیں نہایت ممتاز کر دیا تھا۔ محمد علی پاشا اول خدیو مصر کے عہدے آج تک کسی نے بھی فرعون کی سرزمین میں اتنی مقبولیت، اخلاقی اقتدار، اور عام محبوبیت حاصل نہیں کی جتنی زغلول پاشا نے حاصل کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر جدید کی تاریخ میں وہ پہلے سیاسی رہنما نہیں جنھوں نے قوم کے دل و دماغ، دونوں بریکساں اثر ڈالا اور ملک کی سیاسی تربیت کی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مشرقی رہنما مغرب رہنماؤں کے مقابلے میں جلد بوڑھے ہو کر معطل ہو جاتے ہیں، لیکن سعد زغلول، اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک جیت دھڑلے رہے اور سخت سے سخت دماغی سخت انجام دیتے رہے۔ تاریخ میں بہت کم انتہا پسند انقلابیوں کے نام ملتے ہیں۔ جو ۵۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنے سیاسی اقتدار و مقبولیت برقرار رکھ سکے ہوں۔ لیکن زغلول پاشا اپنے آخری وقت تک محبوب مقبول

رہے۔ ان کی عمر جتنی زیادہ ہوتی گئی، اسی قدر زیادہ ان میں سیاسی جوش اور انقلابی روح بیدار ہوتی گئی۔ ... برطانیہ نے زغلول کو جلا وطن کیا تھا۔ لیکن اس عظیم انسان کے دلیس اس وجہ سے کوئی بغض پیدا نہیں ہوا۔ برطانیہ نے دیکھ لیا تھا کہ یہ اس کا ایک ایسا دشمن ہو جو خندہ پیشانی سے ہر طرح کی ضرر میں برداشت کر سکتا اور اپنے جوش سے ان کا جواب دے سکتا ہو۔ کوئی شخص بھی اس فلاح کی شجاعت پر حیرت کے بغیر نہیں رہ سکتا، جس نے بے شمار محنت و قوتوں سے مقابلہ کیا اور بے گناہوں کو بالآخر اپنے ارادے کے سامنے جھکا لیا۔ ..."

"زغلول، سالہا سال سے مصر کا معبود تھا۔ سیاسی جنگ میں اس کی شجاعت و دلالت بے نظیر تھی۔ وہ اپنی قوم کو کامل خود مختاری کی طرف لے جا رہا تھا۔ لارڈ کرزن نے ایک مرتبہ کہا تھا "زغلول، شورش کا غیر معمولی علم بردار ہے!" لیکن کچھ عرصہ پہلے ملک کی آزادی چاہتا اور انگریزوں کو دہاں سے نکالنا چاہتا تھا۔ مصریوں کے دلیں اس کی عزت بے حساب تھی۔ وہ ہمارا شریف اور بہادر دشمن تھا۔"

منچسٹر گارڈین لکھتا ہے:

"زغلول پاشا، تمام مصریوں میں ایک آدمی تھا۔ اس کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ وہی وجہ ہے کہ اسے ۳۳ مرتبہ جلا وطن ہونا پڑا۔ اگرچہ نے بہت کوشش کی کہ اسے جاہ و منصب کا لالچہ نہ کر لائیں، مگر اس نے ہمیشہ انکار کیا، اور کامل خود مختاری کے سوا کچھ قبول کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ سعد پاشا کی ذہانت، اخلاق، خوش مزاجی، ایسی تھی جس کی نظیر مغلوب قوموں کے رہنماؤں میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔"

پانچ گھنٹے کے متعصب متعصب اخبارات کے خیالات ہیں لیبر پارٹی کے اخبارات نے تو اس کو بہت زیادہ دکھا ہے۔ اختصار کے خیال سے ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے۔ یہ تمام دائیں تار کے ذریعہ افکار کے اخبارات میں پہنچی ہیں اور ابھی ان کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

اسی طرح فرانسیسی اخبارات نے بھی طویل و عریض مضمون شائع کئے ہیں اور مرحوم کی بہت تعریف کی ہے۔

نیم سرکاری اخبار "طان" لکھتا ہے: سعد پاشا، مصر کے ارتقا سے بڑے آدمی تھے۔ ان کی زندگی کا اکثر حصہ اپنے ملک کے لئے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں گزرا۔ وہ دنیا بھر کی نظروں میں معزز و محترم تھے۔ ..."

"ایکویٹی باری" لکھتا ہے: "زغلول، مصر کا عظیم آدمی تھا۔ آزاد کا علم بردار تھا۔ مصر میں اس سے بڑا کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ ..."

اخبار "دیبا" لکھتا ہے: "سعد کی موت نے مصر کو اپنے سب سے بڑے رہنما سے محروم کر دیا۔ اس کی شخصیت، بہت ہی عظیم تھی۔ ..."

مکتوب بہت دراز ہو گیا ہے۔ آئندہ ہفتے انشاء اللہ میں جلد لکھ گا کہ سعد پاشا کی موت کا اثر مصر کی سیاست پر کیا پڑ سکتا ہے؟ اور انگریز اس سے فائدہ اٹھانے کی ابھی سے کسی طایاریاں کرنے لگے ہیں؟ لیکن قلم نویس نے پہلے میں بہت ہی اختصار کے ساتھ مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب سمجھا ہوں۔ تاکہ آپ کے قارئین اذاتہ کر سکیں کہ عظیم زندگی کیونکر شروع ہوئی اور کس طرح موجودہ بلندی تک پہنچی؟

### سعد پاشا کی زندگی پر ایک نظر

وہ مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔

"ہر اکثریت مسلمانہ کو شیخ سعد زغلول ازہری طالب علم کی سرکاری اخبارات و قلم المعبر کے ادارہ عجیب میں تقریر ہوئی۔ ... قرش (ایک قرش ہر کار ہوتا ہے) اہل تہذیب و تمدن ہوتی تھی۔ یہ طالب علم

خوش اطوار ہے۔ شیخ محمد عبد نے اس کے چال چلن کی تعریف کی ہے۔ یہ عبارت ایک سرکاری فرمان سے اخذ کی گئی ہے۔ اس وقت مرحوم، ازہر کے طالب علم تھے اور شیخ سعد زغلول "کہلاتے تھے۔

یکم فروری ۱۸۷۸ء کو ان کی تنخواہ ۹۳۳ قرش ہو گئی۔

۳۱ مئی ۱۸۷۸ء کو سعد زغلول "کاتبہ وزارت دہا" کے محکمہ میں ہو گیا اور تنخواہ ۱۵۰ پونڈ مقرر ہوئی۔

۱۸ ستمبر ۱۸۷۸ء کو "جینو" کی کٹری میں بمبارت و قراقتات ہوا مقرر ہوئے۔

۶ جولائی ۱۸۷۸ء میں ۵۵ پونڈ تنخواہ پر درجہ دوم کے محکمہ میں ہوئے۔

یکم فروری ۱۸۷۹ء میں تنخواہ ۵۵ پونڈ ہو گئی۔

یکم جنوری ۱۸۸۰ء میں تنخواہ ۶۰ پونڈ قرار پائی۔

۸ اپریل ۱۸۸۰ء میں انھیں پہلا سرکاری تنخواہ دیا گیا۔

۱۸ جنوری ۱۸۸۱ء میں انھیں تیسرا نشان مجیدی عنایت ہوا۔

یکم جنوری ۱۸۸۱ء میں ان کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار پونڈ ہو گئی۔

۲۸ اکتوبر ۱۸۸۱ء میں سعد زغلول "بک" وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔

۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء میں پاشا کا خطاب ملا۔

۱۸ جنوری ۱۸۸۲ء میں مجیدی اول کا منصب ملا۔

۲۳ فروری ۱۸۸۲ء میں محکمہ عدالت کے وزیر مقرر ہوئے۔

۲۷ جنوری ۱۸۸۲ء میں وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۲۳ مارچ ۱۸۸۲ء میں چھٹی مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر مقرر ہوئے۔

۱۰ جون ۱۸۸۲ء میں دوسری مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر منتخب ہوئے۔

۲۳ اگست ۱۸۸۲ء میں فوت ہو گئے۔

## اطلاع ضروری

(۱)

بارش کی وجہ سے مطبع الملال کے مشین دم کے بعض حصے کئی ہفتے سے کمزور ہو گئے تھے، خصوصاً وہ مشین جن کے ذریعہ مشینیں چلتی تھیں کی گئی ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کام کے روکے بغیر مشین کی جائے لیکن کوئی صورت نہ نکلی سکی۔ مجبوراً اس ہفتہ کا کام ختم کر کے ان کی از سر نو تعمیر شروع کر دی جاتی ہے۔ ہم کوئی کوشش کرینگے کہ آئندہ ہر کسی نہ کسی طرح نکل جائے، لیکن اگر کامیابی نہ ہوئی تو اس صورت میں آئندہ جمعہ کا پرچہ جاری نہ ہو سکے گا، اور اس کے بعد کے جمعہ کو نکلے گا۔ خریداران الملال اگر گریٹ پرچہ نہ لیں، تو وہ سمجھ لیں کہ پرچہ شائع نہیں ہو سکا ہے۔ یہ ہفتہ خریداروں کی سالانہ فیت میں محسوب نہ ہو گا۔ "منجر"

(۲)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مولانا ابوالکلام کے ان مضامین کی اشاعت شروع نہیں ہوئی ہے جس کا ان کے اخبار کو انتظار تھا۔ بجز باب تعمیر کے اور وہ بھی ہرگز نہیں سلسل نہیں ہے۔ ان حضرات کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ الملال جاری کرتے ہوئے انھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ حقیقت تک مقدمہ اور فقہ کی ابتدائی جلدوں کی از سر نو تحریر ہے۔ وہ فارغ نہیں ہوئے، الملال کے لئے توجہ دقت نہیں نکالیں گے۔ اب وہ ایک حد تک فلاح ہو چکے ہیں۔ اور انھوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ سفر شملہ سے واپسی کے بعد اس کے لئے کافی دقت نکالیں گے۔

منجر



ایک عجیب قیامت برپا ہو گئی۔ اگر فوج اور پولیس کا انتظام غیر معمولی نہ ہوتا تو یقیناً بے شمار جانیں ضائع جاتیں۔ کیونکہ نقش کے بلند ہوتے ہی ہزاروں آدمیوں نے بیک وقت آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ سجدہ کی نقش کا بوسہ لے لے، یا کم سے کم اُسے چھو لے۔ مگر فوج اور پولیس نے پرجوش مجمع کو روک دیا اور ٹھیک مہینے جنازہ روانہ ہو گیا۔ جلوس میں جبکہ آگے فوج کا ایک بڑا دستہ اپنا خشکی باجا بجا رہا تھا۔ اُس کے بعد مزدوری پیشہ طبقہ کی مختلف جماعتیں تھیں۔ ریلوے کے مزدور، کارخانوں کے مزدور، گاڑی بان، لوہار، حجام، غرضکہ مختلف پیشہ وران کی علاوہ عرصہ مضیں تھیں۔ انکے پیچھے پھر فوج اپنے باجے کے ساتھ تھی۔ اس کے پیچھے مختلف تجارتی کمپنیوں کے مزدور اور کارکن تھے۔ چھاپے خانوں کے مزدور، دروں کی مضیں، انکے بعد تھیں۔ پھر.....

مگر میرے لئے یہ تمام تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ صرف اس قدر کہ دنیا کافی ہو کہ قاتلہ میں جتنی جماعتیں اور فرقے موجود ہیں، جتنے بڑے قاتل ہیں، جتنی انجمنیں،..... بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید سب لائق نہ ہوگا کہ جتنی بھی مخلوق موجود ہے، اُس کا بڑا حصہ جنازے کے ساتھ آگے نکلتا ہے موجود تھا!

اس جلوس میں ایک قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ اُس میں ہر طرف ہلال اور صلیب، دونوں کے علم بلند تھے۔ دونوں ہوا میں ہلتے تھے اور ہم آغوش ہو جاتے تھے۔ یہ نظارہ نہایت ہی بڑا تھا۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ مقرر میں اب ایک ہی عنصر باقی ہے، اور وہ آزادی کا حق مصری قوم ہے۔ اور یہ کہ سجدہ زغلول کسی ایک فرقہ کا رہنما تھا، بلکہ مصر کے تمام فرقوں کا یکساں طور پر رہنما تھا۔ وہ جس طرح مسلمان مصریوں کا محبوب تھا، اُسی طرح مسیحی مصریوں کا بھی محبوب تھا!

نماز جنازہ

ٹھیک ۶ بجے جنازہ، مسجد تیسویں میں پہنچا۔ یہاں لاکھوں مخلوق نے نماز جنازہ ادا کی۔ صفوں میں سیکڑوں مسیحی عیسائی، اور مصری ہونے کے بغیر بھی مسلمان نمازیوں کے دوش بدوش کھڑے تھے، اور اپنے سردار کی مغفرت کے لئے بے ہمتی سے اللہ تعالیٰ سے التجا کر رہے تھے!

قبر پر ہوا

نماز کے بعد جنازہ پھر آگے بڑھا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ قبر کے قریب پہنچ کر جلوس رکا۔ آدمیوں نے گاڑی پر سے نقش اُتاری۔ ان میں ڈوڈنلی عیسائی بھی شامل تھے۔ قبر میں نقش اُتارنے والے بھی ہی لوگ تھے۔ اس وقت کا نام ناقابلِ بیان ہے۔ دیکھا کہ کوئی قلم بھی اُسے نہیں لکھ سکتا۔ ایسا نام تھا کہ دل لے جاتے تھے۔ مگر آزادی ہیوش ہو کر گر پڑے!

اس تمام دردِ دل میں قلم سے تو پین غمی رہی تھیں۔ سچی گرجوں کے گھنٹے بج رہے تھے۔ کیمبروں کے نورے بلند ہو رہے تھے۔ قاتلہ، پورے مٹی میں نشانِ غم بن گیا تھا۔

مٹی دینے سے پہلے فتح اللہ شاہ برکات قبر میں اترے اور مرحوم کو آخری سلام کر کے بچل آئے۔

وزیر داخلہ کی تقریر

اس موثر موقع پر جعفر دانی باشا وزیر داخلہ کھڑے ہوئے اور کہا: "سعد مرگیا۔ اُن کیسے سخت مصیبت و دریش ہو! یہ ایسی مصیبت ہے جس کا غم کبھی دور نہیں ہوگا۔ سعد پاشا نے جس اعلیٰ اصول پر اپنی زندگی قربان کی، الحمد للہ اب وہ اصول تمام مصری قوم کے دلوں میں اسی طرح بکھیرے ہیں۔ اگر یہ جلیل القدر و جلیل القدر شخصیت جس سے دور ہو گیا ہے، تو کوئی مصلحت نہیں، اُس کی روح ہمارے ہر ذرہ پر زندہ رہے گی۔ ہم سب ایک ایک کر کے اسی طرح مرجائیں گے، مگر قوم اس شخص کی پیدائی ہوئی ندر ہے ہمیشہ زندہ رہے گی!"

پارلیمنٹ کی تقریر

وفات کے دوسرے دن پارلیمنٹ کے تمام ممبر بیت اللہ یعنی قوم کا گھر۔ یہ اُس مکان کا نام ہو گیا جس میں سعد پاشا اپنے بچے میں جمع ہوئے، اور بیگم زغلول کے سامنے حبیلِ تقریر کی:

"مرحوم و مغفور رہنما کی حرم محترم!

"یہ موقع ہمارے لئے نہایت ہی دردناک ہے کہ بیت اللہ میں جبکہ وہ سعد سے خالی ہو چکا ہے، اُس کی رفیقِ حیات کی تقریر کو حاضر ہوں۔

"مغز خاتون! مصری قومیت کی تعمیر میں سعد نے پہلی اینٹ رکھی۔ اُسے پوری سرزمینِ مصر کو ایک قوم بنا دیا اور اُس کا ایک ہی نعرہ قرار دیا۔ وہ نعرہ، کامل آزادی کا نعرہ ہے۔ اُسے پوری قوم کی ایک صف بنا دی۔ خود آگے کھڑا ہوا، اور منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُسے آزادی کی مضیں آگے بڑھائیں۔ عزت و عظمت کی راہوں میں داخل ہوا۔ تمام شکلیں حل کر ڈالیں۔ رکاؤں کو دور کریں اپنی بے نظیر قریبیں سے منزلِ مقصود قریب کر دی۔ اپنی بے مثل عجایب سے ناممکن کو ممکن بنا دیا!

"سعد، دستورِ حکومت کا باپ تھا، محافظ تھا، سپہ سالار تھا، سپاہی تھا۔ پارلیمنٹ کا سب سے پہلے کھولنے والا تھا۔ منبرِ خطاب کو سب سے پہلے بلا ڈالنے والا تھا۔ حکومت کے ایوان میں سب سے پہلے اُسی کی حق گو آواز گونجی تھی!

"سعد ہی نے پارلیمنٹ کے اصول مقرر کئے۔ مذاہلہ ہائے دستور اہل مرتب کیا۔ اُس کی عزت بڑائی۔ اُس میں عظمت پیدا کی اُسے قوت بخشی۔ اپنے جاہ و جلال کا ایک عظیم پُر تو اس پر ڈالا، اور بڑ جاہ اور بڑ جلال بن گئی.....

"سعد اپنی صدارت کی کرسی پر حق و باطل کی سچی میزان تھا۔ دور اور نزدیک کے لئے روشنی کا ستون تھا۔ فصاحت میں صاف و البیان تھا۔ پیری میں شبابِ خرم تھا۔ فیصلہ کی عظمت تھا۔ لفظ میں بلاغت تھا۔ محبت بالغہ تھا۔ آیت اللہ تھا۔ ہدایت کا نور تھا۔ عقل کا ستون تھا۔ خطابت کا امام تھا....

"محرم خاتون! اس وقت جبکہ خزن و دلال نے آپ کو اپنی موجود میں لے لیا ہے، اور جبکہ سعد پر رب کریم کی نظر عنایت پڑ رہی ہے، ہم اپنے زخمی دلوں کے ساتھ تقریر پیش کرتے اور تم کھاتے ہیں کہ جب تک زندگی باقی ہو گا، اُس کی آزادی کے حصول کی جدوجہد جاری رکھیں گے اور پورے اتحاد و اتفاق کے ساتھ دستورِ حکومت کی حفاظت کریں گے۔

"محرم خاتون! سعد آپ کا بھائی تھا، ہمارا بھائی تھا۔ وہ خدا کا بھائی تھا اور وطن کا بھائی تھا۔ اُس نے اپنی تمام حرات و ہمت، عظیم قربانیاں، غم و رنج، غرضکہ جتنی بھی مافوق العادت قوتیں اُسے ملی تھیں، سب کی سب اپنے وطن کی خدمت پر وقف کر دی تھیں، یہاں تک کہ موت آگئی، اور اُسے شہادت نصیب ہوئی۔ سعد، شہیدِ وطن ہے!

"سعد اپنی قبر میں آرام سے سوئے، کیونکہ وہ اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ گیا ہے جو اُسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ پس سعد پاشا کی زندگی میں سلام ہو اور موت کے بعد قبر میں بھی....."

تقریر یہاں تک پہنچی تھی کہ فتح اللہ پاشا نے بالائی کمرے سے چلا کر کہا: "حضرات! سعد پاشا کی حرم محترم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ خاموش ہو جائیں۔ وہ کہتی ہیں آپ کی تقریر سے میرا دل بٹھا جا رہا ہے۔ آپ کی ہمدردی کی از حد شکریہ ادا نہیں۔ میری زبان آپ کے اظہار سے قطعاً عاجز ہے۔ خدا سے میری دعا ہے کہ آپ سب کے سب سلامت رہیں!"

لکھے۔ زندہ باد مصر!

سعد پاشا کی حرم کا بیان

صغیرہ نام ذریعہ محترم سعد پاشا مرحوم نے قوم کے نام حبیلِ شائع کیا ہے:

"میرے فرزند!

"اگر سعد، جواب جوار خداوندی میں پہنچ چکا ہے، مجھ پر سعد ہوتا، تو اُس کی موت پر بھاری تفریق کا شکریہ ادا کرتا۔ وہ پورے مصر کا سعد تھا۔ وہ مصر کا سپہ سالار تھا۔ امین تھا۔ موت کی مصیبت، خود بھاری مصیبت ہے۔ اُس کا اتم خود مختار ہے۔ اگر مجھے شکریہ ادا کرنے کا کوئی حق پہنچ سکتا ہے تو وہ موت! لحاظ سے کہ اُس کی محبت مجھے حاصل تھی۔ اُس کی سچی محبت پر دُعا اُس کے نام کی عزت مجھے نصیب ہوئی تھی۔ اُس کی دھڑ سے محبت اور قومی حکومت کی شفقت مجھے مسوائی۔ اگر اتنا حق میرے لئے منظور کر دے تو میرا شکریہ قبول کر لو۔ ایسا شکریہ، جس کے اخفا میرے دل میں نہیں ہے اور جس کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے۔ میرے بچو! سعد اس کے بچو! کچھ نہ تھا کہ ایک اعلیٰ سطح تھا۔ سعد مرگیا، مگر الحمد للہ یہ سطح نظر ہنوز باقی ہے۔ اُس کی جود ہم سے اچھل ہوگی، مگر اُس کی قیمتی یاد ہمارے دلوں میں زبانی، والذکر لی تنفع المؤمنین!

"اگرچہ اُس کی جدائی کے غم نے ہمارے دل تو ڈالے ہیں، آؤ، اس غم کو فریادِ حیات و شجاعت کا ذریعہ بنائیں۔ یہ غم ہماری ہمت بلند کرنے والا اور ہم میں ایک بالکل نیا جوش پیدا کرنے والا ہوگا۔ شریف غم ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جو بے روک ہوتی ہے، اہمیت لاتا ہے جو اختتامی ہوتی ہے۔ اگر سعد کا ہم پر کوئی حق ہے تو وہ یہی ہے کہ ہم امید کو نہ چھوڑیں، کیونکہ یہ پورا اُسی کا لگایا ہوا ہے اُس کے حسن ظن کے مطابق ثابت ہوں۔ اُس کا کام پورا کریں اُس کی دیکھی ہوئی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کریں۔ مقرر کردہ کاروبار مقرر کے سوا سب کچھ بھول جائیں۔ مقرر ہی ہمارا منزل و مقصد ہے۔ اُس سے پیدہ ہوئے ہیں اور اُسی کی خاک میں مل جانے والے ہیں۔ ہم ایسا کرینگے تو یقیناً کرو، سعد کو اپنی صفوں میں پائیں گے۔ ہر خادمِ وطن، ہر مجاہدِ وطن، سعد کو اپنے دل کے اندر دیکھے گا۔ اس لئے کہ سعد، جس سے ہم محبت کرتے اور جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیں، دراصل ہمارا وہ مطالبہ حق ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں یعنی آزادی، یعنی خود مختاری۔ اسی پر ہم جینگے اور اسی پر مرینگے۔ میرے عزیزو! آج مصر بھاری طرف دیکھ رہا ہے، تم بھی اُسے دیکھو۔ وہ بھٹیں بکھار رہا ہے، تم بھی اُس کی آواز سنو۔ تم کبھی اُس کی بیکار سے کان بند نہیں کئے۔ آج پھر اُس کی طرز و دروز، بے شک سعد مرگیا، مگر مصر زندہ رہی! بے شک قوم کا زمرگیا، مگر قوم زندہ ہے! قومی آرزوں کا نشان مٹ گیا مگر قومی آرزوئیں زندہ ہیں۔ آؤ ہم بڑھ کر سعد کا جھنڈا اپنے کانہوں پر لٹا لیں۔ وہی انداز جس نے مصر کے لئے ظلمت غفلت کے بعد نور پیدا کی راہ باز کر دی تھی، ہمیں آئندہ بھی راہِ راست دکھائے گا، اور اُس کے لئے سعد کا لقمہ البدل پیدا کرنے کا....."

سعد پاشا کی یادگار

مجلس وزارت نے سعد پاشا کی یادگار قائم کرنے کے لئے حبیلِ تجویزیں منظور کی ہیں:

(۱) مرحوم کا ایک بلند مجسمہ قاتریں اور ایک اسکندریہ میں قائم کیا جائے۔ یہ دونوں مجسمے مہم کو حالتِ خطاب میں ظاہر کرینگے (۲) بیت اللہ (سعد پاشا کا مکان) خرید کر قومی عمارت بنانا

# ان تمام صحائف کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہو

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرتگالی علمی ادب، بطور کتابیں، پرتگالی نقیصوں، پرتگالی ہتھیاروں، پرتگالی نقشوں، پرتگالی زیور، آرائش و تزیین کا ہر قسم کا سامان، اور طرح کے پرتگالی صنعتی جہازوں، نوادہ اگر آپ کو مطلب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں، ذخائر کی قیمتیں ہی سنگین ہوں گی۔ اہل علم و ادب، اہل دولت، دونوں کے لئے بہاؤ ذخیرہ نہیں ہو۔

## نوادہ عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں کو غیر معمولی مصارف و ساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکی، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں عجیب و غریب حد تک انداز ہیں!

بر عظمیٰ یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاهرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادہ ابھی حال میں ہم سے ہی لئے گئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادہ موجود ہوں

تو

آپ فرم فرمائیے۔ اگر آپ کو بھی بچے ہیں، تو یہی خط و کتابت کیجئے۔  
بس کہہ دیجئے کہ اسٹوری یا سٹوریٹ آپ کے

## دیت

### ان من البیان لیسرا

#### مرحوم سعد باشا زغلول کی مبلغ تفریریں

مرحوم احمد سعد باشا زغلول کی فصاحت و بلاغت اور قوت خطابت، دور عالم ہو۔ ان کی مقبولیت اور سیاسی زعامت کی کامیابی میں ایک بڑا راز ان کی ہی سحرانہ خطابت ہو۔ ہم چاہتے ہیں ان کی بعض مشہور تقریروں کے اقتباسات وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہیں۔ ادبی خوبیوں کے علاوہ ان سے مرحوم کا سیاسی ذہب اور فکری رجحان بھی معلوم ہوگا۔

#### شہیدان وطن کی یاد

”ہم تن خشوع ہو کر ان پاک روجوں کی طوط، بہادروں کی روجوں کی طوط، متوجہ ہوتا ہوں جنہوں نے حق کا اعلان کیا، حاکم کے حق کا اعلان، مقررین سے بڑا ہم تھا۔ وہ حق کا بڑا بھائی ہے۔ ان کی بے لاگ شجاعت نے ہمیں سچ دکھایا۔ سب کو وطن کے احترام پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب وہ آرام سے اپنی قبروں میں سوئیں۔ آزادی کی سہانی صبح ان کے خون سے نہائی ہوئی، غلامی کی ظلمت چاک کر کے بھل آئی۔ اللہ ان کی قبریں روشن کرے۔ فردوس بریں میں انھیں آرام دے۔ ان روجوں کو خوش کرے“

#### نوجوان

”میری قوم کی جوانی پر خدا کا سایہ! نوجوانوں نے جوانی کے ان تمام خزانوں کے منہ کھلے دیے جو ان کے سینوں میں بندھے تھے۔ قوم کے لب کو جوش اور خود ادا سے لبریز کر دیا۔ دیوں میں غفلت بیدار کی، سروں میں طاقت آداری، جسموں میں نظام قائم کر دیا۔ نوجوان ہی ہماری تحریک کا اصلی ستون ہیں۔ مقرر کے لئے روشنی کا خیار ہیں۔ مستقبل انھیں ہے ہاتھ میں ہے۔ اور نوجوان ہاتھوں کی قوت معلوم ہے“

#### علماء و دین

”میں علماء اسلام اور سچی فقیہوں کا شکر گزار ہوں۔ انھوں نے متحد ہو کر دشمن کی سب بڑی جھٹ باطل کر دی۔ تمام اختلافات دور کر دیے، اور ثابت کر دیا کہ سب دین اپنی غرض میں ایک ہیں۔ سلطان کی ممانعت فرض قرار دیتے ہیں، سب کا تعلق، خالق ارض و سما کی عبادت ہے۔ سب وطنی مصلحت میں غلطی کو اتحاد کی دعوت دیتے ہیں“

#### اصول نہ کہ اشخاص

”سعد اور اس کے رفیق ان میں امتیاز نہیں ہیں جنھوں نے سچے دیکھائے۔ اولیا نہیں ہیں جنھوں نے کراستیں کھائی ہیں۔ وہ تمھارے سچے افراد ہیں۔ تمھارے اصول کے مددگار ہیں۔ تمھارے ہی آدمی

ہیں، تمھارے شور کا انھوں نے احساس کیا اور تمھارے اصول پر لبریز ہو گئے۔ چنانچہ وہ ان کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پس ہمارے لئے کوئی فخر نہیں۔ اور اگر ہر آدمی سب کا فخر ہو۔

”بلاشبہ میں نے کچھ خدمت کی ہو۔ لیکن میں نے کوئی قربانی نہیں کی، کیونکہ میں بے روزگار تھا۔ البتہ میرے ساتھیوں نے قربانیاں کی ہیں۔ انھوں نے اپنے منصب اور عہدے چھوڑے، حتیٰ کہ اپنی اولاد تک کی جدائی گوارا کی، اور آپ جانتے ہیں کہ میرے کوئی اولاد بھی نہیں (اسپر حاضرین ہنسنے لگے) ”ہم سب آپ کی اولاد ہیں“ بلاشبہ تم سب میری اولاد ہو۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تمام افراد اشخاص کے لئے نہیں، اصول کے لئے ہیں۔ وہ اصول، سعد اور سعد کے رفقاء سے کہیں بلند ہیں“

#### اتحاد

”میری نظریں سب بڑی اور محبوب چیز مسلمانوں اور قبطیوں کا اتحاد ہے۔ یہ علم جہاں سب ایک اتحاد کا نشان بنے، مجھے دینا اور دینا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ علم میرے ہاتھ میں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی قوت سے اس کی حفاظت کروں گا اور زندگی کے آخری لمحے تک اسے بلند رکھوں گا۔ مسلمان اور عیسائی! لیکن میں مسلمان اور عیسائی نہیں چاہتا۔ مقررین صرف ایک قوم ہونا چاہتے اور وہ مصری قوم ہے“

#### وکالت

دکلا کے ایک جلسے میں تفریر کرتے ہوئے مرحوم نے کہا: ”میری خدمتوں کی دعوت بھی ہوئی ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے لئے ان خدمتوں پر فخر کرنا دماغ نہیں ہے لیکن میں آپ کی اجازت سے صرف اس بات پر فخر کرنا چاہتا ہوں کہ میں کالت کے پیشے میں داخل ہوا اور اس کی خدمت کی۔

”ہاں، میں اس خدمت پر بہت زیادہ فخر کرتا ہوں۔ مجھے کوئی امانت کا الزام نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اس زمانے میں اس پیشے کا کیا حال تھا؟

”میں نے وکالت کا پیشہ اس وقت اختیار کیا جب یہ پیشہ فخر نہ تھا، جیسا اس وقت ہے۔ بلکہ وہ حقیر سمجھا جاتا تھا اور اس کے آدمی بھی حقیر سمجھے جاتے تھے۔ یہ پیشہ اصل میں جس قدر شریف تھا، اسکا ملک میں اسی قدر ذلیل ہو گیا تھا۔ وکیل اور وکلاء، یہ دونوں نظم و معنی سمجھے جاتے تھے۔ اپنے خاندان کا کوئی رکن بھی اس میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ اس وقت خود دکلا کو بھی اپنی عزت نفس کا کوئی خیال نہ تھا۔

”لیکن یہ سب جانتے سمجھتے تھے کہ میں اس پیشے میں تھا۔ ایک بڑی اخلاقی شجاعت کا کام تھا۔ میں سنا کرتا تھا کہ لوگ کہیں اس لئے جتے ہیں کہ وہ فریب کی راہوں سے دولت کمائیں۔ میں نے کہا لیکن میں اس لئے وکیل بنوں گا کہ حق و عدالت کی خدمت کر سکوں۔ یہ اس وقت کی بات ہو جب وکیل، حاکم عدالت کے درمیان رہتا تھا۔ اس کی ذرا سی نامی بھی، وکیل کو اپنی کمائی سے محروم کر دیتی تھی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں ایک مقدمہ پر بحث کر رہا تھا، وکیل وکیل نے کہا آج پیشی بڑا دی جائے۔ میں نے اعتراض کیا، منہ کا التھارنا دیا، کیونکہ طرہوں کو قید خانے میں بلا سب رکھنا ہوتا ہے۔ حاکم خفا ہو گیا۔ فوراً اپنے الفاظ واپس لو۔ حاکم نے کہا: ”عدالت کے لئے کوئی بات بھی ناروا اور ناجائز نہیں“ لیکن میں نے الفاظ واپس لینے سے انکار کیا اور سخت صدمہ حال کا مقابلہ کیا۔

”اسی طرح کے بہت سے واقعات پیش آتے رہے، یہاں تک کہ وہ ناانگیا جب یہ پیشہ مغرور ہو گیا اور حکام، دکلا کی دوستی بھرنے لگے۔

#### قومی نگرانی کے حدود

”ہم قوم کے منہ سے ہیں۔ قوم کو ہماری نگرانی کا حق ہے۔ ہم کا فرض ہے کہ وہ اپنا مطالبہ نہیں تائے۔ اسے یہ مطالبہ نہیں تائے کہ وہ کابل آزادی! اب ہم کو شش کرتے ہیں۔ قوم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوشش کی راہیں بھی ہمارے لئے مقرر کرے۔ قدم قدم پر ہم سے باز پرس کرے اگر ہم کسی سے گفتگو کریں تو ہم سے دودھ طلب کرے اگر ہم کہیں جائیں تو ہم سے وجہ دریافت کرے۔ قوم کو چاہئے کہ خاموشی سے ہماری کوشش دیکھے۔ جب ہم اس کے سامنے اپنی کوشش کے نتائج پیش کریں تو بلاشبہ حق ہے کہ ہماری تجویزیں خوب جائزہ اگر اس کی پسند کے مطابق نہ ہوں تو ٹھکرائے۔ ہمیں ہرگز کوئی شک نہیں ہوگی“

#### آزادی کی نعمت

”ہم دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہو جانے پر تیار ہیں۔ سب آرام ہم سے چھین لو، ہمارا مال و دولت بھی ضبط کر لو۔ ہم اس سب پر صبر کریں گے، مگر اس غلام بنانے والو! یاد کرو، ہم آزادی سے ہرگز دست بردار نہ ہونگے۔ آزادی، خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس کو محروم خود زندگی سے محروم ہے“

#### قومی وحدت

”قوم ایکے ہوا کچھ نہیں کہ انسانوں کا ایک مجموعہ ہے، وہ مجموعہ جس کی مصلحت ایک ہے، جس کا شوق ایک ہے، جس کی آمد و ایک ہے۔ قوم کی اس وقت آزاد کیا ہے؟ کابل خود مختار ہے! ہماری قومی وحدت مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔ اس میں فرقہ نہیں دیکھے ہیں۔

”وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ”باشا دل“ (امیر دل) کا گروہ پوری قوم پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ ہمارے ملک میں ”باشا دل“ کا کوئی خاص گروہ ہے نہ۔ فلاں، ”کسان کا۔ ہم سب ”باشا“ بھی ہو سکتے ہیں اور فلاں بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے اپنے خاندان کے اکثر افراد فلاں ہیں لیکن میں سعد زغلولی باشا ہوں۔

”وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے اندرونی فرقے موجود ہیں۔ مگر یہ پہلے کچھ نہیں، لیکن اب کوئی فرقہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ہے تو وہ ایک ہی فرقہ ہے۔ یعنی مصری قوم، جب سے جدید بیداری کا شعور طبع ہوا، ہلال اور صلیب ہمیشہ کے لئے معاند کر لیا ہے۔ یہ معاندت صرف مسلمان اور قبطی کا معاند نہیں ہے۔ یہ مسلمان کا دنیا بھر کی قوموں اور مذہبوں سے اتحاد کا نشان ہے۔ ہم متعصب نہیں ہیں۔

۱۔ ہم شیطانی کجکاریوں میں جو انسانوں میں پھوٹ ڈالتا ہے۔ ہم خدا کے پرست ہیں جو انسانوں میں محبت کا رشتہ پھیلا کر ہے۔

# رپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھر آگئے ہیں کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

۱ دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے  
اور  
جسے ملک معظم برطانیہ اور اُن کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہوا  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوتا ہے  
یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ  
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایشن  
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں  
ہمارے یہاں

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کرتی ہے



صرف ہمدرد دوا خانہ بیگا

موم گزرا کا نیا شربت

یا دھکے

شربت روح افشا (۲۹۳) (جسٹ)

اس کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہم باہمی ہیکر بلا تفریق مذہب و ملیت ہر دین و نژاد میں مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر ملک شہرت حاصل کر چکے ہیں اور جس کو چشم بد (حواس) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے جسٹ بھی کرایا گیا ہے۔

محرم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے فائدہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل دہم شتادہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدر دانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیو وسیع برآقلم جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موم گزرا میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔ ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فوائدات مثل انگور، سیب، رنگترو وغیرہ اور بہت سے اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سرد و دران سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ و بوی اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خردا ہم ثواب کے بصدقہ پبلک کی خدمت کرنا ہندوستانی اشیا کی ترویج کو ترقی دینا منظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بولن دیکھ کر اس کا استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صفت کا اُمید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دینی ہے۔ خوش ہو گئے اور باوجود اس قدر خوبیاں اس کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ حیت فی بولن ایک روپیہ آٹھ آنے (عبر) حکیموں اور عطاردوں کے علاوہ تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں فی پیکٹیشن

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہمیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا نام لے کر دیکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دوا خانہ کا خوشامیلیل اور سپر لاکسٹریٹ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح ہے کہ یہ شربت ہمدرد دوا خانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دوا خانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔ بہت دوا خانہ نے جبری ۱۹۲۶ء کا روڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔

پتہ: ہمدرد دوا خانہ دہلی

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اے آپکو

دہلی

(صیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی کون سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

مشہور عالم دوا انگلوکار

اگر آپ انگلستان کی تیار کرنا چاہتے ہیں تو

یا دھکے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگام گائیڈ کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کرے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جا سکیں جن کی ایک شاح کو

تھوم قدم پر ضرور پیش آتی ہے

ایسی ہل گائیڈک صرف

ڈنلاپ گائیڈ گریٹ برٹین

The Dunslop Guide to Great Britain

دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ایجنٹوں کے ہاں مل سکتی ہے



## جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر سلسلہ میں شائع ہوئی تھی جب وہ رائجی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹ء میں جسدہ نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رائجی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ ۱۲ (نیوہلال کلکتہ)

## حیرت انگیز رعایت

پچھتر روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محولہ لاک اور پینک گنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے  
قابل گولڈن سٹونجیلوے ریکورڈنگ کٹولاج شہورانی ٹیپو گریفٹ



نئے نئے ڈیزائن کی خوشامیسی اصل سلوکس خوبصورت مضبوط دیکھنے میں خوبصورت چلاؤ تھا پانچ ٹائم ہائی کی قیمت سے ٹائم ٹائم سے بڑھتا ہوا مضبوط ڈراما کا سچا۔  
ہر سال سات لاکھ لاکھ آدھ ہر جین پانچ روپے آٹھ لاکھ (۱۹۹۹) ہر سستا قیمت دوسرے  
محصولہ لاک پینک گنگ میں آٹھ لاکھ پینک گنگ میں آٹھ لاکھ پینک گنگ میں آٹھ لاکھ  
تین گھڑیاں لاکھ قیمت لاکھ قیمت صرف دس روپے میں بھی جائیں گی یہ رعایت محض  
مال کی نکاسی اور فروم کی شہرت کی وجہ سے اور یہ رعایت ہی وقت تک رہے گی  
جب تک کہ گھڑیاں کٹولاج میں پہنکی اسکے بعد تمہیں کے ذرا نہیں گئے آپ فوڈ ہی آرڈر  
بیمہ دیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اسٹاک کی فراہمی کی تعمیل نہ ہو سکے  
نوٹ: ایک لاکھ گھڑی کے خریدنے کے لئے کوئی ٹائم نہیں جو ان سے لکھی قیمت مندرجہ  
ہو کہ ایک لاکھ گھڑی کے خریدنے کے لئے کوئی ٹائم نہیں جو ان سے لکھی قیمت مندرجہ  
ہو کہ ایک لاکھ گھڑی کے خریدنے کے لئے کوئی ٹائم نہیں جو ان سے لکھی قیمت مندرجہ

سٹاک لاکھ گھڑی کے خریدنے کے لئے کوئی ٹائم نہیں جو ان سے لکھی قیمت مندرجہ  
ہو کہ ایک لاکھ گھڑی کے خریدنے کے لئے کوئی ٹائم نہیں جو ان سے لکھی قیمت مندرجہ  
ہو کہ ایک لاکھ گھڑی کے خریدنے کے لئے کوئی ٹائم نہیں جو ان سے لکھی قیمت مندرجہ

## کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائنٹن قلم

امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا

بیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم دنیا

میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کیجیے

یاد رکھیے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو ”شیفر“

کا

”لائف ٹائم“

لینا چاہیو!

ہوتا ہے۔ ہر خلیہ اپنے اندر جرثوم حیات پوشیدہ رکھتی ہے۔ اس جرثوم کو ہم زندگی کا میکروب کہہ سکتے ہیں۔ یہی میکروب خلیہ کو حرکت دیتا اور زندہ رکھتا ہے۔ اس میکروب کا قتل خود خلیہ کا قتل ہے۔ اور خلیہ کا قتل زندگی کا ختم کرنا ہے۔ لہذا ان جراثیم حیات کے بقاء و دوام کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کوشش کی کامیابی یقیناً زندگی کو دراز کر دے گی۔ میں نے ایک ایسا کیمیائی مرکب طیار کر لیا ہے جو ان جراثیم کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن اس مرکب کو میں ابھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا، یہاں تک کہ اُس کے مزید تجربے ختم کر لوں۔“

”ہر شخص جانتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد جسم میں جو مادہ کم ہو جاتا ہے، وہ کلورائیڈ کا ایک مرکب ہے۔ یہ مرکب میں نے معلوم کر لیا ہے اور اُسے ابھی تک راز بنائے ہوئے ہوں۔ اگر یہی مرکب برزے جسم میں انجیکشن کے ذریعہ پہنچا دیا جائے تو انسان ضرور جوان ہو جائیگا... اُس کی حیرت انگیز تاثیر تم اس وقت بھی میرے جسم میں دیکھ سکتے ہو۔“

## احساس الم کا ازالہ

تکلیف کے احساس کا سبب کیا ہے؟

تکلیف کا احساس اس لئے ہوتا ہے کہ جسم میں اعصاب (پٹے) موجود ہیں۔ یہ اعصاب اس احساس کو اُس کے مرکز — دماغ — تک پہنچاتے ہیں اور انسان تکلیف محسوس کرتا ہے۔ علم کی ترقی کے بعد بہت سے مخدرات ایجاد ہو گئے ہیں۔ یہ اس احساس کو زایل کر دیتے ہیں مگر اُن کا اثر عارضی ہوتا ہے۔ پھر بہت سے بیماروں پر ان مخدر دواؤں کا استعمال بھی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اُن کا دل کمزور ہوتا ہے اور وہ اُن کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری مشکلات دیکھ کر مذکور الصدر ڈاکٹر کن آب نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے جو سرے سے تکلیف کا احساس ہی زایل کر دے اور مخدر دواؤں کی ضرورت باقی نہ رہے۔

ڈاکٹر کو یقین ہے کہ اس مقصد میں اُسے ضرور کامیابی ہوگی۔ اس کامیابی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ہمیشہ کے لئے تمام آلام و تکالیف سے نجات پا جائیگا۔ اُس وقت جراح مخدرات کی مدد کے بغیر عمل جراحی کر سکیں گے۔ مریض ہرگز کوئی تکلیف محسوس نہیں کریگا۔ ڈاکٹر کا دعویٰ ہے کہ کتوں پر اُس کا تجربہ بالکل پورا اُترا ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ انسان پر بھی کامیاب نہ رہے۔

اس طریق علاج کا خلاصہ یہ ہے کہ ”نخاع مستطیل“ (بصلة الملخ) پر عمل جراحی کیا جائے تاکہ احساس کا مرکز ہمیشہ کے لیے شل اور سن ہو جائے۔ ظاہر ہے، جب اصلی مرکز سن ہو جائیگا تو تکلیف کا احساس بھی قطعاً باقی نہیں رہے گا۔ واقعی اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو گیا، تو ہمارے تمام جسمانی آلام ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاسکتے ہیں۔

لیکن ابھی کامیابی دور نظر آتی ہے۔ کیونکہ اس عمل جراحی میں ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ دماغ میں جملہ احساسات کے مرکز ہی کہیں شل نہ ہو جائیں اور انسان میں کوئی حس ہی باقی نہ رہے۔ ہاں اگر وہ خاص عصب (پٹھا) دریافت ہو جائے جو تکلیف کا احساس دماغ تک پہنچاتا ہے، تو بلاشبہ یہ اکتشاف انسانیست کے لیے نعمت عظمیٰ بن جاسکتا ہے۔

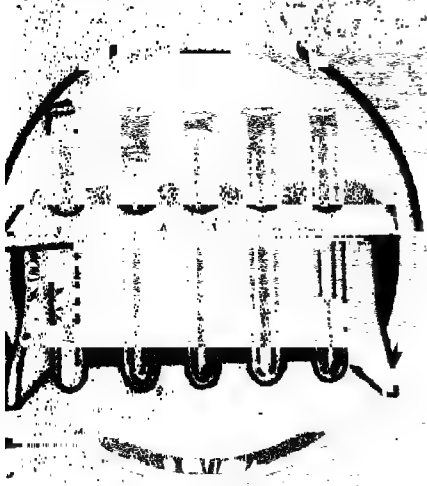
تکلیف کے احساس کے نمائندہ سے اُس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

”میری عمر اس وقت ساٹھ برس کی ہے۔ لیکن میں ایسا جوان لگتا ہوں، گویا عالم شباب میں ہوں۔ دس برس پہلے میں بالکل بوڑھا ہو گیا تھا اور یقین کرتا تھا کہ زندگی ختم ہو گئی۔ اُس وقت میں کھیل چل نہیں سکتا تھا۔ میری شرائین سوکھ کر سخت ہو گئی تھی اور تمام جسم کمزور ہو چکا تھا۔ لیکن اب میں آسانی سے دوڑ سکتا ہوں۔ تمام ورزشی کھیل اس طرح کھیلتا ہوں، گویا تیس برس برس کا جوان ہوں۔ میں روز چودہ پندرہ گھنٹے کام کرتا ہوں، مگر دُرا نہیں تھکتا۔ مجھے میں اتنی بدنی قوت ہے کہ بڑے بڑے پہلوانوں اور گھونہہ بازوں سے مقابلہ کر سکتا ہوں۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں جو مجھ سے زیادہ زندگی کی مسرتیں لوتتا یا اُن مسرتوں کا لطف محسوس کر سکتا ہو۔ میری یہ قابل رشک حالت، صرف اُس طریق علاج کا نتیجہ ہے جو میں نے ایجاد کیا ہے۔ مجھے از حد خوشی ہے کہ میرا تجربہ پورے طور پر کامیاب ہوا۔ چونکہ اس طریقہ میں تمام عالم انسانیست کے لیے بھلائی ہے، اس لیے میں اُس کا ایک حصہ ظاہر کر دیتا ہوں۔ لیکن دوسرا حصہ بدستور مخفی رکھوں گا، یہاں تک کہ اُس کے ظہور کے لیے مناسب وقت آجائے۔ مجھے دیکھو۔ کیا میری قوت چھٹی، تندرستی، ایسی نہیں ہے جس پر نوجوان رشک کریں؟“

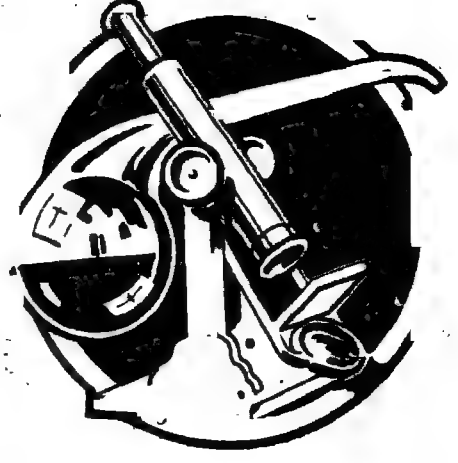
”اپنے طریق علاج کا جو حصہ میں دنیا پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں، وہ درحقیقت بالکل صاف، سادہ، اور معمولی ہے۔ اُس کا تعلق سراسر غذا سے ہے۔ چالیس سال کی عمر تک جو چاہو کھاؤ پیو، بلکہ اس سن تک جس طرح چاہو زندگی بسر کرنا ہو، لیکن جرہی چالیسویں سالگرہ شروع ہو، گوشت، شراب، اور تمباکو سے قطعی اجتناب کرلو۔ اس عمر والے کے لیے گوشت یقیناً سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ اس کی جگہ پر ہفتہ میں ایک دو مرتبہ مچھلی استعمال کی جاسکتی ہے۔ مچھلی حقیقی معنی میں گوشت نہیں ہے (اگرچہ علماء تشریح اس کے خلاف کچھ ہی کہیں) مچھلی میں کربنی مادہ بہت بڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے۔ اور معلوم ہے، یہ مادہ دماغ اور اُس کی تندرستی کے لیے اصلی جوہر ہے۔ جسم کی خلیا یا تھیلیاں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ پرانی خلیا غالب ہو جاتی ہیں، نئی خلیا اُن کی جگہ لے لیتی ہیں۔ چالیس سال کی عمر تک یہ عمل جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد خلیا کا انحلال تو جاری رہتا ہے، مگر نئی خلیا کی تکرین نہیں ہوتی۔ درحقیقت ہم چالیس برس کی عمر سے مرنا شروع کر دیتے ہیں، کیونکہ اُس وقت سے محروم ہو جاتے ہیں جو خلیا کی تکرین کی علت ہے۔ بلاشبہ ہم اس عمر کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں، لیکن ہمارے قوی برابر گرتے اور مٹتے جاتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ گوشت، شراب، اور تمباکو جن عناصر سے مرکب ہے، وہ زندہ خلیا کو قتل کرتے اور مٹاتے رہتے ہیں۔ پس اگر ہم زیادہ زندہ رہنے کے متمنی ہیں تو ہمیں اس تدریجی خود کشی سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یعنی ہمیں ان قاتل عناصر کے استعمال سے قطعی پرہیز کرنا چاہیے۔“

”گلتی کے ذریعہ شباب واپس لانے کا طریقہ بے فائدہ ہے۔ اُس کا اثر بہت ہی محدود اور عارضی ہوتا ہے۔ کیونکہ برزے آدمی میں جوان بندر کی گلتی اُسی وقت تک قوت پیدا کر سکتی ہے جب تک صحیح رسالہ موجود ہے۔ لیکن جو ہی اُس میں ضعف پیدا ہوگا، بڑھاپا پہلے سے بھی زیادہ شدت سے واپس آجائیگا اور ڈاکٹر کی کوئی کوشش بھی اُسے سنبھال نہ سکے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا جوہر، گلابی میں نہیں بلکہ جسم کی خلیا میں





# مذکرہ علمیہ



## برتر انسان

— ❦ —

( Super man )

( ایک جدید علمی تجربہ )

• : : •

اُس کی نسل ابد الا آباد تک دنیا پر حکومت کرے گی - یہ تعجب ایک ایسی قہرمان عقل و جسم کی مالک ہوگی کہ تمام مخلوق اس کی قوت قاهرہ کے سامنے جھک جائیگی ... میں اب تک بزرگوں جو ان بناتا تھا - لیکن یہ کچھ زیادہ نتیجہ خیز عمل نہ تھا - اس نے انسانی عمر میں تھوڑا سا اضافہ ہوتا ہے - لیکن اب جن نے تجربوں کا میں نے عزم کیا ہے ' وہ تمام پچھلے تجربوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور نتیجہ خیز ہونگے - یہ تجربے صرف بزرگوں ہی پر نہیں ہونگے - اب میری توجہ کا مرکز کم عمر بچے ہونگے - وہ بچے جنگی عمر آتھے اور دس برس کی ہے - بندر کی گلتی ہی یہ حیرت انگیز انقلاب پیدا کرے گی ' اور انہیں ایک نیا آدمی بنا دے گی میں اسے بچوں کو اپنے تجربے کے لیے منتخب کرنا جو غیر معمولی ذہانت اور جسمانی قوت رکھتے ہیں - یہ بچے اور ان کی نسل مستقبل میں یقیناً نہایت عظیم ہوگی - اس مقصد میں سب سے بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ ترقی یافتہ بندروں ( شیمپانزی اور اورنگ اوتنگ ) کی کافی تعداد موجود نہیں ہے - اگر ہر آدمی کے لیے ایک ایک بندر مل جائے تو نہایت قلیل مدت میں نسل انسانی کی کایا پلت جائے - لیکن یہ مشکل نا قابل حل نہیں ہے - یورپ اور امریکا کے گرم علاقوں میں بندروں کی افزائش کا انتظام کیا جا سکتا ہے "

## جراثیم حیات

( ایک اور جدید نظریہ )

ہندوستان میں کم لوگوں نے ڈاکٹر کن آب کا نام سنا ہوگا - حالانکہ وہ فرانس کا ایک مشہور ڈاکٹر اور عالم ہے - اس جیسی وسیع معلومات رکھنے والے آدمی دنیا میں بہت کم ہیں - وہ ۸۰ - علوم و فنون اور صناعتوں کا ماہر ہے - چنانچہ سائنس دان ' طبیب ' فیلسوف ' کیمیائی ' موجد ' موسیقی دان ' شاعر ' ریاضی ' فلکی ' سب ہی کچھ ہے - غیر معمولی دماغی قابلیت کے علاوہ نہایت عظیم جسمانی قوت بھی رکھتا ہے - پورا پہاڑاں ہے -

یہ عجیب ڈاکٹر ' رورنوف ' از اس کے تمام ہم مشرب ڈاکٹروں کے بارے میں سخت سوچ رہا تھا ہے - اس کے خیال میں وہ دغا باز ہیں - جوانی واپس لانے کا جو طریقہ انہوں نے ایجاد کیا ہے ' غلط ہے - اس کا اثر ' عارضی ہے ' اور اس کا رد فعل نہایت مضر ہوتا ہے - لیکن خود اپنے متعلق اس کا مدعی ہے کہ وہ بزرگوں کو بغیر کسی گلتی کے استعمال کے جوان بنا دیتا ہے اور انسان کی عمر دس سو برس تک طویل کر دے سکتا ہے - اس کے علاج میں سب سے پہلے ان شرطوں کی پابندی ضروری ہے جو اس کے خیال میں درازی عمر کی ضروری شرطیں ہیں - پھر انجیکشن کے ذریعہ وہ ایک مادہ جسم میں داخل کر دیتا ہے - یہ مادہ خود اس نے ایجاد کیا ہے - دنیا کو اب تک اس کا کوئی عام و تجربہ حاصل نہیں ہوا -

قارین الہلال ڈاکٹر رورنوف کے نام سے واقف ہو چکے ہیں - اس ڈاکٹر نے شباب کی واپسی کے لیے جو طریقہ ایجاد کیا ہے ' اس کا مفصل بیان کسی پچھلی اشاعت میں درج ہو چکا ہے - آج ہم اس کا ایک اور تجربہ - یا زیادہ صحیح لفظوں میں نظریہ - پیش کرتے ہیں - یہ نظریہ بلاشبہ عجیب ہے - اتنا عجیب کہ بمشکل یقین کیا جا سکتا ہے - لیکن ڈاکٹر مذکور اس پر مضبوطی سے مصر ہے ' اور ثبوت میں اپنے بعض تجربوں کا حوالہ دیتا ہے -

جدید نظریہ یہ ہے کہ صرف بزرگ ہی جوان نہیں بنا دیے جاسکتے بلکہ ایک نئی انسانی نسل بھی پیدا کی جا سکتی ہے جو موجودہ نسل سے اپنے جسمی و دماغی قوی میں کہیں زیادہ برتر ہوگی - ڈاکٹر رورنوف اس ایندہ نسل کو " سوپر مین " یا برتر انسان کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے - یہ دراصل مشہور جرمن حکیم نیڈشے کی اصطلاح ہے - اس کا دعویٰ ہے کہ اس نسل کا ہر فرد اپنے جسم و دماغ میں ایک نمونہ ہوگا ' بہت طویل العمر ہوگا ' کم سے کم ۱۵۰ برس ضرور زندہ رہے گا

اعادہ شباب کا معاملہ ' اب نظریے کی جد سے نکل کر علمی حقائق کی صف میں جگہ پا چکا ہے - علم ' اس کی راہ میں بہت سی مسافتیں طے کر چکا ہے - شکوک و شبہات کے تقریباً تمام پردے اس پر سے اٹھ چکے ہیں - عنقریب انسانی تاریخ پر اس کا بہت گہرا اثر پڑنے والا ہے -

لیکن " برتر نسل " کی تخلیق ابھی تک ایک نظریہ ہی ہے ' اگرچہ ڈاکٹر رورنوف کو اس پر پورا یقین ہے - اپنے اس نظریہ کی تکمیل میں بھی وہ بندر کی گلتیوں سے کام لینا چاہتا ہے -

تفصیل یہ ہے کہ ڈاکٹر رورنوف کا اعتقاد ہے ' اگر ممتاز جسمی و عقلی قوی کے آدمیوں میں ایک تیسری گلتی کا اضافہ کر دیا جائے ' تو ان کی نسل ضرور برتر ہوگی - اب تک وہ مینڈھوں پر متعدد کامیاب تجربے کر چکا ہے - لیکن حال میں آٹھ برس کے ایک لڑکے پر تجربہ شروع کیا ہے - اس کا خیال ہے ' اس لڑکے کی اولاد حیرت انگیز عقلی و جسمی قوی کی مالک ہوگی -

اس موضوع پر ایک اخبار کے نامہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر موصوف نے کہا :

" میں مستقبل پر نظر ڈالتا ہوں تو اس کے دامنوں میں " سوپر مین " ( برتر انسان ) صاف دکھائی دیتا ہے - یہی انسان اور

دونوں فوجیں ایک وقت برسہ کے سامنے پہنچیں۔ شہر والوں نے اپنی ہوابازی کے خوف سے دونوں پر شہر کے دروازے بند کر دیے۔ باہر ہی باہر فیصلہ کر لینے پر مجبور کیا۔ میدان جنگ گرم ہوا اور پیلے ہی معرکہ میں بایزید کی فوج بھاگ نکلی۔ 'چم' مظلوم و منصور شہر میں داخل ہوا اور اپنی سابق عیاشی پھر شروع کر دی۔ اب آسے کامل یقین تھا کہ پایۂ تخت کا مالک ہو جائے گا۔

لیکن یہ آس کی سخت غلط تھی۔ بایزید نے ایک اور فوج گراں سنان پاشا کی سپہ سالاری میں بھیجی۔ مگنیا سے ایک دوسری فوج آس کی کمک پر چل دی، اور دونوں نے مل کر چم پر حملہ کر دیا۔ پیش پسند شاہزادے کے سپہ سالار، نصح کے دشمن کی قوت دیکھی تو درۂ ازاد کی طرف پسپا ہو گیا۔ خود چم کو بھی برسہ خالی کرنا پڑا۔ صرف سترہ دن کی حکومت آس کی قسمت میں لکھی تھی!

بایزید نے صرف اپنی جنگی قوت ہی پر بھروسہ نہیں کیا، بلکہ سازش کا جال بھی پھیلا دیا۔ بڑی بڑی رشوتیں دے کر چم کے بہت سے آدمی ملا لیے۔ حتیٰ کہ آس کا وزیر یعقوب بھی خیانت پر آمادہ ہو گیا۔ یعقوب نے اپنے آقا کو اپنی شہر چلنے کا مشورہ دیا۔ یہاں بایزید کی ایک بڑی فوج موجود تھی۔ فوراً چم پر تڑت پڑی۔ اب بھی پلہ شاہزادے ہی کا بھاری تھا۔ مگر عین میدان جنگ میں آس کے سپہ سالار نصح نے دعا کی اور فوج کا ایک بڑا حصہ لے کر دشمن سے جا ملا۔ اب چم کے لیے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

لیکن ابھی ایک امید باقی تھی۔ سلجوق خاتون، سلطان محمد فاتح کی پھرپی، دونوں بھائیوں میں صلح کی کوشش کر رہی تھی۔ خود چم نے آسے برسہ سے بھیجا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ سلطنت

تقسیم ہو جائے۔ یورپین علاقوں پر بایزید حکومت کرے اور ایشیاء چم کے حوالے کر دے۔ نیک دل سلجوق خاتون نے سلطان کو بہت کچھ سمجھایا۔ بھائی کے حقوق یاد دلائے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بایزید نے صاف کہہ دیا "بادشاہوں میں رشتہ نہیں ہوتا"

چم، شکست کھا کر بھاگا۔ راستہ میں خود آس کے سپاہیوں نے آسے لوٹ لیا اور سخت زخمی کیا۔ محمد فاتح کا اولو العزم فرزند دوسرے دن آق شہر میں اس طرح پہنچا کہ تن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا اور سردی سے آس کا تمام بدن کانپ رہا تھا۔ اگر ایک شخص رحم کھا کے آسے اپنا گرم کت نہ دے دیتا تو یقیناً تھہر کر مرجاتا!

شکست کے ایک ہفتہ بعد وہ قونیہ پہنچا۔ یہاں اپنی ماں اور بیوی سے ملاقات ہوئی۔ انہیں لے کر شام روانہ ہوا، اور شام سے ۲۸ جون سنہ ۱۴۸۲ع کو مصر پہنچا۔ مصر میں آس کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔ خود سلطان قايتباي نے شہر کے باہر آنے خیر مقدم کیا اور معزز مہمان کو اپنے محل میں اتارا۔ چار مہینے آرام

دیا۔ یہاں سے شاہی محل میں کہیں پڑی اور بایزید کے لئے ایک کمر بستا ہو گیا۔ آسے قونیہ کی کڑھی تھی۔ آسے یقین تھا، بایزید کی طیاری سے پہلے ہی وہ برسہ پر قابض ہو جائے گا۔ مگر بایزید بھی ناقل نہ تھا۔ مقابلہ کی طیاری کرچکا تھا۔ چم کے متحرک ہوتے ہی آس نے بھی ایاز پاشا کی قیادت میں ایک فوج روانہ کر دی، اور خود بھی ایشیائی ساحل پر جنگی کارروائی کرنے کے لیے آجڑا ہوا۔

(۴)

اب چم کی زندگی کے ہولناک تاریک دن شروع ہوتے ہیں۔ قاصد ہوا کی طرح آکر بایزید کے پاس پہنچا۔ رلی عہد گویا پہلے ہی سے طیار بیٹھا تھا۔ فوراً روانہ ہو گیا اور نہایت سرعت سے پایۂ تخت میں پہنچا۔ لیکن قصر شاہی میں فوج نے داخل ہونے نہیں دیا اور اپنا اعظام طلب کیا۔ گویا اپنی وفاداری کی قیمت لینے چاہی۔ بایزید، قریب تھا۔ فوراً خزانے کا مذہ بھول دیا اور سب کو خوش کر دیا۔ بعد میں یہی بخشش فوج کا مطالبہ اور قرضہ بن گئی اور

بایزید تخت نشین ہو گیا اور اپنے بھائی چم پر قابو حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ چم اب تک اس انقلاب سے بے خبر تھا۔ باپ کی وفات آس وقت معلوم ہوئی جب صدر اعظم قتل اور بایزید تخت نشین ہو چکا تھا!

سخت متحیر ہوا کہ کیا کرے؟ یہ ظاہر تھا کہ صدر اعظم کے بعد پایۂ تخت میں آس کے حامیوں کی کوئی جماعت باقی نہیں رہی تھی۔ علماء آس کے سخت خلاف ہیں اور عام راے انہی کے زیر اثر ہے۔ اب آسے اپنے سامنے دو ہی راہیں نظر آتی تھیں: بھائی کی اطاعت، یا جنگ۔ پہلی صورت کی طرف آس کا رجحان تھا، مگر در باتوں سے دترتا تھا: ایک یہ کہ گلیشیا کی حکومت آس کے ہاتھ سے چھین لی جائیگی۔ دوسرے یہ کہ بایزید آسے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ ترک سلاطین کا یہ عام دستور تھا کہ اپنے بھائیوں کو قتل کر دالا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ کتنے ہی مطیع و وفادار ہوں۔

مجبوراً آس نے جنگ کا عزم کیا۔ آسے اپنی کامیابی کی قوی امید تھی۔ گلیشیا کے باشندے جنگجو اور وفادار تھے۔ آس نے خیال کیا، بایزید بزدل اور پست ہمت ہے۔ ہرگز مقابلہ نہ کر سکے گا۔

(۵)

چنانچہ وہ فوراً کمر بستہ ہو گیا اور ایک جرار فوج لے کر برسہ کی طرف بڑھا۔ برسہ، قونیہ کی کڑھی تھی۔ آسے یقین تھا، بایزید کی طیاری سے پہلے ہی وہ برسہ پر قابض ہو جائے گا۔ مگر بایزید بھی ناقل نہ تھا۔ مقابلہ کی طیاری کرچکا تھا۔ چم کے متحرک ہوتے ہی آس نے بھی ایاز پاشا کی قیادت میں ایک فوج روانہ کر دی، اور خود بھی ایشیائی ساحل پر جنگی کارروائی کرنے کے لیے آجڑا ہوا۔



سلطان محمد فاتح جبکہ وہ قونیہ کے سقوط کے بعد شہر میں داخل ہوا

میں بے خوف و خطر گھس جاتا تھا۔ دست بستہ ہوا کرتا تھا۔ بڑے بڑے شہ زوروں سے نبرد آزما ہوتا اور ہوشیہ غالب رہتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کا رعب دلوں پر چھا گیا۔ چم کا نام دل دھلا دینا تھا۔ باشندے تڑپے اُس کا نام نہیں لیتے تھے۔ ”رستم درراں“ کے لقب سے یاد کرنے لگے تھے!

(۲)

پانچ برس تک نہایت بیدار مغزی سے حکومت کرتا رہا۔ ہر طرف امن و امان قائم ہو چکا تھا۔ کڑی پیچیدگی بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اب اُس نے اپنے تئیں معطل پایا۔ اس تعطل نے اُس کے مزاج میں تبدیلی پیدا کی، اور اسی تبدیلی سے اُس کی بد نصیبی کا آغاز ہوا۔

حکومت کی ذمہ داریوں سے غافل ہو گیا۔ عیش و عشرت کی بساط بچھا دی۔ نفس پرستی کا دروازہ کھول دیا۔ اُس کا محل بوالہوسوں کا مرکز اور عیش پرستوں کا کعبہ بن گیا۔

اب تک وہ پوری قوم کا محبوب تھا۔ کڑی نہ تھا جو اُسے محمد فاتح کا سچا جانشین نہ خیال کرتا ہو۔ ملک بھر کی بھی رائے تھی کہ آئندہ سلطان بھی ہوگا۔ لیکن اس نئی تبدیلی نے اُس کی شہرت و مقبولیت کو سخت نقصان پہنچایا۔ دو جماعتیں قائم ہو گئیں: ایک اب بھی اُس کی مؤید تھی۔ پورے یورپ کے مقابلے کی قوت اُسی میں دیکھنی تھی۔ یہ جماعت وزیر اعظم محمد نشانی باشا کی تھی۔ دوسری جماعت فسق و فجور کی وجہ سے اُس کی سخت مخالفت تھی۔ دین و امت کے لیے اُسے خطرناک سمجھتی تھی۔ اس جماعت کا سرگروہ، شیخ الاسلام تھا۔

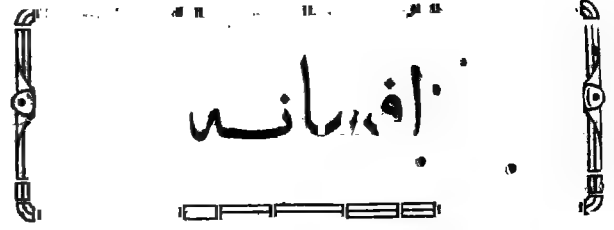
چم کا حریف، بایزید تھا۔ یہ اُس کا بڑا بھائی اور ترکی دستور حکومت کی رو سے اپنے باپ کا وارث تھا۔ سلطان محمد کی زندگی میں دونوں حریف در در پر رہے۔ لیکن اُس کی وفات کے بعد تصادم ضروری تھا۔

چم، عقلمند، بہادر، اولوالعزم، مگر عیاشی کی وجہ سے غفلت کا شکار ہو گیا تھا۔ بایزید، بے قوف، بزدل، پست ہمت، مگر سلطنت حاصل کرنے کے لیے بے قرار تھا۔ بایزید اپنے بھائی کی قابلیتوں سے واقف تھا، اس لیے بہت بیدار رہتا تھا۔

(۳)

اپنے باپ کی وفات کے وقت دونوں بھائی پایۂ تخت، ”قلمناویہ“ سے دور تھے۔ چم گلیشیا میں تھا اور بایزید آماسیا کا حاکم تھا۔ وزیر اعظم محمد نشانی باشا چونکہ چم کا طرفدار تھا، اس لیے اُس نے سلطان کی موت فوج سے مخفی رکھی۔ کیونکہ فوج تمام تر ترکی علماء کے زیر اثر تھی۔ اُس نے پہلے ایک خفیہ قاصد چم کے پاس بھیجا کہ فوراً پایۂ تخت پہنچو اور سلطنت پر قابض ہو جاؤ۔ نیز وہ تدبیریں بھی لکھ دیں جن سے بایزید زیر کیا جا سکتا تھا۔ کئی دن بعد دوسرا قاصد بایزید کے پاس بھیجا اور تخت نشینی کی دعوت دی۔

دونوں قاصد روانہ ہو گئے۔ مگر چم بد قسمت تھا۔ اُس کا قاصد پہنچ نہ سکا۔ کوتاہیہ کا حاکم سنان باشا، بایزید کا طرفدار تھا۔ وہ حقیقت سے واقف ہو گیا اور قاصد کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ دوسری مصیبت یہ پڑی کہ پایۂ تخت کی فوج کو سلطان کی



## ترکی تاریخ کا ایک مہرل صفحہ

\* \* \*

(شاہزادہ چم کا افسوس ناک انجام)

\* \* \*

کم لوگوں نے شاہزادہ ”چم“ کا نام سنا ہوگا۔ عام طور پر مورخوں نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ نام بالکل اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا واقعہ ترکی تاریخ میں ایک فہایت ہی غم ناک فاجعہ (تربیدی) ہے۔ اور اس وقت بھی مشرقی دنیا کے لیے عبرت و موعظت کا ایک درس ہے۔ آج ہم قارئین الہلال سے اس تاریخی شخصیت کا تعارف کراتے ہیں۔

(۱)

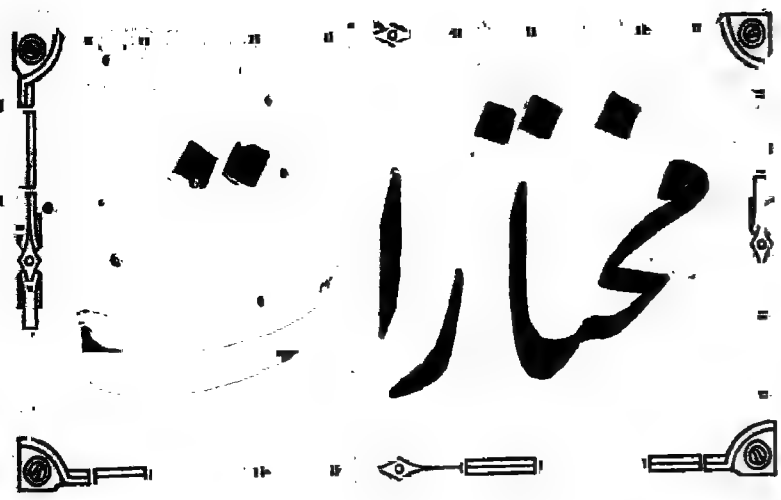
چم — یا یورپین تلفظ کے مطابق ”زیم“ — ایک بد نصیب مشرقی شاہزادہ ہے۔ مصائب و آلام نے اُس سے محبت کی۔ زمانے نے بے وفائی کی۔ حسرت و غم نے اُسکا پیچھا کیا۔

سلطان محمد، فاتح قسطنطنیہ کا یہ منجھلا لڑکا تھا۔ اُس میں جسمانی قوت، ذہانت، حسن، خوش مزاجی، رقیق احساس، شجاعت، جملہ اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ پیدائشی شاعر تھا۔ ترکی شعر و ادب میں اب تک اُس کے آثار موجود ہیں، اور اُس کی ذہنی بلندی اور شاعرانہ تخیل کا بہترین ثبوت ہیں۔

اُس کا آغاز نہایت امید افزا تھا۔ گمان ہوتا تھا کہ قدرت اُس پر پوری طرح مہربان ہے۔ ابھی اُس کی عمر دس برس ہی کی تھی کہ اولوالعزم باپ، محمد فاتح، اُس کی قابلیت کا معترف ہو گیا اور صوبۂ قسطنطنیہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ یہاں شعراء و ادباء کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ کم سن شاہزادے نے انہیں باریاب کیا، تعلقات بڑھائے، اور خداداد قابلیت کے ساتھ شعر و ادب کا باقاعدہ مطالعہ کیا۔ تھوڑی ہی مدت میں اپنے استادوں سے بھی باڑی لے گیا۔ اُسے زمانے میں ایک فارسی قصے ”خورشید و جمشید“ کا ترکی شعر میں ترجمہ کیا اور اپنے والد کے نام ہدیہ کیا۔ محمد فاتح بہت خوش ہوا۔ پہلے سے زیادہ مہربان ہو گیا اور صوبۂ گلیشیا کی حکومت سپرد کر دی۔ اُس وقت چم کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی، مگر وہ پختہ کار حکمران بن چکا تھا۔

گلیشیا میں اُس نے اپنی انتظامی قابلیت کے بڑے بڑے ثبوت پیش کیے۔ یہ صوبہ پہلے سلجوقیوں کی ایک ریاست تھا۔ آل عثمان نے اُسے فتح تو کر لیا تھا، مگر پوری طرح قابو نہیں پاسکے تھے۔ ہمیشہ بد امنی اور شورش برپا رہتی تھی۔ سابق سلجوقی حکمران بغاوتوں پر بغاوتیں کرتے رہتے تھے۔ مصر کے چرکس بادشاہ اور ایران کے شہنشاہ اُن کی امداد کرتے تھے۔ اُس وقت ترکی سلطنت میں اس صوبے سے زیادہ مشکل حکومت کسی صوبے کی نہ تھی۔ والیوں پر والی آتے تھے اور ناکام لوٹ جاتے تھے۔

لیکن چم نے آتے ہی اپنی بے نظیر ہمت و شجاعت سے کام لے کر تمام شورش پسند عناصر کا خاتمہ کر دیا۔ ہولناک معرکوں



## حب ذات کس میں زیادہ ہے : مرد میں یا عورت میں ؟

— — —

(ایک مصری خاتون کے قلم سے)

سب سے پہلے مجھے یہ ظاہر کر دینا چاہیے کہ دنیا کی ترقی کے لیے جس طرح ایثار کرنے والے ضروری ہیں، اسی طرح حب ذات رکھنے والے بھی ضروری ہیں۔ اگر ایک آدمی بھی حب ذات رکھنے والا باقی نہ رہے، تو ایثار کرنے والے لوگ کس کی خدمت کریں گے؟ وہ ضرور دل میں گھٹ گھٹ کر مر جائیں گے۔ کیونکہ ان کے لیے ایثار کی نیکی پر عمل کرنے کا کوئی موقعہ موجود نہ ہوگا۔ لیکن چونکہ یہ دونوں خصلتیں رکھنے والے دنیا میں تقریباً مساوی تعداد میں موجود ہیں، اور ہمیشہ موجود رہیں گے، اس لیے اس صورت حال کے پیش آنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حب ذات کس میں زیادہ ہے : مرد میں یا عورت میں؟ میرے خیال میں جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر جنس نسوانی میں یہ خصلت زیادہ پائی جاتی ہے۔ عورتیں علی العموم حب ذات کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ ہر عورت اپنی طبیعت پر تھوڑا سا غور کرے یہ حقیقت معلوم کر لے سکتی ہے۔ برخلاف اس کے مردوں میں ایثار کا مادہ بہت ہوتا ہے۔ عورتیں خود غور کریں کہ ان کے آرام و آسائش کے لیے مرد کتنی تکلیفیں اٹھاتے ہیں؟ ہمارے لیے دروازے کھولتے ہیں۔ ہماری گرمی ہر ٹی چیزیں اٹھا دیتے ہیں۔ ریل اور ٹرین وغیرہ سواروں میں ہمارے لیے اپنی جگہ خالی کر دیتے ہیں۔ ہمارے سر پر چھتری لگا کے چلتے ہیں۔ غرضکہ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، ہر چیز میں ہمارے لیے ایثار کرتے ہیں۔ خرد تکلیف اٹھاتے ہیں اور ہمیں آرام دیتے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ عورت، مرد کی اس خصلت سے بہت خوش ہوتی ہے۔ اسے اس کی مردانگی کی علامت سمجھتی ہے۔ اسی طرح مرد بھی عورت کی حب ذات پسند کرتا ہے۔ بلکہ اگر ہم عورتوں میں حب ذات نہ ہوتی، تو مرد ہم سے سخت نفرت کرنے لگتے۔ یہی حب ذات، بناوٹی کمزوری، مصنوعی نزاکت، وہ ادائیں ہیں جو ہمیں مرد کی نظر میں معزز و معبود بنائے ہوئے ہیں۔

”مگر یہی نہیں۔ مگر یورپ نے منظور نہیں کیا۔ اس نے کہا ”یورپ“ بادشاہ کی ٹوٹی ہوئی چڑھائی کرنے کی طیاری کر رہے ہیں تاکہ تمہیں نصیب نہیں کر دیں۔“ ساتھ ہی اس نے بہت اصرار کیا کہ مسیحی میں اختیار کر لے تاکہ ”دنیا کے ساتھ آخرت کی عزت بھی حاصل ہو جائے۔“

”جہ“ کا مسلمان تھا۔ یورپ کی یہ دعوت حقارت سے رد کر دی۔ اس نے سختی سے کہا ”اگر تمام دنیا کی بادشاہی مل جائے، تو بھی میں اپنا دین فروخت نہیں کروں گا“ اتنا ہی نہیں بلکہ غیور شہزادے نے یورپ کے رزیر سر جھکائے یا اس کے ہاتھ کو بوسہ دینے سے بھی انکار کر دیا، جیسا کہ شاہان یورپ کا دستور تھا۔ اس نے کہا ”میں مسلمان ہوں۔ یورپ کے سامنے نہ تو جھک سکتا ہوں، نہ اس کا ہاتھ بچوس سکتا ہوں!“

یورپ نے اسے ریڈیکان میں نظر بند کر دیا اور دل یورپ کو ترکی پر حملہ کی ترغیب دینے لگا۔ مگر اس وقت بھی یورپ میں باہم دگر سخت منافست تھی۔ آپس میں کوئی سمجھوتا نہ ہو سکا۔ اسی اثناء میں یورپ نے انتقال کیا اور مشہور ظالم کارڈنیل، اسکندر اس کا جانشین ہوا۔ اس نے اس عظیم رقم پر قناعت نہیں کی جو چم کو قید میں رکھنے کے صلہ میں بائزید سے سالانہ وصول کیا کرتا تھا۔ بلکہ ایک بہت بڑی رشوت لے کر اس کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔

(۱۱)

اسی زمانہ میں (ستمبر سنہ ۱۴۹۳ع) چارلس ہشتم شاہ فرانس نے روم کا محاصرہ کر لیا، اور صلح کی ایک شرط یہ بھی قرار دی کہ چم اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ یورپ نے دونوں طرف سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس زمانے میں یورپ کے روحانی رہنما آلات و رسائل قتل کے بھی سب سے بڑے ماہر تھے۔ یورپ کے پاس ایک ایسا زہر موجود تھا جو اگر ایک تندرست آدمی کو کھلا دیا جائے، تو ایک خاص مدت تک اس کی تندرستی پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ لیکن اس مدت کے بعد آہستہ آہستہ اس کی تاثیر کام کرنے لگتی تھی، اور وہ تدریج مریض کا خاتمہ کر دیتی تھی۔ یورپ نے یہی زہر چم کو کھلا دیا، اور اس کی اطلاع بائزید کو دیکر اس سے مطلوبہ رقم حاصل کر لی۔ پھر زندہ رسالہ چم، چارلس کے حوالہ کر دیا، اور اس سے بھی صلح کر لی!

چم، شاہ فرانس کے قبضہ میں آ گیا۔ چارلس نے اسے ترکی پر فوج کشی کے لیے آمادہ کرنا شروع کیا۔ مگر اب وہ سمجھ چکا تھا کہ یورپ اس کی طرفداری نہیں کر رہا ہے۔ اس کی آڑ میں سب سے بڑی اسلامی سلطنت تباہ کرنی چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے قطعی طور پر انکار کر دیا۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا۔ مگر اب اس کی دائمی رہائی کا وقت بھی آ پہنچا تھا۔ پولس رسول کے جانشین یورپ کا زہر اس کے جسم میں سراپت کر چکا تھا۔ وہ ابھی ناپولی ہی میں تھا کہ ۲۴ فروری سنہ ۱۴۹۵ع میں انتہائی حسرت و یاس کے ساتھ اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا!

اس کے آخری الفاظ یہ تھے :

”خدا یا! اگر دشمنان دین مجھے مسلمانوں کے خلاف کام لینا چاہتے ہیں، تو مجھے جلد موت دیدے، اور ان کا مقصد پورا نہ ہونے دے!“



جزیرے کی حکومت نے ایک طرف بائزید سے معاملہ حل کر لیا۔ دوسری طرف چم سے وعدہ لے لیا کہ سلطنت پر قابض ہونے کے بعد اسے عظیم الشان مراعات دے گا۔ باضابطہ معاہدہ ہو گیا۔ بائزید شاہزادے سے کہا کہ یہاں اس کی زندگی خطرہ میں ہے۔ بائزید نے اسے زہر دینے کے لیے اپنے جاسوس بھیج دیے تھے۔ مصلحت یہی ہے کہ فرانس چلا جائے۔

## (۸)

بد نصیب شاہزادہ راضی ہو گیا۔ اور اگست سنہ ۱۴۸۲ ع میں جزیرے سے روانہ ہوا۔ اسے یقین تھا کہ فرانس جا رہا ہے۔ وہاں آزاد شاہانہ زندگی بسر کرے گا۔ مگر جہاز میں بیٹھتے ہی اس نے محسوس کیا کہ حکام جزیرہ کی حراست و قید میں ہے اور وہ اسے آزاد کرنا نہیں چاہتے۔ مگر اب مجبور تھا۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

شاہزادہ، شہر نیس میں پہنچایا گیا۔ یہ مقام اسے بہت پسند آیا۔ اس کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا۔ یہیں اقامت اختیار کرنی چاہتا تھا مگر تخت شاہی کے لیے بے چین تھا۔ چنانچہ یہاں سے شاہ فرانس کے پاس قاصد بھیجا اور امداد کی درخواست کی۔ لیکن حکومت روتس کے آدمیوں نے قاصد کو راستہ میں روک لیا اور شاہزادے کو فروری سنہ ۱۴۸۳ ع میں نیس سے دوسری جگہ لے گئے۔ اب اسے کہیں جمنے نہیں دیتے تھے۔ شہروں شہروں لے پھرتے تھے اور سختی سے نگرانی کرتے تھے۔

چم کو یقین ہو گیا کہ اسے دھوکا دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اس کے ذریعہ بائزید سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے پھر در قاصد روانہ کیے۔ ایک فرانس کو، دوسرا ہنگری کو۔ مگر اس کے میزبان روتس کے حاکموں کو خبر مل گئی اور اسے قلعہ ساسناگ میں تنہا قید کر دیا۔

## (۹)

اب چم کی زندگی میں پھر ایک نیا انقلاب ہوتا ہے۔ قلعہ ساسناگ کا مالک ایک دیوک تھا۔ اس کی لڑکی ولینیا ہیلانا حسن و جمال میں یکتا تھی۔ شاہزادے نے اسے دیکھا تو عاشق ہو گیا۔ درشیزہ کو بھی اس سے محبت ہو گئی۔ محبت نے مرد میدان چم کی طبیعت بالکل بدل ڈالی۔ جنگ و جدل سے نفرت ہو گئی۔ حکومت کا شوق زائل ہو گیا۔ خاموش زندگی کی طلب پیدا ہوئی۔ اس نے بائزید کو پے در پے خطوط بھیجے اور رحم و کرم کی درخواست کی۔ مگر سنگ دل بھائی کو رحم نہ آیا۔ دشمن کو جھکے دیکھ کر اس کی ہمت آور بھی بڑھ گئی۔ اس نے شاہ فرانس سے مطالبہ کیا کہ چم کو فوراً اپنی حدود سے خارج کر دے۔

جزیرہ روتس کے حکام نے دیکھا کہ شکار ہاتھ سے جاتا ہے۔ فوراً ایک نئے سردے پر آمادہ ہو گئے۔ پوپ اینوسین ہشتم سے ایک بہت بڑی قیمت لے کر ۱۳ مارچ سنہ ۱۴۸۹ کو شاہزادہ اس کے حوالہ کر دیا۔

## (۱۰)

چم، رزم کو روانہ کیا گیا۔ پوپ سے ملاقات ہوئی۔ چم نے اپنی مصیبتیں نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کیں اور درخواست کی کہ اسے مصر جانے دیا جائے جہاں اس کی مل اور یورپی مددوں سے جدائی

لینے کے بعد چم کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ وہاں بہت سے ترک سرداروں سے ملاقات ہوئی۔ یہ لوگ بائزید کے خلاف تھے۔ انہوں نے شاہزادے کو از سر نو قسمت آزمائی کا مشورہ دیا اور اپنی عقیدت و خدمت پیش کی۔ انہی میں قاسم بک حاکم گلشیا بھی تھا۔

## (۶)

چم نے پھر کمر ہمت چست کیا۔ حلب پہنچا۔ وہاں بائزید کے کئی باغی سپہ سالار اس کے انتظار میں تھے۔ انہیں ساتھ لے کر گلشیا گیا اور وعدہ کیا کہ سلطان بننے کے بعد گلشیا کو خود مختاری بخش دے گا۔

چم نے ایک بڑی فوج جمع کر لی اور قونیہ کے طرف بڑھا۔ بائزید نے سنا تو ایک لشکر گراں کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس کی فوج کا سپہ سالار اپنے زمانے کا سب سے بڑا جنگی آدمی تھا۔ کدیک احمد باشا فاتح اترنتو، مشرق و مغرب، دونوں دنیاؤں میں مشہور تھا۔ اس نے آئے ہی چم کی فوج تباہ کر ڈالی۔

چم، پھر بھاگا اور گلشیا کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو گیا۔ بائزید نے ایک وفد بھیج کر خواہش کی کہ جنگ سے باز آجائے اور پر امن زندگی اختیار کرے۔ اس نے منظور کر لیا مگر اس شرط پر کہ اسے چند صوبوں کی حکومت بخش دی جائے۔ بائزید نے انکار کیا \* ایک سلطنت میں در سا جہی جمع نہیں ہو سکتے \* اس کا صاف جواب تھا۔

بائزید نے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ حریف کا پہاڑوں میں تعاقب بھی شروع کر دیا۔ چم کے لیے اب وسیع دنیا تنگ ہو گئی۔ اس نے ارادہ کیا کہ مصر یا ایران میں جا کر پناہ ڈھونڈے، مگر قاسم بک نے مشورہ دیا کہ یورپ جائے اور وہاں کے بادشاہوں کی مدد سے اپنا ملک فتح کرے۔

## (۷)

شاہزادے نے بڑے پس ریش کے بعد یہ تجویز قبول کر لی۔ عثمانیہ کی فتح کا واقعہ ابھی تازہ ہی تھا۔ یورپ کے تمام بادشاہ ترکوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ قریب امید تھی کہ وہ سلطنت عثمانیہ کی تباہی کے خیال سے اس باہمی خانہ جنگی میں شرکت منظور کر لینگے، اور اس طرح مداخلت و استیلاء کا موقعہ ہم پہنچائینگے۔

چم نے جزیرہ روتس میں اپنا ایک وفد بھیجا۔ اس وقت یہ جزیرہ مشہور صلیبی مجاہدین "سینٹ جان کے سواروں" کے قبضہ میں تھا۔ جزیرے کے حاکم اعلیٰ نے اپنے ارکان حکومت کے مشورے سے شاہزادے کی حمایت قبول کر لی۔ آنے کی دعوت دی اور اپنا جنگی بیڑہ اس کے لیے بھیج دیا۔

۲۳ جولائی سنہ ۱۴۸۲ کو چم کا روتس میں شاہانہ استقبال کیا گیا۔ اور نہایت عزت و احترام سے اس کی ضیافتیں شروع ہوئیں۔ بائزید کو معلوم ہوا تو اس نے جزیرہ کی حکومت کو دائمی صلح کے معاہدہ کا پیغام بھیجا۔ ساتھ ہی بہت سے امتیازات بھی پیش کیے۔ ان مراعات کے صلے میں چم کی حوالگی کی درخواست کی۔ جزیرہ کی حکومت بہت خوش ہوئی۔ اس نے شاہانہ مراعات قبول کر لیں۔ مگر چم کے حوالہ کرنے سے اس بنا پر انکار کیا کہ وہ مہمان ہے۔ البتہ وعدہ کیا کہ اسے جزیرے سے نکال دیا جائیگا۔

۱

ذریعہ بدلا جاسکا ہو۔ بلاشبہ یہ صورت کبھی فتوحات اور انقلابات - بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر تبدیلی محض ظاہری اور لفظی ہوتی ہے۔ حقیقت واقعہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ جزیرہ کرسیکا مدت سے فرانس جیسی متمدن حکومت کے ماتحت ہے، مگر آج تک اس جزیرہ کی رعشت دور نہ کی جا سکی۔ یہی حال آئر لینڈ کا ہے۔ صدیوں تک ساتھ رہنے پر بھی وہ انگلستان سے منزورں دور ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ قوموں کی طبیعت و فطرت کو ان کے نظاموں پر پورا اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ نظام کی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جب قوم کے دماغ میں بھی تبدیلی پیدا ہو جائے۔

(اچانک ترقی ناممکن ہے)

مقننوں کی قدرت سے باہر ہے کہ اپنے دل سے کوئی ضابطہ قانون ایجاد کر کے قوم کو اس پر چلا دیں۔ بڑی بڑی بغاوتوں اور عظیم فاتحوں نے اگر اس طرح کی جرأت کبھی کی، تو یہ زبردستی زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکی اور قدیم حالت پھر لڑ آئی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر حیران کو کسی ایسی بات پر مجبور کیا جائے جو اس کے مزاج کے خلاف ہے، تو وہ اسی وقت تک اسے کرتا رہیگا، جب تک دباؤ موجود ہے۔ لیکن دباؤ ہٹتے ہی فوراً اسے چھوڑ دے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوموں کے نظام، انکی ضرورت کے ترجمان اور ان کے شعور کا مظہر ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ ان کی تبدیلی، قوم کی ذہنیت کی تبدیلی کے بعد ہی ممکن ہے۔ قوموں کی ذہنیت، فوراً تبدیل نہیں ہو سکتی۔ بہ تدریج اور آہستگی سے بدلتی ہے۔

سیاسی و اجتماعی نظام کے نشو و نکون کا باعث رہی ہوتا ہے جو خود کائنات کی تکرار کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچانک تبدیلی محال ہے۔ یہ ایک اٹل اجتماعی قانون ہے کہ نمایاں تبدیلی، ان بہت سی مخفی تبدیلیوں کا نتیجہ ہوتی ہے جو صدیوں تک جاری رہتی ہیں۔ ہم تبدیلی کا احساس اس وقت کرتے ہیں جب وضعی قوانین آکر ہمیں بتائے لگتے ہیں۔ ہم خیال کرتے ہیں تبدیلی انہی قوانین کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ یہ تبدیلی ایک طویل و مسلسل حرکت و عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔

حقیقی مقننوں کا فرض صرف یہ ہے کہ قوم کی راسخ عادتوں اور خصلتوں کی تائید کریں، مگر صرف انہی کی جو مفید ہوں۔ مضر کی مضرت کم کرنے اور بتدریج دفع کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ بسا اوقات قوم کے سمجھنے کے لیے اُسکی تاریخ سے کہیں زیادہ اس کے ضابطہ قانون کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ ضابطہ قانون ہمیں بالکل صحیح طور پر بتا دیتا ہے کہ قوم کی اجتماعی حالت اور ضروریات مختلف زمانوں میں کیا کیا تھیں، اور ان میں بتدریج کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں؟

افراد، اقوام، نظامات، عقائد، کا ارتقاء ہمیشہ تدریجی ہی ہوتا ہے۔ جب تاریخ ہمیں کسی قوم کی بابت بتائے کہ وہ ترقی یافتہ تمدن کی مالک تھی، تو ہمیں فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا یہ تمدن، ایک طویل ماضی کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ یہ ماضی ہمارے لیے کتنا ہی مجہول کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ زبان اور ادب (لٹریچر) کا وجود اچانک نہیں ہو جاسکتا۔ خود ان کا وجود ہی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ ایک قدیم ماضی رکھتے ہیں۔ موجودہ مغربی تہذیب کی مثال اس حقیقت کے فہم کے لیے بالکل کافی ہے۔ یورپ اپنی موجودہ تمدنی سطح تک بے شمار انقلابات سے گزر کر ہی

کر رہا ہے۔ اس تصویر میں علامہ موصوف جس لباس میں دکھائے گئے ہیں، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں مسلمانانِ مغرب (مراکش و تونس) کا عام لباس تھا۔ اور مصر و شام میں بھی اسی وضع کا عمامہ استعمال کیا جاتا تھا۔ علامہ موصوف کا آخری عہد مصر میں بسر ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے، یہ تصویر اصلی اور مستند ہو۔

(علم الاجتماع)

یہ علم، علماء و مفکرین کے ایک نہایت تنگ دائرے میں محصور تھا، مگر اب وہ ایک ضروری موضوع بن گیا ہے اور سب کے لیے اس کی تحصیل لازمی ہو گئی ہے۔

(فرد اور جماعت)

فرد اور جماعت میں ایسا مضبوط رشتہ ہے کہ عملاً لازم و ملزوم بن گئے ہیں۔ ناممکن ہے کہ ان میں سے ایک مفقود ہو اور دوسرا موجود ہو سکے۔ روز بروز ثابت ہوتا جاتا ہے کہ علم اجتماع اور علم افراد، دونوں باہم دگر وابستہ ہیں۔ ان میں تفریق ناممکن ہے، اور یہ کہ تمام فلسفی اور اخلاقی مسائل، اجتماعی مسائل میں داخل ہیں۔

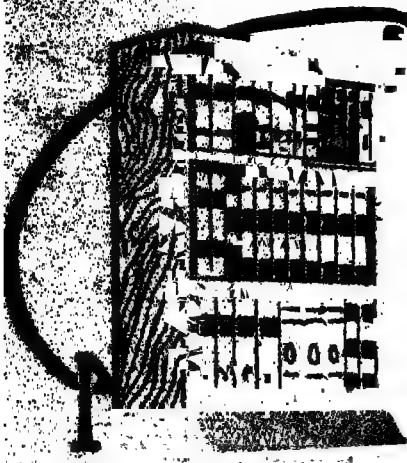
فرد اپنی صفات اور خصلتیں، اپنی قوم و جنس سے ورثہ میں پاتا ہے۔ یہی معنی ہیں ”جماعت“ کے۔ علم جماعت (یا اجتماع) مادی اور معنوی حیات کے علم سائنس و نوامیس سے بحث کرتا ہے۔ نیز اس کا تعلق علم الحیاء سے بھی گہرا ہے۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ جملہ کائنات اپنے آغاز کے وقت ایک ہی عظیم جماعت تھیں۔ یہ اس لیے کہ وہ شروع میں غیر مرئی اجوہر فرد (ایٹم) کے بے حساب ذروں کا مجموعہ تھیں۔ بنا بریں علم اجتماع، جملہ علوم کا مجموعہ اور خلاصہ ہے۔

(قوم کا نظام اُسکی استعداد و ضرورت کے مطابق ہوتا ہے)

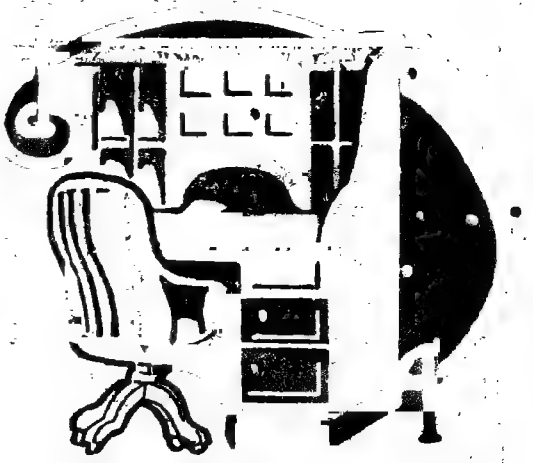
اس علم کے اساتذہ کی رائے ہے کہ ہر قوم کا سیاسی و اجتماعی نظام درجہ قوموں سے نمایاں طور پر مختلف ہوتا ہے۔ ہر قوم کا نظام، اس کی ذہنی و تمدنی حالت کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس نظام کی اہمیت اور خوبی ہمیشہ اعتباری ہوتی ہے۔ جماعتوں کے نشو و ارتقاء میں سیاسی نظامات، سبب و عامل ہونے سے کہیں زیادہ خود مقصد و عمل ہوتے ہیں۔

قوم کی مخصوص سیاسی تنظیم، صرف اس کی موجودہ زندگی ہی کی میزان نہیں ہوتی، بلکہ ان تمام انتظامی درجوں کا بھی پتہ دیتی ہے جو اس پر گزشتہ زمانوں میں گزر چکے ہیں۔ کسی انسان کو بھی یہ قدرت حاصل نہیں کہ ملک میں کوئی ایسا نظام جاری کر دے جو نظری طور پر سب سے بہتر اور ترقی یافتہ معلوم ہو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ غیر فانی قوانین قائم کرنے والے مقننوں نے صرف اس لیے کامیابی حاصل کی تھی کہ انہوں نے اپنے قوم کی ضروریات معلوم کر لی تھیں، پھر ان ضروریات کے مطابق قانون بنائے تھے۔ سولن نے کیا ہی خوب کہا ہے ”میں نے ایتھنز کے باشندوں کے لیے ایسا قانون طیار نہیں کیا ہے جو عقلاً سب سے افضل ہے۔ بلکہ ایسا قانون بنایا ہے جو ان کی استعداد اور ضرورت کے موافق ہے“

تمدن کی تاریخ یہ حقیقت پرری طرح ثابت کر رہی ہے کہ ہر قوم کا نظام، اس کی ضرورت کا مظہر ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان قوموں کے نظام تقریباً یکساں ہوتے ہیں جو ترقی کی ساری سطح پر پہنچ گئی ہیں۔ یورپی تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی موجود نہیں کہ کسی قوم کا نظام، قوت اور تشدد کے



# مقالات



## علم الاجتماع

(۱)

”علم الاجتماع“ سے مقصود وہ علم ہے جس کا موضوع بحث انسان کی اجتماعی زندگی ہے۔ انسان کی اجتماعی زندگی کی پیدائش، اُس کی نشوونما، اُس کے طبعی احوال و تاثرات، اُس کی مزاجی کیفیات، اور اُس کے نتائج و ثمرات کا بطریق استقراء اس طرح استقصا کرنا؛ کہ اس بارے میں اصول و کلیات مرتب ہو جائیں؛ علم الاجتماع کا دائرہ نظر بحث ہے۔ تاریخ علم میں سب سے پہلے جس شخص نے اس علم کے مباحث بطور ایک مدون علم کے ترتیب دیے، وہ علامہ ابن خلدون ہیں۔ اُن کا مقدمہ تاریخ اس علم کی عظیم النظیر کتاب ہے۔

علامہ ابن خلدون کے بعد صدیق نگ اس علم میں کئی اضافہ نہیں ہوا۔ گذشتہ صدی میں جب موسیو کا ترمیر نے مقدمہ کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا تو علماء مغرب کو اس طرف توجہ ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ مبحث وقت کا سب سے زیادہ اہم اور دقیق موضوع نظر بن گیا۔ بلاشبہ فرانسیسی ترجمہ ابن خلدون سے پہلے علماء مغرب فلسفہ تاریخ کی طرف متوجہ ہو چکے تھے اور تاریخ کی نئی

فلسفیانہ ترتیب کی بنیادیں پڑ چکی تھیں۔ نیز اصول قوانین و نظامات حکومت پر بھی مونٹسکیو اور بنتیم جیسے مفکرین کی کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ لیکن ان مباحث کو ”علم الاجتماع“ کا کامل مواد نہیں کہا جا سکتا۔ یہ واقعہ ہے کہ ترجمہ ابن خلدون کی اشاعت سے پہلے یہ عام بہ حیثیت ایک مستقل علم کے، یورپ میں زیر بحث نہ تھا۔ جس قدر کتابیں بھی اس علم پر لکھی گئی ہیں، سب کی سب گذشتہ صدی کے اواخر میں مرتب ہوئی ہیں، اور یقیناً اُن کا اولین سرچشمہ مقدمہ ابن خلدون ہی ہے۔ موجودہ زمانہ میں ڈاکٹر لیپل کی مصنفات سب سے زیادہ رقیع سمجھی گئی ہیں۔ اُس نے نہ صرف اس موضوع پر ہی کتابیں لکھیں، بلکہ وہ کام بھی انجام دیا جس کا ارادہ ابن خلدون نے کیا تھا مگر پورا نہ کرسکا۔ یعنی

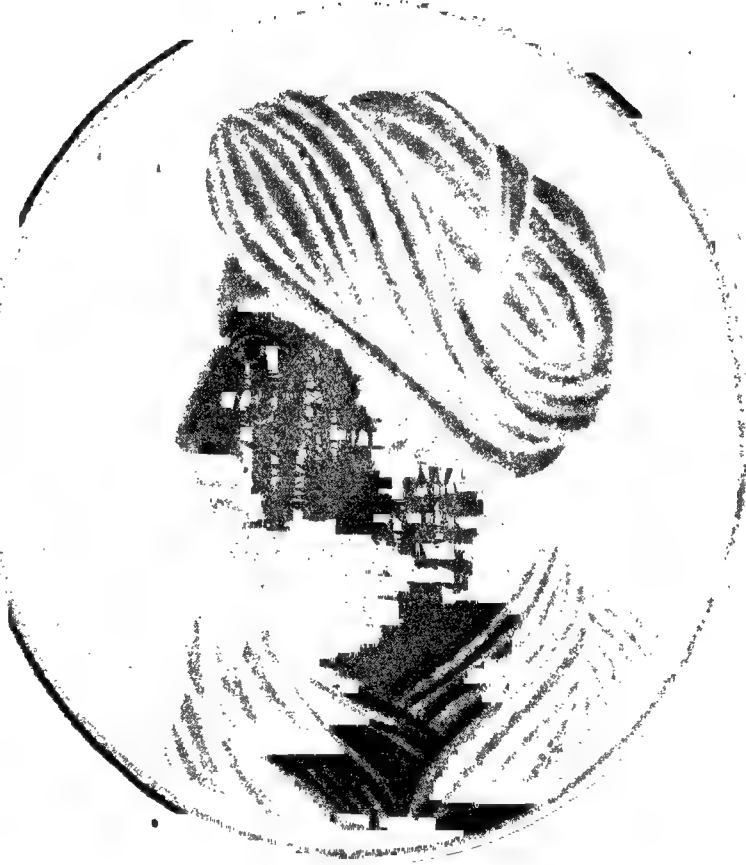
متعدد اقوام کی تاریخیں بھی، اسی علم کے اصول و کلیات کے ماتحت ترتیب دیدیں۔

ذیل میں ہم ایک مختصر مگر رقیع رسالہ کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو ترکی میں ڈاکٹر احمد شعیب بک نے سنہ ۱۹۱۰ ع میں انقلاب عثمانی کے بعد لکھا تھا، اور بلاد اسلامیہ کے اہل علم میں نہایت مقبول ہوا تھا۔ ڈاکٹر موصوفہ، مدرسہ حقوق (قانون) میں استاذ تھے، اور اُن گنتی کے اصحاب علم و نظر میں سے تھے، جنہیں ترکی کے نئے عہد تعلیم و ترقی کا ماحصل سمجھنا چاہئے۔ سنہ ۱۹۰۸ ع میں جب دستوری انقلاب ہوا، تو انہوں نے مرحوم جارید بے اور احمد رضا بے کے ساتھ شریک ہو کر ایک نہایت

رقیع ماہوار رسالہ ”مجلہ علوم اقتصادی و اجتماعیہ“ جاری کیا تھا۔ ترکی کے تمام مشاہیر اہل قلم کی رائے ہے کہ اس سے بہتر علمی رسالہ ترکی زبان میں شائع نہیں ہوا۔ یہ رسالہ اسی مجلہ میں بہ دفعات شائع ہوا تھا۔ پھر مطبع ثروت فنون نے کتاب کی شکل میں مرتب کر کے چھاپ دیا۔

اس موضوع میں یہ مقالہ مختصر ہے، مگر رسوخ نظر و فکر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ہم اس کا ترجمہ شائع کر دیتے ہیں تاکہ اردو میں ایک ترک مفکر کی بہترین کتاب منتقل ہو جائے۔ البتہ یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ مصنف نے مقالہ کی تمہید میں فطرۃ انسانی کے خیر و شر پر جو اظہار رائے کیا ہے، اور اسے روسو کا مذہب قرار دیکر اس کی یک قلم تغلیط کر دی ہے، ہم اسے مصنف کی لغزش نظر سمجھتے ہیں اور اس سے متفق نہیں ہیں۔ مقالہ کا ترجمہ مکمل ہو جائے تو بطور استدراک و تعلیق اس مسئلہ پر مختصراً اپنی رائے ظاہر کر دینگے۔ اس مقام کے علاوہ بعض دیگر مقامات پر بھی مزید نظر و کراش کے مستحق ہیں، اور ان کی طرف بھی خاتمہ میں اشارہ کر دیا جائیگا۔

اس مقالہ کے ساتھ ہم علامہ ابن خلدون کی تصویر بھی شائع کر دیتے ہیں۔ یہ ایک قدیم قلمی مرقع کا عکس ہے جو دمشق کے ایک قدیم کتب خانہ میں محفوظ تھا اور اب وہاں کے مجمع علمی (عربی الاکیمی) نے اپنے عجائب خانہ کے آثار عتیقہ میں داخل



عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون - المتوفی ۸۰۸ ھ  
جس نے سب سے پہلے علم الاجتماع مدون کیا

میں ان معصوم حبشیوں کا بھی تذکرہ ہے، جنکا کام قیمتی چھتریاں لیجانا اور دوسروں کی چھتوں پر ناپچتا یا عبادت کرنا ہے۔ اسکے علاوہ یہاں کے مختلف فرقوں میں حق وراثت کے متعلق جو اختلافات ہیں اور جنگی وجہ سے اکثر خانہ جنگیاں برپا ہوتی رہتی ہیں۔ نہایت وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔

”اگرچہ فرقوں کے اعتبار سے مسیحی فرقوں کی تعداد اسلامی فرقوں سے جن میں مسلم ملحد بھی شریک ہیں، کہیں زیادہ ہے، لیکن آبادی کے لحاظ سے مسلمان ایک کے مقابلہ میں تین ہیں۔ اسی طرح تعداد میں وہ یہودیوں سے بھی زیادہ ہیں۔ مصنف نے ان قوموں کے حالات کے ساتھ ترکوں کے روس پر تازہ کی بھی مثالیں دی ہیں، جو وہ اپنے عیسائی اور یہودی رعایا کے ساتھ کرتے تھے۔ چنانچہ اُس نے ان احکام کی نقلیں درج کی ہیں جنکے ذریعہ ارمینوں، یوڈیوں اور یہودیوں کو اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت ملتی تھی۔ حکمناموں کی نقلیں کے بعد مصنف نے موجودہ طریقہ حکومت کا ترکوں کے طرز حکومت سے موازنہ کر کے اول الذکر کو ترجیح دی ہے۔

ہم اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف کتاب اور ٹائلس کے نقد نگار نے شام کے جس فرقہ کو ”اسماعیلی“ کے لقب سے پکارا ہے، وہ اگرچہ اسماعیلیہ ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن ایک مدت سے ”دروز“ کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور اس کے عقائد اصل اسماعیلی فرقہ سے بہت کچھ مختلف ہیں۔

## بیگم فہمی کا مجیدہ مطالبہ

(قاتلہ کا مقتول شہر کی جائداد پر دعویٰ!)

قاریین الہلال کو یاد ہوگا کہ اب سے تقریباً دو سال پہلے لندن کے ایک ہوٹل میں بیگم فہمی نے (جو ایک فرانسیسی عورت ہے) اپنے شہر فہمی بے مصریٰ کو گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ لندن میں اس پر مقدمہ چلایا گیا، لیکن وہ چھوٹ گئی، اور اب وہی قاتلہ اپنے مقتول شہر کی جائداد پر حق زرجیسٹ کا دعویٰ کرنے لگی ہے!

کسی مقام پر جمع ہوئے اور بحث و مباحثہ کے بعد باہم عہد رکھنا کر لیا، بلکہ صورت یہ ہوئی ہوگی کہ جماعت کے سب سے زیادہ عقلمند اور طاقتور فرد نے اس ضرورت کا احساس کیا ہوگا اور اپنی بہرہ رسانی قوت سے تمام افراد کو مغلوب کر کے حاکم بن بیٹھا ہوگا۔ پھر وقتی ضروریات نے حکومت کا نظام قائم کرنے اور وقتی قوانین بنانے میں اُس کی رہنمائی کی ہوگی۔

انانیت اور حب ذات انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ در آدمیوں کی مصلحتوں میں ادنیٰ تصادم بھی عداوت و فساد کا موجب بن جاتا ہے۔ مدقروں انسان نے انہی حالات میں انفرادی زندگی بسر کی۔ لیکن بالآخر طویل تجربوں نے اُسے بتا دیا کہ قتل، خونریزی، نہب و سلب، جماعت اور افراد، دونوں کے لئے مضر ہیں۔ انسانی معیہ ہوگا کہ اپنے سابق طرز زندگی میں تبدیلی پیدا کرے اور ایک نئی ہنگر زیادہ پر امن اور آرام دہ زندگی اختیار کرے۔

یہی تجربہ یا ضرورت، حکومت اور تمام قوانین اجتماع کی مصلیٰ اور ابتدائی بنیاد ہے۔

## عالم، ہزارات و ضحائف

Sketches of the Sects of Palestine & Syria

By Harry Charles Luke

(شام و فلسطین کے فرقے، مصنفہ ہرے چارلس لیوک)

۔ : : : .

اخبار ٹائمس لندن نے اپنے ہفتہ وار ادبی ضمیمہ میں مندرجہ بالا کتاب پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے :

”اگرچہ فلسطین کی آبادی ساٹھ لاکھ سے زیادہ ہے، اور ۴۰ - مختلف زبانیں بولنے والے ۶۵ - فرقوں کے اشخاص موجود ہیں، پھر بھی مسٹر لیوک مصنف کتاب کو ایک اسماعیلی بھی وہاں نظر نہیں آیا، اور اسے لیے انہیں شام جانا پڑا۔ یہ وہی فرقہ ہے جو جنگ صلیبی کے زمانہ میں بہت مشہور ہو گیا تھا۔ مصنف نے اس کے بعض اسلاف کے حالات نہایت دلچسپ طریقہ سے بیان کیے ہیں۔ شاید اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہوئے کہ یہ وفادار قاتل اپنے آقا کے حکم کی کس طرح اطاعت کرتے تھے، اور کس طرح اس کے کہنے پر ہر قسم کے کام انجام دینے کیلئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ دوسروں کا قتل یا خود کشی بھی ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

اس اسماعیلی فرقہ نے اگرچہ اپنی تمام رسمیں ترک کر دی ہیں۔ پھر بھی ایک حسین نوجوان خاتون کو سیاہ لباس میں ملبوس کرنے اور سر پر پھولوں کے تاج رکھنے کی رسم اب تک قائم ہے۔ مسٹر لیوک نے اپنی کتاب میں اس فرقہ کے نہایت حنا پسند حالات لکھے ہیں۔ باخبر مصنف ہم کو ایک اور فرقہ کا بھی پتہ دیتا ہے جو سمرتین کہلاتے ہیں۔ ان کا خاندانی مذہبی پیشوا ٹائلس میں رہتا ہے اور سالانہ کوہ گرزم پر اپنی قدیم ترین قربانی ادا کرتا ہے جو کتاب الخروج میں درج ہے۔ اس کتاب

اور اُس کی ہلاکت پر تلی ہوئی تھی۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے اجتہاد کو پہلی فکر یہی ہوگی کہ حیوان و انسان کی دست درازوں سے مدافعت کیونکر کریں۔ چنانچہ وہ اس کا سامان مہیا کرنے میں مشغول ہوئے۔

ہر اشتراک عمل کا نظام ان ضرورتوں کے مطابق ہوتا ہے جو اُسے وجود کا باعث ہوتی ہیں۔ انسانی اجتماع کی ابتدائی ضرورت در قسم کی تھی :

(۱) داخلی خطروں کا سد باب۔

(۲) خارجی حملوں سے مدافعت۔

اسی ضرورت نے انسانی جماعت کو حکومت کی تکوین پر مجبور کیا۔ شروع شروع میں مقصود یہ تھا کہ حکومت، جماعت کے افراد کی قوت اس طور پر منظم کرے اور اُسے اس طرح استعمال میں لائے کہ جماعت، داخلی و خارجی خطروں سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں، جیسا کہ روسو کہتا ہے، کہ جماعت کے افراد



اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی۔ بنیادیں اسے ہی دیکھ کر ہلکی ہو گئیں۔  
وہ بھی نظریہ ہی کہہ سکتے ہیں۔

#### (فطرۃ انسانی)

پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ عقل و حکمت انسان کی فطری صفات نہیں ہیں بلکہ سخت جد و جہد کے بعد کسب کی جاتی ہیں۔ یا صفت اگر اسے صفت کہنا صحیح ہو، اب تک غیر فطری حالت توازن میں ہے۔ علم وظائف الاعضاء (فیزیوا لوجی) اور علم النفس (سائیکالوجی) بتاتے ہیں کہ ”انسان فطری طور پر اچھا ہی موصوف ہے۔ جلد سچوں ہے۔ ہمارے اعضاء کی سلامتی اور عقل کی دوسمکتی صلاحیت اتفاقات کا نتیجہ ہے۔ دماغ کا عمل بھی ہمیشہ موزوں طور پر ہوتا ہے۔ منطقی قیاسات اور اعلیٰ خیالات، صرف ایک معدودہ روشنی خیال جماعت سے مخصوص ہوتے ہیں۔ انسان کے ازلہ سے ہی اصلی حکمرانی، اس کے عقل و دماغ کو نہیں بلکہ جسمانی ترکیب مادی ضرورت، حیوانی طبیعت، قوت خیال، حرص و طمع، اور شخصی اغراض وغیرہ خصلتوں کو حاصل ہے۔“

ہمارا یہ خیال کہ انسان فطرتاً نیکی، خیر، حلم، اجتماعی مصلحت کو، بدی، شر، غصہ، اور شخصی مصلحت پر ترجیح دینے کی طبیعت رکھتا ہے، درحقیقت اچے آپ کو سخت دھوکہ دیتا ہے۔ کیونکہ وحشت و ظلم کی جو صفات ہم نے اپنے اجداد سے ورثہ میں پائی ہیں، اب تک ہمارے ذہن و دماغ میں پوری طرح راسخ ہیں۔ انسانی دماغ کی ساخت ہی کچھ اس وضع کی ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے خیالات و اراہام کا بندہ رہے۔ شدید ہیجان، شک و شبہ، جذبات، سادہ لوحی، خود غرضی، یہ انسان کی امتیازی خصوصیات و صفات ہو گئی ہیں۔

یہ حقائق پیش نظر رکھنے کے بعد، ہم باسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انسانی فطرۃ کے متعلق روسر کا نظریہ سراسر دھوکہ و خیال ہے۔ اور اس کے ہم مشربوں کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

#### (سلطنت کی تکرپوں میں اقلیم کا اثر)

سلطنت کی تکرپوں میں اقلیم کے اثوات کو بہت دخل ہوتا ہے۔ سیاسی و اجتماعی نظامات، اقلیم کی تبدیلی سے بدل جایا کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جو قومیں میدانوں اور سبز زاروں میں بڑ و باش رکھتی ہیں، ان کی اقلیم کا اقتضاء ہی یہ ہوتا ہے کہ بددی زندگی بسر کریں۔ ان کی مرکزی حکومت میں ابوی اقتدا کا رنگ غالب ہوتا ہے اور استبداد کمزور ہوتا ہے۔ یہ قومیں ہمیشہ فتوحات و حکمرانی کی دلدادہ ہوتی ہیں۔ برخلاف ان کے وہ قومیں جو جنگلوں میں شکار پر زندگی بسر کرتی ہیں، اپنی مرکزی حکومت میں استبداد غالب رکھتی ہیں اور ابوی شفقت کمزور ہوجاتی ہے۔ ان میں جہالت نمایاں ہوتی ہے۔ وسعت نظر مفقود ہوتی ہے، اور العزمی اور بلند ہمتی ناپید نظر آتی ہے، قلع و استیلاء کا جذبہ مردہ ہوجاتا ہے، ہمیشہ تنگ دائرے ہی میں زندگی بسر کرتی رہتی ہیں۔

#### (جماعتوں اور سلطنتوں کے وجود کا سبب)

قدیم ترین حکومتوں کے ظہور کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسانوں کا اجتماع اور باہمی اشتراک عمل، صرف ضرورت ہی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ وہ ابتدائی ضرورت، دشمنوں کے حملوں سے مدافعت تھی۔ ان مجبور زمانوں میں ہر چیز انسان کے لیے خطرناک تھی۔

پہنچا ہے۔ یہ سراسر جنوں ہے کہ کوئی قوم ترقی کے بلند درجہ تک اچانک پہنچ جائے کا خیال کرے۔

#### (سلطنت کی تکرپوں اور روسر کا نظریہ)

جوزیف ڈومسٹر اور بولڈ نے سلطنت (استیت) کی تکرپوں کا جو نظریہ قائم کیا تھا، وہ اب اس حد تک شکست کھچکا ہے کہ اس کے بطلان کے لیے کسی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسی طرح ”اصحاب جمہورۃ“ (جن کا سرگروہ روسر ہے) کے نظریے بھی غلط ثابت ہوچکے ہیں۔

مذہب جمہورۃ، سترہویں صدی کے اواخر میں اپنے پورے عروج کو پہنچ گیا تھا۔ ہنری سوم کے قتل کے بعد پرتسنت فرقہ نے اس مذہب سے ہٹنا شروع کیا۔ سترہویں صدی میں ہوبس اور گورڈیو نے ظاہر ہوکر اس مذہب کی از سر نو حمایت شروع کی۔ لیکن وہ اس نتیجہ کی کوئی توجیہ نہ کرسکے کہ اس مذہب کے تسلیم کر لینے کے بعد یا ترقی کا استبداد لازم آجاتا ہے، یا جماعت کا۔

آخر میں روسر نے آکر یہ تمام نظریے اپنی کتاب ”عقد اجتماعی“ میں جمع کر دیے۔ روسر کی رائے ہے کہ انسانی افراد اپنی طبیعی خود مختاری سے اس بنا پر دست بردار ہوئے ہیں کہ انہیں اس کے معاوضہ میں امن و اطمینان ملے۔ چنانچہ انہوں نے باہم معاہدہ کرلیا کہ انفرادی زندگی کے بجائے جماعتی زندگی بسر کریں گے۔ اس معاہدے نے ان میں اجتماعی اخلاق کی ایک خاص طبیعت پیدا کر دی۔

روسر کا خیال ہے کہ فرد فطرتاً نیک ہوتا ہے۔ زوال و شر، جماعت سے پیدا ہوتا ہے۔ افراد فطری طور پر عدل و انصاف کے دلدادہ، خیر اور نیکی کے پرستار، اور نظام کی اطاعت کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ نیک اور خوش نصیب ہوتے، اگر جماعت کی برائیاں انہیں لگ نہ جائیں۔

حریت، مساوات، اور قوم کا اقتدار، یہ ”عقد اجتماعی“ کی بنیادی دفعات ہیں۔ روسر نے ان کا ذکر اپنے بیان ”حقوق انسانی“ میں بھی کیا ہے۔

روسر کے زمانہ میں یہ نظریہ بہت مقبول تھا کہ انسان فطرتاً نیک اور عاقل ہے۔ اس کا ہر عمل حتیٰ کہ ہر حرکت کسی نہ کسی معقول سبب پر مبنی ہوتی ہے۔ اس وقت کے اکثر ادباء و فلاسفہ یہی خیال رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ارکان سلطنت کا بھی اسی پر ایمان تھا۔ چنانچہ ٹورگو نے تربیت پر ایک رسالہ لکھکر بادشاہ کو دیا اور دعویٰ کیا کہ ”اس پر عمل کر کے فرانس کی حالت اسی ہو جائیگی کہ ابھی یقین نہیں کی جا سکتی“ نیرکھا کرتا تھا ”انسانی اخلاق کی فضیلت پر ایمان رکھنا فرض ہے“

جرمنی میں بھی کانت اور ویختی نے اس مذہب کا علم بلند کیا تھا۔ لیکن ان کے رد کے لیے بڑے بڑے فلاسفہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہیگل، اسٹراوس، اسٹراٹ مل، اسپنسر، آگسٹ کونٹ، ٹن، پٹنر وغیرہم نے اپنی اپنی جگہ اس کی دھجیل اڑا دی۔

خود اشتراکیوں نے بھی یہ مذہب قبول نہیں کیا اور اسے منطقی مغالطہ قرار دیا۔ زور مائل کہتا ہے ”عقد اجتماعی کا نظریہ“ محض ایک دھوکہ ہے۔

اقتدار قومی کا نظریہ بھی اب تک محض ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ عمل میں آج تک اس کا کبھی ظہور نہیں ہوا۔ تاریخ نے بھی

اطاعت کا اہتمام کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں سم۔ اگر کسی کو بچکا دو تو فوراً بچا  
جے گا۔ سم۔ یعنی میں نے سنا لیا۔

دارحی

دارحی کو بخیر جو عزت حاصل ہو وہ کسی چیز کو بھی نہیں ہو۔ دارحی  
مٹانے والے کو قرب قرب کا فریختے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ خط  
دارحی کو ہیودیت کی علامت سمجھتے ہیں اور بخدی، اسلام کی، دوسری  
قوموں کا یہ اختلاط ذوق یقیناً حیرت انگیز ہے۔

قبائل بنی صخر

تجد کے تلم قبائل، سعودی حکومت سے پہلے نہایت وحشیانہ  
زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلام کی قیادت سے بالکل ہٹ گئے تھے انکا  
دین مکہ سے جاہل ہو گئے تھے۔ کثر شہادت کے بعد دین کی کوئی  
بات بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن سعودی فرمانرواؤں نے انھیں دین  
کی تعلیم دی اور شریعت حق کے اتلے پر مجبور کیا۔ آج بخدی دنیا  
میں ایسا ملک ہے جہاں اسلامی احکام رب سے زیادہ عمل ہوتا ہے۔  
لیکن اس کلیہ سے قبائل بنی صخر استثنیٰ ہیں۔ یہ قبائل، شرق  
اردن سے ملحق بخدی سرحدوں میں آباد ہیں۔ یہ چونکہ مال ہی میں  
بخدی حکومت کے مطیع ہوئے ہیں، اس لئے ان کی تعلیم و تربیت  
ابھی تک کچھ بھی نہیں ہو سکی ہے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ بالکل وحشی ہیں اور شانہ  
نادر ہی ان کا کوئی فرد، صحیح طور پر نماز پڑھ سکتا ہو۔ ان کی عادتیں  
رسم و رواج اور طریق بود و باش بالکل وحشیانہ ہیں۔ ان  
کی ایک شادی بھی دیکھی۔ نکاح کا طریقہ ان کے یہاں یہ ہے کہ  
ایک لمبی موٹی لکڑی لاکر مجلس میں لپی جاتی ہے۔ اس کا ایک سر  
شہر بکرا ہو اور دوسرا سر لڑکی کے باپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔  
لڑکی کا باپ چلا کر کہتا ہے ”وحیاء العود، والرب المعود جزت“  
انہی ”انتم اس لکڑی کی زندگی اور مدد مبعود کی کہ میں نے اپنی لڑکی  
بیاد دی“ اس کے جواب میں شہر بکرا کہتا ہے ”تجزت (ہ) اب تک“  
(میں نے تیری لڑکی سے شادی کر لی) بس نکاح ہو گیا!

سلطان ابن سعود سے آخری گفتگو

ریاض سے دعا گئی سے پہلے میں نے چاہا کہ سلطان عبدالعزیز  
سعود سے بعض اہم معاملات پر گفتگو کر دوں۔ سلطان نے انتہائی ہرانی  
سے میری درخواست منظور کر لی۔ بے تکلف ہو بیٹھے اور حسبِ میل بیان  
دیا:

”شاہ صحراء کے باشندوں کی خشک طبیعت، بدوی معیشت،  
اور دینی تعلق سے آپ کو کچھ تکلیف ہوئی ہوگی۔ لیکن اس میں  
کا کوئی قصور نہیں ہے۔ صحرائی زندگی نے انھیں ایسا ہی بنادیا ہے  
وہ اپنی فطرت پر قائم ہیں۔ اور جان بوجھ کر کوئی شرارت نہیں کرتے۔  
برضات ان کے آپس میں مجھے ادیسرے ارکان سلطنت کو بھی دیکھ  
لیا ہے کہ ہم لوگ ہرگز مستعجب نہیں ہیں۔ سلطان تو ہمارے بھائی ہیں  
ہم غیر سلسلوں سے بھی رواداری کا سلوک کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ سفرِ اڑلی  
سے طویل سیاسی گفت و شنید کرتے ہیں۔ بسا اوقات ان کی بعض  
باتیں ہمارے خلاف مزاج ہوتی ہیں۔ مگر ہم بھی غصہ کا اظہار نہیں  
کرتے۔ بلکہ نہایت ملالت اور معاملہ فہمی سے گفتگو جاری رکھتے ہیں۔

”میں اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس ذاتِ بزرگ  
نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک ایسی قوم کو، جیسی یہ بخدی قوم ہے،  
اپنے بادشاہ کا صدر سے زیادہ وفادار، جانشین اور عہد بنا دیا ہے۔ یہ  
قوم مصیبت کے وقت اپنے بادشاہ کے گرد جمع ہوجاتی ہے۔ خطرے میں  
اُس کی حفاظت کرتی ہے۔ اُس پر قربان ہوتی ہے۔ حکم و قناعت کرتی  
ہے۔ شریفیوں سے جنگ کے دوران میں ہماری قوم نے اپنے بادشاہ

## سیر فی الارض

اولم سیر فی الارض فعیظوا کیف کان عاقبة الذین من قبلہم

(۸۵:۳۰)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح بخدی

(مؤرخ مشرق، مصری اخبار نویس کی سیاحت بخدی کی آخری نظم)

تجد کی غذا

تجد خصوصاً صحرائی اصلی غذا چاول ہے۔ روٹی بہت کم کھاتے ہیں۔  
لیکن چاول چمچ سے نہیں کھاتے۔ بلکہ اُس کا استعمال بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔  
ان کے چمچے ان کے ہاتھ اور انگلیاں ہیں۔ بے تکلف برتن میں ڈال  
دیتے ہیں اور لٹے بٹھکا شروع کر دیتے ہیں۔ تمام کھاؤں میں ہلدی ضرور  
ہلاتے ہیں اور بہت زیادہ مقدار میں۔ ہلدی کا نام ان کی اصطلاح میں  
”بروہ“ ہے۔

دودھ ان کے یہاں بہت افراط سے ہو، مگر اُس کا پیرنا انہیں  
جانتے لیکن تنگ ڈال کر کھانا ہلاتے ہیں اور بڑی رغبت سے کھاتے ہیں  
کچی پیاز قطعاً نہیں کھاتے۔ اُس کا کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ دلیل  
یہ بتاتے ہیں کہ اس سے نازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ان کے تمام  
کھانے حد درجہ سادہ ہیں۔ اچھے کھاؤں کی طرف رغبت نہیں رکھتے  
کیونکہ سلف صالح اچھی غذا میں پسند نہیں کرتے تھے۔

تندرستی

پورے بخدی میں صرف ایک ڈاکٹر ہے اور وہ بھی صرف سلطان کا شاہی  
طیب۔ یہ عجیب بات ہے کہ باوجود گھٹنا ہونے کے ڈاکٹر کے لئے مشق  
بہت کم ہے۔ صبر ہے کہ لوگ عام طور پر بیماری نہیں ہوتے۔ سادہ  
معیشت نے بیماریوں کا دردانہ بند کر دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تعدادِ اموات  
بہت محدود ہے۔ ۲۰، ۵۰ برس کی عمر میں شاذ و نادر ہی کوئی مرے ہو۔  
بخدی عام طور پر میدان جنگ میں قتل ہوجاتے ہیں، بیمار ہو کر بستر پر  
مرنا نہیں جانتے۔

ریاض میں میری موجودگی کے دوران میں ایک بدو، شاہی طیب  
کے پاس آیا اور اپنی بیماری کے لئے دوا مانگی۔ عورت، ریاض سو بہت  
دور، وسط صحراء میں بیمار پڑی تھی۔ طیب نے مریض کے دیکھے بغیر دوا  
تجویز کرنے سے انکار کر دیا۔ بدو پہلے تو خفا ہوا۔ پھر طیب کی تہاوت  
پر ہنسنا اور کہنے لگا۔ اپنی دوا اپنے ہی پاس ہے نہ دو۔ میری دوا پی  
تک وہ ابھی ہوجائے گی!“

اسی طرح ایک اور بدو آیا۔ اُس کے شانے میں بندوق کی گولی  
لگی تھی اور جسم میں بیوت ہو کر لگی تھی۔ اس کی وجہ سے اُس کا

دانا ہاتھ بالکل بے کار ہو گیا تھا۔ شاہی طیب نے کہا گولی نکلنے سے  
پہلے جسم کے اس حصے کو دواؤں سے سن کر ڈالنا، پھر اس پر جراحی  
کرا ضرور ہے۔ اس پر بدو ہنسنے لگا۔ ”والہم“ اُس نے کہا ”میں حق  
کی ہوا (یعنی بندوق کی گولی) ہی سے مردوں گا۔ طیب کے فتنے پر اپنی جان  
نہیں دوں گا!“

حیرت انگیز حواس

یقیناً ناظرین متکجب کریں گے کہ بخدی بدوی نہیں کرتا بلکہ  
کی رہنمائی میں صحرائی عظیم مسافرت طے کرتے ہیں، بلکہ حیرت کی بات  
یہ ہے کہ آدھے دن کی مسافت پر سے آدمیوں کے بازوؤں کی آواز بھی سن  
لیتے ہیں۔ درحقیقت ان کی قوتِ سامعہ اور قوتِ باصرہ بہت ہی قوی  
ہے۔ صحرائی پاک صاف زندگی نے ان کے قوی کر دئے ہیں۔  
ہیں۔ نہایت ہی ذکی انھیں ہیں۔ بہت دودھ کی آواز سے آواز بہت  
دور کی چیز دیکھ لیتے ہیں۔

تاریخ و مسین کا حساب

تاریخ کا حساب سرکاری کاغذات اور تجارت میں سند بخدی سے  
ہوتا ہے۔ لیکن عام لوگ خصوصاً صحراء کے باشندے، قدیم عربوں کی  
طرح مشہور تاریخی واقعات سے حساب کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں فلان  
واقعہ سند احمار کے دوسرے بھیا سند حجاز کے ایک برس بعد ہوا۔  
سند احمار یا سند حجاز سے مقصود، ان دونوں ملکوں کی فتح کا سال ہے جو  
ابھی طوح دوسرے اہم واقعات سے تاریخ کا شمار شروع کرتے ہیں۔  
مگر یہ عجیب بات ہے کہ حساب ہمیشہ صحیح ہوتا ہے، صحیح طور پر سمجھا جاتا ہے۔  
کبھی غلط فہمی واقع نہیں ہوتی۔ ہر شخص اہم واقعات اور اُن کے نتائج  
سے واقف ہوتا ہے۔

زبان

تجد کی بولی، مقررہ شام کی بولیوں سے بہت کچھ مختلف ہے۔ ان کی  
عربی لہجہ دوسرے ملکوں سے نمایاں اختلاف رکھتا ہے۔ یہ لوگ کات  
کو ہمیشہ تلمے مشد سے بدل لیتے ہیں۔ ”س، م، ن“ یہ دھڑلے  
ہیں کہ بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں اور بہت سے جملوں کے قائم ہو  
جاتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم اس کا ہوتا ہے تو کہتے ہیں سم۔ کسی حکم پر

## ڈاک کی تاریخ

یورپ کے ڈاکخانوں کی بین الاقوامی مجلس کا ایک اجلاس حال میں بہ مقام ہالینڈ منعقد ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں ڈاک کی تاریخ کی تاریخ کی تاریخ بھی بیان کی گئی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

”قدیم زمانہ میں خطوط کی آمد و رفت کے طریقے تھے۔ ڈاک کا محکمہ زیادہ تر بادشاہوں کی خدمت کیلئے تھا۔ بادشاہ اپنے خطوط، فرمان، اور احکام اپنے عہدہ داروں اور دستوں کو بھیجا کرتے تھے۔ محکمہ ڈاک یہ تھا کہ کچھ لوگ خطوط لیکر گھروں اور اورتوں وغیرہ سواروں پر سفر کیا کرتے تھے۔

مصریوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں ڈاک کا باقاعدہ انتظام کیا۔ مصریوں سے یہ چیز رومانیوں نے لی۔ شہنشاہ اگستس کے زمانہ میں سلطنت روم میں ڈاک کا آغاز ہوا۔

ساتویں صدی عیسوی میں فرانس میں ڈاک کو رواج دیا گیا۔ لیکن چونکہ یہ زمانہ فرانس میں سخت بد امنی کا زمانہ تھا، اس لیے یہ انتظام کامیاب نہ ہوا اور جلد موقوف ہو گیا۔ چارلس اول نے بعد میں ڈاک کا محکمہ از سر نو قائم کیا تاکہ اسکی وسیع مواصلات کی آسانی ہو۔ مگر زیادہ عرصہ وہ بھی قائم نہ رہ سکا۔

آخر سنہ ۱۴۹۴ء میں لوی چارلم نے اسکا پھر آغاز کیا اور ڈاک کا انتظام پوری ہوشیاری اور مضبوطی سے قائم کر دیا۔ سولہویں صدی میں فرانس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ڈاکخانوں کا جال پھیل گیا تھا، اور ہر شخص کو حق حاصل ہو گیا تھا کہ جب چاہے اپنے خطوط ڈاک کے ذریعہ بھیج دے۔ سنہ ۱۶۲۷ء میں خط نویسی کے قواعد اور شرط مقرر کیے گئے۔ سنہ ۱۶۲۹ء سے منی آرڈر بھی ڈاکخانوں میں لیے جانے لگے۔

ڈاک کے گت سب سے پہلے سنہ ۱۶۵۳ء میں فرانس میں ایجاد ہوئے۔ لیکن تھوڑی مدت بعد انکا استعمال ترک کر دیا گیا اور لوگ انہیں بھول گئے۔ سنہ ۱۸۲۳ء میں ڈنمارک کے سرکاری اخبار میں ایک مضمون شائع کر کے حکومت کو ترجہ دلائی گئی کہ ڈاک کے گت استعمال کیے جائیں۔ مگر اس پر ترجہ نہیں کی گئی۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے اسکی ضرورت محسوس کی۔ اس کے بعد باقی سلطنتوں نے بھی انکی تقلید کی۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں کب سے ڈاک کے گت جاری ہوئے ہیں :

انگلستان	—	سنہ ۱۸۳۹
بلجیم	۳ نومبر	سنہ ۱۸۴۷
فرانس	۱ جنوری	سنہ ۱۸۴۸
اسپین	۲ مارچ	سنہ ۱۸۴۸
سوئٹزر لینڈ	۱۴ اپریل	سنہ ۱۸۴۹
پروشیا	۱ جنوری	سنہ ۱۸۵۰
آسٹریا	۱ ایضاً	ایضاً
ڈنمارک	۱۵ ایضاً	ایضاً
اٹلی	۱ ایضاً	سنہ ۱۸۵۱
ہالینڈ	۱ ایضاً	سنہ ۱۸۵۲
ناروے	۱ ایضاً	سنہ ۱۸۵۵
یونان	— اکتوبر	سنہ ۱۸۶۱
ٹرکی	۳ مئی	سنہ ۱۸۶۶
مصر	۱۵ دسمبر	سنہ ۱۸۶۶

اس سلسلہ میں اخبار پینل لندن کے نامہ نگار نے اس سے ملاقات کی تھی۔ اس ملاقات کے حالات یہ ہیں۔ نامہ نگار لکھتا ہے :

”یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ وہ مجھے نہ پہچان سکے۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ میں خود بھی مشکل سے اس بات پر یقین کرنے کیلئے تیار تھا کہ حسین لباس میں یہ ملبوس حسینہ وہی پریشان سفید روم ہے جسے میں نے اب سے دو سال پہلے عدالت میں دیکھا تھا۔ آج اس نے رنگین، روشن، تر تازہ چہرہ، اور باوقار حرکات میں کہیں بھی ارن خطروں اور اندیشوں کا پتہ نہ تھا جنہوں نے اسے اپنے شہزادہ شوہر کے قتل پر مجبور کر دیا تھا“

”تمام دنیا کی طرح میں نے بھی سنا تھا کہ مرحوم فہمی بے کی جائداد جو در پے پانچ ملین فرانک کے درمیان ہے، اسکی دو بہنیں اور چچا کو مل گئی ہے۔ اسکا یہ فیصلہ کہ اب وہ خود قاہرہ جا کر یہ دعویٰ از سر نو پیش کرے گی، میرے لیے ایک حیرت انگیز خبر تھی“

”میں نے دریافت کیا“ آخر کس چیز نے آپ کو اس بات پر آمادہ کیا ہے؟“

”اس نے جواب دیا“ وہ کہتے ہیں، جب تک میں بذات خود دعویٰ پیش نہ کروں، سماعت نہیں ہو سکتی۔ اسلیے میرے پاس قاہرہ جانے کے سر اور چارہ کار کیا ہے؟“

”لیکن مجھے یاد تھا کہ اس سے پہلے تین مرتبہ بیگم فہمی نے قاہرہ جانے سے انکار کر دیا تھا، اور اس کے رجوع میں ایک وجہ یہ بھی بتلائی گئی تھی کہ وہ خائف ہے۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا تو وہ ہنسی اور پھر مسکراتے ہوئے جواب دیا ”میں اور خوف! میں مصر میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ مصری میرے دوست ہیں۔ شریف ہیں“ اس نے اپنے بازو پر سے کپڑا ہٹا کر بتایا کہ اس کا ہاتھ زخمی تھا، اس لیے وہ قاہرہ جانے کے قابل نہ تھی۔ اس نے یقین دلایا کہ اب وہ پہلے اسپین جالیگی، وہاں سے سیدھا مصر پہنچے گی۔ یہ کہتے ہوئے اس نے ایک خاص انداز سے اپنا ہاتھ اٹھایا، اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب روشنی پیدا ہو گئی۔ قاہرہ کا مصری انصاف اس کے لیے کوئی خوفناک چیز نہیں ہے۔ جو قاضی ان آنکھوں سے متاثر ہوے بغیر دھینکا، اس کے متعلق سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے سینہ میں دل کی جگہ یقیناً پتھر کا ٹکڑا ہوگا۔ اس رعنائی کے باوجود بیگم فہمی تین شادیاں کر چکی ہے، اور اس کی ایک ہفتہ سالہ لڑکی بھی موجود ہے!“

”بیگم فہمی کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ قاہرہ میں اپنا مقدمہ جیت لے گی۔ اس نے مجھے بتایا کہ حال ہی میں اس نے ایک مقدمہ جیتا ہے۔ وہ مقدمہ ایک تریس کیس (مذوق ارائش) کے متعلق تھا جس کی قیمت ۴ ہزار پونڈ ہے۔ یہ بکس ان دو بکسوں میں سے تھا جو شادی سے کچھ دن قبل شہزادہ فہمی بے کے لیے بنائے گئے تھے۔ ایک سیاہ کچھوے کی کھال کا اس کے لیے دوسرا زرد رنگ کا اس کی منسوبہ کے لیے۔ حادثہ قتل کے بعد فہمی بے کی بہن نے اس بکس بے لیے مقدمہ دائر کیا۔ بیگم فہمی اس کے لیے لڑی اور بالآخر کامیاب ہو گئی۔ اس نے کہا ”یہ مقدمہ اس لیے نہ تھا کہ وہ بکس بہت قیمتی تھا، بلکہ یہ اصل کا سوال تھا۔ اس نے یہ بکس مجھے دیا تھا۔ اور میرے لیے ضروری تھا کہ میں اسے حاصل کروں“ آپ کو یہ سن کر متعجب نہ ہونا چاہیے کہ بیگم فہمی نے اپنی چوتھی شادی کا خیال ترک نہیں کیا ہے، اگرچہ اس میں عجلت نہیں ہے“





کا جس بہت دلالت اور جان بازی سے بول بالا کیا، وہ میرے قول کا بالکل تازہ ثبوت ہے۔

”حجاز سے جنگ کا سبب کیا ہوا؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں“ سلطان نے فوراً جواب دیا۔ میں قسم کتا ہوں کہ میں حجاز سے ہرگز جنگ کرنے کا خواہش مند نہ تھا۔ لیکن خود شریف حسین نے مجھے جنگ پر مجبور کر دیا۔ اُسے صرف یہی نہیں کیا کہ نجدی حاجوں کے لئے مصیبت پیدا کر دی، بلکہ دنیائے اسلام کے تمام حاجوں کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔ ہم دونوں یہ صحت حال صبر جمیل کے ساتھ برداشت کرتے رہے اور اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا۔ مگر شرعی حاکمی سرکشی اور جرات برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔ پہلے بارہ تاج بے ڈھنگے لڑا، مگر انھیں ذرا بھی نصیحت نہ ہوئی۔ بلکہ اُسے ان کا جبر و تکبر برا بھلا ہی ہوتا چلا گیا۔ نہایت ہی حقیر اور بے رحمی سے ہمیں ستا شروع کر دیا۔ آخر ہمارا بھی پایہ صبر لیز ہو گیا اور ہم نے اپنی فوج حجاز کی طرف بڑھائی۔ آپ جب بھی میری زبان سے لفظ ”فوج“ سنیں تو اُس سے یہی بہادری و بد قوم سمجھے جہاں آپ اپنے گرد یہاں دیکھ رہے ہیں۔

”ہم نے فوج کشی تو کر دی مگر ہمیں پورا یقین تھا کہ ہماری غرض صرف حجاز کی ظالموں سے ظہیر، حجاج کے لئے قیام امن اور مسلمانوں کے جان و مال کی حمایت ہے۔ ہمیں ہرگز خیال نہ تھا کہ ہم حجاز فتح کر کے اور اپنی سلطنت و قوت بڑھانے جائے ہیں۔“

”ہم خوب جانتے تھے کہ اہل حجاز کی روایات اور عقائد ہماری روایات اور عقائد سے مختلف ہیں۔ اُس ملک میں قتل و سلب و ہب کے ایسے قوی جتنے موجود ہیں کہ اُن کا قلع قمع بہت مشکل ہے۔ وہاں کے باشندوں میں ویسی تبدیلی جیسی ہم نے نجدیوں میں کر دی ہے، انکے میں نظر آتی تھی۔“

”فرید برآں ہم سمجھتے تھے کہ حجاز کا قبضہ ہمارے لئے بے شمار منافع پیدا کرنے کا ہے۔ بعض یورپین سلطنتوں کو پہلے معاملات میں مداخلت کا موقع مل سکتا ہے۔ لیکن ان تمام اندیشوں کے باوجود ہم نے حریف کی مبادلت طلبی کا جواب دیا اور میدان میں کود پڑے۔ چونکہ ہماری غرض اور نیت بالکل نیک تھی، اس لئے ہم نے کسی اندیشے کی بھی برداشت کی اور وہ کرنے پر آمادہ ہو گئے جسے ہم دانتا اپنا فرض سمجھتے تھے۔“

”مجھے یقین ہے کہ اسی نیک نیتی نے ہمیں کامیاب کیا۔ یہ جنگ کچھ زیادہ دیر پانہیں ہوئی۔ ایک ہی یلغار میں دشمن کا خاتمہ ہو گیا۔ شریف کی حکومت اچھی نہ تھی۔ تمام حجاز اُس سے نالایق تھا۔ یہی سبب ہے کہ باشندوں نے اُس کی ذرا بھی مدد نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ہر جگہ ہمارا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ اکثر جنگی نقطے ہیں بغیر جنگ کے مل گئے۔“

”ہم نے ابھی شریف اور شریفیوں کو ہجکایا ہی تھا، اور اسناد کو اپنے مقاصد سے آگاہ ہی کرنے پائے تھے کہ اُن کے اہل محل کا قصد نے صبح ہو کر ہم سے اُن کی بیعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ ہم نے بھی دیکھا کہ حجاز اور حرم بیت اللہ کی مصلحت اسی میں ہے کہ ہم بیعت قبول کر لیں اور حجاز پر دین الہی اور سنت نبوی کی حکومت قائم کر دیں۔ چنانچہ ہم نے پورے غور و فکر کے بعد حجاز کی بادشاہت منسلک کر لی۔“

”حجاز کے نظام حکومت میں اعلیٰ حضرت نے کیا تبدیلی کی ہے؟“ میں نے دریافت کیا۔

”حکومت حجاز کا بنیادی نظام اعلیٰ حالہ قائم ہے۔ سلطان نے جواب دیا۔ ہم نے اُس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ حتیٰ کہ ہم نے وہ سالانہ عہدے دہ بھی باقی رکھے ہیں جن میں دیانت و اخلاص کی صفات نظر آئیں۔ پہلے جو کچھ تبدیلی کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ شریف حسین کے من گڑبست قوانین اٹھا دیے ہیں اور اُن کی جگہ احکام شریعت م

## تاریخ و عبر

### تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد امیہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

### تاریخ اسلام کے ابتدائی عکس سیاسی و دعویٰ محرکات

(۲)

اس زمانے میں مبلغ داعی، خراسان کے علاقوں میں سوداگر بن کر دورہ کرتے اور خفیہ دعوت پھیلاتے تھے۔ اُن کا مرکز کوثر بن تھا۔ اپنی کارگزاریوں کی روداد وہاں بھیجتے تھے۔ کوثر سے خبریں حیرت انگیز تھیں جہاں سرگودہ دعوت، محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس مقیم تھے۔

خراسان میں سب سے پہلے اُن کا راز منسلکہ میں کھلا، قبیلہ تمیم کا ایک شخص دالی خراسان سعید بن عبد اللہ کے پاس آیا اور کہا ”یہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو بڑی باتیں کرتے ہیں“

سعید نے انھیں فوراً طلب کیا:

”تم کون؟“ اُس نے سوال کیا۔

”سوداگر“ انھوں نے جواب دیا۔

”یہ تمہاری نسبت کسی شکایت ہے؟“ حاکم نے کہا۔

”ہمیں نہیں معلوم“ اُن کا صاف جواب تھا۔

”تم کوئی دعوت لے کر آئے ہو؟“ دالی نے پوچھا۔

”ہمیں اپنی تجارت کی فکر تو ہے ہی سے چھٹی نہیں۔ دعوت کیا پھیلائیے؟“ انھوں نے سادہ لوحی سے جواب دیا۔

حاکم نے ضمانت طلب کی۔ ربیعہ اور تین کے لوگوں نے اُردن

کر لی۔

”ہم انھیں خوب جانتے ہیں“ انھوں نے کہا۔ ”ہم ان کی نیک چلنی کے ضامن ہوتے ہیں“

حاکم نے مطمئن ہو کر انھیں چھوڑ دیا۔

شعبہ میں اس خفیہ انجمن کو ایک نئی قوت حاصل ہوئی۔ بیکر بن ہامان نامی ایک امیر کبریا میں شامل ہو گیا اور اپنی تمام دولت

اس پر وقف کر دی۔ اُسی اثنا میں کوثر کا داعی ادل میمون قوت

ہو گیا۔ محمد بن علی نے نہایت دُور اندیشی سے اس مرکز کے لئے بن

ہاؤس کو منتخب کیا اور اُس کے ذریعہ بہت فائدہ حاصل کیا۔

شیعان بن اہثر پر پہلی مصیبت، اسد بن عبد اللہ القسری کے

ہاتھوں نازل ہوئی۔ یہ بنی امیہ کا خراسان میں دالی تھا۔ سخت بے

رحم اور سفاک تھا۔ جاسوسوں نے اُسے اس گروہ کی خبر دی چند

آدی گرفتار ہوئے اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد انھیں سوئی پر چڑھا

دیا۔ انہی میں ایک عمار العبادی بھی تھا۔ گردہ کسی طرح بچ بچا لہو

کوثر میں آکر بیکر بن ہامان کو یہ خبر سنائی۔ بیکر نے محمد بن علی کو

ہاشمی خلافت کی دعوت دو ممتاز دوروں پر تقسیم ہے:

پہلا دور پُر امن دعوت کا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب اموی خاندان

باہم متحد تھا، ابو مسلم خراسانی، ہاشمی دعوت میں شریک نہیں ہوا تھا

اور خراسانی فوج میں قومی عصبیت نے ظہور نہیں کیا تھا۔ ۶۷۰ سال

تک یہ دور قائم رہا۔ دوسرا دور، قوت و تشدد کے ساتھ دعوت کا

دور ہے۔ اسے دورِ عمل کہہ سکتے ہیں۔ دونوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

دورِ اوّل

(دستِ ہرے سے تلہ بھری تک)

م قائم کرتے ہیں۔ تمام باشندوں نے یہ تبدیلی بڑی ہی مسرت سے قبول

کی ہے، دہریہ بحث کہ یہ تبدیلی مفید ہوئی یا مضر؟ تو خود اپنی آنکھوں

سے آپ حجاز میں اس کا جواب دیکھ لیں گے۔ اس وقت سرزمین حجاز

میں پورا پورا امن قائم ہو چکا ہے اور ہر طرح کی بد امنی اور شورش

کا قطعی انکسار کر دیا گیا ہے۔“

”اعلیٰ حضرت نے ابھی فرمایا کہ حجاز سے بعض یورپین سلطنتوں

کی مداخلت کا احتمال تھا۔ بعض سلطنتوں سے آپ کی مراد کون سلطنتیں

ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔

سلطان نے جواب دیا:

”آپ جانتے ہیں کہ اکثر دولِ یورپ خصوصاً انگلستان، اسلامی

قوموں پر حکومت کر رہی ہیں۔ یہ اپنے حجاج کی حمایت کے ہانے سے

مداخلت کے موقع نکال سکتی تھیں۔ لیکن میں مسرت کے ساتھ ہی

واقعہ کا اظہار کرتا ہوں کہ اب تک کسی یورپین سلطنت نے اس طرح کی جرات

نہیں کی ہے۔ میں برطانیہ کی خاص طور پر تعریف کروں گا کہ اُسے معاملہ

فہمی سے کام لیا اور کبھی ستم کی مداخلت کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ کیونکہ

وہ خوب جانتا ہے دوستانہ تعلقات اُسی وقت تک قائم رہ سکتے ہیں جب

تک باہمی احترام اور حقوق کی رعایت موجود ہے۔“

”خلافت کے بارے میں اعلیٰ حضرت کی کیا رائے ہے؟ کیا انھیں

کے لئے سعی مناسب نہیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”میں اس اہم مسئلہ میں اظہارِ خیال مناسب نہیں سمجھتا، سلطان

مسکرا کر کہا ”بہت سے اسباب ایسے موجود ہیں کہ میں اس بارے میں

گفتگو بہتر خیال نہیں کرتا۔ میری قوم کے سامنے کچھ شرعی امور و اعتقاد

بھی موجود ہیں۔ آدابِ مجلس کا اعتقاد یہ ہے کہ میں آپ کے سامنے بیٹھ

کوئی اظہارِ خیال نہ کروں۔ مسئلہ خلافت تمام عالمِ اسلامی کا مسلک ہے۔ تنہا مسلمانوں ہی کو اس پر غور کرنا۔ مجھ اس شخص کی نظر کوئی طلب نہیں ہے۔“

انگریزی قبضہ کے خلاف آواز بلند کی، اور مصر کی موجودہ سیاسی سیدھا کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

مرحوم نے اپنی اس پہلی سیاسی تقریر میں کہا تھا:

”ہمارا ملک خود مختار ہے۔ مشرق کے معاہدہ عقد میں اس کا اعتراف کیا جا چکا ہے۔ جنگ کے زمانے میں جو سیاسی تبدیلی کی گئی ہو، اس کا ذکر بالکل بے کار ہے۔ کیونکہ تمام ملایا قانون کا منفعہ فیصلہ ہے کہ ”حیات“ پر دیکھ کر اس کا وجود اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک قوم دوسری قوم سے اس کی حالت میں اپنے کی خواہش رکھے لہذا وہ ایک سمجھوتہ یا عہد نامہ جو جس میں اجماع قبول، سیاسی شرط ہو۔ لیکن مصر میں اس طرح کی کوئی بات بھی پیش نہیں آئی، اور نہ قیامت تک بھی پیش آ سکتی ہے۔ علاوہ میں برطانیہ نے خود ”حیات“ کا اعلان کر دیا۔ لیکن مصر نے اسے قبول نہیں کیا۔ لہذا یہ حیات، سراسر باطل ہے۔ ہرگز برقرار نہیں رہ سکتی۔“

اس تقریر نے ایک طرف برطانوی حلقوں کو سخت برہم کیا۔ دوسری طرف مصری قوم میں حق طلبی کی نئی روح پیدا ہو گئی۔ چنانچہ سیاسی جدوجہد کا آغاز ہوا اور وہ ٹہرتے ٹہرتے ایک عظیم تحریک بن گئی۔

برطانیہ کی تحویل

پہلے تو برطانیہ، تحویل و تبدیلی کو کافی سمجھتا رہا۔ لیکن جب اس یقین ہو گیا کہ سعد پاشا ڈرنے والے نہیں ہیں، تو اس کے ظلم و فحش کی قوتوں میں حرکت ہوئی اور آخری کارروائی کرنے پر تل گئی۔

چنانچہ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو جنرل کلاٹن نے فیلڈ مارشل جنرل الین بائی، برطانوی سپر سالار عظم کا حبیل حکم سعد پاشا کو تحریر پہنچایا:

”جنگی قانون کے بموجب اس حکم کے ذریعہ سعد پاشا زغلول کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ عام تقریر سے پرہیز کریں۔ عام جلسوں میں شریک نہ ہوں۔ مصری وفد سے ملاقات نہ کریں۔ اخبارات میں تبصرے نہ لکھیں۔ کوئی سیاسی کام نہ کریں۔ انھیں حکم دیا جاتا ہے کہ فوراً قادیان سے چلے جائیں اور اپنے دیہات کے مکان میں قیام کریں۔ اس علاقہ کا سرکاری افسران کی نگرانی کرے گا۔“

سعد پاشا کا جواب

زغلول پاشا کا جواب قابل دید ہے۔ انھوں نے لکھا:

”فیلڈ مارشل الین بائی کا حکم مجھے پہنچا۔ مگر حکم سخت ظالمانہ ہے۔ اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ میں اپنی پوری قوت سے اس پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔“

”چونکہ تو نے مجھے اپنا وکیل بنایا ہے اور اس کی خود مختاری کو کوشش کر رہا ہے، اس لئے اس کی قوت کے ہوا کسی دوسری قوت کو کوئی حق نہیں کہ اس مقدس فرض سے دست بردار ہوئے پر مجھے مجبور کرے۔“

”لہذا میں بدستور اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے موجود ہوں گا۔ ظالمانہ قوت جو کچھ بھی کر سکتی ہے، کر گزے۔ ہم مضبوط دل اور ٹھنڈے ضمیر کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے طیارہ بیٹھے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں ہماری جائز کوشش کے خلاف جتنا بھی تشدد کیا جائے گا وہ ملک کو اس کی منزل مقصود سے اور بھی زیادہ قریب کر دے گا۔ ملک کی منزل مقصود بھر کا بل آزادی کے کچھ نہیں ہے۔“

مگر قاری اور بلاطی

اس جواب کے پہنچنے ہی برطانی حکام نے مرحوم کو اور ان کی جماعت کے ہر راءدہ آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔

اس تاریخی واقعہ کا ذکر خود مرحوم نے جلاوطنی سے واپس آکر ۲۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کی تقریر میں کیا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کی نقل اس سے

اگر کی علی الاعلان نہ کی، بلکہ انتہائی شجاعت سے، اس تعلیم گاہ کو اس کی جملہ خصوصیات سے علحدہ ہو گئے۔ انھوں نے آئینہ کا لباس ترک کر دیا اور جدید وضع کا لباس اختیار کر کے انگریز جماعت سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گئے۔ یہ ان کی زندگی کی پہلی مهم تھی اور بہت سخت تھی۔

عجیب جرأت

سرکاری ملازمت کے زمانے میں انھوں نے کبھی حکام کی خوشامدیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ان سے ایک طرح کی مخالفت جاری رہی۔ وہ اطاعت اور خوشامد چاہتے تھے۔ ان کی غیور طبیعت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ حتیٰ کہ وزارت کے عہد پر پہنچنے کے بعد ایک مرتبہ خود عباس علی پاشا، خدیو مصر سے سخت تکرار ہو گئی۔ انھوں نے ایک لائحہ عمل طیار کیا تھا۔ خدیو نے اسے پسند نہیں کیا۔ دونوں میں بحث شروع ہوئی خدیو نے خفا ہو کر غصہ سے میز پر ہاتھ مارا۔ سعد کا بلا پس و پیش جواب یہ تھا کہ انھوں نے بھی میز پر گولہ نہ مار دیا، اور اتنی آواز بلند ہوئی کہ مصر کے فرمانروا کے گھونٹے سے بھی بلند نہ ہوئی تھی۔

وکالت کا پیشہ

وکالت کا پیشہ بھی انھوں نے اسی طرح اختیار کیا۔ وہ باضابطہ وکیل نہ تھے۔ تاہم انھوں نے اپنی شجاعت و جرأت سے کام لیا اور اس پیشہ میں خلافت کا مادہ داخل ہو گئے۔ حکومت نے مخالفت کی مگر وہ سب مخالفتوں پر غالب آئے اور وکیل بن بیٹھے۔ اس کے بعد ان کی قانونی قابلیت کی وہ دہم ہوئی کہ عدالت عالیہ کے جج مقرر ہوئے پھر محکمہ عدالت کے وزیر بنائے گئے۔

لاڈلہ دھرم کی پیشین گوئی

ان کی یہی جرأت و شجاعت دیکھ کر لاڈلہ دھرم نے پیشین گوئی کی تھی۔ ”آئندہ، سعد زغلول، مصر کے بٹ سے بڑے آدمی اور سیاسی رہنما بن گئے۔“ واقعات نے یہ پیشین گوئی بالکل صحیح ثابت کر دی۔

سیاسی زندگی کا آغاز

سعد پاشا کی ذہان سیاسی زندگی، درحقیقت، زوری سلطان سے شروع ہوتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنگ عمومی کی ہولناکیوں نے برطانیہ کو خیر برکی کمال آزمودنی تھی۔ وہ ہیبت و دبدبہ تھا کہ کسی کو نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہ رہی تھی۔ خصوصاً مصر میں جہاں جنگی قانون نافذ تھا اور برطانیہ نے خاصانہ ملک کا الحاق کر لیا تھا مگر سعد زغلول نے منبر عام پر کھڑے ہو کر انتہائی شجاعت سے بیان گہل

# بید شرق

## مکتوب مصر

(الملل کے متعلق مختصر مرقم قارئین کے قلم سے)

## سعد پاشا زغلول کی زندگی پر ایک نظر

مصر میں اس وقت مرحوم زغلول پاشا کے ذکر کے سوا کوئی ذکر اہمیت نہیں رکھتا۔ قوم اب تک ماتم کر رہی ہے اور نہیں معلوم کہ کب تک کرتی رہے گی۔ پچھلے ہفتہ ایک منسل مکتوب، ان کی وفات پر ارب سال کو بکا ہوں۔ لیکن یہ عظیم شہر رہتا ایک مکتوب سے زیادہ ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ میں چاہتا ہوں آج مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالوں۔

زندگی کی پہلی مهم

سعد پاشا کی پیدائش زندگی، غیر معمولی شجاعت و جرأت کے حامل سے لیز ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت، جامعہ آفریں بائی۔ آفریں ان کے زمانے میں۔ اور اب تک۔ مصر کی سب سے بڑی اور طاقتور تعلیم گاہ ہے۔ اس کی حالت اگرچہ مدت سے زبوں ہے، مگر کم آدمی جتنے چینی کی جرأت کر سکتے ہیں۔ سعد نے یہی نہیں کیا کہ آغاز عمر میں

بقیہ مضمون ص ۳۱

بن محمد صالح تھا۔ لیکن عبدالعزیز اس کے قاتل میں تھا۔ بین بن ابدا کو کہاں سے بھی بھاگتا پڑا۔ ابان نے عبدالعزیز کی اطاعت قبول کر لی اور بغیر کسی جنگ کے یہ علاقہ عباسیوں کو مل گیا۔

مردان، قسطنطنیہ پہنچا۔ عبدالعزیز نے وہاں بھی بھجایا کیا۔ قسطنطنیہ سے حصہ حصہ سے دمشق آیا۔ مگر عبدالعزیز نے پچھانے چھوڑا۔ دمشق میں ایک مختصر سی لڑائی ہوئی اور دارالخلافہ بھی عباسیوں کے قبضہ میں آ گیا۔

دمشق سے مردان علاقہ اردن گیا۔ پھر فلسطین میں پناہ ڈھونڈی مگر نہ ملی۔ آخر منطاط (مصر) کا رخ کیا۔ منطاط سے ایک دور افتادہ گاؤں ”بوصیر“ میں جا کر چھپ گیا۔

عبدالعزیز اب بھی تعاقب پر سرگرم تھا۔ مگر ابوالعباس کا حکم پہنچا کہ صالح بن علی کو اس میں ہر داند کوٹے اور خود آگے نہ بڑھے چنانچہ صالح بن علی، مصر پہنچا اور پتہ لگا کر قسطنطنیہ میں مردان کو قتل کر دیا۔ وہاں کے قتل نے مشرق میں اموی خلافت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ لایا اور بنی عباس کی خلافت قائم ہو گئی۔ تاریخ اسلام کا یہ اہم واقعہ ۲ ذی الحج ۱۹۱۱ء میں پیش آیا تھا۔

یہ کہنے لگا۔ "مغولوں نے مجھ سے قسم لی کہ ان کی بابت کوئی بات  
بھول نہیں کہوں گا۔" والدین نے انھیں اس حال میں دیکھا کہ انہی  
اوقات کے ساتھ ناز پڑتے ہیں۔ اذان پڑھتے ہیں۔ اقامت کہتے  
ہیں۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ ذکر الہی میں مصروف رہتے ہیں۔ یہی  
"مغولوں کی محبت کی طعنہ" دعوت دیتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مزد  
کا سیاب ہو جائیں گے۔ اگر آپ میرے آقا نہ ہوتے اور آزاد کر کے  
مجھ پر حملہ نہ کیا ہوتا تو وہیں میں انہی کے ساتھ رہتا اور سرگرم رہتا  
لوٹ کر آتا۔

اس واقعہ کے بعد ابوسلمہ کو بہت طاقت حاصل ہو گئی۔ انہیں  
کی فوج اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ سفید خیم میں گھائیں باقی نہ رہی جو  
وہاں سے ماخوذ ہیں۔ اس کی قلعہ بندی کی اور خندقیں  
کھدو کر دی گئیں۔ اس وقت اس کے پاس ہزار کی جمعیت تھی۔  
ہم اپر بیان کرتے ہیں کہ اس زمانے میں خراسان کے عربوں  
میں تین مصلحتیں یا جاعتیں قائم ہو گئی تھیں: یعنی، مصر، روم، ابوسلمہ  
نے اس باہمی بھڑے سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس نے ان سب کو لڑنا  
شرع کیا۔ آہستہ آہستہ اسے قوت حاصل ہو گئی تھی کہ ستر سالہ میں  
خود مرد پر بھی قبضہ کر لیا۔ وہ شہر میں اس وقت داخل ہوا جبکہ علی بن ابی  
اور نصر بن سید دوڑوں سڑکوں پر لڑ رہے تھے۔ یہ آیت اس کی  
ذکر پر تھی: "و دخل المدينة علی صین غفلۃ من اهلها فوجدہا جلیس  
لقتلہا، فزامن شیعۃ و ہذا من عدوہ"۔

مرد پر قبضہ کرنے کے بعد ابوسلمہ نے خراسان کے تمام علاقوں پر  
حکم شروع کر دیا۔ اس کے مشہور سپہ سالار خطیب بن شیبہ نے اسے فتح  
کیا۔ اس کے بعد ہمدان، ہمدان، شہر نور، اور موصل فتح ہوئے۔  
عراق کی باری آئی۔ خطیب سرزمین عراق میں داخل ہو گیا۔ ابن ابی ہریرہ  
والی عراق نے اس کا مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ اسی اثنا میں  
خطیب، شیبہ سپہ سالار کا انتقال ہو گیا۔ اس کا بیٹا حسن، جانشین ہوا  
اور لیفٹننٹ بن کر رہا۔ ابوسلمہ نے اس کو قتل کر دیا۔

اموی سپہ سالار ابن ہیرہ نے واسط میں پناہ لی۔ جن بن خطیب  
اس کے نقاب میں روانہ ہوا۔ دوسرے شیبہ سپہ سالار بھی اپنی اپنی  
فوجیں لے کر ایک وقت مختلف علاقوں پر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ حمید بن  
خطیب، مائیں گیا۔ مسیب بن زہیر اور خالد بن برمک، دیرنی کی طرف  
روانہ ہوئے۔ ہبلی اور شراہیل نے صین التمر پر حملہ کیا۔ بشام بن ابراہیم  
نے اہواز پر یورش کی۔ اور خود کو فکے داعی اکبر ابوسلمہ الخلال نے  
اپنا لشکر حام اعین کے ساتھ آمادہ کیا۔

افشائے راز

خراسان و عراق میں یہ پہلی ٹپری ہوئی تھی۔ مگر بنی امیہ بالکل غافل  
تھے۔ اپنی فوج جنگی میں مشغول تھے۔ انھیں ایک بھی معلوم نہیں  
ہو سکا کہ شیبہ کس شخص کی طرف دعوت دے رہے ہیں؟

ہم اپر بیان کرتے ہیں کہ محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو حکم دیا تھا  
کہ کسی خاص آدمی کا نام دعوت میں نہ لیں، بلکہ تمام اہل بیت نبوی  
کی حمایت و نصرت کی طرف مخلوق کو بلا لیں۔ چنانچہ بڑے بڑے  
دعا و نقباء کے ہوا کوئی شخص بھی اصلی راز سے واقف نہ تھا۔

رازا اس طرح ظاہر ہوا کہ مروان بن محمد اموی خلیفہ کو ابراہیم بن  
محمد (امام شیعہ) کا وہ خط حاصل ہو گیا جو اس نے ابوسلمہ خراسانی کے  
کسی خط کے جواب میں لکھا تھا۔ اب خلیفہ خواب غفلت سے جاگا  
اور حاکم ملقاہ کو حکم دیا کہ حمیہ پر حملہ کرے۔ ابراہیم بن محمد کو گرفتار کر لے  
اور دربار خلافت بھیج دے۔ ابراہیم نے گرفتار ہونے وقت اپنے بھائی  
ابو العباس کی حق میں امانت کی وصیت کر دی اور اسے پورے  
خانہ دان کے ساتھ کو قہ چلے جانے کا حکم دیا۔

ابراہیم، مروان کے قید خانہ میں بند کیا گیا۔ اور وہیں فوت ہو  
چو گیا۔ مروان میں اختلاف ہو کر ابراہیم کو زندہ دیا گیا تھا، یا اس  
گھر کی بھرت گردی گئی تھی؟ بہر حال یہ یقینی ہے کہ وہ قتل کیا گیا۔  
ابراہیم کا خاندان، ابوسفیر سلسلہ میں کو قہ پہنچا۔ اس وقت  
شیعی تحریک کا سرگرم ابوسلمہ خلیل تھا اور "ذیر آل محمد" کے لقب سے  
پکارا جاتا تھا۔ اس نے ابراہیم کے خاندان کو کو قہ کے ایک محلے میں چھپا  
دیا اور وہ دن کی کسی شخص کو بھی ان کی خبر نہ دی۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ابوسلمہ نے عباسیوں کو بھی اطلاع  
سمجھ لینے کے بعد ارادہ کر لیا تھا کہ ان سے کٹ کر علیوں سے مل جائے۔  
چنانچہ اس نے خاندان علی کے تین سرداروں: حضرت جعفر صادق  
بن محمد الباقر، عبد اللہ المحض بن حسن بن حسن، اور عمر الاثر بن بن  
العباس بن (علیم السلام) کے پاس خطوط بھیجے۔ قاصد سے کہا پہلے  
حضرت جعفر صادق کے پاس جائے۔ اگر وہ دعوت قبول کر لیں تو  
باقی دونوں خط مایع کر دیں گے۔ اگر انکار کریں تو عبد اللہ المحض کے  
پاس جائے۔ اگر وہ بھی نہ لیں تو آخر میں عمر الاثر سے ملے۔

جعفر صادق نے قاصد کو دیکھ کر کہا:

"مجھے ابوسلمہ سے کیا سروکار؟ وہ تو کسی اور کا حامی ہے۔"

"آپ خط تو پڑھئے؟" قاصد نے کہا۔

"چراغ قریب لاد" امام جعفر نے اپنے خادم سے کہا۔

چراغ لایا گیا اور حضرت جعفر صادق نے خط اس سے لگا کر  
جلادیا۔

"آپ کچھ جواب دیں گے؟" قاصد نے کہا۔

"جواب تو تم نے دیکھ لیا، ان کا صاف جواب تھا۔"

قاصد ابوسلمہ کو حضرت عبد اللہ المحض کے پاس گیا۔ انھوں  
نے خط لے لیا اور فوراً حضرت جعفر صادق کے پاس پہنچائے۔

"یہ ابوسلمہ کا خط ہے، عبد اللہ المحض نے کہا۔" مجھے خلافت قبول  
کرنے کی دعوت دی ہو۔ پہلے خراسانی طرفداروں کی یہی خواہش تھی۔

"خراسانی، تمہارے کب سے طرفدار بنے ہیں؟" حضرت جعفر  
صادق نے کہا۔ "کیا تم ہی نے ابوسلمہ کو وہاں بھیجا تھا؟ ان میں سے  
کسی ایک آدمی کا نام بھی نہیں معلوم ہو؟ کسی ایک کی بھی صورت دیکھی ہو؟  
وہ کیسے تمہارے طرفدار ہو سکتے ہیں، حالانکہ وہ نہیں جانتے ہیں،  
تم انھیں جانتے ہو؟"

"یہ گفتگو شاید کسی خاص وجہ سے آپ کر رہی ہیں؟" عبد اللہ  
نے سوال کیا۔

"خدا جانتا ہے کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی اپنے اوپر فرض سمجھتا ہوں  
پھر تم سے نصیحت میں کیونکر بخل کر دوں گا؟" حضرت جعفر صادق نے  
جواب دیا۔ یہ خیال خام چھوڑ دو۔ یہ سلطنت کسی آدمی کو ملے گی  
تم سے پہلے اسی مضمون کا خط مجھے بھی پہنچ چکا ہے۔

اس گفتگو کے بعد عبد اللہ المحض نے بھی انکار کر دیا۔  
آخر میں قاصد عمر بن زین العابدین کے پاس پہنچا۔ انھوں نے

سنئے ہی جواب دیا:

"میں خط دلے کو نہیں جانتا، جواب کیسے دوں؟"

اس اثنا میں ابوسلمہ کے سپہ سالاروں کو اس کی نیت پر شبہ ہوا  
ساتھ ہی ابراہیم بن محمد کے خاندان کی کو قہ میں موجودگی کا بھی پتہ  
چل گیا۔ چنانچہ وہ لشکر کے ہنگام کو قہ پہنچے۔ ابو العباس کو ابوسلمہ  
کی نظر بندی سے نکالا اور دعوت خلافت اس کے ہاتھ پر کی۔ مجبوراً  
ابوسلمہ کو بھی بیعت کرنی پڑی۔ مگر ابو العباس اس سے کد نہ ہو گیا تھا۔

ابو العباس کا خطیبہ

۳۰ ربیع الاول ۷۰ ہجری میں ابو العباس نے جامع مسجد نماز پڑھائی

اور خطبہ دیا۔ خطبہ میں حمد و ثناء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت پر فخر کیا  
خلفاء راشدین کی تعریف کی۔ بنی حویہ اور بنی مروان کی ذمہ داری (یعنی اس کے  
ظلم و جور کی مذمت کی۔ اور کہا:

"اے اہل کو قہ! میں امید کرتا ہوں کہ جس راہ سے تمہیں بھلائی  
پہنچ چکی ہو، اس سے تم پر کبھی بُرائی نہ آئے گی (یعنی اہل بیت نبوی  
اور جس راہ سے بُرائی آچکی ہو، اس راہ سے کبھی بھلائی نہ آئے گی)۔  
بنی امیہ (ہم اہل بیت کا دالی و حامی، اور بزرگ و برتر ہیں۔ تمہارے  
اہل کو قہ! ہماری محبت کے مورد ہو۔ ہماری دوستی کے اہل ہو۔ تم  
ہو، جو ہماری محبت سے کبھی برگشتہ نہیں ہوئے۔ ظالموں کا ظلم تمہارے  
دلی ہم سے نہ بدلی سکا۔ یہاں تک کہ تم نے ہمارا نام نہ دیکھا اور خدا  
ہماری سلطنت تمہارے لئے نہ آیا۔ پس ہمارے حق سلوک کے تم سے  
زیادہ سختی ہو۔ میں نے تمہارے وظیفہ میں سو سو درہم کا اضافہ کر دیا  
ہو۔ تم طیار ہو جاؤ، کیونکہ میں "سفاح" ہوں۔"

ابو العباس، "سفاح" کے لقب سے اس خطبے کے بعد مشہور  
ہوا۔ کیونکہ اس نے خود اپنے منہ سے اپنے کو "سفاح" کہا تھا۔

اس زمانے میں ابو العباس کو کھانسی کی شکایت تھی۔ خطبہ ختم  
ہونے سے پہلے ہی اسے کھانسی آنے لگی اور تیسرے روز اس کا  
کاچھا داؤد بن علی منبر پر چڑھ گیا۔ وہ عباسیوں میں سب سے زیادہ فصیح  
تھا۔ اس نے کہا:

"واللہ ہم اس لئے نہیں آئے ہیں کہ مال و دولت جمع کریں، محل  
بنائیں، عیش و عشرت کریں۔ ہم صرف اس وجہ سے آئے ہیں کہ ہمارا حق  
سلب ہو گیا تھا۔ ہمارے عم زادوں پر ظلم ہوتا تھا۔ تمہاری حالت جوڑ  
مستہم نے زہن کر دی تھی۔ ہم اپنے بستر پر ہوتے تھے مگر تمہاری  
مصلحتیں یاد کر کے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہمارے پیٹ کے نیچے انگڑائے  
پکھے ہیں۔ بنی امیہ نے تمہیں ہلاک کر ڈالا۔ غلاموں سے بھی بدر سلوک  
کیا۔ تمہارے صدمے، تمہاری خیراتیں، مال غنیمت میں تمہارے حصے کو  
سب ضبط کر لے۔ ہم نہ بہت برداشت کیا۔ مگر آخر مجبور ہو گئے اور  
تمہاری حمایت و حفاظت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم تم سے اللہ کے نام پر  
رسول کے نام پر، اور عباس کے نام پر عہد کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کے  
بحوجب حکومت کرینگے۔ سنت رسول اللہ کے مطابق سلوک کریں گے۔

.... لے اہل کو قہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارے اس منبر  
پر دو ہی خلیفہ کھڑے ہوئے ہیں: ایک امیر المؤمنین علی بن ابی طالب  
دوسرا امیر المؤمنین عبد اللہ بن محمد (یہ مکمل ابو العباس کی طرف اشارہ  
کیا) یقین کرو یہ معاملہ (خلافت) برابر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے گا، یہاں  
تک کہ اسے عیسیٰ بن مریم صلوات اللہ علیہ کے حوالہ کر دیں!"

ناز کے بعد سفاح نے لوگوں سے بیعت لی۔ رات تک اس کا  
سلسلہ جاری رہا۔

بیعت لے کر خود سفاح، لشکر میں چلا گیا اور کو قہ کی حکومت اپنے  
چچا داؤد بن علی کے سپرد کی۔

آخری مقابلہ

اب فیصلہ کن کارروائی کا وقت آ گیا تھا۔ خود خلیفہ مروان بن محمد  
کی مرکزی قوت پر غالب آنا تھا۔

امرو مروان بھی غافل نہ تھا۔ وہ ایک فوج گراں لے کر حجاز کو  
موسم بہار میں گیا۔ ابو العباس نے اپنی فوج کی قیادت اپنے چچا عبد اللہ  
بن علی کے سپرد کی۔ دونوں فوجوں میں دریائے ناپ پر بہت ہی سخت  
جنگ ہوئی۔ لیکن مروان کو شکست ہو گئی۔ حالانکہ اس کے ساتھ  
ایک لاکھ ۲۰ ہزار شام کی فوج تھی۔ عبد اللہ نے اس کا پورا لشکر  
تباہ کر ڈالا۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۷۰ ہجری کا ہے۔

مروان بھاگ کر حجاز میں پہنچا۔ یہاں اس کا بیٹا ابان بن زید



# بصائر و حکم

## ماہِ ربیع الاول کا اختتام

اور واقعہ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ہُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الْدِينِ كُلِّ

تایخ نوع عالم کی عظیم ہستیاں اور اسی لا الہ الا اللہ کی عظمت

(مقتبس)

دنیا، قدیم سے عظیم انسانوں کی عظمت پر ایمان لانے ہوئے ہو۔  
بے خیال کے مطابق سلاطین کی گونا گوں عبادتیں کرتی ہو۔ لیکن نظر  
نظمت کا حقیقی مدد و معاون بن جائیں۔ ایک تخیل دوسرے تخیل سے ثابت  
نہیں کھتا۔ ہر فرد اور ہر گروہ اپنا اپنا ذوق اور اپنی اپنی نظر رکھتا ہو۔  
بل حزب بالہدیم فرعون!  
مکراتی و فرازدائی میں عظمت ہو۔ بادشاہ و حکام اس پر ایمان لائے  
ہیں۔ حرمیں اور طالع اس کی عبادت کرتے ہیں!  
مال و دولت میں عظمت ہو۔ دو تندرست اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ دل  
و دماغ کے ساتھ اس کی پرستش کرتے ہیں!  
اہل علم و حکمت کی بھی ایک عظمت ہو، اور اس کے بھاری بھی جو  
ہیں!  
حسن میں بھی عظمت ہو اور اس کے پرستاروں کی بھی کمی نہیں!

(بقیہ مضامین)

نک ہو جاتے تھے۔ دس بجے دق میں اگر بیٹھتے تھے اور ملاقاتوں کا  
لسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ایک یا دو بجے دوپہر کا کھانا کھاتے تھے کبھی  
انہیں کھاتے تھے۔ دس بجے دق میں پریشہ دوستوں کا مجمع رہتا تھا جہاں  
بعد ایک گھنٹہ اجلاس کرتے تھے۔ پھر چھ بجے شام تک آرام کرتے تھے۔  
دس بجے تھے اور ایک گھنٹہ کام کر کے قریح کو سمجھتے تھے۔ قریح  
ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتے تھے۔ واپسی پر پھر  
الہ کرتے تھے۔ ۸-۹ بجے رات کا کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے  
پھر باتیں شروع ہو جاتی تھیں۔ لیکن یہ مجلس ایک گھنٹہ سے زیادہ  
از نہیں ہوتی تھی۔ دس بجے کے قریب چارپائی پر چلے جاتے تھے،  
مطالعہ کرتے کرتے سو جاتے تھے۔ عموماً گھنٹہ سے زیادہ نہیں سوتے



دعوتِ غلطی کی پرستش کے لئے نہیں گئے تھے اگرچہ ساری دنیا نے ان  
کی پوجا کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ساخت کی یہ عظمت کبھی  
انسان کے لئے بھی تسلیم نہیں کی اور نہ اپنی ذات ہی کے لئے پسند کی  
حالانکہ وہ ان کے اختیار میں تھی۔ یہ عظمت اپنی تمام رعنائیوں کے  
ساتھ سرنگوں سامنے آئی۔ ان کے قدموں پر لوٹی، مگر انہوں نے  
اس سے منہ پھیر لیا، اور اس میں ذرا بھی دھت ظاہر نہ کی۔ خدانے  
اختیار دیا کہ عبادت کے ساتھ جی ہوں، یا بادشاہت کے ساتھ نبوت  
لیں۔ زمین کے خزانوں کی کنجیاں سامنے ڈال دی گئیں۔ تلخ و تحق  
کی ساری شوکتیں جمع کر دی گئیں۔ مگر انہوں نے عبادت پسند کی  
غیرت اختیار کی۔ ان کی روح مقدس دھت کی خوشی اسی میں تھا  
کہ فقیروں میں زندہ رہیں، فقیروں میں دنیا سے جائیں، فقیروں ہی کے  
زمرے میں اٹھائے جائیں!

دعا و تہجد بالانتم من فہم عن انفسہما راہ ایما شہم!  
جو لوگ بادشاہت ادا اس کی عظمت کے بھاری ہیں انہیں علم  
ہونا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بادشاہ تھے، نہ انہوں نے  
بادشاہ ہونا گوارا کیا۔ مگر لامحالہ انہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بادشاہ  
ہی قرار دیا جائے تو ان کی بادشاہت کیا تھی؟ کیا وہ سے زیادہ  
ایک سنگدل و خیرہ۔ خیرہ العرب! قیصر کی قیصریت اور کسریٰ کی  
کسریٰ کے مقابلے میں اس خیرہ کی بادشاہی کوئی بڑی بادشاہی  
نہیں ہو سکتی۔

جو لوگ مال و جاہ و نبوت کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہیں،  
وہ دیکھ لے سکتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مال و دولت سے بے  
دست تھے۔ ان کی دولتوں کا خزانہ، ان کا فقر و فاقہ تھا!  
جو لوگ دنیا کے عظیم سپہ سالاروں اور فاتحوں کے جاہ و جلال  
کے لئے نگاہ ادب اور دلی عظمت سراہتے ہیں، انہیں یاد ہونا چاہئے  
کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی فتح کجی فتح تھی جو  
اس عہد میں بھی دنیا کا ایک گناہم اور حقیر قرہ تھا!  
جو لوگ دنیا کے خلافت و حکما، اور موجدین کی عظمت کے  
آشنا اور ان کی رفعتوں کے پرستار ہیں، ان کے لئے یہ خبری ضرور نہیں  
ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئی تھے۔ دنیا کا مناعی لکھا پڑھنا نہ تھا  
نہ لکھا تھا اور نہ کسی نے انہیں کھانے کی جرأت کی تھی۔

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی مادی یا دکار چھوڑی جو پھر  
کے اہرام کی سی عظمت کھتی ہو؟ کوئی شہر بنایا جس کی عظمت و عظمت  
کے برابر ہو؟ تم نے ان کی تعریفیں، سنی لافوں پر کہیں کبھی  
کوئی ایک شہر بھی ان کے نام پر آباد کیا؟ کوئی ایک ملک بھی ان کے  
نام پر بنایا؟ اس کے نام پر اسکندریہ اور مصر کے نام سے  
مصر بنی آباد ہوا لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک باشندہ نہیں  
بھی بکارتی نہیں گئی!

ہرگز نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خیالی اور فانی عظمتیں رکھنے والے  
میں سے نہ تھے۔ ان کی تاریخ کھنے والوں کو ان کی عظمت ان قدر  
مقاہر عظمت میں تلاش نہیں کرنی چاہئے، اگرچہ دنیا انہی مظاہر پر  
نری طشتی ہو۔

جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا جویا ہو، اسے ان کی  
عظمت صرف ایک کلمہ میں ہی سمجھ کر جوہ لائے تھے۔ اسی کلمہ میں  
ان کی پوری عظمت قائم ہو۔ اسی کلمہ کے دس بارہ حرفوں کے ساتھ  
ان کی عظمت باقی دس آدمی ادا ٹال ہو۔

وہ کلمہ کیا ہو؟

• لا الہ الا اللہ •

قادت جہانی میں بھی عظمت ہو۔ عظیم قدر قامت کے انسانوں کے ساتھ  
ہمیشہ انسانوں کا سر جھک گیا ہو!  
اسی طرح ہر فن اور ہر صنعت میں عظمت ہو، اور اپنے مقتدار  
پرستار رکھتی ہو۔  
شاید کوئی بھی اس ہم اور مضطرب مفہوم کی تحدید نہیں کر سکتا  
جس کا نام لوگوں نے "عظمت" رکھ دیا ہو۔ لیکن اس پر بھی وہ قیام  
سے دنیا کے لئے ایک بڑا فتنہ رہا ہو۔ ہر شخص اسے غرض و غایت قرار  
دیتا ہو۔ اس کے لئے جہد و جد کرتا ہو، اسے انسانوں کے مراتب  
تولنے کی میزان سمجھتا ہو۔

اگر عظمت کا فتنہ اور غلطی کی عبادت موجود نہ ہوتی تو انبیاء و کرام  
کے ذکر و رسی کے لئے روانہ ہوتا کہ انہیں عظیم قرار دینے کی بحث کرے  
اس لئے کہ انبیاء و رسل طہم العلوة و السلام کی شان اس سے بہت  
ارفع و اعلیٰ ہو کہ انسانی عظمت کی عام صفوں میں ان کی جگہ نہ ہو سکتی  
جائے۔ یہ صفیں جہانی کبریا کی دھوکوں اور مادی بڑائیوں کی عظمت  
اندیشیوں سے اس درجہ پست ہو چکی ہیں کہ انسانیت اعلیٰ کے مظاہر  
علو و رفعت کے لئے ان کی طرف نظر بھی نہیں اٹھائی جاسکتی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رفعت اور بلندی بلند ہو۔ اس ذات  
اعظم و اکمل نے اس کے سوا کچھ قبول ہی نہیں کیا کہ تمام انسان، کبھی  
کے دانتوں کی طرح بالکل برابر ہو جائیں۔ نہ عربی کو عجمی پر، اور عجمی  
کو عربی پر کوئی امتیاز ہو۔ اسے کہہ دیا، اب آدمی ہم رتبہ ہیں سب  
آدم کی اولاد ہیں، آدم آدمی کا بھٹکا تھا۔ اسے قبول نہیں کیا کہ  
انسان میں دو قسم ہیں: عظیم اور غیر عظیم۔ اس کی نظریں خوش  
حال اور بد حال، فقیر اور بادشاہ، سب برابر درجہ کے آدمی تھے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس انسانی عظمت پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس  
کے فتنے دنیا کو مغتول بنا رکھا ہو۔ یہ عظمت، و حقیقت بلندی  
کے لئے ذلت اور دب العالیوں کی جناب میں شرمک ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ



سین۔ انھوں نے کہا،

”دوسال پہلے ٹیک اس تاریخ میں اندھی قوت نے جن پر اس کی جائے امن میں دست درازی کی۔ میرا گھر رط سے مسلح فوج نے گھیر لیا۔ تمام مردوں اور درجوں میں بند قیدی اٹھائے جاہی گھس پٹے۔ کدواں اور کھڑکیوں پر پتھر پھینچے قاتل کر دیے۔ پھر ہتیار بند فوجی افسر کے خاص کمرے میں دے گئے۔ میں اپنے بستر پر غافل سو رہا تھا۔ مجھے نہایت دھشت ناک کے ساتھ جگایا گیا اور لباس پہنے سے بھی پہلے گرفتار کر لیا گیا۔ میں نے ابھار کیا اور لڑائی سے کپڑے پہنے۔ پھر مجھے نیچے آدلائے۔ میرے گلو بند قوتوں اور گھنٹوں کا جھرم تھا۔ میری بیوی میرے پیچھے دھڑکی تھی۔ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ مگر اسے روک دیا گیا۔ صلیب، حرکتی ایک بھدی گاڑی پر مجھے بٹھایا گیا۔ اور گاڑی روانہ ہوئی۔ ایک بڑی جنگی مظاہر میرے ساتھ تھا۔ مسلح موٹرس آگے تھیں۔ مسلح موٹرس پیچھے تھیں۔ ہر طرف سے بند قیدی چلے ہوئے تھے۔ ان کے استمال کے لئے ان کی اسی ادنیٰ آواز کا انتظار تھا۔ یہ تمام کارروائی بالکل اچانک ہوئی مجھے پہلے سے کوئی اطلاع نہیں تھی۔ کسی قانون کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ کوئی تحریری حکم پیش نہیں کیا گیا۔ قوت نے اپنی سرکشی اور جبروت کا پورا پورا مظاہر کرنا چاہا اور کر دیا۔“

ہندوستان کو شرم آئی چاہیو!

مردم کو گرفتار کر کے کہاں لے گئے؟ یہ اظہار میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ یقیناً آپ کے تمام خیر کارین اسے شرمناک خیال کر گئے۔ مگر یہ جلیل القدر ہتکار کے سوئس کی ہندوستانی چھاؤنی میں بھیجا گیا تھا۔ ہندوستانی فیروں میں رکھا گیا تھا۔ ہندوستانی سپاہیوں کی حراست میں بند کیا گیا تھا!

لیکن اس کے باوجود مردم نے کبھی ہندوستان کو برا نہیں کہا۔ بلکہ ہمیشہ ہندوستان کی تحریک آزادی سے ہمدردی ظاہر کی۔ ہندوستانی لشکر میں پہنچنے کا حال مردم نے یوں بیان کیا:

”مجھے سوئس لے گئے۔ مگر ایک ایسے صاف سے جو بالکل غیلا و فغا۔ حتیٰ کہ کس پانی تک دستیاب نہ ہوتا تھا۔ میں بہت ٹھوکر کھا۔ کھانے کا کوئی سامان بھی ساتھ لینے کی اجازت نہ تھی۔ خوش قسمتی سے ایک ہندوستانی افسر کو ترس آیا اور اسے ایک روٹی اور پیر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا مجھے دیا۔ دن بھر کی میری غذا بس یہی تھی! وہ بچے شام کو میں ہندوستانی لشکر میں پہنچا گیا۔ یہاں فوجی ہسپتال میں مجھے اپنی حراست میں لے لیا اور ایک بچے ہوئے خیمے میں آنا۔ ناہر گروم ہوا میں خیمے کے سوراخوں سے اندر پہنچتی تھیں اور جھلساؤ دھندلی تھیں۔ میں اس رات مجھ پر ہمارا اپنے دن ہی کے لباس میں جاؤں لیونکہ کوئی دوسرا کپڑا ساتھ نہ تھا۔“

لیکن الحمد للہ مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ میں صاف طور پر ایک گھنٹہ موٹر کی سیر سے تھک جا کر آتا تھا۔ مگر اس وقت میں بالکل نہیں تھکا۔ اس نے میری مدد کی اور ایک ایسی قوت بخشنی کہ یہ تمام سختیاں برداشت کر گیا۔

”دوسرے دن میرے پاچوں رفقا و مصیبت بھی پہنچ گئے۔ مجھ پر دستبرد ہوئی، کیونکہ وہ سب ملٹن تھے اور برطانیہ کی اس طغیان حرکت پر ہنستے تھے۔ ۲۱ دسمبر تک ہم ہندوستانی لشکر ہی میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ اسی دن عشاء کے وقت ہم حکم پا کر نصف گھنٹے کے اندر سفر کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جس طیارہ کی ہیکر گئی تھی؟ ہر وقت تیار رہتے۔ ہلا و طیارہ ہونا، صرف اٹھ کر پڑنا تھا۔“

میں قیدیوں کی بنے گاڑی میں سوار کئے گئے۔ ساحل پر پہنچے۔ یہاں ایک کشتی جا بے انتظار میں تھی۔ اس پر سوار ہوئے اور جہاز میں پہنچ گئے۔

جہاز ہندوستانی سپاہیوں سے لبریز تھا۔ یہاں میں معلوم ہوا کہ عدالت جا رہے ہیں۔ ۲۴ جنوری کو عدالت پہنچے۔ ۲۸ جنوری کو سیشن ہونے لگے۔ پھر مجھے جیل طارق بھیج دیا گیا جہاں ۳۰ ستمبر سے ۳۰ مارچ ۱۹۴۷ تک برابر قید رہا۔

”میں نے یہ تمام مدت، قید خانوں اور قلعوں میں گزار دی تھی۔ میرے الگ کمرے گئے تھے۔ کسی کو بھی پہلے قریب آنے کی اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ دروازہ اور جیل قیدی کے لئے بھی اجازت اپنی پڑتی تھی ہمارے تمام خط و کتابت دیکھی جاتی تھی اور شاؤناہ بھی منزل مقصود تک پہنچائی جاتی تھی۔ لیکن یہ تمام بندشیں اور سختیاں بالکل بے کار تھیں۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں کوئی گزند ہی پیدا نہیں ہوئی ہم اپنی ناقابل برداشت مصیبتوں پر خوش ہوتے رہے۔ ہر مصیبت میں یاد دل دیتی تھی کہ ہمارا مقصد کیا شریف اور غایت کیسی نیک ہے!“

سعدیاشاک کے خطوط اپنی حرم کے نام ذیل میں سعدیاشاک کے دو خط ملاحظہ ہوں۔ یہ خط انھوں نے چلا دینی سے اپنی حرم خرم کو بھیجے تھے:

”ہندوستانی لشکر (سوئس)

”۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء“

”غیر زنی!“

”تھاراء، ۲۰ دسمبر کا خط پہنچا۔ اگرچہ یہ فراق بھر بہت خالق ہو اور ملاقات کی بے حد تمناء ہو۔ لیکن میں نے سُرور تھاکے سفر کے التواء کو پسند کیا۔ مجھے اس طی شدہ پر فخر ہے جسے یہ مصیبت تم پر آسان کر دی، حالانکہ میں جانتا ہوں، تھاکے لئے بالکل ناقابل برداشت تھی۔ میرے آبنائے وطن تھادی اس قربانی کے ہر طرح مستحق تھے۔ ہمارا یہ فراق کتنا ہی المناک ہو مگر میں پوری ثابت قدمی اور صبر و شکر کے ساتھ اسے برداشت کر چاہا ہے۔ عجب اندر ہی کے ہاتھ میں ہو۔“

”عبداللہ خادم بھی پہنچ گیا۔ ہندوستان میں جو انگریزوں کا جانا ہو۔ میرے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہو۔ اس کی میری کا ہر طرح خیال رکھنا۔“

”میری تندہی، اچھی ہو۔ کئی خط لکھیں بھیج چکا ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم تک پہنچے نہیں گئے۔ اگر یہی بات ہو تو اس سے مقصود ظلم میں زیادتی ہو۔ حالانکہ اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بہر حال میں تھادی تندہی اور خوش کامی ہوں۔“

دوسرا خط

”عدالت۔ ۲۵ جنوری ۱۹۴۷ء“

”غیر زنی!“

”دعا ہو کہ تم اور ہمارا پورا خاندان بھر عافیت ہو۔ الحمد للہ تم بھی ہیں۔ صرف یہی ایک تم ہو کہ تھاکے خطوط نہیں پہنچے۔ میں یہ خیال نہیں کر سکتا کہ تم نکستی نہیں۔ تم ضرور نکستی ہو، کیونکہ بغیر کچھ رہ نہیں گئیں لیکن یہ قوت تھاکے خط روک لیتی ہو۔ اس سے میں تکلیف ضرور ہو مگر خدا اس قوت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یقین کرو، میں بھی ہر وقت دو خط لکھتا ہوں۔ اگر تم کوئی خط نہ پہنچا ہو تو سمجھ لو یہ میری خطا نہیں، اسی قوت کی شرارت ہو۔“

”جس عربی اخبار میں ہے۔ کبھی کبھی فرانسیسی اور انگریزی اخبار دے جاتے ہیں، مگر بہت پرانے۔ ایک اخبار میں مصری قوم سے تھادی یہ درخواست نظر سے گزری کہ میری تندہی کے لئے دعا کی جائے۔ میں اس پر بہت خوش ہوا کہ تم میں تھاکے جیسے بلند ہمت لوگ موجود ہیں اور ایسے اعلیٰ خیالات رکھتے ہیں۔ خدا سے دعا ہو کہ ہماری امیدیں برائے اور ہماری حالت درست کرے۔ والسلام“

## مردم کی شخصیت

مردم کی شخصیت، نہایت طاقتور تھی۔ سچ کی باتیں میں ہی شجاعت اور کوشاؤ رکھتے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ معمولی گفتگو کے بعد ہی فوراً جواب دیتے تھے، اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ عقل کا مالک ہو۔ لیکن عظیم آن پر سائیکس نہیں رہتی تھی۔ کوئی شخص بھی مرعوب نہ ہوئے بغیر نہ نہیں تھا ابوی شفقت

قدت نے سعد کو کوئی ادلاؤ نہیں دی۔ مگر ان میں ابوی شفقت پوری قوت کے ساتھ موجود تھی۔ تمام کم عمری کے ساتھ ان کا بالکل ایسا تھا، جیسا باپ کا اپنے بچوں سے ہوتا ہو۔ ان کا یہ تو مشہور ہو جو انھوں نے اپنی بیوی سے کہا تھا۔ ”ادلاؤ نہ ہونے پر کہو، کیونکہ خدا نے ہمیں ۴۰ سالین بچے عنایت کئے ہیں!“

روشن خیالی

سعد ہمیشہ روشن خیال رہے۔ جمود و تقلید کا ان پر کبھی بھی قبضہ نہیں ہوا۔ وہ اپنے زمانے سے برابر آگے بڑھے۔ سید جمال الدین افغان نے مصر میں جو اجتماعی و سیاسی حرکت پیدا کر دی تھی، اس میں یہ فو داخل ہو گئے، حالانکہ کم عمر تھے۔ قاسم امین نے حقوق نسواں کا آواز بلند کیا۔ یہ اس جدوجہد میں بھی پیش پیش تھے۔ وکالت وزارت تک جملہ منصبوں اور عہدوں میں ان کی اصلاح پسندی روشن خیالی کی یادگاریں اب تک موجود ہیں۔

قدرت الہی پر یقین

سعد پاشا کی پوری زندگی ایسی مثالوں سے لبریز ہوئی ہے جو ہوتا ہو کہ وہ قدرت الہی پر غیر معمولی یقین دایمان رکھتے تھے جو سے سخت مصیبتیں پڑیں، مگر وہ کبھی ناامید نہ ہوئے اور ہمیشہ خدا کی برکات سے کئے رہے۔ ان کی تقریریں ایسے جملوں سے کہیں خالی نہیں تھیں جن میں یہ یقین دایمان ظاہر نہ کیا گیا ہو۔ ان کی ایک تقریر چند جگہ مجھے یاد ہیں۔ انھوں نے کہا:

”ہمیں بشارت ہو کہ ہم حق پر ہیں، حق کے لئے کوشاں ہیں حق کی راہ پر چلتے ہیں۔ اور معلوم ہو کہ خدا حق پرستوں کا محل راہبہ نہیں کرتا۔“

”خدا نے ہمیں یہ دیکھنے کا مادی بنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہماری مدد ہے، مصیبتوں میں ہماری ہمت گیری کرتا ہے۔ مصیبت فتنی زیادہ سخت ہو آتنا ہی زیادہ منزل مقصود سے قرب حاصل ہوتا ہے۔ لہذا ہم چاہئے کہ اپنے حقوق پر مضبوطی سے تھے رہیں اور ثابت قدمی سے صلا برداشت کرتے رہیں۔ خدا صابروں کے ساتھ ہوا۔“

مطالعہ اور گفتگو

مردم کو کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ کبھی ان کا ہاتھ کتاب سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ عربی تقریر و تحریر میں وہ اپنی نظر پر نہ رکھتے تھے۔ لیکن عربی زبان کا دائرہ، ان کی وسیع عقل و دماغ کے لئے ناکافی تھا۔ لہذا انھوں نے ۳۰ سال کی عمر میں فرانسیسی زبان اور اس طرح پڑھی کہ اس کے ماہر بن گئے۔ پھر ۶۰ برس کی عمر میں اردو انگریزی زبان میں لکھیں۔

گفتگو کے بھی وہ بڑے دلدادہ تھے۔ بلکہ اس فن میں محب تھے۔ ایسی دلچسپ گفتگو ہوتی تھی کہ کبھی جی گھبراہٹیں سنا تھا۔ دہلے بھی گویا خیر میں داخل تھی۔ بہت صاف گفتگو کرتے تھے۔ ایک ایک نقطہ الگ الگ بولتے تھے۔ اس طرح بولتے تھے کہ معلوم ہوتا زبان سے نہیں دہلے بول رہے ہیں۔

معمولات

ان کی زندگی بہت مضبوط تھی۔ ہر کام وقت پر ہوتا تھا۔ صبح بیدار ہوتے تھے غسل کرتے تھے۔ ناشتہ تناول کرتے تھے اور مطالعہ

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائنٹن قلم

امریکن کا خانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“ قلم ہے؟

(۱) آنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ لگتا

پچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) آنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہے

(۳) آنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ آنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کیجیے

یاد رکھو

جب آپ کسی دوکان سے قلم لیں تو آپ کی

”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا

چاہئے!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں طبع ہوئی

تھی جب وہ رانچی میں منظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ

تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے

استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی نفاذ داری نے

کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب

دہلت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جب سندھ لکھتے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی

کے دیر گز تہ جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف

کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لکھیں چھی ہے۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

حیرت انگیز رعایت

پیشہ ور روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصولہ اور پینک ہیں معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے  
فابریک لندن سٹونجیلے ریگولیر کوالٹی شہر عالمی ایمپریس میڈ



سے فابریک کی خوشامیسی اصل سوکریں خوبصورت مضبوط دیکھیں میں خوبصورت چھانچا  
پانچ روپے میں ہی ہے۔ اسے ہم نہایت ہی عمدہ قیمت پر منسلک کرنا چاہتے ہیں۔  
آپ کو سات روپے کا اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے لئے ہم نے ایک سو روپے کا اضافہ کر دیا ہے۔  
محصولہ اور پینک ہیں معاف۔ اس کے لئے ہم نے ایک سو روپے کا اضافہ کر دیا ہے۔  
یہ نہیں گھڑیاں اگر آپ بہت کم قیمت پر دس روپے میں ہی جائیں گی۔ رعایت محض  
مال کی نکاحی اور رقم کی شہرت کی وجہ سے کہ اس کا دیکھنا ہی وقت تک ہر کسی  
جب تک کہ گھڑیاں ہر سال کی ایک بار ہر شخص کے لئے ہوں گے آپ کو کوئی آرزو  
بہتر نہیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اور آپ کی فابریک کی تھیل نہ ہو سکے۔  
نوٹ: ایک سو روپے کے اضافے کے لئے کوئی دلیلت نہیں ہے۔ ان سے کوئی فابریک مندر  
چھوڑ کر نہ لے گی! محصولہ اور پینک دیکھیں وہ بھی مان کر مارنا ہو گا +

فابریک امریکن فابریک ہوس لٹاکسٹ برٹش ایڈیشن کمپنی ۸۲ مقام اصلی

## سعدی شازغلون کے احوال

”حمایتہ“

”انگریز کہتے ہیں تم ہماری غلامی میں نہیں، ہماری حمایتہ درباری میں ہو۔ یہ الفاظ وہ اس نے بولتے ہیں کہ ان کے خیال میں مصری غلام سے خوش ہوتے ہیں اور معافی پر غور نہیں کرتے۔ لیکن یہ ان کا خیال غلط ہو۔ اب ہم معافی دیکھتے ہیں، الفاظ کی بردہ انہیں کرتے۔ ہم آزاد اور کامل آزادی چاہتے ہیں، اگرچہ تم اس کا نام غلامی ہی رکھو۔ ہم الفاظ کے تجارتی نہیں ہیں۔ ہم معافی کے طلبگار نہیں۔ ہم ضرورتاً کامل آزادی مطلوب ہو۔“

”ہائمس کا نامہ بنگار“

”حضرات! آپ لندن ٹائمز کو جانتے ہیں؟ انگریزی حکومت کی زبان۔ مگر ابھی پھیلنے کا آلہ۔ لندن ٹائمز کا نامہ بنگار میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

”آخر یہ تمام شور و غل کیوں ہو؟ آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”کچھ نہیں صرف آزادی“ میرا جواب تھا۔

”لیکن پھر تو آزادی ہی ہو“ نامہ بنگار نے کہا۔

”کیا انگلستان اسی قسم کی آزادی اپنے لئے پسند کرے گا؟“ میں نے سوال کیا۔

”آپ لاڈ کر زن سے کیوں گفت و شنید منظور نہیں کرتے؟“ اس نے پوچھا۔

”ہم شیطان سے بھی گفت و شنید کرنے پر آمادہ ہیں؟ میں نے کہا:

”بغیر شک و شبہ ہماری آزادی تسلیم کر کے گفتگو کرے“

یہ سن کر نامہ بنگار نے خفت کی اجازت چاہی!

طالب علموں کی خطاب

”غریبان! میں اپنے پورے شروع و ختم کے ساتھ ان باتوں کو اسلام قبول کرتا ہوں جنہوں نے اپنے خون سے مستقبل تحریر کر دیا۔“ میں پورے سرور و انبساط سے زندوں کا سلام قبول کرتا ہوں اپنے ان فرزندوں کا جو موجودہ تحریک کا ستون ہیں۔ وہ کون ہیں عزیزو! وہ تم ہو، تم جو نوجوان ہو، ملک کی زندہ روح ہو، متحرک نفس ہو۔

”میں پورے سکون سے یہ عزت قبول کرتا ہوں کہ ایک ایسی قوم کا سردار بنوں جو چوپایوں کی زندگی بسر کرنے سے انکار کرتی ہو۔ میں وبادی پر زندہ ہو۔ اشخاص کی پوجاری نہیں ہو۔

”مجھے فخر ہو کہ ایک ایسی قوم کا سردار ہوں جو زندہ، حساس اور پُر امید ہو جس کی امیدوں کا مرکز، آزادی، کامل آزادی ہو۔

”میں تم سے عہد کرتا ہوں، ایسا عہد جو کبھی ٹوٹ نہیں سکا، کہ اپنی پوری زندگی تھکے لے کے کامل آزادی کی کوشش میں صرف کروں گا۔ اگر کامیاب ہوا، تو سبحان اللہ، ورنہ تم میرا تمام کام پورا کرنا یہ میری وصیت ہو۔“

”تمہاری جیسی فوج کے سپہ سالار کے لئے روا نہیں لکھ رہا ہوں“

ضعیف الارادہ ہو، بددیانت ہو۔ ہم پر حرام ہو کہ ایسی بات قبول کریں جس میں تمہاری ذلت ہو۔ ہمارے لئے جرم ہو کہ ایسی بات منقول کریں جو کامل آزادی سے کم درجہ ہو۔“

جلاد وطنی

”زغلول جلاوطن کر دیا گیا، حالانکہ زغلول، مصری قوم کا محض ایک ذریعہ تھو، لاکھ زغلولی مر جا رہے ہیں، اور زغلول کا نام آزادی کا

موت ہی تعلیم انسانیت کے سامنے آنے کی جرأت کر کے گی جو کاونا فطرۃ کی حقیقی اور بے میل تعلیم ہوگی!

حق و باطل کا فیصلہ نہ مصلحتوں کی تلواریں کر سکیں مجاہدین کی

شمیریں۔ حق و باطل کا فیصلہ نہ پادریوں کے کاغذوں سے ہو سکتا ہو، نہ پیشوایان دین کے خود ساختہ دعویٰ اور مرعوب کن دلیلوں سے۔

نام نہاد علم و دانش کی روشن خیالیاں، اور مقدس جوہد تقلید کی راسخ الاعتقادات! یہ تمام چیزیں۔ گھر کے نمودے زیادہ ہیں جس جو علم حق کے نور کے دکتے ہی فنا ہو جائے گا۔ محض ایک غوغا ہو۔ علم حق کا مہیب غور بلند ہوتے ہی، سکون موت میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس وقت عقل صادق کا سلطان عظیم، نورانی علاج علم سر پر کمر حریف کے چرم آٹا، جلال ربانی کے ساتھ نمودار ہوگا، اور جمل ظلمات کے تمام بت سرنگوں ہو جائیں گے!

کلمہ لا الہ الا اللہ کی کامل نعمندی میں صرف اتنی ہی دیر باقی ہو کہ علم عقل حق کے بند بن لوٹیں، ادنیٰ مددوں جبروتی قوتیں جمل دغویٰ کی چٹائیں پاش پاش کر کے پھینک دیں۔

ہاں، صرف اتنی ہی دیر باقی ہو۔ کیونکہ دنیا کی آنکھوں کی ابرقت تک جمل دہم کے کیف پر پڑے پڑے ہیں۔

ہاں، وہ مبارک دن ضرور آنے والا ہو جب تمہارا علم عقل حق کی فرما زردانی ہو جائے گی۔ علم عقل حق کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دے گی۔ اس دن، صرف اسی دن، خدا حق و باطل میں فیصلہ کرے گا۔ طیب کو مغیث سے الگ کرے گا۔ سچائی کا بول بالا ہوگا۔ منکر دلوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس دن کلمہ لا الہ الا اللہ زمین کی خشکیوں اور تریوں پر سر بلند چلے گا۔ فتح کا نشان اس کے آگے ہوگا۔ ایک طرف سے اس کا عرش علم کے کاغذ پر ہوگا، دوسری طرف سے عقل دوش بردار ہوگی۔ اس دن سارا جہان بابتگاہ دل شہا نے گا۔ لا الہ الا اللہ“

ہر عظمت زائل ہو جانے والی ہو۔ ہر عظیم، ہلاکت کی تاریکیوں میں گم ہو جانے والا ہو۔ مگر کلمہ لا الہ الا اللہ ہمیشہ باقی رہے والا ہو۔ وہی اس جہان فانی کی تنہا ابدیت ہو۔ وہ نہ تو کبھی زائل ہوگا نہ کبھی ہلاک ہوگا۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کی بنیاد، حق ہی ہے، لہذا اس میں حق کی قوت ابدی ثابت ہو۔ وہ ایک ایسی عظمت ہے جس کا ستون، الوہیت ہو، لہذا اسے الوہیت کا غلوار و ابدیت حاصل ہو۔ زمین بدل جائے گی۔ آسمان بدل جائے گا۔ نظام کون بدل جائے گا۔ تمام ایجادیں فراوش ہو جائیں گی۔ تمام قوتیں نابود ہو جائیں گی۔ تمام فلسفے مٹ جائیں گے۔ تمام دانا یاں غائب ہو جائیں گی۔ صرف ایک رب ذوالجلال والا کرام باقی رہ جائے گا۔ اس کی ابدیت باقی رہ جائے گی۔ اور اس لئے کلمہ لا الہ الا اللہ بھی باقی رہ جائے گا! اس دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پورا ہو جائے گا۔ تمام مخلوق صدق دل سے گواہی دے گی! ”اشھد ان محمداً رسول اللہ“

م کی راہ میں مصائب برداشت کر سکتے ہیں۔ مگر یہ تحریک آزادی کچلنے کے لئے ایک زغلول کو نہیں، تمام مصریوں کو جلا وطن کر دینا چاہیے۔

مصنوعی آزادی

”کہتے ہیں یہ معاہدہ، مصر کی کامل آزادی کا معاہدہ ہے۔ اگر میں بھی اس معاہدہ کو کامل آزادی کا معاہدہ کہنے لگوں، تو ابھی برطانیہ کی نظر میں محبوب بن جاؤں اور برطانی اخلاک ہی سے فخرے لگنا شروع کر دیں“ زندہ با دسعد! لیکن میں غلامی کو آزادی نہیں کہہ سکتا۔ یا تو میں مجنون ہوں کہ آزادی کو غلامی کہتا ہوں، یا وہ مجنون ہیں کہ غلامی کو آزادی کہتے ہیں۔ لیکن میں مجنون نہیں ہوں؛ کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ

مال و دولت کی عظمت، جاہ و عزت کی عظمت، حکومت و مملکت کی عظمت، علوم و فنون کی عظمت، ہر طرح اور ہر نوع کی دنیاوی اعزاز کی عظمت، ان میں سے کوئی عظمت بھی، بلکہ یہ تمام عظمتیں ہی کر بھی، اس عظمت کو نہیں پہنچ سکتیں، چو لا الہ الا اللہ میں پہنچا ہوا!

دنیا کے تمام قادیان، تمام سکند، تمام ارسطو، دنیا کے تمام بادشاہ، تمام فلاسفہ، کیا وقت رکھتے ہیں، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے کلمہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا جائے؟

یہ ایک کلمہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں، جملہ عظمتوں سے بڑھ کر عظیم تھا۔ اس کی عظمت کے آگے دنیا اور دنیا کے تمام مہر و فوٹات و تسخات پیچ تھے!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں آئے اور یہ کلمہ اس کے سامنے پیش کیا۔ مگر دنیا اس کی قدر جان نہ سکی۔ صرف ایک کلمہ تھا۔ لیکن وہ ایک ہی کلمہ دینا سے سکھایا، اور اس میں زلزلہ پیدا کر دینا سے سوخت کے انسانی آداب و عادات اس کے تحمل نہ ہوئے۔ لہذا آداب و عادات کے پرستار اس سے رٹنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اداہم و خرافات نے اسے قبول نہ کیا۔ لہذا اداہم و خرافات کے تجارتی اس سے دست بردار ہو گئے۔ علم و استدلال کی طبیعت نے اس سے کراہت کی لہذا ظلم و استبداد کے طاغوت اپنی جملہ قوتیں لے کر اس پر دوڑ پڑے! صرف یہی ایک کلمہ تھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی۔ اس کی قوت سے بادشاہوں کے جہتوں، دولتمندوں کے جہتوں، عوام و خواص کے جہتوں۔ تمام انسانوں کے جہتوں سے جنگ کی!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے چلے گئے۔ لیکن ان کا کلمہ دنیا میں باقی رہ گیا اور دنیا میں اپنی ناممکن تاثیر قوت قاهرہ سے اپنا راستہ بناتا رہا! وہ اب بھی باقی ہو۔ اب بھی گام زن ہو۔ اب بھی مستعد مقابل ہو۔ اب بھی جنگ سے متاثر نہ ہوا۔ اب بھی جنگ کی۔ مگر کیسی جنگ؟ ایسی جنگ، جس میں اسے آج تک کبھی شکست نہیں ہوئی! جسم و آلات کی جنگ نہیں حقیقت و حقی کی جنگ! خون کی آرزو مند جنگ نہیں زندگی کی کار فرما جنگ!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا کلمہ لا الہ الا اللہ، دو عالموں کی غالی نہیں: یا تو ان کا یہ کلمہ حق ہوگا یا باطل ہوگا۔

اگر یہ کلمہ باطل ہو۔ حالانکہ وہ باطل نہیں ہو۔ تو عالم جو اسے اس طرح محو ہو جائے گا جس طرح تمام باطل کلمے اور غلط نظریے محو ہو گئے۔ علم حق اور عقل صادق کی روشنیوں کے سامنے سے اسی طرح غائب ہو جائے گا، جس طرح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ظلمت کا نور ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر وہ حق ہو۔ حالانکہ وہ حق ہو۔ تو علم و عقل حق کے افراد اس کے لئے اپنی نیامیں اور بھی زیادہ کشادہ راستے کھول دیں گے۔ تاکہ وہ تمام جہان پر چھا جائے۔ مشرق و مغرب پر قبضہ کر لے۔ تمام دلوں میں آتر جائے۔ کائے گوئے، عرب، عجم، عالم جاہل، امرا و فقرا سب اس کے سامنے سرنگوں ہو جائیں!

وہ دن ضرور آنے والا ہو جب صرف علم حق ہی کی سلطنت ہوگی جاہلوں کی جہالت، متعصبوں کا تعصب، دہم پرستوں کے اداہم، برعیان علم باطل کے ظنون، سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ وہ دن ضرور آنے والا ہو جب ایک عقل صادق و حقیقت اندیش ہی کی حکومت ہوگی۔ عقل انسانی تمام بندشوں سے آزاد ہو جائے گی اس کا بر جلال تخت، علم حق کی روشنی میں بچھے گا۔ اس دن حق باطل سے الگ ہو جائے گا۔ طیب اور خبیث میں اشتباہ باقی نہیں ہوگا

# گرت

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی و گہرائی کے لیے تم کو کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟  
ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

جو  
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور  
جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہو ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے طبع

آپ ہمارے عظیم ذخیرے حاصل کر سکتے ہیں

سارے بیان سے

ہر چھانکے بعد نئے ذخیرے کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے



حضرت ہمدرد دواخانہ کے مالک

موسم گرما کا لیا تحفہ

یاد رکھئے

شریت روح افزا ۱۹۳۲ (جسٹڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم بامسمیٰ ہو کر بلا تفریق مذہب، مام ہر دین و نژاد و شرف و فقریت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر تک شریعت حاصل کر چکا ہو اور جس کو چشم بردہ (دریں) ہو محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرالیا گیا ہو۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے تعارف کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل وہیم مشافہہ خریداری اس کی پسندیدگی و قہر دہلی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع و عظیم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قیصر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہو۔ ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے ذائقہ مند مثل انگور، سیب، زنگر و دیگر ادبیت سی اعلیٰ ادیبہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ لاشکی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، دوسرے دودھان سرمتلی و غیر کی سختی کو رفع کرتا ہے۔ سکون دہی امراض کے لئے عموماً اندر گم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر الطہر رنگ و بوی اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خردم ٹوب کے مصداق پبلک کی خدمت کرتا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترغیب دینا مد نظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ بول دیکھ کر اس کا استعمال کر کے جو بیدار شدہ و غیر ہندوستان کی صنعت کا امیاز انونہ ہو اور جس کی ہر چیز ویسی ہو۔ خوش ہو گئے امداد و جداس تھو خوبیاں پہنے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (چھ) حکیموں اور عطاردوں کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں فی بوتل پیشہ دیا جائے گا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی فحلت ترکیبیں بناتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا

آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنالیبل اور اس پر فطر و ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

دراصل یہ ہے کہ یہ شربت ہمدرد دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصل صرف ہمدرد دواخانہ دہلی سے ہی مل سکتا ہے۔ نہ صرف دواخانہ مگر ہمدردی کے کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

پتہ - ہمدرد دواخانہ دہلی

اگر آپ  
دہلی  
(ضیق نفس)

اگر آپ انگلستان کی سیٹ فرما چاہتے ہیں تو  
یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگام گائیڈ کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کرے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیا سکیں جن کی ایک

سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک صرف

ڈنلاپ گائیڈ بک برٹین

The Dunlop guide to great Britain

HIMROD

مشہور عالم دوا کا منگوا کر  
استعمال کیجئے

دوسرا ایڈیشن ہے ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے مالکوں کی دستبرد

## ایک ہفتہ وار مصور سال

تاریخ : جمعہ ۱۰ . ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 7, October 1927.

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعہ نہیں رکھتی ۔  
طباعہ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے ۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہ کر اردو کی طباعہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی ۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں ، وہ ہیں جن میں اَلْهَلال چھپتا ہے ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں ۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔ طباعہ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلئے سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے ۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں ۔

اَلْهَلال

## قاریین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۳۰۱ مراسلات وصول ہوی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

۳۷۵	اردو حروف کی حق میں	۱۹۷	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ	۳۷۴	موجودہ مشترک طباعہ کی حق میں
۱۲۷	تستعلیق ہون	۲۲۸	پتھر کی چھپائی کی حق میں

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہی۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہی۔ آئندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کریں گی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائیں بھیج دیں۔ - الہلال

# ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S W. 3.

ہم

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلعی اور مطلوبہ کتابیں، پرانی تصویروں، چمکانے  
کے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے  
صنعتی عجائب و نوادہ، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہائی  
نمائش کا ہیل اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت دونوں  
کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نواد عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام جھٹیل سے غیر معمولی معارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں میں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران  
ترکستان، چین، و غیرہ ممالک میں ہائے اہمیت ہر شے گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتیں نجیب انگیزہ تک آؤں ہیں!

براعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل کرتے  
رہتے ہیں۔ قارئین کے لئے ایوان شاہی کے نوادہ بھی حاصل ہیں ہم ہی نے فراہم کی ہیں

اگر آپ کے پاس نوادہ موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت  
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کی طرف سے

(جماعت کی زندگی اور تعارن کے دراصل)

بعض علماء اجتماع کی رائے میں جماعت ایک حقیقی زندگی رکھتی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ جماعتی ذہن و وجدان فردی ذہن و وجدان سے علحدہ وجود رکھتا ہے۔ قدیم زمانے میں افلاطون اور ارسطو کا بھی نظریہ یہی تھا کہ جماعت ایک عظیم زندہ وجود ہے۔ گویا وہ سینکڑوں سرور کا حیوان ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی متعدد علماء نے یہی کہا ہے۔ چنانچہ رومس وغیرہ کہتے ہیں کہ جماعتیں اپنی مستقل زندگی رکھتی ہیں۔ وہ جسم حی کی مثال پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں علماء فیزولوجی (علم وظائف اعضاء) کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اجسام حیہ کی اساسی طبیعت یہ ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ پر ایک خاص عمل انجام دیتا ہے جس سے مجموعی جسم کی زندگی برقرار رہتی ہے۔ مثلاً نباتات، جڑوں، پتوں اور پھولوں وغیرہ سے مرکب ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر چیز اپنی جگہ پر پورے درخت کی سلامتی و بقاء کے لیے کام کرتی ہے۔

اعضاء کا یہ تعارن، دراصل پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے:

(۱) مختلف اعضاء میں وظائف کی تقسیم و تعدید۔

(۲) وہ غرض و غایت جس کے لیے بطریق تعارن تمام اعضاء کوشش کرتے ہیں۔

یہ دونوں اصلیں، تمام انسانی و حیوانی جماعتوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ اس لیے کہ اگر اعضاء جسم میں وظائف کی تقسیم نہ ہو، تو اُس جسم میں سرے سے وصف عضویت ہی موجود نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر ہم ایک رنگ کا تیلہ دیکھیں جس کے تمام اجزاء و اقسام متشابه ہوں، اور سب ایک ہی عمل انجام دے رہے ہوں، تو ہمیں فیصلہ کر دینا پڑے گا کہ اس تیلے کے اجزاء میں وظائف کی تقسیم نہیں ہے۔ یعنی اُس میں خود عضویت کا وجود ہی نہیں ہے۔ یہی حال انسانی جماعت کا ہے۔ جس انسانی گروہ کا ہر فرد اپنی علحدہ زندگی بسر کرتا اور جماعت کے لیے کوئی کام نہیں کرتا ہے، ہمیں کہنا چاہیے کہ وہ گروہ سرے سے جماعت ہی نہیں ہے، بلکہ دور وحشت میں پڑا ہوا ہے۔

(وظائف کی تقسیم)

جسم میں عضویت کا آغاز اُسی وقت سے ہوتا ہے جب اُس کے اجزاء میں وظائف کی تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہی حال انسانوں کا ہے جب اُن میں تقسیم عمل نافذ ہو جاتی ہے۔ بعض کہیتی ہیں پر لگ جاتے ہیں۔ بعض کہتا بننے لگتے ہیں۔ بعض مکان بنانے لگتے ہیں۔ . . . . اس حالت میں انسانوں کے اس گروہ کا نام ”جماعت“ ہو جاتا ہے۔

میلن کی رائے ہے کہ عالم اقتصاد میں تقسیم عمل، عالم فیزیز لوجی (وظائف الاعضاء) میں تقسیم وظائف (فرائض) کے بالکل مشابہ ہے۔ یہ تقسیم ہی جسم حی کی خصوصیت پیدا کرتی ہے۔ اور یہی تقسیم ”جماعت“ کو موجود کرتی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ زندہ جسم میں معدہ، نہ ترو دل کا فرض انجام دیتا ہے، نہ دل معدے کا۔ گزشتہ تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ زندگی پیدا کرنے میں تقسیم وظائف، تعارن ہی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ مثلاً دماغ اپنی غذا حاصل کرنے کے لیے خود عمل نہیں کرتا، بلکہ اُس کی غذا معدہ مہیا کرتا ہے، اور قلب یہ غذا اُس تک پہنچاتا ہے۔ یہی حال جماعت کا ہے۔

جنگی اقتدار رکھنے والے بادشاہوں پر رعایا کی کوئی نگرانی نہیں ہوتی۔ لیکن تجارتی حکومتوں میں تجار و اعیان، حاکم کی نگرانی کرتے ہیں، اور حاکم، تجار و اعیان کی نگرانی کرتا ہے، کیونکہ پوری قوم اس ممتاز طبقہ کے مظالم کا نشانہ بن سکتی ہے۔

(حکومتوں کی تشکیل میں مذہبی پیشواؤں کا دخل)

ایک تیسری قوت بھی ہے جو حکومتوں کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ وہ قوت کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کی ہے۔ قدیم زمانے میں دینی پیشواؤں کو غیر معمولی اہمیت و طاقت حاصل تھی۔ مصریوں اور یہودیوں میں ان کا اقتدار بے رک تھا۔ یہ انہی کاہنوں کی قوت تھی جس نے متغلق سے فرعون کی پرستش کرائی اور رومس اور ریمرس (۱) کو جنگ کے دیوتا کی اولاد تسلیم کرا دیا۔ چین کے شہنشاہوں کے متعلق بھی ایسا ہی اعتقاد تھا۔ سیام کے بادشاہ تو آج تک اسی قسم کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

غرضکہ سیاسی قوت، اجتماعی ارتقاء کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کمزور ہمیشہ طاقتوروں کا لقمہ ہوتے ہیں۔ قوت صرف مادی ہی نہیں ہوتی۔ دینی، اخلاقی، اور فکری بھی ہوتی ہے۔ بلکہ کبھی کبھی اقتصادی بھی ہوتی ہے۔ مارکس کا قول ہے کہ اقتصادی قوت ہی سیاسی قوت میں اصل و بنیاد کا حکم رکھتی ہے۔ اُس کی یہ رائے ہر حال میں صحیح نہیں ہے، اگرچہ اقتصادی قوت، سیاسی نظامات کی تاریخ میں بہت مؤثر رہی ہے۔

(سیاسی حکومت اور باہمی تعارن کی تاثیر اُمت کی تکوین میں)

سیاسی حکومت کا ظہور، ایک اجتماعی حادثہ ہے۔ یہ حادثہ ہمیشہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے۔ جماعتیں اپنی قلت و کثرت میں کتنی ہی متباہن ہوں، مگر اس سے اُن کے طبائع میں کوئی تباہی پیدا نہیں ہوتا۔

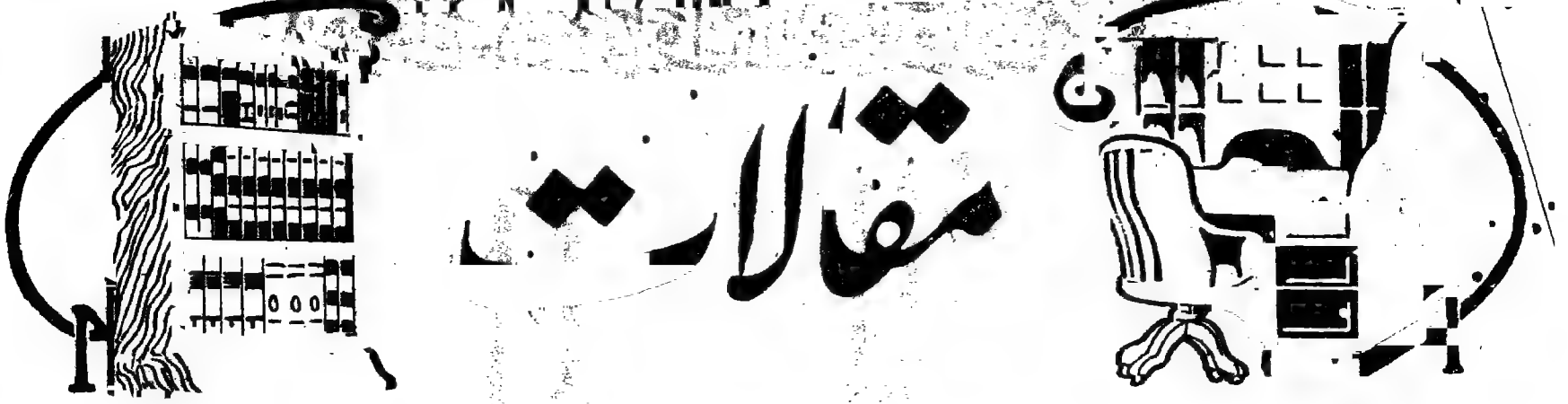
انسان، باہم اجتماعی تعارن کے رشتوں سے جڑ گئے ہیں۔ صرف اسی تعارن کے ذریعہ ہم اپنی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں۔ انسانوں کی ضرورتیں اور قابلیتیں مختلف اور متغایرت ہیں۔ اسی صورت حال نے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر باہمی تعارن سے کام لیں۔

ہمارے اجداد کی اجتماعی روش، ناموس نشو و ارتقاء کے ماتحت فوراً بدل گئی جب انہوں نے دور توحش سے دور بدایت میں قدم رکھا۔ جغرافیائی اور جنگی ضرورتوں سے مجبور ہو کر بہت سے قبیلے متحد ہو گئے۔ اُن کے اتحاد نے ایک نیا مجموعہ پیدا کر دیا۔ اسی مجموعہ کا نام بعد کو ”اُمت“ یا ”قوم“ ہوا۔ پھر جب زرعی غلامی اور سرداری کا طریقہ رائج ہوا، تو غلاموں کے قتل کر دالنے کا دستور منسوخ ہو گیا اور غلام کاشتکاری کی خدمت پر مامور کر دیے گئے۔ پھر صنعت و حرفت کے وسیع پیمانے پر ظہور نے سرے سے یہ غلامی بھی موقوف کر دی۔

اسی تدریجی ارتقاء نے قومیتیں پیدا کیں، اور قبائلی سرداروں کو شاہی تختوں پر بٹھا دیا۔ پہلے زمانے میں بادشاہ کا ارلین کام یہ تھا کہ فرج کی سپہ سالاری کرے۔ مصریوں، اشوریوں، اور یورپین قوموں کی تاریخ اسی مثالوں سے لبریز ہے۔

(۱) رومس اور ریمرس، مندرستا کی راہبہ ”ری سیلویا“ کے توأم لڑکے تھے، اور زنا سے پیدا ہوئے تھے۔ مگر راہبہ نے دعویٰ کیا کہ وہ جنگ کے دیوتا مریخ کی اولاد ہیں۔ رومس، رزم کا بانی ہے۔





## علم الابداع

(۲)

(فرد کا اقتدار جماعت پر)

جماعت نے طویل تجربے سے معلوم کر لیا تھا کہ شکار اور جنگ میں وہی شخص اُس کا سردار ہونا چاہیے، جو اسلحہ کے استعمال میں مشاق اور جسمانی قوت میں اصلح ہو۔ یہ حال صرف انسانی جماعتوں ہی کا نہیں ہے۔ چیزیں بھی جب ایک اقلیم سے دوسری اقلیم کو جاتی ہیں، تو اپنی سرداری اور پیش قدمی کے لیے اپنا سب سے زیادہ قوی اور تیز نظر فرد منتخب کرتی ہیں۔ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ چیزوں کے غول اپنے سردار کے پیچھے اڑتے ہوئے جاتے ہیں!

اپنی تکوین کے آغاز میں سلطنت کی بھی یہی صورت ہوئی۔ افریقہ، اسیٹریلیا، اور نیوزی لینڈ میں اب تک ایسے قبائل موجود ہیں جو یہ اجتماعی نظام پیش کر رہے ہیں۔ بعض قبائل ایسے بھی ہیں جن کا سردار دائمی نہیں ہوتا، عارضی طور پر منتخب کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ قبائل تسمان کا یہی حال ہے۔ اُن کا جب کوئی چاندان سفر یا جنگ کو جانے لگتا ہے تو اپنا سردار منتخب کر لیتا ہے۔ لیکن اس ضرورت کے ختم ہوتے ہی سردار کی سرداری بھی ختم ہو جاتی ہے، اور وہ باقی افراد کی طرح ایک فرد عام ہو جاتا ہے۔

جو جماعتیں جنگ و جدل سے دور ہیں، اُن میں فرد کا کوئی اقتدار نہیں ہوتا۔ چنانچہ قبائل درجی میں کوئی بھی سردار نہیں ہے۔ تمام افراد بالکل مساویانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہی حال قبائل اسکیمو کا ہے۔ ان کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہے، مگر آج تک اُن میں کوئی سردار نہیں ہے۔ شروع شروع جب اُن کے سواحل پر یورپین جہاز پہنچے، تو انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ بحری سپاہی اپنے افسروں کے اشاروں پر حرکت لے رہے ہیں!

(حکومتوں کی تشکیل میں جنگ کا دخل)

ابتدائی حکومتوں کے وجود کا باعث صرف جنگ ہی نہ تھی۔ لیکن جو حکومتیں جنگی ضرورت سے قائم ہوتی ہیں، وہ فرد ہی کے ماتحت ہوتی ہیں۔ ابتدائی جنگوں کے تجارب نے انسانی جماعتوں کو یقین دلا دیا کہ نظام و ترتیب کی قوت، کثرت تعداد کی قوت سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ بہت سی جماعتیں محض اس لیے بہاد ہو گئیں کہ ان میں کوئی نظام موجود نہ تھا۔ انتشار و فوضویت عام تھی۔ چنانچہ بتدریج انسانوں نے نظام کے فوائد معلوم کیے اور منتظم زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

جملہ مستبد حکومتوں کی پیدائش، جنگ ہی سے ہوئی ہے۔ شخصی حکمرانی کا باعث، جنگ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ قرون اولیٰ میں جب روم کے لیے ایک بڑا جنگی خطرہ پیش آیا، تو قہری حکومت (ڈیکٹیوشپ) قائم ہو گئی۔ لیکن اُس کے دفع ہوتے ہی مینسنائٹس، جو اس حکومت کا حاکم تھا، اپنے کھیت میں ہل چلانے واپس چلا گیا۔ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ زیادہ سے زیادہ حریت پسند قوموں میں بھی جنگوں نے ایسے آدمی پیدا کر دیے، جو شروع میں حامی حریت معلوم ہوتے تھے مگر جنگی ضرورتوں نے انہیں مستبد حاکم بنا دیا۔

جنگی قومیں — اپنے جغرافیائی موقع کے لحاظ سے — استبدادی طرز حکومت ہی پر برقرار رہیں۔ اسی طرح تمام وسیع ممالک، جن پر دشمنوں کے حملے ہوتے رہے یا جن میں اندرونی شورشیں زیادہ برپا ہوتی رہیں، اُن کی حکومتیں لازمی طور پر استبدادی رہی ہیں۔ برخلاف ان کے چھوٹے چھوٹے اور چار طرف پہاڑوں سے محفوظ ملکوں کی حکومتیں جمہوری ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ قدیم زمانے میں یونان اور موجودہ زمانے میں سوئٹزر لینڈ اُن ممالک کی مثال ہیں جو استبداد سے یک قلم نا آشنا ہیں۔ لیکن قوم ترکمان — بدویت کی حالت میں — شخصی استبداد کی طرف مائل رہی ہے۔

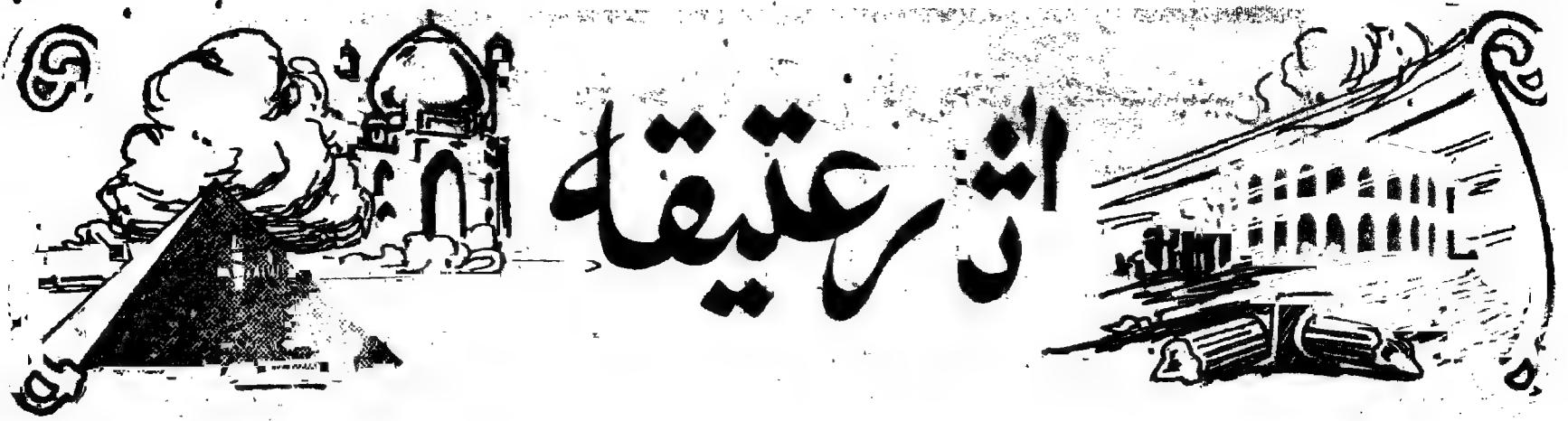
(حکومتوں کی تشکیل میں صناعت کا دخل)

صناعت، اگرچہ براہ راست حکومتوں کی تکوین کا باعث نہیں ہے، لیکن جنگ کے بعد وہ بھی اُن کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ کیونکہ صناعت، دولت مندی کا اولین سبب ہے اور اس لیے باشندوں میں فرق مراتب کا موجب ہے۔

ابتدائی انسان نے جوں ہی آلات کو ترقی دی، مختلف قسم کی صنعتیں ظاہر ہونے لگیں۔ صناعتوں اور کاشتکاروں نے غیر معمولی محنت کے ذریعہ اتنی پیداوار مہیا کر لی جو اُن کی ضرورت سے زیادہ تھی۔ چنانچہ اُس کی فروخت اور مبادلہ سے انہیں کافی دولت حاصل ہو گئی۔ اس دولت سے انہوں نے دوسروں سے زیادہ رسوخ حاصل کر لیا اور اپنے لیے خاص خاص صنعتیں اور پیشے خاص کر لیے۔

ان مالداروں کو بہت جلد ضرورت محسوس ہوئی کہ حریص و طماع غریبوں سے اپنی دولت محفوظ رکھنے کی تدابیر اختیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لیے قانون و نظام بنائے۔ یا دوسرے لفظوں میں ملک کے لیے حکومت کی بنیاد رکھی اور اُسکی خاص شکل تجویز کی۔

اس قسم کی حکومتیں، جو صناعتوں اور تاجروں کے ہاتھوں ظاہر ہوئیں، قدرتی طور پر اُن حکومتوں سے مختلف مزاج رکھتی تھیں، جنہیں جنگوں نے پیدا کیا تھا۔ کیونکہ اول الذکر میں کامل شخصی اقتدار قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ صناعتوں اور تاجروں کی جماعت کو بھی رسوخ حاصل تھا۔ اس قسم کی حکومتوں کی مثال قدیم زمانے میں رومس اور رومن کی حکومتیں تھیں۔ یہ حکومتیں جنگی حکومتوں سے بہت سی باتوں میں مختلف ہوتی ہیں۔



## ایک قدیم مرقع

— میری —

خلیفہ ہارون الرشید اور فرانسیسی سفارت

۱۱ ۱۱ ۱۱

عرصہ ہوا، زمانہ حال کے مشہور مصری مصنف جرجی زیدان مرسس الہلال قاہرہ نے اپنی سیاحت یورپ کی یادداشتیں شائع کرتے ہوئے لکھا تھا ”سورین یونیورسٹی میں ایک قدیم مرقع میری نظر سے گزرا۔ اس میں اُس فرانسیسی سفارت کا خلیفہ

ہارون الرشید کے دربار میں ورود دکھلایا گیا ہے جو شارلیمین اول نے بغداد بھیجی تھی، اور جس کے جواب میں ہارون الرشید نے وہ عجیب و غریب گہڑی ارسال کی تھی جس کا تمام یورپ میں عرصہ تک شہرہ رہا“

جرجی زیدان نے اس مرقع کا عکس شائع کر دیا تھا۔ اس مرقع میں ہارون الرشید ایک بلند مسند پر جو تو برتر گدیوں سے بنائی گئی ہے، بیٹھا ہے۔ سر پر خود کی وضع کی قلنسوہ ہے اور اس پر عمامہ بندھا ہے۔ حبشی غلام عقب میں کھڑے ہیں، اور فرانسیسی سفارت کے ارکان زمین بوس ہو رہے ہیں۔

مجھے اس مرقع سے بہت دلچسپی ہوئی لیکن اِسکی تاریخ قدامت کی

کوئی تصریح نہیں کی گئی تھی۔ میں نے خیال کیا، بہت ممکن ہے زمانہ حال کے کسی مصر نے واقعہ سفارت کے تخیل کو مرقع کی صورت دیدی ہو، یا کسی تاریخی کتاب کی نین کے لیے طیار کیا گیا ہو۔ میں چاہتا تھا، اس بارے میں مزید معلومات حاصل کیے جائیں۔ کیونکہ مجھے اپنی ایک زیر تحریر کتاب کے لیے اس طرح کے تمام مواد کی ضرورت تھی۔

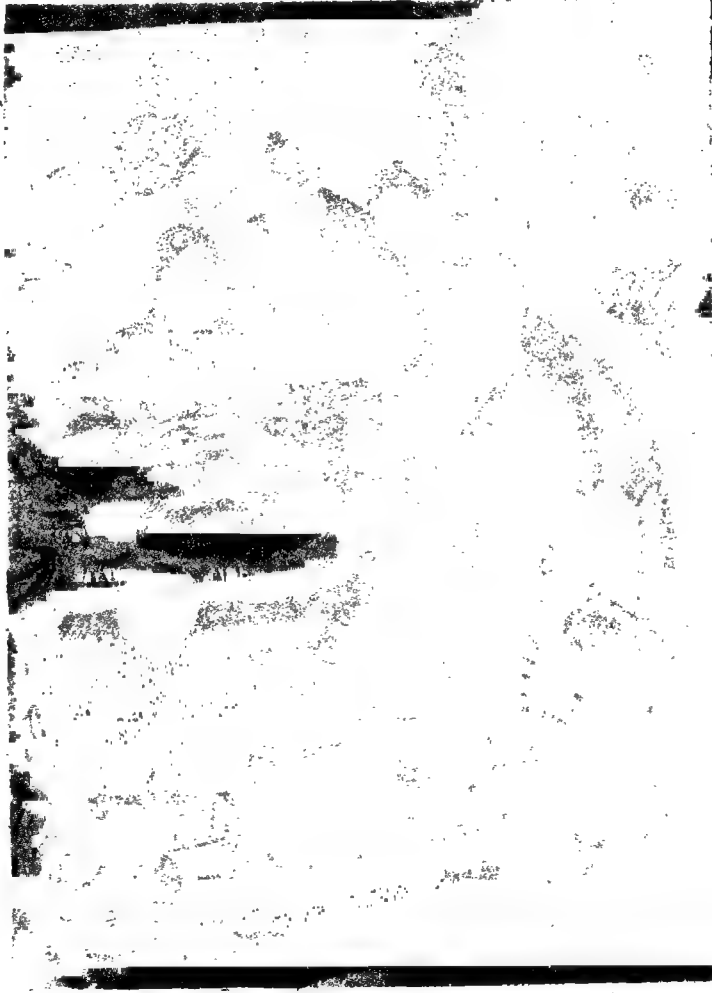
گذشتہ سال ایک تقریب سے مجھے موقع ملا کہ مرسیر بلوشر سے خط و کتابت کروں۔ یہ فرانس کے مشہور فارسی داں متشرق ہیں اور کچھ عرصہ سے پیرس کے قومی کتب خانہ کے فارسی حصہ کی از سر نو تحقیقات کر رہے ہیں۔ میں نے اس مرقع کی نسبت ان سے دریافت کیا۔ ان کا جواب حسب ذیل تھا:

”جس مرقع کا آپ ذکر کیا ہے (یعنی سورین یونیورسٹی کا) وہ اصل نہیں ہے۔ اصلی مرقع کی نقل ہے۔ اصلی مرقع اس کتب خانہ میں (نیشنل لائبریری پیرس) میں محفوظ ہے۔ یہ مشکل ہے کہ اس کی صحیح تاریخ معین کی جاسکے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سولہویں صدی میں یہ مرقع موجود تھا۔ کیونکہ سنہ ۱۵۸۹ء میں جب ہینرخ Heinrich نے اپنا مجموعہ تاریخ عرب نیپلز میں شائع کیا ہے، تو اس میں یہ مرقع بھی درج کیا گیا تھا۔ مرقع کے نیچے یہ عبارت لکھی گئی تھی ”بغداد کے خلیفہ کے دربار میں شارلیمین کی سفارت — اس

مرقع کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شارلیمین کے حکم سے طیار کیا گیا تھا“ مرقع کا جو نسخہ بطور اصل کے اس وقت محفوظ ہے، غالباً وہ بھی اصل نہیں ہے۔ کسی دوسرے نسخہ کی نقل ہے۔ کیونکہ اس میں بعض خاص طرح کے رنگ استعمال کیے گئے ہیں، اور ان رنگوں کا استعمال سولہویں صدی کے بعد شروع ہوا ہے۔ \* \* \* \*

\* \* \* \* \* سولہویں اور سترہویں صدی میں یہ مرقع منجملہ اُن تصاویر کے تھا، جن سے فرانس کے شاہی قصر آراستہ کیے جاتے تھے۔ قصر توپلری کے لیے یہ مرقع ایوان استقبال کی اُن تصویروں کی قدر و قامت کے مطابق طیار کیا گیا تھا، جو اسکی دھنی اور بائیں دیواروں پر قدم آدم جتنی ترتیب دی

گئی تھیں۔ میں اگرچہ یہ کہنے کے لیے کافی تاریخی تصویحات نہیں پاتا کہ یہ مرقع اصلی ہے، تاہم اس کی تاریخی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کم از کم یہ بات بالکل صاف ہے کہ خود شارلیمین کے عہد کا ہوا نہ ہو، لیکن سولہویں صدی سے پیشتر کا رائج و مشہور مرقع ضرور ہے \* \* \* \* \* ایک دوسرے واقعہ سے بھی اس مرقع کی تاریخی حیثیت کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہارون الرشید نے اس سفارت کے جواب میں فرانسیسی سفیروں کے ساتھ اپنے خاص سفراء بھی بھیجے تھے، اور ان کے ذریعہ بیت المقدس کی طلائی کنجیاں اور بہت سے قیمتی تحائف روانہ کیے تھے۔ انہی تحائف میں وہ اپنے عہد کی عجیب و غریب گہڑی بھی تھی جس کا ذکر اُس عہد کے مورخ اے جی نارت Eginhart نے



# مختارات

## عورت کی طاقت

عورت، ہیئت اجتماعیہ کی بنائے والی ہے۔ پوری ہیئت اجتماعیہ، عورت کے قبضہ اختیار میں ہے۔ سب کچھ اسی کی مدد سے اور اسی کیلئے ہوتا ہے۔ عورت، مرد کی سب سے بڑی مربیہ و معلم ہے۔ وہ عورت ہی ہے جو مرد کو اعلیٰ اخلاق، پسندیدہ آداب، اور رقیق احساس سکھاتی ہے۔ عورت بعض مردوں کو لطف معاشرت کی تعلیم دیتی اور سب کو سخت مزاجی سے باز رکھتی ہے۔ عورت ہی کے ذریعہ مرد کو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی اجتماعی زندگی کیسے نازک اور پر پیچ عناصر و اجزاء سے مرکب ہے۔ عورت کے قریب ہونے ہی سے ہم محسوس کرتے ہیں کہ جذبات کا طوفان اور ایمان کا دھارا اتنا زبردست ہے کہ اُسے روکا نہیں جا سکتا، اور یہ کہ انسان اپنی عقل کے بل بوتے پر نہیں چل رہا ہے۔

(انٹول فرانس)

## علماء کی خوش مزاجی

عام طور پر مشہور ہے کہ علماء و فضلاء خشک مزاج ہوتے ہیں۔ شب و روز خشک مباحث میں غور و فکر کرنے کی وجہ سے خشک دماغ ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز اس قدر مشہور ہوئی کہ علم اور خوش مزاجی کو بڑی حد تک متضاد خیال کیا جانے لگا۔ بہت سے مدعیان علم مصنوعی خشک مزاجی کی عادت ڈال کر دنیا کو اپنی علمیت منوانے لگے۔ حالانکہ علم اور بشاشت میں ہرگز کوئی تضاد نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہنس مکھ آدمی بھی بڑے سے بڑا عالم ہو سکتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ نمایاں مثال جاپان میں موجود ہے۔ یہاں کے علماء قن عموماً بڑے خوش مزاج ہوتے ہیں۔ حال میں مشہور جاپانی عالم، ڈاکٹر ”میورا“ امریکا گیا تھا۔ وہاں کے لوگ اُس کی ہنسی اور خوش طبعی دیکھ کر متعجب ہو گئے۔

## بادشاہوں کو ہدیہ

بادشاہوں کے لیے ایک مصیبت ہدیہ بھی ہیں جو انہیں بہت بڑی مقدار میں ہمیشہ پہنچتے رہتے ہیں۔ ایڈورڈ ہفتم کے پاس سیکڑوں صندوق سیکڑت، نک ٹائی، دستاں، جوتوں، اور چھڑیوں سے لبریز بطور ہدیہ کے آیا کرتے تھے۔ وہ ہدیے بہت کم قبول کرتے اور اکثر واپس کر دیا کرتے۔ تاہم بعض نادر چیزیں لے بھی لیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے امریکا سے پاؤ بھر وزن کا ایک آلو بھیجا تھا۔ اُسے بادشاہ نے قبول کر لیا۔ اسی طرح ایک قدیم مصری شاہزادی کا ممی کیا ہوا ہاتھ بھی منظور کر لیا تھا، اور اُس سے میز پر کاغذ دہانے کا کام لیا کرتے تھے!

یہی حال سابق قیصر جرمنی کا تھا۔ ایک شخص نے افریقا کے سب سے بلند پہاڑ ”کیلیمنا نگار“ کی چوٹی پر سے ایک پتھر کاٹ کر ہدیہ بھیجا تھا۔ اسے قبول کر لیا۔ نیز ایک بوڑھیا کا سو مارک کا نوٹ بھی منظور کر لیا تھا۔ اس عورت نے دربان کے ہاتھ شہنشاہ کو ایک لفافہ بھیجا جس میں اس بنک نوٹ کے علاوہ ایک خط تھا: ”کل میں نے آپ کو فرج کی قواعد ملاحظہ کرتے وقت سردی سے کانپتے دیکھا۔ یہ سو مارک کا نوٹ قبول کیجیے اور اس سے اپنے بنیاد پر خرید لیجیے“

ضرورتی ہے کہ اُس میں بھی بعض افراد، قوم کی مدافعت کی ذمہ داری لیں، بعض عام مصالح انجام دیں... اس تقسیم عمل اور تعارن کی غایت یہ ہوتی ہے کہ مجموعہ یعنی جماعت قائم و محفوظ رہے۔ ہر عضو، دوسرے اعضاء کے مقابلے میں بیک وقت، واسطہ اور غایت ہوتا ہے۔ چنانچہ مثلاً کاشنکار حاکم کا خدمت گزار ہوتا ہے، اور حاکم، کاشنکار کا خادم ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت کا ہر فرد، دوسرے افراد کا معارف و مدد کار ہو جاتا ہے۔

یہ اعمال اپنی مجموعی حیثیت سے دائرہ حیات میں متعدد حلقوں کا حکم رکھتے ہیں۔ تمام اقوام اور قبائل، انسانی مجموعہ میں ایسے ہی دائرے بنائے چلے جاتے ہیں۔

(سلطنت میں نظام حیات)

اسپینسر نے کائنات حیات کی بحث میں بتایا ہے کہ جسم حی میں تین بڑے نظام، تین بڑے وظائف انجام دیتے ہیں: نظام ہضمی، مجموعہ عصبی، نظام تنفس۔

یہی حال سلطنت کا ہے۔ ایک فریق مجموعہ کے لیے اُس کی غذا مہیا کرتا ہے۔ دوسرا فریق سلطنت کا انتظام سنبھالتا ہے۔ تیسرا فریق — اور وہ درمیانی فریق ہے — زمین کی پیداوار تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے تاکہ باقی جماعت اُسے اپنے کام میں لائے۔

یہ عمل، جسم انسانی میں دوران خون کے نظام سے بہت مشابہہ ہے۔ سلطنت میں زراعت، حکومت، تجارت، تین اعضاء ہیں اور ان اعضاء ثلاثہ کے قائم مقام ہیں جو حیات حیوانی قائم رکھتے ہیں۔

یہاں پر ایک سوال قابل لحاظ ہے۔ ہمیں اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ”کیا سلطنت ان اعضاء کے وجود کے بعد ہی موجود ہو جاتی ہے؟ — کھڑی کا آلہ یا جہاز کا آلہ، کائنات حیات کے مشابہہ ہے۔ چنانچہ وہ بھی دوسرے اجسام حیات کی طرح مختلف اعضاء سے مرکب ہے۔ اس کے اعضاء میں بھی تقسیم عمل ہے اور اپنے اعمال کی انجام دہی میں تعارن رکھتے ہیں۔ یہ آلات، زندہ اجسام سے اس قدر مشابہہ ہیں کہ وحشی انسان انہیں سچے سچ زندہ وجود ہی سمجھ لیتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر جاندار آگے اور بے جان آلے میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے؟“

اس سوال کا جواب لائنس نے یہ دیا ہے کہ ”لکڑی یا لوہے کا متحرک آلہ، فی نفسہ کوئی عضویت نہیں رکھتا۔ برخلاف اس کے ہر زندہ وجود عضویت اور مستقل زندگی رکھتا ہے۔ ہر عالم حی، ہزاروں زندہ عوالم کا مجموعہ ہے“

دیر خوف اور کلرد برنارڈ نے ثابت کیا ہے کہ ہر حیوان اپنے سے بہت زیادہ چھوٹے اور پست بے شمار حیوانات سے مرکب ہوتا ہے۔ ہمارے جسموں کے اندر بہت سی ذی روح کائنات موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مستقل زندگی رکھتی ہے۔ ان کائنات کی زندگی ہمارے ہی خون سے ہے۔ یہ کائنات، مختلف قابلیتیں، خواہشیں، امراض، اور حرکات رکھتی ہیں۔ اگر ہم کسی کیتے کے درگزرے کو دیں تو بھی اُس کا ہر تکرار زندہ رہے گا۔ بلاشبہ ترقی یافتہ حیوانوں کی یہ حالت نہیں ہے۔ لیکن ان حیوانات کے بھی بعض اجزاء — مثلاً ناخن اور بال — جسم کی موت کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان کے ناخن اور بالوں کا بڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں زندگی موجود رہتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ کئی چوہوں کی دمیں اگر ایک چوہے کے جسم میں لگا دی جائیں، تو ان تمام دمیں میں بھی زندگی پیدا ہو جائیگی۔

مصطفیٰ فاضل کو اس جسارت کا صلہ صرف مہاجرت ہی کی صورت میں نہیں ملا، بلکہ اُسکی تمام ترکی جائداد بھی ضبط کر لی گئی۔ اگر فرانسیسی حکومت درمیان نہ پڑتی، تو شاید مصری جائداد سے بھی محروم ہو جاتا۔

مصطفیٰ فاضل کا لائحہ، تاریخ شرق جدید کا ایک اہم واقعہ ہے۔ جس جرأت و صراحت کے ساتھ وقت کے ایک مستبد سلطان کو مخاطب کیا گیا ہے، اور استبداد و شخصیت کی جگہ آزادی و شہریت کی دعوت دی گئی ہے، اس کی کوئی دوسری نظیر اس عہد میں نہیں مل سکتی۔ ہم چاہتے ہیں یہ پورا لائحہ اردو میں منتقل ہو جائے، کیونکہ یہ تاریخ شرق جدید کی ایک قیمتی دستاویز ہے۔

(مسئلہ اصلاح اور ایک اصل مہم)

یہ مرقعہ تفصیل کا نہیں لیکن اشارہ نا گریز ہے۔ دولۂ عثمانیہ میں سلطان مصلح کے عہد سے لیکر سلطان عبد الحمید خان تک اصلاح و تجدید کی جس قدر حرکتیں ظہور میں آئیں، وہ اگرچہ اس اعتبار سے قابل احترام ہیں کہ استبداد و فساد کے مقابلہ میں حریص و اصلاح کی طلبگار تھیں، لیکن ساتھ ہی یہ واقعہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انکی بنیاد میں یورپ کی عامیادہ تقلید و محاکات کے سرا کوئی مجتہدانہ بصیرت موجود نہ تھی۔

صدیوں سے اسلام کی حقیقی دینی روح مفقود ہو چکی تھی۔ اسلام کے حقیقی سرچشمہ شرع و تعلیم کی جگہ طرح طرح کے انسانی ساخت کے نئے سرچشمے بھوت نکلے تھے، اور اجتہاد و نظر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں استوار ہو گئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ ایسے اصحاب نظر و بصیرت پیدا ہوتے، جو سب سے پہلے امت کے دینی مزاج کی درستگی کی کوشش کرتے جس کے بغیر حکومتوں کا حاکمانہ مزاج بھی درست نہیں ہو سکتا تھا۔ اس اصلاح کے بعد یورپ کے علمی و صناعی فوائد کے اخذ و اختیار کی راہ خود بخود کھل جاتی۔ البتہ بصیرت و اعتبار کے ساتھ کھلتی۔ تقلید و کورچشمی کے ساتھ نہ کھلتی۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ دولۂ عثمانیہ میں ایسے علماء نا پید تھے اور ہمیشہ نا پید رہے، جو صاحب نظر و بصیرت ہوں۔ امراء و حکام جہل و اراہم کی تاریکی میں گم تھے۔ اتفاقات نے چند شخصیتیں پیدا کر دیں جنہیں یورپ کے علوم و لغات سے آشنا ہونے کا موقعہ مل گیا۔ یہ اپنی کسی بصیرت و روشنی کی بنا پر نہیں بلکہ محض تقلید کی راہ سے استبداد و جہل کی مضرتوں پر مطلع ہوئے، اور اصلاح و انقلاب کی سعی شروع کر دی۔ سعی صحیح تھی، بروقت تھی، لیکن سامی بصیرت و نظر سے محروم تھے۔ مرض کا احساس غلط نہ تھا، لیکن نہ تر تشخیص کامل تھی، نہ علاج ہی صحیح تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس راہ میں جس قدر قدم بھی اُٹھے، وہ اگرچہ اکثر حالتوں میں اصلاً غلط نہ تھے، لیکن مجتہدانہ بصیرت و نظر کے فقدان سے کوئی صحیح انقلاب صورت حال میں پیدا نہ کر سکے، اور شرح اس اجمل کی بہت طرانی ہے۔

بہر حال بحث و نظر کا یہ مقام دوسرا ہے۔ اس کے فہم و ذوق کے لیے دوسری قسم کی صحبتیں مطلوب ہیں۔ یہاں جو حقیقت قلم بند کرنی ہے یہ ہے، کہ گذشتہ صدی کے مشرقی مصلحین کی تاریخ میں مصطفیٰ فاضل پاشا کو اصلاح و انقلاب ترکیہ کے بانی و داعی ہونے کا شرف حاصل ہے، اور اسکا یادگار کارنامہ ”لائحہ اصلاحیہ“ ہے۔

ہوتا، تو بہت ممکن تھا، اصلاح و تجدید کی راہیں باز ہو جاتیں۔ لیکن عبدالعزیز کے مجتہدانہ استبداد نے جسکے ساتھ شخصی حکمرانی کے تمام عیش پرستانہ عناصر فساد بھی جمع ہو گئے تھے، اصلاح حال کے تمام دروازے مسدود کر دیے۔ خزانہ بالکل خالی تھا۔ یورپ سے قرضوں پر قرض لیے جا رہے تھے۔ مالیات کے بہترین وسائل موقوف ہو گئے تھے۔ روس نے پیٹر برگ سے سرائے دولہہ بلخچہ تک اپنی مخفی سازشوں کا جال بچھا دیا تھا۔ روسی سفیر جنرل اگنائف کا اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا، اور سلطان اپنے تمام معاملات میں اسی کے مشوروں پر کار بند تھا۔ سلطان کا تمام وقت محل کی عیش پرستیوں میں صرف ہوتا۔ بسا اوقات ایک ایک مہینے تک وزراء حکومت کو بار بار یابی کا موقعہ نہیں ملتا۔ شخصی حکومتوں کا قدرتی مزاج ہی شخصی انانیت اور مستبدانہ قہر و جبر کا ہوتا ہے۔ پھر اگر خصوصیت کے ساتھ اسکا کوئی حکمران ”مستبد“ ہو جائے، تو ظاہر ہے، اسکا استبداد کس درجہ لاعلاج اور بے پناہ ہوگا؟ تمام ترک اہل قلم متفق ہیں کہ عبدالعزیز اپنے تمام پچھلے مستبد حکمرانوں سے بھی زیادہ مستبد تھا۔ کوئی بات بھی اسے اسدرجہ طیش و غضب میں نہیں لاتی تھی جسقدر اس بات کا تصور، کہ دنیا کی کوئی مخلوق اسے ”مشورہ“ دنیا چاہتی ہے، یا نصیحت کرنے کی جرأت رکھتی ہے۔ ابتدا میں جو لوگ بھولے سے کوئی ایسی جرأت کر بیٹھے، انہیں فوراً اسکی سزا بھگتنی پڑی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کارخانہ سلطنت روز بروز درہم درہم ہو رہا تھا اور اُسے والے خطرے کے آثار قریب سے قریب تر ہونے لگے تھے یہ حالت جاری تھی، مگر ہر طرف غفلت و اعراض کا سناتا چھایا تھا۔ کوئی صدا نہ تھی جو کلمہ حق و اصلاح سے آشنا ہوتی!

لیکن غفلت و افساد کے اس سکون میں بالآخر جنبش ہوئی، اور دولۂ عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دعوت الی الحق کی بے خوف صدا بلند ہوئی۔ یہ مصطفیٰ فاضل کی صدا تھی۔ وہ صدائے حق، جسے نہ تو سلطان عبدالعزیز کی سطوت و جبروت روک سکی، نہ امارت و وزارت کے مطامع مانع اسے!

تاریخ میں یہ صدائے اصلاح ”لائحہ اصلاحیہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دراصل ایک مکتوب ہے، جو سلطان عبد العزیز کے نام لکھا گیا تھا۔ مصطفیٰ فاضل نے یہ مکتوب سنہ ۱۸۶۷ء میں لکھا، اور بذات خاص سلطان کے حوالہ کیا۔ لوگوں کو جب اس جسارت کا حال معلوم ہوا تو شدت تحریر سے انگشت بدندان رکھ گئے۔ دولۂ عثمانیہ کی تاریخ میں یہ بالکل ایک نئی قسم کی جسارت تھی۔ ایسی جسارت جسکی مصطفیٰ رشید، فواد پاشا، اور عالی پاشا جیسے مصلحین بھی جرأت نہیں کر سکتے تھے!

سلطان عبدالعزیز نے یہ لائحہ پڑھا، اور بھی نتیجہ نکلا جو مترق تھا۔ مصطفیٰ فاضل کو ”مستبدانہ“ سے ہجرت کرنی پڑی۔ وہ پیرس آیا اور ایک مدت تک کیلیے یہاں مقیم ہو گیا۔ مصطفیٰ فاضل کے اسی قلم پیرس سے نوجوان ترک جماعت کی سب سے پہلی بنیاد پڑی۔ ”مستبدانہ“ کے متعدد نوجوان بتدریج پیرس چلے آئے، اور مصطفیٰ فاضل کی اہماد و سرپرستی میں متحدہ زندگی بسر کرنے لگے۔ اس عہد کے وہ تمام اصلاح پسند افراد جنہوں نے نہ صرف دولۂ عثمانیہ کیلیے سیاسی انقلاب کی تخم ریزی کی، بلکہ ترکی علم ادب و کتابت میں بھی دور جدید کی بنیاد ڈالی، اسی عہد کی پیداوار ہیں۔ نامق کمال بے، ضیا باشا ادیب، سعد اللہ باشا، ابوالضیا توفیق، وغیرہم کی نشوونما اسی دور میں ہوئی۔



## مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ فاضل پاشا

اور لائحہ اصلاحیہ

— — —

(اعلان حق اور امر بالمعروف کا ایک شاندار کارنامہ)

• • • • •

انیسویں صدی کے وسط میں دولت عثمانیہ کی سیاسی و اجتماعی اصلاحات کی جو حرکت شروع ہوئی تھی، عام طور پر اس کی ابتدائی تخم ریزی مرحوم مدحت پاشا کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدحت پاشا اس روح تجدید کا داعی اور نہ تھا۔ اسے منظم و وسیع کرنے والا تھا۔ ترکی اصلاح و تجدید کی اصلی تاریخ مصطفیٰ فاضل پاشا سے شروع ہوتی ہے۔ فی الحقیقت نرجوان ترکوں کی اجتماعی حرکت کا حقیقی مونس رہی تھا۔

(اصلاح کی ابتدائی فضا)

عثمانی دارالخلافہ میں جس شخص نے یورپ کے تمدنی انقلاب کا پہلے پہل مطالعہ کیا، وہ مصطفیٰ رشید پاشا تھا۔ امراء دولت میں یہی پہلا شخص ہے جس نے یورپ کی زبانوں سے واقفیت حاصل کی۔ اس کی نشرونا سلطان محمود مصلح کے عہد میں ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں جب سلطان مرصوف کا انتقال ہوا اور سلطان عبدالمجید تخت نشین ہوا، تو یہ لندن میں عثمانی سفیر تھا۔ سلطان عبدالمجید نے اس منصب سے ترقی دی اور وزارت خارجہ پر مامور کر دیا۔ یہ اسی شخص کی سعی کا نتیجہ تھا کہ اسی سال کے ماہ جون میں دولت عثمانیہ کی تنظیم و اصلاح کا وہ تاریخی فرمان صادر ہوا جو ”خط گل خانہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا نام ”گل خانہ“ اس لیے ہوا کہ سرائے ”ترب قیو“ کے چمنستان (گل خانہ) میں اس کا اعلان ہوا تھا۔ اس اعلان میں دولت کے قانونی اور منظم ہونے کا یقین دلایا گیا تھا۔ نیز مسلم اور

کیا ہے۔ اس عرب سفارت کے زرد استقبال کا ایک ایسا ہی مرقع فرانس میں موجود ہے جیسا یہ زیر بحث مرقع ہے۔ اس مرقع میں شارلیمین کو اس کے دربار میں دکھایا گیا ہے اور عرب سفیر اس حالت میں نمایاں ہیں کہ اپنے تحائف پیش کر رہے ہیں۔ اس سے صاف طور پر یہ بات راضع ہو جاتی ہے کہ واقعہ سفارت کے دربار درباروں کی تصویریں بہ یک وقت طیار کی گئی تھیں۔ اور عجب نہیں خود شارلیمین کے حکم سے طیار کی گئی ہوں۔ یہ دوسرا مرقع پیرس کی مشہور عمارت پینتھون Pantheon کی دیواروں پر اس وقت تک موجود ہے۔ یہاں شارلیمین کے عہد کے مختلف مرقع دکھائے گئے ہیں، من جملہ ان کے عربی سفارت کا استقبال بھی ہے۔

اس مرقع کی نقل ہدیہ قارئین ہے۔

ذمی کے حقوق کے مساوی ہونے اور ہر طرح کے غیر قانونی امتیازات کے منسوخ کر دینے کا اعلان تھا۔

مصطفیٰ رشید پاشا نے اپنے عہد وزارت میں تعلیمی و معاشرتی اصلاحات کی جو روح پیدا کی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک قلیل جماعت نئے تعلیم یافتہ افراد کی پیدا ہو گئی۔ ان میں سب سے زیادہ نامور شخص دروہے : عالی پاشا اور فواد پاشا۔ دونوں نے صدارت و نظارت کے مناصب تک ترقی کی، اور اپنے عہد کے مشہور مدبرین میں شمار کیے گئے۔ سلطان عبدالمجید کے عہد کے تمام اجراءات اصلاحیہ کی باعث و کارفرما شخصیتیں یہی تھیں۔ معاہدہ پیرس (۳۰ مارچ سنہ ۱۸۴۹) میں دولت عثمانیہ کو جو کامیابی ہوئی، اور انگلستان، فرانس، اور آٹلی نے روس کے برخلاف ساتھ دیا، وہ بہت کچھ انہی دونوں کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ معاہدہ پیرس کے بعد ہی تاریخ اصلاح عثمانی کا دوسرا فرمان شائع ہوا تھا جو ”خط شریف“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس میں ”خط گل خانہ“ کی مزید تائید کی گئی تھی، اور تمام رعایا کی آزادی حقوق کے احترام کا یقین دلایا گیا تھا۔ یہ بھی تمام تر فواد اور عالی ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔

(مصطفیٰ فاضل)

مصطفیٰ رشید، فواد، اور عالی پاشا نے اصلاح و تغیر کیلئے فضا پیدا کر دی، مگر جماعت پیدا کرنے کا کام بعد کر ہونے والا تھا۔ یہ مصطفیٰ فاضل پاشا کی شخصیت تھی، جس نے اس نئی فضا کو نشرونا دی، اور ”نرجوان“ ترکوں کی جمعیت کا اولین سنگ بنیاد رکھ دیا۔ مدحت پاشا بعد کو آیا تاکہ اپنے عظیم اعمال اور عظیم قربانی سے اس سنگ بنیاد پر ایک نئی عمارت چن دے !

مصطفیٰ فاضل پاشا محمد علی بانی خاندان خدیوہ مصر کا پوتا اور ابراہیم پاشا فاتح حجاز و شام کا بیٹا تھا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ مصر میں محمد علی کے زمانے سے مغربی علوم و السنہ کی اہمیت کا احساس عام ہو چلا تھا، اور خاندان خدیوہ کے تمام افراد فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔ مصطفیٰ فاضل کو بھی اسکا موقع ملا۔ اس طرح مغربی علوم و تمدن کے فہم و مطالعہ کا دروازہ اس پر کھل گیا۔ ابھی سلطان عبدالمجید ہی کا زمانہ تھا کہ وہ قدامت پرستوں اور چند سالوں کے بعد جب سلطان عبدالعزیز تخت نشین ہوا، تو نظارت معارف (تعلیم) کا ناظر مقرر ہو گیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب مالیات کی وزارت کی جگہ خالی ہوئی، تو حکومت کی نظر انتخاب اسی پر پڑی۔

(لائحہ اصلاحیہ)

یہ وہ وقت تھا، جبکہ دولت عثمانیہ کی زوال پذیر ہستی کی حفاظت کیلئے اصلاح و علاج کی آخری مہلت درپیش تھی، اور قریب تھا کہ ہمیشہ کیلئے اُسکی شش صد سالہ عظمت و جلال کی دیواریں سرنگون ہو جائیں۔ سلطان محمود مصلح نے نئی اصلاحات کی بنیاد رکھی۔ سلطان عبدالمجید نے اسے بلند کرنا چاہا۔ اگر سلطان عبدالعزیز کا وجود بھی اس سلسلہ اصلاح کی تیسری کڑی

مسازات کو جملہ معاسن پر ترجیح دیں۔ لیکن کیا یہ صفات حمیدہ ہم میں زیادہ مدت تک باقی رہیں گی؟ کیا ہم خیر و شر کے اس قیاس کا ہمیشہ یزیدی مقابلہ کرتے رہیں گے؟

میرے آقا! جس دن یہ اخلاق ہم سے رخصت ہو جائیں گے، اسی دن ہماری موت بھی نازل ہو جائیگی۔ ہم کسی کو بھی اپنا حامی و مددگار نہ پائیں گے۔

کاش ہماری مصیبت، صرف ہمارے معنوی انحطاط ہی پر ختم ہو جاتی اور اس جہل عمیم اور فساد عظیم تک نہ پہنچتی جو ہمارے تمام عقلی قوی تباہ کر رہا ہے۔

میرے آقا! جب ہمارے اسلاف یورپ میں اترے، تو ان کے پاس علم کی کوئی روشنی بھی نہ تھی۔ لیکن وہ ذوق سلیم رکھتے تھے۔ یہ ذوق ان میں قوت و جرأت پیدا کرتا تھا، جیسا کہ تمام پاک اور بلند نفسوں کا خاصہ ہے۔ وہ علم نہیں رکھتے تھے، مگر عقل کے مالک تھے۔ وہ عقل جو حرکت پسند کرتی، جمود سے نفرت کرتی، اور دالست سے کراہت رکھتی ہے۔ وہ ان لوگوں سے بالکل مختلف تھے جو ہمارے ہر ازل دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ رائے افسوس! عقلیں، اس حکومت کے زیر سایہ مفلوج ہو جاتی ہیں، جس میں انفرادی ہمت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی!

میرے آقا! آپ کی رعایا میں ترک سب سے زیادہ استبداد سے متاثر ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ استبداد ان کی فطری استقامت نفس اور خود داری سے میل نہیں کھاتا۔ ہم ترکوں میں وہ شرمناک قابلیت ذرا بھی موجود نہیں جو یونانی عیاشوں میں تھی۔ ان کی حالت یہ تھی کہ عقل و فطنت رکھتے تھے مگر نہ ذلت سے گریز کرتے تھے نہ مطلق العنان حکومت سے نفرت رکھتے تھے۔ ہم بالکل سادہ دل پیدا ہوئے تھے۔ ہمارے خیالات کی سادگی پر دنیا کو حیرت تھی۔ لیکن جب ہمارے خیالات ہم سے چھین لیے گئے تو ہم مضبوط الحراس ہو گئے۔ عقل کی نعمت سے محروم ہو گئے۔ اگر یہی حالت جاری رہی تو ایک دن آئینا جب ہم میں حکمرانی کی صلاحیت باقی نہ رہے گی۔ کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ملیگا جو انتظام سنبھال سکے۔

حضور والا! ہم اب ایک ایسے زمانے میں ہیں جس میں عزت اسی کو مل سکتی ہے، جس کی عقل بڑی اور علم زیادہ ہو۔ یہی باعث ہے کہ تمام یورپ میں علم کا غلغلہ بلند ہے اور تمام قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں۔ کوئی حکومت بھی اس کے فکر و اہتمام سے خالی نہیں ہے۔ سوئٹزر لینڈ میں ایک آدمی بھی ان پڑھ دکھائی نہیں دیتا۔ انگلستان میں (جس پر مٹھی بھر امرہ حکومت کرتے تھے مگر اب اپنے امتیازات سے دست بردار ہوتے جاتے ہیں) ۲۵ برس سے اشاعت تعلیم کی عظیم الشان کوششیں ہو رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ پریشیا نے آسٹریا پر صرف اس سبب سے فتح پائی ہے کہ وہ مغلوب سے علم میں زیادہ تھی۔ کیا ہمارے لیے رزا ہے کہ اپنے عقلی انحطاط پر قانع رہیں، حالانکہ ہمارے گرد یورپ، عقلی ارتقاء کے لیے ان تک کوششیں کر رہا ہے؟

میں اس خیال سے پناہ مانگتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت اشاعت تعلیم کے لیے صرف مدارس کی کثرت کا ہی تصور فرمائیں۔ وہ محفل کس کام کے جنہیں مکین نہ ملیں؟ ان مدارس سے کیا فائدہ جن میں ذلت و خواری کی اولاد تربیت پائے؟

مضبوط اخلاق ہی اس وجود میں تھا ایک قوت نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں جرائم کی بھی جرار فوجیں کھڑی ہیں، اور گناہوں کے تخت بھی بچے ہیں۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ مضبوط اخلاق، ایک حکم و راسخ بنیاد ضرور ہے۔ اس کے بغیر کوئی سلطنت قائم نہیں ہو سکتی۔ جب وہ کسی قوم کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، تو اس قوم کی اجتماعی عمارت بھی گر پڑتی ہے۔ اس کا یہ خاصہ عجیب ہے کہ جس جوں اس کی فترتات میں رسعت ہوتی ہے، اس کا دائرہ بھی وسیع و عظیم ہوتا جاتا ہے۔ برخلاف دوسری قوموں کے جو امتداد زمانہ سے کمزور ہو جاتیں اور کامیابی کے بعد فنا ہونے لگتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت کی عظمت اور وطن کی عزت کے تمام خیر خواہ، انتہائی رنج و ملال سے دیکھ رہے ہیں کہ قوم کی شہامت، زائل ہو رہی ہے اور اُسکی شرافت و خودداری ختم ہوتی جاتی ہے۔ یہ اعلیٰ صفات، قوم میں کیونکر باقی رہ سکتی ہیں، اگرچہ کتنی ہی راسخ ہوں، جبکہ مسیحی رعایا کے ساتھ مسلمان بھی گونا گوں ذلتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی دنائیت کے گھونٹ انہیں زبردستی پلائے جا رہے ہیں؟ مسلمان اور عیسائی، حضور والا کی تمام رعایا، حکم کے ظلم و جور سے چیخ رہی ہے۔ یہ حکام وہ ہیں جو حضور کے برائے نام فرمانبردار ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو کیا معلوم کہ وہ شاہی احکام قوم میں جاری کرتے ہیں یا اپنی ہوا و ہوس سے کام لیتے ہیں!

آپ کی سلطنت، عام رائے سے خالی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے عمال، رعایا کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود حضور کے عرش معلیٰ کے برابر بھی ذمہ دار اور جواب دہ نہیں ہیں، کیونکہ کوئی شخص بھی ان کی شکایت عتبات عالیہ تک پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا، اور چونکہ ان کے جرائم ذات شاہانہ کے عام میں نہیں آسکتے، اس لیے ان سے باز پرس بھی نہیں ہو سکتی۔ لہذا وہ بالکل نڈر ہو گئے ہیں۔ رعیت پر دست درازی میں بے باک ہیں۔ ہر قسم کی برائیاں کھاتے بندھوں کر رہے ہیں۔ باشندے دزگڑھوں پر منقسم ہو گئے ہیں۔ ظالم حاکم، کوئی نہیں جو ان کا ہاتھ پکڑے۔ مظلوم رعایا، کوئی نہیں جو اس پر ترس کھائے۔ حاکم، جس کا دعویٰ ہے کہ اس کی قوت، خود سلطان کی قوت ہے، لہذا بے رعب اور بے قید ہے۔ وہ اس قوت کی گہمند میں جملہ معائب و نقائص سے آلودہ ہوتا ہے۔ محکوم، جس کا کام یہ رہ گیا ہے کہ ذلت کے تاریک غار میں برابر گرتا چلا جائے۔ حکام، جنہوں نے رعایا کے لبوں پر قفل چڑھا دیے ہیں۔ اگر کبھی کسی کے منہ سے فریاد کی چیخ بلند ہو جاتی ہے تو یہ حکام اسے بغاوت قرار دے دیتے ہیں۔ لہذا تمام رعایا، نا اُمیدی میں پڑ گئی ہے۔ بے حساب ظلم و جور کے نیچے دبی ہے، مگر خوف سے چپ ہے۔ ظلم کے ہاتھ اس کا گلا دابے ہوئے ہیں، اور اعلیٰ حضرت سے مخفی نہیں کہ ظلم دلوں میں فساد پیدا کر دیتا اور عقلوں میں فتنہ ڈال دیتا ہے۔

ترکوں کی رگوں میں پاک اور بے میل خون مرج زن ہے۔ یقیناً ہم وطن سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ حب الوطنی، ہماری ہمتیں بلند کرتی ہے، بڑی سے بڑی قربانیاں بھی ہم پر آسان کر دیتی ہے۔ ہم بہادر سپاہی ہیں، موت سے نہیں ڈرتے۔ ہم میں وقار ہے اور ہمارے اسلاف سے ہمیں میراث میں ملا ہے۔ ہمارا امتیازی رصف، صریح اخلاص ہے۔ یہی اخلاص ہمیں آمادہ کرتا ہے کہ

بیٹے ہیں کہ قضاء و قدر پر اُن کا پختہ ایمان ہے۔ مہر و سکر کے عالمی ہیں۔ نفس بلند رکھتے ہیں۔ اُن کی یہ صفات 'یورپین' تخیل سے بہت بلند ہیں۔ اس لیے یورپ والے انہیں سمجھ نہیں سکتے۔ پھر یہ مسلمان، اُن شریف اور اولوالعزم اسلاف کی نسل ہیں جو فرمانروائی کے تخت پر جلوہ گر ہو چکے ہیں۔ سلطنت سے اُنکا اخلاص، قرآن پر اُن کے ایمان سے مل کر ایسا راسخ ہو گیا ہے کہ اب تک اُس میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اعلیٰ حضرت اپنے مخلص ترین خادم کو یہ عرض کرنے کی اجازت دیں کہ اب مسلمانوں کا بھی پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔ مصیبت آخری حد تک پہنچ چکی ہے (آلہم) نے اُن کا جسم کھا ڈالا ہے۔ اپنا غم و غصہ چھپانے کی اب اُن میں قدرت باقی نہیں رہی۔ یقیناً حضور والا کے خاندان اور قوم کے لیے یہ سخت خطرہ ہے کہ رعایا، یاس و نا اُمیدی کا شکار ہو جائے۔

مخلوق پر ظلم بہت سخت ہو گیا ہے۔ آپ یقیناً اُس سے متنفر ہیں، اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کی امت کے عظماء و اکابر بھی اُس سے بیزار ہیں۔ لیکن وہ مجموعی حکومت کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ حتیٰ کہ خود اعلیٰ حضرت بھی، جنگی قوت معلوم اور سطوت مشہور ہے، شاید اُسے روکنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اُس کی خبر سمع مبارک تک پہنچتی ہی نہیں۔ حالانکہ وہ اس امت کی مردانگی تباہ کر رہا ہے۔ اُس کی شخصیت گرا رہا ہے، اُس کے فضائل برباد کر رہا ہے۔

میرے آقا! آپ کی رعایا میں ایسے مخلص افراد موجود ہیں جن کے دل یہ دیکھ کر حسرت سے پگھلے جاتے ہیں کہ یہ امت — جو ہماری عزت و فخر ہے — کس طرح نسل کی کمی اور ہجرت کی زیادتی کی وجہ سے کمزور و کم تعداد ہوتی چلی جا رہی ہے۔ لیکن میں اس سے خائف نہیں ہوں۔ ممکن ہے اس میں ہمارے فوجی نظام کو بھی کچھ دخل ہو۔ لیکن جس چیز سے میں ڈرتا ہوں اور جسے رز بروز قریب آتے دیکھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہم مغلوب قوموں کے مشابہہ ہوتے جاتے ہیں۔ رز بروز ہماری معنویت کمزور ہو رہی ہے اور یہ مرض قوم کے تمام طبقوں میں عام ہوتا جاتا ہے۔

میرے آقا! ہمارے اسلاف نے چار صدی پہلے مشرق کی رومن شہنشاہت تہ و بالا گر ڈالی، عروس البلاد اور ملکہ جہاں، قہرمانیہ میں اپنے قدم گاڑ دیے، اور وہ فتح عظیم حاصل کی جو تاریخ میں ایک عظیم ترین کارنامہ شمار کی جاتی ہے۔ لیکن اس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا تھا؟ صرف دین کا اعتقاد اور جنگ میں شجاعت ہی نہ تھی۔ اُن کی وہ اولوالعزمی اور بہادری، درحقیقت، اُن کی معنویت ہی کا ایک جلوہ تھا۔ وہ اپنے سرداروں کی اطاعت، خوش دلی سے کرتے تھے، نہ کہ خوف اور مجبوری سے۔ یہی وجہ تھی کہ ذلت اُن پر قابو نہ پاسکی۔ عقل پر اندھی تابعداری غالب نہ آسکی۔ اُنکی خرد داری برابر باقی رہی۔ استقلال ذاتی نے اُن کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اطاعت نظام (ڈسپلن) کی روح، عزت نفس کی روح سے مل گئی تھی۔ دونوں روحیں، مضبوط اخلاق کی بنیادوں پر قائم تھیں۔ فضیلت نے انہیں گہر کر لیا تھا۔ اس لیے انہوں نے وہ عظیم سلطنت آلت ڈالی جسے استبداد کی ذیلتیں گہر کی طرح لگ گئی تھیں، اور ظلم و جور نے اُس کی تمام چولیں ہلا ڈالی تھیں۔

(مصطفیٰ خاں کا لائحہ)

اہلی حضرت!

کلمہ حق بادشاہوں اور حکمرانوں تک پہنچنا، بہت مشکل ہے۔ درباری اُس پر پردہ ڈالتے اور اُسے چھپاتے ہیں۔ بادشاہ فرمانروائی کے نشہ میں مخمور اور سلطنت کی لذتوں میں غرق، راہ صواب سے غافل ہو جاتے ہیں۔

وہ خیال کرتے ہیں کہ قومیں اپنے ہی کثرت سے پریشانی میں پڑتی ہیں۔ اور اپنی ہی غفلت سے پستی میں گرتی ہیں۔ سلطنتیں، جب برباد ہوتی ہیں، تو قضاء و قدر کے بے زرک ہاتھوں ہی سے برباد ہوتی ہیں۔

واقعات کو رز بروز دیکھنے اور ارہام کرواہام سمجھنے کے لیے انسان کو بڑے ہی اخلاص اور بڑی ہی جرأت کی ضرورت ہے۔ بادشاہ تک بے کم و کاست حقیقت پہنچانے کے لیے آرزو بھی زیادہ اخلاص و جرأت کی ضرورت ہے۔

میرے آقا! یہ اخلاص کبھی میرے دل سے جدا نہیں ہوا۔ خود اعلیٰ حضرت سلطان اس کے شاہد ہیں۔ وہ لوگ بھی اس سے ناواقف نہیں جو میری جلا وطنی کا سبب ہوئے ہیں۔ بلاشبہ زمانے کے مجھے موقعہ نہیں دیا کہ روشن کارناموں سے اعلیٰ حضرت کی ذات شاہانہ سے اپنی عقیدت ثابت کرتا اور اپنی قوم کی فلاح و بہبود — اگر یہ نہ کہوں کہ اُس کے احیا — کے ارادے پورے کر سکتا۔ لیکن میں پہلا آدمی ہوں جس نے اعلیٰ حضرت کے سامنے شاہی حکومت کے عیوب بے پردہ کر کے اور وطن عزیز کے مصائب پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ یہ اس لیے کہ میرا دماغ اعلیٰ حضرت اور سلطنت عثمانیہ کی خدمت کے لیے سراسر وقف ہے۔ مجھے اعلیٰ حضرت کے عرش سے جو عقیدت و وابستگی ہے، اور وطن معسوب سے جو محبت و رازدگی ہے، اُسی نے مجھے میں یہ قوت پیدا کر دی ہے کہ بے خوف و خطر اُن مصائب و آلام پر نظر ڈالوں جو ہمیں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں پیش آرہے ہیں۔ حضور کے اخلاق عالیہ پر میرا یقین مجھے ہمت دلاتا ہے کہ اُن مصائب کی تشریح کروں۔ کوئی ایک بھی مخفی نہ رکھوں۔ سب کو صاف صاف ظاہر کر دوں۔ پھر وہ علاج عرض کروں جو ہمیں شفا بخش سکتا ہے، بشرطیکہ اُس کے استعمال سے پہلے وقت نکل نہ جائے۔

میرے آقا! آپ کی مسیحی رعایا کی جانب سے جس سرکشی کا برابر اظہار ہوتا رہتا ہے، وہ یقیناً، ہمارے اجنبی دشمنوں کی شرارت کا نتیجہ ہے۔ لیکن وہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حکومت کا بوتاؤ اپنی تمام رعایا کے ساتھ کوئی عمدہ بوتاؤ نہیں ہے۔ اس بوتاؤ میں اگر حکومت پہلے معذور تھی تو یقیناً اب اُسے برقرار رکھنے میں اُس کے لیے کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس مسلک کا ثمرہ، ظلم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جہاں، اُس سے پھیلتا ہے، فقر و فاقہ اور شر و فساد کی اُس سے پیدائش ہوتی ہے۔

یورپ خیال کرتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں صرف مسیحی رعایا ہی ظلم و تذلیل کے لیے منتخب کر لی گئی ہے۔ حالانکہ یہ سخت غلطی ہے۔ مسلمان، جن کی حمایت پر کوئی یورپین سلطنت نہیں، مسیحیوں سے زیادہ ظلم اُٹھا رہے ہیں۔ اُن کے مصائب و آلام کبھی زیادہ نہیں۔ وہ اب تک محض اس لیے صبر کیے

## برید شرق

### مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا پیغام - مجلس وطنی کا انتخاب -  
وزراء آستانہ میں - غازی کے خلاف سازش -

(غازی مصطفیٰ کمال کا پیغام)

مجلس وطنی کے انتخاب کے سلسلہ میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی قوم کے نام ایک پیغام شایع کیا ہے۔ یہ تحریر خود موصوف نے اپنے قلم سے لکھی ہے۔ اس لیے نہایت پر زور اور بلیغ ہے۔ اس میں انہوں نے جنگ آزادی کے بعد پہلی مجلس وطنی اور اپنی جماعت ”خلق فرقہ سی“ کی کارگزاریاں یاد دلانی ہیں اور پھر قوم سے اپنی جماعت کے انتخاب کی درخواست کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”آج مرقعہ ہے کہ ہم گزشتہ چار سال کے اندر اپنے عظیم اصلاحی و تعمیری جہاد پر نظر ڈالیں اور اطمینان کے ساتھ وہ کامیابیوں دیکھیں جو ہم نے حاصل کی ہیں۔ ہمارا ملک ایک ایسی مہیب جنگ سے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، فتح محمد نکلا تھا۔ آج اُن مساعی و اعمال کی سخت ضرورت تھی جسے قوم نے زندہ رکھتی ہیں۔ یہ پہلا مرقعہ نہ تھا کہ ترکی قوم نے فتح و نصرت دیکھی تھی۔ ترکی قوم کی پوری تاریخ فتوحات سے لبریز ہے۔ لیکن چونکہ پہلے ترکی قوم میدان جنگ سے باہر کوئی کوشش نہیں کرتی تھی اس لیے اپنی فتح سے کوئی فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتی تھی۔ بلکہ بندہ رنج اُسکی فتح شکست بن جاتی تھی۔ جو فتح مندی برقرار نہیں رکھی جاتی، اُس کے نتائج بسا اوقات،

محنت اور چستی کو بھی کامیابی میں بہت بڑا دخل ہے۔ شروع میں میرا دستور یہ تھا کہ صبح سات بجے سے اپنے کام پر پہنچ جاتا تھا اور گیارہ بجے رات سے پہلے واپس نہیں آتا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ آج کل کے نوجوان انہی محنت نہیں کرسکیں گے۔ لیکن اگر وہ آنتی محنت بھی کریں، جتنی وہ آسانی سے کرسکتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیاب نہ ہو جائیں۔

میرے خیال میں منضبط محنت سے زیادہ لذیذ کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ میں دنیا کے ایک بہترین جہاز کا مالک ہوں۔ بہترین بادبانی کشتی بھی میرے پاس ہے۔ میں نے شکوہ بھی بہت کھیلا ہے۔ عیش و آرام کے جملہ سامانوں سے بھی متمتع ہوا ہوں۔ مگر میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے کسی بات میں بھی اتنی لذت حاصل نہیں ہوئی، جتنی اپنی روز کی محنت میں حاصل ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں، میری کامیابی کا سب سے بڑا راز میری اسی محنت میں ہے۔

ملین ڈالر بھی جمع کر سکوں گا۔ اُس وقت میرے پیش نظر صرف یہ خیال تھا کہ کسی طرح دنیا کا ایک کامیاب آدمی بن جاؤں۔

میرے پیش نظر کامیابی کیا تھی؟ اُس کا معیار کیا تھا؟ میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ کوئی مفصل خیال ذہن میں موجود نہ تھا۔ کامیابی کا محض ایک مبہم سا تصور تھا۔ میں نے بھی تصور اپنا مطمع نظر قرار دے لیا اور کوشش شروع کر دی۔ مجھے خود تعجب ہوا کہ تھوڑی ہی مدت بعد دولت اپنے آپ جمع ہونے لگی تھی اور اب تک جمع ہوتی چلی جاتی ہے!

مجھے آج تک اپنی غربت اور تنگ دستی یاد ہے۔ میں بہت کم عمر تھا۔ طرح طرح کے رولے اور امنگیں دل کو گدگداتی تھیں، مگر میں اپنی کوئی خواہش بھی پوری نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے پیت، پھر کر روٹی بھی نہیں ملتی تھی۔ میں در بدر کام تلاش کرتا رہتا، اور کہیں بھی کام نہیں ملتا۔ سخت جدوجہد کے بعد بالآخر ایک کام ملا۔ ایک بحری حوض میں نوکری مل گئی۔ ہفتہ وار سولہ شلنگ تنخواہ مقرر ہوگئی۔ میں بہت خوش ہوا۔ مگر فوراً ہی میری خوشی رنج سے بدل گئی۔ کیونکہ اس کمپنی کے منیجر مسٹر گوبس نے مجھے بلا کر نہایت خشکی سے کہا ”یہ تنخواہ تمہیں ملے گی، اگرچہ تم اس کے کسی طرح بھی اہل نہیں ہو!“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے دل میں سخت غم و غصہ تھا۔ میں نے عزم کر لیا کہ کچھ ہی ہوجائے، میں اپنی حالت ضرور درست کرے چھوڑوں گا۔ چنانچہ میں نے کوشش شروع کر دی، اور چند ہی سال بعد یہی مسٹر گوبس مجبور ہوئے کہ مجھے اپنی عظیم کمپنی کا شریک بنا لیں!

مجھے سے لوگ پوچھا کرتے ہیں ”آدمی کوز پتی کیسے بن جاسکتا ہے؟“ میرا جواب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ دولت جمع کرنے کا کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے۔ اس کا مدار صرف دو باتوں پر ہے: ذہانت اور قسمت۔ اگر انسان کو ان دونوں میں سے کافی حصہ ملا ہے، تو بلاشبہ وہ بہت زیادہ دولت جمع کرلے سکتا ہے۔

بہت سے معمولی ذہانت کے لوگ ہمیشہ ”زمانہ“ کو ملامت کیا کرتے ہیں کہ اُن کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہ کہتے ہیں ”اگر ہمیں ایک مرقعہ بھی میسر آجائے تو ہم فوراً دولت مند بن جائیں“ لیکن یہ اُن کی غلطی ہے۔ قصور زمانے کا نہیں خود اُن کا ہے۔ اُن کی ذہانت و قابلیت کا ہے۔ اعلیٰ ذہانت کے لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مرقعہ کا انتظار نہیں کیا کرتے۔ وہ خود مرقعہ پیدا کرتے ہیں اور اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

میں نوجوانوں کو ہمیشہ نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ اپنی تمام قوتیں اور کوششیں ایک ہی طرف متوجہ رکھیں۔ کیونکہ بغیر اِس کے دولت حاصل نہیں ہوسکتی۔ مختلف کام شروع کر کے کوششیں پراگندہ کر دینے سے اکثر ناکامی کی مصیبت پیش آجایا کرتی ہے۔ ہمیشہ ایک مرکز بنانا چاہیے، اور اُسی پر تمام قوتیں صرف کردینی چاہئیں۔ بلاشبہ میں بھی اُن لوگوں میں ہوں جو بیک وقت بہت سی تجارتیں پھیلانے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ میں نے اب کیا ہے جبکہ ایک بڑے سرمایہ کا مالک بن چکا ہوں۔ شروع شروع میں نے کبھی یہ جرأت نہیں کی کہ بہت سے کام لے کر بیٹھ جاؤں۔





# برید رنگ



## بد نصیب، کروڑ پتی

(کیا دولت، مسرت کا سبب ہے؟)

(دولت جمع کرنے کے لیے ہے یا خرچ کیلئے؟)

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دولت مند، خوش نصیب ہیں۔ اور فقر و فاقے میں مبتلا انسان بد نصیب۔ لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے کروڑ پتی، انتہاء درجہ بد نصیبی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور بہت سے نان شبینہ کے محتاج ہیں جنہیں مسرت و سعادت کی زندگی حاصل ہے!

حال میں مسٹر چارلس ولنٹ نے جو ایک مشہور امریکن کروڑ پتی ہیں، اس موضوع پر ایک مضمون شائع کیا ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ مفلس اور امیر، دونوں اسے غور سے پڑھیں۔

وہ لکھتے ہیں:

دولت، مسرت و سعادت کے لیے کوئی لازمی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ مسرت، درحقیقت خود اس شخص پر موقوف ہوتی ہے جو اس کا متمنی ہوتا ہے۔ میں بہت سے کروڑ پتیوں سے واقف ہوں۔ یہ دنیا کے سب سے زیادہ بد نصیب انسان ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے مفلس انسانوں کو بھی جانتا ہوں جو نہایت پر مسرت زندگی بسر کر رہے ہیں!

مجرد دولت سے اسی شخص کو مسرت حاصل ہو سکتی ہے جو حد سے زیادہ طماع اور صرف مال کا حریص ہو۔ ورنہ محض دولت کے جمع ہوجانے سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ مسرت بھی جمع ہو جائے۔

دولت سے بھی شخص مسرت حاصل کر سکتا ہے جو صرف اس کا جمع کرنا ہی نہیں جانتا، بلکہ خرچ کرنا بھی جانتا ہے۔ میرے خیال میں وہی دولت مند، مسرت و سعادت محسوس کرتے ہیں جو اپنی دولت بہتر طریقوں پر خرچ کرنا جانتے ہیں۔

میں بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں جو کہا کرتے ہیں ”اگر ہمیں ایک ملین ڈالر مل جائے تو ہم مطمئن ہو جائیں اور خوش و خرم زندگی بسر کریں“ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اتنی دولت جمع ہوجانے کے بعد بھی وہ خوشی محسوس نہیں کریں گے، الا یہ کہ وہ یہ بھی سیکھ لیں کہ اپنی دولت کس طرح خرچ کرنی چاہیے؟

جب میں نے دولت جمع کرنی شروع کی، تو ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ میں عنقریب کروڑ پتی بن جاؤں گا۔ میرے خراب میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ ایک

آزادی، قوموں کے لیے اولین مہربی ہے۔ آزادی ہی تمام دوسرے مہربوں کو پیدا کرتی ہے۔ کوئی مہربی بھی آزادی کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ کوئی مہربی بھی آزادی کا عمل انجام نہیں دے سکتا۔ غلام قوم میں علم کی تعقیر کرتی ہیں، کیونکہ علم انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ قومیں اسی وقت علم کی طرف راغب ہوتی ہیں، جب انہیں اپنے حقوق کی جانب سے اطمینان ہوجاتا ہے۔ وہ علم اس لیے حاصل کرتی ہیں کہ اپنے حقوق سے فائدہ اٹھائیں۔ اور بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ ہر جاہل اور غلام قوم، بزدل ہوتی ہے یا خائن۔

اعلیٰ حضرت! اس وقت ہماری مصیبت صرف یہی نہیں ہے کہ ہم مغربی کمزوری اور عقلی فساد میں مبتلا ہیں۔ ہماری مصیبت اس سے بھی بڑی ہے۔ ہم ہر جگہ ایک جبار و قہار دشمن کو اپنے سامنے پاتے ہیں۔ وہ بے رحم دشمن، ہمارا افلاس ہے۔ حضور نے کتنی مرتبہ اپنے خزانے خالی دیکھے؟ کتنی مرتبہ تنخواہیں تقسیم کرنے کے لیے ریبہ موجود نہ پا کر رنجیدہ ہوئے؟ آپ کا رحیم قلب یہ سوچ کر ہمیشہ کس قدر اداس ہوتا رہا ہے کہ عمال سلطنت کی تنخواہیں بہت حقیر ہیں؟ یہ اس لیے کہ حضور جانتے ہیں، مشرقی عہدہ دار جب تنخواہ کافی نہیں پاتے، تو رشوت خوار ہو جاتے ہیں۔ رعایا میں لوٹ کھسوٹ شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن سلطنت کے خزانے خالی ہونے پر ہمیں اتنا افسوس نہیں جتنا رعایا کی غربت کا افسوس ہے۔ کیونکہ سرکاری خزانہ محض اس لیے خالی رہتا ہے کہ رعایا غریب ہے۔ رعایا کا افلاس، ایک عظیم ترین خطرہ ہے۔

دنیا کی حکومتوں میں صرف اعلیٰ حضرت ہی کی حکومت ایسی ہے جو اتنے قلیل خراج پر زندہ ہے۔ حضور کی سلطنت نہایت عظیم، وسیع، اور آباد ہے۔ تعجب ہے کہ رعایا اتنا قلیل خراج بھی ادا نہیں کر سکتی! لیکن ہمارا یہ تعجب باقی نہیں رہتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ خراج جمع کرنے کا طریقہ، ایک بدترین طریقہ ہے۔ ہماری قوم، بہت ہی کم کام کرتی ہے۔ وہ ہر ہنر سے جاہل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہے اور حکومت کا خراج ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ حالانکہ دوسرے ملکوں کی رعایا ہم سے بہت زیادہ خراج بخوشی ادا کر دیتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی سلطنت میں ہر چیز کو زوال آگیا ہے: زراعت، تجارت، صنعت، کوئی چیز بھی تباہی سے نہ بچتی۔ ہم پیدا کرنے کے طریقے بالکل بھول گئے ہیں اور اپنے فقر و فاقہ کے مشاہدہ پر قانع ہیں۔ فقر کی ہیبتناک صورت ہمارے سامنے ہے۔ ہم اس کی دہشت سے ہمت و جرأت کا کوئی کام کر ہی نہیں سکتے۔



ن

## غضبناک مجبوء

## L'ARRABIATA

پال ہیس کے قلم سے

پال ہیس (P. H. H. H.) جرمنی کا مشہور معروف شاعر اور فاضل نگار۔ علامہ برٹس نے اس کا ترجمہ کیا۔ اس کے دیوان اور اس کے افسانے ہیں تصدیق ہوئے ہیں کہ اس کا خیال غریبی ہو گیا۔ ذیل میں اس کے ایک مقبول عام فاضل کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

پوچھ رہی تھی۔ آتش فشاں دیر دیں کی چوٹی، سیاہ بادل میں چھپی تھی۔ اُس کے دامن شربانی تک پھیلے ہوئے تھے۔ قرب و جوار کے گاؤں بھی اندھیرے میں تھے۔ سمندر خاموش اور صاف تھا۔ طبع سورتو کے کناروں پر ابھی گیر اور اُن کی عورتیں اپنے پروڑہ کے کام شروع کر چکی تھیں۔ کوئی ہاتھ بھی غالی نہ تھا۔ بوڑھے اور بچے تک محنت کر رہے تھے۔

”ریشل!“ ایک ٹہریلے اپنی پوتی سے کہا۔ ”اے، پادری اور اُن کا گلیا۔ انٹونیو، اُسے اپنی کشتی میں جریرہ کا پری لے جائے گا۔ مگر طبع کی آنکھیں بند کے خار سے اب تک بھاری ہوتی ہیں۔“

سب لوگ پادری کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس کا چہرہ زورانی تھا۔ دائیں بائیں، سر کے اشارے سے، مسکراتے ہوئے، سب کا سلام قبول کیا اور اپنے کپڑے صیقل سے مسکرتی میں چلے گیا۔

”ہمارا پادری، جریرے میں کیوں جا رہا ہے؟“ چھوٹی لڑکی نے اپنی دادی سے سوال کیا۔ ”کیا وہاں کوئی پادری نہیں ہے؟“

”تم ٹھیک کہتی ہو۔ دادی نے اپنا پوچھا کہ کیا وہاں جریرے میں بہت سے پادری ہیں۔ وہاں کے سے خوبصورت کنبے دنیا بھر میں ہیں موجود ہیں۔ لیکن وہاں ایک امیر عورت جا رہی ہے۔ ایک زمانے میں وہ یہاں رہتی تھی۔ اُس وقت بھی جا رہی تھی اور ہمارے اسی پادری کی دھڑ سے ابھی ہوئی تھی۔ اس خوشی میں اُس نے پادری کو، اُس کے کنبے کو، اور ہمارے فقروں کے بہت کچھ دیا تھا۔ اب پھر اُس نے پادری بلایا ہے تاکہ دیا چھوڑے۔ یہ پہلہ اس مقدس آدمی کے سنا احترام گناہ لگنے سے پہلے کہ ہمارے پادری جیسا اچھا اس وقت کوئی پادری بھی نہیں ہے۔“

”یہ کہہ کر ٹہریلے نے ایک مرتبہ پھر پادری کو سلام کیا، کیونکہ اُس کی کشتی اب روانہ ہونے کو تھی۔“

”موم کھینچا ہے؟“ پادری نے آج کی طرف نظر اٹھا کر انٹونیو سے کہا۔

”ابھی سوچ نہیں سکا۔“ لڑکھ نے جواب دیا۔ یہ تمام بادل سوچ چکے ہی چھٹ جائے گا۔“

”تو جلدی کرو۔ دھوپ سے پہلے ہم چل جائیں۔“ پادری نے کہا۔

”نوجوان انٹونیو نے دائیں اٹھائی۔ مگر وہ اچانک رُک گیا تھا۔“

کی طرف گھومے دیکھنے لگا۔ شکر پر کوئی آدمی تیزی سے بڑھا چلا آتا تھا اور ہاتھ مارا مارا لڑنے لگا تھا۔

یہ دراصل ایک لڑکی تھی۔ اُس کی ہڈیوں میں ایک گھڑی دبی تھی معمولی لباس پہنے تھی۔ ظاہری وضع، فقر و غریب کا پتہ دیتی تھی۔ اُس کے کانے بالوں کی لٹیں ہوا میں اڑ رہی تھیں۔ انٹونیو نے اُسے پہچان لیا۔

”انتظار کیا ہے؟ پادری نے سوال کیا۔“

”ایک اور شخص بھی جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”اگر اُس کی کشتی میں جریرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دینا۔“

”جی! چلی آہ پادری نے دوشیزے شفقت کے لہجہ میں کہا۔ انٹونیو بڑھا چلا آیا۔ وہ تیرہ سالہ لڑکے سے چھ لینا نہیں چاہتا تھا۔ لڑکی کی طرف سارا دینہ کر ڈال رہا تھا۔ دیکھ اُس نے کنبے کے لئے اپنی چادر بکھادی ہے۔ سب جہاں ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی کے لئے آتا کرتے ہیں جتنا اپنے دس یا دس لڑکوں کے لئے بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ میں مقدس باب بھی کہتے ہیں۔ اتنی ہی نہیں انٹونیو شفقت کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے ناخوش ہوں۔ یہاں خدا کی شفقت ہی ہے کہ ہر کوئی اپنے ہم جنس کی طرف جھکے۔“

اب مودلا کشتی میں اُتر چکی تھی۔ وہ پادری کے قریب چلے گئی۔ لیکن انٹونیو کی چادر دھڑلے کے۔ انٹونیو اس حرکت پر کچھ بڑبڑایا اور کشتی روانہ ہوئی۔

”میں گھڑی میں کیا ہے؟“ پادری نے دوشیزے سے پوچھا۔ اب سوچ کر ہنس رہا تھا۔ اُس کی روپوشی کر میں ان مسافروں پر پڑ رہی تھیں۔

”ریشم، مدد، اور دلی“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”ریشم اور مدد، جریرے میں کچھ جائے گا۔ مدد میں کھا دیں گی۔“

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ پڑا جتنا بھی سیکھا تھا؟“ پادری نے پھر سوال کیا۔

”اے۔ لیکن میری ماں کی جلدی مجھے گھر سے بچنے نہیں دیتی کہ اس ہنر کی ابھی طرح مشق کر دوں۔ خود میرے پاس اتنا دوشیزے نہیں کہ گھر میں بننے کا سامان جمع کر دوں۔“ لڑکی نے حیرت سے جواب دیا۔

”اب اُس کا کیا حال ہے؟“ پادری نے گہری ہمدردی سے کہا۔ ”اے! بیچارہ نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ پھل دھج ج میں نے دیکھا تھا تو ذرا اچھی تھی۔“

”یہ موسم ہمیشہ اُسے تکلیف دیتا ہے۔“ لڑکی نے ناامیدی کے لہجہ میں جواب دیا۔

”دعا کر! دعا کر! پادری نے زور دے کر کہا۔ ”کبھی نماز سے غافل نہ ہو۔ دعا سے باز نہ آ۔ شاید خدا سن لے۔“

”تاکیر تری دعائیں قبول ہوں۔“

”موریلانے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحہ کی خاموشی کے بعد پادری نے پھر کہا:

”تمہارا میں نے ابھی سنا کہ لڑکے تھے۔“ غضبناک، ”کے لقب سے بکا رہی تھی۔ یہ کیوں؟ یہ لقب تو سبھی دوشیزوں کے لئے کچھ اچھا نہیں۔“

”تجھے علم اور خوش مزاج ہونا چاہئے۔“

دوشیزہ کے کندنی جہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ اُس کی آنکھیں تیزی سے چلنے لگیں:

”وہ اسی طرح مجھے چڑھاتے ہیں۔“ لڑکی نے غصے سے کہا۔ ”وہ مجھے روتے چڑھاتے ہیں کیونکہ میں اور لڑکیوں کی طرح گاتی ۱۶ جی، اور ان سے ہنسی مذاق نہیں کرتی ہوں۔ وہ میرے کچھ کیوں پڑے ہیں؟ میں نے اُن کا کیا بگاڑا ہے؟“

”سچ ہے؟“ پادری نے سمجھہ ہو کر کہا۔ ”لیکن تمہیں بہر حال ہند ہونا چاہئے۔ لوگوں کو نامچے گلے دو، درد زندگی ناقابل برداشت ہو جائے گی۔“

”مٹی زبان میں بہت بھلائی ہے۔“

دوشیزہ نے اپنی لمبی کالی پلکیں جھکا دیں، گویا اپنی آنکھوں کا راز ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ اب دوران میں سورج طلوع ہو چکا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں چمک اٹھیں۔ سورتو کی طبع کے چھوٹے چھوٹے سفید مکان نارنگی کے باغوں میں صاف نظر آ رہے تھے۔ سردیوں کے کناٹے کناٹے بدلی کے چند ٹکڑے پل رہے تھے۔

کاظم قارا بکیر پاشا وغیرہ میں سے کوئی بھی انتخاب میں شریک نہیں ہے ۔

• (تمام وزراء آستانہ میں)

اس وقت تمام وزراء آستانہ ہی میں موجود ہیں ۔ یورپی غازی کی صدارت میں مجلس وزارت باضابطہ منعقد ہوئی ۔ جمہوری حکومت کی یہ پہلی مجلس سلاطین آل عثمان کے تاریخی محل ' طرلمہ باغچہ میں جمع ہوئی اور مختلف مسائل پر غور کیا ۔

اس واقعہ سے پھر لوگوں میں یہ افواہ پھیل رہی ہے کہ اگر پایہ تخت انگورہ سے یورپی طرح منتقل نہ ہوا تو بھی سلطنت آباد گرمالی پایہ تخت ضرور بنا دیا جائیگا ۔

(غازی کے خلاف سازش)

اس ہفتہ کا اہم واقعہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے قتل کی سازش ہے ۔ اس سازش میں چار آدمی گرفتار ہوئے ہیں ۔ انہیں ارمنی ہیں ۔ ایک ترک بتایا جاتا ہے ۔ سازشیں نے پولیس سے مقابلہ بھی کیا ۔ ایک قتل ہو گیا ۔ تین پکڑ لیے گئے ۔ پولیس کا بھی ایک سپاہی قتل ہوا ہے ۔

مجرموں نے اقرار کیا ہے کہ حکومت یونان کے اشارے سے انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا ۔ تجویز یہ تھی کہ غازی مصوف جب انگورہ واپس جانے لگیں تو راستے میں انکی ریل ڈالنامیت سے آڑا دی جائے ۔

اس خبر نے یہاں کی عام رائے میں سخت ہرجائی پیدا کر دیا ہے ۔ کیونکہ ترکی قوم ارمنیوں اور یونانیوں کی سازشوں سے بہت نقصان اٹھاچکی ہے ۔ سعید حلیم پاشا وزیر اعظم ' غازی انور پاشا ' جمال پاشا ' طلعت پاشا ' کاظم بک وغیرہ ' ترکی کے ایسے فرزند تھے جنہیں سے ہر شخص اپنی جگہ دنیا کا بڑا آدمی شمار ہوتا تھا ۔ مگر شقی ارمنیوں نے سب کو ایک ایک کر کے دھوکے سے قتل ہو ڈالا ' اور ترکی کے دل پر ایسے زخم لگا دیے ' جو مدتوں مندمل نہ ہونگے ۔

اب ان بد بختوں کی نظر غازی مصطفیٰ کمال پاشا پر ہے جو اس وقت ترکی قوم کی روح رواں ہیں ۔

## الہلال کی تصاویر

افسوس ہے کہ دسمبر کی تعطیل کے وجہ سے (جو

کلکتہ میں پرجا کی تعطیل کہی جاتی ہے) وہ تصاویر طیار

نہ ہوسکیں جنہیں الہلال کے صفحات میں درج کرنا تھا ۔

اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس کی تلافی آئندہ اشاعت

میں کی جائے ۔

شکست سے بھی زیادہ بد تر ثابت ہوئے ہیں ۔ لیکن اس مرتبہ ہم نے اس قدیم سنت پر عمل نہیں کیا ۔ ہم فوراً اصلاحی اور تعمیری کوششوں میں لگ گئے ۔ حالانکہ امن میں ہماری مساعی ' حالت جنگ کی مساعی سے بھی کہیں زیادہ عظیم تھیں ۔ ہم نے عزم بالجزم کو لیا تھا کہ اس فتح میں سے فائدہ اٹھالینگے اور اسے ترکی قومیت کی تجدید کا سنگ بنیاد بنا دیں گے ۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا !

اس کے بعد غازی نے اپنی جماعت کی کارگزاریاں بیان کی ہیں :

"جنگ آزادی سے ملک ایک عظیم اصول لے کر باہر نکلا ۔ وہ اصول یہ تھا "سیادت بلا کسی قید و شرط کے صرف قوم ہی کی ہے" اسی اصول کی بنا پر جمہوریت کا اعلان کیا گیا ۔ اسی اصول کی بنا پر منصب خلافت منقوف کیا گیا جو صدیوں سے ترکی قوم کے سر پر ناقابل برداشت بار تھا ۔ ہماری جمہوری جماعت کی رائے ہے کہ ہر اجنبی مداخلت نے جمہوریت کی حفاظت کرنا ترکی قومیت کے مستقبل کے لیے ناگزیر ہے ۔ یہی سب سے بڑا وطنی فرض ہے ۔ یہی قوم کی زندگی کی اصلی ضمانت ہے "

اس کے بعد موصوف نے ان حیرت انگیز ترقیوں کا ذکر کیا ہے جو اس قلیل مدت میں ان کی جماعت کے ہاتھوں ظاہر ہوئی ہیں ۔ بالآخر پیغام اس عبارت پر ختم ہوتا ہے :

"اس زندگی میں میرا سب سے بڑا بھروسہ اور میری سب سے بڑی قوت یہ ہے کہ قوم مجھے اعتماد کرتی ہے ۔ یہی سبب ہے کہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی رہا ہے کہ اس امانت کو زیادہ سے زیادہ مقدس سمجھوں اور بہتر سے بہتر طریقہ پر ادا کرنے کی کوشش کروں ۔ اگر تم ہمارے نام زد کردہ اشخاص کو اپنی مجلس وطنی میں بھیجو گے تو ہم در بارہ تمہاری خدمت کا موقع حاصل کرسکیں گے ۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مستقبل میں ترکی جمہوریت اور ترکی قوم کی آرزو بھی زیادہ شاندار خدمتوں میں انجام دے سکتا ہوں ۔ عنقریب ترکی کا مستقبل بہت ہی عظیم ہوگا ' کیونکہ اس کے افراد پوری ہمت سے مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہیں "

(مجلس وطنی کا انتخاب)

مجلس وطنی کے انتخابات ختم ہوئے ہیں ' ہر طرف سے خبریں آ رہی ہیں کہ جمہوری یا کمالی جماعت کامیاب ہو رہی ہے ۔ لیکن یہ کامیابی کوئی ایسی کامیابی نہیں ہے جسے انتخاب اور مقابلہ کی کامیابی سے تعبیر کیا جائے ۔ کیونکہ اس جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت ملک میں موجود ہی نہیں ہے ۔ اور اگر ہے تو انتخاب میں شریک نہیں ہوئی ہے ۔

غازی مصطفیٰ کمال کی جمہوری جماعت کی طرف سے ۳۱۶ امیدوار کھڑے کیے گئے ہیں ۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۴۹ - انتظامی آدمی ہیں - ۴۶ - کاشتکار ہیں - ۴۰ فوجی افسر ہیں - ۳۴ وکالت پیشہ ہیں - ۲۵ علمی آدمی ہیں - ۲۵ تاجر ہیں - ۲۳ اخبار نویس ہیں - ۲۳ ڈاکٹر ہیں - ۲۳ ماہر اقتصادیات ہیں - ۹ سیاسی ہیں - ۷ انجینیر ہیں - ۳ محکمہ تار اور ڈاک کے آدمی ہیں - ۳ آلات سازی کے ماہر ہیں - ایک دروازہ ساز ہے ۔

اس مرتبہ مخالفین سے میں کمی ایک شخص کو بھی اس جماعت نے نامزد نہیں کیا ۔ چنانچہ علی فواد پاشا ' طیار پاشا '

”مختارے یہاں سیکھتے تھے اس لیے؟“ شرب خانے کی مالک نے اس سوال کیا۔

”اس سال فصل بہت خراب تھی۔ اب آنا شروع ہوئے ہیں انھوں نے جواب دیا۔“

”ابھی موسم بہار بھی دیر میں آئے گا“ شرب خانے کی مالک نے کہا۔

”مختارے یہاں آمدنی اس جزیرے سے زیادہ ہے؟“

”پیشہ بھر دینی بھی نہیں، اگر کشتی میرے پاس ہوتی، انھوں نے خشتی سے جواب دیا۔ لیکن یہاں چھپا، ناوہنگی کے کئی باغوں کا مالک ہے وہ کہا کرتا ہے جب تک میں زندہ ہوں، تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے۔ مگر وقت بھی تجھے نہیں بھولے گا!“

”اس مالدار چلنے کے ادا بھی ہے؟“ عورت نے سوال کیا۔

”نہیں“ انھوں نے کہا۔ ”اُسے شادی ہی نہیں کی۔ دو بھائیوں میں دیکھتے دولت جمع کر لی۔ وہ غریب ایک شکار خانہ بنانے والا ہے اس کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں ہے گا۔“

”انھوں نے تم بڑے جوان ہو“ عورت نے خوشامد سے کہا۔

”زندگی سب کے لئے کھٹیں ہے“ نوجوان ملاح نے شانے ہلکا کر کے باہر نکل کے پھر تمام راستے اور آسان دیکھنے لگا۔ حالانکہ خوب جانتا تھا، موسم معلوم کرنے کے لئے یہاں دیکھنے کی ضرورت نہیں!

”میں ایک اور بوتل لاتی ہوں“ شرب فروش عورت نے کہا۔ مختار چچا تو دام ادا ہی کر کے گا۔“

”نہیں“ انھوں نے اصرار کیا۔ ”پہلی ہی بوتل نے سرچرکا دیا ہے“ وہ یہ کہنے ہی پایا تھا کہ کسی کی چاب سنا دی۔ نوجوان ملاح فوراً پہچان گیا۔ پادری کی اسی آواز کے لئے وہ دن بھر ہمت شکن گوش بنا رہا تھا۔

”میرا ساٹھ سالہ کھڑی تھی۔“

”نوجوان تیزی سے کھڑا ہو گیا۔“

”مجھے فوراً جانا ہے“ اُسے شرب خانے کی مالک سے کہا۔

چشم زدن میں وہ اپنی کشتی پر تھا۔ مودلا، بدستور کھڑی تھی۔ کچھ تردد سی تھی۔ بالآخر اُسے بھی شرب فروش عورت کو سلام کیا اور گھاٹ پر پہنچ گئی۔ وہ اب بھی چاندوں طرے دیکھ رہی تھی۔ شاید کسی اور مسافر کو ساتھ لے کر خیال کر رہی تھی۔ لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ سندھ ٹھنڈا تھا۔ ابھی گریں سو رہے تھے اپنے حال درست کرنے میں ایسے مصروف تھے کہ کبھی نے توجہ نہ دی۔

انھوں نے ایک لمحہ چپ کھڑا۔ اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ آخر وہ کشتی سے کنا لے آیا اور کچھ کے بغیر مودلا کو اس طرح گود میں اٹھالیا کہ ایک چھوٹا سا بچہ ہو۔

مودلا کشتی کے بالکل آخر میں جا کر بیٹھی۔ اُسے اپنا سر اس قدر جھکا لیا کہ صرف آدھا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے بال ہتھ میں ڈبے سے تھے اور چشم دابر کو چھپاتے تھے۔ خوبصورت ناک کھڑی دکھائی دیتی تھی۔

وہ غیظ و غضب سے لبریز تھی!

سمندر میں کچھ دور جانے کے بعد ڈوبتے ہوئے سورج کی تیش سے محسوس ہوئی۔ اُس نے کھڑی کھولی اور روال نکال کر سر پر باندھ لیا۔ پھر روتی کھانے لگی کیونکہ صبح سے بالکل بھوک تھی۔

اب تک دونوں بالکل خاموش تھے۔ انھوں نے مودلا کو ردھی روتی کھانے دیکھ کر ڈوڑی سے دنا دنگیاں نکال کر بٹھا دیں۔

”خود لیا“ ملاح نے لڑکھائی آواز میں کہا۔ روتی، اس کا ہاتھ کھاؤ۔ یہ نہ سمجھنا میں نے یہ ناوہنگیاں تمھارے لئے بچا رکھی تھیں۔ یہ لڑکی بچہ لگی نہیں، تو بٹے پر نظر آئیں۔“

انھوں نے اس وقت جھوٹا ہل رہا تھا!

”تم ہی کھاؤ“ لڑکی نے غصہ سے کہا۔ ”میرے لئے روتی کافی ہے۔“

”اس لڑکی میں ناوہنگی اچھی ہوتی ہے، تم بہت چکر آئی ہو“ انھوں نے کہا۔

”میں پانی پی چکی ہوں“ غصہ در لڑکی نے خشتی کو جواب دیا۔

”خیر، ملاح نے کہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

اس وقت سمندر بالکل خاموش اور آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ طرے شانہ تھا، حتیٰ کہ ساحل پر اُٹنے والی چٹیاں بھی اس پر صاف منظر کے سامنے ساکت تھیں۔ صرت کشتی سے موجوں کے ٹکڑے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

”تم اپنی ماں کے لئے ناوہنگیاں لے جا سکتی ہو۔“ انھوں نے بچہ بچی کے کہا۔

”مگر میں ناوہنگیاں کھتی ہوں“ لڑکی نے پھر خشتی سے جواب دیا۔ جب ختم ہو جائیگی تو میں اور خرید سکتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے“ ملاح نے شرمندہ ہو کر کہا۔ ”لیکن یہ ناوہنگیاں میری طرف سے اپنی ماں کو دینا۔ میرا سلام کہنا۔“

”وہ تمھیں نہیں جانتی“ مودلا نے جھجکا کر کہا۔

”تم میرا قتل کر دینا“ انھوں نے پھر کہا۔

”میں بھی تمھیں نہیں جانتی“ لڑکی کا صاف جواب تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ مودلا نے ملاح سے لڑکی کا انکار کیا۔ اس نے پہلے کا واقعہ کہ ایک اتوار کو مودلا کا عاشق (موصوفی) جب گاؤں میں آیا اور پہلی مرتبہ اس لڑکی کو دیکھا، تو بہت ہو کر اُس کے حسنِ جمال کا نظارہ کرنے لگا۔ عین اُسی وقت انھوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ موصوفی اپنے خیالات میں محو تھا کہ انھوں نے جان بوجھ کر گیند ایسا لڑا کہ غریب کے سر پر زور سے لگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُس مظلوم سے لڑنے کے لئے بھی آگاہ ہو گیا۔

کئی سہنٹے بعد جب مودلا نے شادی کی درخواست نامعلوم کر دی تو موصوفی نے چلتے وقت کہا۔ ”میں جانتا ہوں، اُس نوجوان کی وجہ سے تم مجھے سوکھا جواب دے رہی ہو۔ مگر مودلا نے اُس وقت بھی یہی کہا: ”ہرگز نہیں، میں اُسے بچا جانتی تک نہیں۔“

حالانکہ وہ گیند کے واقعہ سے واقف ہو چکی تھی اور انھوں نے کوئی طرح جانتی تھی۔

آج اس وقت دونوں کشتی میں ہیں۔ تنہا ہیں۔ اس طرح بیٹھے ہیں گویا حریف ہیں۔ حالانکہ دونوں کے دل بڑی طرح دھڑک رہے ہیں!

انھوں نے وہ ہمیشہ کا امن کھ نہ جواں، اس وقت، فطرتاً سے سرخ ہو رہا ہے۔ بڑی ہی قوت سے کشتی کھ رہا تھا۔ پانی کے قطرے اڑ کر مودلا پر گرتے تھے ساتھ ہی کچھ غصے میں بڑبڑا بھی رہا تھا۔

مودلا اس طرح بیٹھی تھی گویا اُسے دیکھ ہی نہیں رہی ہو۔ بڑی ہی بے پروائی سے کشتی کا کناہ دیکھ رہی تھی اور ہاتھ نیچے پانی سے کھینچتی جاتی تھی۔ پھر اُس نے اپنے سر کا روال کھول دالا۔ ایک ہاتھ سے بال درست کرنے اور دوسرے سے رخسار پانی سے تر کرنے لگی۔

وہ اس انداز سے بیٹھی تھی، گویا کوئی دوسرا ہاں موجود ہی نہیں ہو۔ کشتی، کھلے سمندر میں بچی جزیرہ منظر سے ادھل ہو گیا۔ سودوٹ کا کنارہ بھی دھند ہو۔ قرب و جوار میں کوئی اور کشتی بھی دکھائی نہیں دیتی۔

انھوں نے چاندوں طرف دیکھا۔ اُس کے تیرا ایسے ہو گئے گویا کوئی فرم مصر کر چکا ہو۔ اُس کے رخسار کی مرغی غائب ہو گئی۔ زردی چھا گئی۔ اُس نے اپنا کٹھن سے ہاتھ اٹھائے۔

مودلا نے اُسے دیکھا بغیر کسی خون، مگر ہوشیاری سے۔

”اب فیصلہ ہو جانا چاہئے“ انھوں نے ہلکا ہلکا چلایا۔ یہ کھیل بہت بچہ

مودلا نے اُسے دیکھا بغیر کسی خون، مگر ہوشیاری سے۔

”اب فیصلہ ہو جانا چاہئے“ انھوں نے ہلکا ہلکا چلایا۔ یہ کھیل بہت بچہ

عجب ہی میں اب تک زندہ کیسے ہوں؟ تم کہتی ہو مجھے نہیں جانتی! حالانکہ اس تمام زمانے میں مجھے دیکھتی رہی ہو کہ بالکل کی طرح تجھے پیچھے پھرتا ہوں۔ میرا دل بٹھا جاتا ہے۔ اپنا دکھ کتنا چاہتا ہوں، مگر حقارت سے ہمیشہ بے پردائی دکھاتی ہو۔ گویا میں کوئی ہستی ہی نہیں رکھتا!“

”کیا؟“ لڑکی نے پشیمانی پر ہل ڈال کر کہا۔ ”مجھے کیا چاہتے ہو؟ ہاں میں سمجھتی تھی تم مجھ سے تعارف چاہتے ہو۔ لیکن میں بلا سبب لوگوں کی یہ سلگواؤں کا نشانہ بننا نہیں چاہتی تھی۔ خصوصاً جبکہ میں تمھیں اپنا شوہر نہ مانا تھا۔“

”نہ کسی انسان کو! انھوں نے دانت پیس کر کہا۔ تم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتیں، صرت اسی وقت کہہ رہی ہو، کیونکہ اُس وقت سے شادی بعد نہیں کی۔ لیکن تم نا سمجھ ہو۔ آج نہیں تو مستقبل میں تم شادی کوئی ہی بڑے گی۔ موصوفی، کسی اور کو شوہر بناؤ گی۔“

”کون جانتا ہے؟“ مودلا نے سیدھی سے کہا۔ ”مستقبل کو کوئی نہیں جان سکتا۔ مگر میں اپنا خیال بدل دے۔ لیکن تمھیں اس کی فکر کیوں ہے؟“

”مجھے فکر کیوں ہے؟“ انھوں نے چلایا۔ ”یہ کشتی میں کھڑا ہو گیا۔ کشتی دایں بائیں جھلنے لگی۔ مجھے فکر کیوں ہے؟ یہ تم کہتی ہو؟ خوب جانتی ہو! تم کھل کر کہتا ہوں، جس شخص کو بھی تمھیں ترجیح دے گی، اُس کی جان میرے ہاتھ سے جلے گی! میں برداشت نہیں کر سکتا! برداشت نہیں کر سکتا!“

”کیا؟“ مودلا نے پشیمانی پر ہل ڈال کر کہا۔ ”کیا میں تم سے کوئی دھوکہ کھاتی ہوں؟ اگر تم پاگل ہو جاؤ تو میرا کیا قصہ ہے؟ تمھیں پھر کیا حق حاصل ہے؟“

”آہ! حق! ملاح نے جوش سے چلانا چاہا مگر اُسے رونا لگ گیا۔ آواز دھڑکی گئی۔ بے شک میرا حق کس لکھا ہوا نہیں ہے۔ کسی حکم نے مانا نہیں ہے۔ کسی دلیل نے ثابت نہیں کیا ہے۔ کسی انسان نے جاننا نہیں ہے۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ تم میں حق رکھتا ہوں، ٹھیک اُسی طرح جس طرح آسمان (جنت) میں میرا حق ہے اگر میں سمجھتا ہوں کہ تم بڑا دل۔ کیا تم مجھے ہو کہ میں تمھیں کسی دوسرے شخص کے ساتھ کرے میں جاتے دیکھوں گا اور خاموش رہوں گا؟ کیا میں برداشت کر سکتا ہوں کہ گاؤں کی لڑکیاں شانے ہل کر میرا مذاق اڑائیں؟“

”جو جی چاہو کر دو“ لڑکی نے سکون سے جواب دیا۔ ”میں تمھاری دیکھوں سے ڈر نہیں سکتی۔ میں آزاد ہوں، جو میرے جی میں لے گا، کر دے گی!“

انھوں نے غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ اُس کا تمام بدن کانپنے لگا: ”پھر کبھی نہ کنا“ ملاح چلایا۔ ”میں وہ نہیں ہوں کہ تیری بیوی ایک لڑکی میری زندگی برباد کر ڈالے۔ تو اس وقت میرے بس میں ہے۔ اچھی طرح سمجھ لے۔ میرا حکم ماننا ہو گا!“

مودلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں غصہ سے لال ہو گئیں۔ اُس نے ملاح کو جرات سے دیکھا:

”ہمت ہو تو اڑاؤ لواء! اُس نے پورے سکون سے کہا۔

”جو کہتا ہوں، وہی کرتا ہوں“ انھوں نے زور سے کہا، مگر اُٹھا کی آواز بھرا گئی۔ ”یہاں سمندر کی تہ میں ہم دونوں کی جگہ ہے۔ مغز خاتون! میں اس سے باز نہیں رہ سکتا۔“

اُس نے یہ لفظ بڑی حسرت و تکلیف سے کہے۔ اُس کا چہرہ بالکل دیوانوں کا سا ہو گیا تھا:

”لیکن“ اُس نے پھر کہا۔ ”میں ساتھ ہی چلنا چاہتا ہوں۔ اچھی چلنا چاہئے۔ فوراً چلنا چاہئے۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور مودلا



”موریلہ! پادری نے پھر گنگو شروع کی۔“ لڑکی مسکرتی ہو کر  
خبر ہو؟

موریلہ نے اپنے نازک مونہ پر ہلکا سا ہنسا کر کہا۔

”تھوڑی تصویر آدھ پاتا تھا، تم نے انکار کیل کیا؟ پادری  
نے پھر سوال کیا۔

”میری تصویر کیوں؟“ دوشیز نے ہنسنے لگا کر جواب دیا۔ کیا مجھ  
سے زیادہ خوبصورت عورتیں موجود ہیں؟ کون جانتا ہو میری تصویر کے  
کیا کرتا؟ شاید جادو کر دیتا۔ مجھے تکلیف دیتا۔ قتل کر ڈالتا۔ میری ماں  
یہی کہتی تھی۔

”ہش! پادری نے غلوں سے کہا۔“ فضلیہ نے گور کیا۔ تم خدا کی  
اماں میں نہیں ہو؟ کیا خدا کے حکم بغیر ایک ذرہ بھی پل سکتا ہو؟ کوئی  
انسان بھی تیرا رول دینا نہیں سکتا۔ پھر وہ تو تجھے برا بھلا کہتا تھا،  
وہ شادی کی درخواست کیوں کرتا؟

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

”تم نے شادی کیوں منظور کی؟“ نیکل پادری نے سوال  
کیا۔ ”لوگ کہتے ہیں شریف و معقول آدمی تھا۔ تیری ادب و عزت کی  
کی خبر گیری کرتا۔“ دوشیز نے کہا۔ ”تم فائدہ سے ہیں؟“

”ہم بالکل فقیر ہیں۔“ لڑکی نے بڑے ناتواں جواب دیا۔ ”میری  
اماں مدت سے بیمار ہے۔ ہم اسپر لوجھ ہوتے۔ پھر میں عزت و احترام  
بٹنے کے لائق نہیں ہوں۔ اپنے دوستوں کے سامنے وہ مجھے دیکھ کر  
مردود شرمندہ ہوتا۔“

”کیا کہتی ہو؟“ پادری نے خیر خواہی سے کہا۔ ”میں کہتا ہوں  
وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ شاید تمہارے ساتھ سورتو ہی میں رہ جاتا  
ایسا شوہر ملنا مشکل ہے۔“

”میں شوہر نہیں چاہتی۔“ موریلہ نے بہت اہستہ سے مگر قہر  
لہجہ میں کہا۔ ”میں بھی شادی نہیں کروں گی!“

”کیا رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ ہو؟“ پادری نے تعجب  
سے سوال کیا۔

دوشیز نے سر کے اشارے سے انکار کیا۔

”لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ تھوڑی ہو۔“ پادری نے جوش سے کہا  
”تیری ہٹ بہت سخت ہے۔ ایک لمحہ کے لئے سوچ، تیری یہ چند کتنی خطر  
ناک ہو؟ یہ تیری مصیبت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ تیری ماں کی بے بسی  
بڑھانے والی ہے۔ کیا تیرے پاس کوئی ایک دھبہ بھی ہے کہ ایسے شریف  
آدمی کو رد کر دیتی ہو؟ جواب دے۔“

”میرے پاس وہ ہے۔“ موریلہ نے دبی زبان سے کہا۔ ”مگر میں  
بیان نہیں کروں گی۔“

”بیان نہیں کروں گی!“ پادری نے خفا ہو کر اس کے جلد ہر لہجہ  
سے بیان نہیں کر دلی؟ میں جو تیرا آدمی ہوں۔ تو خوب جانتی ہو تیرا  
خیر خواہ ہوں۔ کیا یہ صحیح نہیں؟“

موریلہ نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

”تو اپنا راز مجھ پر ظاہر کر۔“ پادری نے شفقت سے کہا۔ اگر وہ  
ٹھیک ہوگی تو میں سب سے پہلے تائید کر دوں گا۔ تم ابھی بہت کم عمر ہو۔  
اس دنیا سے بالکل بے خبر ہو۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ زہریلے پتھر  
کھوینے پر آموس کر دیں۔ معلوم ہوتا ہو، خدا نے تمہارا اس شخص کو  
تمہارے گھر بھیجا تھا۔“

موریلہ نے شرابی ہوئی نظریں اٹھائیں اور کشتی کے سر پر پہنچو  
لگی جہاں انٹونیوں کی بنگا ہیں دوران پر جی تھیں اور اپنے خیالات  
میں غرق تھا۔ پادری نے دوشیزہ کو یہودیہ کیا۔ اپنا کان اس کے  
قریب کر دیا۔ ”آپ میرے باپ کو نہیں جانتے۔“ لڑکی نے ہنسی کا

سے پادری کے کان میں کہا۔

”تیرا باپ؟“ پادری چلا اٹھا۔ ”کیوں نہیں؟ تو ابھی دس برس  
کی بھی نہ تھی کہ خدا نے اسے بلالیا۔ اسماں کی بادشاہت میں سے جگہ  
لے! اپنی اس خند میں اس کا ذکر کیوں کرتی ہو؟“

”آپ نہیں جانتے۔“ لڑکی نے زور دیکر کہا۔ ”آپ کو نہیں معلوم  
میری ماں کی تمام بیاری کا یہی اکیلا سبب ہے۔“

”کیونکر؟“ پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

”اپنی بے رحمی سے۔“ موریلہ نے فوراً جواب دیا۔ ”آخری دقت  
نک میری ماں کو مارا تھا۔ مجھے وہ راتیں اب تک یاد ہیں۔ وہ ایک  
عجب جزن کی حالت میں گھر آتا تھا۔ میری ماں ایک لفظ بھی نہیں کہتی  
تھی۔ گھر آنا شروع کر دیتا تھا۔ آہ! میرا دل اب بھی رنجیدہ ہوتا  
ہو! میں اپنا سہ دونوں ہاتھوں سے چھپاتی تھی اور پڑھتی تھی۔ لیکن  
اندھی اندر روٹی نہ تھی۔ وہ میری ماں کو اپنے مارنے آخر تک جاتا  
غریب بیوش ہو کر گر پڑتی تھی۔ وہ اسے دیر تک غور سے دیکھتا تھا۔

معلوم اس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ وہ لڑکے سے اٹھاتا اور  
سینے سے لٹکا کر سار کر لے لگتا۔ اتنے زور سے دبا تھا کہ اس کے  
سے جھجھک جاتی تھی لیکن اس تمام ظلم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں  
ہوتی۔ بلکہ مجھے بھی منع کرتی تھی کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔

میری ماں کو اس سے ہلکی محبت تھی۔ اس سختی پر بھی وہ اسی کا کھڑا رہتا  
تھی۔ جب سے وہ مرا ہو، یہ بھی یاد ہوئی ہے۔ اسے غم کھائے جاتا  
ہو۔ اگر مرنے۔ خدا بخیر۔ تو میں جانتی ہوں اس کا حال کون جو  
پادری سناتے میں بڑ گیا۔ تعجب سے سر ہلانے لگا۔ کچھ سوچا  
نہیں آتا تھا، اس عجیب لڑکی کو کیونکر قائل کرے۔

”اپنے باپ کو معاف کر دو۔“ بالآخر پادری نے کہا۔ ”میں اس طرح  
معاف کر دوں جس طرح تمہاری نے معاف کر دیا ہے۔ پرانی باتوں کی  
تکلیف دہ یاد دکر دو۔ مستقبل میں تمہارے اچھے دن آئیں گے اور  
تمام مصیبتیں بھلا دیں گے۔“

”نہیں، نہیں!“ موریلہ نے جوش سے کہا۔ ”میں کبھی نہیں معاف  
سکتی، یہی وجہ ہے کہ میں نے پھر کونواری سہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہرگز  
کسی مرد کی کینہ نہیں منوں گی۔ یہ مرد پہلے راتے ہیں، پھر پناہ دیتے  
ہیں لیکن میرے ساتھ کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا۔ مجھے جو مرد بھی  
محبت کی درخواست کرے گا، اس کا سہ توڑ دوں گی۔ لیکن میری ماں  
بالکل بے بس تھی۔ وہ نہ مارا کا مقابلہ کر سکتی تھی، نہ پیار کا۔ وہ اس  
سے محبت کرتی تھی۔ میں ہرگز کسی مرد سے محبت نہیں کر دلی۔“

”تم بالکل سچے ہو۔“ پادری نے مسکرا کر کہا۔ ”دنیا کو کچھ بھی نہیں  
جانتی، ابھی لڑکیوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ کیا سب مرد تمہارے باپ  
ہی کے سے ہیں؟ کیا تم نے کبھی کوئی اچھا آدمی نہیں دیکھا؟ کیا دنیا  
میں ایسی خوش نصیب بیاں نہیں ہیں جو اپنے شوہر کے ساتھ عیش  
و آرام سے رہتی ہیں؟“

”کچھ ہو۔“ موریلہ نے زور سے کہا۔ ”میرے ماں باپ کا حال  
کوئی نہیں جانتا۔ میری ماں مر جاتی ہے کہ تمہاری گھر اس کی شکایت  
پسند نہیں کرتی تھی۔ یہ صحت محبت کی وجہ سے۔ اگر محبت ہو تو  
محبت، زبان کو لگی کر دیتی ہے، اگر محبت ایسی سخت مصیبت والی ہو تو  
میں ہرگز ہرگز کسی مرد سے محبت نہیں کروں گی۔“

”میں نے کہا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں؟ پادری نے  
کہا۔ ”تم بے معنی باتیں کرتی ہو جب دقت آجائے گا، تمہاری آگ  
اور لہجہ نہیں پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیر میں اپنی مرضی کے خلاف  
بھی جکڑ دی جاؤ گی۔“

موریلہ خاموش رہی۔

”میں نے کہا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں؟ پادری نے  
کہا۔ ”تم بے معنی باتیں کرتی ہو جب دقت آجائے گا، تمہاری آگ  
اور لہجہ نہیں پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیر میں اپنی مرضی کے خلاف  
بھی جکڑ دی جاؤ گی۔“

موریلہ خاموش رہی۔

”میں نے کہا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں؟ پادری نے  
کہا۔ ”تم بے معنی باتیں کرتی ہو جب دقت آجائے گا، تمہاری آگ  
اور لہجہ نہیں پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیر میں اپنی مرضی کے خلاف  
بھی جکڑ دی جاؤ گی۔“

موریلہ خاموش رہی۔

”کیا تمہارے خیال میں یہ معقول بھی سنگل تھا؟“ پادری نے  
پھر سوال کیا۔

”اس کی نظریں بالکل ایسی ہی تھیں جیسی میرے باپ کی ہو  
جایا کرتی تھیں جب وہ میری ماں کی خوشامد کرتا تھا۔ میں وہ نظریں  
خوب پہچانتی ہوں۔ ایک مرد اس طرح کی نظریں سے دیکھتا ہے تو  
اور پھر میں اسی دقت اپنی بے خطا ہوئی کہ اس کے ادھر موا بھی کر  
نے سکتا ہو۔ مجھے ایسی نظریں سے بڑا ہی ڈر لگتا ہے۔“

موریلہ اب بالکل چپ ہو گئی۔ پادری نے بھی اسے چھوڑنا سب  
نہیں سمجھا۔ اس کے ذہن میں اب بہت سی معقول دلیلیں آگئی تھیں  
مگر وہ چپ ہی رہا کیونکہ لوجوان ملاح کا چہرہ یہ گفتگو سن کر غصہ سے  
لال ہو رہا تھا۔

دو گھنٹے کے سفر کے بعد کشتی جو سرسکھاٹ پر پہنچ گئی۔ انٹونیو  
نے پادری کو گویں اٹھالیا اور گھنٹوں گھنٹوں پانی میں جل کر اسے  
خسکی پرا آدیا۔ لیکن موریلہ نے اس کا انتظار نہیں کیا۔ اسے  
ایک ہاتھ میں اپنی کھڑکی لی۔ دوسرے میں لٹکی بانی اور گھنٹوں  
تک کپڑے اٹھا، ساہل پر پہنچ گئی۔

”میں یہاں کچھ مدت ٹھہروں گا۔“ پادری انٹونیو سے کہہ رہا تھا  
”انتظار کی ضرورت نہیں۔ شاید میں کل سے پہلے لوٹ نہ سکوں گا۔  
موریلہ! (دوشیزہ کی طرف مخاطب ہو کر) گھر لوٹ کر اپنی ماں کو سلام  
کدینا۔ اسی ہفتہ میں ملاقات کو آؤں گا۔ کیا اہا۔“ سر پہلے وہاں  
جاؤ گی؟“

”اگر ممکن ہو۔“ لڑکی نے اپنے کپڑے ٹھیک کرتے ہوئے مختصر جواب  
دیا۔

اب انٹونیو بولا۔  
”لیکن مجھے لوطنا ضرور ہے۔“ اس نے مضطرب آواز سے کہا۔ ”تاہم  
میں شام تک انتظار کروں گا۔ اگر آپ نہ آئے۔ میرے لئے برابر۔“

”موریلہ!“ پادری نے کہا۔ ”تم ضرور واپس جانا۔ رات بھر ماں  
کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔“

موریلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آگے بڑھی۔ پادری کا ہاتھ  
چرا اور اس طرح سلام کیا کہ ملاح بھی اس کا مخاطب تھا لیکن انٹونیو  
نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ لڑکی اٹھا کر صرف پادری کو تسلیم  
دی۔ دونوں دو مختلف راستوں پر روانہ ہو گئے۔ انٹونیو پھر  
دیر تک پادری کو دیکھتا رہا۔ پھر موریلہ پر نظر جمادی، جو وہ سب سے  
بچنے کے لئے آنکھیں پر ہاتھ رکھے چلی جا رہی تھی۔ رات کی مدد پر  
پہنچ کے موریلہ ٹھہری اور بلندی پر سے گھوم کر بچے دیکھنے لگی۔ اس  
کے سامنے خاموش سمندر نیلگیں فرش بچلے پھیلا ہوا تھا۔ موج کے  
صحیح کی دلفریب شاخیں اس کی سطح پر لوٹ رہی تھیں۔ اسماں  
سات شفات تھا۔ واقعی منظر شاہانہ اور جذبات انگیز تھا۔

لیکن قسمت کا کرشمہ دیکھو۔ موریلہ کی نظریں اٹھتے ہی انٹونیو  
کی چمکی نظریں سے جا لیں۔ دونوں گھر سے گئے۔ یہ وقت دونوں  
میں اکیلا ایسی جھپٹ ہوئی گویا انہوں نے کوئی غلطی کی ہو اور اسے چھپانا  
چاہتے ہیں!

موریلہ تیزی سے بڑی اور نظریں سے اوجھل ہو گئی۔

(۲)

انٹونیو کو ابھی گروں کے شراب خانے میں بیٹھے کئی گھنٹے ہو گئے  
وہ از مد شغل معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اٹھتا تھا اور تمام راستوں  
پر نظر ڈال کے لوٹ آتا تھا۔

ہجوم میں تبدیلی شروع ہو گئی۔ وہ خیال کرنے لگا اگر رات بے  
پچھلے سوچ بدل گیا تو وہ وہ جلد واپسی پر مجبور ہوگی۔

## جیل (مشہور شاعر)

جیل کا عشق بے شک سے مشہور عام ہو۔ ابوسل ساعدی عیادت کو گیا۔  
نزد کی حالت تھی۔ جیل نے کہا۔ ابوسل! ایسے آدمی کی بابت کیا کہتے  
ہو جو خدا سے اس حال میں جہاں کہ اسے کسی کا خون نہیں بہایا، شریعتیں  
پلی، کبھی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی امید ہو؟

ساعتی نے کہا۔ "بجدا ہاں، مگر وہ کون ہو؟"

"مجھے امید ہو کہ میں ہوں" جیل نے جواب دیا۔  
ساعتی نے بے شک کا ذکر کیا۔

"دیکھو" جیل نے آہ سرد بھر کر کہا۔ "یہ دنیا میں سیر آخری دن ہو۔  
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر کبھی شیعہ کی  
طرت میں نے بے شک سے نظر کی ہو۔"

جب وفات پہلے قریب پہنچی تو جیل نے اپنے ایک دوست کو بلا  
یہ وصیت کی،

جب میں مر جاؤں، تو گھر کا تمام سامان بھارا ہو۔ صرف سیر کوں  
کا ایک بھڑا اس سے الگ ہو۔ تم میری اونٹنی پر سوار ہو کر شیعہ کے قبیلہ  
میں جانا اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر میرے کہنے کا گریبان بھاڑ ڈالنا پھر  
چلا کر یہ شعر پڑھ دینا:

صدع النعی و ما کی بجیل دثوی بمصر ثوار غیر تغفل  
موت بے درک آپہنچی جیل سے کوئی رعایت نہ کی۔ وہ اب اس طرح قلم  
ہو گیا کہ کبھی داپسی نہ ہوگی۔

ولقد جاء الغریبی فی دادی القری نشوان میں مزاج دینا  
میں دادی قری میں کھیتوں اور غلستانوں میں خوشی خوشی پھر کر آتا تھا۔  
قوی شیعہ فاندی بوجیل و ایک خلیفہ و دل کل خلیل  
شیعہ آٹھ اور نوہ کر اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے!  
دوست نے وصیت پوری کر دی۔ جیل نے سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا۔

## مہلب بن ابی صفہ

وفات کے وقت اپنے تمام لوگوں کو جمع کیا۔ پھر ترکش منگھلا اور کہا  
"کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بند ہو جہے تیر تو کہتے ہو؟" انھوں نے کہا  
"نہیں" مہلب نے کہا۔ "اگر الگ الگ ہوں؟ انھوں نے جواب دیا۔ ایک  
ایک تیر کا توڑنا بالکل آسان ہو" مہلب نے کہا۔ "یہی مثال اتفاق و  
اتحاد و رجاعت کی ہو لے دیو گے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا الگ  
الگ ہو جاؤ گے تو آسانی ہلاک کر دے گا دے"

سلسلہ (سلسلہ) میں فوت ہوئے

## عبد الملک بن دان

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا:  
"دیکھ میری موت پر یہ توفیق عورتوں کی طرح بیٹھ کر سٹوے نہ ہلا۔  
بلکہ کمر باندھنا، آستین چڑھانا، جیتے کی کھال پہن لینا۔ مجھے میرے گھر  
میں ڈاکٹر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ  
کی فکر کرنا۔ لوگوں کو بیعت کے لئے بلانا۔ جو اپنے سر سے ٹوٹ کر یعنی اسکار  
لے) تو تم بھی اپنی تلوار سے یوں کرنا" (یعنی اس کی گردن آڑ دینا)  
پھر قریب میں معادیہ کے دو لوں لوگوں: محمد اور خالد کو طلب کیا۔ ان  
سے پوچھا۔ "کیا ولید کی بیعت پر نادم ہو؟" انھوں نے جواب دیا "ہم  
تیر سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا عقلا نہیں سمجھتے" عبد الملک نے کہا  
"داعیہ اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو نوراً تھا اسراراً دیتا" پھر اپنے  
بچوں کے کانٹا آٹھا کر دکھایا۔ نیچے شمشیر بھر رکھی تھی!

یہ اس وقت کی گفتگو جب سکوت موت طاری تھی۔ عبد الملک  
نے کہا شروع کیا۔ "وہ خدا کرتا تھا" جو چھوٹے بڑے سب کو بے پناہ  
مے موت دیتا ہو۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ  
اس فطرت پرست پروردگار کی۔

امتی کہا کرتا تھا۔ میں عبد الملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیونکہ اس نے  
مرنے وقت کہا تھا۔ "خدا! میرے گناہ اگر بے شمار ہیں اور بے حد  
بڑے ہیں، لیکن تجھے عفو کے سامنے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں لہذا  
مجھے معاف کر دے!"

کہتے ہیں، عبد الملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے  
ایک دہوئی کو کپڑے دھوئے دیکھا تھا۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی اور  
کہنے لگا۔ "کاش میں اس دہوئی کی طرح ہوتا کہ اپنی روزی کما لی ہے پیٹ  
پالنا کاش میں خلیفہ نہ بنا ہوتا!" پھر یہ شعر پڑھا:

لینتی کت قبل ما قد بدالی فی دوس الجبال ادی الودع  
ابو عاتق نے یہ قول سنا تو کہنے لگے۔ "الحمد لله۔ یہ لوگ موت کے وقت  
اس بات کی تئنا کرتے ہیں جو ہیں حاصل ہو۔ لیکن ہم موت کے وقت ان  
کی حالت کی آرزو نہیں کرتے!"

سلسلہ (سلسلہ) میں وفات پائی۔

## ابن القریہ

مشہور عرب خطیب ابن القریہ کو قتل کرنے کا حجاج بن یوسف نے حکم  
دیا۔ جلاد کو مارے کر آیا۔ ابن القریہ نے کہا۔ "خدا کا حکم درست ہے! کہے!  
میں مرنے سے پہلے تین لفظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بعد  
ضرب الشل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گی!"

حجاج نے کہا۔ "کہ، کیا کہتا ہو؟"

ابن القریہ نے کہا۔ "ہر میل گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہو۔ ہر تلوار کند ہو جاتی  
ہو۔ ہر دانا سے غلطی ہوتی ہو۔"

حجاج نے کہا۔ "یہ وقت، مذبح کا نہیں ہو۔ جلاد! اپنا کام کر!"  
جلاد کا ہاتھ چلا اور ابن القریہ کا سر، زمین پر پڑا۔

سلسلہ (سلسلہ) کا یہ واقعہ ہو۔

## اخلط

مشہور شاعر اخلط کی موت کے وقت پوچھا گیا۔ "کوئی وصیت؟"  
کہا۔ "ہاں" پھر اپنے دوست فردوق کو یہ وصیت کی:

ادمی الفردوق عند المات بام حیرہ و اخیار  
(میں موت کے وقت فردوق کو وصیت کرتا ہوں کہ جیرہ کی ماں اور اس  
کی سونکوں کا خیال رکھے)

سلسلہ (سلسلہ) میں فوت ہوا

امام ابراہیم سختی رحمہ اللہ امام کوٹہ

موت کے وقت سخت خوفزدہ ہوئے۔ لوگوں نے اعراض کیا کہ بچو  
لگے "اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہو؟ ہر لمحہ دھڑکا  
لگا ہو کہ پروردگار کا قاصد پہنچے اور جنت یا دوزخ کی خبر دے۔ یہ تم خدا  
کی، میری تمنا ہو کہ قیامت تک میری روح یوں ہی حلق میں پھنسی ہو!"

سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا

## مردان بن محمد

بنی اسیم کا آخری خلیفہ مردان بن محمد جب عباسیوں کے ہاتھ قتل ہوئے  
تو یہ شعر کہے:

الہر یوان: ذامن ذنا حذر و الحش خطران: فاصغرو ذاکر  
زانہ، دہی دن ہیں: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہو؟  
آدمی میں خوشی، آدمی میں سوچ۔

دکم علی الاض من خیر و البتہ دلیس یرحم الاله شمر  
زمین پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں، مگر تم جو اسی دشت پر اسے جاتے  
ہیں جس میں پل ہیں۔

قل للذی صرحت الہر قریا بل غیر الہر الامن لوت  
زانہ کے انقلاب پر اپنے دینے والوں سے کہو کہ زانہ اسی کے قتل  
ہو جاتا ہو جو کوئی دہر رکھتا ہو۔

اما آخری شعر قتل وقت جین دستقر باقی قصہ الدرد  
تم دیکھتے نہیں دیا ہی کی سطح پر مرنے پر تیرے ہیں لیکن موتی اُن کی  
تہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔

دان کن حشمت ایدی الزمان تا "زانہ! میں تجنی بوسہ ضرر  
اگر زانہ نے کہا تو انھوں نے ہیں ستارا اور اسکی سختیاں ہم پر پڑی ہیں"  
نقی العیا بنوم لا عدالما دلیس یکسف الا الشمس والقمر  
تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار ستارے موجود ہیں مگر کس طرف  
چاند اور سورج ہی کو لگتا ہو۔

سلسلہ (سلسلہ) میں قتل ہوا

## ابو جعفر منصور

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے سفیرج میں مقام "میر میمون" پر  
ہو چکا جب اپنی وفات قریب کیجی، تو اپنے ذلی عہد، ہمدی کو طلب کیا  
اُس وقت ابو جعفر کے سامنے ایک ٹرا بھلا رکھا تھا۔ اس میں کہا میں دُ  
حساب کے کاغذات لے رہے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اسی ہاتھ لگانے کی اجازت  
نہیں دیتا تھا۔

ذلی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا:

"فرزند! یہ بھلا دیکھ۔ اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ اس میں تیر  
بزرگوں کا علم محفوظ ہو۔ اس شہر (بغداد) کا خیال رکھنا۔ کسی اونٹن  
کو اپنا یا یہ تخت نہ بنانا۔ کیونکہ یہ شہر تیرا اپنا ہو اور اس میں تیری عزت  
ہو۔ میں نے اس میں تیرے لئے اتنے خزانے جمع کر دیے ہیں جتنے بھی  
کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ کہ اگر دس برس بھی مجھے سلطنت  
کا خراج نہ ملے تو بھی یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی سے زیادہ  
ہونگے۔ ان کی حفاظت کرنا، کیونکہ ان کی موجودگی میں تجھے ہمیشہ خوش  
حاصل رہے گی۔ تیرا گھر آباد رہے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو ان کی  
حفاظت نہیں کرے گا۔"

"اپنے خاندان سے نیک سلوک کرنا۔ انھیں موت بخانا۔ ان پر  
احسان کرنا۔ ان کے لئے مہربان کرنا۔ ان کی چوکھٹوں پر لوگوں کو بچ  
جھکانا۔ کیونکہ ان کی عزت، تیری عزت ہو۔"

"اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ ان کی تعداد  
میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت وہ تیری سپر ہو گئے۔"

"خو اسانیوں کے بلے میں میری نیک وصیت یاد ہو۔ وہ میر  
حامی و مددگار ہیں۔ انھوں نے اپنی جان مال سے تیری مدد کی ہو ان  
سے اچھا زنا کرنا۔ ان کی خطائیں معاف کرنا۔ ان کے عیوب اور  
بیادوں کی خبر لینا۔"

"خبردار! کوئی نیا شہر آباد نہ کرنا۔ کیونکہ تو اسے پورا نہ کر سکے گا۔  
خبردار! عورتوں کو اپنے مشوے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصیت  
ہو۔"

جب بم لہول پڑا تو کہا۔ "پادشاہ وہ ہو جو نہ مرے!"

سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا

## امام سفیان ثوری رح

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا۔ "ابو عبد اللہ! یہ سب  
کیوں؟ کیا آپ اس ذات کے پاس نہیں جا رہے ہیں، جس کی آپ نے  
ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اُسی کی طرف بھاگتے رہے؟"

کہنے لگے۔ "مختار بھلا ہوا میں ایک ایسے راستے میں سفر شروع کرنے  
والا ہوں، جسے میں نہیں جانتا اور اس پروردگار کے دربار پہنچنے والا  
ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہوا!"

سلسلہ (سلسلہ) میں وفات پائی۔

## عبد اللہ بن عبد العزیز

موت کے وقت کہنے لگے۔ "خدا کی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر کسی

# جد و حکم

## عالم انسانیت کے دروازہ پر

### شاہیر عالم اپنے اوقات فات میں

### اکابر تاریخ اسلام کے مختصر دنیا

ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

وفات کے قریب اپنے اسی وصیت لکھوائی اور حضرت عثمان اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد میں بیچ دی تاکہ مسلمانوں کو سنا دی جائے۔ وصیت حبشہ میں تھی:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ ابو بکر بن ابی قحاذ کی وصیت ہے جبکہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اور آخرت میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ ایسے وقت کی وصیت ہے جبکہ منکر ایمان لے آتا، فاجر بستی میں پڑتا، اور جھوٹا بھی بیچ بولنے لگتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنایا ہے۔ اگر وہ بدل کرے اور تقویٰ برتے، تو اس کی بابت میرا یہی گمان اور یہی امید ہو۔ لیکن اگر وہ بدل جائے، تو میں نے تمہیں اللہ سے بھلائی چاہی ہو غیر کلمہ علم، خدا کے سوا کسی کو نہیں“

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: ”میرے والدہ مرض موت کے آخری دنوں میں بے ہوش ہو گئے۔ میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ ”انہیں، میرے باپ کو سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ انہیں میں ان کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا: ”نہیں، یہ بیماری نہیں ہے، وہ چیز جو جس کی نصیب خدا نے فرمائی ہے وہ جات سکر الموت بالحق، ذلک انکت منہ تجدد۔ پھر ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، میں نے عرض کیا، تین کپڑوں میں! پھر پوچھا، پھول نے کس دن وفات پائی تھی؟ عرض کیا۔ تیسرے دن! پوچھا، آج کو لانا دن ہو؟ میں نے کہا۔ پیر کا دن ہے۔ فرمایا: میں خدا سے امید کرتا ہوں“

(بقیہ مضمون ص ۱۸)

گو اٹھا دنیا جا۔ مگر خدا ہی اسی تیزی سے اپنا دہانہ ہاتھ تھلے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ بولا: ”اے پوری قوت سے کاٹ کھلیا تھا۔“

”اے اے!“ سورہ قمر سورہ مدثر

”مجھے ترا حکم اتنا چڑھے گا؟“ وہ جوش سے چلائی: ”میں تیری لوثی ہوں؟“

یہ کہہ کر وہ خود مسند میں بچا نہ پڑی۔ لہجہ کی نظروں سے غائب ہو گئی پھر نمودار ہوئی۔ اس کے کپڑے جسم سے چپٹ گئے تھے۔ بال کھل گئے تھے بڑی طاقت و ہمت سے پیر رہی تھی۔ اس نے کوئی لفظ نہیں کہا۔ کشتی نکلے دودھ ہونے لگی۔ ساحل کی طرف چلنے لگی۔

کہ آج رات اللہ دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے۔ بولنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا: دو فریہ کپڑے ہلکا کر ہی میں مجھے کھنا دینا۔ میں نے کہا۔ یہ تو پرانا ہے۔ فرمایا: اچھی اچھی الی الجیدہ من لبت ابنا ہو لہنتہ والصدید۔ زندہ انسان بمقابلہ مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ حاجت مند ہے۔ اور کفن تو ہم اور خون کے لئے ہوا! جب وفات ہوئی تو یہ دعا پڑھ لی آپ کے زبان پر تھی: تو فی سلمہ والحقنی بالصالحین! اعدیلا! اس حالت میں موت نے کسلم ہوں، یعنی تیرا فرزند دار ہوں، اور ایسا کر کہ صالح انسانوں کے ساتھ میرا شمول ہوا

تاریخ وفات سلسلہ (۱۸۱)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا:

”میرا چہرہ زمین پر نہ رکھو، شاید خدا مجھ پر مہربان ہو جائے اور تم کہو!“

آخری کلمہ وصیت اہل ذمہ یعنی غیر مسلم رعایا کی نسبت تھا: ”میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری یاد رکھے۔ ان سے جو حق رکھے گئے ہیں، ہمیشہ اسی سے کہے جائیں، ان کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کی جائے، ان پر کبھی سختی نہ کی جائے“

تاریخ وفات سلسلہ (۱۸۱)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب اتل کا یقین ہو گیا تو حضرت علی کو خط لکھا:

”سیلاب، چوٹی تک پہنچ گیا۔ محلہ، حد سے تجاوز کر گیا۔ خط دیکھتے ہی میرے پاس آؤ۔ موافقت میں یا مخالفت میں“ خط کے آخر میں یہ شعر لکھا:

فان كنت اكره لا تكن خيرا كل والا فادعني دما امزق (اگر میرے لئے یہی صورت رہ گئی ہو کہ میں کسی کا نالا بنوں تو بسے ہتر کھلنے والے تم بنو۔ ورنہ میرے ٹکڑے اڑ فرم پہلے مجھ کو کچال) سلسلہ (۱۸۱)

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت بہت حشر ظاہر کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا: اے ابو عبدالرحمن! آپ کو کس چیز پر افسوس ہو؟ جواب دیا: میں بنیاد پر

نہیں کرتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیں ایک وصیت کی تھی۔ فرمایا تھا: تمہارے پاس مسافر کے زاد راہ ہر مسلمان ہونا چاہئے میں ڈرتا ہوں، ہم نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا۔ کیونکہ میرے گرد یہ چیزیں جمع ہیں“

یہ کہہ کر گھر کے مسلمان کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھا گیا تو گھر میں کل مسلمان، ایک تلوار، ایک پشت، ایک پیلا تھا!

سلسلہ (۱۸۱) میں انتقال ہوا

امام حسن علیہ السلام

وفات کے وقت بار بار انا اللہ وانا الیہ راجعون کہنا شروع کیا۔ ایک صاحبزادے نے عرض کیا: ”آپ بھی دنیا پر افسوس کرتے ہیں؟“ فرمایا: ”فرزند! دنیا پر نہیں، خدا نے نفس پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ میں جیسی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی!“

سلسلہ (۱۸۱) میں انتقال کیا

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت رونے لگے۔ سب پوچھا گیا۔ کہا: ”اس لئے روتا ہوں کہ سفر بہت دُعا ہے، زاد راہ بہت کم ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ نہیں معلوم جنت میں مقام ہو گا یا دوزخ میں؟“ سلسلہ (۱۸۱) میں فوت ہوئے

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنی اولاد سے کہا: ”میری وصیت کن کن قبول کرے گا؟“ بڑے نے کہا: ”میں کہنے لگے: میرا قرضہ ادا کرنا ہوگا“ پوچھا: ”کہتا ہو؟“ کہا: ”۸۰ ہزار دینار! پوچھا: ”کیوں لیا تھا؟“ جواب دیا:

”دو قسم کے آدمیوں کی مزدوریں پوری کرنے میں: شریف انفس غریبوں کی۔ اور حیا سے سوال نہ کر سکنے والوں کی۔ یہ مجھ سے ہو کر آئے تھے۔ مگر شرم سے انگ نہ دے سکتے تھے۔ فرمایا: چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ میں سوال سے پہلے ہی انھیں دے دیتا تھا“

سلسلہ (۱۸۱) میں فوت ہوئے۔

سعید بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

بڑے خود دار اور بلند مرتبہ تھے۔ مرض الموت میں مشوہ دیا گیا: ”بیار، کراہنے سے راحت پانا اور طبیب سے اپنی حالت بیان کرنے سے مطمئن ہونا ہے“

کہنے لگے: ”کراہنا، زبردستی ہے، عیب ہے۔ خدا مجھ کو مبرا کرنا نہیں سنے گا تاکہ اس کے حضور زبردستی نہ ٹھہریں۔ رہا طبیب، تو داندہ خدا کے سوا کسی کو بھی اپنے اوپر اختیار نہیں دل گا۔ خدا چاہے تو مجھے مبرا چاہے اٹھلے!“

ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ

فالج میں مبتلا ہوئے۔ کہا گیا: ”دوا کیل نہیں کرتے؟“ جواب دیا: ”میں دوا کا فائدہ جانتا ہوں، مگر نہ مرض ہی زندہ ہے گا نہ طبیب پھر دوا کیل کرے؟“

سلسلہ (۱۸۱) میں وفات پائی

معاویہ بن زید بن معاویہ

وفات کے وقت مشوہ دیا گیا: ”اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کر جائے“

جواب دیا: ”میں نے خلافت سے روزگاری میں فائدہ اٹھا یا نہ مرنے کے بعد اس کا بوجھ اٹھاؤں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بنی امیہ اس کی شیرینی لیں اور میرے حصے میں تلخی لے“

سلسلہ (۱۸۱) میں

وفات پائی۔



منقول تک پڑھی۔

قرآن ختم کرنے پر ان میں سے ایک نے اور بھی زیادہ خوش الحانی مگر عجزیت کے ساتھ ایک دعا مانگی۔ اس میں سلطان محمد فاتح کا ذکر تھا جو اس مسجد کا گویا بانی ہو۔ نیز ایک اور سلطان کا بھی نام لیا مگر ہم سمجھ نہ سکے۔

### ترک خلیفہ

اب خلیفہ منبر پر کھڑا ہوا۔ خطبہ دیا۔ یہ خطبہ عربی زبان میں تھا۔ مگر اس کا لہجہ عربیوں کے لئے ناقابل فہم تھا۔ ہر خطبہ کا صرف پہلا جملہ سمجھ سکتے جو یہ تھا "الحمد لله، الحمد لله، الحمد لله الذی انعم علی المؤمنین بحکم القرآن"۔

خلیفہ نے خطبہ کے آخر میں "جیش المسلمین و عساکر الموحدين" کے لئے دعا کی اور ترک جمہوریت کے بعد دوام کی التجا پر خطبہ ختم کیا۔

### ترک نمازی

ترک نمازیوں کے آداب سمجھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ نہایت ہی عقیدہ و احترام کے ساتھ مصلوں میں بیٹھتے تھے۔ از حد شروع و ختم شروع، ان پر طاری تھا، حالانکہ وہ خطبہ تلاوت میں سے ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بہادر قوم، اپنے ایمان میں نہایت راسخ ہو۔ لباس اور وضع قطع میں کتنی ہی تبدیلی ہو جائے، مگر اس کے اندر میں کوئی ترزل نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت یہ قوم، تمام مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہے۔

### نمازی عورتیں

مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کے لئے ایک جگہ خاص کر دی گئی تھی۔ یہ جگہ بھی بھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بڑی عورتیں ہی نماز کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں اکثر عورتیں بڑی عفتیں۔ شاد و قدیمہ صوفیہ ایسی ہی نمازی عورتیں اپنے معبد میں دیکھنا پسند کرتی ہیں!

### مسجد میں عربی تحریریں

ادھر گھر بچا ہوں کہ کسی نقوش کی جگہ جا بجا قرآنی آیتیں اور عربی عبارات لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ درمیانی قہ کے مرکز کے گرد یہ آیت خط ثلث میں کندہ ہو۔ "الهدى نور السموات والارض، مثل نور كشافه فيما مصلح، المصلح في زجاجة، الزجاجه كانه كوكب دس يوتدس شجرة مباركة زيتونه لا شرقية ولا غربية"۔

محراب میں یہ آیت لکھی ہے "فاشهدوا الهدى اعبدا"۔

دیواروں پر بابچہ ۱۶، احمد، محمد، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اسرار گرامی درج ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تختیاں آویزاں ہیں، اور ان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بہت سی عربی نصیحتیں لکھی ہیں۔

یہ تمام کہتے، فن خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شاید ہی کہیں ان کی نظیر مل سکے۔

### ایک عجیب وصف

ایاصوفیہ کی عمارت میں یہ عجیب ہندی وصف موجود ہے کہ اس میں آ کتنی ہی آہستہ بلند ہو، اس کی بازگشت خوب بلند اور بالکل صاف ہوتی ہے۔ چنانچہ امام کے پورے خطبے کی بازگشت در دو بار سے صاف سنائی دیتی تھی۔ یہ وصف ہم نے کسی دوسری عمارت میں نہیں سیکھا۔

ایاصوفیہ کو کنسیہ بنانے کی برطانی کو شش ایاصوفیہ کو دوبارہ کنسیہ بنانے کی کوشش کوئی دہائی سے کر رہا ہے۔ مگر سب زیادہ خطرناک اور آخری کوشش اس وقت کی تھی، جب جنگ عظمیٰ کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسجد کے اصل قریب اب تک دو چوبی فوجی بارکیں موجود ہیں۔ خالی اور اجاب پڑی ہیں وضع سے برطانی فوجوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر مجھے تعجب

## دلا زار مذہبی تحریروں اور مسلمانوں کا پھیلا منظر

### اسلام اور نر ا قتل

### ایک خط کے جواب میں

ایسی باتیں سنانے آتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دلہن خشک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ سوال یہ ہے کہ اسلام کی جو تعلیم آپ کے علم میں آئی ہے اگر فی الحقیقت آپ ملین ہو گئے ہیں کہ وہ اسلام کی تعلیم جو، تو بھڑک پڑ دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں اسے ڈھونڈنا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ کو "اسلام" کی تعلیم کی تلاش ہو، یا "مسلمانوں" کی تعلیم کی؟ یقیناً یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ ایک چیز تعلیم بحیثیت تعلیم کے ہے اور ایک چیز اس کے پھیلنے کا فہم و عمل ہے۔

اگر آپ کو اسلام کی تعلیم کی جستجو ہے، تو وہ دنیا کی ہر تعلیمی حقیقت کی طرح صرف اپنے حقیقی سرچشمہ ہی میں ڈھونڈنی چاہی ہو، نہ کہ انسانوں کی تعلیم میں اگرچہ وہ انسان اپنے اعتقاد میں مسلمان ہی کہیں ہوں اگر آپ اس سرچشمہ تک رسائی ہو سکتی ہے (اور کم از کم میرا نرانی کی نسبت یہ تھا کہ آپ کو اس کا اعتراف ہے) تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے خود اسلام تک پہنچ گئے ہیں، اور اس صفحہ میں آپ کے لئے صرف یہ رہ جاتا ہے کہ خود اسلام سے اسلام معلوم کریں، اور جب معلوم ہوگا تو جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہے، آپ کی جستجو ختم ہو جائے۔ بلاشبہ آپ کے لئے یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی میں، یہ عمل تلاش کریں۔ لیکن "عمل" تلاش کریں۔ یہیں کہ مسلمانوں کے "عمل" کو "اسلام" کی تعلیم قرار دے دیں۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں آپ کو اس کا عمل نظر آئے، تو آپ کے لئے قائم کرنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیم یہ دنیا کی مسلمان نامی جماعت عمل کر رہی ہے۔ نہ نظر آئے تو اس میں کتنا کچھ اور سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی مالگیر گروہوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ مسلمان نامی جماعت بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل نہیں۔ میں نہیں جانتا یہ قدرتی اور سچا طریقہ چھوڑ کر اپنے غلط روی اور کج اندیشی کی راہ لیلی اختیار کی؟ جہاں آپ کو "عمل" دیکھنا چاہئے، وہاں آپ "تعلیم" ڈھونڈتے ہیں، اور جہاں سے "تعلیم" کی حقیقت کا سراغ مل سکتا ہو، اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں؟

غریب! میری وہ بات یاد کیجئے جو میں نے بار بار آپ کے ذہن نشین کرنی چاہی تھی: دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت بھی ایسی نہیں ہے جسے پیروں کا فہم و عمل جت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قدم بڑھائے ہو۔ مذہب کو چھوڑئے۔ دنیوی اور دینی علوم و صنائع کا کوئی محدود سے محدود گوشہ لے لیجئے۔ کیا اس طریقہ سے ہم ان گوشوں میں بھی حقیقت کی طرف قدم اٹھا سکتے ہیں؟ جب دنیا کے ایک معمولی مصنف یا عالم کی کتاب کے لئے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا فہم و ادعا کچھ سفید نہیں ہو سکتا، اگر کوئی ایسی بات بیان کی جائے جو خود اس کتاب میں موجود نہ ہو، تو مذہب عالم کے لئے جن پر انسانی فہم و استعداد کے تغیرات و حوادث کی صدیاں گزر چکی ہیں اور لاکھوں کروڑوں افراد کے اصولی طور سے لگا بولسل ان کے تعلیمی حقائق متاثر ہو چکے ہیں، تو کسی فرد یا جماعت کا فہم و عمل جت ہو سکتا ہے؟

اتصال نمبر ۱۳- میں۔ ایک عزیز طالب حق کی جو مراسلت درج کی گئی تھی، اس میں جو کہنے در بے سفر اور علالت طبع کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہونے کی صلت نہیں ملی۔ اب اس کے لئے دقت نکال سکا ہوں۔

### مذہب اور پیروں مذہب

میرا خطاب غریب موصوف سے ہے۔ اس میں اس خط میں اپنے اپنے جو اثرات ظاہر کئے ہیں وہ اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں جس پر ہرگز کرنے کا اپنے ارادہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب آپ پہلے پہل مجھ سے ملے، اور اپنے دل کے شکوک اضطراب مجھ پر ظاہر کئے، تو میں نے بعض صداقت آپ کے ذہن نشین کرنے چاہی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ بنیادی صداقت ہیں جن کے بغیر آج طلب حقیقت کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔ ہر جگہ ان صداقت کے ایک مقدمہ پر تھا کہ مذہب اور پیروں مذہب کیا امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں ہے۔ مذہب کے بارے میں ہماری دہشتانی مایوسی صرف ان غلطی کا نتیجہ ہوتی ہے کہ ہم بسا اوقات ان دونوں کا عددی اختلاف بھول جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلی بات جو آپ کے علم میں لانی چاہتا ہوں یہ ہے کہ آپ نے جستجو حقیقت میں ایک بنیادی صداقت معلوم کی تھی اور اب اس کا سررشتہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے اور اس میں جو کہ آپ متنبہ نہیں ہیں۔

آپ سمجھتے ہیں ایک بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اس پر جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ جب تک مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈ ہی جاتی ہے تو صرف یہ کہ نہیں ملتی بلکہ ایسی

۴- ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مکان اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ ان میں انگریز سپاہی رہیں گے، تاکہ مسجد میں نمازیوں کو داخل ہونے سے باز رکھیں۔ اس وقت اتحادیوں نے یہ مجوزانہ فیصلہ کر لیا تھا اور امر و ذفر د میں اس کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ مگر وقت ترکوں کو خبر لگ گئی۔ ان کے کئی ہزار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور طے کر لیا کہ موت سے پہلے ایاصوفیہ کو گروہ بننے نہیں دیں گے۔ ان کے ارادے کی خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور عام شورش کا سامان ہونے لگا۔ اتحادی ڈر گئے اور اپنا فیصلہ کسی دوسرے مناسب موقع کے لئے ملتوی کر دیا۔ اٹھیں یقین تھا، سال و سال بعد پوری طرح قابو حاصل کر کے یہ کارروائی کر سکیں گے۔ مگر شیت الہی اس کے خلاف تھی۔ اتحادیوں کو نامراد مظاہرہ خالی کر دینا پڑا۔ ایاصوفیہ آج تک مسجد ہی ہے اور انتشار اللہ مسجد ہی ہے۔



کے چھانکے معلوم ہوتے ہیں۔ ہر چھانکے کی فواد کی چادر پر صلیب بنی  
ترک فاضلوں نے اس کا افقی خطا شہادہ ہو۔ لیکن طوطی خطا آج تک  
ہی موجود ہو جیسا قدیم عہد میں تھا۔

میں زیادہ تفصیل کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بے فائدہ ہو کتنی ہی  
کوشش کر دی، قارئین، اصلیت کا عشر عشر بھی تصور نہ کر سکیں گے  
یہ جو کہ سابق کا یہ کنیا اور حال کی مسجد، ایک ایسی عمارت ہو جس کو  
اور شاہ عمارت، انسانی آنکھ اس وقت صفحہ زمین پر کسی نہیں دیکھ سکتی

بازلیک

ایاصوفیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا ہم نے اہادہ کیا۔ لیکن سو میں  
جانے سے پہلے بازلیک میں داخل ہوئے۔ بازلیک، ایاصوفیہ کے قریب  
واقع ہو۔ یہ دراصل زمین کے نیچے ایک بہت بڑا حوض یا دریا کی صفحہ  
کا تالاب ہو۔ تقریباً ۳۳۹ ستونوں پر قائم ہو۔ اس سے مقصود یہ تھا  
کہ دشمن کے محاصرے کے وقت اس میں پانی محفوظ رکھا جائے، تاکہ  
پانی سے ہلاک نہ ہو جائے۔ یہ تالاب، ایک شہر کے گرد پانی  
سے ڈالا گیا ہو اور آسانی سے آمد و رفت ممکن ہو۔

ایاصوفیہ میں نماز جمعہ

بازلیک کی سیر سے فائدہ ہو کر ہم نماز جمعہ کے لئے روانہ ہوئے۔  
ہیں یہ دیکھنے کا از حد شوق تھا کہ ٹرکی کے موجودہ اجتماعی انقلاب کے  
بعد بیٹ پوش ترک نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو بیٹ  
کے ساتھ کیونکر پڑھتے ہیں؟

لیکن مسجد میں داخل ہوتے ہی ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی  
ہم نے دیکھا، مسجد نمازیوں سے لبریز ہو۔ جب کبھی ایاصوفیہ کی بابت کہا  
جائے کہ لبریز ہو، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہزار ہا آدمی اس میں موجود ہیں۔  
مکمل ہو، ہزار ہوں۔ مکمل ہو میں ہزار ہوں۔ مکمل ہو۔ ہزار ہوں  
تعداد کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہو؟

یہ دیکھ کر میں ادبھی تعجب ہوا کہ سب بیٹ پڑھتے ہیں۔ اس وقت یہاں  
معلوم ہوا کہ ترکوں نے جو بیٹ پڑھی ہو، وہ یورپین بیٹ نہیں ہو۔ ترکوں  
نے اسے بھی ایاصوفیہ کی طرح مسلمان کر لیا ہو۔ یہ بیٹ، مسجد میں بھی  
انکے سردوں پر موجود تھی۔ اور امداد کی عبادت سے روک نہیں سکتی تھی  
ابھی ہماری حیرت بدستور باقی تھی۔ ہم سوچتے تھے، اس بیٹ کے  
ساتھ لوگ نماز کیسے پڑھیں گے؟ لیکن ہم نے دیکھا، جو آدمی نماز کے لئے  
آٹھواں، بیٹ اپنے سامنے رکھ لیتا ہو اور جیسے معمولی کپڑے کی  
ٹوپی نکال کر پہن لیتا ہو۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس خاص  
ٹوپیاں نہ تھیں۔ وہ دنال سر پر بانگہ لیتے تھے۔ خود ہم نے بھی ایسی  
طرح نماز پڑھی، بعض ایسے بھی تھے جو زم بیٹ پڑھتے تھے۔ انھوں نے  
نماز کے وقت اپنی ٹوپیاں گلھا دیں۔ بلند کرنا چاہیے کر دیا اور لپٹ کر  
سامنے، تاکہ رب العالمین کے حضور اپنا ماتھا زمین پر رکھ سکیں!

ترک قاری

ہم اسلامی اور سنی دونوں ممبروں کے امین بیٹھے۔ ہم سے کچھ  
فاصلہ پر سنگ مرمر کے ۶ بلند پایوں پر ایک وسیع بیٹھک تھی۔ اس پر چار  
ترک قاری بیٹھے خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ہر قاری ایک ایک  
گوشہ میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ ترتیب یہ تھی  
کہ پہلے ایک قاری پڑھتا۔ پھر اسی کا اعادہ باری باری باقی تینوں  
قاری کرتے تھے۔ آخر میں سب ملکر کہتے، سبحان اللہ، الحمد للہ، واللاہ  
واللہ، واللہ اکبر!

میں نے اپنے عرب رفقاء کا امتحان لینا چاہا۔ ان سے پوچھا یہ  
لوگ کون سورتیں پڑھ رہے ہیں؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے۔ لیکن میں  
بالآخر معلوم ہو گیا کہ وہ سورۃ الم نشرح ادا کر کے بعد کی سورتیں پڑھ  
رہے تھے۔ آخر میں انھوں نے سورۃ فاتحہ تلاوت کی۔ پھر سورۃ بقرہ،

عظیم کنیا، جیسے کوشٹیاں نے شہیدہ قدسیہ صوفیہ کی یادگار بنانے  
کے لئے تعمیر کیا تھا، اور جسے عظیم اسلامی بادشاہ محمد زانی نے مسجد بنادیا،  
صدیوں پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے سچی نظام و خصوصیات  
پر قرار رکھے ہوئے ہو۔ اب تک یہ پورا کنیا ہو۔ اس کی صلیبی شکل بدستور  
قائم ہو۔ اس کے مختلف حصے، جن کی ترتیب و تین میں صلیبی شکل بدستور  
رکھی گئی ہو، اب تک اپنی صلیبیت ہی پر باقی ہیں۔ اس کے ستون اب تک  
کوشٹیاں اور اس کی ملکہ کے نشان وفاداری کے ساتھ پیش کر رہے  
ہیں۔ اس کے اندر دونوں پہلوؤں میں بیٹھانے کے حوض اب تک  
موجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ہیں۔ ان کی شکل مرتبائی ہو۔ ان میں  
نمازی عورتیں دھو کر کھاتی ہیں۔ اس کی دیواروں پر مقدس نقوش بھی  
اب تک نظر آتے ہیں، اگرچہ ترکوں نے انھیں محو کرنے کی کوشش کی تھی  
حضرت یم (علیہ السلام) کی تصویر آج بھی اپنی موثر آنکھوں سے نمازیوں  
کی صفیں دیکھنے کے لئے موجود ہو۔ ترکوں نے اس کا مقصد نہ نقشہ  
شانے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کی عبادت گاہ اس نشان شرک کی  
متحمل نہیں ہو سکتی تھی، مگر دوسری طرح نہ مٹ سکا شاید یہ اس کا بچہ  
ہو کہ وہ ایک ایسے تاریک حصے میں ہو جہاں سے وہ رکتی دیکھتی ہو، مگر وہ  
سب دیکھ نہیں سکتے!

یہ عجیب اتفاق ہو کہ اس کی محراب۔ حالانکہ وہ کینا تھی۔ لیکن کبھی  
ترمیم کے مسجد کی محراب بن گئی۔ کیونکہ ٹھیک قیل کی سمت میں آتے تھے۔  
یہی سبب ہو کہ نماز میں تم اپنے آپ کو ایسے زمین شیشوں کے سامنے  
پاؤں کے جو صرف کنیسوں ہی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ ہمداری بنگا  
جدہ اٹھ گئی، آیات قرآنی اور عربی عبارتیں نظر آئیں گی، مگر تم بھی  
کرو گے کہ مسجد میں نہیں، سچی کنیسے میں ہو۔ کیونکہ ایاصوفیہ کی مجموعی حالت  
اب تک بالکل کنیسے ہی کی ہو۔

اس محراب کے قریب، جو صلیب سریش کرتی ہو، سنگ مرمر کا  
ممبر اب تک قائم ہو جس پر سچی خطیب کھڑا ہوتا تھا۔ اسی کے مقابلے پر  
اور ممبر بنایا گیا ہو۔ اس پر اسلامی خطیب کھڑا ہوتا ہو۔ یہ دونوں ممبر  
گویا تاریخ کے دو اہم حصے ہیں اور کبھی محو ہونے والے نہیں!  
مسجد کے ساتوں فواد کی چھانکے اتنے عظیم الشان ہیں کہ حکم فلو

## سیر فی الارض

اولم سیر فی الارض فتعیر کیف کان عاقبہ اللدین بن قہلم

(۸۰۳۰)

سیاحان عالم کے مشاہدات و تاثرات

قدیم قاطن پر ایک جدید نظر

(مصری اہل قلم اتاذ مری محمود کے قلم سے)

مسجد ایاصوفیہ

سیاحان عالم نے ہمیشہ اعتراف کیا ہو کہ ایاصوفیہ کے مشاہدے سے تو میری  
دعویٰ جلال و جمال کی جو عظمت انسان کے دل و دماغ کو سر کر لیتی ہو،  
وہ دنیا کی کسی موجودہ عمارت میں نہیں پائی جاتی۔ لندن کے ڈسٹرکٹ میں  
کے بائیسویں، دسویں کے کینے، ایفینر کے کرول، اقصیٰ کے مسجد کرکٹ انگلی  
کے محل، کوئی بھی اس نوعیت کی تاثیر نہیں رکھتا، جو ایاصوفیہ کے کوٹھڑی  
ہی میں نے طویل القدر تو سناخ آمین کی لاش اس کے پر شوکت ممبر  
میں دیکھی ہو، وہ ممبر جس کے آکٹشان نے دنیا بھر کے اعتصاب ہلاک  
ہیں۔ لیکن میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو کل ایاصوفیہ کے مشاہدے  
سے ہو سکتا تھا اور جو شاید زندگی بھر محسوس ہوتا ہو گا!  
کنسہ ایاصوفیہ، اب مسجد ایاصوفیہ بن گیا ہو۔ یہی بہتر اور مناسب  
بھی تھا۔ کیونکہ قدسیہ صوفیہ، جس کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی ہو، قرآن  
و عبادت کے اعتبار سے، ایک مستقبل مسجد بننے کی مستحق نہیں ہو۔

(بقیہ صفحہ ۱۹)

دنیا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اسے لینے والا نہیں کیونکہ  
میں ہمیشہ اسی دین سے ڈرتا رہا ہوں جو آج دوپش ہو۔

مسجد (دستہ) میں انتقال کیا

سید سیدہ امام نحو

مشہور نحو سیدہ نے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یوم دنیا لبتی لہ فمات المؤمن قبل الامل

آرزو کرنے والے نے آرزو کی کہ دنیا ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن آرزو  
بیٹھی ہی آرزو کرنے والا مر گیا۔

یہ کہہ کر بوش ہو گئے۔ سر بھائی کے زانو پر تھا وہ روئے لگے۔

انھوں نے آنکھ کھول دی۔ ان کے آنسو دیکھ کر کہا:

دکنا جیسا فرق الدہر بیننا الی اللہ الا لقی فی یمن یا من اللہ

ہم سب ہوا تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ پس زمانے پر  
کون بھروسہ کر سکتا ہو؟

مسجد (دستہ) میں وفات پائی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

نمبر ۱۷

جمعہ ۱۷ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 14, October 1927.

جلد ۱

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جتنی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیں۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔  
الہلال

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۴۰۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۰۷	اردو حروف کی حق میں	۳۹۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۴۲۴	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۴۰	نستعلیق ہون	۱۴۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تھیل اپنی خیالات ظاہر  
کریں گے، مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔  
الہلال

## طریق جدل اور طریق ہدایت

مصلح نہیں آپکو وہ بات بھی یاد رہی یا نہیں جو میں نے گزشتہ سال آپکے ذہن نشین کرانی چاہی تھی۔ اس راہ میں بحث و جستجو کے ہمیشہ سے ذوق طریقہ سے ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے جسے قرآن نے اپنی زبان میں جو لے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جسے "ہدایت" کے لفظ سے پکارا ہے۔ "جدل" کے معنی لڑنے جھگڑنے کے۔ "ہدایت" کے معنی سیدھی اور سچی راہ اختیار کرنے کے۔

وہ تمام لوگ جو حقیقت و صداقت کے متلاشی نہیں ہوتے بلکہ خاص خیال اور جذبہ سے اپنی کوئی بات منوانی اور دوسرے کی کوئی بات گرا دینی چاہتے ہیں، طریق جدل پر عامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپکو کتنا ہی حق کا طالب مطیع ظاہر کریں، لیکن فی الحقیقت وہ حق کے نہیں اپنی ہوا نفس کے مطیع ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کے متلاشی نہیں ہوتے کہ ہر موقع پر اُس کے ظہور و علم کے منتظر رہیں۔ وہ محض اپنے کسی ٹھکانے ہونے خیال اور اعتقاد کے تجاری ہوتے ہیں، اور اس لئے ہمیشہ اپنا ڈھونڈھیں لگے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوا دیں۔ مذہب عالم کے برجوش حامیوں، مذہبی مجالس کے زبان دراز مناظروں اور مذہبی بحث و منظر کے بنائے ہوئے نام نہاد علوم میں سرسری کھنے والوں کا غالب حصہ یہی طریق جدل کی پیداوار ہے۔

لیکن دوسرا طریقہ طریق "ہدایت" ہے۔ یہ ان لوگوں کی راہ ہے جو سچ کو سچائی اور حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں، اور منوانے کے لئے کہاں مان لینے کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔ وہ نہ تو کوئی خاص فریقاً جزو رکھتے ہیں، نہ کوئی خاص فریقاً دعویٰ۔ نہ تو انہیں کسی خیال اور اُردا کی برتری ثابت کرنے کی پیچ ہوتی ہے، نہ کسی خاص خیال اور رائے کو زک لے کر جو ش۔ اُن کی طلب، اُن کی جستجو، اُن کا اعتقاد، اُن کا مشرب، اُن کا صلہ، اُن کی تمام کرد و کارش کی غرض غایت، صرف یہی ہوتی ہے کہ حق کی تلاش کی جائے، اور جب مل جائے تو اسے پہچان لیا جائے۔ اس طریقہ کے روبرو کی ہر بات کچھ طریقہ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ مقصد اور منظر فکر کی روح میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ طریق جدل پر چلنے والے سچائی کے نہیں بلکہ سچائی کے نام پر جھگڑنے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہر بات میں ایک جھگڑا اور بحث و داغ کی روح پائی جاتی ہے۔ لیکن طریق ہدایت کا پیر و کمال میں بھی جھگڑا اور بحث و جدل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُس کی روح طلب حق کی روح ہوتی ہے، اور حق کی طلب اور اُس کی معرفت کا عشق کبھی بحث و نزاع کی نفس پرستوں کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ فی الحقیقت ان دونوں طریقوں میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ صریح تضاد ہے۔ پہلے کا نتیجہ یہ ہے کہ حق کی طلب و معرفت کی استعداد ہی طبیعت انسانی میں باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف حق ہی کی طلب و معرفت کا استغراق باقی رہ جاتا ہے۔ نفس ہوں کی تمام عقلیتیں اور خود پرستیاں معدوم ہوجاتی ہیں۔

## جدل یا ہدایت؟

میں نے پہلے بھی لکھا تھا، اور اب پھر آپکو توجہ دلانا ہوں کہ اگر سفر کا غزم ہو تو کیوں پہلے ہی سے اپنی گمراہی کا بھی فیصلہ کر لیں؟ کیوں نہ قہم بڑھانے سے پہلے سوچ سمجھ لیں کہ جس راہ اختیار کرنی ہے؟ راہیں یہاں دو ہی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن نے اپنی بولی میں "جدل" کہا ہے۔ دوسری وہ جسے "ہدایت" سے تعبیر کیا ہے۔ اگر "جدل" کا شوق ہو، تو واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا کے پرستار ان مذاہب میں مناظروں کی صدی انسان اسی راہ پر گامزن ہیں۔ آپ بھی اس بیڑ میں شامل ہوجائے۔ لیکن اگر حق کی طلب اور سچائی کی لگن ہو، تو یہ ضروری ہو کہ دوسری راہ اختیار کی جائے۔ لیکن دوسری راہ اختیار کرنے کے

معنی یہ ہیں کہ زبان سے اہم دعاوی کیا جائے۔ جہاں تک دعویٰ تعلق ہو، کوئی سخت سے سخت مجادل (جھگڑا) انسان بھی اس کو سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ چاہے کہ سچ کچھ کو جدل و نزاع کی جگہ سچائی کے ایک سچے اور بے نفس متلاشی کی روح آپکے اندر پیدا ہوجائے۔ اس صورت میں آپکے بحث و مطالعہ کا انداز ہی دوسرا ہوگا۔ جو چیزیں بقول آپکے آج "شک شبہ کا طوفان" آپکے اندر پیدا کر دیتی ہیں، اُس حالت میں آپکے لئے فریقین کا پیغام اور معرفت حق کا وسیلہ بن جائیں گی!

## مذہب عالم پر اعتبار حفظ و عمل

اگر ایک شخص "مجادل" نہیں بلکہ طریق "ہدایت" پر عامل ہو، تو وہ بغیر کسی بحث و اختلاف کے تسلیم کرے گا کہ آج جس قدر مذاہب دنیا میں موجود ہیں، تعلیمی مصاد کے لحاظ سے انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) وہ نہایت قدیم مذاہب جن پر امتداد زمانہ سے انقلاب حالت کے ایسے دور گزر چکے ہیں کہ اب انہیں اُن کی حقیقی صورت و حالت میں علم کرنا نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ اُن کی تعلیم کے مصاد محفوظ نہیں ہیں، انکی حقیقی تعلیمی روح یک قلم منقلب ہو گئی ہے، انکے پیروں کی علمی زندگی میں کاباب کوئی سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔

کسی چیز کی اصلیت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے دوطرح کی شہادت مل سکتی ہیں: اندرونی اور برونی۔ دونوں کا مطلب واضح معلوم ہے۔ حاجت تشریح نہیں۔ اس قسم کے مذاہب کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے لئے ہم اُن کی اندرونی شہادتوں پر قناعت نہیں کر سکتے، کیونکہ انقلاب حالت کی وجہ سے اُن کے پیروں کی علمی و عملی زندگی اس درجہ بدل چکی ہے کہ اُس سے حقیقت کی شہادت ملنا مستورح نہیں۔ طالب حقیقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ برونی شہادتوں کی جستجو کرے۔ اگر کوئی ایسی شہادت مل جائے تو اُس کی روشنی میں اُن کی اندرونی حالت پر نظر ڈالے۔

(۲) دوسری قسم اُن مذاہب کی نظر آئے گی جن کی عمر علمی و علمی مذہب سے کم ہو، اور جنہیں نسبتہ اپنی تعلیم کی اشاعت تو سب سے کم ہو، بہتر زمانہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اگرچہ اُن پر بھی انقلاب حالت کے وہ تمام دور گزر چکے ہیں جو اصلیت کو محض اور تبدیل کر دیتے ہیں علمی روح یک قلم مفعول ہوجاتی ہے، تاہم اُن کی تعلیم کے بنیادی سرچشمے اس حد تک ضرور موجود ہیں کہ ایک طالب حق اُن سے اندرونی شہادت حاصل کر سکتا ہو، اور تفسیر و تحریف کے بے شمار پورے بڑھانے پر بھی اصلیت کی جھلک نظر آجاتی ہے۔

البتہ یہ اندرونی شہادت اس درجہ واضح اور قطعی نہیں ہو کہ برونی شہادتوں کی ضرورت نہ ہو۔ ضروری ہے کہ کوئی مضبوط شہادت باہر سے بھی حاصل کی جاسکے، ورنہ حقیقت کا قابل یقین فیصلہ نہیں ہوسکے گا۔

(۳) اگر ہم نے صحت نظر کے ساتھ ان دونوں قسموں پر نظر ڈال لی ہو، تو ضروری ہے کہ ایک تیسری اور آخری قسم بھی سامنے آجائے۔ یہ وہ قسم ہے جس کا ظہور دنیا کے تمدن و علوم کی اشاعت و تنظیم کے زمانے میں ہوا، اور اس لئے ایسے مسائل اُسکے لئے ہم جو گئے کہ تعلیمی مضامین کے تلف ہونے یا کمی بیشی سے محروم ہوجانے کا کوئی ٹھکانا باقی نہیں رہا۔ جس طرح اُس لئے میں جبکہ اُس کا نیا نیا ظہور ہوا تھا، اُس کی تعلیم اپنی حقیقی صورت و حالت میں دیکھی جاسکتی تھی، ٹھیک اُسی طرح آج بھی ہر آنکھ دیکھ لے سکتی ہے۔ البتہ انقلاب حالت کے وہ تمام دور و محبت بشری کی داعی و علمی زندگی پر گزرا کرتے ہیں، اُس پر بھی گزے نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے فہم و عمل کی روح روز بروز کمزور پڑتی گئی۔ یہاں تک کہ اُس کی حقیقی تعلیم کے مقابلہ میں، اُسکے پیروں کی علمی و ذہنی زندگی مجموعی ایک نئے قسم کا نقشہ پیدا کر دیا۔ تاہم ایک جوابائے حقیقت کے لئے اضطراب و تشویش خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اُس کے تمام تعلیمی

مصادر اپنی اہل حالت میں موجود ہیں، اور وہ اس قدر واضح، اس قدر مختصر، اس قدر سہل الحصول ہیں کہ ہر طالب حقیقت طلب و معرفت کا ایک قدم بڑھا کر اُن تک پہنچ جاسکتا ہو، اور جیسا کہ پہلے بھی اصلیت ہو اس سانسے روشن ہوجاسکتی ہے۔

چونکہ اس آخری قسم کے تمام تعلیمی مصاد محفوظ، مدون، اندر انسان کے دسترس میں ہیں، اس لئے اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی برونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف اپنی اندرونی شہادت ہی سے پہچانی جاسکتی اور پرکھی جاسکتی ہے۔

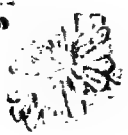
بلاشبہ اُس کی علمی روح امتداد زمانہ کے موزنات و عوامل سے متاثر ہو چکی ہو، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" دو مختلف چیزیں ہو گئی ہیں تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُسکی عملیت کی بنیادیں کھلی دو متوں کی طرح منہدم ہو گئیں۔ ایک جوابائے حقیقت معلوم کر لے سکتا ہے کہ امتداد زمانہ کے یہ تمام تغیرات سطح سے نیچے نہیں ترسکے ہیں۔ بنیادیں بدستور قائم ہیں۔ مذاہب عالم میں ہندوستان اور ایران کے قدیم مذاہب پہلی قسم میں داخل ہیں۔ یہودی اور مسیحی مذاہب دوسری قسم میں۔ تیسری قسم سے مقصود اسلام ہے۔

## جوابائے حقیقت کا فرض

اگر ایک شخص کی راہ وہ نہیں ہے جسے "جدل" سے تعبیر کیا گیا ہو، تو وہ مذاہب عالم کی اس صورت حال کے اعتراف میں گمراہی میں نہیں گرے گا اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" کا اختلاف، یا حقیقی تعلیم اور غیر حقیقی تعلیم کی موجودگی کبھی اُس کے لئے "شک شبہ کا طوفان" پیدا نہیں کر سکے گی۔ وہ دنیا کی زیادہ سے زیادہ واضح حقیقتوں کی طرح دیکھے گا کہ بروان مذاہب کا موجودہ عمل و فہم اُن مذاہب کی حقیقی تعلیم کے لئے حجت نہیں ہوسکتا اور یہ ناگزیر ہے کہ جماعت، عمل، اور شخصی ترجیحات سے بے اثر ہو کر صرف مذہب اور اُس کی "تعلیم" پر اجماع کریں۔ درہندیا تو ہیں یک قلم مذاہب کے برخلاف فیصلہ کرنا پڑے گا، یا فریقہ و تعصب دابھکار میں مبتلا ہوجائیں گے، اور اس طرح فہم حقیقت و اعتدال رائے کی راہیں ہم پر بند ہوجائیں گی۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہو، شاید ہی دنیا میں کسی تعلیم کی حقیقت اصلیت کا ادراک اس قدر آسان اور سہل ہو، جقدر اسلام کا ہے۔ آدمی یہ کہ اُس کی تعلیمی اصل اس طرح محفوظ اور مرتب دنیا کے ہر انسان کے دسترس میں ہے، کہ بغیر کسی علمی تحقیق کا دش کے ہر شخص حاصل کر لے سکتا ہو اور اُس کے مطالب سے واقف ہوجاسکتا ہو۔ تاہم اُن کے تمام مصاد اس طرح سہل اور سہل شدہ ہیں کہ اس ہائے میں کسی شہادت کی گنجائش نہیں۔ شائداً تعلیمی مصاد کی جتنی بھی مقدار ہو، بہت مختصر ہو۔ اتنی مختصر ہو کہ اگر ایک معمولی درجہ کا تعلیم یافتہ انسان چاہے تو ایک دن کے اندر معلوم کر لے سکتا ہو کہ اسلام کے تعلیمی مصاد کے مطالب کیا لیا ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک تعلیم اس درجہ واضح اور سہل ہائے سامنے موجود ہو، تو کیا کسی انسان پسند "غیر مجادل" انسان کے لئے جائز ہوسکتا ہو کہ وہ اُس کے فہم کے لئے خود اپنے اعتبار و اعتقاد کرے، اور اگر اُس کی تعلیم میں اور بعض انسانوں کے فہم میں اختلاف واقع ہوجائے، تو اپنے آپ کو "شک شبہ کا طوفان" کے حوالے کرے؟

یہاں تک میں نے صرف اصولی بحث کی ہے۔ اب مجھے آپ کے بعض تاثرات اور پیش کردہ مسائل کا جواب دینا چاہئے۔



موت و حیات وجود میں آسکتی ہے - مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطے سے زندہ انسان پیدا ہو سکتا ہے ، اور قتل کے ذریعہ ہلاک کیا جا سکتا ہے - اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اپنی دلیل کی مزید وضاحت کی اور فرمایا کہ اسیاء اور اِماتت اگرچہ افلاک کی حرکات کے واسطے سے ظہور میں آتی ہے ، لیکن افلاک کی حرکت بھی تو خدا ہی کے حکم و مشیت سے ہے - اُس کے سوا کون ہے جو انہیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اُس کے سوا کوئی دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کر سکتا ، تو ثابت ہو گیا کہ اِحياء اور اِماتت بھی نہیں کر سکتا -

میں حیران ہوں کہ اس امام جلیل القدر کی اس تقریر کی نسبت کیا عرض کروں ؟ ان کے جواب سے شبہ دور ہوا ہے یا آرزو زیادہ مضبوط ہو گیا ہے ؟ اول تو یہ فرض کرنا کہ نمود کا مطلب اعتراض سے واسطہ اور بغیر واسطہ کا جھگڑا تھا ، کہاں سے ثابت ہوتا ہے ؟ قرآن مجید میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ ” انا احی و امیت “ پھر یہ کہنا کہ یہ دوسری دلیل کی مزید توضیح ہے ، نئی دلیل نہیں ہے ، کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا - افلاک کی حرکت کو بھلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکر یہ استدلال پہلی دلیل کے ساتھ مربوط ہو سکتا ہے ؟ پہلی دلیل کا تعلق جلانے اور مارنے کی صفت سے تھا - دوسری میں سورج کے طلوع و غروب کی جہت سے - اس میں اور موت و حیات کی طاقت و تصرف میں کوئی علاقہ نہیں - تعجب ہے کہ کیونکر امام موصوف ایسی کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذہب قرار دیتے ہیں اور وثوق کے ساتھ قرار دیتے ہیں -

پھر مفسرین کا یہ عام مذہب بھی کہ دوسری دلیل پہلی سے اوضح ہے ، تشفی پیدا کرنے سے قاصر ہے - صاف بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلی دلیل ہی زیادہ واضح اور قطعی تھی -

تیسرے شبہ کا جواب امام موصوف نے یہ دیا ہے کہ نمود دوسری دلیل کا معارضہ نہیں کر سکا - اسلیے کہ ہو سکتا ہے ، خدا نے اُس وقت اُس کے حواس مختل کر دیے ہوں - وہ اس قابل ہی نہ رہا ہو کہ اعتراض کرے - سوال یہ ہے کہ اگر معترض اور مشکک کو اسی طرح حواس باختہ کر کے چپ کرادینا تھا ، تو پھر اس مناظرہ کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ پہلے ہی سے مضبوط الحواس بنا دیا ہوتا ، تاکہ وہ اعتراض ہی نہ کر سکتا - علاوہ بریں اگر خدا تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جو معترضین انبیاء کرام سے معارضہ کرتے ہیں ، ان کے حواس سلب کر لیا کرتا ہے ، تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں ہوتے ، اس لیے غریب معترضین مضبوط الحواس کر کے چپ کر دیے جاتے ہیں - کیا ایسے جوابوں سے قرآن مجید کے معارف روشنی میں آسکتے ہیں ؟ خصوصاً اِس زمانے میں ؟

خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے ہیں کہ ” جب ایک دلیل یا مثال خصم کے مقابلہ میں پیش کی جائے ، اور اُس پر وہ نا فہمی سے اعتراض کر دے ، تو مستدل کا فرض ہے کہ اُس کے اعتراض کی خامی ظاہر کر دے اور بغیر اس کے آگے نہ بڑھے ، اور جب ایک معمولی مناظرہ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے ، تو ظاہر ہے ، کہ ایک نبی ، اولوالعزم کے لیے کیوں ضروری نہ ہو جس کا مناظرہ تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادی صداقت کے پیش کیا جا رہا ہے ؟ “ تاہم وہ اس قوت کے ساتھ اعتراض راؤں کرے ، اس کا کوئی کمزور سے کمزور جواب بھی نہیں دیتے ، اور صرف یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ ” محققین کی تفسیر پر شبہات وارد

جو سورج کو جس طرف سے چاہے نکالے “ لیکن سورج کا ایک سمت کی جگہ کسی دوسری سمت سے نکلنا کوئی دنیا کا محسوس واقعہ نہ تھا جو لوگوں کے علم میں ہوتا اور حضرت ابراہیم آسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے - نمود کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر یہی دلیل ہے تو تمہارا پروردگار پورب کی جگہ پیچم سے ایک مرتبہ نکال دکھائے - اس پر حضرت ابراہیم کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاہتے کہ نظام شمسی کا پورا کارخانہ درہم برہم کر کے سورج دوسری سمت سے نکلتا ہوا دکھا دے ؟

( ہ ) علاوہ بریں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل سے رجوع کر کے دوسری دلیل پیش کی ، تو ضروری تھا کہ یہ پہلے سے زیادہ واضح و اقطع ہوتی - اُن کی پہلی دلیل یہ تھی کہ موت و حیات کی باگ اللہ ہی کے ہاتھ ہے - دوسری یہ کہ اجرام سماری اُسی کے حکم و مشیت سے کام کرتے ہیں - ظاہر ہے کہ دوسری دلیل پہلی سے زیادہ وزنی نہیں کہی جا سکتی - اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیہی معاملہ خصم کو ساکت نہ کر سکا ، تو اجرام سماری کا معاملہ کیا مفید اثبات ہو سکتا ہے ؟

میں نے بڑے ہی شوق سے حضرت امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر دیکھی تھی - کیونکہ وہ قرآن مجید کے مقامات کو عقلی مباحث سے صاف کرنا چاہتے ہیں - مگر میں عرض نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر مایوسی ہوئی ؟ لطف یہ ہے کہ انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ یہ تمام شبہات خود ہی لکھے ہیں ، لیکن جواب کا جو کچھ حال ہے ، اس کا اندازہ اِس سے کر لیجیے کہ اُس کے پڑھنے کے بعد اپنے دل کو آرزو زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا پگا ہوں -

پہلے شبہ پر انہوں نے بالکل توجہ نہیں کی ہے - دوسرے شبہ کے دو جواب دیے ہیں - ایک یہ کہ ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز ہے - اس میں کوئی حرج نہیں ، کیونکہ دوسری دلیل پہلی دلیل سے اوضح ہے - اِسے علم مفسرین کی طرف منسوب کرتے ہیں - دوسرا جواب ” محققین “ کا جواب قرار دیا ہے - وہ یہ ہے کہ ” یہ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا نہ تھا - بلکہ ایک ہی دلیل کی مزید وضاحت کرنی تھی : ” و ہوا نا نری حدوث اشیاء لا یقدر الخلق علی احدثاھا “ لہ امثالۃ ” منها الاحیاء و الاماتۃ “ و منها السحاب و الرعد و البرق “ و منها حرکات الافلاک و الکواکب “ و المستدل لا یجوز لہ اُن ینتقل من دلیل علی دلیل آخر “ لکن اذا ذکر لایضاح کلام مثلاً “ فہ اُن ینتقل من ذلک المثل الی مثال آخر “ فکان ما فعلہ ابراہیم من باب ما یكون الدلیل و احداً “ إلا انہ یقع الانتقال عند ایضاحہ من مثال الی مثال آخر - و ہذا الوجه احسن و الیق بکلام اہل التحقیق “ اُس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں : ” لما احتج ابراہیم بالاحیاء و الاماتۃ “ اردو الخصم علیہ سوالا لا یلیق بالعقلاء “ و ہوانک اذا دعیت الاحیاء و الاماتۃ لا براسطۃ “ فذلک لا تجعد الی اثباتہ سبیلاً “ و ان دعیت حصولہا براسطۃ حرکات الافلاک “ فنظیرہ او ما یقرب منہ حاصل للبشر - فاجاب ابراہیم بان الاحیاء و الاماتۃ و ان حصلاً براسطۃ حرکات الافلاک “ لکن تلک الحرکات حصلت من اللہ تعالیٰ و ذلک لا یقدح فی کون الاحیاء و الاماتۃ من اللہ “ بخلاف الخلق فانہ لا قدرۃ لہم علی تحرکات الافلاک “ خلاصہ اِس تقریر کا یہ ہے کہ پہلی دلیل پر جو نمود نے اعتراض کیا تو اِس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کہا ، خدا کی صفت جلانے اور مارنے کی کیسی ہے ؟ وہ بلا واسطہ جلانا اور مارتا ہے ، یا افلاک کی حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعہ ؟ اگر پہلی بات ہے تو اُس کا اثبات ممکن نہیں - اور اگر دوسری بات ہے تو یہ انسان کو بھی حاصل ہے - یعنی رسائط کے ذریعہ





## حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا

### مکالمہ

۱۔ کریمہ ”الم تر الی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

• • • • •

ایک استفسار

• • • • •

(از جناب مولوی محمد عبدالحق صاحب سکندرابادی)

• • • • •

جیسا کہ جناب کر معلوم ہے، میں گزشتہ سال سے ایک سلسلہ رسائل کی ترتیب میں مشغول ہوں جن کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطالب حکیمانہ ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں کہ آج کل کی مذہب سے برگشتہ طبیعتیں اُن سے تشفی حاصل کر سکیں۔ ایک ہمدرد ملت رئیس دکن نے اُنکے انگریزی زبان میں ساتھ ساتھ ترجمہ کرانے کا بھی انتظام کر دیا ہے، اور اُمید ہے کہ چند ماہ کے اندر اُنکی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو جائیگا \* \* \* \* \* اس سلسلہ میں قرآن مجید کے متعدد مقامات ہیں جو ایک عرصہ سے میرے سامنے ہیں۔ لیکن تحقیقت یہ حال یہ ہے کہ جیسا تشفی بخش حل اُنکا ہونا چاہیے، اس وقت تک نہیں ہو سکا ہے، اور جب تک خود اپنی طبیعت مطمئن نہ ہو جائے، دوسروں کے سامنے قدم اُٹھانا دیانت تحریر کے خلاف سمجھتا ہوں۔ یہ عرض کرنا ضروری نہیں کہ قرآن مجید کے فہم و مطالعہ کا جسقدر بھی خاکسار ذوق پیدا کر سکا ہے، وہ سب جناب ہی کے طفیل ہے، اور جناب ہی کی تحریرات کے شغف کا نتیجہ ہے۔ اسلئے ان مشکلات میں بھی جناب ہی سے دستگیری کی اُمید ہے۔ اگرچہ وہ مقامات ایک سے زیادہ ہیں، مگر سر دست میں جرأت نہیں کر سکتا کہ جناب کا زیادہ وقت لوں۔ صرف ایک مقام کی نسبت اپنا اطمینان چاہتا ہوں جسکے خاطر خواہ حل نہ ہونے کی وجہ سے خاکسار کی زیر ترتیب کتاب کا کام رک گیا ہے۔

سرورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک بادشاہ کے مناظرہ کا ذکر ہے جسکی نسبت ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ وہ نمرود تھا: الم تر الی الذی حاج ابراہیم فی ربہ ان اتاہ اللہ الملک، ان قال ابراہیم ربی الذی یحیی ویمیت، قال انا احيی و امیت، قال ابراہیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب، فہمت الذی کفر، و اللہ لا یہدی القوم الظالمین۔ مضمون اس آیت کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم سے نمرود نے خدا کے باب میں حجت کی۔ اسپر اُنہوں نے فرمایا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ یعنی زندگی اور موت اُسی کے قبضہ و

تصرف میں ہے۔ اگر کوئی دوسری ہستی خدائی کی مدعی ہے، تو اُسے چاہیے کہ یہ قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے۔ نمرود نے اسکے جواب میں کہا۔ اگر یہی وصف خدائی کا ہے تو یہ مجھ میں بھی ہے۔ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے یہ سنکر فرمایا کہ خدا پررب سے سورج نکلتا ہے۔ تو پچھم سے نکال دے۔ اس پر نمرود مہوت ہوکر رہ گیا۔

یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ہے جس میں نمرود کی حیثیت خدائی کے مدعی کی ہے اور حضرت ابراہیم اسکے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اب اس آیت کی تفسیر میں چند درجہ مشکلات حائل ہیں:

(۱) اول یہ کہ جب نمرود خدا ہونے کا مدعی تھا، تو ظاہر ہے کہ دلیل پیش کرنا اسکے ذمہ تھا۔ نہ کہ حضرت ابراہیم کے ذمے جنکی حیثیت منکر کی تھی۔ لیکن یہاں حضرت ابراہیم اس سے کوئی دلیل نہیں مانگتے۔ بلکہ خود اپنے پروردگار کی پروردگاری کی دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ ”الذی یحیی ویمیت“ اور وہ اس سے معارضہ کرنے لگتا ہے۔

(۲) پھر جب اُنہوں نے ایک ایسی دلیل بیان فرمادی تھی جس سے بڑھکر راضی اور قاطع دلیل نہیں ہو سکتی، تو چاہیے تھا کہ نمرود کے جاہلانہ اور طفلانہ معارضہ کی قلعی کھول دیتے۔ کیونکہ وہ اپنے جہل و بلاد سے زندگی بخشنے اور موت دینے کا وہ مطلب سمجھ ہی نہ سکا تھا جو موتی سے موتی انسانی عقل کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ وہ بول اُٹھا کہ یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے۔ ضروری تھا کہ حضرت ابراہیم فرماتے، موت اور حیات بخشنے سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ اُن دیکھی ذات تمام جانداروں کو نیستی سے ہستی بخشتی ہے، اور پھر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتی ہے، اسی طرح تو بھی ایک چھوٹا سے چھوٹا کبڑا بنا دیکھ۔ لیکن آپ یہ نہیں کہتے، بلکہ فوراً اس دلیل کو چھوڑ کر ایک دوسری دلیل پیش کر دیتے ہیں۔ یعنی سورج کو اسکی معمولی سمت کی جگہ دوسری سمت سے نکال دینے کی فرمائش کرتے ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ گویا آپ اپنی پہلی دلیل کی کمزوری مان لی۔ اور (نعرہ باللہ) نمرود کے معارضہ سے لاچار ہو گئے۔ اسلئے اسے چھوڑ کر نئی دلیل کا سہارا لیا۔ ایک معمولی مناظر کیلئے بھی یہ بات دلیل عجز ہے، چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر کیلئے۔

(۳) پھر دوسری دلیل جو پیش کی گئی، اُس پر بھی شبہات وارد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید ناطق ہے کہ پہلی دلیل سے نہیں مگر دوسری دلیل سے نمرود لا جواب ہو کر رہ گیا۔ مگر اعتراض ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی شرح چشمی کا یہ حال تھا کہ موت و حیات کے وصف الہی تک کا بیان اُسے چپ نہ کر سکا، وہ اس دوسری دلیل سے کس طرح لا جواب ہو گیا؟ اگر کہا جائے، اس لیے کہ وہ پچھم کی طرف سے سورج نکالنے پر قادر نہ تھا، تو جواب یہ ہے کہ وہ موت و حیات بخشنے پر بھی تو قادر نہ تھا؟ جس طرح اس بات کا ایک غلط مطلب تھا کہ اُس نے معارضہ کر دیا تھا اور حضرت ابراہیم ترک دلیل پر مجبور ہو گئے تھے، اسی طرح اس کا بھی کر دے سکتا تھا۔ کہدینا میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔

(۴) علامہ بریں دلیل کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسی بات ہوتی ہے کہ اس کے اثبات سے مدعا کا ثبوت متحقق ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم کی دوسری دلیل ایسی معلوم نہیں ہوتی۔ اُس کا اثبات اس مقدمہ کے اثبات پر موقوف ہے کہ ”خدا“ وہی ہو سکتا ہے

وہ مجبور تھے کہ عام دسترخوانوں ہی پر بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ یونان میں اصلاح و تجدید کے داعی مجرم سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ پوزی قوم، سقراط کے خلاف کھڑی ہو گئی، اور اُس وقت تک چین نہ لیا جب تک اُس مصلح کی جان نہ لے لی!

بلاشبہ اس قسم کے سخت نظامات اُن ملکوں کے لیے ضروری ہیں، جو ہمیشہ دشمن کے حملوں کا نشانہ بنے رہتے ہیں۔

قدیم زمانے میں رومانیوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اصلاح و انقلاب میں نقطہ توازن کیا ہے۔ ایک طرف وہ تجدید و اصلاح کے حامی تھے دوسری طرف اپنی خصوصیات کی حفاظت بھی کرتے تھے۔ یہ وصف اُن میں اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ فتوحات نے اُن کے تعلقات دوسری قوموں سے قائم کر دیے تھے۔ یہ تعلقات نئے نئے حالات پیدا کر دیتے تھے، اور وہ نظامات کی تبدیلی پر مجبور ہو جاتے تھے۔ رومانیوں کا سنہرا زمانہ وہی تھا جب وہ اس مرکز توازن پر قائم تھے۔ لیکن جب سے انہوں نے افراط و تفریط شروع کی، رز ہرز کرنے اور تباہ ہونے لگے۔

(انگریزوں کی کامیابی کا راز)

موجودہ زمانے میں علمی اکتشافات، جدید صنائع کے ظہور، اور مواصلات کی سہولت و کثرت نے مختلف تمدنوں میں ایک ایسا تصادم و احتکاک پیدا کر دیا ہے، کہ ہر لمحہ عظیم تغیرات و انقلابات کے موقعے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مرکز توازن تقریباً مجہول ہو گیا ہے، اور اُس کی تلاش از حد مشکل ہو گئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ موجودہ دنیا میں ہر طرف شورشیں اور انقلابات برپا ہو رہے ہیں۔ کوئی نظام بھی پائیداری حاصل کرنے نہیں پاتا۔

لیکن صرف انگریزوں ہی کی قوم یورپ کی ایک ایسی قوم ہے جس نے رومانیوں کی طرح مرکز توازن معلوم کر لیا ہے۔ وہ ایک طرف اصلاح و تجدید کی حامی ہے۔ دوسری طرف اپنے قومی مقومات بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اُن میں جمود و تقلید نہیں ہے۔ برابر اصلاح و تجدید میں مشغول ہیں، مگر پوزی تہذیب اور دانشمندی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہیں۔ انگلستان کی آزادی وہ تو کرامویل کے ہاتھوں قائم ہوئی ہے، نہ جمہوریت پسندوں کی لائی ہوئی ہے۔ وہ انگریزی تاریخ کی پیدوار ہے (۱)۔ یہ تمام عظمت و قوت جس پر آج انگلستان فخر کر رہا ہے، درحقیقت اسی توازن فکر و عمل کا نتیجہ ہے۔

(۱) جب خاندان اسٹورٹ کے پادشاہ چارلس اول کا استبداد

بہت بڑھ گیا، تو انگریز امریکا کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ حتیٰ کہ انگلستان کے بعض علاقے بالکل خالی ہو گئے۔ ظالم بادشاہ یہ دیکھ کر گھبرایا اور ہجرت کی ممانعت کر دی۔ جس دن ممانعت کا اعلان ہوا، دریائے ٹیمس میں مہاجرین کے کئی جہاز روانگی کے لیے طیار تھے۔ انہی میں کرامویل بھی تھا۔ اب باشندوں نے دیکھا کہ ظلم سے نجات حاصل کرنے کی راہ بغاوت کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بغاوت شروع ہو گئی۔ کرامویل اس باغی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ بغاوت کامیاب ہوئی۔ جمہوریت کا اعلان کیا گیا۔ کرامویل جمہوریت کا صدر منتخب ہوا۔ اُس وقت اُس کا لقب ”لارڈ پروٹیکٹر“ تھا۔ مگر بعد میں خود یہ بھی مستبد ہو گیا۔ آخر سنہ ۱۶۴۹ء میں قوم نے اُس کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا۔

یہ اجتماعی قانون نہایت عجیب ہے۔ کیونکہ بظاہر ایک قسم کا تناقض رکھتا ہے۔ ایک طرف کہتا ہے، ’تغیر و تبدل ضروری ہے‘۔ نئی چیز لو اور پرانی چیزیں چھوڑ دو۔ دوسری طرف یہ بھی کہے جاتا ہے کہ پرانی چیزیں ایک لخت فنا نہ ہونے دو۔ اپنے پچھلی مقومات و خصوصیات باقی رکھو۔ اپنی قومی خصوصیات متا کر کوئی قوم، قوم نہیں رہ سکتی۔ لیکن فی نفسہ اس میں تناقض نہیں ہے۔ دونوں باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ نئی چیزوں کے اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام نئی چیزیں اختیار کر لی جائیں جو قومی مزاج و مصالح کے موافق ہوں۔ خصوصیات کے باقی رکھنے سے مقصد یہ ہے کہ وہ تمام بنیادی چیزیں قائم رکھی جائیں جو قومی مزاج کا استقلال و اختصاص قائم رکھنے کیلئے ضروری ہیں۔ یعنی رد و قبول اور اخذ و ترک میں اعتدال کا سررشتہ ہاتھ سے نہ دیا جائے۔

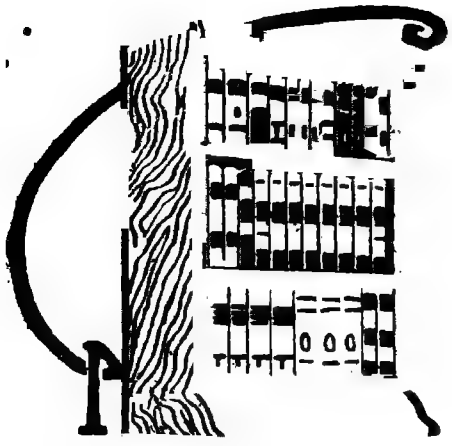
بلاشبہ اس قانون کی تطبیق میں اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے۔ چند ہی قومیں اصلاح میں اپنا دماغی توازن قائم رکھ سکی ہیں۔ یا تو یہ ہوا ہے کہ اپنی تمام قدیم عادات و روایات پر از گئیں، اور ایک قدم بھی آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ یا یہ ہوا کہ فوراً تبدیل و انقلاب پر اتر آئیں، اور اپنی کوئی بھی قدیم خصوصیت باقی نہ رکھی۔ پہلی صورت تفریط کی ہے۔ دوسری صورت افراط کی ہے۔ اور نجات و ترقی توسط و اقتصاد میں ہے۔

(قدیم قوموں کا جمود و تقلید)

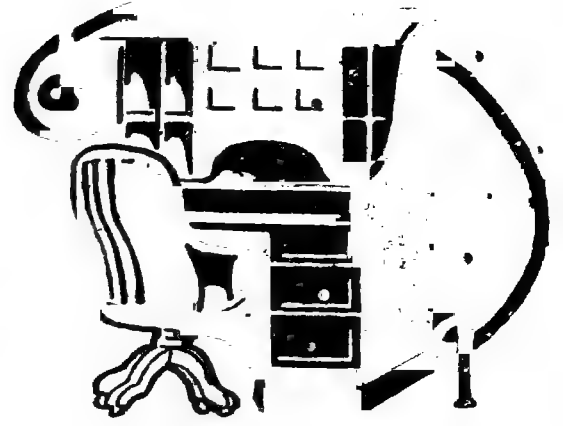
تبدل کی قابلیت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ عالم خارجی کی اطاعت کی جائے۔ قدیم زمانے میں ہر جگہ لوگوں کا طرز معیشت تقریباً یکساں تھا۔ اسی لیے تبدل کی ضرورت بھی کمزور تھی۔ اُس کی قابلیت آہستہ آہستہ پیدا ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ بعض قدیم قومیں صدیوں تک ایک ہی حالت پر قائم رہیں اور تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اُن کا تعلق ہمیشہ ایسی قوموں سے رہا، جو انہی کی طرح وحشی یا نیم وحشی تھیں۔ اُن کے سامنے کوئی بہتر نمونہ تہذیب و تمدن کا موجود نہ تھا۔ اس لیے ترقی کی رغبت بھی پیدا نہ ہوئی، اور جمود و تقلید کی طبیعت برابر باقی رہی۔

قدیم قوموں کے جمود و تقلید کا راز یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کی طرف سے مجبور کی جاتی ہیں کہ اپنی زندگی اور زندگی کی بنیادیں محفوظ رکھیں۔ یہی باعث ہے کہ اُن قوموں میں فرد کا معاملہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اُس زمانے میں فرد کے لیے جائز ہی نہ تھا کہ مستقل زندگی بسر کرے۔ وہ قومیں اسے بالکل قدرتی بات خیال کرتی تھیں کہ عام مصلحت کے لیے افراد اپنی ہستی قربان کر دیں۔ اُس وقت شخصی آزادی کسی کے راہمہ میں بھی نہ تھی۔

بعض نظری آدمیوں نے آزادی کی اعلیٰ مثال یونانی جمہوریتوں میں بتائی ہے۔ حالانکہ اُن جمہوریتوں میں افراد کو مطلق آزادی حاصل نہ تھی۔ وہ ایسے نظامات کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے جنہیں آج متمدن دنیا میں کوئی آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اُن جمہوریتوں میں افراد کو اتنی آزادی بھی حاصل نہ تھی کہ اپنی مرضی سے کوئی دینی عقیدہ رکھیں، یا اپنی ارادہ کی بطور خود تعلیم و تربیت کرسکیں۔ اسپارٹا میں یہ حالت تھی کہ افراد واپے گھروں میں کھانا پکانے اور کھانے کی بھی اجازت نہ تھی۔



# مقالات



## علم الایمان

(۳)

(ناموس اجتماع اور محافظت و تجدید)

افراد کے وجدان سے علیحدہ، جماعتی وجدان کے متعلق ہم نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں، دلائل نے اب تک ان کی تصدیق نہیں کی ہے۔ نیز اب تک یہ بھی ثابت نہیں ہوا ہے کہ جماعت کی صفت عضویت، افراد کی عضویت سے الگ وجود رکھتی ہے۔ یہ اقوال نظریوں اور آراء کا حکم بھی نہیں رکھتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات ہیں۔

لیکن ساتھ ہی یہ یقینی ہے کہ تمام طبیعی کائنات کی طرح عالم اجتماع کے بھی خاص قوانین و قواعد ہیں، اور وہ غیر متبدل اور اتل ہیں۔

اجتماع کا ایک قانون یہ ہے کہ جن اجزاء سے سلطنت اور امت مرکب ہوتی ہے، وہ تمام اجزاء باہم دگر اس درجہ وابستہ و مربوط ہوتے ہیں کہ ایک جزء کے متاثر ہونے ہی باقی تمام اجزاء بھی فوراً متاثر ہو جاتے ہیں۔

اس اجتماعی قانون کی بنا پر مقننین اور مصلحین کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ماهر طبیبوں کی طرح اصلاح و تشويع میں بہت زیادہ ہوشیار و محتاط ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک عضو کی بیماری کے علاج میں باقی اعضاء سے غافل ہو جائیں، اور پہلی بیماری سے بھی بدتر بیماریوں کی پیدائش کا سبب بن جائیں۔

علم اجتماع کے درجہ ہیں: ایک طرف وہ جدید اصلاحات اور جدید اصول و مبادی کا حامی ہوتا ہے تا کہ مستقبل، ماضی و حال سے بہتر ہو جائے۔ دوسری طرف وہ ماضی و قدیم کی بھی حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قوموں کو بتاتا ہے کہ اپنا ماضی، اپنے مقومات اور اپنی خصوصیات بالکل فنا نہ ہو جائے دیں، انہیں بچائیں اور باقی رکھیں۔ ورنہ ان کی قومیت درہم برہم ہو جائیگی، اور اصلاح، فساد کا ذریعہ بن جائیگا۔

تاریخ بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔ مشاہدہ کی بھی یہی ہدایت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کی ترقی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ تبدیل و تغیر قبول کریں۔ یعنی وہ نئے اوصاف اختیار کریں، مگر تدریج اور نظر و حزم کے ساتھ۔

قوموں کی حالت پر غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کے اصلی ستون دو ہیں:

(۱) تغیر و تبدل کی قابلیت کا موجود ہونا۔

(۲) تدریج و تطور کے ساتھ تغیر قبول کرنا۔

نہیں ہو سکتے " حالانکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خواہ نئی دلیل بیان کی جائے، خواہ نئی مثال، ضروری ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کی، خامی واضح کر دی جائے۔ پس جس طرح شبہ عام مفسرین کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے، اسی طرح اس تفسیر پر بھی وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف " محققین " کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔

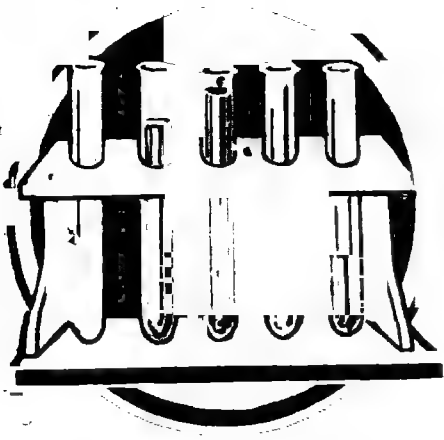
مجھے جب اس طرف سے مایوسی ہو گئی تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئی روشنی ڈالی ہوگی۔ چنانچہ میں نے بمبئی سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصری کی تفسیر منگوا کر دیکھی، لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی وہی امام رازی والی تفسیر بجنسہ پائی۔ ان شبہات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ تفسیر نیشا پوری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر علامہ ابن سعود، تفسیر روح المعانی شیخ آلوسی بھی خاکسار کے پیش نظر ہیں، مگر ان سب میں بھی یا تو وہی تفسیر کبیر والا جواب نقل کر دیا ہے، یا وہ باتیں لکھ دی ہیں جنہیں امام رازی نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے۔ یا پھر سرے سے کسی طرح کی کوشش ہی نہیں کی گئی ہے۔

و جب پچھلوں میں حضرت امام رازی جیسے محقق نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصری جیسے امام و مفسر نے مجھے صاف جواب دیدیا، تو پھر میرے لیے صرف جناب ہی کی چوکت باقی رہ گئی۔ لاریب صرف جناب ہی کی ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق قرآن کی وہ تمام مشکلات حل کر دے سکتی ہے جن تک دوسروں کی نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکی ہے۔ اب خاکسار ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ سے دستگیری کا طالب ہے۔ اور امید قوی رکھتا ہے کہ مایوس نہ ہوگا۔

مجھے سے میرے حیدرآباد کے ایک درست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عید کے موقع پر اخبار الجمعیت کا ایک خاص نمبر "خلیل نمبر" کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا کفایت اللہ صاحب نے اس مقام کی تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائی ہے۔ میں نے بڑے ہی شوق سے خلیل نمبر منگوا یا اور دیکھا۔ راقی اس میں مولانا صاحب موصوف کا مضمون "مناظرہ خلیل و نمرود" کے عنوان سے تین بڑے صفحات میں نکلا ہے، لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں تمام تر وہی تفسیر کبیر کی پوری بحث اردو میں نقل کر دی گئی ہے۔ اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے۔

## الہلال:

آپ نے استفسار میں اس قدر تشریح و تفصیل کی ہے کہ اسی نے آج کی اشاعت کا بڑا حصہ رک لیا۔ اب جواب کے لیے آئندہ اشاعت کا انتظار کیجیے۔



# مذکرہ علمیہ



## عالم سہاوی

— چھپو —

کیا ستارے زندگی سے محروم ہیں؟

• • •

ہم تاروں بھری رات میں نظر اٹھاتے ہیں تو آسمان پر بے شمار ستارے نظر آتے ہیں۔ یہ ستارے درحقیقت ویسے ہی کرے ہیں، جیسا ایک کرہ خرد ہماری زمین ہے۔ ان ستاروں میں بہت سے ستارے ہماری زمین سے بھی بہت زیادہ بڑے اور بہت زیادہ عمر کے ہیں۔ بعض ہماری زمین سے چھوٹے اور اُس سے کم عمر رکھتے ہیں۔ یہ تمام ستارے بھی ویسے ہی ایک نظام سے وابستہ ہیں، جیسا ہمارا نظام شمسی ہے۔ ان میں بھی آفتاب ہیں اور اپنے گرد بہت سے کواکب اور سیارے رکھتے ہیں۔

مدت سے علماء فلک میں سخت اختلاف ہے کہ یہ ستارے بھی ہماری زمین کی طرح زندہ موجودات سے آباد ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ پہلی رائے کا قائل ہے۔ دوسرا دوسری رائے کا۔

پہلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ زندگی کے لیے جن شرطوں کی ضرورت ہے، وہ زمین کے علاوہ ان ستاروں میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن اُس کا یہ دعویٰ کئی وجوہ سے ناقابل تسلیم ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان شرطوں کی عدم موجودگی کا ثبوت کیا ہے؟ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہوا، پانی، نور، حرارت، وغیرہ لوازم زندگی سے یہ ستارے بالکل خالی ہیں؟ بلاشبہ اب تک ان کے وجود کی بھی کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں آئی۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ یہ چیزیں وہاں موجود ہوں اور ہماری تحقیقات میں ابھی نہ آئی ہوں۔ حال ہی میں انسانی علم نے معلوم کر لیا ہے کہ بعض ستاروں میں اکیسیجن موجود ہے، جو زندگی قائم رکھنے والی ہوا کا اصلی جز ہے۔

پھر یہ دعویٰ بھی بالکل بے دلیل ہے کہ زندگی کی جو شرطیں ہمیں معلوم ہیں، اُن کے بغیر زندگی کا وجود ممکن نہیں۔ بلاشبہ ہماری زمین پر زندگی ان شرطوں کے بغیر نا ممکن ہے۔ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ دوسرے ستاروں کی طبیعت بھی بالکل ویسے ہی ہو جیسی ہماری زمین کی ہے؟ یہ بھی ضروری نہیں کہ زندگی کا ظہور ان ستاروں میں بھی ویسا ہی ہو، جیسا اس زمین میں ہے۔ بہت ممکن ہے ان ستاروں میں زندگی کی شکلیں بالکل مختلف ہوں۔ اجسام کی ساخت جدا ہو، اعضاء و عضلات دوسری وضع کے ہوں۔ زندگی کے لوازم مختلف ہوں۔ ستاروں کی کائنات پر ایک ہی اعتبار سے قیاس کرنا اور اُن پر یکساں حکم لگانا، صحیح نہیں ہو سکتا۔

جب حکومت کی شکل حالات، ماحول، اور قومی آرزوں کے خلاف ہوتی ہے، اور اُس کی تبدیلی کے لیے قوم کے سامنے کوئی قانونی راہ باز نہیں ہوتی، تو یہ وقت انقلاب و بغاوت کے ظہور کا وقت ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ضرورت کے وقت فوراً اصلاح شروع کر دی جائے، ورنہ قوم کو یہ حق حاصل ہو جائیگا کہ قومی تبدیلی کے لیے اپنا قدرتی حق استعمال کرے اور بغاوت پیدا ہو جائے۔

اسپین میں باشندگان ہالینڈ کی بغاوت (سنہ ۱۹۲۲ء) خاندان اسٹورٹ پر انگریزوں کا خرچ، نپولین بونا پارت پر جرمنی کی بغاوت، آسٹریا پر آٹالین قوموں کی بغاوت — یہ تمام بغاوتیں تاریخ کی نظر میں، صحیح، جائز، اور قانونی بغاوتیں تھیں۔

(انقلاب کی طبیعت اور حکومت کے فرائض)

بغاوت عموماً آتش فشاں پہاڑ کے انفجار یا آندھی کے طوفان کے مشابہ ہوتی ہے۔ شروع شروع میں اُس کا خیال چند افراد کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ تمام قوم میں پھیل جاتا ہے۔ بغاوت کا خیال تبدیلی کے احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تبدیلی ظاہر نہیں ہوتی تو حکومت کی طرف سے عام بددلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بددلی مخفی غصہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب حالت اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو قوم ہر لمحہ مشتعل ہو جانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ اُس وقت معمولی سے معمولی بات بھی عام بغاوت کا سبب بن جاسکتی ہے۔

لہذا حکام کا فرض ہے کہ ایسی حالت پیدا ہونے سے پہلے ہی اصلاح نافذ کر دیں۔ لیکن اگر بر وقت نہ کرسکیں، تو پھر اُن کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس بغاوت و انقلاب میں شامل ہوجائیں، یعنی اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیں، تاکہ اُس کی مضرتیں کم سے کم ہوجائیں۔

## اعتذار

افسوس ہے کہ شہر کی عام تعطیل کی وجہ سے اس ہفتہ بھی مطلوبہ تصاویر طیار نہ ہو سکیں اور ہمیں تصویر کے بغیر پرچہ شائع کرنا پڑا۔ تصاویر کے نہ مل سکنے کی اطلاع ملنے پر وہ تمام مضامین بھی ترک کر دینے پڑے جن کا تعلق تصاویر سے تھا۔ اس صورت حال کا صحیح علاج یہی ہے کہ جلد از جلد تصاویر کی طیاری کا مستقل انتظام کر لیا جائے۔ آئندہ پرچوں میں ہم اس کمی کی پوری تلافی کر دیں گے۔

منیجر



بھی نہیں ہوتیں۔ دنیا کی بہت سی ہراتی آرزوئیں آج مت چکی ہیں اور ان کی جگہ بالکل نئی امنگوں نے لے لی ہے۔

(زمانہ کی روح)

زمانے کی روح بھی ایک نقطہ و مرکز پر قائم نہیں رہتی۔ وہ بھر زخار کی موجوں کی طرح ہر طرف پھیلتی اور ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ وہ ہر کی طرح ہر مقام پر پہنچتی اور دلوں اور دماغوں کو جنبش میں لاتی رہتی ہے۔

زمانے کی روح ہی درحقیقت قوموں میں زندگی اور حرکت پیدا کرتی ہے۔ زمانے کی روح ایک پر اسرار آن دیہی مخلوق ہے۔ کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا، مگر وہ سب میں داخل ہوتی اور اپنا عمل انجام دیتی رہتی ہے!

زمانے کی روح خاص طور پر بری بری انسانی جماعتوں میں جنبش پیدا کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں قوت سے ظاہر ہوتی ہے۔ قصبوں اور دیہاتوں میں اس کا اثر کمزور ہوا کرتا ہے۔

حکام و ارباب سیاست کا فرض ہے کہ سب سے پہلے زمانے کی روح اور اس کے مقتضیات معلوم کریں۔ اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلی کریں۔ اسے نظام جاری کریں جو اس روح کے مطابق ہوں۔ ورنہ نتیجہ ناکامی و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

حکام وقت کا فرض ہے کہ اپنے زمانے کی روح سے غفلت نہ برتیں۔ یہ روح کوئی خیالی بات نہیں ہے، بلکہ حقیقی وجود رکھتی ہے۔ قوموں کے حکام اور رہنماؤں کی ذمہ داری بہت ہی عظیم ہوتی ہے۔ ان کا کام بالکل جہاز کے ناخدا کا سا ہے، جو ایک لمحہ کے لیے بھی ہوا اور موسم کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظریں، جہاز کے چہ چہ پر ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایک ننھا سا سوراخ بھی پورے جہاز کی غرقابی کا باعث ہو جا سکتا ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و سیاسی نظامات میں بھی تبدیلی لازمی ہے۔ ایسا کرنے سے ترقی و سعادت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور اس کی مخالفت سے تباہی و بربادی نازل ہوتی ہے۔

(مسلم انقلاب)

بغاوت یا مسلح انقلاب اُسی وقت جائز ہوتا ہے، جب عام رائے اور قوم کی امیدوں کے موافق ہو۔ ایسے انقلاب میں پوری قوم کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ انقلاب کسی قسم کا بھی ہو — بنیادی تبدیلی کا ثبوت ہوتا ہے۔

اصلاح کے عمل میں حقوق کا دائرہ طبعی طور پر وسیع ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے انقلاب میں تبدیلی اچانک واقع ہوتی ہے۔ انقلاب درحقیقت اجتماعی انتقام ہے۔ ایک غیر طبعی حرکت ہے۔ خونریزی اور مصائب و آلام اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

انقلاب ایک مصیبت ہے۔ ملک پر یہ مصیبت اُسی وقت نازل ہوتی ہے جب ضرورت کے مطابق اصلاح موجود نہیں ہوتی۔ فساد اجتماعی جسم میں پھیل جاتا ہے، اور قومی مزاج بالکل بگاڑ دالتا ہے۔ اصلاح کی تاخیر کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ پڑ جاتی ہے۔ وہ اپنی طبعی حد کو پہنچنے نہیں پاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دبی ہوئی اجتماعی روح اچانک ابل پڑتی ہے، اور تمام موانع کو قوت کے ساتھ اُٹھا پھینکتی ہے۔ پس انقلاب کوئی اجتماعی قانون نہیں ہے، ہاں اسے اجتماعی حادثہ کہہ سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قوم کے اخلاق و عادات اسے ہونے چاہئیں کہ آسانی سے بدل نہ سکیں۔ لیکن ساتھ ہی ان میں اتنی لچک بھی لازمی ہے کہ بتدریج تبدیلی قبول کر سکیں۔ تاریخ کا قبرستان ایسی قوموں کی نعشوں سے لبریز ہے جو یہ راز معلوم نہ کر سکنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔

(ترقی انقلاب سے بہتر ہے)

اجتماع کا یہ ناموس بھی ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ تدریجی ترقی کی راہ، اچانک انقلاب سے بہتر اور محفوظ ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ انقلاب ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض جسمانی امراض کا بہترین علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً سخت بخار چڑھے۔ بخار کی شدت، وہ امراض دور کر دیتی ہے۔ قومیں بھی کبھی کبھی ایسے ہی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اور ان کا علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً انقلاب برپا کر دیا جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اگر تدریجی اصلاح کا انتظار کیا جائے گا، تو مرض امتداد زمانہ سے تمام قومی جسم پر حاوی ہو جائیگا، اور پھر اس کا علاج مشکل ہو جائیگا۔ چنانچہ جہاں تک کسی ایسی قوم کی ترقی کا تعلق ہے، جو کسی دوسری غاصب قوم کے ماتحت آگئی ہو، انقلاب کے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کسی قدرتی حالت کی اصلاح و ترقی کا سوال درپیش نہیں ہوتا، بلکہ ایک غیر قدرتی اور ناجائز قبضہ و غصب کا خاتمہ مطلوب ہوتا ہے۔

بہر حال ماہرین سیاست کا فرض ہے کہ زمانے کی روح، اس کے پھیلنے سے پہلے ہی معلوم کر لیں، اور حکومت کی شکل میں ایسی تبدیلیاں کرتے رہیں جن پر عام رائے مطمئن ہو سکے۔ ورنہ نتیجہ نہایت ہی مہلک ہوگا۔

(نوجوان اور بزرے)

اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ سن رسیدہ افراد، نوجوانوں کے مقابلے میں اصلاح و تبدل کے کم حصے ہوتے ہیں۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے کہ قابل ملامت ہوں۔ علم وظائف اعضاء سے ثابت ہو چکا ہے کہ بزرے و جسم میں اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں، اس لیے عادات کی مقاومت کی قوت باقی نہیں رہتی۔ برخلاف اس کے نوجوانوں کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور اس لیے عادات کی مخالفت آسانی سے کر سکتے ہیں۔

(خیالات کا عروج و ہبوط)

زمانے کی روح ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے۔ تاریخ کے بڑے بڑے دور اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ زمانے کی مختلف روحوں کے مظہر ہیں۔ جدید خیالات و افکار کی مثال بالکل ستاروں کی سی ہے۔ وہ کبھی افق پر بلند ہوتے ہیں، کبھی بالکل چھپ جاتے ہیں۔ اسی طرح کبھی ایک قسم کے خیالات کو عروج ہوتا ہے، کبھی دوسرے قسم کے خیالات کو۔ آج جو خیالات مقبول عام و خاص ہیں، بہت ممکن ہے کہ کل مکرر و متروک ہو جائیں۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں جن افکار نے تمام یورپ میں ہلچل ڈال دی تھی، آج دنیا ان سے نفرت کرتی اور ان پر حقارت سے مسکراتی ہے۔

زمانہ بہت سی قوتوں کو پراگندہ کر کے فنا کر دالتا ہے، اور بہت سی نئی قوتیں پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں

سے برکت و سعادت حاصل کی جائے، حالانکہ وہ بادشاہوں سے کہیں زیادہ اجلال و تکریم کے مستحق ہیں؟

’اس طرح بت پرستی مسیحی کنیسے میں داخل ہوگئی۔ شروع شروع میں کنیسا کی دیواروں پر تصویریں اور مورتیں اس غرض سے آویزاں کی گئی تھیں کہ ”ان کے معائنہ سے عبرت و موعظت حاصل ہوگی“ لیکن آگے چلکر ان کی حیثیت ایک ناگزیر دینی شعار اور ربانی عبادت کی ہوگئی۔ متخلص عیسائی بتوں اور تصویروں کے لیے اسی طرح نماز پڑھنے لگے، جس طرح وہ خدا کے لیے نماز پڑھتے تھے!

اس بدعت کے ساتھ آرزو بھی کئی مشرکانہ رسمیں مسیحی کنیسا میں داخل ہو گئیں۔ چنانچہ چراغان، بخور، رکوع و سجود وغیرہ رسمیں سب بت پرستوں ہی سے لی گئی ہیں۔

سچے عیسائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اعتراض کیا۔ مگر اُن کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ ان مقدس تصویروں اور مورتوں کے ہزاروں معجزے مشہور ہو چکے تھے۔ لہٰذا اُن سے دست بردار ہونے کے لیے طیار نہ تھے۔

شروع شروع میں روح القدس کی تصویریں بہت مبہم اور مضطرب بنائی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت مسیح اور مریم (علیہما السلام) اور فرشتوں کی تصویریں بالکل صاف اور خالص انسانی قالب میں ہوا کرتی تھیں۔

(چھٹی صدی مسیحی)

ابھی چھٹی صدی ختم نہیں ہوئی تھی کہ یہ مشرکانہ عبادت کنیسا کی ایک شرعی عبادت بن چکی تھی۔ تمام کنیسے تصویریں اور بتوں سے آراستہ تھے، حتیٰ کہ خود ریتیکان (محل اعظم یورپ) بھی اُن سے لبریز ہو چکا تھا۔ اب یہ حالت تھی کہ مسیحی مؤمنین تصویریں اور بتوں کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے۔ انہیں عبادت و برکت کے لیے ضروری سمجھنے لگے تھے۔ وہ تقویٰ و بزرگی کے نشان خیال کیے جاتے تھے۔

آٹھویں صدی کے اوائل میں تصویر پرستی اور بت پرستی مسیحی عبادت خانوں میں پورے عروج تک پہنچ چکی تھی۔ اسی زمانے میں بعض یونانی علماء ظاہر ہوئے، اور اسے کنیسا کی بت پرستی قرار دیا۔ ان لوگوں نے کہا ”مشرک قومیں بھی اپنے بتوں کو خدا نہیں کہتی تھیں، بلکہ بعینہ وہی معانی اُن کے پیش نظر تھے، جو ان تصویریں اور مورتوں کے بارے میں تمہارے پیش نظر ہیں۔ لیکن اس پر بھی خدا کی شریعت نے انہیں مشرک قرار دیا۔ تم میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں۔ صرف الفاظ اور اسماء کا اختلاف ہے۔“

(اسلام کا ظہور)

صدیوں کی غفلت کے بعد مسیحی علماء میں یہ بیداری صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ دین اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر اب مصر، شام، فلسطین پر چھا گیا تھا اور خود بیزنطینی کنیسے کے مرکز پر اُسکی تیز نظریں پڑ رہی تھیں۔ اسلام کی تعلیمات اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں۔ ابتدائی تصادم کے زمانے ہی میں مسیحیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان انہیں بت پرست اور مشرک کہتے ہیں۔ انہوں نے اسلامی مسجدیں بھی دیکھی تھیں جو ہر قسم کی تصویریں اور مورتوں سے خالی تھیں۔

مسیحیوں کی ایک جماعت اسلامی اثرات سے متاثر ہوگئی اور تورات کی تعلیم کی طرف از سر نو دعوت دینے لگی جو تصویر پرستی اور بت پرستی کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتی ہے۔



## مسیحیت، اور بت پرستی

— — —

آٹھویں اور نویں صدی میں مسیحیت کو خیالات کی ایک بڑی خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس خانہ جنگی کی وجہ بت پرستی تھی۔ بیزنطینی شہنشاہیت میں یہ نزاع آخری حد تک پہنچ گئی تھی۔

ابتدائی عہد کے عیسائی بتوں، تصویروں، اور نقش و نگار کی تعظیم و عبادت سے نفرت رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ بت پرستی تھی۔ وہ یہودیت سے نکلے تھے، اور یہودیت خدا کا تجسم نا جائز قرار دیتی ہے۔ انہیں یورپ میں یونانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا، یونانی بت پرستی کے سب سے بڑے شائق تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے حریفوں سے اپنے آپ کو علحدہ رکھنا چاہتے تھے۔

اُس زمانے میں مسیحی دعاۃ ان بت پرستوں پر ہنسنے لگے اور تعجب کرتے تھے کہ یہ لوگ خود اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن بت پرستی سے یہ بیزاری تثلیث اور تجسم کو روک نہ سکی۔ بلکہ اس کے بحث و جدال ہی نے در حقیقت بت پرستی اور تصویر پرستی مسیحی کنیسا میں پیدا کر دی!

(بت پرستی کی ابتدا)

یہ چیز مسیحیت میں سب سے پہلے جن نو مذہب عیسائیوں کے ذریعہ آئی تھی، وہ بھی حضرت مسیح کے بت یا تصویر کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ لیکن چونکہ بت پرستی سے نئے نئے مسیحیت میں آئے تھے، اس لیے انہوں نے حضرت مسیح کی تصویروں کی تعظیم و تکریم شروع کر دی۔ تھیک اسی طرح جس طرح ارسطو اور فیساغورس وغیرہ کی تصویروں کی یونانی عزت کیا کرتے تھے۔ ان کے نئے نئے ایمان کے خیال سے مسیحی علماء نے تساهل برتا، اور یہ خیال کر کے کہ یہ لوگ ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف تعظیم کرتے ہیں، ان پر کوئی تشدد نہیں کیا۔ اس طرح یہ تعظیم بغیر کسی روک کے جاری ہوگئی۔

بتدریج اس تعظیم نے عبادت کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ تیسری صدی میں قسطنطین نے مسیحی کلیسے میں باضابطہ طور پر یہ نئی مسیحی عبادت داخل کر دی۔ مسیحی علماء نے اُس وقت بھی کوئی مخالفت نہیں کی۔ انہوں نے خیال کیا، بت پرستی کی اب جڑیں تک اکھڑ چکی ہیں، اُس کے از سر نو احیا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

چنانچہ نئی پرستش کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے صلیب اور مقدس آثار کی تعظیم سے شروع ہوئی۔ پھر شہیدوں اور ولیوں کی قبروں کی تعظیم و تکریم شروع ہوگئی۔ پھر اُن سے منتیں مرادیں مانگی جانے لگیں۔ بالآخر ان کی مورتیں ظاہر ہوئیں۔ لوگوں نے خیال کیا، اگر صلیب اور مقدس آثار قبر میں بزرگی ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ مورتوں میں اُس بھی زیادہ بزرگی اور برکت نہ ہو؟ بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کے بت بنائے جاتے ہیں، کیوں نہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے بھی بت بنائے جائیں، اور ان

کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے کہ صرف اسی پر زندگی ہو اور باقی تمام عوالم بے نور اور زندگی سے محروم ہوں۔ زمین پر زندگی کے جو لوازم ہیں، ضروری نہیں کہ دوسرے ستاروں میں بھی لازم ہوں۔ ناموس انتخاب طبیعی بتاتا ہے کہ زندہ کائنات اپنے ماحول اور زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہیں۔ ان کی شکل بھی بدل جاتی ہے۔ مزاج بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ پیلے یقین کیا جاتا تھا کہ سنٹی گریڈ کے سو درجہ حرارت میں کوئی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بعض جراثیم کھولتے ہوئے پانی میں بھی زندہ رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض جراثیم برف میں بھی مدتوں نہیں مرتے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے ستاروں کے جاندار بھی اُس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتے، جو ماحول ہماری زندگی کے منافی ہے۔

ممکن ہے ستاروں میں زندگی کا قوام ہماری زمین کی زندگی کے قوام سے مختلف ہو۔ مثلاً آکسیجن ہمارے لیے ضروری ہے، مگر دوسرے ستاروں کی مخلوقات کے لیے ضروری نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ستاروں کے جاندار ہم سے مختلف ہونگے، کیونکہ اُن کا ماحول ہم سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارے اُن کے درمیان ماہ الا شترک صرف روح ہی ہو سکتی ہے۔ اور معلوم ہے کہ روح نہ تو کوئی شکل رکھتی ہے، نہ مادے کے تابع ہے۔ خود اپنی اسی زمین پر ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقات اپنی جسمانی ترکیب اور ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے پورا اختلاف رکھتی ہیں۔ تاہم سب زندہ ہیں، اور سب میں ایک ہی روح کار فرما ہے۔ جب خود زمین پر مخلوقات کا اختلاف اِس درجہ زیادہ ہے، تو ظاہر ہے، دوسرے ستاروں کی مخلوق ہم سے کیوں مختلف نہ ہو؟

چونکہ ہماری زمین، سب سے زیادہ قدیم نہیں ہے، اس لیے ممکن ہے، دوسرے ستاروں میں زندگی زیادہ قدیم اور بہت ترقی یافتہ ہو۔ بہت ممکن ہے کہ بعض ستاروں کی مخلوق اِس درجہ ترقی کر گئی ہو کہ ہم سے بہت زیادہ علم و حکمت رکھتی ہو۔ ہم سے بہت زیادہ اسرار وجود سے واقف ہو۔ ہم سے کہیں زیادہ اُس کی ایجادیں معیر العقول ہوں۔ ممکن ہے اُس کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں کہ قریب کے دوسروں ستاروں تک بھی پہنچ سکتے ہوں اور روح و مادہ کے راز معلوم کر چکی ہوں۔ ممکن ہے اُن کے جسم ہمارے ہی جیسے ہوں۔ ممکن ہے ہم سے بالکل مختلف ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ ہم سے زیادہ حواس رکھتے ہوں۔

یہ ہے خلاصہ دوسرے گزرے خیالات کا۔ اور پیلے گزرے خیالات سے زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔

## اطلاع

اکثر حضرات الہلال کے ابتدائی نمبروں کا شوق ظاہر کرتے ہیں، اور خریدار ہوتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام پچھلے پرچے بھیج دیے جائیں۔ لیکن انفسوس ہے کہ ابتدائی نمبر اب دفتر میں موجود نہیں ہیں اور اس لیے دفتر تعمیل سے مجبور ہے۔

منیجر

دوسرے گزرے خیالات کا بیان بڑی حد تک مقبول ہے۔ وہ کہتا ہے ہماری زمین کیا ہے؟ اِس لا متناہی فضا میں ہونے والے لکھو کہا کریں میں سے ایک چھوٹا سا کرہ ہے۔ زمین کو ظاہری اعتبار سے دوسرے کریں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں۔ نہ تو اُس کا حجم ہی سب سے بڑا ہے، نہ عمر ہی سب سے زیادہ ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُس میں زندگی موجود ہو، اور باقی تمام کرے، جو اُس سے کہیں زیادہ بڑے اور قدیم ہیں، زندگی سے بالکل خالی سمجھے جائیں؟

ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام ستارے بھی ایسے ہی ایک دقیق نظام سے وابستہ ہیں، جیسا نظام ہماری زمین کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ وہ بھی نہایت انتظام کے ساتھ اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں۔ اُن کی رفتار میں بھی ادنیٰ سے ادنیٰ خلل یا بد نظمی کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے جن پر قدرت اپنی اِس قدر توجہ صرف کر رہی ہے، بغیر کسی زندگی کے موجود ہوں، اور اِس کے سوا کوئی غرض و غایت نہ رکھتے ہوں کہ ہماری دلچسپی اور نظر فریبی کا سامان مہیا کریں؟ اِس میں قدرت کی کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ یہ ننھا سا ذرہ، یعنی زمین، تو آباد ہو، اور باقی تمام عظیم الشان عوالم چٹیل میدان سے بھی بدتر ہوں؟ حالانکہ وہ بھی زمین ہی کی طرح ایک پورے حکیمانہ نظام کے ماتحت قائم ہیں۔

بے شمار علمی قرائن اِس نظریے کی تائید کر رہے ہیں کہ ہمارے تمام نظام شمسی کے کواکب کی اصلیت ایک ہی ہے۔ اور وہ قدیم ہے۔ ان سب کی تکوین، قدیم ہی کے مادہ سے ہوئی ہے۔ وہ بتدریج قدیمی کرہ سے جدا ہو کر مستقل وجود بنے ہیں۔ اِسی طرح تمام کیمیائی و فلکی دلائل کا رجحان بھی اِسی نظریے کی طرف ہے کہ نہ صرف خاندان شمسی بلکہ جملہ عوالم فلکی، اِسی قدیم سے بنے ہیں۔ زمین اور جملہ ستاروں کا خمیر ایک ہی ہے۔ سب ایک ہی مادے کی مختلف شکلیں ہیں۔ سب کا مادہ کیمیائی ذروں سے مرکب ہے۔ ان میں ہر ذرہ اپنے اندر در کربائی لہریں ایجابی اور سلبی رکھتا ہے۔

پس جب جملہ کائنات اور ہماری زمین، ایک ہی اصل رکھتی ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ہمارے کرے ہی میں زندگی ہو اور باقی تمام کرے، مردہ اور بے جان فرض کر لیے جائیں۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمین کے سوا کسی دوسرے ستارے میں زندگی نہیں ہے، تو یہ سوال قابل غور ہے کہ بقول علماء فلک کے سورج اپنی حرارت برابر کھو رہا ہے، اور کڑوڑوں برس کے بعد ایک وقت آجائے گا جب وہ بالکل بے نور اور بے حرارت ہو کر رہ جائیگا۔ اُس وقت زمین یقیناً زندگی سے محروم ہو جائیگی۔ اِسی حالت میں یہ کڑوڑوں ستارے کیا ہونگے؟ کیا یہ بھی ہمارے نظام شمسی کے ساتھ تباہ ہو جائیں گے؟ حالانکہ معلوم ہے کہ گنتی کے چند کواکب کے سوا باقی تمام ستارے ہمارے نظام شمسی سے باہر ہیں اور ہمارے آفتاب کی موت و حیات کا اُن پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اگر یہ تباہ نہیں ہونگے، تو ان کے وجود سے فائدہ کیا ہے جب کہ وہ بالکل آجائے، سنسان، اور بے جان ہیں؟

تمام عقلی و نقلی علوم اور دینی روایات بھی ثابت کر رہی ہیں کہ جملہ کائنات، ایک ہی اصل سے ظاہر ہوئی ہیں اور ایک ہی قسم کے طبیعی ناموس کے ماتحت برقرار ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو زمین

## ترکی حکومت

اور اس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شرع سے ابتک

( \ )

دور اول

سنہ ۶۹۹ھ (۱۳۰۰ء) سے سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) تک

آل عثمان کی سلطنت اُس زمانہ میں ظاہر ہوئی، جب صلیبی جنگوں کی 'خولہ ریزی سے مشرق قریب کی سر زمین سرخ ہو رہی تھی،' اور مسیحی تعصبات سے وقت کا مطلع غبار آلود تھا - اس وقت کی آب و ہوا کا یہ قدرتی اثر تھا کہ سلطان عثمان اور اُن کی اولو العزم اولاد میں دینی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا، اور وہ مسیحی ممالک کی فتوحات پر کمر بستہ ہو گئے - یہ یورپ کے صلیبی حملہ کا قدرتی رد فعل تھا -

اُس وقت ایشیائے کوچک کے اطراف و جوانب برسہ ' ازمید ' ازنیق ' طرابزرں میں بیزنطینی سلطنت (Constantinople) کے باج گزار امراء حکمران تھے۔ آل عثمان نے اپنے جہاد اور ملک گیری کا آغاز انہی سے کیا، اور یکے بعد دیگرے مطیع یا مغلوب کرتے گئے۔ ان سے فارغ ہو کر در دانیال کے آگے بڑھے، اور بلغاریا، سربیا، اور بیزنطینی سلطنت کو زیر و زیر کرنے کے بعد مسیحیوں کی راج دھانی " روم " کو گھورنے لگے۔ یہ صلیبی لڑائیوں کے جوابی حملہ ہی کا جذبہ تھا، جس نے سلاطین آل عثمان کو یک قلم یورپ کی طرف متوجہ کر دیا تھا، اور ایشیا سے بڑی حد تک غافل رہے تھے۔ صرف سلطان سلیم یارز (خونریز) نے ایشیا کی طرف توجہ کی، مگر اس کی ایشیائی فتوحات میں ایک آرزو ہی جذبہ کار فرما تھا۔ وہ عرش خلافت پر جلوہ گر ہونے کا متمنی تھا، جس میں اُسے پوری طرح کامیابی ہوگئی۔

یورپ صلیبی جنگوں سے بالکل خستہ ہو چکا تھا۔ مسلسل شکستوں نے اُس کی شجاعت و ہمت پر کاری ضربیں لگادی تھیں۔ فرقہ وارانہ حسد و منافست نے اُس کے تمام قوی معطل کر دیئے تھے۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دہل یورپ نے ترکی سیلاب کے مقابلہ کا کوئی خیال نہیں کیا، اور قسطنطنیہ اور مشرقی یورپ کی مسیحی ریاستوں اور قوموں کو مغلوب ہوجانے دیا۔ لیکن جب ترکوں نے بلقان سے بھی قدم آگے بڑھایا، اور ہنگری پر ترک تازیباں شروع کر دیں، تو یورپ کی آنکھیں کھلیں۔ مذہب کے نام پر متحدہ محاذ قائم کیے گئے، اور ترکوں کے روکنے کی کوشش شروع ہوئی۔ مگر کامیابی حاصل نہ کرسکے۔

یہاں تک کہ سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے بعد خود ترکوں میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ سلطان مراد ثالث کے عہد میں یہ کمزوری

اس کے بعد پھر بت پرستی کے خلاف کوئی با ضابطہ مسیحی دعوت پیدا نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ صلیبی لڑائیوں کے بعد اسلامی توحید کی تعلیم یورپ کے قلب تک پہنچی اور مشہور مسیحی مصلح لہر کا ظہور ہوا۔

ظاہر ہوئی، سلطان احمد اول کے زمانہ میں اس نے ترقی پائی، اور سلطان محمد رابع کے دور میں بلوغ و کمال تک پہنچ گئی۔ ترک چس قدر کمزور ہوتے گئے، یورپ کا مسیحی اتحاد بھی اسی قدر ٹوٹنا لگا۔ یہاں تک کہ صرف روس اور آسٹریا کڑوں کے مقابلہ میں رہ گئے، اور انہیں یورپ سے نکلنے کی کوشش کرتے رہے۔

اس طرح ترکی شہنشاہیت نے اپنی عمر کا اکثر حصہ بے دریغ جنگوں میں گزار دیا - ابتدائی جنگیں حملہ آرائی تھیں، بعد میں مدافعتی ہو گئیں - لیکن اس تمام مدت میں ترکی سلطنت ایک مذہبی سلطنت رہی - اس کا تمام داخلی نظام شریعت کے احکام پر مبنی تھا - علماء و فقہاء کو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا - مفتیوں کے فروعی عزل و نسب اور نظم و نسق کے لیے جاری ہوتے رہتے - چونکہ عثمانی حکومت کی نشو و نما ہی اُس وقت ہوئی تھی، جب کہ اسلام کے دینی علم و عمل کی روح پُرمردہ ہونا شروع ہو گئی تھی، اور دینی نظر و بصیرت اور اجتہاد فکری جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں قائم ہو چکی تھیں، اس لیے مذہبی احکام و نظام کی کوئی بہتر روح پیدا نہ ہو سکی - جن علماء کے ہاتھ میں نظم و نسق کے احکام تھے، ان کا علم تمام ترقی یافتہ حنفی کی چند متداول متون و شرح تک جو متاخرین کی ترتیب دی ہوئی تھیں، محدود تھا، ان سے باہر نہ تو کوئی نظر رکھتے تھے، اور نہ ایسی فضاء تھی کہ بلند نظری پیدا ہو سکتی -

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی پہلی حکومتوں کی طرح، عثمانی حکومت میں نظم و ادارہ کی کوئی مرافق روح پیدا نہ ہو سکی۔ دائرۂ حکومت تمام براعظم یورپ اور مشرق میں پھیل گیا تھا۔ مختلف مذاہب، مختلف نسلیں، مختلف تمدن، اور مختلف جماعتی مزاج رقبۂ حکومت میں جمع ہو گئے تھے، حکومت کے لیے اتنے مختلف عناصر پر کامیاب حکومت قائم رکھنی آسان نہ تھا۔ ترک ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھے۔ اب ان کے زیر نگیں یورپ اور مشرق کی تمام متمدن آبادیاں آگئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ انتظام حکومت کی ایک طاقتور روح پیدا کی جاتی۔ یہ روح ضرور پیدا ہوتی، اگر علوم دینیہ کی حقیقی روح باقی رہتی، اور تقلید و تنگ نظری نے فقہاء کے دماغ عقیم نہ کر دیے ہوتے۔ لیکن افسوس کہ حالت دوسری تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رز بروز حکومت کا انتظامی مزاج مختل ہونے لگا۔ حتیٰ کہ یورپ کے مورخین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ”اسلام کے احکام کی روح ہی حاکمانہ انتظام (ادمنسٹریشن) کے خلاف ہے“ حالانکہ اسلام کی روح مخالف نہیں ہے۔ مسلمانوں کا دماغی تنزل مخالف ہے۔

( دور اصلاح )

سند ۱۲۲۳ ھ (۱۸۰۸ ع) سے سند ۱۲۹۳ ھ (۱۸۷۶ ع) تک

11

ادھر ترکی مدافعانہ جنگوں میں مصروف تھی - روس اور آسٹریا  
 کے حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی - ادھر یورپ میں ایک نئی تہذیب  
 پھیل رہی تھی ، جدید تمدن زندگی اور ترقی کے نئے نئے دروازے  
 کھول رہا تھا ، اور اقوام یورپ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں - ایک  
 طرف کامل رفقہ تھا ، دوسری طرف پوری حرکت و سرعت تھی -  
 نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ بہت آگے بڑھ گیا ، اور ترکی جہاں تھی ، وہیں  
 کبھی نہیں رہ گئی ، بلکہ مسلسل دفاعی جنگوں نے ، اسکی چولیس  
 ہلا ڈالی -



## (لبن کی اصلاح)

سی زمانے میں لبن سوم قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا - اس شہنشاہ نے اشور کے پہاڑوں میں نشور نما پائی تھی - ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے محروم تھا - تاہم عقل سلیم رکھتا تھا - یہودیوں اور عربوں کی صحبت میں بیٹھ چکا تھا اور ان کے اثر سے تصویروں اور بتوں کی تعظیم و عبادت سے متنفر تھا -

یہ تخت نشین ہوا اور غایت تدبیر سے اپنے ارادے مخفی رکھے - یہاں تک کہ جب پرزوی طرح اقتدار حاصل ہو گیا تو دینی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا - اس نے پہلا کام یہ کیا کہ علماء کی ایک مجلس منعقد کی اور یہ فتنوں صادر کرایا کہ کنیسروں اور مقدس ہیکلوں سے تصویریں اور مورتیں ہٹا کر کسی ایسی بلند جگہ منتقل کر دی جائیں جہاں مشرکانہ رسمیں انجام نہ دی جا سکیں -

چند سال بعد اُس نے دوسرا قدم اٹھایا اور مورتوں کی پرستش، آنکی تعظیم، اور کنیسروں میں موجودگی، سب ناجائز قرار دیدی - اُس نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ قسطنطنیہ کے تمام کنیسروں کو تصویروں اور مورتوں سے خالی بھی کر دیا - چنانچہ حضرت مسیح اور حضرت مریم بتوں (علیہما السلام) کے تمام بت توڑ کر پھینک دیے گئے - اور تمام تصویریں محو کر دی گئیں -

اُس کے بیٹے قسطنطین پنجم نے اس بارے میں آرزو بھی زیادہ سختی برتی - سنہ ۷۵۴ ع میں اُس نے ایک دینی مجلس منعقد کی - اس میں ۳۳۸ پیشوا جمع ہوئے - اس لحاظ سے یہ مجلس بہت ہی بڑی مجلس تھی - مگر اس میں صرف بیزنطینی کلیسے ہی کے علماء شریک ہوئے تھے - روم، اسکندریہ، بیت المقدس، اور انطاکیہ کے نمائندے شامل نہیں تھے - پادشاہ نے اس مجلس کے سامنے تصویر پرستی کا مسئلہ پیش کیا - متفقہ فیصلہ ہوا کہ یہ عبادت، مسیحی تعلیمات کی رو سے قطعاً حرام ہے - اور پرستش کی تصویریں، مجسمے، اور آثار مسیحی عبادت گاہوں سے خارج کر دینے چاہئیں - اس مجلس نے صلیب کو بھی اپنے فترے میں مستثنیٰ نہیں کیا، اُسے بھی تجسم کا رمز قرار دیکر ممنوع ٹھرایا - مزید برآں خود فن مصوری کو بھی ناجائز بتایا - اس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ جو شخص صلیب بنائے، یا مقدس تصویریں اور نقوش اتارے، اُسے فوراً کنیسے سے خارج کر دیا جائے، اگرچہ وہ خود علماء کی جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو -

سنہ ۷۶۶ ع میں اس فیصلہ کو آرزو بھی زیادہ تشدد کے ساتھ جاری کیا گیا - صلیب رکھنا، ولیوں کے لیے نماز پڑھنا، تصویروں کی تعظیم کرنا، یہ سب باتیں جرم قرار پائیں، اور مخالفوں کے لیے تازیانہ کی سزا سے لیکر آنکھیں پھوڑنے، زبان کاٹنے، اور سولی پر چڑھانے تک کی سزائیں تجویز کی گئیں -

## (بت پرستی کا دوسرا دور)

لیکن ملکہ ایرینی کے عہد میں پھر انقلاب ہوا - یہ ملکہ بت پرستی کی حامی تھی، کیونکہ وہ نسل یونانی تھی اور عورت تھی - اس حیثیت سے تخت نشین ہوئی تھی کہ اپنے نابالغ لڑکے قسطنطین ششم کی رلی اور سرپرست رہیگی - اس نے برسر اقتدار آئے ہی ایقونی کنیسا (یعنی بت پرستی کو حرام سمجھنے والے کنیسا) کے علماء کو ستانا شروع کر دیا - ستمبر سنہ ۷۸۷ ع میں یہ مقام نیس ایک دینی مجلس منعقد کی - اس میں ۸۶۷ پادری جمع ہوئے تھے، پرپ کے نمائندے بھی شریک تھے - بالاتفاق یہ فتنوں صادر کیا گیا کہ مقدس تصویروں اور بتوں کی عبادت مسیحیت

میں جائز ہے - اتنا ہی نہیں بلکہ شرعاً مستحسن ہے - دلیل میں اسلاف کی بہت سی جھوٹی روایتیں پیش کی گئی تھیں - مزید برآں قسطنطنیہ کی سابق دینی مجلس کی تکفیر بھی کی گئی تھی - اُس کے فیصلہ پر عمل کرنے والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیا گیا!

## (دوسری اصلاح)

ایک مدت تک اس نئے فیصلہ پر عمل ہوتا رہا - یہاں تک کہ تیوریلز بیزنطینہ کا بادشاہ ہوا - یہ بت پرستی کا دشمن تھا - سنہ ۸۳۳ ع میں اس نے پھر علماء سے ایک نیا فتنوں حاصل کیا اور بت پرستی حرام قرار پائی - اس نے صرف تصویریں اور بت ہی نہیں مٹائے، بلکہ کنیسروں میں مسیحی بزرگوں کے ناموں کے ساتھ "مقدس" کا لفظ بھی مٹا ڈالا - مصوروں اور بت سازوں کو شدید سزائیں دی گئیں - بہت سے خلاف ورزی کرنے والے پادریوں کی پیشانیاں آگ سے داغ دی گئیں - غرضکہ اس رسم کے خلاف سخت جہاد جاری ہو گیا -

اُسی زمانے میں ایک مسیحی عالم جان (جسے عربوں نے یوحنا نحوی کے نام سے پکارا ہے) مشرقی رومن سلطنت کے کنیسے کا بطریق اعظم مقرر ہوا - یہ شہنشاہ کا استاد تھا اور بت پرستی کا سخت مخالف، مگر اس کی طبیعت بہت کمزور تھی - اس نے شاہی احکام کی تنفیذ میں تساہل کیا - نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ علانیہ احکام شاہی کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو گئے - شہنشاہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت برہم ہوا - پہلے سے بھی زیادہ تشدد پر اُتر آیا اور مقدس تصویروں اور بتوں کے معتقدین کو سخت سزائیں دینے لگا -

## (بت پرستی کا تیسرا دور)

شہنشاہ کے انتقال پر اُس کی ملکہ تخت نشین ہوئی - یہ اپنے شہر کے خلاف عقیدہ رکھتی تھی - اس نے بت پرستی پھر رائج کرنی چاہی مگر اُس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یوحنا نحوی تھا - یہ شخص دونوں جماعتوں کی نظر میں مکروہ تھا - بت پرستی کے مخالف، اسے بزدل اور منافق سمجھتے تھے - حامی دشمن خیال کرتے تھے - اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ طبعی علوم اور فلسفہ کا عالم تھا - یہ چیز اُس زمانے میں تمام دیندار مسیحیوں کی نظر میں کفر و الحاد تھی - اس صورت حال نے یوحنا کو بالکل بے یار و مددگار کر دیا - چنانچہ اُسے معزول کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں - اُس پر یہ تہمت لگائی گئی کہ جابر گر ہے - یہ تہمت اُس کی معزولی کے لیے کافی تھی - چنانچہ اُسے ذلت کے ساتھ نکالا گیا اور ایک گم نام خانقاہ میں جلا وطن کر دیا گیا - مگر مخالفوں کو اس سے سبب نہیں ہوئی - تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اُس نے ایک رلی کی تصویر کی آنکھیں پھوڑ ڈالی ہیں - اس الزام پر اُسے سخت سزا ملی اور توراۃ کے قانون "دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ" کے بموجب اُس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں!

اب ملکہ کے لیے میدان صاف تھا - اُس نے سنہ ۸۴۲ ع میں ایک آرزو دینی مجلس قسطنطنیہ میں منعقد کی اور از سر نو بت پرستی کا فتنوں صادر کرایا - تمام مخالف، کافر قرار دیے گئے، اور بت پرستی مسیحیت کی بنیادی عبادت تسلیم کر لی گئی - ۱۹ فروری سنہ ۸۴۲ ع میں کنیسۃ ایا صوفیا میں پھر تصویریں اور مورتیں واپس آگئیں - یونانی کنیسا اب تک یہ دن ایک عظیم دینی تہوار کے طور پر مناتا ہے -

# شرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیت

مصطفیٰ پاشا اقبال

اور لائحہ اصلاحیہ

(۲)

میرے آقا! میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اہل صل و عقیدہ منافق اور جاہل، فقط دستور تک سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک جہان کلمہ بتایا بنا دیتا ہے۔ اس کا اختیار چھین لیتا ہے۔ اس کی عظمت سب کو بتا دیتی ہے۔ دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں: دستور بھیکس بخاری عزیز ترین عضو صیتوں: دین، لباس، رسم و رواج سب محروم کر دے گا۔ لیکن ایک یا تو دعا باز ہیں، یا جہالت نے ان کی عقل پر پڑے ڈال دیے ہیں۔ میرے آقا! ان لوگوں کے مشعلے پر کان نہ دہرائے۔ لے میری امت! ان کی گمراہی کی پروا نہ کر۔ دستور، صرف خود بخود ہی کو روکتا ہے۔ بادشاہ کی صرف اتنی ہی آزادی سلب کرنا ہے کہ وہ رعیت کے معاملہ میں غلطی نہ کرے۔ آئنا ہی اختیار چھیننا ہے، جتنے میرے متعلیٰ اختیار سے شریف ہوتا ہے۔ وہ قوم پر کوئی ایسا حکم نہیں لگاتا جو اس کی عزت کے خلاف یا اس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے۔ حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں امن و آسائش۔ ہر انسان کو آزاد اور شریف بنا دیتا ہے!

دستور ہمارے لئے یہ موقع ہم پر ہونے لگا کہ تمام سلطنتوں سے اپنے تعلقات اور زیادہ بہتر بنادیں۔ یہاں، اس ملک میں، اولیٰ و ثانی میں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں مغرور دول کی غلطی نے کتنا نقصان پہنچایا ہے؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح چلاتے ہیں مگر سب معلوم ہے کہ اس مطالبہ سے ان کا مقصد ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دینا ہے، یا اس سے ان کی غرض بعض افراد کی خدمت ہے؟ یہ اور بھی زیادہ ہوا اور نقصان دہ ہے۔ لیکن دستور، ہماری حکومت ایسی حکم مینا دوں پر قائم کرنے کا کبھی اجنبی کو مداخلت کی برائتی نہ دے گی۔ تمام رعایا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوں گی۔ سب کے سب دافعات کے سایہ میں بیکار امن لے گا۔ دستور کے سامنے سب آدمی برابر برابر ہو جائیں گے۔

میرے آقا! وقت آ گیا ہے کہ اسلات کی سلطنت کو آپ بچائیں۔ اس کی راہ میں ہمارے خون اور ہمارے آنسوؤں کی قربانیوں عظیم بھٹیں۔ اس کا ماضی، شاندار تھا، اس کا حاضر، حسرت ناک ہے۔ آہ یہ حاضر خود اعلیٰ حضرت کے جبر قلب کے لئے کیا کس درجہ تکلیف دہ ہے؟ ہمارے گرد ہر چیز ہیں ہمارے ہمارے ہاتھ کی ہر چیز گرتی اور ٹوٹتی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دور میں نظریں یہ سارے خطرے دیکھ رہی ہیں۔ معاملہ، سنجیدہ اور واقعی ہے۔ خیال تو ہم کی اس میں گناہ کشنہز آئیے پاس اتنی فوج موجود ہے کہ اجنبی ایندھن سے بھڑکنے والی ہتھیار کی آگ، بجھائے سکتی ہے۔ لیکن اس فوج کے پاس نہ تو کھانا ہے نہ کپڑے کا پیٹ پال سکے، نہ حکمت ہو کہ غولوں کے دلوں میں آداسے، اور نہ ہی امان ہو کہ خون زودوں کو اپنے فائر حفاظت میں لے لے اور دلوں کا ظلم و دس کے آب طاعون کو اپنے ملک میں نئے نئے امتیازات دے کر فیصلہ کا طعن دور کر سکتے ہیں، لیکن آپ کی اس بخشش میں ہمارا حصہ کیا ہے؟ بہت ممکن ہو فیصلہ کے ہولناک دین میں ہم اسی بخشش کی بدولت اور بھی زیادہ کمزور رہے کس، اور فقر ثابت ہوں۔

میرے آقا! ہر سال جو گزرتا ہے، ہمارے بیرونی مددگاروں کی نظر کمزور اور جاری داخلی زندگی کا ایک چراغ بجھا دیتا ہے۔ یہ بجھنا ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب وہ ہماری امداد کا ویسا خواہشمند نہیں جیسا اب وہ برس پہلے تھا۔ یہ آسٹریا، جرمنی سے تسکٹ کھانے کے بعد مغربی ہونے سے زیادہ مشرقی سلطنت بن گیا ہے۔ اب وہ مرادی قوم سے قریب حاصل کرنا چاہتا ہے جو ہماری سرزمین میں مقیم ہیں۔ اس کے بھی زیادہ اندیشہ کی بات یہ ہے کہ یورپ کی عام لئے ہمارے بظان ہو گیا ہے۔ مشرق میں وہ ہماری طرف راہی، مگر وہ دیر دیر ہم سے منہ پھرتی ہے۔

کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کسان، جنگلوں میں اے اے پھرتے تھے فقر و فاقہ نے انھیں حیرانوں کی سی مخلوق بنا دیا تھا۔ کوئی بھی محنت و مشقت کی طرف رغبت ظاہر نہیں کرتا تھا۔

لیکن صرف تیس برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہو گیا ہے۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہو علوم و صنائع سے ڈالا ہے۔ میرے آقا! یہ حیرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ نہیں ہے۔ مستبد حکمران نے ملک کو دیران کر ڈالا تھا۔ آزاد حکومت نے آئے ہی اس میں روح بھوک دی۔ ایسی روح جس نے اسے زندہ، جوان، طاقتور، اور خوشحال بنادیا۔ وہ حقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہے۔

میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کرتی ہے۔ صرف معنوی زندگی ہی نہیں، مادی زندگی بھی بخشی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے، تو ناکام ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام جسمانی و معنوی قوی سطل ہو جاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہو جائے، جو اوپر عرض کر چکا ہوں۔ زمانہ، اس کے اخلاق پر دست دراز کرے، غفلت، آہستہ آہستہ اس کی عقل پر عادی ہوتی جائے، فقر و فاقہ اس کو خون چوسنے لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہو جائیں، تو ایسی حالت میں ہر محب وطن اور مخلص قوم کا فرض ہو جاتا ہے کہ صرف اصلاح کے مطالبہ ہی پر قانع نہ ہو جائے بلکہ عمل کا فوری قدم بھی اٹھائے۔ اصلاح ایک بے معنی لفظ ہے اگر اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ کتنے قوانین کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے کتنے نظام شریف کئے گئے مگر کبھی عمل ہمارے سامنے نہیں آیا۔ انڈیا ہم پر فرض ہو گیا ہے کہ ایک قدم آگے بڑھیں اور یہ اہم موعودہ، عرش معظم کے دوبرہ انتہائی تعظیم و احترام کے ساتھ پیش کر دیں۔

میرے آقا! آپ اس سلطنت کا ہاتھ پکڑ لیں اور اس کا شباب تازہ کر دیجئے۔ دستور (یعنی دستوری نظام حکومت) کا ہاتھ پکڑ لیں اور اسے اجتمالی و بدظنی سے نکال لیجئے۔ امت کو ایسا دستور بخشنے میں جس کا جسم تندرست ہو، سینہ کشادہ ہو، نیت نیک ہو۔ پھر اسے اپنی امان میں لے لیجئے، ایسا انتظام قائم کیجئے کہ وہ مصلحت سے جاوی ہو، امانت کو اسی پر عمل کیا جائے، اور ہیشہ کے لئے دست درازوں سے محفوظ ہو جائے ایسا دستور جس کے سامنے مسلم اور غیر مسلم، دونوں اپنے حقوق و ادباً میں برابر ہوں، تاکہ قومی اتحاد پیدا ہو۔ سب کو سلامتی اپنے سایہ میں لے لے، اور مغربیوں کا یہ کلیہ ٹوٹ جائے کہ غالب اندوختوں میں اتحاد، محال ہے!

میرے آقا! اہل لیب کہتے ہیں کہ ہماری کمزوری اور انحطاط ہماری قومیت اور ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم فوجی زندگی بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان کے یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی دوسری امتوں سے کوئی مستثنیٰ صورت حال نہیں رکھتی جس طرح دنیا کی مختلف قومیں ابتدا میں جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں تاکہ اپنی ہستی کے لئے استقلال پیدا کریں، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال و تہذیب کے لئے مستعد ہو سکیں، اسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف ہم نہ بڑھیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت لڑائی میں ظاہر ہوتی ہو یا صلح میں! مصدرہ دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہے۔ جس سے استعداد ہے، اس کی راہ کبھی روک نہیں سکتی۔ خود یورپ کی مختلف قوموں کا انحطاط ہماری ہی طرح جنگ و عسکریت سے ہوا ہے، اور اب وہ تمدن و صنائع کے میدان میں سب پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس میں کی طرح دنیا کے تمام دینوں کی بھی تعلیم ہی ہے جو کچھ کائنات، مشیت الہی کے تحت ہے۔ مسیحیوں کے عقیدے اس بارے میں ہمارے عقیدوں سے کس سے زیادہ سخت ہیں۔ وہ مذہب جبرور ایمان لئے ہوئے ہیں۔ ان کے لوگوں میں کی تعلیم ہے کہ انسان، پروردگار کے ہاتھ میں ایسا ہے، جیسے گندھی ٹیٹی ٹی کھار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی میرے آقا! انھیں بھلائی اور بہتری حاصل کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی۔

حق کا اظہار ضروری ہے۔ ہیں جس چیز نے ان کی طرح علی قوم کو سے روک دیا ہے، وہ ہمارا طرز حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہ اندھیرا داہو کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محنت سے بغیر استحقاق کے فائدہ اٹھائے، وہاں نہ عقل ترقی پاسکتی ہے، نہ خوشحالی، عام ہو سکتی ہے۔ بس ملک میں بھی ظلم پھیل جاتا ہے، مخلوق، عمل سے کنارہ کش ہو جاتی ہے کیونکہ اسے اپنی محنت سے متمتع ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

فرانس کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ خوبصورت ملک، جس کا علاج اعلیٰ حضرت بھی ہیں مشعلہ سے پہلے سخت غفلت و نفلات میں پڑا تھا۔ کتب سے لائق و دیر بر حکومت آئے اور بڑی بڑی کوششیں کیں کہ صنعت و عرف اور تجارت و دراعت سکورالوج دیں، ملک میں حرکت و زندگی پیدا کریں، مگر کام نہ ہے۔ ملک نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اس وقت الٹ یہ بھی کہ ظلم و استبداد ہر طرف پھیل رہا تھا۔ رعایا اپنی محنت سے

باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن خود یورپ جو ہمیشہ اصلاحات کے لیے غل مچایا کرتا تھا، سد راہ ہوا۔ لامتناہی جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا، اور ترکی کے مدبرین اور خزانہ کو اصلاح کی ذرا بھی مہلت نہیں دی گئی۔ اس طرح ۴۸ سال کا زمانہ نکل گیا۔

### • زنجی تحریک حریت

کچھ عرصہ سے افریقا کے زنجیوں میں آزادی کی تحریک پھیل رہی ہے۔ اس کا مرکز جمہوریہ ”لیبری“ میں ہے۔ مرقص گاربی صدر انجمن ”آزادی جنس زنجی“ نے اعلان کیا ہے کہ نصف صدی کے اندر اندر افریقا کے سیاہ آدمی اس قابل ہو جائیں گے کہ اپنے اپنے خود حکومت کرنے لگیں اور پورے افریقا کی متحدہ جمہوریت قائم کر لیں۔ صدر نے کام کی موجودہ مشکلات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے: ہم فی الحال تقریر و تحریر کے ذریعہ پروپیگنڈا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ باشندوں میں تعلیم مفقود ہے۔ لیکن ہمارے پاس ایک معقول ذریعہ موجود ہے، اور وہ ”دھول“ ہے۔ ہم دھول پر اپنی دعوت ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ تک پہنچا دیتے ہیں اور باشندے اسے قبول کرتے جاتے ہیں۔

(پارلیمنٹری گالیاں)

پارلیمنٹوں میں ہمیشہ تعلیم یافتہ آدمی بیٹھتے ہیں۔ با ایں ہمہ ان کی گالیوں کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

سرویا کی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے ایک مقرر کو مخاطب کر کے کہا: ”چرس پینے والے! مردہ کھوپڑیوں کے سوداگر! حریت کے قاتل!“ جرمن پارلیمنٹ میں ایک ممبر نے دوسرے سے کہا: ”تو سزا ہوا سور ہے! تو کیتے پڑا ہوا جسم ہے! تو دیوانوں کا بادشاہ ہے!“

”تو برٹر یہودی ہے! تو قانون کا تاجر ہے! تو آئرلینڈی شکاری کی رسی ہے! تو کرامول کے زمانہ کا سزا ہوا جینٹلر ہے!“ یہ انگریزی پارلیمنٹ میں ایک ممبر کا بیان تھا!

## WANTED.

Urdu Trained Mistresses for the Karachi Municipal Urdu Girls Schools on the following salary:

	Pay	Allowance	Total
1st Year (Junior)	Rs. 50/-	Rs. 10/-	Rs. 60/-
2nd Year	„ 55/-	„ 10/-	„ 65/-
3rd Year (Senior)	„ 65/-	„ 10/-	„ 75/-

The above posts are pensionable and governed by the Municipal Pension & Provident Fund Rules. The appointments will be on 2 years' contract in the first instance. Apply with full details; also age, nationality with copies of testimonials, if any. Applications should reach the Undersigned on or before 1.11.1927. Those already in service, should apply through their authorities under whom they are employed.

Sd. V. G. PRADHAN,

Administrative Officer.

SCHOOL BOARD,

KARACHI MUNICIPALITY, (I.H)

سلطان محمود ثانی تک ترک اپنی عظمت و سرگوانی کی وجہ سے علم و فن کی ہر نئی بات کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ صرف توپ خانہ اور طباعت کی چند اصلاحات منظور کی گئی تھیں۔ باقی تمام علمی و صناعی انکشافات سے غفلت و اعراض تھا۔ مشہور ترکی مورخ جودت پاشا نے اپنی تاریخ میں ترکوں کا ذہنی جمود دکھایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”رسمی احمد آفندی نے سلطان مصطفی ثالث کے زمانہ میں یورپ کی سیاحت کی تھی۔ واپس آ کر سلطان کے ایک مقرب خاص یوسف آفندی سے بیان کیا کہ دہل یورپ اپنے ملکوں کے حفظان صحت پر بہت متوجہ ہیں۔ جا بجا قرنطینے قائم کیے گئے ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کو بھی یہی کرنا چاہیے۔ لائق مصاحب نے یہ سن کر پیشانی پر بل ڈال لیے اور کہا ”میں تمہیں اب تک عقلمند سمجھتا تھا، مگر تم سخت احمق نکلے، تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ یورپ کے لوگ ہمارے ملک میں صرف بیماریوں کے دوسرے نہیں آتے۔ اگر ہم حفظان صحت کا انتظام کر دینگے تو ظاہر ہے، یہ زرک آتھ جائیگی“ اور یورپین ہماری سر زمین پر چیرٹتی کی طرح پھیل جائینگے۔ پھر ہم انہیں کیسے قابو میں رکھ سکیں گے؟“

یہ بات نہیں ہے کہ ترکی میں کسی کو بھی اصلاح کا خیال نہ تھا۔ خود سلطان مصطفی ثالث اور سلیم ثالث اصلاح کے بڑے حامی تھے۔ مگر بالکل مجبور تھے۔ اصلاح کی سب سے بڑی مخالفت فوج اور عامۃ الناس کی طرف سے ہوتی تھی۔ ینگ چری فوجوں کو حد سے زیادہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا، سلطان انکے ہاتھ میں کھلنا تھا۔ یہ فوجیں سخت جاہل اور گنوار تھیں۔ کسی طرح کی اصلاح دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔ عام رعایا سرکاری علماء کے ہاتھوں میں تھی، اور معلوم ہے کہ علماء دولت و زمانہ میں اصلاح کے سب سے بڑے مخالف ہوتے ہیں۔ اصلاح کی ہر صدا ان علماء سوء کے مذہب میں کفر و العاد کی صدا تھی۔ وہ ایک لمحہ کیلیے بھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ علم کی ایک شعاع بھی ترکی کے آسمان پر چمکے۔

سب سے پہلے سلطان محمود ثانی کو اصلاح کی توفیق ملی۔ یہ سلطان بڑا ہی اولوالعزم تھا۔ اس نے ینگ چری فوجوں کا قتل عام کر کے خاتمہ کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی ہیبت دلوں پر چھا گئی، اور علماء دولت بھی باوجود اپنی تمام سرکشیاں کے لرزے لگے۔ اس سلطان نے اصلاح کے لئے اپنی سلطنت کے دروازے کھول دیے اور فوج کا نظام بالکل جدید کر دیا۔ عام ترکی لباس بھی ترک کر دیا گیا۔ اور خود سلطان نے نیا فوجی لباس پہن کر اس کی ابتدا کر دی۔ مگر افسوس ہے کہ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ یورپ قور تازہ ہو کر از سر نو ترکی کی تباہی پر تل گیا تھا، اور ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ یہ پرانا حریف از سر نو طاقت حاصل کرے۔ چنانچہ ترکی کی ماتحت عیسائی اقوام سے بغاوت کرائی گئی، ان کی حمایت و حفاظت کے لیے مداخلت کا مطالبہ کیا گیا، اور بین الاقوامی سیاست میں ”مسئلہ مشرق“ کے نام سے ایک جدید لفظ کا اضافہ ہو گیا، جس سے مقصود صرف یہ تھا کہ ترکی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ سلطان محمود اور ان کے بعد سلطان عبد المجید نے اصلاحات عام کرنے کی سر توڑ کوششیں کیں، شیخ الاسلام احمد عارف آفندی نے تمام قلمروں میں دورہ کر کے مسلمانوں کو مدبھانا شروع کیا کہ اصلاحات شریعت کے خلاف نہیں ہیں اور انہیں نفرت و رخصت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ اس طرح تمدنی اصلاحات کی راہ میں کوئی بھی اندرونی رکاوٹ

# بید شرق

## مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار قیوم مصطفیٰ کے قلم سے)

قصر یلدرم کے ہول کی بندش - مجلس کے انتخابات - ایک نئی سازش - ترک اور افغان - ترکی اور ایران

### قصر یلدرم کے لمب کی بندش

آپ کے قارئین، قریب کے نام سے نا آشنا ہو گئے ہیں وہ محل کہ قلعہ ہے جس میں سلطان عبدالحمید ثانی نے کال ۳۳ سال تک ایسے ستاد و قہر کی حکومت کی، جو موجودہ دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری نال نہیں کھتی!

یلدرم، باسفورس کے یورپی ساحل پر واقع ہو۔ اس کا پہلا بھلا، کل لب سمندر ہے۔ یہاں سے مندر کے گھنے اور خوبصورت جنگل شروع ہوتے ہیں۔ انہیں ملے کے محل تک پہنچنے کے لئے تیز موٹر کار میں بھی اسے کم بندہ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ بہت لمبی پر محل، استحکام قلعہ کی طرح کھڑا ہے۔ پہلے اس کے گرد میلوں تک، موپے اور قلعہ بندیاں تھیں اس زمانے میں یلدرم کا نام ترکوں کے دل لڑا دیتا تھا۔ یلدرم کا نام لینا، یلدرم کا ذکر کرنا، یلدرم کا لفظ تحریر میں لانا، یلدرم کی طرف نظر اٹھانا، یہ سب باتیں انسان کو حکومت کی نظر میں شبہ کرنے کے لئے کافی تھیں۔ اس وقت بڑے بڑے حکام کے ہوا، کبھی ترک کے دہریوں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اندر سے یلدرم کی کبھی جھلک دیکھ لے سکتا ہوا!

۳۳ سال کے بعد یلدرم کا یلدرم ٹوٹا۔ سلطان محمد خامس جو کم زمانے میں اس کی وہ بہت باتیں نہیں کہی، لیکن عوام کے لئے اس کا داخلہ اب بھی ناممکن تھا۔

حمید الدین محمد سادس، آخری عثمانی سلطان کے زمانے میں پھر یلدرم نے اپنا رعب و افسانہ شروع کر دیا تھا۔ یہ سلطان، اپنے بھائی عبدالحمید کی کسی طبیعت رکھتا تھا، ادا اسی جودت سے حکومت کرنی چاہتا تھا۔ مگر زمانے کے انقلابات نے اسے ملت نہ دی اسے تخت سلطنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جانا پڑا۔

آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید کے مختصر عہد میں یلدرم کی تمام بہت ترانہ ہو گئی۔ جمہوریت نے آتے ہی اس کے دوا نہ عام مخلوق کے لئے کھول دیئے۔

جمہوری حکومت نے یہ محل آستانہ کی بلدیہ (میونسپلٹی) کو عے دیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح استہلال میں لایا جائے کہ شہر کے باشندوں کی خوشحالی میں ترقی ہو۔ اور اس کے قیام و مصارف کا بار خزانہ حکومت پر نہ پڑے۔ اسی زمانے میں ایک اٹالین سرمایہ دار باپوسرانی نامی نے درخواست پیش کی کہ یہ محل اسے کرایہ پر دیا جائے۔ وہ اس میں ہول اور کلب (مظروف کی جگہ) قائم کرے گا، اور ایک مقبول رقم حکومت کو دیا کرے گا۔ ترکی حکومت نے یہ تجویز اس شرط پر منظور

کری کہ ترک باشندوں کو اس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اس کے قیام کا اعلان دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کر دیا گیا حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح ترک، اسرات سے بچ جائیں گے اور دوسرے ملکوں کے دولت مند یہاں آکر اپنی دولت ہائیں گے۔ اور اس طرح شہر کو وہ عظیم مالی فوائد حاصل ہوں گے جو اس وقت تک صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو حاصل ہو رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہو کہ یہ ارکان حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ انھوں نے معاملہ کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا، اور تمام پہلو نظر انداز کر دیئے۔

بہر حال اٹالین نے شرائط منظور کر لیں اور افسوس ہو کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکی مسلمانین کے پائے تخت میں لہو و لب کا یہ عظیم الشان مرکز قائم ہو گیا!

ٹھیکہ کی باقی شرطیں یہ تھیں کہ امپارہ کرایہ کے علاوہ بلدیہ کو ہول کی آمدنی سے بھی کوئی مدد ایک مقبول رقم دیا جائے گی۔ چنانچہ بلدیہ نے پہلی قسط ۱۰۰،۰۰۰ (ترکی پونڈ) کی ہول کی آمدنی سے وصول کئے اس کے مقابل میں سرمایہ دار کو ۱۰ لاکھ ترکی پونڈ نفع ہوا۔

تقریباً ۱۰ ماہ بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس تمام مدت میں بلدیہ کی بر شکایت وہی کہ کرایہ دار سادس کی شرطیں پوری نہیں کر رہا ہے۔ ترکی اخبارات میں روز مضامین شائع ہوتے تھے اور اعداد و شمار ملے گئے جاتا تھا کہ اس لمب سے ترکی قوم کی کتنی دولت منافع ہو رہی ہے؟ بجائے اس کے کہ یورپ کے سرمایہ دار یہاں آکر اپنی دولت صرف کریں، خود ترکوں کی دولت برباد کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہول میں علانیہ قمار کھلایا جاتا تھا، اور اس کا شوق ترکوں میں بھی پھیلنے لگا تھا۔ دنیا کی یہ شریف ترین قوم اب تک قمار کے ہلکے مرض سے محفوظ تھی، لیکن اس اٹالین سرمایہ دار کی زیر نگرانی ادارہ کاران حکومت کی نااعتیادیت کا اس سے ترکوں کو بھی آشنا کر دیا!

ایک طرف یہ بربادی پھیلی ہوئی تھی، دوسری طرف یورپ کے دوستانہوں نے گویا اس کا مقابلہ کر رکھا تھا۔ اول تو کرایہ دہنے اس مرکز کا یورپ کے مرکز تفریح میں اعلان ہی نہیں کیا، کیونکہ اس نے دیکھا، مقامی آبادی اس کی مطلب بلدیہ کے لئے کافی ہے پھر یہ بھی ہوا کہ قویٰ قصبہ کی وجہ سے دوسری قوموں کے دوستانہ، لندن، برلن، وین کو چھوڑ کر اپنی دولت ترکوں میں خیر کرنا پسند نہیں کرتے تھے الحمد للہ کہ امامہ کی مخالفت کے بعد اب حکومت متنبہ ہوئی اور اسے فیصلہ کر لیا کہ اس عظیم خطرے کا سد باب کرنے چنانچہ کل رات کو کونسلر نظیف بک پولیس کی ایک بڑی جمیت کے لئے محل یلدرم میں گھس پھسے۔ قلعہ

خلے میں داخل ہوئے۔ وہاں بازیان لگ رہی تھیں۔ حاضرین میں ایک اچھی تعداد ترکوں کی موجود تھی۔ ایک ترک طالب علم بھی موجود تھا۔ لوگ اسے آسانی سے بچ کر بھاگنے لگے۔ مگر کشتی نے ڈپٹ کر کھما:

”کھیل ختم ہو گیا۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے!“ چنانچہ سب بہت کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ فوراً ان کے نام لکھے گئے۔ بازی کی رقمیں جمع کی گئیں مکمل ۱۰۰،۰۰۰ پونڈ تھے۔ پھر قمار خانے کا صندوق ضبط کیا گیا۔ اس میں ۱۰۰،۰۰۰ پونڈ تھے۔ ایک شخص نے یہی رقم لئے بھاگ رہا تھا، اسے بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر محل کے تمام دروازے مقفل کر دیئے گئے اور محاذ بھاگتوں پر کھڑے ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد کشتی نے جب ذیل بیان شائع کیا:

”حکومت صرف اس بات کی اجازت ہی تھی کہ اجنبی لوگ یلدرم میں نہ آجائے تا کہ ترکوں کو اس شہر کو مالی منفعہ حاصل ہو لیکن باپوسرانی نے معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اسے شہر کے لئے ایک نہایت خطرناک قمار خانہ بنا دیا جسے کسی حال میں بھی حکومت گوارا نہیں کر سکتی۔ مجبوراً حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ معاہدہ منسوخ کر دے اور قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائے۔ اس طرح ترکوں کو یلدرم کی مصیبت دوبارہ نجات ملی گئی۔“

مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات ختم ہو گئے۔ غازی مصطفیٰ لکال پاشا کی پوری جماعت انتخابات میں کامیاب ہو گئی۔ کسی دوسری جماعت کا ایک آدمی بھی نئی مجلس میں نہ ہوگا۔ تمام کرسیاں ”خلق فرقہ سی“ کے آدمیوں ہی کے قبضہ میں رہیں گی۔

اس کامیابی پر غازی موزج نے قوم کے نام ایک اعلان شائع کیا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

”میرے عزیز برادران وطن نے اپنی متفقہ رائے سے ثابت کر دیا کہ وہ ہماری سیاسی جماعت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اس کی گزشتہ غزوات بنظر استحسان لکھتے ہیں، اور اس کے آئندہ مسلک کو مفید یقین رکھتے ہیں۔ یقیناً ان کا یہ اعتماد، ہمارے لئے بہت بہت افزائی ہے۔ اسی سے ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلے سے بھی زیادہ قوت بخش دی ہے۔“

بلاشبہ یہ کامیابی ہے۔ لیکن اس میں ایک پہلو ایسا بھی موجود ہے جو ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے، جیسا کہ کچھ مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ موجودہ انتخابات میں اس جمہوری جماعت کے ہوا کوئی دوسری جماعت شریک ہی نہیں ہوئی تھی۔ لہذا ہم حال میں یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ اس جماعت کے امیدوار قحط ہو جائیں اسے کوئی ایسی کامیابی نہیں کہہ سکتے جو مقابلہ کے بعد حاصل ہوئی ہو۔ یہ اہم پہلو، خود انگوڑے کے نیم سرکاری اخبار ”حاکمیت ملت“ کو بھی زیر بحث لانا پڑا۔ وہ اپنے مقالہ ”انتخابات میں لکھتا ہے:

”دوسرے ملکوں میں انتخابات، مختلف ذہنی مذاہب (اسکول) یا مختلف طبقوں کے ذاتی مصلحت کی بنا پر ہوا کرتے ہیں۔ انہیں ہدیزل سبوں سے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں ہر جماعت برسر اقتدار آنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ترکی میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ یہاں اب تک ایسے طبقے موجود نہیں ہیں جن کے مفاد مختلف ہوں۔ ترکی میں سرمایہ داروں، مزدوروں، اور متوسط طبقوں لوگوں کی جماعتیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی قوم ہے، اچھے تمام باشندے مشترک مفاد و اغراض رکھتے ہیں۔“

”بلاشبہ حالت امن میں یہاں بھی دو فکری رجحان پیدا ہو جاتے ہیں: ایک گردہ کا فکری رجحان یہ ہوتا ہے کہ ملک کی نجات و سلامتی امن میں، امن کی تقلید میں، اور قدیم رسم و رواج کی پابندی میں ہے۔ دوسرے گردہ کی رائے میں کامیابی تا حد قوت اصلاح و تجدید میں ہے۔ پہلے گردہ میں عامتہ الناس اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص داخل ہیں، دوسرے



جاتی ہو۔ اگر اعلیٰ حضرت، مہربانی فرما کر برس، لندن، اور وہم کے اجازت پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ جو تو میں اپنی مصلحت ہماری نہ کیا کرتی تھیں، اب وہ ہماری تباہی کا یقین کرنے لگی ہیں۔ انگلستان، فرانس، اور اٹلی کے بہت سے تہذیبی حکام کی حرکتیں دیکھ کر اور رعایا پر ظلم و تشدد ہر کر کے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اعلان کرنے لگے ہیں۔ یہ حکومت ہرگز اپنی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس کا زوال یقینی ہے ہم بھی اسے چھوڑ دیں۔ اس کی موت جلد واقع ہو جائے گی۔

میرے آقا! ہمیں ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کر دینی چاہئے لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہو گا کہ اپنی حکومت میں تبدیلی کریں۔ یہ تبدیلی ضرور ہوگی، کیونکہ اعلیٰ حضرت کے ارادے اور حکم سے ہوگی۔ ہم فرانس، انگلستان اور اٹلی پر ثابت کر دیں کہ یہ ہماری قومیت ہے اس لئے اس کو زوری اور سنا دیں ہر گز رکھا ہو، نہ یہ پچھلے مقدسین ہی کا اقتدار ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم مر چکے ہیں! ہم زندہ کی طرح عمل کر کے دکھا دیں کہ ہمیں مرنے نہیں ہیں، زندہ ہیں!

میرے آقا! ہم پہلی قوم نہیں ہیں جس نے زلف نے پوش کی ہو۔ انکی ہر خوبی بگاڑ ڈالی ہو، اور اس کے تمام قوی کرد کر ڈالے ہیں۔ ہم آخری قوم بھی نہیں ہونگے جس کی ایسی زبوں حالت ہوئی ہو۔ یورپ میں بھی بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر زمانہ اپنی تمام مصیبتوں کا فوٹ پڑا ہو، اور ان کا حال بھی بالکل ہمارے جیسا ہو گیا ہے۔ میں اعلیٰ حضرت کے دربار عرض کر چکا ہوں کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسی قوم کو تباہ ہو گئی تھی۔ کس طرح اس کی صنعت و حرفت برباد ہو گئی تھی۔ اس کی ثروت کمزور ہو گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد دیوالیہ ہو جاتا کرتی تھی۔ کس طرح اس کے تمام طبقوں پر ظلم ہو رہا تھا، حتیٰ کہ اس وقت کے ایک مدبر نے لکھی بات دہم سے کہنا تھا: "آپ کی سلطنت میں کوئی نہیں جو اپنی عزت پر فخر کرے اور دیر کے انتقام سے بچ جائے۔ کوئی نہیں جو اپنی بھائی پر صبر و شکر کرے اور ایک خیر چراسی کے غصے بھی بچ سکے۔" اس ملک میں حکومت کا کوئی رتبہ دیر باقی نہ رہا تھا۔ اس کے سامنے عمل کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ حواس گم ہو گئے تھے۔ بعد ایک نئی روش اختیار کرتی اور بدلتی تھی۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد تو فرانس گریٹر سرے دے جی کی ڈول کے زمرے میں شمار ہونے لگا تھا۔ لیکن اس نے پھر بہت جلد اپنی اصل جگہ حاصل کر لی۔ چند سال میں اس کی تمام برباد قوتیں واپس آ گئیں۔ حتیٰ کہ اس کی فوجوں نے پورے یورپ کی متحدہ لیڈار روک دی۔

حیرت انگیز کامیابی فرانس نے کیونکر حاصل کی؟ صرف اس وجہ سے کہ اسے حکومت کے وسیع نظام کی جگہ ایک نیا نسخہ پر در نظام قائم کر دیا تھا۔ بلاشبہ یہ شانہ و تبدیلی مصائب سے خالی نہ تھی۔ بہت سا خون بہا، بہت سے آدمی مارے گئے۔ مگر یہ مصائب کچھ اس تبدیلی کا لازمی نتیجہ نہ تھیں۔ ان مصائب کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تبدیلی آسرت و ملت ہوئی جب اس کے لئے ذرا بھی وقت باقی نہ رہا تھا۔ بالکل آخری لمحہ تھا وہ لمحہ جس میں اگر قومی اٹھ بڑھتی ہیں، تو ان کا اٹھنا بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔

میرے آقا! ایک فرانسیسی قوم ہی ایسی نہیں ہو چاہئے مصائب سے بچے۔ اصل عمل آئی ہو۔ فرانس کے علاوہ اور بھی ایسی قومیں موجود ہیں۔ ریاست تیموریہ (دہلی) کے نواب نے آزادی کی کہ عظیم الشان کامیابی قوم کا بادشاہ ہو جائے۔ وہ بادشاہ ہو گیا! کیونکہ اسے کوئی فوج جمع نہیں کی، کوئی مددگار نہیں کیا۔ اسے صرف یہ کیا کہ قوم کو ایک آزاد دستہ چکرت بخش دیا۔ اس بخشش کے ساتھ ہی اس کی فتوحات شروع ہو گئیں۔ ان کی فتوحات میں جن پر پھر دہشتیں کیا جاسکتی، دہلی کی نواب جو نواب کی حقیقت، فتوحات ہیں۔ وہ پورے اٹلی کے دہلی کے

عقلوں پر قابض ہو گیا۔ مرتے وقت اسے جسم ہوں سے پیشین گوئی تھی "میرے بیٹے و کٹر عازلوں کی سلطنت کا تہ میری ریاست کے رفیعے تین گنا زیادہ ہوگا۔" دیکھ لیا کہ بوڑھو نواب کی پیشین گوئی بالکل حق تھی، یہ کیوں ہوا؟ صرف اس وجہ سے کہ دانشمند حکمران نے ٹھیکے وقت پر آزادی کا لفظ اپنی زبان سے کہا تھا، وہ لفظ جو اپنے تین حریفوں میں دنیا کی تمام سعادتیں اور کامرانیوں پوشیدہ رکھتا ہے!

میرے پاس اس سے بھی زیادہ روشن اور صاف مثالیں موجود ہیں اور اس کی سچی ہیں کہ اعلیٰ حضرت ان پر نظر فائر ڈالیں۔ لیکن جن اس عرصہ میں ان سے کیا ذکر نہیں کر سکتا۔ میں اسٹریٹا کا ذکر کر دوں جو اپنی دستوری آزادی کے سہلے وقت کے عظیم خطروں سے محفوظ گذر گیا ہو؟ پریشیا کا ذکر کر دوں جو ابھی کل کی بات ہو کہ اپنی تہذیب کی بدولت میدان جنگ سے فوج نکلی ہو؟ لیکن مجھے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ میں جس قدر عرض کر چکا ہوں، اعلیٰ حضرت کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت! قوموں کی آزادی ان کا حق ہے۔ ان کی امانت ہے۔ ان کا ورثہ ہے۔ اور حکومتوں کا فرض ہے کہ اس امانت کے سرفرد کرنے میں متاہل نہ کریں۔ یہ سپردگی ان کی قوت بڑھاتی ہے اور انھیں طرح کے خطروں سے محفوظ کر دیتی ہے۔ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس امانت کی سپردگی پر مجبور ہو گئی ہیں۔ کوئی دوسرے ہر غنائی حکومت اس عام اجتماعی حالت سے مستثنیٰ تصور کر لیا جائے؟ کیا ترکی قوم زمرہ اقوام میں شامل نہیں ہے؟

پھر ایسا کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہ ہمارے تری و سعادت سے محروم رکھا اور تمدن و دانشمندی سے دور رکھا جاتا ہے؟ میرا جلیل القدر آقا مجھ سے زیادہ واقف ہے کہ ایک لمحہ کے لئے یہ گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔

میرے آقا! اس دنیا میں دوسرا سبب نہیں ہے: اسلامی الہی علی۔ ایک ہی ہے، اور ریاست اس عمل کے سوا کچھ نہیں جو حکام کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے۔

یہ ہمارا دین نہیں ہے بلکہ ہمارا قدیم نظام ہے جو ہمیں فنا کر رہا ہے۔ اس نے ہمارے مذہبوں کی طبیعت بگاڑ دی اور ان کی خودداری ناکل کر دی پھر ان دہروں نے سلطنت کی طبیعت بگاڑ دی اور اس کی عزت و تعز جو گئی۔ پس ہمیں یہ نظام ترک کر دینا چاہئے اور اس کی طرف کبھی لوٹنا نہیں چاہئے۔ اس نظام کے بوجھ کے نیچے امت پڑی ہو سک رہی ہے۔ یہ نظام حملہ آور دشمن سے ہمیں کبھی پناہ نہیں دے سکتا۔ ہمیں وہ مظالم اختیار کرنا چاہئے جو عمل و مساوات اور حریت مادہ کا مظہر ہے، اور مادہ سے ہم کبھی ان کیس قائم ہو جائے وہاں تو قوتوں کو ہاتھ پیر کر اٹھا دیتا ہے اور عظمت کے محل طیار ہو دیتا ہے۔

کیا ہمارے لئے یہ زیادہ ہے کہ وہ صوبے جو ابھی مال ہیں ہم سے جدا ہوئے ہیں اور جنھیں اپنے خون یا دین کے لحاظ سے ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، آزاد مظالم حکومت کا خیر مقدم کریں، اور ہم لوہے جیش میں پڑے رہیں؟ کیا آپ کی سلطنت میں ایسے بچے اور مخلص جب وطن جو جن میں ہیں جیسے تھراٹوئس، مولڈاویا، رومانیہ، اور سرہیہ میں ہیں؟ کبھی نہیں ضرور ہیں۔ انھیں چلائے، وہ سرے کے لڈ کر آئیں گے۔ ہر شہر میں رعایا کی پسند سے ایک گروہ منتخب کیجئے، وہ آپ کے سامنے دیت کے معاملات بے نقاب کر دے گا، اور پھر وہ راہ عمل باز ہو جائے گی جس کی جانب حضور کی ابوی شغقت کا رجحان ہے۔ اس کے بعد اپنے شاہانہ اولیٰ سے رعایا کے نمائندوں کو اپنی سلطنت کے مرکز میں جمع کیجئے۔ وہ عرش اعظم کے زور و رعیت کی مزدقہ میں پیش کریں گے اور عقبہ عالیہ تک اس کی آرزو پورا ہو جائے گی۔

ایک طلبہ کا کہنا تھا "مجھے ایک گزیر دو، میں تمیں ایک شریف آدمی سے دوں گا، لے میرے آقا آپ بھی اپنی سربستی میں حقوق عطا کر کے اپنی رعایا کو محنتی، ادلو الغرم، اور زندہ بنائے سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی بخشش پر حضور کی شکر گزار ہوگی، ظلم اٹھ جائے پر دعائیں گی۔ آپ کی خدمت کے لئے اپنی جائیں قربان کرے گی۔ آپ کی اپنی اور سلطنت کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گی۔ اس کی عقل درست ہو جائے گی۔ اس کا نفس پاک ہو جائے گا، اور اس طرح وہ اسلام کی فضیلتیں دوبارہ حاصل کر لے گی۔ جب خطرے کا بجھ بچے گا، تو وہ ہتھیاروں پر سرے کر دے گی، عرش معظم کے گرد جمع ہو جائے گی، اور اعلیٰ حضرت کی نصرت میں خوش دھرم موت کا خیر مقدم بجالائے گی کیونکہ وہ سمجھے گی، اس کی تمام سعادتوں کا صائن مرتبہ ہی عرش مبارک ہے۔ میں یہاں اس دستوری مظالم حکومت کی تشریح کرنی نہیں چاہتا جسے میں ملک کی قابلیت، اخلاق، اور روایات کے مطابق دیکھنے کا متنی ہوں۔ میں غمگین یہ دستور اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ اسے میں نے اور میرے رفقاء نے ترتیب دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علم میں یہ حقیقت پہلے سے موجود ہے کہ میں صاحب غرض نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی منصب کی طلب ہے نہ کسی عہدے اور بخشش کی آرزو۔ میری غرض صرف اس قدر ہے، اور میں بلند آہنگی سے اس کا اعلان کرتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت کے دربار سلطنت کی عظیم اکثریت یعنی مسلمانوں اور مسیحیوں کی آرزو رکھ دوں۔ یقیناً جلا وطنی کی تمام تلخیاں مجھ پر آسان ہو جائیں گی اگر ذات شاہانہ کے سامنے حقیقت عریان پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت سلطان معظم اسے پہلے خود اپنے منظر عام کی طرف رجوع کیجئے کہ وہ اس زمانے میں آپ کا کیا فرض بتا رہا ہے، جبکہ آپ کی رعیت حیرت میں پڑ گئی ہے اور پورے صحن میں تباہ ہو رہی ہے؟ یہ ایک جلیل القدر عمل ہے۔ اسے ہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے غم شہادت کا وصفت عطا فرما دیا ہے۔ جو کوئی بھی یہ عمل عظیم انجام دے گا، تاریخ اس کا نام ہمیشہ یاد رکھے گی اور تمام مخلوق اس کا نام عزت و شکر گزاری کے ساتھ پڑھتی رہے گی!

میرے آقا! اگر زمانے نے حضور والا کو وہ شرف نہیں بخشا جو کہ اجداد کے حصے میں آیا تھا، یعنی آپ کے ہاتھوں اس عظیم سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی، تو زمانے نے یہ شرف آپ کے لئے محفوظ رکھ کر چھوڑا تھا کہ اس سلطنت کی عظمت رفتہ دوبارہ واپس لانے کا کام آپ ہی کے دست مبارک سے انجام پائے۔ تمام صادق مہمان وطن بلکہ آپ کی کرودیں مسلمان اور مسیحی رعایا کی آدائیں اس موت میں میری شریک ہیں جسے میں اس عظیم و اثرن کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ہی اس کے اہل ہیں۔ یہ شرف حضور کے اسم گرامی کو ان عظام تاریخ کے بلند نام کی صف میں لکھ دے گا جن کی تمام مخلوق عظیم کرتی اور جن کی عظمت کے راگ تمام قومیں گاد رہی ہیں۔

مصلیٰ فاضل

## خط و کتابت

میں

اپنا نمبر ضرور لکھا کیجئے جو ہر ہفتہ رسالہ کی چٹ پر

آپ کے نام کے ساتھ دینے ہوتا ہے۔

شیر



گروہ، تعلیم یافتہ اشخاص کا ہے۔

یہ دونوں نکری دجھان، ٹرکی میں ۲۰ برس سے متصادم ہو رہے ہیں۔ سیاست، فوج، ادب، علم، کوئی میدان نہیں جس میں یہ دونوں نقطہ ہائے فکر باہم دست بگریباں نہ ہوں۔

”لہذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر بہت سی جماعتیں نہیں تو کم سے کم دو جماعتیں ملک میں ضرور موجود ہیں اور برسرِ اقتدار آنے کے لئے متصادم ہو رہی ہیں۔ لیکن اس وقت علما صرف ایک ہی سیاسی جماعت موجود ہے، اور وہ حامیان اصلاح و تجدید کی ہے۔“

”اس کی اہلی وجہ یہ ہے کہ حامیان اصلاح اپنے مقاصد کا یا ایک پہلے اعلان کرتے ہیں اور مقررہ منسلک لائحہ عمل لکھتے ہیں۔ برخلاف ان کے حامیان جمود و تقلید میں اپنے مقاصد کے اعلان کی جرات نہیں دے سکتے وہ کوئی معینہ راجل لکھتے ہی نہیں۔ اس کو بھی پڑہ کر کہ ان میں باہم کوئی فکری رابطہ بھی موجود نہیں ہے جو ایک باقاعدہ جماعتی شکل پیدا کر سکے۔ بہر کوئی اپنی ایک طرف مضطرب اور مبہم رائے رکھتا ہے اور دوسرے کے ساتھ اپنے پر آمادہ نہیں ہے۔“

”یہی سبب ہے کہ عملی طور پر یہ جماعت مرگئی ہے۔ کسی طرح بھی اپنے حریف کے مقابلے میں گھری نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کی اس علی موت نے اس میں یہ خطرناک مرض بھی پیدا کر دیا ہے کہ وہ پس پردہ سازشوں اور خباثتوں کے جال بناتی اور ملک میں پھیلنے کی کوشش کرتی ہے۔“ یہ کہنا ضروری نہیں کہ ”حاکمیت لیت“ کی لئے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے۔

### ایک نئی سازش

اس ہفتے ایک نئی سازش پر سے پردہ اٹھا ہے۔ آپ کے قارئین کو یاد ہو گا کہ معالجہ لوزان کے بعد ہی ترکی حکومت نے اپنی سرحدوں پر ۱۵۰ آدمیوں کو ہمیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کی پھیلی زندگی، سازشوں اور خباثتوں سے بھر پور تھی۔

یہ لوگ ترکی سے بھگت کر آئے، مصر، شام وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے اور ترکی حکومت سے انتقام لینے کی فکر کرنے لگے۔ یونان میں پناہ گزین خاندانوں کی روش بہت شبہ تھی۔ ترکی خفیہ پولیس برائون کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

انہوں نے کئی سال مطلق زندگی بسر کرنے کے بعد خیال کیا کہ ترکی حکومت ان سے بالکل غافل ہو گئی ہے۔ چنانچہ حکومت یونان کے بھر دے پر ایک سازش بنائی اور عمل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سازش کا سرغنہ، حاجی سائی ہے۔ یہ چوکی دم کا آدمی ہے اور اپنے وقت کا مشہور جرائم پیشہ اور زور زور سے چکا ہے۔ انہیں اتحاد ترقی کی حکومت لانے میں اس نے سیکرٹول خون کئے تھے۔ مرحوم الزما شاہج ترکان گئے تو یہ بھی ہاں پہنچا اور جنگ میں شریک ہو گیا۔ ان کی شہادت کے بعد پھر ترکی داپس آیا اور اپنا کرنا مشغلہ جاری کر دیا۔ معالجہ لوزان کے بعد حکومت نے اسے بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

پچھلے ہفتے ترکی پولیس کو معلوم ہوا کہ یہ یونان سے اپنا سفر چوکی جہانے کر تہرا پہنچا ہے، اور غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فوراً اسے گرفتار کر لیا گیا۔ مگر اسے مقابلہ کیا تھا۔ خود مارا گیا، مگر اس کی پوری پوری قید ہو گئی۔

اس ٹکڑے میں تلم چوکی لوگ شامل ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں، حمید کوچک، حمید کلال، حسی قائل، کی برادر حاجی سائی۔ ان لوگوں نے اپنی سازش کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ کچھ کے قریب مقام ”فلو غاب“ میں جا کر قیام کر لیں۔ پہلا ٹکڑہ کچھ غازی مصطفیٰ کمال کے ذریعہ اس بلوہ کے وسط میں آگودہ و باہر ہو گئے تو مذکورہ بالا گال میں ان کی ریل ڈانسائیٹ کے ذریعہ آگودہ و باہر ہو گئے۔

”سلاشی لینے پر ان لوگوں کے پاس ہر سال کے قاتل کی ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ پولیس کو شبہ ہوا تو اس کی کیبا دی تحقیقات کرانی لگی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس میں غیر مرئی دشمنائی سے ان کے باقی ہم خیالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو اس لئے جتنے کا علم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ایک پیش یافتہ فوجی افسر علاء بک کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے۔“

### ترک اور افغان

حال میں حکومت افغانستان نے فوجی تربیت تعلیم کے لئے اپنے متعدد افسر ترکی بھیجے ہیں۔ انہیں باہر شادی کرنے کی سخت ممانعت تھی تاہم صوبہ دار محمد اکرم خاں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے اس بائیس میں افغانی سفیر کو درخواست دی یہ سفر درخواست، کابل بھیج دی۔ کابل سے خود امیر امان اللہ خاں کا حکم لیا کہ شادی اجازت دیدی جائے۔ آج بھی نہیں بلکہ تمام افغانی افسرین کو بھی اب ترک خاتونوں سے شادی کی آزادی دیدی جائے۔ ساتھ ہی شاہ افغانستان نے یہ بھی لکھا کہ یہ شادی، ترکی خاتون مدنی کے موافق عمل میں آئے۔ فرماں عالی میں یہ بھی تھا کہ۔ میں نہایت خوش ہوں گا اگر افغان افسر اپنی ترک بیویوں کے ساتھ کابل بھیجیں۔ ترکی اجتماعی زندگی کے اصول سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں انہیں رائج کریں۔“

### ٹرکی اور ایران

پچھلے دنوں بعض سرحدی حوادث کی وجہ سے ترکی اور ایران کشمکش کے آثار پیدا ہو گئے تھے، جیسا کہ میں بروقت آپ کو مطلع کر چکا ہوں لیکن اب دونوں حکومتوں کے تہر سے جملہ غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔ اس کا تاثر ثبوت یہ ہے کہ اسی ہفتے ایرانی سفارتخانے میں ترکی وزیر خارجہ رفیق رشتی بک اور ترکی سفیر متینہ طرآن مدح شرکت بک کو نہایت پرکلف دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں ایرانی سفیر نے تقرر کرتے ہوئے بہت زور دار الفاظ میں کہا کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں، اور ہمیشہ دوستانہ ہی رہیں گے۔

## مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار رفیع قاہرہ کے قلم سے)

### نئے دہنا کا انتخاب

سعد پاشا زعفرانی کی وفات کے بعد ان کے جانشین کا انتخاب کا معاملہ بہت اہم اور مشکل تھا۔ ظاہر ہے اس وقت مصر کی توجہات کا مرکز، اس مسئلہ کے ہوا، کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن انگلستان میں بھی اسی مسئلہ وجہ سے بھی کچھ نہ تھی۔ مصر میں انگلستان کی تمام امیدیں اسی مسئلہ سے وابستہ تھیں اور وہ انتہائی اضطراب سے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔ حسب عادت انگریزی اخبارات نے مصر کی متفقہ مصلوں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ایک طرف احمد زور پاشا کی پیٹھ ٹھونچا کرتے کی کہ اب موقع ہے بہت کروا دے برسرِ اقتدار آجاؤ۔ دوسری طرف عثمانیوں، یعنی علی پاشا اور ثروت پاشا کی جماعت کو اکسایا کہ وہ مذکورہ جماعت، مصر کی پوری سیاست پر حاوی ہو رہی ہے۔ اب وقت ہوا ہے گرا دیا۔

مصری طرف خود دہن کی جماعت میں بھی نااتفاق ڈالنی چاہی۔ اس غرض کے لئے فرخ اند پاشا برکات سے بہتر کوئی شخص نہیں

بل سکتا تھا۔ مرحوم زعفرانی پاشا کے بجائے جس اور اسکے ساتھ چلا ہوا بلو میں بے شمار مصائب برداشت کر چکے ہیں۔ ان اخبارات نے خیال کیا کہ تعزین کر کے انہیں مذکورہ صدارت کے لئے کھڑا کر دینا چاہئے۔ وہ مذکورہ جماعت، بعض مواقع کی بنا پر ان کی سرداری قبول نہیں کرنا چاہتی۔ اس طرح آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ملک کی سب سے بڑی سیاسی قوت دہم برہم ہو جائے گی۔

مگر مقام سرست ہو کہ یہ تلم کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ زور پاشا نے کان ہلائے، مگر عام رائے سے مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ اعتدال پسند نے بھی قابل تعریف رویہ اختیار کیا، اور وہ مذکورہ جماعت سے لڑنا منظور کر دیا۔

خود دہن نے بھی نہایت دانش مندی سے کام لیا اور مرحوم نہایت کی جانشینی کا مسئلہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ فرخ اند پاشا برکات نے جنہیں انگریزی اخبارات، برات کا دو لہانا چلتے تھے، مسائل غفلت میں اعلان کر دیا کہ مجھے سرداری کی طلب نہیں ہے۔ میں مذکورہ فیصلے کے سامنے ہر وقت بلا کسی قید و شرط کے سرخمر کرنے کو تیار ہوں۔

دہن نے اپنا فیصلہ ۲۶ ستمبر کو سنایا۔ یہ جلسہ نہایت عظیم الشان تھا تقریباً تمام ارکان جمع تھے۔ جلسہ کی کارروائی، محمد نجیب الزما پاشا کی تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر پورے دہن کی جانب سے تھی۔ اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

”جو کوئی سعد کی ذات خاص کا مددگار تھا، تو سعد مر گئے۔ لیکن جو سعد کے اصول کا حامی تھا، تو سعد کے اصول باقی ہیں، کبھی مرنے والے نہیں۔“

”بلاشبہ سعد مر گئے۔ بہت سے دل، جو ان کی ہیبت سے خائف تھے، مرے سے اچھلنے لگے۔ بہت سے سر جو ان کے دھب سے خم تھے، بلند ہونے لگے۔ فتنہ کار سرانہی دہن انہیں تم میں ہر طرف پھرانے لگا کہ کوئی شکاف دیکھو اور دوڑ لگے۔ لیکن قید و حکم خدا نے تمہیں اس کی نظر بند سے بچا لیا۔ تم نے خدا کی توفیق سے فتنہ کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اپنا اتحاد بچا کر شیطان کو ایس کر دیا، وہ تمہارے متحدہ علم دیکھ کر اٹلے پاؤں بھگنے پر مجبور ہو گیا۔“

”وہ نے اپنے قانون کے بموجب اپنی صدارت کے معاملے پر غور کیا۔ پورے غور و خوض کے بعد اس کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ جلیل القدر منصب ایک ایسے شخص کے سپرد کرے، جسے تم سب جانتے ہو اور حق کی حمایت میں اس کا حصہ دیکھ چکے ہو۔ وہ مصائب میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ سنگینوں میں اس کی پیشانی پر بھی بلی نہ آیا۔ ایمان میں اس نے ہمیشہ سبقت کی آزادی کے لئے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی۔“

”وہ شخص کون ہے؟ وہ مصطفیٰ خاس ہے!.....“

اس تقریر کے بعد ادبیت سے تعلق نہیں ہوئی اور مصطفیٰ خاس پاشا بالاتفاق، دہن کے صدر، اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں میں جماعت دہن کے رئیس منتخب ہو گئے۔

### دہن کا پیغام

مصری دہن نے قوم کے نام حسبِ ذیل پیغام شائع کیا ہے:

”ابنا وطن! عظیم القدر خدا نے بزرگ جد کی شہادت پوری کی اور سعد زعفرانی کا انتقال ہو گیا۔ تم اس کے فراق پر سوچو۔ بڑے ہیچونیت الہی نے اس کے ہوا کچھ منظور کیا کہ تمہارے سردار کو دوسری شہادت برت لے، جیسی شہادت زندگی اسے بخشی تھی۔ چنانچہ جس طرح وہ جاہل ذہن نہ تھا، اسی طرح مجاہد ہی نہ تھا۔ دنیا و آخرت، دونوں اس کے لئے مجاہد کا ثواب جزا موجود تھا!“

”سعد مر گیا، اس سے تمہارے دل ٹوٹا۔ بعض لوگوں نے تمہارا رنج و غم دیکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ اس بڑے سینے میں جو بڑی بڑی آندھیاں پنہاں تھیں، اس کی موت ہی کے ساتھ ختم ہو گئیں۔“



# بصائر و حکم

## عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

### مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

### اکابر تاریخ اسلام کی مختصر دنیا

#### ابراہیم مصلیٰ

اپنے زمانے کا سب سے بڑا مہر فن موسیقی، ابراہیم مصلیٰ، تونج کی بہاری میں مبتلا ہوا اور خلیفہ کے محل میں آنے جلنے سے معذور ہو گیا۔ جب تکلیف بہت بڑھی تو یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گیا:

لے واسطہ طبیعی من مقاساة الذیابی

والطیب میرے مرض کی تشخیص سے آگیا گیا ہو۔

سوت النبی عن قریب لعدو وحبیب! غریب و دوت دشمن سب کو میری موت کی خبر نادی جائے گی!

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید عیادت کو گیا اور پوچھا:

”ابراہیم کیا حال ہے؟“

ابراہیم نے جواب میں یہ شعر پڑھ دیا:

سقیم مل منہ اقربوہ واسلہ المداوی الحمیم

بیاد جس سے اس کے رشتہ دار آگئے ہیں۔ طیب اور دوست سے چھوٹ چکے ہیں۔

#### سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا

#### عباس بن الاحنف

اصمعی نے بیان کیا ایک دن میں بھوکہ کھانے میں بیٹھا تھا۔ کیا بچتا ہوں ایک حصین نوجوان میرے پیچھے کھڑا ہو۔

”میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے؟“ خوبصورت لڑکے نے کہا۔

میں اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ صحرا میں ایک خیمہ کھڑا تھا مجھے

#### بقیہ مضمون مٹا

یہ تو اس کی بالکل کوشش نہیں کرتے کہ احتیاط اور انصاف کے اقدار قائم رکھیں۔ ہندوستان میں تقریباً ہر برس سے ہندو مسلمانوں کے درمیان کشمکش شروع ہوتی ہے۔ اگر ان برسوں کے وہ تمام بیانات مباحثہ جمع کر لیں جائیں جو ایک فرقہ نے دوسرے کے اقوال و لکھنؤ میں بیان کئے ہیں، اور پھر ان پر انصاف اور صداقت شناسی کے ساتھ نظر ڈالی جائے، تو میں وہ فرقے سے کہہ سکتا ہوں کہ انصاف سے وہ مقدار ان باتوں کی بے نیازی جو کبھی فرقہ وندی کی صورت اختیار کر لیں اگر واقعات کے مطابق بیان میں انصاف و دیانت کا تقاضا بھی ملحوظ رکھا جائے۔

یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ عباس بن الاحنف اس میں پڑے دم توڑ رہے ہیں اس وقت ان کی زبان پر یہ شعر تھے:

یا بیدار ارحمن وطنہ مفردا یسکی علی شجیہ

اے اپنے وطن سے بہت دُعا تہا چراپی حسرت پروردگار ہو!

کھلا جدا الخیب بہ ذوات الاسقام فی بدنہ

جوں جوں اس کا گریہ بڑھتا ہو، اس کے جسم میں بیماریاں بھی بڑھتی جاتی ہیں!

پھر وہ بیہوش ہو گیا۔ دُخت پر ایک چڑا چلائی۔ عباس نے اس کی آواز پر آنکھ کھول دی اور یہ شعر پڑھنے لگے:

واللہ زاد العواد شجی ہاتف یسکی علی فنہ

دل کا بیج ادبھی زیادہ کر دیا، اپنی ڈالی پر سے پکارنے والے نے۔

شاقی ناشاقہ فکی کلنا یسکی علی مسکنہ

جس کا شوق مجھے ہے، اسی کا اُسے بھی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے لئے رہتا ہے۔

وہ پھر بیہوش ہو گیا۔ میں نے خیال کیا پہلی سی غشی ہے۔ مگر آنکھوں نے ایک لمبی سانس لی اور سرد ہو گئی تھی!

سلسلہ (مطابق سلسلہ) میں فوت ہوئے۔

خلیفہ ہارون الرشید

جب بیماری بہت سخت ہو گئی تو طیب بلائے گئے۔ مگر کسی علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ ہارون یاقوس ہو گیا اور یہ شعر پڑھنے لگے:

ان الطیب بلینہ و دماہر لا یستطیع دافع کر وہا آئی

طیب اپنی طب اور دوا سے کسی معیت کو اس کے آجانے کے بعد دور نہیں کر سکتا۔

الطیب یرت بالدار الذی قد کان میری شملی اغری؟

یہ کیا ہو کہ طیب اسی بیماری سے تڑا ہے جسے ہمیشہ اپنے علاج سے بچا کیا کرتا تھا؟

ہلک المداوی المداوی والذی جلیلہ و اربعہ من انشوی

معالج، مریض، دوا لانے والا، دوا بچنے والا، دوا خریدنے والا اب مراجع ہیں گے!

جب موت کا یقین ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہر مخلوق مر جانے والی ہے۔ کچھ میں بھی موت کے گھاٹ اتر رہا ہوں میں تمہیں تین وصیتیں کرتا ہوں: اپنی لامنت کی حفاظت کرنا۔ اپنے

سر و بدن کی خیر خواہی کرنا۔ اپنا اتحاد برقرار رکھنا۔ میرے دونوں لڑکوں محمد (ابن) اور عبداللہ (امون) کو دیکھنا۔ (ان میں سے جو بھی اپنے بھائی پر سرکشی کرے، اُسے گرا ہی سے روک دینا اور اس کا عہد توڑ دینا“

سلسلہ (سلسلہ) میں وفات پائی۔

#### ابو نواس

ہارون رشید کے مشہور مصاحب اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے رادی شعر اور شاعر، ابو نواس نے مرتے وقت یہ شعر کہے:

دب فی الفناء سفلاً و علماً دارانی اموت عصفیاً

اوپر نیچے ہر طرف سے فنا مجھ میں دوڑ رہی ہے۔ میں بیکھرا ہوں کہ جوڑ جوڑ سے مر رہا ہوں۔

ذہبت شرقی بجمہ نفسی تذکرت طاعت اللہ انفساً

میری تمام تیری چلی گئی۔ اپنے سوکھ جلنے پر مجھے طاعت الہی کا خیال آیا!

لیس من سادۃ مصفی الا نقصتی برائی جزوا

ہر گھڑی مجھ پر گزر رہی ہے۔ کوئی نہ کوئی حصہ کم کرتی جاتی ہو!

لطف نفسی علی لیال دایام تلتین لیساً دلیوا

ان دنوں اور راتوں پر میرا انفس، جنھیں میں نے لہو و لعب میں گزار دیا!

قد اسانا کل الاسارۃ فاللہم صفحاً عننا و غفراناً

ہم نے سراسر برائی ہی کی ہو لیکن خدایا! ہم تیری عفو و بخشش چاہتے ہیں!

#### محمد امین

ہارون رشید کے ہاشمیانہ خاندان کے گورنار کے لئے جب انوکھ کے آدمی آدھی رات کے وقت محل میں گھسے تو چلا آگیا:

”انا لمد وانا الیرد اجون! والسریری جان، خدا کی راہ میں چلی گئی۔ آہ، کوئی تیر نہیں کوئی جاتی نہیں!“

گزشتہ ہو جانے پر آسنے اپنی اولاد اور عزیزوں سے کہا:

”یہ تمہارا آخری دیدار ہے۔ خدا تمہارا نگہبان ہوا!“

قتل کے وقت جلا وطن سے کہا:

”تمہارا بڑا ہوا! جلتے نہیں میں سول اللہ کے چچا کا پوتا، ہارون الرشید کا بیٹا، اور امون کا بھائی ہوں؟ میرا خون کرنے میں خدا سے ڈرو!“

#### سلسلہ (سلسلہ) میں قتل ہوا

#### حضرت معروف الکرجی

مشہور صوفی و زاہد معروف الکرجی سے حالت نزع میں کہا گیا: ”دست کیجئے“

کہنے لگے:

”جب میں مر جاؤں تو میرا یہ کرتا بھی مدفنہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں دنیا سے اسی طرح جاؤں، جیسا آیا تھا“

#### سلسلہ (سلسلہ) میں وفات پائی۔

#### حضرت بشر بن المنصور

وفات کے وقت بہت خوش تھے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا:

”آپ موت پر خوش ہوتے ہیں؟“

کہنے لگے: کیا تمہارے خیال میں مہمان کے حنفہ جانا، جس کو بھی بڑی ہی امید ہو، مخلوق میں پہنچنے کے برابر ہے؟ وہ مخلوق جس میں ہمارے ہوں؟“

#### سلسلہ (سلسلہ)



کہ معاملہ اس حد تک پہنچ کر ختم نہیں ہو گیا۔ بلکہ آپ کے غفلتوں میں:

”جو طریقہ مسلمانوں نے ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک اختیار کیا، اور جو باتیں کہیں گئیں، وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ عجیب طرح کی مذہبی ذہنیت ظاہر کرتی تھیں جنہیں کسی طرح بھی ٹھیک راستہ پر نہیں لے جایا جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ جو کہ تمام لیڈروں اور مولانا صاحبان نے اور جمیعت العلماء نے فتویٰ جاری کر دیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ اسلام کا قانون یہی ہے کہ جو نبی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی اسلام کے خلاف مذہبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے“

میں آپ کی طبیعت کی صداقت اندیشی اور حق جوئی کا مکتب تھا اور اس موقع پر بھی مکتب نہیں ہوا۔ آپ نے اس رسالہ کے متعلق جو رائے قائم کی، اور جس طرح بے لاگ اور قطعی غفلتوں میں اپنا خیال ظاہر کر دیا، فی الحقیقت ایک راستی پسند انسان کا یہی شیوہ ہونا چاہئے لیکن جن مباحث کا آپ نے ذکر کیا ہے، افسوس ہے کہ نہ تو ان کی تعبیر صحیح ہو، اور نہ وہ تاثر صحیح ہو جو آپ نے قبول کیا ہے۔ آخری چیز میں وہی اصولی غلطی کام کر رہی ہے جو سپر پمپھلی سطوح میں بحث کر چکا ہوں

تعبیر میں اپنے جو غلطی کی ہے، وہ غلطی عام ہے۔ اور اس واقعیت کا نتیجہ ہے جو ایک ہزار سال کی کجیائی کے باوجود ہندوؤں کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت جو۔ میں نے بار بار خیال کیا ہے کہ اگر کسی ذریعہ سے ہم یہ باہمی نا اشنائی دور کر دے سکیں، تو باہمی مخالفت اور قوت کی کتنی بڑی تحدید خود بخود دور ہو جاسکتی ہے؟ مگر افسوس ہے کہ اس کا کوئی سالن نہیں ہوتا۔ آپ نے غالباً بعض اخباروں کے مضامین پڑھ کر یہ رائے قائم کر لی کہ ”مسلمان لیڈروں اور جمیعت العلماء نے فتویٰ دیا“ لیکن اگر آپ کو مسلمانوں کی اصطلاح ”فتویٰ“ کی حقیقت معلوم ہوتی جو بہت ہی معمولی اور عام ہے تو کبھی یہ بات آپ کے سامنے نہیں نکلتی۔ آپ ”لیڈروں“ کے ساتھ ”فتویٰ“ کا لفظ نہیں نکالتے۔ آپ سے یہ غلطی بھی نہیں ہوتی کہ ان تمام باتوں کو جو کہ ”لیڈر“ یا عالم نے عام مجالس کے ایک مقرر ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم و گرم خیالات ظاہر کئے ہیں ”فتویٰ“ قرار دیتے۔ بلاشبہ آپ ان تمام باتوں پر اس حیثیت سے نظر ڈال سکتے تھے کہ کہاں تک موزوں ہیں یا غیر موزوں ہیں۔ لیکن انہیں ”فتویٰ“ کے لفظ سے تعبیر کرتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ ”فتویٰ“ نہیں ہیں۔

غالباً آپ کا خیال یہ ہے کہ جب کبھی کسی معاملہ پر ایک مسلمان مذہبی قسم کی کوئی بات کہے، تو وہ ”فتویٰ“ ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان جلسوں میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں، ”فتویٰ“ ہو جائیں گی۔ ”فتویٰ“ مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہے، اور اس کا اطلاق صرف اس بیان پر ہوتا ہے جو ایک سند عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں اس کے نزدیک سنت کا حکم یہ ہے۔ جب تک ایک عالم شرع اس حیثیت سے ایک بیان نہیں دے گا کہ ”فتویٰ نہیں ہے“ اور کوئی مسلمان بھی اسے فتویٰ نہیں سمجھے گا۔ اب آپ غور کیجئے کہ لیڈروں کی طرف ”فتویٰ“ منسوب کر دینا کسی افسوس ناک غلطی ہے؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علماء بھی ”لیڈر“ ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن یقیناً یہاں لیڈر سے مقصود علماء نہیں ہیں مسلمان جامعوں کے علم سربراہ وہہ اشخاص اور سیاسی رہنما ہیں، اور یقیناً نہ تو وہ ”فتویٰ“ دیتے ہیں، نہ مسلمانوں میں کوئی شخص ان کے بیانات کو فتویٰ کی حیثیت سے قبول کرتا ہے۔

البتہ جمیعت العلماء مذہبی حیثیت سے ”فتویٰ“ دے سکتی ہے، لیکن یہ خیال صحیح غلط ہے کہ جمیعت العلماء نے ”رنگیلا رسول“ کے لکھنے والے یا چھاپنے والے کی نسبت کوئی ”فتویٰ“ جاری کیا۔ یہاں پھر دی باہمی ناواقفیت اور نا اشنائی کی بلا لگتی ہے جو ہندو مسلمانوں کے تمام مذاہب

چھائی ہوئی ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح ”فتویٰ“ کی حیثیت اور نوعیت پر آپ کی نظر نہیں، اس لئے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ غور کیجئے، اس ایک معاملہ میں کیے بعد دیگرے کتنی غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں:

اولاً، مسلمانوں میں شرعی حیثیت سے فتویٰ اسی وقت دیا جاتا ہے جب کسی خاص معاملہ میں شرعی حکم واضح کر دینا ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اس پر عمل کرے۔ موجودہ صورت میں ”فتویٰ“ کی گنجائش نہیں تھی۔ ہندوستان میں ایک شخص نے اسلام کے خلاف دلائل اور کتاب لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ یہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہے، نہ شرعی قوانین نافذ ہیں، نہ مسلمانوں کے مذہبی گروہ کو کسی طرح کا دخل رسالت و تغیر میں ہے۔ جو کچھ بھی اس بارے میں کر سکتی ہو حکومت کر سکتی ہے اگر کوئی شخص اس میں مداخلت کرے گا مجرم ہوگا۔ پس اگر ہر گز کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کے فتویٰ لینے یا دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اس درجہ مجنون یا حق ہو جائے کہ وہ خیال کرے، ہندوستان میں اسے تغیر دیانت کے احکام جاری کرنے کی قوت حاصل ہو گئی ہو اور اس لئے فتویٰ دینا شروع کرے کہ فلاں آدمی کو قتل کر ڈالنا چاہئے، اور فلاں آدمی کو قید میں ڈال دینا چاہئے۔ لیکن یہ کہہ کر ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں کیا۔

ثانیاً، جمیعت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لیا کہ چونکہ وہ علماء کی انجمن ہے اس لئے اس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہے ”فتویٰ“ ہے، کس طرح ناواقفیت کی بات ہے؟ وہ ایک انجمن ہے، اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقے انظار رائے کے عمل میں لاتی ہے جو دنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جو ہر گز کا بردار نہ کرنا ضروری سمجھتی ہو، تو تجویز کی شکل میں کوئی بات ترتیب دیتی ہو اور اسے منظور کر کے شائع کر دیتی ہے۔ اس معاملہ پر بھی اسے ایک تجویز منظور کی اور غالباً انہوں نے اپنی جمیعت عالم (در کینگ گیم) کا ایک جلسہ کے اس کا اعلان کر دیا۔ وہ جمیعت العلماء کی ایک تجویز ہے۔ یقیناً لوگوں نے اسے اس درجہ اہمیت دی ہوگی، جس درجہ اہمیت وہ جمیعت العلماء کی تجاویز کو دیا کرتے ہیں، لیکن وہ ”فتویٰ“ نہیں ہے۔ کیونکہ ”فتویٰ“ دینے کی اس معاملہ میں گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ جمیعت کی ایک تجویز کو ”فتویٰ“ کہتے ہیں۔

ثالثاً، جمیعت العلماء کی اس تجویز کا مضمون بھی اپنے صحیح طور پر معلوم نہیں کیا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، وہ اصلیت سے اس درجہ ہٹا ہوا ہے کہ اگر میں آپ کو ملامت کروں تو آپ کو ناخوش نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم آپ جیسی طبیعت کے آدمی کو ایک واقعہ کے نقل کرنے میں اس درجہ بے احتیاط نہیں ہونا تھا۔ جمیعت العلماء کی تجویز تمام اخباروں میں شائع ہو گئی تھی۔ میری نظر سے بھی گزری تھی۔ اگر آپ چاہیں تو مسرت کا کوئی آرد و اخبار حاصل کر کے دیکھ لے سکتے ہیں۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ”رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کر دینا چاہئے“ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آجانی چاہئے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کر لے بغیر کسی انسان کے قتل کی علانیہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جمیعت نے یا کسی انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صحیح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔ دراصل وہ تجویز مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھی ہی نہیں گئی تھی کہ اس طرح کی تالانہ ترغیب کی اس میں گنجائش ہوئی۔ اس کا تمام تر خطاب حکومت سے تھا۔ حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے دلائل و حلیں کا سہا ب کرے، اور اگر موجودہ قوانین اس کے لئے کافی نہیں ہیں تو نیا قانون نافذ کرے۔ البتہ اس تجویز میں اس بات کا حوالہ ضرور تھا کہ اسلامی قوانین میں دیا بصورت اسلامی حکومت

ہونے کے۔ مجھے اصلی الفاظ یاد نہیں ہیں، ایسے شخص کی سزا قتل ہے۔ اسلام کی عداوت تو بین و تذلیل کرے۔ یہ حوالہ جس طریقہ سے دیا گیا تھا، کامات منشا یہ تھا کہ معاملہ کی اہمیت حکومت پر واضح ہو جائے۔ یہ بات اس کے علم میں آجائے کہ مسلمانوں کے دینی احساسات اس بارے میں کیا ہیں، اور ان کے نقطہ خیال سے یہ معاملہ کس درجہ اہم اور ضروری ہے؟ بلاشبہ اس پر بحث کی جاسکتی ہے کہ اس قہ پر اس قانون کا حوالہ دینا یا ذکر کرنا کہاں تک صحیح تھا؟ اور فی الحقیقت اسلام کا قانون کیا ہے؟ اس بارے میں میری رائے اور اسلامی قوانین کی حقیقت کی بحث آگے آئے گی اور آپ معلوم کر لیتے کہ میرا خیال اور علم کیا ہے۔ جمیعت ایک صداقت اندیش انسان کے آپ کو انسان تمام لوگوں کو جاس بارے میں اس طرح کے تاثرات قبول کر رہی ہیں، یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ واقعہ کی نوعیت وہ نہیں ہے جو انہوں نے سمجھ رکھی ہے۔ ہم ایک معاملہ کی نسبت موافق رائے لکھتے ہوں یا مخالفت، ہر حال میں ہمارا مقصد ہے کہ معاملہ کو اس کی صحیح اور حقیقی صورت میں لکھیں، اور سب کچھ بھی وہ ہے، اسے تسلیم کر کے، طے قائم کریں۔ انصاف کیجئے، کہاں یہ بات کہ جمیعت العلماء نے ایک تجویز منظور کر کے حکومت کو صورت حال پر توجہ دلائی اور اس میں اس بات کا حوالہ دیا کہ اسلامی قانون اس بارے میں یہ تھا، اور کہاں اس کی یہ تعبیر کہ ”جمیعت نے فتویٰ دیا کہ قتل کر دینا چاہئے“؟ اس وقت دنیا کے کسی مذہب کے ماننے والے بھی ایسے نہیں ہیں جنہوں نے گذشتہ زمانے میں اپنے اپنے وقت کے معاملہ کے مطابق قتل و تغیر کے احکام نافذ نہ کئے ہوں اور وہ ان کی کتابوں میں ثبت نہ ہوں۔ مختلف موقعوں پر بے محل یا با محل ان کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کا مطلب یہ نہیں سمجھتا کہ بحالت موجودہ انہیں نافذ کرنا مقصود ہے۔

• رابعاً، اپنے جن غفلتوں میں جمیعت کے بیان کردہ اسلامی قانون کی تعبیر کی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں ”اسلام کا یہ قانون ہے کہ جو نبی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی (دعا) اسلام کے خلاف کوئی بدزبان کرے، فوراً اسے مار ڈالنا چاہئے“ لیکن آپ یقیناً کچھ نہ تو جمیعت العلماء کی تجویز میں اس قانون کی یہ تعبیر تھی، اور نہ میری غلطی میں کسی مسلمان نے بھی یہ تعبیر کی ہو جمیعت نے یا کسی دوسری جماعت نے اگر یہ کہا ہے کہ اسلامی حکومتوں کا یہ قانون تھا، تو اس کا صائب مطلب وہی ہو سکتا ہے جو حکومتوں کے قوانین کا عام طور پر ہوتا ہے۔ یعنی آپ کے قوانین کی رو سے یہ ایک ایسا جرم تھا جو اگر عدالتی تحقیقات کے بعد ثابت ہو جائے، تو اس کے لئے قتل تک کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ ”جو مسلمان کسی کو بدزبان کرے، دیکھو، اسے فوراً قتل کر ڈالو“؟ اسلام کے شرعی نظم کی رو سے تو کسی جرم کے لئے بھی ایسی آمار کی جائز نہیں ہو سکتی۔ تغیر ادنیات کے تمام احکام کا تعلق قصاص ہے۔ یعنی آجکل کی بول چال میں عدالتی کارروائی سے کسی فرد کو بھی اپنی جگہ اختیار نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور جس کسی کو اپنے نزدیک مجرم سمجھ سزا دے۔ یہ کام صرف حکومت اور عدالت کا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا، تو وہ اسلامی قوانین کی رو سے اسی طرح سزا کا مستحق ہوگا، جس طرح ایک قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہو سکتا ہے۔

میں نے اس حصہ بیان میں ضرورت سے زیادہ تفصیل اس لئے کہ میں چاہتا ہوں، یہ بات آپ پر واضح ہو جائے کہ دعا قحاک کے مطالبہ بیان میں وقت کی کوتاہیوں اور اندیشوں کا کیا حال ہے؟ کچھ ایک بات بغیر کسی اشتباہ اور بے چینی کے، محض اس لئے کہ کچھ نہ کچھ ہو جاتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور بے لاگ طریقہ سے سلطنت پر نظر ڈالنے کی استعداد رکھ سکتے ہیں اور جب کبھی کسی معاملہ پر بحث کرنے

”مجھے ایسا براؤچ کرنا تھا۔ مجھےیں عقدہ دلا کر میں نے نعمت غلطی کی۔  
ادیدہ زخم...“

موریلہ، انٹونیو کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے چپ ہو گئی۔

”تم نے کچھ نہیں کیا“ انہوں نے کہا ”تم نے صرف اپنا بچاؤ کیا تھا۔ یہی کرنا بھی چاہئے تھا۔ میری دیوانگی کے مقابلے میں اسی کی ضرورت تھی۔ تمھاری ذرا بھی خطائیں ہیں۔ ہرگز معافی کا ذکر نہ کرو۔ تم نے تو مجھ پر بڑا ہی احسان کیا ہے۔ میں تمھارا دہل سے شکر گزار ہوں۔ اچھا، اپنا رومال لیتی جاؤ۔“

اُن طوفانوں نے ردِ مال آگے بڑھایا۔ لیکن مسدِ یل غاموش تھی۔ اُس کے اندر خیالات میں سخت تصادم تھا:

”میری غلطی ہے تمہاری چادر بھی چلی گئی۔ نارنگی کی تمام قیمت  
بھی اُسی میں بندھی تھی۔ مجھے بہت دیر بعد اس کا خیال آیا۔ میں اس  
دقت اُس کی تلافی نہیں کر سکتی۔ ہمارے گھر میں کچھ نہیں ہو۔ اگر  
ہے تو میری ماں کا ہو۔ لیکن یہ چاندی کی صلیب، میری ہو۔ مصروفیت  
دقت چھوڑ گیا تھا۔ میں نے آج تک اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صندوق  
میں بھی نہیں رکھا تھا۔ اگر اسے بھیجے تو کچھ نہ کچھ وصول ہو جائے گا۔  
میری ماں کا یہی خیال ہو۔ نقصان کا تھوڑا سا بدلہ ہو جائے گا۔  
باقی میں اپنی ماں کے سوجانے کے بعد روزِ رات کوشش کرتا کہ  
ادا کروں گی۔“

”نہیں نہیں، میں برگزینوں کا“ یہ کہہ کر انٹونی نے جیکبلی صلیب کو مارا دی۔ ”لیلو“ موریلانے کہا ”تم نہیں جانتے، تمھارا ہاتھ کتنے دن کام نہیں کر سکے گا۔ یہ صلیب بھی ہو۔“

”مجھے تکلیف نہ دو“ انٹونی نے تقاضا سے کہا۔

”میں کتنی ہول لے لو“ موریلانے اصرار سے کہا۔

”سمندر میں پھینک دو“ انٹونی نے جھنجھلا گیا۔

”میں دیر پیش نہیں کر رہی ہوں۔ اپنا کچھ بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں“ موریلانے پھر کہا۔

”تم میرا کوئی قرضہ نہیں ہو“ انٹونیو نے جوش سے کہا۔ ”اگر تم میرا کچھ اپنے فم بھرتی ہو تو میری ایک درخواست منظور کر لو۔ تم میرے بارے میں ہنسی بھراؤ گی۔ میری درخواست یہ ہو کہ جب تک کہ میں کھائی دلا

تو میری طرف نظر نہ اٹھا، تاکہ مجھ اپنی اس دیوانگی پر ہمیشہ ندامت  
ہوا کرے۔ خدا حافظ! جاؤ۔ یہ ہماری آخری باتیں ہیں۔“

مردلانے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی نے اُسے اپنا دماغ اٹھا کر ٹوکی میں گالا۔ صلیب بھی اسیں گرا دی۔ پھر کوکری کا ڈھکنا بند کیا۔ اٹوینو نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اُسو اُس کے نازک رخساروں پر یہ لہے تھے!

”الہی!، انٹونیو جیلا“ مودیلا! کیا ہوا؟ کچھ بار ہو گئیں؟ سیر سے پاؤں تک کا پختی کیوں ہو؟“

”کچھ نہیں۔ مجھے گھر لوٹنا چاہیے“

یہ کہہ کر مودیلہ لڑکھڑکاتے پاؤں سے دُدا داڑے کی طرف ہلکی۔  
 مگر باہر نہیں گئی۔ دیوار پر سر رکھ کے رونے لگی۔ دیر سے بھری ہوتی تھی  
 اب بے قابو ہو گئی۔ آنسوؤں نے اُس کی سہکیاں سین۔ مگر قبل اُس  
 کے کہ وہ اٹھ کر پاس پہنچے، وہ خود زود زکرائی ادا اُس پر گر پڑی :  
 ”اب میں برداشت نہیں کر سکتی“ اُس نے آنسوؤں کے ساتھ  
 ملاج کو زور سے پکڑ کر کہا ”میں برداشت نہیں کر سکتی! میں تمہیں چھو  
 کر جانیں سکتی۔ آہ! تم مجھ سے اتنی محبت کے ساتھ بولتے ہو! مجھے  
 مادہ۔ میری جان لے لو۔ مجھے لعنت ملامت کر دو۔ لیکن مجھے اپنے سے  
 دُور نہ کر دو۔۔۔۔۔۔“

ردتی ہوئی لڑکی کو اسٹیو نے فوراً اٹھالیا۔ وہ بھی چپ تھا۔  
 مگر انسواؤس کی آنکھوں سے بھی جاری تھی!  
 اسٹیو نے لمبی سانس لے کر کہا ”خدا یا یہ میں کیا سنتا ہوں؟  
 اگر میرا خون زخم سے بہ گیا ہو تو میرا دل اس طرح کیوں دھڑک رہا ہو؟  
 کیوں سینے سے بھلا پڑتا ہو؟ موریلا! اگر یہ تم صرف لتلی بیٹے کے لئے  
 کتنی ہو، تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن کیا تیرا کوئی حق نہیں  
 ہو؟ کیا میں نے تمھارے پیچھے بہت دکھ نہیں سہا ہو؟“  
 ”ہرگز نہیں!“ موریلا مضبوط آوازیں کہا۔ ”کوئی حق نہیں!  
 کیونکہ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں! اب مجھے کہنے دو۔ میں تم سے،  
 اسی محبت کے ڈر سے بھاگنا کرتی تھی۔ لیکن اب نہیں بھاگوں گی“

معدیلا، اگر کے باہر تارکی میں غائب ہوگی۔ انٹونیو، کھڑکی کے سامنے

مہوت بچھا تھا۔ خاموش سمندر اُس کے آگے پھیلا تھا۔ آغوش میں ہر طرف تاریکی اور خاموشی تھی۔ جھلکاتے تھے اُسے آسمان پر سے منہ نہکاتے دیکھ رہے تھے!

اعتراف کی کرسی پر پادری بیٹھا، سکرار ہا ہو۔ موریا ابھی ایک بہت لمبا اعتراف کر کے خست ہوئی ہو۔

”کون خیال کر سکتا تھا؟“ پادری نے اپنے آپ سے کہا تو  
کون خیال کر سکتا تھا کہ خدا اس گمراہ ہل کو ہدایت بخشنے لگا؟ ہماری  
منقریں بہت کوتاہ ہیں۔ آسمان کے راز دیکھ نہیں سکتیں۔ خدا مولا  
کو، اسٹونیو کو، دونوں کی اولاد کو برکت دے گا۔“

(۹) کیا یہ کہنے کی ضرورت ہو کہ عورت کے دلی کے سمجھنے کے لئے اس دنیا میں ہمارا کوئی قانون اور قاعدہ بھی کام نہیں لے سکتا۔ وہ جب بہت زیادہ غضب ناک ہوتی ہو تو بہت زیادہ محبت کرتی ہو، ادب بہت ملقت ہوتی ہو تو فوراً محبت سے دست بردار ہو جاتی ہو۔ تاہم ایک قاعدہ ضرور ہماری رہنمائی کر سکتا ہو۔ وہ یہ ہو کہ ایشان اور خود فروشی کے مقابلہ میں کبھی غصہ کی نفرت اور خودداری کی بے پروائی قائم نہیں رہ سکتی۔ سخت سے سخت جنگ آزار و فوج بھی ایشان اور خود فروشی کے مقابلہ میں سپردال دے گی اور ہار مان لے گی!



رہنمایان ملک و ملت کا متفقہ اعلان  
 اخبار الجمعیت کی خدمات کا اعتراف

آج ہر شخص پر یہ بات روشن کی طرح ظاہر ہو گئی ہے کہ قوم کی مذہبی، تمدنی، اخلاقی و اقتصادی ترقی میں قومی اخبارات کی رہنمائی کو بڑا دخل ہے۔ جو لوگ دنیا کے معارف انقلاب اور قوموں کے عروج و انحطاط کے حالات کے بغیر ہیں وہ زندگی کے کسی شعبہ میں ترقی نہیں کر سکتے۔ اس طرح قومی اخباروں میں سے جو اخبار کہ قوم کی فلاح و بہبود کو یکساں اپنے مالی فائدے کو مد نظر رکھتے ہیں وہ بجائے قوم کی اصلاح کرنے کے اس کی تباہی و بربادی کے باعث بن جاتے ہیں۔

اخبار انجمنیت دہلی جو تین سال سے جلیقہ علماء ہند کی کمر بستہ میں نکل رہا ہے ان میں صحیح اور حقیقت شناس راست باز اخباروں میں سے ہے جو جنھیں نے حقیقی طور پر مذہب و وطن کی سچی خدمت کی ہے اور ہر موقع پر نہایت دیانت اور جرأت کے ساتھ حق رہنمائی ادا کیا ہے۔ اپنے مالی فائدے اور نقصان سے قطع نظر کہ قوم کے خالص فائدے کا خیال رکھا اور طرہ العین کے لئے بھی جاوہر حق سے انحراف نہیں کیا۔ انجمنیت کا خیال و پراساس کا مستحق تحقار قوم کا کوئی فرد اس کی رہنمائی سے بے بہرہ نہ رہتا اور مسلمانوں کے گھر گھر میں بشارت پڑا جاتا۔ اگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس کی کاحقہ تقدیر کی اداس ۳ سال کے عرصہ میں اس کی اتنی اشاعت بھی نہیں ہوئی کہ وہ اپنے مصارف سے بھی بے فکر ہو جاتا۔ ہر تمام مسلمانوں سے مذہب و وطن کے نام پر اس کی کوشش کر کے کہ اس مفروضہ کو تو قراخبار کے مذہبی مضامین میں فائدہ اٹھائیں اور کوکوش کریں کہ پڑھ لکھے مسلمانوں کا کوئی گھر اس اخبار سے خالی نہ رہے۔ انھیں خاص خاص معارفین جلیقہ سے پوری امید رکھیں کہ ہر خریدار کو لازم آمدہ یہ خریدار مہیا کر دینے کی کوشش کر کے اپنے مذہبی اور وطنی ذریعہ کو ادا کرے گا۔ اخبار انجمنیت کی اصلاح و حقیقت مذہب و وطن اور قوم کی اصلاح اور ہر محاذوں تمام مسلمانوں اور مذہب و وطن کی طرف سے شکریہ کا مستحق ہے۔

[illegible]

۱۔ (اخبار الحقیقہ کے لئے تمام درخواستیں قبول کیجیے۔ دہلی کے تیرہ آئی جی ایس۔ بیت مالانہ، کشمیری، ہماچل، ہماچل وغیرہ سے۔ نوشت) ۱۔

اُس نے خیال کیا، آج دن ختم ہو گا۔ بے صبری سے رات انتظار کرنے لگا۔ تھکا ہوا تھا۔ خون بہانے کی وجہ سے بھی لہجہ کمزور ہو رہی تھی۔ ہاتھ کے زخم کا درد بڑھنے لگا۔ وہ لکڑی کی پا جھوٹی سی کرسی پر چڑھ گیا۔ ہاتھ کی ٹپی کھولی تو پھر خون بہنے لگا۔ ہاتھ دم کر آیا تھا۔ بری محنت سے اُس نے ہاتھ دھوا۔ مودیلے کے نشان صاف نظر آتے تھے!

”اُس کی کیا خطا ہو؟“ اپنے آپ سے کہنے لگا۔ میں ہشی ہوا تھا۔ مجھے یہی سزا ملنی چاہئے تھی۔ کل بڑھیا کے ہاتھ اُس کا ردا کر دیں گا۔ ادب کبھی اُس کا سامنا نہ کر دیں گا!“

زخم دوبارہ دھوا۔ دانتوں کی مدد سے ٹپی بانہی بچھو دراز ہو گیا۔ ادب آنکھیں بند کر لیں۔

وہ سجدہ سکا، سویا تھا یا رات بھر جاگتا رہا۔ لیکن اُسے چا دھندلی روشنی میں جب ہوش آیا تو ہاتھ میں سخت درد ہوا ہاتھ

(۶)۔

بیکایک دردانہ سپرد تک کی آواز سنائی دی۔

مودیلے اُس کے سامنے کھڑی تھی!!

وہ بغیر اجازت کے اندر چلی آئی۔ بالکل خاموش تھی۔ سر کھولا، ہاتھ کی ٹوکری، سامنے چھوٹے سے منبر رکھ دی۔

”اپنا ردا لینے آئی ہو؟“ انٹونیو نے پوچھا۔ ”ناحق تھا اٹھائی۔ میں خود کل صبح بھیدنے والا تھا“

”ردا لینے نہیں“ مودیلے نے ہاتھ جوئے جواب دیا۔ ”میر سے پہاڑی پر جڑی بوٹی ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ یہ لائی ہوں“

”تم نے بڑی تکلیف کی“ ملاح نے جوش مسرت کے اح سے مضطرب ہو کر کہا۔ ”افسوس، تم بہت پریشان ہوئیں۔ مجھے تو آرام ہو۔ لیکن اگر تکلیف بھی ہو، تو اس کا سہی ہوں۔ تم اپنے کیوں آئیں؟ اگر کوئی دیکھ لے؟ تم لوگوں کی عادت جاتی ہو۔ ا ہر وقت کچھ نہ کچھ کہنا ہی چاہئے“

”میں کسی کی بھی کواس کی پردہ نہیں کرتی“ مودیلے نے غر ہر دی کے لیے جملے لہجہ میں کہا۔ ”میں تمہارا ہاتھ دیکھنے اور د آئی ہوں۔ تم اپنے بائیں ہاتھ سے دوا نہیں لگا سکتے“

”میں دوا کا سہی نہیں ہوں۔ سچ کہتا ہوں“ انٹونیو نے کے ساتھ کہا۔

”اچھا مجھے ہاتھ دیکھنے دو۔ اچھا ہو گا تو دوا لگا دوں گا۔ یہ کہہ کر مودیلے نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب انکارا سکی سے باہر تھا۔ پٹی کھولتے ہی دد شیر چلائی۔ ”آہ، سچ!“

”میں معمولی سادہم ہو۔ کل تک آ کر جاتے گا“ انٹونیو نے پردائی سے کہا۔

مودیلے سر ہلایا:

”تم ایک ہفتہ سے پہلے سمندر میں لوٹ نہیں سکتے“

”اوہ، ایک ہفتہ، دو ہفتے، دس ہفتے“ ملاح نے لڑنے مودیلے اُس کا زخم بڑی توجہ سے دھونے لگی۔ وہ چھوٹے کی طرح کراہتا تھا۔ مودیلے نے زخم پر دوا خوب دی۔ پٹی باندھ

مد میں کچھ بچھا۔

”مودیلے! شکوہ!“ انٹونیو نے آرام پا کر کہا۔ ”اگر مجھ پر احسان کرنا چاہو، تو وہ یہ ہو کہ میرا دن دالا قصہ معاف کر دو۔ سب باتیں قبول جاؤ۔ نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا؟ ہرگز نہیں کوئی خطا نہیں تھی۔ اب میری زبان سے کچھ کوئی ناگوار بات سنو گی.....“

”میں نہیں، مجھے سہانی مانگنی چاہئے“ مودیلے نے بڑی:

# افسنہ

## غضبِ ناکِ محبوبہ

### L'ARRABIATA

(پال تیس کے قلم سے)

(۲)

نے بہت بہت انتظار کیا مگر دوشیزہ نے اُس کے زخمی ہاتھ سے ڈاٹیلے لی اور خود چلانے لگی۔ وہ ملاح کو نہیں دیکھتی تھی، لیکن ڈاٹیلے اُس کے ہاتھ کے خون کے قطرے لگ گئے تھے، اُن پر نظریں گر گئی تھیں۔

دونوں چپ تھے۔ چہرے اترے ہوئے تھے۔ جب ساحل کے قریب پہنچے تو ابھی گیر صاحب سلامت کرنے لگے بعض نے آنکھوں ہی آنکھوں میں باہر گر اشارت بھی کئے۔ لیکن وہ دونوں بالکل خاموش

ہے۔ اُن میں ذرا بھی جھنجھٹ نہ ہوئی۔

سبح ابھی تک باقی تھا۔ کنارہ آگیا۔ مودیلے نے اپنے کپڑے درست کئے اور اتر پڑی۔

صبح والی بڑھیا اپنی پوتی کے ساتھ وہیں ٹہپی چڑھات رہی تھی۔ ”انٹونیو! ملاح کو دیکھ کر چلائی“ تیرے ہاتھ میں کیا ہوا؟

خدا خیر کرے! تیری کشتی بھی خون سے رنگین ہو!“

”کچھ نہیں“ انٹونیو نے افسردگی سے جواب دیا۔ کشتی میں ایک کپڑا بکھل آئی تھی۔ اُس سے زخم لگ گیا۔ سچ تک اچھا ہو جائے گا۔ یہی

زیادہ خون تو میرے لئے مصیبت تھا۔ زخم کی راہ نکل گیا“

”ہاں آؤ، میں ٹپی باندھ دوں“ نیکل لڑھکیاں لہا ”درا ٹرو، میں بھی کوئی جڑی بوٹی لاتی ہوں“

”شکر“ انٹونیو نے کہا۔ زحمت نہ کرو۔ زخم بھر گیا ہو۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ میری تندہی اچھی ہو۔ معمولی تکلیف کا کوئی اثر نہیں ہوتا“

”خدا حافظ! مودیلے نے کہا، جو اب تک کھڑی بڑھیا کی باتیں سن رہی تھی۔

خدا حافظ! انٹونیو نے اُس کی طرف نظر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ مودیلے نے گھر روانہ ہو گئی۔ انٹونیو نے بھی بے دلی کے ساتھ اپنی ڈاٹیلے اور ٹوکریاں اٹھائیں اور جھڑپڑے کی راہ لی۔

(۵)۔

انٹونیو نے چھوٹے سے چھوٹے سے چھوٹے سے چھوٹے سے بہت پریشان ہو کسی پہلو میں نہیں۔ ہاتھ کھینچنے لگا۔ ہاتھ کھینچتی ادبے شیشہ کی کھڑکیوں سے اندازہ تھا۔ تنہائی اس کے لئے ایک حد تک آرام

وہ تھی۔ دیوار پر مقدس کنواری (میریم عیسا السلام) کی تصویر لٹکائی تھی۔ وہ تصویر کے سامنے کھڑ ہو گیا۔ کنواری کے سر پر تاج کی آرائش دیکھی۔ لیکن نماز پڑھنے کو ہی نہیں چلا۔ وہ نماز کیوں پڑھو؟

ابھی ابھی وہ اپنی زندگی کی تمام آرزوؤں سے محروم ہو چکا ہوا!

انٹونیو، لڑکی کے غرق ہونے کے خون سے سناٹے میں آگیا۔ وہ بت بنا کھڑا تھا۔ اُس کے داغ میں کوئی خیال بھی باقی نہیں رہا تھا۔ آسمان پر نظر جائے اس طرح کھڑا تھا، اگر کسی ہجرے کا انتظار کر رہا ہو!

آخر کار اُس کے حواس درست ہوئے۔ اُس نے ڈاٹیلے اٹھائی اور پوری قوت سے کشتی، لڑکی کی طرف۔ لے چلا۔ اُس کی آنکھیں لڑکی پر جمی تھیں۔ اُسے بالکل خیال رہا کہ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ بہ

رہا ہو۔

مودیلے بڑی تیزی سے پیرتی چلی جاتی تھی۔ مگر کشتی اُس کے قریب پہنچ ہی گئی۔

”خدا کے لئے کشتی پر آ جاؤ!“ انٹونیو چلا۔ ”میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ خدا جانے میری عقل پر کیسے پھر پڑ گئے تھے۔ گویا مجھ پر کبھی گرجی تھی۔ میرے سینے میں آگ کا تیز دھڑل اٹھا تھا۔ مودیلے! میں معافی

تک کی درخواست نہیں کر سکتا۔ میں معافی کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ بس میری التجا صرف اتنی ہو کہ کشتی پر چلی آؤ۔ ہلاکت ہو!“

مودیلے برابر پرتی رہی۔ گویا اُس نے سنا ہی نہیں۔

”ساحل تک پہنچنا محال ہو“ انٹونیو نے پھر کہا۔ ”ابھی پوچھے دو میں باقی ہیں۔ اپنی بیار ماں کا خیال کرو۔ اُس کا کیا حال ہو جائے گا؟ اگر تمہیں نقصان پہنچا تو میں بھی جان لے دوں گا“

مودیلے نے سامنے بنگار کے کرکے ناصلا دیکھا۔ پھر بغیر کوئی جواب دئے کشتی کی طرف آنے لگی۔ کشتی کا کنارہ پکڑ لیا اس پر چڑھنے لگی۔ انٹونیو، سہارا دینے کے لئے اٹھا کشتی ایک طرف جھک پڑی۔ ملاح کی چادر کنارے رکھی تھی۔ پانی میں گر پڑی۔ لڑکی نے سہارا لینے سے

انکار کیا۔ پھرتی سے اِدھر اُدھر اپنی پہلی جگہ پر خاموش جا بیٹھی۔

(۴)۔

انٹونیو نے اسے مطمئن دیکھ کر پھر کشتی کھینچنا شروع کر دی۔ مودیلے اپنے بال ہاتھوں میں لے کر بچوٹے لگی۔

بیکایک مودیلے کی نظر کشتی کی زمین پر پڑی۔ وہ خون سے رنگین تھی اُس نے مٹا انٹونیو کے ہاتھ کی طرف نظر اٹھائی۔ ہاتھ سخت دھنی

تھا۔ مگر وہ پوری قوت سے کلام کر رہا تھا۔

”یہ لو، مودیلے! کہا ادا اپنے ردا کی طرف اشارہ کیا انٹونیو نے مودیلے کو دیکھ کر بغیر سر کے اشارے سے انکار کر دیا۔ ادا کشتی چلا آ رہا۔

تھوڑی دیر بعد مودیلے اپنی جگہ سے اٹھی۔ آگے بڑھی۔ ملاح کے سامنے بیٹھی ادا اپنے ردا کی طرف اشارہ کیا۔ انٹونیو



# رہنما

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور نئے سے نئے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے

ہر چھ ماہ کے

بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے



کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا کا بہترین فائنٹن قلم  
امرین کا رخشا "شیفر"

کا

"لاف ٹائم" قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ لگتا یا  
بیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو اپنی زندگی بھر  
کام دے سکتا ہو

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری  
بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا

میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لاف ٹائم"

لینا چاہئے

اگر آپ انگلستان کی سیٹا کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں  
ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،  
قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے  
آپ کو مطلع کرنے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیج سکیں  
جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہو

ایسی کم لگائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بک برٹن

The Dunlop Guide  
to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے  
بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک شالوں میں ملے گی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ  
راہی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روشنی  
میں کون کون سے اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی کون  
کون سی چیزیں اس کے خلاف ہیں؟ تمام نوع انسانی پر مکمل دیا ہے؟  
قیمت ۱۲/- (نیو الملال کلکتہ)

دوم

دوم

دوم

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی نیت  
ہو، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سوتھری  
دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک مین

HIMROD

کی شہر عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

لَا تُهِنُوا كَلِمَةَ اللَّهِ وَتَكُونُوا عَاجِزِينَ  
لَا تُهِنُوا كَلِمَةَ اللَّهِ وَتَكُونُوا عَاجِزِينَ

# الہلال

ایک ہفتہ وار مہوار سالہ

جلد ۱

نمبر ۱۸ : جمعہ ۲۴ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 21, October 1927.

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے کسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔  
الہلال

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۴۹۲ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۱۷	اردو حروف کی حق میں	۴۱۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۴۶۴	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۵۰	تستعلیق ہوں	۱۵۱

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں، مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں گے۔ مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔  
الہلال

# ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تہذیب و تمدن کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

**I. SHENKER,**

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہم

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی علمی اور طبوہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکہ، اور نقوش، پرانے زلیخہ، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادیر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہمارے نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم و ادب اور دولت مندوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادیر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی معارف و ساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتی تحفہ انگیز عمدتہ امداد ہیں!

برہم عظم یورپ امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادیر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قارئین کے لئے ایوان شاہی کے نوادیر بھی حال میں ہم پر ہی نظر فرمائے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادیر موجود ہیں

آپ فرخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت کم ہونے کے باعث ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے محل کے

کے بالکل خلاف ہیں ”خواہ ریاضی کے قواعد اور درجین کے مشاہدات کا کتنا ہی دعویٰ کیوں نہ کیا جائے“ لیکن ایک ایماندار مسیحی کو کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہیے“ !

یہ علم دشمنی صرف قرن مظلمہ ہی کا خاصہ نہ تھی۔ جدید پورٹسٹنٹ کو بھی وراثت میں ملی تھی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخری برسوں میں مشن کالجوں کے بہت سے استاذ اس جرم پر خارج کر دیے گئے تھے کہ وہ جدید علم ہیئیت پر اعتقاد رکھتے تھے اور اس لیے ملحد تھے !

( کلیسائی علم و استدلال )

لاہوتی عدالت میں گلیلیو کی سزا یابی کے بعد رومن کیتھولک کلیسا کی ہدایت سے کئی کتابیں لکھی گئی تھیں، تاکہ کوپرنیکوس کی ”گمراہی“ مسیحی دلوں سے دور کی جائے۔ چنانچہ سیپیرونتی اپنی کتاب میں زمین کو ساکن ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے :

”جو حیوانات حرکت کرتے ہیں، اُن کے اعضاء اور عضلات ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ زمین نہ تو اعضاء رکھتی ہے، نہ عضلات، اس لیے وہ حرکت نہیں کرسکتی۔ وہ فرشتے ہیں، جو زحل، مریخ، اُفتاب وغیرہ کو حرکت دیتے رہتے ہیں۔ اگر فرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمین متحرک ہے، تو اُسے حرکت میں لانے کے لیے ضروری ہوگا کہ اُس کے مرکز میں ایک فرشتہ ہو۔ حالانکہ معلوم ہے کہ فرشتے زمین کے اندر نہیں رہتے۔ وہاں تو صرف شیطان کا بسیرا ہے۔ اگر کہا جائے کہ شیطان زمین کو متحرک رکھتا ہے، تو یہ نا قابل تسلیم ہے۔ کیونکہ شیطان کے ایسے اعمال کتاب مقدس سے ثابت نہیں !“

کاش اس مسیحی علامہ کو معلوم ہوتا کہ اگر ستاروں کی حرکت کیلئے فرشتوں کی تلاش ہے، تو وہ فرشتہ موجود ہے۔ اس کا نام ”قوت جذب و دفع“ ہے !

پولاک اپنی کتاب ”کوپرنیکوس کے رد“ میں اس طرح گہرا فشنائی کرتا ہے :

”کتاب مقدس کی تصریح موجود ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج چاند گردش میں ہیں۔ اگر کبھی ہم دیکھیں کہ سورج چاند متحرک نہیں ہیں، تو کتاب مقدس کی زور سے ہمیں ماننا پڑیگا، کہ یہ تبدیلی کسی عظیم معجزے کی بنا پر پیدا ہوئی ہے۔ اُس کے خلاف جتنے خیالات ہیں، اُن کی اشاعت پوری سختی سے رک دینی چاہیے، کیونکہ اُنہیں زمین کے متعلق ایک ایسی رائے پیش کی جاتی ہے جو کتاب مقدس کے صریح خلاف ہے“

یہ عقلی دلائل اور مشاہدے سے بھی استدلال کرتا ہے :

”اگر تسلیم کر لیا جائے کہ زمین حرکت کرتی ہے تو یہ مشاہدات کی توجیہ کیا کی جاسکتی ہے ؟ اگر ایک تیز آسمان کی طرف پھینکا جائے، تو وہ اپنی جگہ واپس آجیگا۔ حالانکہ تیز بہت دور جا کر گرنے چاہیے۔ کیونکہ نئے نظریے کے بموجب زمین از حد سرعت سے مشرق کی طرف جا رہی ہے۔ اگر فی الواقع زمین متحرک ہوتی، تو زمین کا پورا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا“

اسکے بعد لکھتا ہے :

”کوپرنیکوس کے نظریے کے بموجب زمین کا متحرک ہونا، خرد زمین کی طبیعت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ زمین، صرف تھوس

صرف لرتھر اور میلان ہی نے اس علمی تحقیق کی مخالفت نہیں کی، بلکہ پورٹسٹنٹ کلیسا کے آرزو بہت سے اقطاب بھی سخت مخالف رہے۔ چنانچہ کالون نے اپنی کتاب ”حواشی بر سفر تکوین“ میں کوپرنیکوس اور اس کے ہم خیالوں پر بڑی سختی سے حملہ کیا ہے اور اُن سب کو کافر اور ملحد قرار دیا ہے جو زمین کو نظام کائنات کا مرکز تسلیم نہیں کرتے۔ وہ زبور کی آیتیں پیش کرنے کے بعد سرال کرتا ہے ”وہ کون ہے جو کوپرنیکوس کو روح القدس کی سی عظمت رکھنے والا سمجھنے کی جرأت کر سکتا ہے ؟“

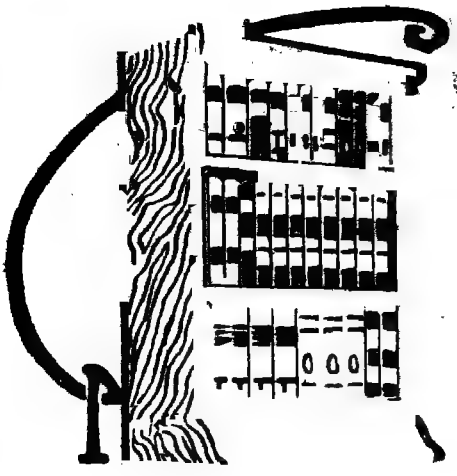
کالون کے جانشین، ٹریٹن کی بھی یہی رائے تھی۔ کپلر اور نیوٹن نے جب کوپرنیکوس اور گلیلیو کے نظریے پوری طرح ثابت کر دیے، اور ان کے لیے غیر متزلزل قواعد مقرر کر دیے، تب بھی ٹریٹن اپنی لاہوتی کتاب شایع کرنے سے باز نہیں رہا، اور کتاب مقدس کے نصوص سے ثابت کرنا چاہا کہ آسمان، سورج، اور چاند زمین کے گرد گھومتے ہیں، اور خود زمین نظام کائنات کے مرکز میں قائم و ثابت ہے !

تاریخ انگلستان میں بھی اس لاہوتی جد و جہد کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ ہیچنسن نے اپنی کتاب ”اصول موسوی“ میں، ڈاکٹر سمرٹیل بیک نے ”مقدس فلسفہ“ میں، ہورن، اسقف ہورسلے، اور روبس وغیرہم نے اپنی اپنی تفسیروں میں خیوتن کے نظریے کی بڑی سرگرمی کے ساتھ مقاومت کی ہے۔ کتاب مقدس کی آیتوں سے مسلح ہو کر اُس پر توت پڑے ہیں۔ یہی حال ڈاکٹر جان اوین کا ہے، جو پیروٹین مذہب کا ایک بڑا قطب مانا جاتا ہے۔ اُس نے انتہائی دیدہ دلیری سے اعلان کر دیا کہ ”کوپرنیکوس کا نظریہ، سراسر وہم و خیال ہے۔ کیونکہ نصوص وحی کے برخلاف ہے“ مشہور جان دیسلے بھی اس گروہ سے باہر نہیں ہے۔ اُس کا صاف اعلان تھا ”جدید فلکی نظریے کفر و الحاد کی طرف لیجانے والے ہیں“

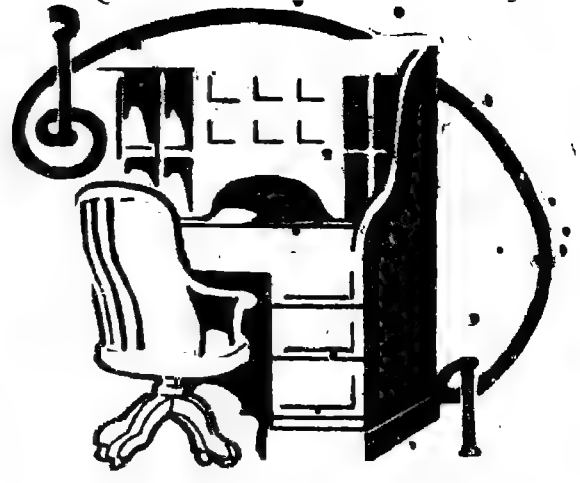
سولہویں صدی کے وسط میں شہر ویٹنبرگ میں (جو پورٹسٹنٹ مذہب کا مرکز تھا) دو عالم رتی کپس اور رینالڈ رہتے تھے۔ اُنہوں نے کوپرنیکوس کے مذہب کی تحقیقات کی تھی، اور اُسے حق سمجھتے تھے۔ لیکن انہیں اجازت نہیں دی گئی کہ اپنے طالب علموں پر اپنا یہ اعتقاد ظاہر کریں۔ رتی کوس نے تو تنگ آکر یونیورسٹی سے استعفا دیدیا، تاکہ آزادی کے ساتھ اعلان حق کرسکے۔ لیکن رینالڈ یہ نہ کرسکا۔ اُسے مجبور ہونا پڑا کہ قدیم مذہب کی حمایت کرتا رہے۔ اُسے حکم دیا گیا تھا کہ اپنے درس میں کوپرنیکوس کے مذہب کا کوئی ذکر نہ کرے۔ اگر کبھی اشارہ کرنا پڑے تو پھر اُس پر بطلموسی نظام کو ترجیح دے۔ اُس نے اس حکم پر عمل کیا۔ لیکن اُس پر بھی تکفیر سے محفوظ نہ رہ سکا، اور بالآخر ذات کے ساتھ یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ اُس کی جگہ ایک نیا استاد مقرر ہوا تھا۔ اُس معلم نے اپنی پہلی تقریر اس جملے سے شروع کی تھی : ”کوپرنیکوس کا نظریہ، بدیہی طور پر غلط ہے۔ خلاف عقل ہے۔ ہرگز علمی مرکزوں میں اُسکا ذکر نہیں کرنا چاہیے!“

پورٹسٹنٹ لاہوتیوں نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تعلیم گاہوں میں بھی ایسی کتابیں داخل کر دیں، جو قدیم خرافات کا مجموعہ تھیں۔ چنانچہ کالون ہنسل نے مدارس کے لیے ایک مختصر کتاب ”اصل کائنات اور نظام موسوی کا اتباع“ لکھی تھی اور ثابت کیا تھا کہ کوپرنیکوس کے فلکی نظریے کتاب مقدس





# مقالہ



## علم اور کلیسا کا معرکہ

— ❦ —

کلیسائی جہل و جحود کے بغض تاریخی حقائق

— ❦ —

دینی عدالت کو حکم دیا گیا کہ اس ”ملحد“ کو گمراہی سے روکا جائے اور کلیسا کی اطاعت پر مجبور کیا جائے۔ دلیل و برہان سے نہیں جس سے کلیسا تہی دست تھا۔ لڑے اور آگ سے جس کی کدیسے کے پاس کوئی کمی نہ تھی!

لیکن کیا لو تھر اور اُس کے پیرو اس ”الحاد“ کے کم دشمن تھے؟ کیا انہوں نے عقل کے قید کرنے اور گمراہی کے پھیلانے میں کوئی کمی کی؟ اس کا جواب ہم خود لو تھر کی زبان سے سن سکتے ہیں۔ کوپر نیکوس کا رد کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

”لوگ ایک معجزون نجومی کی بکواس پر کان دھرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ زمین گردش کرتی ہے، نہ کہ آسمان۔ واقعہ یہ ہے کہ لیاقت اور دانائی میں شہرت حاصل کرنے کا ہر خواہش مند انسان کوئی نہ کوئی نیا نظریہ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ مدعی ہوتا ہے کہ اُس کا نظریہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ یقینی ہے۔ یہ آسیب زدہ انسان آج اُنہا ہے کہ علم ہئیت کے تمام قواعد و اصول تہ و بالا کر ڈالے۔ حالانکہ کتاب مقدس میں صاف لکھا ہے کہ یوشع نبی نے سورج سے کہا، ”تھر جا۔ لیکن زمین کو ایسا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ وہ خود ہی تہری ہوئی ہے“

ایک دوسرے پرتستنت مصلح میلان کا لہجہ اس ”الحاد“ کے مقابلے میں لو تھر سے نرم ہے۔ لیکن وہ بھی اپنی کتاب میں (جو کوپر نیکوس کی وفات کے چھ برس بعد شائع ہوئی ہے) لکھتا ہے:

”ہماری آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں کہ آسمان ہر چوبیس گھنٹے میں گھوم جاتے ہیں۔ لیکن بعض جدت پسندوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے نہ کہ فلک ثانی اور آفتاب۔ اس قسم کے خیالات کی علانیہ اشاعت اور اُن کے ذریعہ مخلوق کی تضلیل بلند ہمتی اور دیانت داری کے قطعی خلاف ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کے لیے مکررہ نتائج پیدا کرنے والا نمونہ بن جائیگا۔ جو کوئی بھی نیکی کا طالب ہے، اُسے حق سے روگردانی نہیں کرنی چاہئے۔ وہ حق، جو خداوند خدا نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، اور جسے سوا سب کچھ باطل ہے“

اس کے بعد یہی مسیحی مصلح مزامیر دارد اور دیگر مقدس صحیفوں کا حوالہ دے کر دعویٰ کرتا ہے ”ان سے پرری وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین تہری ہوئی ہے اور سورج اُس کے گرد گھومتا ہے“ اِتنا ہی نہیں بلکہ اپنے بیان کے اثبات میں وہ عقلی دلائل بھی پیش کرتا ہے، اور یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ”زمین اُسی حالت میں ایک جگہ قائم رہ سکتی ہے جبکہ وہ اس کائنات کے وسط میں ہو“ پھر اُسے غصہ آ جاتا ہے۔ وہ غضب ناک ہو کر کہتا ہے ”اُن لوگوں کو سخت عبرت انگیز سزائیں دینی چاہئیں جو کوپر نیکوس کی تعلیم کی اشاعت کرتے ہیں!“

گزشتہ تین صدیوں سے دین اور علم کی معرکہ آرائی کا غلغلہ بلند ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ معرکہ دین اور علم میں نہیں ہے۔ دینی جماعتوں اور علم کے مدعیوں میں ہے۔ اگر یہ دونوں صف آرا جماعتیں میدان سے ہٹ جائیں، تو پھر صرف علم اور دین باقی رہ جائیں گے اور دنیا دیکھ لیگی کہ ان میں کوئی نزاع نہیں ہے!

یورپ میں جب نئی علمی ترقیات نے نشو و نما پائی، تو دین، مسیحی کلیسا کی شکل میں موجود تھا۔ علمی حلقوں کا تصادم کلیسا کے جمود و تعصب سے ہوا، اور اس نے معرکہ علم و دین کی صورت اختیار کر لی۔

امریکا میں ڈریپر نے اور یورپ میں کیلی نے اس معرکہ آرائی کی داستانیں لکھیں، اور ”علم“ کی فتح مندیں اور ”دین“ کی ہزیمتوں کا غلغلہ ہر طرف بلند ہو گیا۔ حالانکہ اس فرضی معرکہ آرائی میں اُنہوں نے جس فریق کو ”دین“ کے نام سے پکارا ہے، وہ دین نہ تھا، دینی جماعتوں کا ایک خاص نظام تھا جو کلیسا کے نام سے قائم ہو گیا ہے۔ اگر وہ ”دین“ کی جگہ ”کلیسا“ کا لفظ اختیار کر لیتے، تو یہ پورا رزم نامہ اپنی جگہ صحیح ہو جاتا، اور ہمیں علم کی فتح مندیں اور کلیسا کی ہزیمتوں کے اعتراف میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا۔ جان ڈکنسن اور پروفیسر رھائٹ نے ڈریپر اور کیلی کی یہ غلط اندیشی دور کرنی چاہی، لیکن اُن کی صدائیں زیادہ بلند اور مقبول نہ ہو سکیں۔

(پرتستنت کلیسا اور علم)

انیسویں صدی کے آخر میں اکثر مصنفوں نے اس نزاع کی ذمہ داری رومن کیتھولک کدیسے پر ڈال دی ہے اور اُسی کو علم کی دشمنی اور علماء کی تعذیب کا مجرم قرار دیا ہے۔ گویا اس کدیسے کے سوا کسی دوسرے مسیحی کدیسے نے علم کی کوئی مقاومت نہیں کی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ روشن خیالی اور تسامع علمی میں سب سے زیادہ مشہور کلیسا، پرتستنت بھی عقلی تنگ نظری اور علم دشمنی میں رومن کدیسے سے پیچھے نہیں رہا۔ لو تھر کے جانشینوں نے بھی علم دشمنی میں رومی ہی مجاہدانہ رُوح پیدا کر لی تھی، جیسی صدیوں سے قدیم کلیسا میں موجود تھی۔

ٹیلپور نے جب کوپر نیکوس کے نظریے کی حقانیت ثابت کر دی، اور ڈوربین کے ذریعہ چاند میں پہاڑ، سورج میں دھبے، اور عطارد کے اتمار دکھا دیے، تو رومن کدیسے غیظ و غضب سے معجز ہو گیا۔

• فعل کی تصریف یوں ہوتی ہے :

( مصدر ) Ami ( محبت )

mi Amas • میں محبت کرتا ہوں

mi Amis • میں نے محبت کی

mi Amos • میں محبت کروں گا

mi Amas • شاید میں محبت کروں

Amu • محبت کرو

Aman ta • محبت کرنے والا

Amin to • محبت کرتا تھا

Amoŝ te • عنقریب محبت کریگا

اسپرانٹو زبان میں مسیحی نمز کی دعا کا ترجمہ یہ ہے :

Patro nia Kiu estas en la cielo,

اے ہمارے باپ توجو آسمان میں ہے !

sankta estu Via nomo Venuregeco Via.

تیرا نام پاک مانا جائے ، تیری بادشاہی آئے !

Estu rolo Via Kiel en la cielotiel ankau, sur la tero.

تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے ، زمین پر بھی ہو !

Panon mian ciu tagan donu almi hodiau.

ہماری روز کی روزی آج ہمیں دے !

Kaj pardona al ni suldojon niajn.

ہمارے قرض ہمیں بخش دے !

Kiel ni ankau pardonas al niajsuldantoj.

جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو بخش دیا ہے !

Ni Konduku nin en tenton.

ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے !

Sed lilerigu nin de la mallona.

بلکہ برائی سے بچا !

Amen !

آمین !

## الہلال کی ابتدائی نمبر

الہلال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر ' یعنی نمبر ۱ -

سے ۴ - تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں ، وہ دوگنی

قیمت پر خریدنے کے لیے طیار ہیں - دفتر کو اطلاع دی

جائے -

منیجر

• سمجھتے - میں نے خیل کیا • اپنے گاؤں کے لیے کوئی ایسی زبان ایجاد کرنی چاہئے ، جو سب کے لیے آسان اور قابل فہم ہو - اسپرانٹو ، اسی خیال کا نتیجہ ہے •

یہ کام آسان نہ تھا - ڈاکٹر مذکور کو یورپ کی تقریباً تمام زبانیں سیکھنی پڑیں - سب کی صرف و نحو میں مہارت حاصل کی ، اور ایک بالکل نئی زبان اور نیا قاعدہ بنانا پڑا - سنہ ۱۸۸۵ ع میں اُس نے اپنی تعلیم ختم کی تھی اور طبابت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا - تاہم اُس کی تمام توجہ اس نئی زبان کی تکمیل و اشاعت ہی پر صرف ہوتی رہی - سنہ ۱۸۸۷ ع میں اُس نے اس زبان کی پہلی کتاب شائع کی - اُس کا نام " عالمگیر زبان " تھا -

شرع شروع میں اُسے سخت ناکامیابی ہوئی - سب لوگ اُسے معجزوں پر دیتے تھے - کوئی اُس کی مدد پر کھڑا نہیں ہوتا تھا - لیکن بتدریج یورپ میں اُس کا خیال مقبولیت حاصل کرنے لگا ، اور اس زبان کی ترقی کے لیے پیرس میں ایک انجمن " Esperantistes Pacifiques De Paris " کے نام سے قائم ہو گئی -

سب سے پہلے سنہ ۱۸۷۸ میں دنیا نے یہ نئی زبان سنی - ڈاکٹر موصوف نے ایک جلسہ میں اس زبان کی ایک نظم سنائی - اس کے ابتدائی بند مع ترجمہ حسب ذیل ہیں :

En La mondo vanis nova sento

دنیا میں ایک نیا شعور آیا -

Fra La mondo iras ferto voko

دنیا میں ایک طاقتور دعوت پھیلانے لگا

Per de flugiloj de facila vento

ہلکی ہوا کے بازوؤں پر

Nun de loko flugu gi al loko

اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑنے دو !

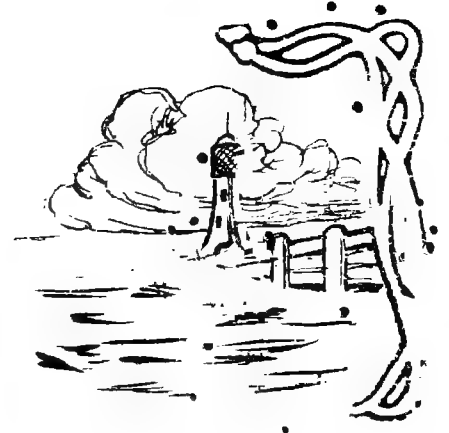
اسپرانٹو ، اس قدر آسان زبان ہے کہ اُس کے تمام قواعد ایک گھنٹہ کے اندر معلوم کر لیے جاسکتے ہیں - اُس کے الفاظ کی تعداد صرف دو ہزار ہے - چند ہفتے کی مزارلت کے بعد گفتگو اور تحریر بخوبی کی جاسکتی ہے - اُس کے تمام الفاظ یونانی ، لاطینی ، جرمن ، روسی ، فرانسیسی ، اور انگریزی زبانوں سے ماخوذ ہیں - اُس میں صرف ۲۳ حرف ہیں - u, s, j, h, g, c - دو حرفوں کے قائم مقام ہوتے ہیں - کوئی ساکن حرف نہیں ہے - جو حرف لکھا جاتا ہے ، تلفظ بھی کیا جاتا ہے - شان افعال بھی نہیں ہیں - معرہ کا صرف ایک حرف ہے اور وہ La ہے -

الفاظ کی قسمیں اُن کے اواخر سے پہچانی جاتی ہیں - مثلاً Patro ( باپ ) میں o اسم کی علامت ہے - Patra ( ابری ) میں a نصب یا نسبت کی علامت ہے - Patre میں e ظرف کی علامت ہے - Palri میں i فعل کی علامت ہے -

حروف علت ' a, e, u, o, ' جب اصل لفظ سے ملا دیے جاتے ہیں ، تو وہ لفظ یا تو صفت ہو جاتا ہے یا ظرف ، فعل ، اور اسم :



# برید و ریز



## دنیا کی مشترک اور عام زبان

— ❦ —

کیا تمام دنیا میں ایک مشترک زبان رائج ہو سکتی ہے ؟

• • • • •

اسپرنٹو

— ❦ —

گذشتہ مہینے میلان ( اٹلی ) میں یورپ کی نئی مشترک زبان ” اسپرنٹو “ کے حامیوں کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا تھا جو کئی سال سے ہر سال منعقد ہوا کرتا ہے ۔ تازہ ذاک میں اس اجتماع کی بعض دلچسپ تفصیلات آئی ہیں ۔ چونکہ ہندوستان میں اس وقت تک اس نئی زبان کی نسبت بہت کم لکھا گیا ہے ، اس لیے ہم بعض مضامین کا خلاصہ درج کر دیتے ہیں :

موجودہ علمی ترقیوں ، تمدنی ضرورتوں ، ذرائع مواصلات کی سہولت نے دنیا کے تمام براعظموں کو باہم دگر ملا دیا ہے ۔ اس زمانے میں کوئی قوم ، دوسری قوموں سے قطع تعلق کر کے زندہ نہیں رہ سکتی ۔

لیکن اتنے قرب و مواصلت پر بھی دنیا کی قومیں اس وقت تک ایک دوسرے سے دور ہی ہیں ۔ ان میں باہمی تعارف کے ذرائع بہت کم پیدا ہوئے ہیں ۔ اس صورت حال کی بڑی ذمہ داری قوموں کی علحدہ علحدہ زبانوں پر ہے ۔ ہر قوم اپنی مخصوص زبان رکھتی ہے ۔ دوسری قوم کی زبان سے ناواقف ہے ۔ لہذا واقف ہونا بھی چاہے تو بہت مشکل ہے کہ بہت سی زبانیں ہر شخص سیکھ سکے ۔ اس لیے عالمگیر تعارف و اجتماع کی کوئی صورت نکل نہیں سکتی ۔

یہ حالت دیکھ کر مدت سے بعض عقلاء مغرب کا خیال ہے کہ دنیا بھر کے لیے کوئی سہل اور مختصر زبان پیدا کی جائے ۔ ” اسپرنٹو “ ایک ایسی ہی نوساختہ زبان کا نام ہے جو پچھلی صدی کے اواخر میں ایجاد کی گئی ہے ۔

اسپرنٹو کا موجد ایک روسی ڈاکٹر زمینہوف نامی ہے ۔ یہ صوبہ کرزنو کے ایک چھوٹے سے گاؤں بیسلٹوک کا رہنے والا ہے ۔

اس زبان کی ایجاد کا خیال اُسے اُس وقت پیدا ہوا ، جبکہ اُس کی عمر صرف دس بارہ برس کی تھی ۔ اُس نے یہ سرگذشت خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کی ہے :

” میرے گاؤں میں روسیوں ، یہودیوں ، پولشوں ، جرمنوں کی مخلوط آبادی تھی ۔ میں رزسکوں پر لڑائی جھگڑے کے واقعات دیکھا کرتا تھا ۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ جھگڑے زیادہ تر اس لیے پیدا ہوجاتے ہیں کہ باشندے ایک دوسرے کی زبان نہیں

اور سرد ہی نہیں ہے ، بلکہ اپنے عناصر میں برودت کے خواص بھی رکھتی ہے ۔ معلوم ہے کہ برودت حرکت کر رہی ہے ۔ بلکہ اُسے فنا کر دیتی ہے ۔ ہم حیوانات میں دیکھتے ہیں کہ ٹھنڈے پڑ جانے کے ساتھ ہی اُن کی حرکت بھی موقوف ہو جاتی ہے ۔ لہذا زمین کا متحرک ہونا قطعاً محال ہے “

” کتاب مقدس کی صریح نصوص سے ثابت ہے کہ آسمان زمین کے اوپر حرکت کر رہے ہیں “ اور چونکہ مدور حرکت کے لیے ضروری ہے کہ اُسکا کوئی مرکز قائم ہو ، لہذا تسلیم کر لینا پڑیگا کہ زمین نظام کائنات کے وسط میں ثابت و قائم ہے “

یہ کیتھولک کلیسا کے خیالات تھے ۔ مگر پروٹسٹنٹ کلیسا بھی اس سے کچھ کم عقل مند نہ تھا ۔ لوتھر کے پیرو بھی کتاب مقدس کی تفسیروں اور لوتھر کے اقوال کے اندھے مقلد تھے ۔ کالریس باوجود اپنے وسیع علم و نظر کے ، لوتھر کا اس درجہ مقلد تھا کہ اُس نے بھی اس علمی حقیقت کے تسلیم کرنے صاف انکار کر دیا ۔ زمین کی حرکت کے خلاف اُس کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی :

” کتاب مقدس میں لکھا ہے ۔ خدا نے خرقیا نبی سے کہا ” دیکھ میں آفتاب کے ڈھلے ہوئے سایہ کے درجوں میں سے جو دھوپ گہری میں معلوم کیے جاتے ہیں ، دس درجے پہرے کے چڑھا لؤنگا “ چنانچہ آفتاب جن درجوں میں ڈھل گیا تھا ، اُن سے دس درجے پہرے چڑھا گیا ( اشعیاء ۔ باب ۳۸ ) “

انگلستان کے مشہور لاهوتی عالم ڈاکٹر اسمتھ نے اعلان کر دیا تھا :

” شاہی علمی انجمن ، ملحدوں کی انجمن ہے اور دین کے خلاف کوشش کر رہی ہے “

جان اوبن کا اعلان ہے :

” نیوٹن کا نظریہ کبھی صحیح عالمی بنیاد پر قائم نہیں ہوا ۔ وہ سراسر ارہام و خرافات ہے ۔ اور کتاب مقدس کی صریح نصوص کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتنا ہے “

جان ریزی کا مقولہ مشہور ہے :

” اگر سحر و ساحری بے اصل چیز ہے ، تو انجیل کی کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے “

یہ تھی مسیحی کلیسا کی ذہنیت جس نے علم کے مقابلہ کا اعلان کیا تھا ، اور یقیناً اُس کے لیے اس میدان مبارزت میں دائمی اور ہلاکت انگیز شکست کے سوا کچھ نہ تھا ۔ کسی انسان کو بھی جو حقیقت اور صداقت کا احساس رکھتا ہے ، اس شکست پر متاسف نہیں ہونا چاہئے ۔



شب و روز فرضی خطروں کے گڑھ اور پھر ان کے انسداد کے لیے بڑی بڑی رقموں کے وصول کرنے میں سرگرم رہتے۔ اسلامی خلافت، بین الاقوامی مرکزیت، دینی شرکت و جبروت اور روحانی پیشوائی و سلطانی کا یہ تمام طلسم صرف ان بنیادوں پر قائم تھا کہ قصر یدلز کی داخلی حکومت ترک انسرز کی جگہ حبشی اور حجازی خواجه سراؤں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی، سلطان کا خاص بادی گارڈ عرب سراؤں کا تھا، افریقہ اور ہندوستان کے بعض سیاحوں کو جو گاہ گاہ مہمانیہ آجاتے تھے، ”نشان مجیدی“ کے تمغے مل جاتے تھے، تعلیم و ترقی کی تمام راہیں یہ کھر بند کر دی گئی تھیں کہ ”اسلامی مقاصد“ کے خلاف ہیں،

اصلاح نظام حکومت کو الحاد اور زندہ سے تعبیر کیا جاتا تھا، تمام اصلاح طلب مسلمانوں کا شمار ”مرتدین“ میں تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر ہفتہ شیخ ابو الہدیٰ وغیرہ مشائخ یدلز کے خواب میں دنیا کے تمام پیغمبر اور اولیا آکر سلطان عبد الحمید کے لیے الہی برکتوں اور غیبی نصرتوں کی بشارتیں پہنچا دیا کرتے تھے!

سلطان عبد الحمید نے اگر صرف وہ قوت ہی منظم کر دی ہوتی جو خلافت اسلامی کی بین الاقوامی مقبولیت سے پیدا ہو رہی تھی، تو فی الحقیقت یہ اُسے تمام جبر و استبداد کا کفارہ ہوتا، اور دولت عثمانیہ کے لیے مغربی طاقتوں کے غلبہ و تسلط کا خطرہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جاتا،

لیکن وہ تو اسلام اور اسلامی خلافت کو محض اپنے شخصی استبداد کے حفظ و بقا کا آلہ بنانا چاہتا تھا۔

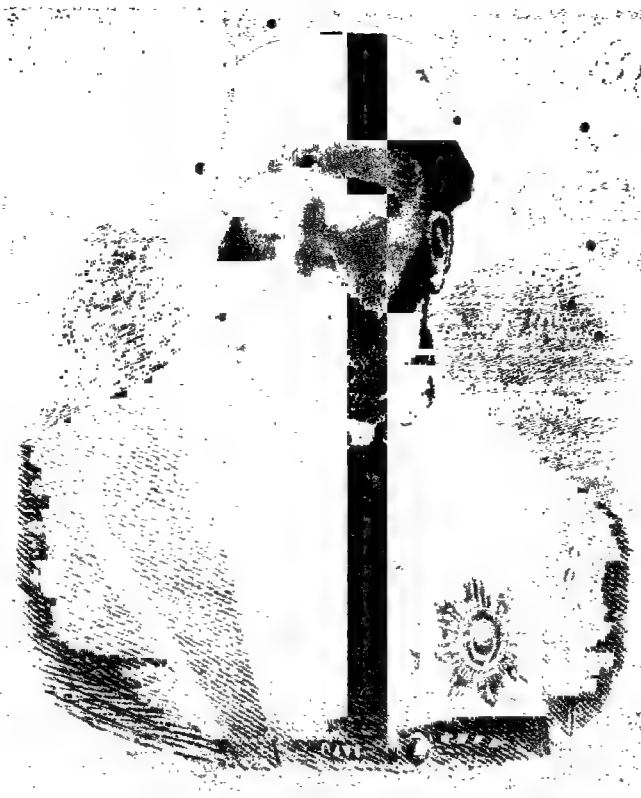
ارہام و خرافات کے سوا کوئی حقیقی عمل اُس کے سامنے نہیں تھا۔

چین کے پانچ کروڑ مسلمانوں نے چار بار منہیں کیں اور رفود پر رفود بھیجے کہ انکی دینی ہدایت و تعلیم کا انتظام کیا جائے، لیکن کچھ نہیں کیا گیا۔ افریقہ کے مسلمانوں کے رفود چار سال تک قسطنطنیہ میں پڑے رہے تا کہ انہیں مرکز

خلافت اپنی اخلاقی سرپرستی میں لیلے، لیکن کوئی شروائی نہیں ہوئی۔ مصر اور مراکش کی سرپرستی خود اپنے ہاتھوں ضائع کر ڈالی۔ یمن اور نجد کے قبائل محض اس لیے سرکش و مخالف

رہے، کہ ترک والیوں کے مظالم سے انہیں کبھی نجات نہیں ملتی تھی۔

مصلحتی فاضل پاشا جس نے سلطان عبد العزیز کے نام لائحہ اصلاحیہ بھیجا تھا۔



سلطان عبد العزیز



مصلحتی فاضل پاشا

جس نے سلطان عبد العزیز کے نام لائحہ اصلاحیہ بھیجا تھا۔

میں داعی بھیجے گئے۔ حجاز ریلوے بنائی گئی۔ غرض کہ ایک ایسی فضا پیدا کر دی گئی جس نے مسلمانان عالم میں ”خلیفہ اسلام“ کی شہرت عام کر دی۔ اس صورت حال نے سلطان کے ہاتھ میں بظاہر ایک ایسی قوت دیدی تھی جس سے وہ دل یورپ کو اپنے عالمگیر اسلامی اثر کا یقین دلانا چاہتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ سلطان عبد الحمید کی اس حکمت عملی نے ایک سطحی شان و شوکت اور نام و نمود ضرور پیدا کر دی تھی۔ دنیا کی سطح میں نگاہیں دیکھتی تھیں کہ سلطنت عثمانیہ کی بین الاقوامی مقبولیت کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ جو کچھ بھی تھا، محض ایک بالائی

نمایش تھی۔ تہ میں کوئی صحیح اور حقیقی عملی روح نہ تھی۔ جہاں تک خلافت آل عثمان کی بین الاقوامی مقبولیت کا تعلق ہے، تیس برس کے پورے حمیدی دور میں کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جس کا منشا یہ ہو کہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے صحیح بنیاد پر روابط قائم کیے جائیں، اور اُن میں اور مرکز خلافت میں معنوی اور اخلاقی معاونت کا رشتہ پیدا ہو۔ ایسے دماغ قصر سلطانی میں موجود ہی نہ تھے جو ان مہمات کے فہم و عمل کی استعداد رکھتے ہوں۔ اس باب میں جو کچھ بھی ہوا، وہ اس سے زیادہ نہ تھا کہ در چار خود غرض اور خداع عرب، صرفیت اور تقدس کے بھیس میں قصر سلطانی تک پہنچ گئے، اور سلطان کی توہم

پرستی سے فائدہ اُٹھا کر اُس پر

حاجی ہو گئے۔ شیخ ابو الہدیٰ

رفاعی، شیخ ظافر مدنی، فضل اللہ،

مالا باری وغیرہم، اسی قسم کی

شخصیتیں تھیں۔ وہ نہ تو اسلامی

ممالک میں کوئی اثر و رسوخ رکھتی

تھیں، نہ اس طرح کے کاموں کے

فہم و عمل میں اُن میں صلاحیت

تھی۔ اگر انہوں نے اس قسم کا

کوئی کام انجام دیا بھی، تو وہ صرف

یہ تھا کہ عراق اور شام میں ایسے لوگوں

کی ایک جماعت پیدا کر دی، جو

بیش قرار وظائف لیکر سلطان کی

مدح و ثنا میں سرگرم رہا کرتے تھے

اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد سلطان

کی اطاعت و انقیاد کے وجوب پر

کوئی کتاب شائع ہو جایا کرتی تھی۔

سب سے بڑا کام اس جماعت کا

اور اس کے ہم مشربوں کا یہ تھا،

کہ جاسوسی اور مخفی خبر رسانی کا

ایک بالا تر محکمہ بن گئے تھے۔



سلطان عبد المجید

جس نے اصلاحات کو مزید رونق اور ترقی دی



اصلاح ہوئی تھی اور دستوری حکومت کا اعلان کیا گیا تھا۔ جاپان تیس سال کے اندر مشرق کی سب سے بڑی طاقتور حکومت بن گیا، لیکن عثمانی حکومت نے اسی تیس سال کے اندر اپنی رہی سہی طاقت بھی فنا کر دی۔ جاپان نے دستوری حکومت قائم رکھی تھی، سلطان عبد الحمید نے چھ ماہ کے بعد اس کا خاتمہ کر دیا تھا!

اصلاحات کا خاتمہ گردینے کے بعد سلطان نے ایک نئی حکمت عملی ایجاد کی۔ یہ حکمت عملی ترکی اور ترکی سے باہر بین الاسلامی حکمت عملی "یا اتحاد اسلامی" کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اس کا منشا یہ بیان کیا گیا تھا کہ "یہ تمام مسلمانان عالم کی معنوی اور اخلاقی اعانت مرکز خلافت کے ساتھ وابستہ کر دیگی"

چنانچہ مدتوں کا لپٹا ہوا علم خلافت از سر نو بلند کیا گیا۔ علماء و مشائخ کا ایک بڑا گروہ دارالخلافت میں جمع ہو گیا۔ ابو الہدی رفائی از شیعہ ظافر وغیرہ مشائخ نمایاں ہوئے، عربی عنصر سے از سر نو رشتہ ارتباط قائم کیا گیا۔ عزت باشا عابد وغیرہ سربر آوردہ عرب مقرب بنائے گئے۔ عرب سپاہی بڑی بڑی تذکراہر پر باقی گارڈ میں داخل کیے گئے، عربی ممالک



قدیم ترکی فوج کا ایک منظر

یہ گ چری سپاہی جو اصلاح کی راہ میں سب سے بڑی رک تھے

## تاریخ و عبر

### حکومت ترکیہ

اور اس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شرح سے اب تک

(۲)

(بین الاسلامی ترکی)

سنہ ۱۲۳۹ھ (۱۸۷۶ ع) سے سنہ ۱۳۴۹ھ (۱۹۰۸ ع) تک

صورت حال یہ تھی کہ سلطان عبد الحمید ثانی ترک مصلحین کی سعی و تدبیر سے تخت نشین ہوئے۔ مدحت پاشا از اس کے ساتھی اصلاح پسند وزراء نے سلطان مراد کی جگہ



سلطان محمود مصلح

متوفی سنہ ۱۸۳۹

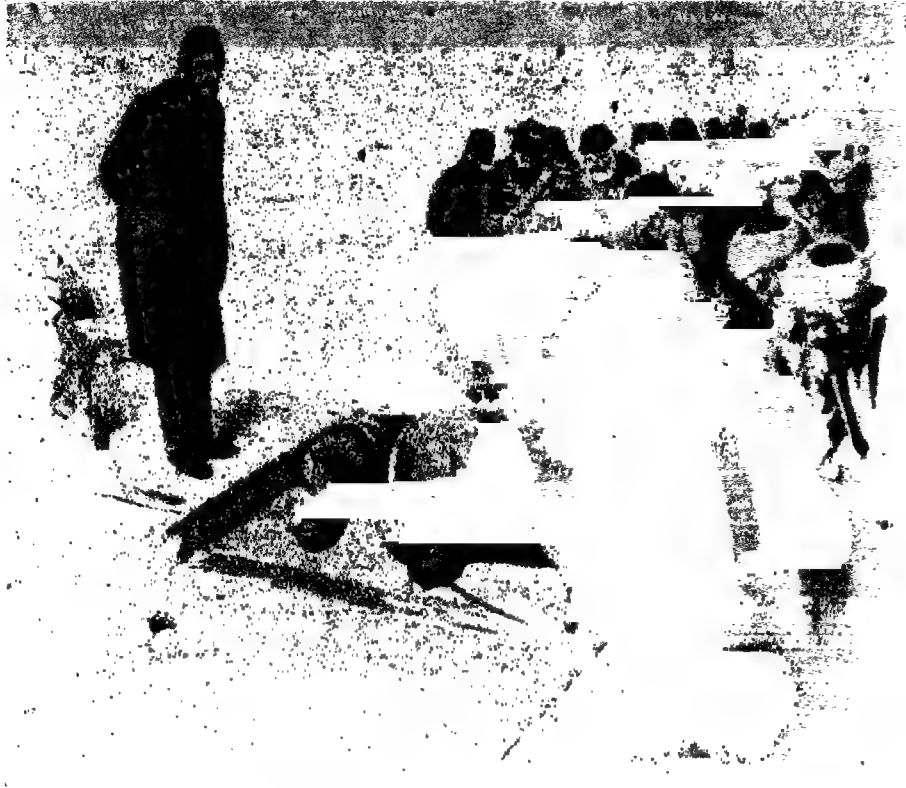
عبد الحمید کو اس لیے تخت نشین کیا تھا کہ وہ محسوس کرتے تھے، سلطنت اور قوم کی سب سے بڑی ضرورت اصلاح اور دستور ہے، اور اس کے لیے اس نوجوان شہزادہ کا سلطان ہونا مفید ہوگا۔

عبد الحمید تخت نشین ہوا۔ اصلاحات کا مزید اعلان کیا گیا۔ عثمانی سلطنت "شخصی" کی جگہ "دستوری" قرار پائی گئی، اور عثمانی پارلیمنٹ کے قیام کا فرمان نافذ ہو گیا۔

اگر یہ صورت حال جاری رہتی، تو باوجود دل یورپ کی بے ہم مقام و متوں اور جنگ پلیرنا کے شدید نقصانات کے، دولت عثمانیہ کی نئی نشر و نما شروع ہو جاتی۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت جلد سلطان کے مزاج نے پلٹا کھایا، اصلاح پسند عنصر کی جگہ قدامت دوست اور خود غرض پاشاؤں کا اقتدار قائم ہو گیا، اور اصلاح و تغیر کی تمام امیدیں جو سلطان محمود مصلح کے زمانے سے نشو و نما پائے لگی تھیں، سنہ ۱۸۸۰ میں ختم ہو گئیں!

جس سال سلطان عبد الحمید تخت نشین ہوا اور عثمانی دستور کا اعلان کیا گیا، اسی سال جاپان کے نظام حکومت میں بھی

پیش بندی کر کے ۱۳۲۹ ع میں والی بیروت اہم بک کو حکم دیدیا کہ صوبہ شام کی کونسل سے مطلوبہ اصلاحات کے بارے میں گفتگو کر کے رپورٹ طیار کرے۔ اس پیش بندی نے ترکی کو بہت فائدہ پہنچایا۔ کیونکہ جب فرانس نے سرکاری طور پر شام میں اصلاحات جاری کرنے کا مطالبہ کیا، تو کامل پاشا نے اس جواب سے اسکا منہ بند کر دیا ”ہم پہلے ہی سے اس فکر میں ہیں“



عرض عبدیت !

سلطان عبد الحمید کے سامنے وزراء حکومت سجدہ کر رہے ہیں !

ادھر یہ سیاسی بازی گری ہو رہی تھی، ادھر

انجمن اتحاد و ترقی گہات لگائے بیٹھی تھی۔ چنانچہ موقعہ پاتے ہی اسنے وزارت الت دی، اور محمود شوکت پاشا وزیر اعظم قرار پائے۔ انہوں نے آتے ہی شامی کونسل کو غیر قانونی قرار دیدیا، اور والی کو خفیہ اشارہ کر دیا کہ تحریک کو ابھرنے نہ دے۔ والی نے پوری سختی ظاہر کی، حتیٰ کہ جنگی قانون بھی جاری کر دیا، مگر اس پر بھی شامی انجمن نے اپنا سالانہ جلسہ کر ہی دیا۔ اس جلسہ میں ۸۲ نمائندے شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے اصلاحات کا لائحہ منظور کر لیا۔ جب حکومت نے آؤر بھی زیادہ تشدد کیا، تو شامیوں نے اپنی موتمر پیرس میں منعقد کی۔ اب انجمن اتحاد و ترقی پریشان ہوئی۔ کیونکہ ایک طرف اُسکی حریف ”انجمن ائتلاف و ترقی“ برسر مخالفت تھی، دوسری طرف عربی مسئلہ بین الاقوامی شکل اختیار کرتا جاتا تھا۔ ایک عجیب اتفاق یہ ہوا کہ عربی موتمر، محمود شوکت پاشا کے قتل کے تیسرے دن منعقد ہوئی، جس سے حکومت آؤر بھی زیادہ متاثر ہوئی، اور

پرنس سعید حلیم پاشا وزیر اعظم صام و آشتی کی، حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک نمائندہ پیرس بھیجا، اور عرب رہنماؤں سے گفت و شنید کے بعد مطلوبہ اصلاحی لائحہ کا برا حصہ منظور کر لیا۔

شامیوں کی کامیابی دیکھ کر عراقیوں کے خون میں بھی گرمی پیدا ہوئی، اور طالب بک نقیب کی سربراہی میں عراق نے اصلاحات کا مطالبہ شروع کر دیا۔ لیکن اب نوجوان ترک سنبھل گئے تھے۔ انہوں نے جاوید پاشا کو



سلطان عبد الحمید کے دور حکومت کا خاتمہ

یہ اس موقعہ کا موقع ہے جب قوم کا وفد پیام عزل پہنچا رہا ہے !

انہوں نے تاریخ کا سبق بھلا دیا، اور سادہ لوحی سے یقین کر لیا کہ ان نئے اصول پر چلنے سے یورپ اور سلطنت کے مسیحی عناصر مطمئن ہو جائیں گے، اور انکا ملک خوشحال اور ترقی یافتہ ہو جائیگا۔ یہی حسن ظن، انکی سب سے بڑی غلطی تھی۔ چنانچہ فوراً داخلی اور خارجی مشکلات نمودار ہو گئیں۔ آسٹریا نے بوسینیا، ہرزیگوینا پر قبضہ کر لیا۔ یونان کریت پر قابض ہو گیا۔ اٹلی نے طرابلس الغرب پر ہاتھ صاف کیا۔ البانیا کت کر الگ ہو گیا، بلقانی

ریاستوں نے یورپ کے اکثر ترکی مقبوضات ہضم کر لیے۔ ملک کے اندر غیر ترکی عناصر نے سرکشی شروع کر دی۔ صرف غیر مسلم جماعتوں ہی میں نہیں، بلکہ مسلمانوں میں بھی نئی نئی انجمنیں قائم ہو گئیں۔ خود دار الخلافہ میں مسلمانوں کی متعدد مخالفانہ انجمنیں بن گئی تھیں۔ مثلاً انجمن ”إخاء عربی“ ”عربی کلب“، ”چرکس انجمن“ ”کردی انجمن“ ”البانی انجمن“ وغیرہ وغیرہ۔ ان انجمنوں کے ظہور کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان اسلامی عناصر اور ترکی عنصر میں نفرت و عداوت پیدا ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر خود ترکوں میں سلطنت کی حکمت عملی کے متعلق اختلاف رونما ہو گیا۔ ایک گروہ نے از سر نو حمیدی سیاست زندہ کرنی چاہی۔ ایک گروہ نے ”ترانیت“ کا نعرہ بلند کیا۔ آخری گروہ کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ اسے ترجمان اخبار ”اقدام“ نے تجویز پیش کر دی کہ ترکی زبان سے تمام عربی الفاظ خارج کر دینے چاہییں !

لیکن پیہم مصائب نے تمام حکومت معتدل گروہ کے ہاتھ میں دیدی۔ ”انجمن ائتلاف“ نے حکومت سنبھال لی۔ سلطان عبد الحمید کا شاگرد کامل پاشا وزیر اعظم ہوا، کامل پاشا ایک طرف یورپ کو مطمئن کرنے لگا، دوسری طرف ترکی کے مختلف عناصر کے سر پر بھی ہاتھ پھیرنے لگا۔ اب چونکہ ”بلقانی مسئلہ“ کے بعد ”عربی مسئلہ“ کے نام سے ایک نئی الجھن پیدا ہو گئی تھی، اور فرانس اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، اس لیے کامل پاشا نے

معلوم کی جاسکے۔ یلدز کے بعض مہاجرین  
معلوم ہوا تھا کہ صرف چھ ماہ کے اندر یعنی  
مارچ سنہ ۱۸۹۸ سے ستمبر سنہ ۱۸۹۸ تک  
تین سو اسی آدمی گرفتار کئے گئے تھے!

لیکن نہ تو سلطان عبدالحمید دنیا  
پچھلے جبار و مستبد حکمرانوں سے زیادہ طاقت  
تھا، نہ اس کی خاطر خدا کے قوانین خیر  
و عدالت معطل ہو جا سکتے تھے۔ بالآخر نوجوان  
ترکوں کی پنجہ سالہ مساعی بار آور ہوئیں، ا  
عین اُس وقت جب کہ سلطان کے روم و گمار  
میں بھی کسی طرح کا خدشہ نہ تھا، مذاسترا  
سلانیک میں انقلاب کا نام ممکن التسخیر عا  
بلند کر دیا گیا۔ سلطان نے بہت کوشش کی  
کہ کسی طرح اس ناگہانی طاقٹ کا مقابلہ کرے  
مگر نہ کرسکا۔ اور عثمانی دستور کے قیام کا اعلان کرنا پڑا۔

یہ دستور سلطان کی ذات خاص کا مخالف نہ تھا۔ لیکن  
سلطان کی مستبد روح اُس سے موافق نہ ہو سکی  
بالآخر نو ماہ کے بعد تصادم ہوا، اور محمود شوکت پاشا  
مرحوم نے اپنی مشہور عالم تیس ہزار فوج کے ساتھ قسطنطنیہ  
پہنچ کر قصر یلدز کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن کے محاصرہ کے بعد  
عثمانی پارلیمنٹ کے نمائندے قصر یلدز میں داخل ہوئے، اور قو  
کا پیغام پہنچا دیا کہ ”آپ معزول کیے گئے“ اور شہزادہ محمد  
رشاد تخت نشین ہو رہے ہیں۔ ”قصر یلدز کے اس مشہور قہرمار  
نے اس وقت لرزے ہوئے یہ التجا کی تھی ”میں اپنی زندگی  
کیلئے تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں“! یہ اب اپنی زندگی  
کیلئے انسانوں کو خدا کا واسطہ دیتا تھا۔ اُن انسانوں کو جنہوں  
نے اپنی مظلوم اور بیکس زندگی کیلئے سیکڑوں مرتبہ اُس  
خدا کے واسطے دیے تھے، لیکن ایک لمحہ کیلئے بھی اُسے دل میر  
خدا کے خوف نے جگہ نہیں پائی

تھی!

تاریخ مشرق کا یہ عبرت انگیز  
انقلاب جولائی سنہ ۱۹۰۸ ع میر  
واقع ہوا تھا۔

(اتحادی ترکی)

جمعية اتحاد و ترقی کا دور

سنہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ع) سے سنہ ۱۳۳۲ھ  
(۱۹۱۴ع) تک

انجمن اتحاد و ترقی نے پر  
اقتدار آئے ہی ”وطنیت“ ”حریت“  
”اخوت“ اور ”مسارات“ کی  
بنیادوں پر عثمانی سلطنت کو استوا  
کرنا چاہا۔ نوجوان ترک، برے ہی  
”ذہین“ ”چست“ اور مخلص تھے  
لیکن مدبر اور تجربہ کار نہ تھے۔



مدحت پاشا  
شہید راہ حریت و دستور!

اصل یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید مرحوم نے  
اتحاد اسلامی اور خلافت دینی کا مظاہرہ اس  
لیے نہیں کیا تھا کہ فی الحقیقت اس باب  
میں کوئی روشنی اس کے سامنے موجود تھی، اور  
وہ کسی تعمیری جذبہ سے اس طرف قدم  
برہانا چاہتا تھا، بلکہ یہ تمام باتیں محض  
ایک طرح کے منفی اور تخریبی جذبہ سے پیدا  
ہوئی تھیں۔ مقصود یہ تھا کہ اس کے ذریعہ اصلاح  
طلب تحریک کی نشر و نما کا خاتمہ کر دیا  
جائے، اور اُس کی طرف سے عثمانی رعایا کے  
قارب غافل ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ باتیں  
صرف اسی حد تک کام میں لائی جاتی تھیں،  
جس حد تک ترکی مصلحین کی مخالفت  
میں سود مند ہو سکتی تھیں۔ حقیقت اور

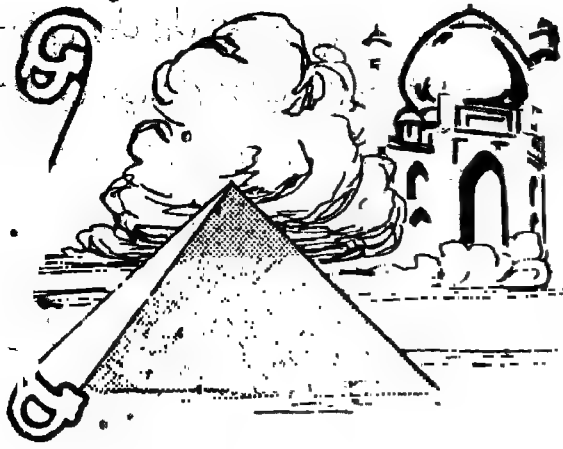
عملیت کی کوئی روح موجود نہ تھی۔ اگر سلطان عبد الحمید  
اتحاد اسلامی اور مرکزیت خلافت کی تقویت کا واقعی طلب کار  
ہوتا، تو سید جمال الدین اسدآبادی اور شیخ محمد عبدہ سے بڑھ کر  
اس کے لیے کون داعی اور عامل ہو سکتے تھے؟ ان دونوں نے بیس  
بیس تک اپنی تمام طاقتیں عبدالحمید کے ہاتھوں میں دیدینی  
چاہیں، لیکن ان کے ساتھ جو سلوک ہوا، دنیا کو معلوم ہے۔  
پلے کو موت کا زہر آلودہ جام پینا پڑا۔ دوسرے کو قصر سلطانی کی  
چوکت تک باریابی نصیب ہی نہ ہوئی!

بہر حال سلطان عبدالحمید کا دور، دولت عثمانیہ کے زوال طاقت کا  
آخری عہد تھا۔ سلطان کو مدحت پاشا کی جماعت نے اس لیے تخت  
نشین کیا تھا، کہ وہ سلطان مصلح کی اصلاح کی تکمیل کریگا، اور دولت  
عثمانیہ کو استبدادی حکومت کے مفاسد سے نجات مل جائیگی۔  
سلطان نے ابتدا میں اصلاح پسند جماعت کا ساتھ دیا۔ ترکی پارلیمنٹ  
قائم کر دی گئی۔ لیکن پھر بتدریج رجعت پسند عناصر برسر اقتدار  
آ گئے۔ پارلیمنٹ معطل کر دی گئی۔

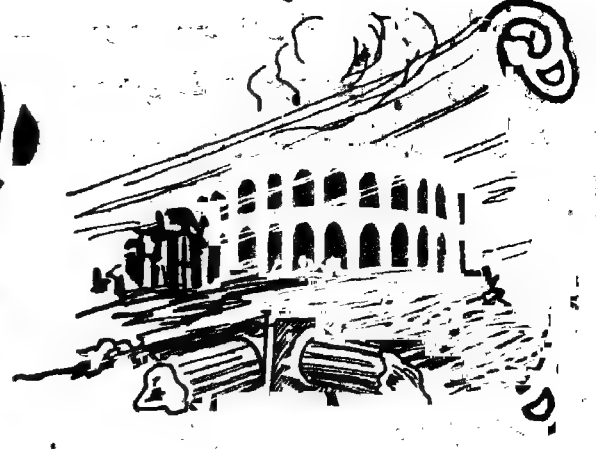
مدحت پاشا اور اُس کے ساتھیوں  
کو فرضی الزامات عائد کر کے گرفتار کر  
لیا گیا، اور قلعہ طائف کے قید خانے  
میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اس  
کے بعد تمام نظم حکومت تہہ و بالا  
ہو گیا۔ وزراء اور دفاتر حکومت کی  
جگہ ”مایین ہمایونی“ یعنی قصر  
سلطانی کی براہ راست حکومت شروع  
ہو گئی۔ اس حکومت کا نہ تو کوئی  
اصل تھا، نہ قاعدہ۔ نہ بعت بنتا  
ہا، نہ مالیات کا کوئی تخمینہ تھا۔  
خواجہ سراؤں کے افسر ”بہرام آغا“  
کے ہاتھ میں سب کچھ تھا۔ وہ  
سلطان کے احکام باب عالی کے وزراء  
تک پہنچا دیا کرتا۔ بیس برس کے  
اندر جتنے انسان محض اس بنا پر  
ہلاک کر دیے گئے، کہ اُن پر اصلاح  
پسندی و انقلاب کا شبہ تھا، کوئی  
ذریعہ نہیں کہ انکی صحیح تعداد



سلطان عبد الحمید  
چالیس سال کی عمر میں



# ثغر عتیقہ



## شہرِ رقیم کا انکشاف

.....

ام حسبتم انہ اصحاب الکھف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجباً

(۱)

مذہبوں کے خواب گراں کے بعد اب شہرِ رقیم یا پیٹرا پہر بیدار ہو رہا ہے۔ قدس اور لندن کی آمدہ اطلاعات مظہر ہیں کہ حال میں اس قدیم شہر کے کھنڈروں میں قیمتی پتھروں اور پیرانے طلائی زیورات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بدوی عربوں کے ہاتھ لگا ہے۔

پیٹرا عرب قدیم کا ایک گم شدہ شہر ہے۔ سالہا سال سے غیر آباد پڑا تھا۔ کبھی کبھی صحرا گرد بدوی جنکو شاداب نخلستانوں اور سرسبز چرا گاہوں کی تلاش ادھر ادھر آوارہ رکھتی ہے، تمدن قدیم کی اس یادگار کو آدمی کی صورت دکھا دیتے تھے!

(الف لیلہ کا طلسم)

ایک مرتبہ ایک صحرا نشین عرب پیٹرا کے کھنڈروں میں گھوم رہا تھا۔ ناگاہ اسکا پانوں ایک پتھر پر پڑ گیا۔ قبل اسکے کہ وہ اس بات کا اندازہ کر سکے کہ کیا ہوئے والا ہے، پتھر نیچے کو کھسکا، زمین دھنسی، اور اب عرب ایک عجیب و غریب غار میں پڑا تھا۔ پتھر بدستور اپنی جگہ پر آگیا، اور راہ بند ہو گئی!

اب بدوی نے خود کو ایک زمین لرز محراب میں پایا، لیکن باہر آنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

غریب عرب ایک عرصہ تک ادھر ادھر تھرتھاتا رہا۔ تاریکی بلا کی تھی۔ محض اس خوف سے کہ کہیں کسی دوسری نامعلوم مصیبت سے دو چار نہ ہونا پڑے، اسنے ہاتھوں اور پیروں کے بل رینگنا شروع کیا۔ اس جد و جہد میں ایک وسیع ایوان مل گیا۔ اس ایوان کی تاریکی کو ایک پہاڑی سوراخ سے نکلتی والے دھندلائی روشنی ایک حد تک کم کر رہی تھی۔ روشنی کا سہارا پا کر اس محصور بلا نے ادھر ادھر آنکھیں پہاڑ پہاڑ کر دیکھنا شروع کیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک گوشے میں قیمتی جواہرات اور طلائی اشیاء کا ڈھیر پڑا ہے۔ یہ خزانہ غالباً طائر اور صیدان کے بحری قزاقوں نے ازمنہ مظلّمہ میں جمع کیا ہوگا۔ عرب حیرت کے دریا میں ڈوبا ہوا، اس تمام ماحول کو عالم رویا سمجھ رہا تھا۔ بالآخر اسنے چند جواہر ریزے اپنے عمامہ میں رکھ لیے، اور باہر نکلنے کی راہ تلاش کرنے لگا۔ اس نے غور کیا کہ روشنی جس سوراخ سے آ رہی ہے، اس سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا خیال ٹھیک تھا۔ روشنی کے نیچے ایک سنگی زینہ موجود تھا۔ یہ مشکل سوراخ تک پہنچ سکا۔ وہاں پتھر کے کئی ٹکڑے ایک دوسرے پر پڑے تھے۔ زور کرنے سے ایک پتھر ہٹ گیا اور یہ باہر نکل آیا۔

یہ جواہرات بیت المقدس کے بازاروں میں بکے۔ ماہرین آثار انہیں تورات سے بھی زیادہ پرانا بتاتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ پیٹرا کا یہ کنز مخفی لارڈ کارنارون کے دریافت کردہ وادی الملوک (مصر) کے خزانوں سے بھی کہیں زیادہ بیش قیمت ہے۔ عجائب خانہ لندن کا ایک وفد اس گم شدہ شہر کی تحقیقات کیلئے جا رہا ہے۔

(جغرافیائی محل)

یہ مقام ساحل بحرِ قلزم سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ نقشہ کے دیکھنے سے بحرِ قلزم کا بالائی حصہ دو ٹکڑوں میں منقسم معلوم ہوگا۔ اس کے شمال میں جزیرہ نماء سینا ہے جسکی شکل مثلث نما ہے۔ سینا کا جنوبی نوکدار کنارہ بحرِ قلزم کو در شاخوں میں جدا کر دیتا ہے۔ سینا کے غرب میں بحرِ قلزم کی وہ شاخ ہے جو خلیج سوئز کے نام سے موسوم ہے۔ آج کل یہ تجارت عالم کی شاہراہ عظیم ہے۔ سینا کے شرق میں بحرِ قلزم کا وہ حصہ ہے جو خلیج عقبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ جگہ اب متروک ہو گئی ہے۔ جہاز بہت کم آتے جاتے ہیں۔ ایک طرف سینا کی ندی پہاڑیاں ہیں۔ دوسری طرف خلیج عقبہ کے پہاڑوں اور صحراء عرب کا نا پیدا کنار سلسلہ ہے۔ اس خلیج کے ساحل پر کوئی بندر گاہ نہیں ہے۔ قصبہ عقبہ کے چند بے ترتیب مکانات کے سوا باقی تمام حصہ غیر آباد اور پتھر والا ہے۔ بحرِ شمالی و بحرِ جنوبی کے درمیان درواز سواحل کو چھوڑ کر جہاں بمشکل ذی روح وجود کا پتہ چلتا ہے، دنیا کا کوئی ساحل اس قدر ساکت اور سنسار نہیں ہے!

لیکن پرانے زمانہ میں خلیج عقبہ کی اہمیت ہمارے زمانہ کے خلیج سوئز سے کہیں زیادہ تھی۔ تین ہزار سال قبل یہاں حضرت سلیمان کے بحری مراکب ہندوستان کی اشیاء تجارت بار کیے ہوئے ہر وقت لنگر انداز رہتے تھے۔ جب تک ہندی و ایرانی تجارتی قافلے اس راستے سے آمد و رفت کرتے رہے، یہ ملک تمدن عالم کا مرکز رہا۔ جب شاہراہ تجارت یہاں سے دوسری جانب منتقل ہو گئی، اور بحرِ رزم اور خلیج سوئز کا راستہ دریافت کر لیا گیا، تو یہ ساحل رفتہ رفتہ غیر آباد ہو گیا۔ صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں مسیحی مجاہدین نے اس نواح میں کچھ بیداری پیدا کر دی تھی، مگر سلطان صلاح الدین کی تیغ جہاد نے یہ حصہ عالم بھی صلیبیوں پر تنگ کر دیا، اور اس کے بعد سے پیٹرا کے اطراف انسانی آبادی سے ہمیشہ خالی رہے۔

جنگ عظیم کے زمانہ میں شریف حسین اور اس کے بیٹے امیر فیصل نے اس نواح کو اپنی افواج کا عقبی مستقر بنایا تھا۔ ہر ہفتہ انگریزی جنگی جہاز اور دھاتی کشتیاں سامانِ حرب سے لدی ہوئی ساحل پر آتی تھیں۔ سنہ ۱۹۱۷ء اور سنہ ۱۹۱۸ء میں اس آمد و رفت کا تسلسل نہایت پابندی سے قائم رہا، اور ایک





حسین رامی پاشا  
محکمہ جاسوسی کا سرغنہ

نہا کہ بہت سے سر بر آردہ  
شامی، ترکی کے خلاف فرانس  
سے ساز باز کرچکے ہیں۔ مگر  
انہوں نے خیانت کے تمام مجرموں  
سے چشم پوشی کی۔ البتہ عیسائیوں  
سے پوری باز پرس کی گئی۔

جمال پاشا نے صرف شام  
ہی میں نہیں بلکہ تمام جزیرۃ  
العرب میں دینی جہاد کا غلغلہ  
بلند کر دیا۔ کربلا، نجف،  
بغداد کے علماء کی دینی حمیت  
جوش میں آگئی۔ شریف مکہ،  
سلطان ابن سعود، ابن رشید،

امام یمن، تمام امراء عرب کو جہاد کی دعوت دی گئی۔

لیکن نوجوان ترکوں نے بہت جلد دیکھ لیا کہ مسلمانوں اور  
عربوں میں ان کی دعوت کوئی گرم جوشی پیدا نہ کر سکی۔ بلکہ  
جنسی و نسلی اور مقامی مصالح کا تعصب اس کڑے رقت میں  
بھی ان پر غالب رہا۔ وہ سلطنت عثمانیہ اور خلافت اسلامیہ کی حمایت  
و نصرت پر آمادہ نہ ہو سکے۔ ہندوستان اور مراکش کے مسلمان  
انگریزی اور فرانسیسی جھنڈے کے تلے جمع ہو کر آئے، اور ان کے  
سینوں پر بے دریغ گولیاں چلائیں!

اس نامرادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تورانی تحریک کے حمایتیوں  
کو پھر زور حاصل ہو گیا۔ ناچار انجمن اتحاد و ترقی کو ان کے نظام  
عمل پر چلنا پڑا۔

عربوں کی ناعاقبت اندیشی نے  
اور زیادہ ترکوں کو مایوس کر دیا تھا۔  
شام کے چند خرد غرض اور برخود  
غلط افراد طیار ہو گئے کہ اس لڑاک  
وقت سے فائدہ اٹھائیں اور دول  
منتحدہ کا ساتھ دیکر ”عربی  
امارت“ کی بنیادیں قائم کر دیں۔  
بہت ممکن تھا کہ ان لوگوں کے  
انقلابی افکار عامۃ الناس میں  
مقبول نہ ہوتے، لیکن اسی موقعہ  
پر حجاز میں برطانی سازشیں  
کامیاب ہو گئیں اور شریف نے علم  
بغاوت بلند کر دیا۔ جس وقت  
جمال پاشا مصر پر حملہ کی تیاریاں  
کر رہا تھا، اور تمام ساز و سامان  
مکمل ہو چکا تھا، اچانک اُس نے  
دیکھا کہ شریف حسین اور اُس کے  
لڑکوں کی بغاوت نے اس کی تمام  
امیدوں کا خاتمہ کر دیا ہے!

عراق کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ اس  
نے آئے ہی عراقی تحریک کا  
خاتمہ کر دیا۔ ساتھ ہی بکرسامی  
بک کو بیروت کی گورنری پر مقرر  
کیا، جو اپنے تدبیر اور سخت  
گیری میں بہت شہرت رکھتا تھا،  
اس نے کچھ ایسے پیدترے بدلے،  
کہ شامی تحریک بھی سرد  
پڑ گئی، اور پدرس کی مروتھر میں  
جو کچھ طے پایا تھا، اُسکا اکثر  
حصہ کالعدم ہو گیا!

اب جنگ عمری کی خوفناک  
گھنائیں فضا میں پھیل رہی  
تھیں۔ وہ مصیبت سر پر آگئی تھی  
جسکا تصور بھی کبھی انسانی  
دماغ نے نہیں کیا تھا۔

### جنگ عمری کے بعد

سنہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) سے سنہ ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) تک

دستوری نظام حکومت کے کامیاب بنانے اور سلطنت کے مختلف  
عناصر کو مشترک وطنیت و قومیت کے نام پر متحد کرنے میں  
انجمن اتحاد و ترقی کرنا کامی ہوئی۔ اس تلخ تجربہ کے بعد  
اس انجمن کے ارکان میں آئندہ طرز عمل کے متعلق اختلاف پیدا  
ہوا۔ اکثریت ”تورانی تحریک“ پھیلانے کے حق میں تھی اور

اقلیت ”اتحاد اسلامی“ کے فکر  
کو عملی جامہ پہنانا چاہتی  
تھی۔ یہ اختلاف ابھی ختم  
نہیں ہوا تھا کہ عالم گیر جنگ  
کا طبل بج گیا، اور اکثریت کو  
اقلیت کی رائے کے سامنے جھک  
جانا پڑا۔ اب بجز اس کے کوئی  
چارہ کار نہ تھا کہ تمام اسلامی  
عناصر، خصوصاً عربوں کی تائید  
اسلام کے نام پر حاصل کی  
جائے۔

چنانچہ انور پاشا نے عبد  
الرحمن بک الیوسف اور شیخ  
اسعد شقیر وغیرہ کو شام بھیجا  
کہ عربوں کے اسلامی جذبات  
بیدار کریں۔ پھر جمال پاشا نے  
جو شام کے جنگی حاکم تھے،  
عربوں کی مدارات شریعہ کی اور  
عربی تحریک سے اپنی گہری  
دل چسپی اور ہمدردی کا اظہار  
کیا۔ فرانسیسی فاصل خانہ سے  
جو کاغذات دستیاب ہوئے تھے،  
ان سے انہیں صاف معلوم ہو گیا



غازی مصطفیٰ کمال پاشا

(۴)

(A)

یہاں تک مجھے ایک دوسرا دوست، گودا آریف یاد آگیا۔ اس نے

(مترجم)

(P)

پہچوت پرانا راہنمایا ایک اور خیال آیا  
 "نکس جو یہ کاروانی اسی روح کی ہو جسے آج مات میری"

(4)

میں نے دیا ساقی بھائی۔  
 حبیبی! میں گھبرا کر گئے تو ہی سے چلایا اور کہہ رہا ہے  
 لڑکھن بھائی: سر سے پاؤں تک تمام بدن کا آپ دیا تھا شہیدان

صراحی نما ظرف ہے - عرب کہتے ہیں کہ یہ ظرف فراغت کے جواہرات اور طلائی سرمایہ کا مخزن ہے - شرع سے اپنے توجہ کی کوششیں کی گئیں مگر کامیابی نہیں ہوئی - کرنیل لارنس کے ساتھیوں نے بھی ہزاروں گولیاں چلائیں - بعض بعض دفعہ پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے توت کر گر پڑے - مگر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا - نہیں معلوم کس دیوبی یا دیوتا کی یہاں پوجا ہوتی تھی ؟ کرنیل لارنس کی رائے میں مصری دیوبی "ایسیس" کی پرستش ہوتی ہوگی - کیونکہ ہیدوئین کی فرج کشی کے وقت تمام سواحل بحر رزم اسی دیوبی کے سامنے سر بسجود تھے -

یہاں سے چند گز کے فاصلہ پر اصل شہر بیضاری نشیب میں واقع ہے - سطح سمندر سے ۹۰۰ ہزار فیت اونچے محدب حصہ سے شروع ہوتا ہے - رادی کی بلندی صرف ایک ہزار فیت رہ جاتی ہے - اس نشیب میں اس وقت تک شہر کی سڑکیں اور عمارتوں کے آثار باقی ہیں - یہ تمام عمارتیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھیں !

پیٹرا کے رنگ برنگ آثار ہر اُس سیاح کو جو مشرقی دیوار عبر کرینی جرات کرتا ہے ، اپنی جانب مائل کر لیتی ہیں - سورج کی کرنیں ارد گرد کی پہاڑوں کو قوس قزح بنا دیتی ہیں - آنکھیں چمک بلوچستان کی ارغوانی پہاڑوں سے بھی کہیں زیادہ دلکش ہے - پہاڑوں کی سطح سے زعفرانی ، نارنجی ، ارغوانی ، بنفشی رنگ کی لہریں نکلتی رہتی ہیں - غروب آفتاب کے وقت رات کی تاریکی چھا جانے سے پہلے ، ایسا معلوم ہوتا ہے ، گویا طرح طرح کے رنگوں کے کی موجیں اُمتد رہی ہیں !

محمد یحییٰ - ایم - اے - ایل - ایل - بی

وکیل بدایوں

## WANTED.

Urdu Trained Mistresses for the Karachi Municipal Urdu Girls Schools on the following salary :

	Pay	Allowance	Total
1st Year (Junior)	Rs. 50/-	Rs. 10/-	Rs. 60/-
2nd Year	„ 55/-	„ 10/-	„ 65/-
3rd Year (Senior)	„ 65/-	„ 10/-	„ 75/-

The above posts are pensionable and governed by the Municipal Pension & Provident Fund Rules. The appointments will be on 2 years' contract in the first instance. Apply with full details; also age, nationality with copies of testimonials, if any. Applications should reach the Undersigned on or before 1-11-1927. Those already in service, should apply through their authorities under whom they are employed.

Sd. V. G. PRADHAN,

Administrative Officer.

SCHOOL BOARD,

KARACHI MUNICIPALITY, (I H.)

عارضی چہل پہل پیدا ہوگئی - لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد یہ سوگرمی بھی ختم ہوگئی ، اور یہ حصہ پھر شہر خموشاں بن گیا -

خلیج عقبہ کے دہانہ سے ایک پہاڑی اور ریگستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اندرون ملک میں درر تک چلا جاتا ہے - پیٹرا کے کھنڈر عقبہ سے ۹۰ میل کی مسافت پر واقع ہیں - پہاڑوں کے درمیان اس شہر کا محل وقوع ہے - بدر رہنما کے بغیر ان آثار تک سیاح کی پہونچ مشکل ہے - پیٹرا سے شمال کو ۲۰ میل کے فاصلہ پر رادی بحر میت ہے - سیدہ ہاتھ یعنی شرق کی طرف شمالی عرب کا عریض ریگستان ہے - سامنے ارض ادرم یا ادمیا کے پہاڑوں کا وہ سلسلہ ہے ، جو باب الرقیم یا پیٹرا کا پہاڑ کاہلاتا ہے - اس سلسلہ کو قطع کیے بغیر پیٹرا تک پہونچنا محال ہے - دوسری جانب پہاڑی مگر دھالو راستہ ہے - اس پر سے ہو کر نیچے اترتے ہیں - چند گھنٹے کے پہاڑی اور پیچ در پیچ راستہ کے بعد رادی ادرم کا خاتمہ ہو جاتا ہے - سفید ریت کے ٹیلوں کے ختم ہونیکے بعد ایک تنگ درہ ملتا ہے - یہ بلند پہاڑی دیوار کا دروازہ ہے - یہاں پر رادی کی وسعت ۱۲ میل سے کم ہو کر صرف ۱۲۰ فیت رہ جاتی ہے - درہ کی دیواریں ہزارہا فیت اونچی ہیں - عرب اس راستہ کو "شق" کے نام سے پکارتے ہیں - اس شق کی راہ سے سورجوں کے گہرے اور بار برداری کے اونٹ اُفتل و خیزاں راہ طے کیا کرتے ہیں - پتھر پتھر چاروں طرف چھپکلیل لپٹی ہوئی ہیں - ہر ہر قدم پر تنگناے زیادہ رحشتناک ہوتی جاتی ہے - راستہ میں ایک پہاڑی شکاف ملتا ہے جس سے شفاف پانی کا پھ مہ موجزن ہے - عرب کہتے ہیں ، یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت سیدی علیہ السلام نے عصا مار کر اپنے پیاسے ہمرائیوں کے لئے پانی کے چشمے جاری کر دیے تھے - یہ رادی رادی موسیٰ کے نام سے موسوم ہے - رادی اس قدر تنگ ہے کہ اونٹ پر سے دروں طرف کی دیواریں بخوبی چھری جاسکتی ہیں - اکثر جگہ ارد گرد کی پہاڑیاں بلند ہو کر چھت کا کام دیتی ہیں - اس جگہ آسمان بالکل دکھائی نہیں دیتا - سورج کی شعاع بھی یہاں تک نہیں پہونچتی -

(یونانی مندر)

ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد سیاح ایک تیز گھاؤ سے گذرتا ہے - اب نظر کے سامنے ایسا دلغریب اور حیرت خیز منظر آجاتا ہے جو ایک عرصہ تک کیلیے از خود رنگی کی کیفیت طاری کر دیتا ہے - یونانی طرز کا ایک نفیس اور خوش رنگ مندر سامنے نظر آتا ہے - اوسکا دلغریب حسن اور دلکشا طرز حد درجہ متاثر کر بیولا ہے - عہد کہن کے صناعتوں نے پہاڑوں سے کات کات کر یہ خوبصورت عمارت تعمیر کی تھی -

ادرمی پہاڑوں سے یہ عمارت تراشتے ہوئے ، دندانہ دار آلات سے کام لیا گیا ہوگا - اس مندر کی بالائی سطح مختلف رنگوں سے مزین ہے ، اور ریشمی کپڑے کی طرح جھلک رہتی ہے -

دنیا کا کوئی اور پہاڑ تک ، دنیا کے قدیم کے اس خاموش شہر کے دروازے سے زیادہ اثر دالنے والا نہیں ہے - ہندوستان کا سرخ شہر ، فتح پور سیکری بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا - رومانی و یونانی مخلوط فن تعمیر کے طرز پر یہ مندر کم از کم در ہزار سال قبل اس پہاڑی سے طیار کیا گیا تھا - اسکا عہد تعمیر رومانی شہنشاہ ہڈرین کی فرج کشی کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے - اہل عرب میں اس مندر کا نام الخزینه مشہور ہے - لمبے لمبے ستونوں کے اوپر ایک دیو پیکر

نہجہ محمدی برطانیہ نے سرگرمی سے دیکھا اور اپنا اتحاد قرار دے کر مدد کیا، اور نہجہ محمدی شاہ مجاز و نجد و طحاہا نے ہر بائی اس امیر فیصل اپنے فرزند اور نائب کو اپنا اتحاد قرار دیا۔

”مذکورہ بالا تہذیب کی بنا پر، دونوں نمائندوں کی مختاری کا عقد کی صحت سے مطمئن ہو کر، ہر بائی اس امیر فیصل بن عبدالعزیز اور سرگرمی و کلنگم کلین نے حسب ذیل شرطیں پر اتفاق کیا ہے:

شرط اول۔ نہجہ محمدی برطانیہ، نہجہ محمدی شاہ مجاز و نجد و طحاہا کی کابل اور بے قید و خود مختاری کا اقرار کرتے ہیں۔

شرط دوم۔ نہجہ محمدی برطانیہ اور نہجہ محمدی شاہ مجاز و نجد و طحاہا کو باہن امن و امان اور دوستی برقرار رکھنی۔ طرفین عہد کرتے ہیں کہ باہم عزت و تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے، اور اپنے جملہ وسائل و مسلحی رہنمائی کے اپنے ملک کو ایسے غیر قانونی اعمال کے لئے مستعمل ہونے نہ دیں گے دوسرے فرقہ کے ملک میں امن و امان اور سکون کے خلاف ہوں۔

شرط سوم۔ نہجہ محمدی شاہ مجاز و نجد و طحاہا وعدہ کرتے ہیں کہ برطانیہ کی جملہ سلطانی رعایا یا اس کے زیر حمایت مسلمان باشندوں کے لئے غرض جی کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں گے، جیسا کہ باقی تمام علاج کے لئے کرتے ہیں۔ نیز نہجہ محمدی وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی جان و مال کو ان کے قیام مجاز کے دوران میں ہر طرح امنیت حاصل ہوگی۔

شرط چہارم۔ نہجہ محمدی سلطان مجاز و نجد و طحاہا وعدہ کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا حاجیوں میں سے جو لوگ ان کی سرحدوں میں قوت ہو جائیں گے اور جن کے شرعی دار و ستار نہجہ محمدی کے ملک میں موجود نہ ہوں گے، ان کا ترکہ جہ میں برطانوی نمائندے یا اس کے نائب کے حوالہ کر دیا جائے گا، تاکہ متوفی کے متقی داروں تک پہنچا دیا جائے لیکن یہ حوالگی اس شرط کے ساتھ عمل میں آئے گی کہ پہلے نہجہ محمدی سلطان کی خاص عدالتوں کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو جائے اور مجازی قوانین کے مطابق لازمی محمول وصول کر لیا جائے۔

شرط پنجم۔ نہجہ محمدی شہنشاہ برطانیہ، نہجہ محمدی سلطان مجاز و نجد و طحاہا کی جملہ رعایا کے لئے مجازی اور نجدی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ نہجہ محمدی برطانیہ کے مقبوعات اور زیر حمایت ملک میں پائے جائیں اسی طرح نہجہ محمدی سلطان مجاز و نجد و طحاہا بھی برطانیہ کی رعایا یا ان کے زیر حمایت باشندوں کے لئے برطانیہ جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ مجاز و نجد و طحاہا کے مالک میں پائے جائیں گے۔ اس میں ان بین الاقوامی قوانین کا لحاظ کیا جائے گا جو خود مختار حکومتوں کے مابین نافذ ہیں۔

شرط ششم۔ نہجہ محمدی سلطان مجاز و نجد و طحاہا عہد کرتے ہیں کہ کویت بحرین، اور ساحل عمان کے مشرق کے حصہ جو ان کو ملحوظ رکھیں گے جن سے برطانیہ کے خاص معاہدات ہو چکے ہیں۔

شرط ہفتم۔ نہجہ محمدی شاہ مجاز و نجد و طحاہا عہد کرتے ہیں کہ اپنے تمام وسائل سے غلامی کے سدا ب میں برطانیہ کی مدد کریں گے۔

شرط ہشتم۔ معاہدہ کرنے والے فریقین پر لازم ہو کہ جلد سے جلد یہ معاہدہ نافذ کریں اور منظوری کے کاغذات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ معاہدہ اس دن سے نافذ ہوگا، جب منظوری کے کاغذات کا باہم مبادلہ عمل میں آجائے گا۔ معاہدہ اس تاریخ سے، جس تک نافذ نہ ہوگا۔ لیکن اگر فریقین میں سے کوئی فریق بھی سال گزرنے کے بعد یا مینہ پہلے یہ اعلان نہ کرے گا کہ وہ معاہدہ باطل کر دینا چاہتا ہے، تو اس صورت میں معاہدہ برابر نافذ رہے گا۔ معاہدہ اسی وقت باطل ہوگا، جبکہ نہجہ محمدی سلطان اس کے ابطال کا کوئی فریق باضابطہ اعلان کرے۔

شرط نہم۔ نہجہ محمدی شاہ مجاز و نجد و طحاہا اور نہجہ محمدی سلطان مجاز و نجد و طحاہا

کے درمیان جو معاہدہ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا تھا، جبکہ نہجہ محمدی صرف نجد کے حاکم تھے، اب وہ اس نئے معاہدے کے بعد کا دعویٰ ہو گیا۔

شرط دہم۔ یہ معاہدہ دونوں عربی اور انگریزی میں قلم بند کیا گیا ہے۔ دونوں دستاویزوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔ لیکن اگر کسی عبارت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو تو انگریزی دستاویز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شرط یازدہم۔ یہ معاہدہ، معاہدہ جہد کے نام سے موسوم ہوگا۔

یہ معاہدہ جہد میں ۱۸ روز جمعہ تاریخ ۱۸ اردی قعدہ ۱۳۳۴ ہجری مطابق ۲۰ مئی ۱۹۱۵ء میں طے پایا۔

معاہدہ جہد پر بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ معاہدہ بالکل دیکھا ہے جیسے معاہدے دنیا کی تمام ہم رتبہ خود مختار سلطنتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ سلطنت نجد و حجاز کابل طور پر خود مختار تسلیم کر لی گئی، بلکہ شرط پنجم کی دوسرے تمام بین الاقوامی حقوق بھی حاصل ہو گئے۔ نجد و حجاز کی جدید تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ان کے باشندوں کی مستقل حیثیت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملکوں کے تعلقات برطانیہ سے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پر قائم ہو گئے، جیسا کہ اسی شرط کے آخر میں بالتصريح مذکور ہے۔ اب برطانیہ کے وہ امتیازات بھی باقی نہیں رہے جو مروج سلطنت عثمانیہ نے اپنے ملکوں میں اسے بخش رکھے تھے اور جواب تک حجاز میں اور کسی حد تک نجد میں بھی برقرار تھے۔

اس معاہدے میں حاجا بجا سلطان مجاز و نجد و طحاہا کے لفظ آئے ہیں۔ طحاہا سے مقصود وہ تمام علاقے ہیں جن پر سلطان ابن سعود کا قبضہ یا حمایت ہو۔ مثلاً ملک حجاز جو حال ہی میں اپنی رضا و رغبت سے حضرت شیخ سوئیسی کے مشورہ پر، ان کی حمایت میں آگیا ہے۔

#### مسئلہ سولہ

معاہدے کے ساتھ چند غصے بھی ہیں۔ یہ بھی شایع ہو گئے ہیں کہ ضمیمہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ بحرا بحر کو اس بین الاقوامی قانون سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرے گا، جو ہتھیاروں کی فروخت کے متعلق ہے۔ آپ کے قارئین واقف ہونگے کہ یورپ کی دہل علی نے مشرقی قوتوں کو کمر در رکھنے کے لئے ایک قانون بنا رکھا ہے، جس کی رو سے ہتھیار مشرقی مالک، جن میں ایران اور مالک عرب بھی داخل ہیں، سمندر کی راہ سے اسلحہ خریدنے کے حق سے محروم کرنے گئے ہیں۔ یقیناً سلطان ابن سعود کا تمام مشرقی دنیا خصوصاً عربی مالک پر بہت برا احسان ہوگا اگر ان کی کوشش سے بحرا بحر اس جابرانہ قانون سے مستثنیٰ ہو جائے اگر اس کوشش میں کامیابی ہوگی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ عربی مالک کی جنگی قوت بہت بہتر ہو جائے گی۔ ایک قریبی فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بین الاقوامی کی حرص و طمع سے محفوظ ہو جائے گا جو اس پر بہت جلد باقہ صاف کرنا چاہتا ہے۔

#### عقیدہ معان

ایک دوسرے ضمیمہ میں عقیدہ معان کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں علاقے شریعت علی نے اپنی مختصر حکومت کے زمانے میں برطانیہ کے حوالے کر دیے تھے۔ سلطان ابن سعود کو اس کا رد والی پراقرض تھا۔ ان کا اقرضہ یہ تھا کہ یہ فعل ایک مفرد حاکم کا ہے، جس کی حکومت کی بنیادیں ایک دن کے لئے بھی استوار نہیں ہوں، اور جب علما ایک شہر (جہد) سے زیادہ حصے پر اقتدار حاصل نہیں تھا تو صرف ایک برطانیہ کو اس اقرضہ کی حاکمیت۔ سرانجام وہاں، اگر اب اس اصل اقرضہ تسلیم کر لیا ہے۔ اور بحث کسی دوسرے موقع کے لئے تھوکی کر دی ہے۔ بلاخبر اس وقت عقیدہ معان کا مسئلہ حل نہیں ہوا، لیکن اس کے حل کے لئے راستہ کھل گیا ہے۔ ہیں امید ہے کہ سلطان ابن سعود

جلد یہ دونوں علاقے برطانیہ سے واپس لے لیں گے، کیونکہ یہ حجاز کی حفاظت کے لئے از حد ضروری ہیں۔ اور حدود حجاز میں داخل ہیں۔

#### معاہدہ کی کامیابی کے اسباب

قلم روکنے سے پہلے چند الفاظ ان اسباب کے بیان میں بھی ضروری ہیں جو اس معاہدہ کا موجب ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت تمام دنیا پر روشن ہو کہ برطانیہ مدت سے کوشاں ہے کہ کسی طرح یورپ کے عرب خصوصاً حجاز پر قابو حاصل کرے۔ شریف حسین کے ساتھ اس کے معاہدے اور اس اٹلی کے ساتھ سمجھوتہ اس حقیقت کا تازہ ثبوت ہے۔ تاہم وہ ایک تہہ پھر مجبور ہو گیا کہ ایسا ایک معاہدہ منظور کر لے جو اس کی پرانی آرزو کے صریح خلاف ہو۔

اس کے تین اہم سبب ہیں:

(۱) سلطان ابن سعود نے پچھلے چند سالوں کے اندر غیر معمولی قوت حاصل کر لی ہے۔ فتح حجاز کے بعد شریعت کی حمایت نے انھیں عربی ایسا طاقتور حکمران بنا دیا ہے کہ برطانیہ آسانی سے مغلوب نہیں کر سکتا عرب کی سرزمین پر اب ایک ایسی قوت کے طعن نے برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ یا تو عرب کے ساتھ مصفاہ بنا دے، یا مدت تک کے لئے عرب میں اپنے تجارتی و سیاسی مفاد سے ہاتھ دھو لے۔ سلطان ابن سعود کو ناخوش کرنے کا نتیجہ اس کے ہوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک طرف وہ عراق کی طرف تھیں، دوسری طرف شرق اردن پر نظر آ رہا اور تیسری طرف خلیج فارس کے نیم برطانیہ علاقوں پر حملہ آور ہو جائیں عرب کے حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عراق، شرق اردن، اور خلیج فارس کے اکثر عرب علاقوں میں تمام بددی ابادیاں سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہیں، اور قریب قریب، نجدی دعوت قبول کر چکی ہیں۔ سلطان کا ایک اشارہ ان مالکین قیامت بربا کرے سکتا ہے۔ برطانیہ کی قوت کتنی ہی عظیم ہو، مگر وہ اپنا نادان نہیں ہو کہ نیٹے جھلے یہ تمام بلائیں اپنے سر پر نازل کیسے ہوں گی اس کی مصیبت یہ تھی کہ سلطان ابن سعود سے تعلقات خوشگوار لکھے اور ان کی کابل خود مختاری کے خلاف کوئی جذبہ ظاہر نہ ہونے لے۔

(۲) شام کی حکمرانری نے عربی مالک میں فرانس کو برطانیہ کا رقیب بنا دیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یورپ میں برطانیہ سیاست نے فرانس کو سخت شکست دی ہے۔ اور اسے اس کے تمام دستوں سے محروم کر کے لاچار کر دیا ہے۔ فرانس اس سبب برطانیہ پر دانت میں نہا ہے اور مشرق میں اس سے انتقام لینے پر تل گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چین میں برطانیہ کی مخالفت کر رہا ہے، دوسری طرف عرب میں سلطان ابن سعود سے راہ دہم پیدا کر رہا ہے۔ برطانیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اسے اس موقع پر ذرا سی بھی غفلت کی تو بہت جلد فرانس اس پر بازی لے جائے۔

(۳) بالشویک روس نے پچھلے دنوں عرب سے بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بالشویک دعوت کا ایک مرکز حجاز میں بھی قائم کر دیں، تاکہ یہاں سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اس کی آتشا ہو سکے۔ برطانیہ اس وقت روس سے از حد خائف ہے۔ اس کا زیادہ معلوم کر کے بالکل بدحواس ہو گیا، اور بے تحاشا کوشش شروع کر دی کہ دوستانہ معاہدہ منعقد ہو جائے۔ معاہدہ کی دوسری شرط کا تعلق غالباً اسی چیز سے ہے۔

غالباً اس فیصلے کے بعد معاہدہ جہد پوری روشنی میں آجائے گا اور اس کے فہم میں کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔ آئندہ کم و بیش ان اصطلاحات پر بحث کر دیں گا جن کا اس وقت تجلّز میں اجراء در پیش ہے۔



## برید شرق

### مکتوب حجا

(الہلال کے مقالہ نگار تقیم جہ کے قلم سے)

تھی۔ اس لئے مجبور ہو کر انھوں نے یہ معاہدہ منظور کر لیا تھا۔ لیکن جنگ کے چند ہی سال بعد وہ اس سے بے پروا ہو گئے، اور فرانس سے تجارتی تعلقات قائم کر لئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ حجاز پر بھی یورش کردی، اور برطانیہ کے پروردہ اقتدار شریف حسین اوداس کے خاندان کو خارج کر دیا!

اب گویا عملاً کوئی معاہدہ بھی متحدہ اور برطانیہ کے درمیان موجود نہ تھا۔ حالات میں انقلاب عظیم واقع ہو چکا تھا، اور اس لئے جدید معاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے گذشتہ ماہ مئی ۱۹۱۶ء میں گت و شینڈ شروع ہوئی اور اب ۲۲ ستمبر سنہ رواں کو تکمیل کے بعد اعلان ہو گیا ہے۔

اصلی معاہدے کا لفظی ترجمہ جیل ہے:

”ہنر محشی شاہ برطانیہ، آئرلینڈ، برطانیہ مقبوضات اور الجزائر اور شہنشاہ ہندوستان نے ایک جانب سے، اور ہنر محشی شاہ حجاز نجد و طحا تانے دوسری جانب سے، اپنے باہمی دوستانہ تعلقات کے استحکام اور اپنے مصلح کی حفاظت کے خیال سے غم کیا ہے کہ باہم دوستی اور حسن تفاهم کا ایک معاہدہ منعقد کریں۔ چنانچہ اس غرض کے

(۸)

میرے دوست نے لفاظی اٹھا لیا، اور کاہنچے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اس کے اندر حجبیل سطریں مرقوم تھیں:

”میرے پیارے دوست ساروتون!

”بھئی معلوم ہو ہماری مالی حالت کس درجہ بگڑ چکی ہے مختصر لفظوں میں واقعہ یہ کہ کیرا بھائی دیوالیہ ہو گیا ہے۔ کل اس کا تمام سامان نیلام ہو جائے گا۔ تم جانتے ہو، اس کی دکان میں تابوتوں کے ہوا کچھ نہیں ہو (کیونکہ شہر کے لئے دیہی تابوت مہیا کرتا ہے) اب ہمارے لئے نقد وفاقہ کے ہوا کچھ باقی نہیں! ہمارے خاندان کے بچوں کے بعد ملے کیا ہو کہ تجھے تابوت بھی راتوں رات بٹھائے جاسکتے ہیں! نکال دئے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں۔ چنانچہ اپنے قلم و ہنر کے یہاں ایک ایک تابوت بھجوا ہے۔ ایک تابوت تھکے یہاں بھی رکھوا دیتے ہیں۔ تم مطمئن ہو، ایک ہفتہ سے زیادہ بھیلوں کی حفاظت کیا کرنی پڑے گی، اور ہم ان کے لئے تھکے اور تمام دوستوں کے نہایت شکریہ ادا کریں گے۔ تمھارا مخلص ”ایمان گوین“

(۹)

اس واقعہ کے بعد تقیم جہ نے کس پر اپنا اصل کلام لکھا۔ ایک کتاب کی حالت ہو کہ جب بھی شام کو گھر لوٹتا ہے، تو وہ دانیہ پر رخت سے ٹکراتا جاتا ہے۔ کمرے میں تابوت کا منتظر آ جا کر لٹا ہے۔

#### معاہدہ جہ

تاریخ الہلال واقف ہوں گے کہ متحدہ اور برطانیہ کے باہم ۱۹۱۶ء میں ایک معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اس معاہدے میں بعض دفعات ایسی تھیں جن سے نجد کی خود مختاری پر پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔ مثلاً اس میں ایک شرط یہ تھی کہ حکومت نجد، برطانیہ کے ہوا کسی دوسری سلطنت سے سیاسی گفت و شنید نہیں کرے گی اور نہ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرے گی۔ یا یہ کہ سلطان نجد، حجاز کی طرف پیش قدمی نہیں کرے گی اس کے معاوضہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی حلوں کو اپنے مقبوضات کی حفاظت کرے گا۔

اگرچہ سلطان ابن سعود نے کبھی برطانیہ کو اپنے ملک میں دخل کا موقع نہیں دیا، تاہم بیرونی دنیا میں حالات سے بے خبر لوگوں کو معاہدے کی شرطیں سمجھ کر شبہ ہوتا تھا کہ نجد، برطانیہ کی حمایت اور سرپرستی میں ہے۔

در اصل مسئلہ کا معاہدہ جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا سلطان کو برطانیہ اور اس کے اتحادیوں، خصوصاً شریف حسین کی طرف سے سخت خطرے درپیش تھے۔ جو مبنی اور ترکی سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔

چوٹ محسوس کرتے ہیں۔ ضرور جاگ رہی ہیں۔ ہم نے جو تابوت دیکھیں یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا دم و خیال نہیں ہے۔ اب بتلاؤ، کیا کریں؟

ہم اب مکان کی سیڑھی پر آ کے کھڑے ہو گئے، اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہئے؟ آخر طے ہوا کہ ہمت کر کے اوپر چلیں، اور نوکر کو جگا کر کمرے میں جائیں۔

(۱۰)

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم بچے بچے چلے۔ واقعی کمرے کے صحن وسط میں ایک تابوت رکھا تھا۔ اُس پر سفید ریشین جادو پڑی تھی کناروں پر سونے کے ناروں کا کام تھا۔ جا بجا چاندی کے پھول لپٹے تھے!

تابوت دیکھ کر نوکر نے اپنے سینو پر صلیب کا نشان بنایا۔

”اب ہم حقیقت معلوم کر لے سکتے ہیں“ میرے دوست نے رنگ دکھا کر کہا، کیونکہ وہ پورے جسم سے کانپ رہا تھا۔ دیکھنا چاہتا تھا کیا ہے؟ تابوت غالی ہوا یا اس میں کوئی لاش بھی ہے؟

بڑے پیش دہشی کے بعد ساروتون نے ہمت کی۔ چند قدم آگے بڑھا، اور تابوت کا ڈھکنا اٹک کر کھینچا۔

ہم نے جھک کر دیکھا۔ تابوت بالکل غالی تھا۔ فرش کی جگہ ایک لٹا ہوا تھا!

حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، اور میرے قریب رہتا تھا وہ بھی میرے ساتھ روحانی جلسے میں شریک تھا۔

میں نے تجاش اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔

لیکن میں ابھی زینے پر تھا، کہ اوپر سے خوفناک شہ سنائی دیا۔ ایسا معلوم ہوا، جیسے کوئی آدمی بدحواسی سے ابھرا اور دوڑ رہا ہے۔

اعد زور زور دیا دل زمین پر مار رہا ہے۔

تو رہی ایک دہشت ناک آواز میرے کانوں میں آئی:

”مدد! مدد! دوڑو! دوڑو!“

اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے بے تحاشا گرتا ہوا چھٹک چکا۔

”ساروتون! ساروتون! دوست! تم ہو؟ کیا ہوا؟“ میں نے بے اختیار چلا اٹھا۔ کیونکہ یہ شخص میرا دوست ساروتون ہی تھا۔

زینے پر دھندلی روشنی تھی۔ ساروتون نے آتے ہی دیوانہ وار میرے مونہ پر پکڑ لیا۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں عجیب قسم کی وحشت ظاہر کر رہی تھیں!

”ساروتون!“ میں پھر چلا۔

”دیکھو!“ اس کی لڑتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ ”دیکھو!“

”تم ہو تم؟ کیا واقعی تم ہی ہو؟“

اُس نے مجھے بغور دیکھا اور لمبی سانس لی۔

”یہ بھئی کیا ہو گیا ہے؟ مرنے کی طرح پیلے پڑ گئے ہو۔ اُت، تمھاری صورت کسی ڈراؤنی ہو رہی ہے؟ خدا دا بتلاؤ کیا ہوا؟“

اُس نے مجھے بغور دیکھ کر کہا۔

”اور یہ تمھاری حالت کیا ہو رہی ہے؟ بالکل مردہ معلوم ہوتے ہو؟“ میرا جواب تھا۔

”بھڑک! اُس نے جلدی سے کہا ”دراؤم لینے دو۔ آہ میں اس وقت تم سے مل کر کتنا خوش ہوا ہوں؟ جان جالتے جالتے بھی۔ محض اُت اور دارج کے جلسوں پر خدا کی نعت! علم الارواح پر ہزار نعمتیں! اُس جلسے نے نہیں معلوم میرے لئے کیسی کیسی ہولناک چیزیں پیدا کر دی ہیں؟ کیا تم یقین کرو گے کہ جو مبنی میں اپنے کمرے میں داخل ہوا۔“

اُن کیسا ڈراؤنا منظر! میں نے دیکھا، کمرے کے صحن وسط میں ایک تابوت رکھا ہے!“

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ یہ تو بعینہ خود میری سرگشت تھی میں نے چیخ کر چوچا:

”تابوت! کیا کہتے ہو؟ تابوت!“

اُس نے صاف لفظوں میں کہا۔ ”تابوت! ایک حقیقی تابوت! میں بزدل نہیں ہوں۔ لیکن اس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہو جائے گا“

میں پھر خوف سے کانپنے لگا۔ میں نے یہ مشکل اپنے دونوں شاہیے اُس سے بیان کئے۔ میں نے کہا۔ ”خدا! عجیب طبع کی ہولناکی! میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اپنے دوست کے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اور اب تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہے۔“

”.....“

(۱۱)

ہم دونوں مکان کی جو کھٹ پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں ہسوت تھے۔ ہمیں خیال ہوا، شاید ہم سو رہے ہیں۔

پیشہ بہ یک وقت دونوں کے دماغ میں گرا، اس لئے ایک دوسرے کو کھٹے مارنے لگے تاکہ معلوم کریں، ہم واقعی جاگ رہے ہیں یا عالم خواب میں ہیں!

”نہیں، ہم خواب میں نہیں ہیں“ ساروتون نے کہا۔ ”ہم گئے کی

۱۲۵ھ میں اس کے والد علاؤ الدین کے قاضی مقرر ہوئے۔ جت بھی ساتھ گیا اور تعلیم حاصل کرنا رہا۔ اس کے والد چونکہ فارغ التحصیل عالم تھے، اس لئے شروع ہی سے اسے فارسی، عربی، اور دینی علوم کی تعلیم دے گئی۔ آئندہ سے واپس آنے کے بعد اس نے آستان کی تاریخی مسجد "جامع فارغ" میں دینی علوم کی تکمیل کی اور فارسی میں بھی کابل و مارت حاصل کر لی۔

جب ۱۲۵ھ میں حکومت نے "مدرسہ عرفانیہ" جاری کیا اور منتخب ہوئے، طالب علم اس میں داخل کئے گئے، تو ان میں ایک دہت آفندی بھی تھا۔ لیکن اس نے جلد دیکھ لیا کہ اس مدرسہ کے طالب علم اس کے برابر قابلیت نہیں رکھتے، اور تعلیم بھی بہت معمولی درجہ کی ہے، اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر چھوڑ دیا۔

#### عملی زندگی

۱۲۵ھ میں اس نے اپنی تعلیم ختم کر لی۔ مگر اس کی عملی زندگی، اس سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ کم عمری ہی سے سرکاری فطر میں ملازم ہو گیا تھا۔ دفتر کا کام بھی انجام دیتا اور تعلیم بھی جاری رکھتا۔

لیکن ۱۲۵ھ میں اس نے خالص عملی زندگی میں قدم رکھا۔ ۲۵۰۰ قریشی تنخواہ پر اسے ایک مستقل جگہ مل گئی۔ یہ ولایت شام میں سرکاری کاغذات کی تحریر کی جگہ تھی۔ دو تین برس تک اسی جگہ پر مامور رہا۔ پھر ۱۲۵ھ میں سامی باشا دالی تونین کے دفتر میں لیا گیا۔ ۱۲۵ھ میں اسی دالی کے ساتھ صوبہ مستطینہ میں گیا۔ ۱۲۵ھ میں مستطینہ واپس آیا اور اسی زمانہ میں اس کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد اسے وزیر اعظم کے دفتر میں انشاء و کتابت کی معزز جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے لچمانے سے اسپر عالی اور مرکز بنی سنا۔ کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ حکومت کے ممتاز اور ذمہ دارانہ مناصب پر مامور ہونے لگا۔

#### تفتیش (انکیشن)

۱۲۵ھ میں حلب شام کے جنگی خانے میں سخت نظمی پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ خزانہ حکومت کے ۲۰۰ قہیلے غائب ہو گئے۔ اس معاملہ کی تفتیش کے لئے دہت آفندی بھیجا گیا۔ اس سے خطہ طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ عربی مالک کے سپہ سالار اعظم محمد باشا قرصلی کے طرز عمل کی بھی تحقیقات کرے۔ ۶۰ مہینے کی محنت کے بعد اسے ثابت کر دیا کہ آفندی کے "تخلیل" نہیں، بلکہ ہزار قہیلے چوری ہو گئے ہیں۔ چور کا بھی پتہ چلا، اور اس سے ایک ہزار ۴۰۰ قہیلے وصول کر لئے۔ نیز ناقابل رد و غائبی سے ثابت کر دیا کہ سپہ سالار نے قوم و دروئے کے معاملے میں سخت غلطی کی ہیں۔

#### مجلس والا کی صدارت

وزیر اعظم رشید باشا نے دہت آفندی کی اس خدمت کی بہت تعریف کی۔ عرب کا سپہ سالار معز دل کر دیا گیا۔ اور دہت کو ۱۲۵ھ میں مجلس والا کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ منصب اس کی فطری اور غیر فطری انتظامی قابلیت کے نطو کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کی قابلیتوں کے ایسے نمایاں ثبوت ملے کہ وہ رشید باشا، عالی باشا، رشیدی باشا وغیرہ اور کان سلطنت کا مقبول ترین گیا۔ چنانچہ جب سلطنت کے خطر کے لئے روسی پرس بجائیں، مستطینہ آیا، تو معاہدوں کی تحریر بھی اس کے سپرد کی گئی جو بہت جلدی ذمہ داری کا کام تھا۔

#### ارکان حکومت کی مخالفت

اب ترقی کرتے کرتے، دہت آفندی اہل میں بہت نامور ہوئے۔ عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ ۱۲۵ھ میں محمد باشا قرصلی، وزیر اعظم

کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کا اکثر حصہ ایک ایک دو دو سطر کے مختلف اوقات میں لکھا گیا ہو، اور بہت سے مقامات میں نامقام جملوں اور غلطیوں پر قلم کی کشن رک گئی ہو۔ وہ قلم اندک اندک کشن کے نیچے چھپا کر رکھ دیا کرتے تھے، اور جب بھی پاساؤں کی سنگاہوں سے ملت لیتی تھی، لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا ہوا کہ پوری دو سطریں بھی نہیں لکھنے پاتے تھے کہ کسی آدمی کی آہٹ ملتی دیتی، یا باہر سے باتوں کی آواز آنے لگتی، اور وہ قلم کا غد چھپا دینے پر مجبور ہو جاتے!

"میں اس حالت میں بھی جبکہ موت سانسے تھی، زندگی و دہت کے تمام وسائل معقولہ ہو چکے تھے، ضعف پیری اور امراض کے آلام سے قوی معطل ہو رہے تھے، (در ایک جاہر و مستبد پادشاہ اداس کے رذیل اور جرائم پیشہ حکام ہران اس کے انفا جس حیات کم کرنے کے درپے ہو رہے تھے، وہ اپنی قوم اور ملت کی خدمت سے بے فکر نہیں ہوا، اور محض اس امید بھروم سے کہ شاید اس کے لکھے ہوئے اوراق کسی دہت قوم کی نظروں تک پہنچ جائیں، اس نے اپنی زندگی کے تمام تجارب و انکار ظہن کر لئے۔ عین اس وقت جبکہ عبد الحمید اس کی موت کے مسائل پر غور کر رہا تھا، وہ قید خانہ کی کوٹھڑی کے اندر ان مسائل کے ظہن کرنے میں مشغول تھا جن کے ذریعہ عبد الحمید کا عرش مملکت موت کے خطرات سے نجات پاسکتا تھا!

"میرے والد نے یہ کتاب قید خانہ میں لکھی، اور اس کا ایک حصہ ستمنا میں اپنے اہل دیال کے پاس بھجوا دیا۔ یہ ابتدائی حصہ اور بعض خطوط تھے اپنی والدہ مرحومہ سے لے گئے، اور میں نے انھیں ایک مقدس تذکرہ سمجھ کر محفوظ رکھا تھا۔ چند سال پیشتر میں نے یورپ میں جو کتاب مرحوم کے قاتل حیات پر شائع کی تھی، وہ انہی اوراق سے مرتب کی گئی تھی۔

"یہ اس شخص کا اثر ہے جو ۱۲۰۰ھ رجب ۱۲۵ھ ہجری کی رات کے ۶ بجے دینے انگریزی گھڑی کے حساب سے بارہ بجے) عبد الحمید کے حکم سے قید خانہ طائف میں گلا گھونٹ کر ہلاک کر دالا گیا۔ اس نے کہا کہ ڈالا گیا، کہ وہ ظلم و استبداد کا مخالف تھا، اور عدل و دستور کا داعی تھا۔ آج جبکہ تمام مملکت شہنائہ قیام دستور کے یادگار کی تحویل منارہی ہو، بیجا نہیں اگر میں یہ امید کروں کہ دستور عثمانی کے اس شہید کی یاد پر قوم کے دل میں تازہ ہو جائے!"

#### سوانح حیات

دہت باشا کی اسی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہم مختصر اس کے حالات نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان خطوط کا ترجمہ درج کر دیتے جو قلم طائف سے بھیجے گئے تھے۔

#### ابتدائی تعلیم

دہت باشا ابن قاضی حاجی حافظ محمد اثرن

صفر ۱۲۵ھ میں بہ مقام مستطینہ پیدا ہوا۔ والدین نے ناصر شفیق نام رکھا تھا۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور حافظ شفیق کہلائے لگا۔

۱۲۵ھ میں اس کے والد علاؤ الدین کے قاضی مقرر ہو گئے۔ یہاں اس نے لکھنا سیکھا، اور ایک برس بعد جب وہ واپس ہوا، تو والد باشا وزیر خارجہ کے حکم سے دیوان ہالوی میں داخل کر لیا گیا۔ یہاں اسے اس قسم الخط کی مشق کی جو اس محکمہ کے لئے خاص ہو۔ اس محکمہ کی فطری صلاح کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تمام فارغ التحصیل طلبہ کو ایک طوطا نام بالغ بے دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اسے حافظ شفیق کے لئے بھی ایک ایسا نام تجویز کیا۔ یہ دہت تھا، اس دن سے شفیق کی جگہ دہت کے نام سے پکارا جانے لگا۔

سینہ میں پھیلے، اور وہ بھی مناسب کی نظر ہے۔ علی حیدر نے خود نوشتہ سوانح عمری کا جو مسودہ اپنی والدہ سے ملا تھا، وہ نام نہاد تھا، اور کچھ نہ نہیں چلا تھا کہ اصل میں نام نہاد تھا، یا اس کے بقیہ اوراق شائع ہو گئے تھے۔ اعلان دستور کے بعد یکایک یہ خبر ترکی اخبارات میں چھپی کہ "وصفی آفندی میرا اوراق (دیکھاؤ کیسے) طائف نے ۱۲۵ھ کے بعد، طائف کے ایک بارغ بردن شہر سے وہ اپنی صندوق نکالا ہے، جس میں دہت باشا کی خود نوشتہ کتاب محفوظ تھی۔ وصفی آفندی نے دہت باشا کے قتل کے بعد ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۲۵ھ کو زمین میں فن کر دیا تھا۔" وصفی آفندی نے یہ صندوق علی حیدر کے حوالہ کر دیا تھا۔

سے معلوم ہوا کہ دہت باشا نے اپنی کتاب مکمل کر لی تھی، اور احتیاطاً اس کی دو نقلیں بھی، اپنے رفیق حبس شیخ خیر آمد آفندی (سابق شیخ الاسلام) سے کراہے تھیں تاکہ اگر اصل نسخہ محفوظ نہ رہ سکے تو اس کی نقل موجود رہے۔ اصل نسخہ کا ابتدائی حصہ بدفعا تخریب ہو گیا، بقیہ اجزاء ابھی نہیں بھیجے گئے تھے کہ ۱۲ رجب ۱۲۵ھ ہجری کی وہ ہولناک رات آگئی جو مرحوم اور اس کے ساتھی محمد باشا و ادا کے قتل کی رات تھی۔ اس طرح مرحوم کو بقیہ اوراق بھیجے کا موقع نہیں ملا۔ یہ اوراق قتل کے بعد قید خانہ کے حکام کو مل گئے تھے اور مستطینہ بھیج دیے گئے تھے۔ لیکن ان کی دو نقلیں خیر آمد آفندی کے پاس نہ گئی تھیں۔

خیر آمد آفندی نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ دونوں نسخے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ اسے ایک نسخہ اپنے معتمد دوست کمال آفندی شیخ تکیہ آستانہ تک پہنچانے کے لئے ایک شخص مصطفیٰ آفندی نامی کے سپرد کیا، اور دوسرا طائف کے ڈاکٹر فخری سے کو دے دیا۔ پہلا نسخہ کمال آفندی تک پہنچ سکا اور مصطفیٰ آفندی کا انتقال ہو گیا۔ لیکن دوسرا نسخہ ڈاکٹر فخری نے وصفی آفندی میرا اوراق طائف کے سپرد کر دیا۔ وصفی آفندی دہت باشا کی جماعت سے ہمدردی رکھتا تھا اور دل سے اصلاح پسند تھا۔ اس نے اس امانت کی قدر کی، اور ایک آہنی صندوق میں بند کر کے شہر کے باہر دفن کر دیا۔

#### دہت باشا کی خود نوشتہ سوانح عمری

علی حیدر نے انقلاب کے بعد مستطینہ لایا تھا۔ اس نے اس مسودہ کا پچھلے مسودہ سے مقابلہ کیا، اور ترکی میں ایک نئی کتاب ترتیب کر کے مستطینہ میں شائع کر دی۔ یہ دہت باشا کی سرگزشت حیات کا مکمل مجموعہ ہے۔ اس میں اس کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، قید خانہ طائف کے تمام خطوط ہیں، اصلاح نظام حکومت کی تمام یادداشتیں ہیں اور آخر میں چند ضمیمے ہیں جن سے کتاب کے بعض تفصیل طلب مقامات کی مزید تشریح ہو جاتی ہے۔

علی حیدر تک اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے: "ایک ایسے موقع پر جبکہ میری قوم قیام دستور کی یادگار مناسبتی ہو (جولائی ۱۲۵ھ) میں اپنے والد مرحوم کی خود نوشتہ سوانح حیات کا ہدیہ اس کے سامنے پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ یہ عبرت و موعظت کا ذریعہ ہوگا!"

"جب ہمارا وطن عزیز اپنی صد سالہ عظمت و شوکت کی بلندیوں پر تزلزل کے قعر زلزل میں گر رہا تھا، اور عدل و نظام کے نقدان نے امید و مراد کے تمام دروازے بند کر دیے تھے، تو اس وقت ان اوراق کا مصنف ملک ملت کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کے قابل ۴۵ سال اس راہ میں بسر کئے۔ یہاں تک کہ اسی کی راہ میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر ڈالی!

"میرے والد نے یہ اوراق قلم طائف کے قید خانہ میں اس وقت لکھے تھے، جبکہ وہ حویلی مجرموں کی طرح ایک تنگ کوٹھڑی میں قید تھا۔ اور قاضی و دفائی پاساؤں کی سنگاہیں ہر وقت اس پر لگی رہتی تھیں۔

# تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

## مدحت پاشا

### شہید حریت و دستور

(۱)

ترکی اصلاح و تجدید کی تحریک سلطان محمود صلیح کے زمانے میں شروع ہوئی، اور سلطان عبدالعزیز کے عہد میں مصطفیٰ فاضل پاشا کے ہاتھوں اس کی پہلی جامعہ کی بنیاد پڑی۔ تاہم یہ محض ابتدائی تحریک کے قیام و ترقی کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسی ادوار الغر شخصیت نمودار ہو جو اپنی قربانی کے خون سے اس نئی تحریک کی آبیاری کر سکے۔ اصلاح و ترقی کی تحریک، اس آبیاری کے بغیر کبھی نشوونما نہیں پاسکتی۔

ترکی اصلاح کا پہلا فکری عنصر مصطفیٰ رشید کی شخصیت میں نمایاں ہوا تھا، لیکن اسے سلطان محمود اور سلطان عبدالعزیز جیسے اصلاح پسند فرمانروائے اور اس لئے اس کی اصلاح پسندی آرائش کی جگہ فزید قبولیت کا باعث ہوئی۔ نواد پاشا اور عاتق پاشا بھی مصطفیٰ افکار رکھتے تھے، لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے۔ اس لئے ان کے لئے کوئی آرائش پیدا نہ ہو سکی۔ مصطفیٰ فاضل پاشا نے بلاشبہ بنیاد قدم اٹھایا، اور لائحہ اصلاحیہ پیش کر کے اپنے لئے خطرات پیدا کئے۔ تاہم معاملہ اس سے آگے نہ بڑھا کہ جلا وطن ہو گیا۔ یا مقرر کی حکومت و خدیویت سے محروم ہو جانا پڑا۔ پس جہاں تک تحریک کی ابتدائی نشوونما کا تعلق ہے، اب تک کوئی شخصیت ایسی نمایاں نہیں ہوئی تھی جسے اس راہ میں جان و فانی قربانی کی منزل سے گزرا نہ ہو۔ یہ منزل ایک ادوار الغر شخصیت کے طوق کی منتظر تھی۔ یہ ادوار الغر شخصیت پاشا کی شخصیت میں ظاہر ہو گئی۔ مدحت پاشا اس راہ کا پہلا قاتل و شہید ہے۔ اس کے خون نے وہ آبیاری ہم پہنچا دی، جس کے بغیر یہ تحریک انقلاب بار آور نہیں ہو سکتی تھی!

### مدحت پاشا اور عبدالحمید

سلطان عبدالحمید کی پرنسپل حکمت عملیوں نے واقعات حقائق پر ایسے پورے ڈال دیے تھے کہ کہیں تک دنیا کی نگاہیں دھوکا کھاتی رہیں۔ اور مدحت پاشا کی شخصیت نمایاں نہ ہو سکی۔ مدحت پاشا اور اسکے ساتھیوں کے خلاف جب مقدمہ قائم کیا گیا، اور اسے سلطان عبدالعزیز کے قتل کی سازش کے انکشاف سے بغیر کیا گیا، تو دینے بغیر کسی شک کے قبول کر لیا۔ کیونکہ نہ مدحت پاشا کی مصطفیٰ حیثیت اور اعمال کی دنیا کو خبر تھی اور نہ ترکی میں کوئی ایسی قومی طاقت پیدا ہوئی تھی جو اصلیت کا اظہار کر سکتی۔ سرسری ایلٹ اگر کسی غیر متعصب قسطنطنیہ نے مشہور میں جب اپنی یادداشت شائع کی، اور مدحت پاشا کو بے قصور ظاہر کیا، تو خود انگلستان میں بہت کم لوگوں نے اسے بار کیا۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ سرسری اپنی ذاتی

دوستی کا جو اس میں اور مدحت پاشا میں تھی، حتیٰ ادا کر رہا ہو جہاں تک مشرقی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہے، اُس وقت نہ تو لوگوں میں اس قسم کے معاملات سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی اور نہ عام طور پر دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اس وقت جس قدر اُردو اخبار نکلتے تھے، سب نے مدحت پاشا کے مقدمہ کو ”باغیوں“ کے مقدمہ سے تعبیر کیا تھا۔ اس زمانے کے بعض اخبارات کے فائل ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ کلکتہ کے ”آرڈر کا کیڈ“ اور لاہور کے ”بھنگ بچاؤ“ نے ”باغی مدحت پاشا“ کی سرزبانی کی خبریں شائع کی تھیں! مقدمہ کے بعد مدحت پاشا طائف کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اُد کچھ دنوں بعد گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اُس وقت دنیا اس ظلم کو بالکل بھلا چکی تھی۔ اصلاح پسند ترکوں کے ہوا جو یورپ میں منتشر ہو چکے تھے، کوئی جرات ایسی تھی جسے حقیقت حال کا علم ہو، یا اس کی شخصیت میں دلچسپی رکھتی ہو۔

### مدحت کی دعائیت

برسوں پر برس گزرتے، اور اس قتل ظلم و استبداد کی ہولناکیوں کی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ قسطنطنیہ میں عبدالحمید کے تمام مستبدانہ اعمال اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ شروع ہو چکے تھے۔ مدحت پاشا اور اسکے رفقاء کا نام لینا ایسا ہی ناقابل معافی جرم تھا جیسا ”اصلاح“ اور دستور، یا ”پارلیمنٹ“ کا نام لینا۔ کوئی کتاب کی اشاعت محض اس بنا پر مبینہ احتساب نے ”جو“ نظارہ معاذ کے نام سے قائم کیا گیا تھا) روک دی کہ ان کے مصنفین کا نام بھی جرم تھا۔

مدحت پاشا کے اعمال حیات کو دنیا کی نظروں میں مذموم ثابت کرنے کے لئے ترکی اور ترکی سے باہر بے شمار اہل قلم کی خدمات خریدی گئی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی تحریک شائع کرتے رہتے تھے جس کے ذریعہ مدحت اور اس کی جماعت کو ملک سلطنت کا دشمن ثابت کیا جاتا تھا، اور سلطان عبدالحمید کے قاتلانہ اعمال کی مدحت سرائی کی جاتی تھی۔ قسطنطنیہ میں احمد آفس شدان کا عربی اخبار ”الحجاب“ اس کام میں جس زیادہ پرجوش اور سرگرم تھا۔ اسے بار بار اپنے قارئین کو یقین دلایا جاتا کہ ”مدحت اور اس کی جماعت کا اصلی مقصد دین مقدس اسلام کی بیخ کنی تھی! اور اس کے علاوہ اور انگلستان میں بھی قسطنطنیہ کے ایجنٹ بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے تھے۔ بہت سے اخبار اور اخبار نویس تھے، جنہوں نے اپنی

خدمات لینڈ کے حوالہ کردی تھیں۔ مشہور ”میں ایک انگریزی کتاب “دوازدہ سالہ حکومت سلطان عبدالحمید“ کے نام سے انگلستان میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ ”یہ کتاب انگلستان کی ایک شہزادی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے“۔ یہ کتاب بھی حیدری دعائیت (پر دیکھنا) کا نتیجہ تھی، اور اس لئے شائع کر لی گئی تھی تاکہ سرسری ایلٹ کے اُن مضامین کا جواب دیدیا جائے جو اسے مدحت پاشا اور اس کی مصالحوں کے مسماعی کی حمایت میں لکھتے تھے اس کتاب کا اُردو ترجمہ ہندوستان میں شائع ہو چکا ہے۔

### انکشاف حقیقت

ایک عرصہ کے بعد جب مدحت پاشا کا لڑکا علی حیدر بے جوان ہوا، تو اس کی ماں نعیرہ خانم نے اس کے باپ کی آخری امانت اُن کے سپرد کر دی۔ یہ امانت کیا تھی؟ یہ ایک نامکمل خود نوشتہ سوانح حیات تھی، جو اس شہید حریت نے طائف کے قید خانہ میں لکھی تھی۔ اور چند خطوط تھے، جو اسے اور اس کے ساتھیوں نے طائف سے بھیجے تھے۔ ان خطوط میں اُن تمام ہولناکی واقعات کی تفصیل درج تھی جو طائف کے قفس میں پیش آئے تھے۔

یہ خطوط طائف کے قید خانے سے کیڑ بکریجے گئے اور کس نہی سے مرحوم کے خاندان تک پہنچے؟ اس کی تفصیل ان اوراق میں درج تھی۔ اس زمانے میں مصر کے خاندان ضیوی کی ایک امیر زادی، بیگم صفوت پاشا نے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کر لیا تھا، اور ایسی دوست دراصلت کی وجہ سے شریف اور گورنر حجاز بہت دوسرے رکھتی تھی۔ یہ بیگم مدحت پاشا اور اس کے مصالحوں کے معاملے سے واقف تھی۔ اسے جب معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے رفیقوں کے طائف میں قید کیا گیا ہے، تو آمادہ ہوئی کہ اپنی موجودگی سے ان کی مصیبت کم کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو کچھ نہ کر سکی، لیکن اس کی وجہ سے خط و کتابت کا ایک محفوظ ذریعہ پیدا ہو گیا۔ طائف کا ایک فوجی ڈاکٹر غریب نے اُس کے زیر اثر تھا اسے قیدیوں کے دیکھنے کی اجازت بھی دے دی۔ اس سے پوشیدہ خطوط لے لیتا اور مکہ معظمہ پہنچا دیتا۔ کہ جسے خطوط مصر بھیج دئے جاتے۔ مصر سے تمرا کی ایک فرانسیسی کمپنی کے دفاتر میں پہنچ جاتے جہاں مدحت پاشا کا خاندان مقیم تھا۔ کمپنی کے دفتر کا منتظم مدحت پاشا کی بیوی اور بہن تک پہنچا دیتا۔

البتہ مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری نامکمل تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کیا تو قتل کا موقع نہیں ملا، یا بقیہ سودہ منسلک ہو گیا علی حیدر نے اپنی اوراق کی مدد سے مدحت پاشا کے اعمال حیات پر ایک کتاب مرتب کی، اور مشہور ”میں تیرس“ سے شائع کی پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اس کا انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دنیا کو حقیقت حال سوجھنا ہوئے کا موقع ملا، اور گلاب و انفراس کے وہ تمام پڑے جاک ہو گئے جو عبدالحمید اور اس کے حامیوں نے اس راست باز مصطفیٰ کی زندگی پر ڈال دیے تھے۔ قسطنطنیہ کے کارپردازوں نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح اس کتاب کی قطعی شہادتیں مکرور ثابت کر دیں لیکن اب ۲۰ سال کی مستور حقیقت عالم آشکارا ہو چکی تھی اور حقیقت جب ایک مرتبہ آشکارا ہو جائے، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے مستور نہیں کر سکتی!

### طائف کا مرفون صندوق

مشہور کے انقلاب دستور کے بعد اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے، اس شہید ظلم کی مقدس امانت صرف اُس کے خاندان ہی میں محفوظ نہ تھی، بلکہ طائف کی مذہب نے بھی اپنا آخری سیاحت کھول دیا تھا، تاکہ اس کی آخری امانت اپنے



# برید فرنگ

## مکتوب جرمنی

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کا قلم)

قیصر کی جرمنی میں واپسی - قیصر کے موجودہ خیالات -

### قیصر کی واپسی

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں قیصر واکلم کی جرمنی میں واپسی پر مفصل بحث کر چکا ہوں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر واپس آجائے گا۔ لیکن جولائی پر دواہ اور گزر گئے، اور قیصر کی حلاوتی ختم نہ ہوئی۔ حکومت جرمنی نے قیصر کی جلا وطنی والے قانون کی مدت میں دو سال کا مزید اضافہ کر دیا ہے۔ لوگ حیرت و تعجب سے اس سبب دریافت کر رہے ہیں؟

یہ واقعہ ہو کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر واپس آنے والا تھا جلاوطنی کی قید اس نے بھی کہ قیصر کی جلا وطنی والے قانون کی مدت اسی میں ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن مدت ختم ہونے سے تین چار دن پہلے حکومت نے اس میں دو سال کی مزید توسیع کر دی۔ یہ کارروائی خود قیصر کے اشارے سے ہوئی تھی۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ اب تک فرانسیسی فوجوں نے جرمنی کی سرزمین خالی نہیں کی ہے۔ اس وقت وہ دریائے رین پر قلعے بنا رہی ہیں جب تک یہ قلعے طیارہ نہیں ہو جائیں گے، وہ جرمنی طالی نہیں کریں گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۱۹ء کے موسم بہار میں قیصر مکمل ہو جائے گی اور پھر جرمنی آزاد ہو جائے گا۔

مماصل قیصر واکلم نے اس وقت تک کے لئے جرمنی میں قدم رکھنے کو انکار کر دیا جب تک اس کی سرزمین پر ایک اجنبی سپاہی بھی موجود ہے۔ یہی سبب ہوا کہ قیصر کے لئے قیصر کی واپسی بھرتوی ہو گئی۔

قیصر نے انکار کیا کہ کیا؟ کیا سرحد پر فرانسیسی فوجوں کی موجودگی اس کے لئے خطرناک تھی؟

یہاں خطرے کا سوال نہ تھا۔ خود داری کا سوال تھا قیصر کی عزت نفس نے گوارہ کیا کہ اپنے وطن اس حال میں واپس ہو جبکہ اس کی سرزمین پر اجنبی سپاہی موجود ہیں۔

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اس نزاع پر روشنی ڈال چکا ہوں قیصر

(بقیہ مضامین منسلک)

وطن کریں۔ یہ روسی اثرات کا مخالفت اور ایک دیانت دار شخص قیصر نے اسے صوبہ برٹس کا حکام متروک کے حکم دیا کہ پائے تخت سے روانہ ہو جائے جس کی بجا آ رہا تھا۔ مگر سلطان نے اسے جبراً مجبور کیا۔ اسی قسم کا رتاؤ اور سخت سے ظلم و ستم اس کے ساتھ بھی کیا گیا۔

کچھ عرصہ بعد قیصر کی ایشیا برٹس سے کوٹلیا اور دیکھا کہ علم یائے سلطان کے معزول کر دیا۔ آخر اسے اپنے باپ سے ملنے میں سربراہ مدد آدمیل سے مشورہ کیا جس نے بلا تعلق اس تجویز کی حمایت کی۔

کی نئی بیوی اور سابق دلی عہد کی بیوی میں جاری ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ قیصر کی بیوی جرمنی میں اگر مقیم ہو گئی ہو تاکہ اپنے شہر کی تخت نشینی کے لئے میدان صاف کرے۔ دوسری طرف دلی عہد کی بیوی اپنے بڑے بچے کو جرمنی کا بادشاہ بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اب یہ نزاع کلیتہً دور ہو چکی ہے۔ تمام شاہ پسند متحدہ قفق ہو گئے ہیں اور صرف قیصر کی مخالفت کر رہے ہیں۔

### چند اہم تبدیلیاں

پچھلے چند ماہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ پہلے شاہ پسندوں کا زعمی مارشل لوڈنڈرٹ تھا۔ اب قیصر نے اسے معزول کر دیا ہے۔ اب ہندو نبرگ جمہوری حکومت کی صدارت کے ساتھ، شاہ پسندوں کا بھی سرگرم رہنما بن گیا ہے۔ مارشل لوڈنڈرٹ نے کئی سال بے کار گزارنے اور شاہی تحریک کو کوئی ترقی نہیں دی۔ لیکن مارشل ہندو نبرگ نے غیر معمولی تدبیر سے کام لے کر کوری کا سیالی حاصل کر لی ہے۔ قیصر کے مخالفوں کا سبب بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایک نہایت نازک زمانے میں قیصر اپنا ملک چھوڑ کر آئینڈ ہاگ گیا۔ لیکن ہندو نبرگ نے اب یہ اعتراض دور کر دیا ہے اسے قیصر کی اس حرکت کی تمام ذمہ داری خود اپنے سر لے لی ہے۔ اپنے صاف غفلتوں میں اعلان کر دیا:

”میں نے ہی قیصر کو اس فعل پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ وہ راضی تھا و حقیقت قیصر نے ملک چھوڑ کر ملک کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ میں نے خود ذات اٹھا کر اکر لیا تاکہ ملک کی عزت برقرار رہے۔ اگر قیصر لوڈنڈرٹ چلا جاتا تو ایک طرف جرمنی کی تمام فوجیں تباہ ہو جاتیں کیونکہ اس کی عزت ہرگز ہتھیار رکھ دینا قبول کرتی۔ دوسری طرف اتحادی سلطنتیں ملک کے شہنشاہ کو گرفتار کر کے مجرموں کی طرح سزا دینے کی کوشش کرتیں۔ ابھی دھوکا بنا رہے ہیں قیصر کو جلا وطنی پر مجبور کر دیا تھا“

ہندو نبرگ کے اس اعلان نے جرمنی کے اکثر باشندوں کو مطمئن کر دیا ہے۔ اب وہ قیصر کے بھاگنے کو اس کا عیب و نقص نہیں، بلکہ ایک اعلیٰ خدمت اور عظیم قربانی سمجھنے لگے ہیں۔

قیصر ایک اعتراض بھی تھا کہ اسے اپنی ملک کے فوج ہر تہی نہایت بے وفائی کے ساتھ دوسری شادی کرنے میں جلدی کی۔ ہندو نبرگ نے یہ اعتراض بھی دور کر دیا اس کا ذمہ داری بھی خود اٹھ لی ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس نے ایک طرف مابین دلی عہد کو اپنی کر لیا کہ اپنے باپ کے خلاف کوئی کوشش نہ کرے، دوسری طرف دلی عہد کی

اور قیصر کی نئی بیوی میں بھی صلح کرادی۔ فرحنگ اسے تمام شاہ پسندوں کو ایک خیال پر جمع کر دیا۔ اب سب صرف قیصر کی تخت نشینی چاہتے ہیں۔ ہندو نبرگ نے یہ صورت حال صرف ہر شاہی میں پیدا نہیں کر کے بلکہ جرمنی کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو بھی قیصر کی حمایت پر آمادہ کر دیا ہے۔ اب جب قیصر واپس ہوگا تو یقین کیا جاتا ہے کہ صرف ہر شاہی کا نہیں بلکہ ریاست مسکوئی کو چھوڑ کر تمام جرمنی کا شہنشاہ ہو گا۔ دیا مسکوئی میں بالمشوکی خیالات مقبول ہو گئے ہیں اور وہاں مغرب پر حکومت قائم ہو جانے والی ہے صرف اسی قدر نہیں بلکہ امید کی جاتی ہے کہ آسٹریا بھی اس کے زیر نگیں آجائے گا۔ کیونکہ اہل سنت و اہل حنفی اور اہل حق کا خیال بہت عام ہو رہا ہے۔

### شاہ پسندوں کی انجمنیں

اہل سنت جرمنی میں شاہ پسندوں کی باہ انجمنیں قائم ہیں۔ یہ انجمن نہایت سرگرمی سے مصروف عمل ہیں۔ قیصر کے اصل پر ہر انجمن نے تحریک کے مختلف کام بانٹ لئے ہیں۔

مثلاً ایک انجمن کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا بھر میں قیصر کو مقبول بنانے کی دعوت پھیلا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ جنگ عمومی کی ذمہ داری سے قیصر کو بڑی ثابت کرے اور سفارشی دعوں دہری کے وہ تمام الزام دور کرے جو اتحادی سلطنتوں نے قیصر پر لگا رکھے ہیں۔ اس انجمن نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ دنیا کی علم یائے اب قیصر کی اتنی مخالفت نہیں رہی جتنی پہلے تھی۔

ایک دوسری انجمن کا نام ”شعبہ خارجہ“ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سلطنتوں اور قوموں کے خیالات قیصر کے متعلق معلوم کرتی رہے۔ اس کی تازہ روداد سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دل یورپ میں صرف ایک فرانس ہی ایسی دولت ہے جو اب تک قیصر کی دشمنی پر قائم ہو باقی سلطنتوں کو زیادہ پر خاش باقی نہیں رہی۔ وہ دوا میں ظاہر ہو گیا ہے کہ اٹلی اور آرمیکہ، قیصر کی واپسی کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے۔ انگلستان کی مخالفت کا بھی اندیشہ نہیں ہے، الا یہ کہ مسٹر لایچر پورر بر حکومت آجائے اور اس کی اب کوئی امید نہیں۔

تیسری انجمن کا نام ”انجمن مظاہرات“ ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ جرمنی میں قیصر کی حمایت کے مظاہرے کیا کرتی ہے۔ چنانچہ کوئی عید منائی نہیں جاتا جس میں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں پر عام مظاہرے نہ ہنکتے ہوں۔ یہ انجمن قیصر کی تصویروں اور موویں مفت تقسیم کرتی ہے۔ نیز ایسے عام جلسوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں تمام شاہی اراکین برائی جاتی ہیں۔

چوتھی انجمن کا کام یہ ہے کہ تحریروں کے ذریعہ قیصر کی حمایت کے افکار پھیلاتی رہے۔ چنانچہ اس کی سرپرستی میں بکثرت اخبار نکال رہے ہیں اور سیکڑوں لائن انشاپرداز مضامین اور کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

پانچویں انجمن بحری دہری فوجوں اور پولیس میں اپنے مقاصد کی اشاعت کر رہی ہے اور دہری کا سیالی حاصل کر چکی ہے۔ اس وقت جرمن فوج اور پولیس میں شکل سے کوئی آدمی ایسا نہیں ملے گا جو قیصر کا مخالف نہ ہو۔ حتیٰ کہ خفیہ پولیس کے آدمی بھی اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں مختصر یہ کہ قیصر جرمنی قیصر کے لئے چشم براہ ہے۔ علم باشندہ کی نہیں بلکہ جمہوری حکومت اور اس کے اکثر ارکان بھی اسی خیال کے ہو گئے ہیں۔ ہندو نبرگ تو اپنی شاہ پسندی میں پوری طرح مشغول ہو گیا ہے لیکن موجودہ وزیر اعظم ہر طرمانی بھی کچھ کم شاہ پسند نہیں ہیں۔ جرمنی جو کہ کسی طرح فرانسیسی فوجیں جلد سے جلد جرمنی کی سرحدیں کر دے تاکہ قیصر کے لئے پہلے واپس آجائے۔

### قیصر کے خیالات

یقیناً یہ معلوم کرنا نہایت اہم ہے کہ قیصر کا موقف کیا ہے اس وقت جب قیصر کی



یہ مدت آفندی کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ اسی نے اسے عرب کی سپاہ سے معزول کر لیا تھا۔ اب اسے اتنے مقام لینا اور سرکاری ملازمت سے خارج کر دینا چاہا۔ اسے بہت کوشش کی مگر کوئی بات قابل گرفت نہیں لی۔ آخر اس نے خیال کیا، اسے صوبہ جات میں بھی حکام بنا کر بھیج دینے، اور چونکہ سخت ہنگامے پر تھے، اس لیے مدت آفندی اس زمانہ قلم کرنے میں ناکام نہ چکے تھے، اس لیے مدت آفندی بھی ناکام ہو گیا، اور اس طرح اسے بالآخر ترائی کے بہتر موقع پر بھیج دیا گیا۔ چنانچہ اسے احکام صادر کرنے۔

اب مدت آفندی کے درمخت شکل پیش آئی۔ وہ وزیر اعظم کی بددی سے واقف ہو چکا تھا، اگر نہیں جانتا تھا تو مدد مل گئی تھی۔ جانتا تھا، تو ناکامی کا اندیشہ تھا۔ ہر حال اسے جانے کا فیصلہ کر لیا، اور ملک بدر میں ایک فوجی ہم ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ یہاں مدت آفندی نے حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت دیا۔ صرف ۶ مہینے کی قلیل مدت میں ۲۸۰۰ عجمی سرخشاؤں کو گرفتار کر لیا۔ یہ حکومت کی بلا اجازت پھانسی دے دی۔ ۸۰ کو آستانہ کے قید خانے میں بھیجا۔ باقی کو قانون کے مطابق سخت سخت سزائیں دیں۔ عجمی صوبوں نے نئے حکام کی یہ غیر معمولی استعداد دیکھی تو اطمینان کے لئے فوراً سر جھکا دیے۔ یورپ کی زبان بالکل بند ہو گئی جو بلقان کی اس جمہوریت کو اپنی مداخلت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اسے محمد شاہ بھی معزول ہو چکا تھا۔ رشید شاہ ان کی جگہ وزیر اعظم تھا۔ اسے مدت آفندی کی شاندار خدمات کا اعتراف کیا اور آستانہ میں بلالیا۔ مدت آفندی نے دہلی کے حالات کی مفصل روداد پیش کی اور اصلاحات کا ایک سوود بھی طیار کیا، حکومت نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ مگر بعض حالات اور تبدیلیاں ایسی پیش آئیں کہ اصلاح کی تجدید پر کوئی عملی کارروائی نہ ہو سکی۔ دراصل حکومت کا مزاج صمدیوں سے ایسا ہو گیا تھا کہ بغیر کسی بنیادی ترقی کے اصلاحات کی تجاویز سود مند نہیں ہو سکتی تھیں۔

وزیر اعظم نے مدت آفندی کو مجلس و ملازمین و دواہ داخل کیا۔ مگر ابھی چند ہی اس وقت حال پر نہیں گزے تھے کہ رشید شاہ پھر معزول ہو گیا اور مقرر چلا گیا۔ اس کی جگہ عالی پاشا کو ملی، مگر اسے بھی یورپ کا سفر پیش آ گیا اور دار الحکومت سے غیر حاضر ہو گیا۔ اس کی نیابت محمد شاہ قریصلی کو مل گئی۔ اسی محمد شاہ کو جو مدت کا جانی دشمن تھا، اسے برسر اقتدار آنے ہی پھر انتقامی تدابیر کا عمل میں لانا شروع کر دیا۔

اس مرتبہ مدت پر بہت لگائی گئی کہ اسے حکومت کے بعض محاصل پر قبضہ کر لیا ہو۔ چنانچہ ہاتھ بٹھامہ مقدمہ قائم ہو گیا۔ مگر پہلی ہی پیشی میں ثابت ہو گیا کہ الزام کی کوئی اصلیت نہیں۔ محض اہتمام جو ایک گواہ نے تو ملانہ عدالت کے سامنے اقرار کر لیا کہ "اُسے جو بھٹ بونڈ پر مجبور کیا گیا ہو، اور مدت کے خلاف اسے جو کچھ کہا ہو، سراسر باطل ہے۔"

مدت آفندی عرصہ کے ساتھ بڑی ہو گیا، اور نائب وزیر اعظم کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑی۔

بلغاریہ اور سروریہ میں

اُس زمانے میں بلغاریہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ حکام کے ظلم نے باشندوں کو پریشان کر ڈالا۔ مدت آفندی نے توجہ نہ دیا۔ مگر کچھ سمجھا گیا۔ اسے اپنی روداد باب عالی میں پیش کر دی اور ثابت کیا کہ باشندوں کی شکایتیں صحیح ہیں۔ گورنر سید پاشا اصلاً اس کے کہیں نہ تھے سخت خفا ہوا۔ اب عالی نے اس کی روداد تسلیم کر لی اور گورنر کو اسے جہد وادوں کو معزول کر دیا۔

بلغاریہ سے فارغ ہو کر مدت آفندی سروریہ گیا۔ وہاں بھی سخت اتری پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ بعض علاقوں کے باشندوں نے ترقی حکم کو بالکل خارج کر دیا تھا۔ اور طوائف الملوک قائم ہو گئی تھی۔ مدت آفندی نے اس صوبے کی بھی اصلاح کی اور باغی علاقوں میں لڑکر نو حکومت قائم کر دی۔

یورپ کا سفر

مدت آفندی، قسطنطنیہ واپس آ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ حکومت کی خدمات کا اعتراف کرے گی۔ مگر یہاں سلطان عبدالعزیز پرمعزول گورنر سید پاشا اور اس کے دوستوں کا جادو چل چکا تھا۔ انھوں نے سلطان کو مدت آفندی سے ناراض کر دیا۔

اسی اثنا میں رشید پاشا کا بھی انتقال ہو گیا۔ جو مدت کا سرپرست تھا۔ مدت آفندی، سلطان کی ناراضی سے افسردہ خاطر ہو چکا تھا۔ اپنے مرنے کی وفات سے ادھی زیادہ بے دل ہوا، اور سرکاری مناصب ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی اسے خیال ہوا کہ مالک یورپ کی سرودیاہت کرے جن کی علمی و تمدنی ترقیات کے افسانے اس کے گوش گزار ہو چکے تھے۔ چنانچہ سلسلہ میں یورپ روانہ ہو گیا۔ ۶ مہینے وہاں قیام کیا۔ پیرس، لندن، وائنا، لیم و غیرہ کی سیر کی اور یورپ کی ترقی کے اسباب و وسائل معلوم کئے۔

فرانسیسی زبان

مدت آفندی کی طالب علمی کے زمانے میں فرانسیسی زبان کو ترکی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس نے اسے بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب حالات میں عظیم تبدیلی واقع ہو چکی تھی اور ہر سیاسی مدبر کے لئے اس زبان سے واقفیت لازمی ہو گئی تھی۔ مدت آفندی نے اپنے اندر یہ کمی محسوس کی، اور اس زبان کی تحصیل پر کمر بستہ ہو گیا۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات میں بطور خود مطالعہ کرتا رہتا یہاں تک کہ یورپ کا سفر پیش آیا اور اس زبان میں اس نے پوری مہارت حاصل کر لی۔

رتبہ وزارت اور صوبہ کی ولایت

۱۸۷۷ء میں مدت آفندی یورپ سے واپس آیا اور دوبارہ مجلس الائی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی اثنا میں محمد شاہ قریصلی پرانا دشمن وزیر اعظم ہو چکا تھا۔ مدت آفندی کو خوف تھا کہ پھر اس کی عداوت کا نشانہ بنے گا، مگر یہ دیکھ کر اسے تعجب ہوا کہ اب مخالفت کی جگہ اس کی طرف سے مرافقت کے اظہارات شروع ہو گئے تھے۔ اس نے مدت آفندی کو طلب کیا۔ گزشتہ معاملات کی معافی چاہی اور سلطان عبدالعزیز سے بھی سفارش کی کہ اس کی کچھ خدمات کے اعتراف میں وزارت کا اعزاز دی جائے۔ مدت آفندی نے اس کی حکومت سرور دی جانے۔ چنانچہ ۱۸۷۷ء میں مدت آفندی اس صوبہ کا والی مقرر ہو گیا۔ اور سلطان عبدالعزیز کی وفات تک اسی منصب پر مامور رہا۔

سلطان عبدالعزیز

سلطان عبدالعزیز کے آخری عہد میں سلطنت عثمانیہ کی حالت اشد زہلی ہو گئی۔ بہر طوط داخلی شورش برپا ہو گئیں، اور یورپ نے متحد ہو کر اسے زہر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

برہمنی سے سلطان، اپنے وزیر اعظم محمد نیکم پاشا کے قبضہ میں تھے۔ اور نیکم پاشا، روسی سیفر جرنل ایگیاٹ کے اشارہ پر حرکت کر رہا تھا۔ ترکی قوم اس حقیقت سے واقف ہو گئی تھی اور نیکم پاشا کی سرکاری کامیابی پر کسی بھی مگر سلطان نے قانون میں تیل ڈال لیا تھا۔ اس کی نصیحت سنتا تھا کسی فریاد پر توجہ دیتا۔

اُس زمانے میں خبر شہر ہوئی کہ سلطان، ۴۰ لاکھ پونہ کا ایک نیا

قرض لینے والے ہیں۔ علم عالم اس خبر سے شہناہت پر ہم ہوئی۔ کیونکہ سلطان کے اسرارے سلطنت کا تمام خزانہ خالی کر دیا تھا اور قرضوں کا ناقابل برداشت بوجھ پہلے ہی سے ملک کی گردن توڑ رہا تھا۔

اسی اثنا میں صوبہ سروریہ کو نیا کامیاب پیش آیا۔ یہ محض حکومت کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ عام لئے اب ادھی زیادہ برہم ہو گئی۔ چند دن بعد خبریں آنا شروع ہوئیں کہ بلقان میں بغاوت پھوٹ پڑی ہو اور اس کے شعلے، اورنگ بک پہنچ گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آستانہ میں بلقان کے مسلمان طالب علموں کے پاس خطوط پہنچے کہ باغیوں نے تھانے سے گھر لوٹ لئے۔ اور غیر وقار قابل کر کے طالب علموں نے یہ دشت ناک خبریں سین تو جوش میں آ گئے۔ ان کے جوش نے شہر کی تمام مسلمان آبادی میں بھی پھیلان پیدا کر دیا۔ لوگوں کو پہلے سے یقین تھا کہ حکومت، بلقان کے معاملات سے غفلت برت رہی ہو، اور نیکم پاشا روس کے اشارے سے یہ سب کچھ کر رہا ہو۔ روس کا مقصد یہ تھا کہ اس جہلے سے اسے مداخلت کا موقع ملے۔

بلقانی طالب علموں کے ساتھ ہزاروں مخلوق باب عالی کی طرف نکلتا ہوئی اور وزیر اعظم سے ملاقات کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعظم نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گیا، اور سلطان کو مشورہ دیا کہ نئی وزارت کا اعلان کر کے عوام ان کا جوش ٹھنڈا کر دیں۔ چنانچہ محمد نیکم پاشا اور سن آفندی شیخ الاسلام دونوں معزول کر دیے گئے۔ رشیدی پاشا وزیر اعظم مقرر ہوئے اور شیخ آفندی شیخ الاسلام بن گئے۔ نیز مدت پاشا بھی رتبہ وزارت کے ساتھ مجلس عالی کا رکن مقرر ہو گیا۔

لیکن وزارت کی تبدیلی سے حالات میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ نیکم پاشا اگرچہ معزول کر دیا گیا تھا، لیکن محض ایک سطحی تبدیلی تھی سلطان بدستور نیکم پاشا کے ہاتھوں میں تھا۔ نیکم پاشا روسی سفارت خانہ سے احکام حاصل کرتا، اور ان کے مطابق سلطان کو مخفی مشورے دیتا رہتا۔ نام لئے نے جلد معلوم کر لیا کہ نیکم پاشا امر و زفر دہی میں پھر برسر حکومت آجائے گا۔ اس کی معزولی محض ایک دکھائے کی کارروائی ہو۔ اسی اثنا میں روسی سیفر جرنل ایگیاٹ نے بہر طوط مشہور کر دیا کہ وہ میں خنریہ بغاوت ہونے والی ہو مسلمان عیسائیوں کو قتل کی عام طیارہ کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی کیا کہ ان کی بجائے سوسائٹس نوجوان باغی اور اپنی سفارت کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیے۔ امر کا رد والی نے شہر میں تشویش پیدا کر دی۔ قسطنطنیہ کی سچی آبادی نے کاروبار بند کر دیا اور شہر چھوڑ دیا چلا۔ ان کارروائیوں سے روسی سیفر کا مدعا یہ تھا کہ پاشا کی دوبارہ وزارت کے لئے میدان صاف کرے۔ وہ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ نئی وزارت امن و امان قائم نہیں کھ سکتی، اور سچی رعایا کے لئے کھڑا پیدا ہو گیا ہو۔

ترکوں نے یہ حالت دیکھی، تو وہ مرعوب نہیں ہوئے، انھوں نے خود سلطان کے معزول کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اب وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص کی موجودگی میں کسی قسم کی اصلاح ممکن نہیں۔

یہ خبر ہوا کی طرح بازاؤں میں پھیل گئی۔ وہاں سے قعر شاہی پر پہنچی۔ سلطان بہت پریشان ہوئے۔ والدہ سلطان نے مدت پاشا کے پاس اپنا مقدمہ علیہ خواجہ سرا جوہر آغا بھیجا اور دریافت کیا کہ توہم کی ناراضی دور کرنے کے لئے کون سا طریقہ مفید ہو سکتا ہو؟

مدت پاشا نے فوراً اصلاحات کا ایک سوود طیار کیا اور سلطان کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ عمارت کرپے سے عام رائے مطعون ہو جائے گی۔ مگر سلطان کی غور، نہ اسے غور دیا۔

اس تمام مدت میں سلطان، محمد نیکم پاشا کے مشورے پر کربار اور محمد نیکم، جیسا کہ پہلے ہو چکا ہو، روسی سیفر کی انگلی پر پانچ رہا تھا۔ محمد نیکم نے سلطان کو ترغیب دی کہ حسین حوی پاشا کو

# بصائر و حکم

## عالم انسانیت موت کے دروازہ پر

### شاہیر عالم اپنے اوقات و فائت میں

### اکابر تاریخ اسلام کی مختصر و فائت

#### حضرت امام شافعیؒ

امام مرقی کہتے ہیں، جس دن حضرت امام شافعیؒ نے انتقال کیا اس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔  
”مذبح کیسا ہو؟ میں نے سوال کیا۔  
”انہوں نے ٹھنڈی سانس لی،

”دنیل سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، موت کا پالہ منہ سے لگا ہوا۔ نہیں معلوم میری روح جہنم میں جائے گی کہ آسمان مبارک بادوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ آسمان تعزیت پیش کر دے؟“  
پھر یہ شعر پڑھے:

ولما تاملت قلبی وضاعت ذاہبی جعلت الراجعی لعنوک لکما  
اپنے دل کی سختی اور اپنی بے چارگی کے بعد میں نے تیری عفو پر اپنی امید کو سہارا بنالیا ہو۔

تعلیٰ ذنبی فلما قرنتہ بعفوک ربی کل عفوکل اعلا  
میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا، مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اُسے رکھا، تو اُسے رب، تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا۔  
سلسلہ (۴) میں وفات پائی۔

#### امامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا کسی جانور کی کھال کا پتھر بچھا تھا۔ پتھر نے پریت پڑی تھی، اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ الفاظ زبان پر آئے:

”لے دے جس کی بادشاہی کبھی ناکل نہ ہوگی، اُس پر دم فرما جس کی بادشاہی جاری ہو جائے وہ جو کبھی نہیں کھے گا، اُس پر دم کرو مر رہا ہو۔“

جاحظ نے کہا ”خدا امیر المؤمنین کا ثواب زیادہ کرے اور زندہ رہے بخشنے!“

امام میری تندہی کی وعادہ کر دے امون نے فوراً کہا ”بلکہ میرے لئے مسخرت کی دعا کرو۔“

پھر کہا ”خدا! اٹھنے میں حکم دے اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو مجھے بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہو۔“ اس پر دوزخ پر دراز کر گئی  
سلسلہ (۴) میں وفات پائی۔

#### حکیم ابو القاسم

مشہور زہاد و حکیم شاعر ابو القاسم سے موت کے وقت پوچھا گیا۔

#### ”کوئی خواہش باقی ہے؟“

کہا۔ ”ہاں، میری خواہش یہ ہو کہ مغنی“ مخارق“ کے اور میرے سرانے میرے یہ شعر لکھے:

اذا انقضت منی من الدنیا موتی فان عزرا الالباب کلیل!  
جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہو تو روتے والیوں کی تعزیت بھی بہت کم ہو۔

سیر عرض عن ذکری دینی موتی ویدت بعدی للخلیل خلیل!  
سب میرے خیال سے مر رہیں گے، میری محبت قبول جائے گی۔ میرے بعد بھی دوست اپنے دوستوں سے باتیں کرینگے۔  
سلسلہ (۴) میں انتقال کیا۔

#### خلیفہ واثق باسند

خلیفہ واثق باسند نے دقت یہ شعر پڑھا:

الموت فی جمیع الناس تشکر لاسوتہ منہم بقی دلائک  
موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نہ بآزاری لوگ ہیں گے نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے۔

امام اہل قلیل فی مقابرہم ولس یغنی عن الملک الملکوا  
غریبوں کو ان کی قبر میں عزت نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ ایروں کو ان کی امیری بھی کوئی فخر نہ پہنچائے گی۔

پھر حکم دیا، فرش اٹھا دیا جائے۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ خلیفہ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور چلایا:

”لے دے جس کی بادشاہی لازوال ہو، اُس پر دم کرو جس کی بادشاہی ختم ہو گئی!“

#### خلیفہ مختصر باسند

خلیفہ مختصر باسند ایک دن دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اُس کی نظر ایک فارسی عبارت پر پڑ گئی جو فرش پر کندہ تھی۔ خلیفہ نے اُسے پڑھوایا تو لکھا تھا:

”مجھ شیریہ بن کسری نے اپنے باپ کو قتل کیا، لیکن اُس کے بعد بادشاہی سے کوئی شے حاصل نہ کر سکا۔“

خلیفہ کے چہرہ کا رنگ پل گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اٹھ گیا چند ہی روز بعد جہاز پڑا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اہل عیادت کو آئی تو خلیفہ نے کہا ”دنیا اور کائنات دونوں میرے ہاتھ سے نکل گئیں۔ میرے

اپنے باپ کی موت میں جلدی کی، اندام میری موت میں بھی جلدی کی گئی۔“

#### پھر یہ شعر پڑھا:

فاوحت لغنی بدینا اصبحتنا . ولکن الی اسد الکرم اصیر  
دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری روح کو کوئی خوشی نصیب ہوئی اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

سلسلہ (۴) میں وفات ہوئی۔

#### امام جاحظ

ادب عربی کا مشہور امام، جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابوالعباس البردعیات کو لکھا۔

مزاج برسی کے جواب میں جاحظ نے کہا:

”وہ شخص کیسا ہوگا جس کا آدھا دھڑلہ ہو گیا ہو حتیٰ کہ اگر آسمان سے بھی چیر دیا جائے تو اُسے تہہ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑلہ اتنا حساس ہو گیا ہو کہ اگر کبھی بھی اُس کے قریب آئے تو وہ محسوس کر لگے؟“

#### پھر یہ شعر پڑھے:

أترجوا نکلون، دانت شیخ کما قدکت ایام الشباب؟  
کیا تو آرزو کرتا ہو کہ اب بڑھاپے میں بھی دیباہی ہو جائے جیسا جوانی کے دنوں میں تھا؟

لقد کذبت، نفسک لیس ثوب دلیس کل جدید من الثیاب؟  
تیرا نفس جھوٹا ہو۔ پورا کپڑے کپڑے کی طرح کیونکر بدست ہو سکتا ہو؟  
سلسلہ (۴) میں انتقال کیا۔

#### خلیفہ معتضد باسند

سواہل عباسی خلیفہ، معتضد باسند نے ظالم و مستبد تھا۔ دقتا کے وقت اپنا مرثیہ اُسے یوں پڑھا:

تتمع من الدنیا فاکمل التمتی وخذ صفوہا ان صفت دوع الر  
دنیا سے لطف اٹھائے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اُس کی بھلائی لے لے اور بُرائی چھوڑ دے!

ولأنا من الدنیا الذی قد امتنت فلم یبق لی عالا ولم یبق لی حقا  
اُس دنیا پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا۔ کچھ اُسو مجھ سے بھولائی کی اور کبھی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

تخلت صنادید الرجال ولم اذع عددا، ولم امل علی طغیہ خلقا  
میں نے بڑے بڑے بہادر ماہرے۔ کوئی دشمن نہ چھوڑا۔ کسی کو بھی اُس کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔

واخلت دار الملک من کل پانچ فترہ دم غرا، وقر قتم شقا  
میں نے پایہ تخت تمام مخالفوں سے خالی کر دیا، اُنھیں برا گندہ کر کے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔

فلما لحت النجم غرا ورفعت دعات رقاب الخلق اجمع لی رقا  
لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں ستاروں کی تکیہ چڑھ گیا اور تمام مخلوق کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا،

رمانی الروی سنا، فاضح جرتی فاما اذانی حضرتی عاجلا افعی!  
تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور میری آل بچا دی۔ دیکھ، اب میں عنقریب ہی اپنے گھر میں ڈالا جائے والا ہوں۔

ولم یبق عنی اجمعت، ولم اجد لذی مل مننا، ولا راعب رقا  
میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے ہم نہ گئے۔ دولت بیز ہوئے دلاے اور دولت کے لالچی، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی!

فیالیت مشغری بعد موتی الفقی الی نعم الرحمن ام نادم الفقی؟  
آہ کاش! میں جاؤں، موت کے بعد امد کی نعمتیں پاؤں گا، یا دوزخ میں جھونک لیا جاؤں گا۔  
سلسلہ (۴) میں انتقال کیا۔

والہی کے لئے جرمی میں میدان ہوجکا ہو، خود قیصر کی ذہنیت  
کیا ہو؟ یہاں کے اخباروں نے حال ہی میں قیصر کی ایک گفتگو شائع  
کی ہے۔ اُس نے یہ گفتگو ایک انگریز ممبر پارلیمنٹ سے کی تھی۔ اس کا خلاصہ  
خوب ذیل ہے:

”دش برس گزرنے سے پہلے“ قیصر نے کہا۔ ”دنیا کو ایک عظیم جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس جنگ میں یورپ کی تمام سلطنتیں شریک ہوں گی۔ کوئی بھی اُس سے غلورہ نہ کر سکے گی۔ میں یہاں ایسی جلاوطنی کی جگہ سے بیٹھا دیکھ رہا ہوں کہ مغرب کے افق سے ایک ہولناک جنگ کی گھٹائیں اٹھ رہی ہیں۔ یہی سخت جنگ ہوگی جس کے سانچے پہلی جنگ یچ ہو جائے گی۔ تمام دنیا خون میں غرق ہو جائے گی۔ بہت سو بلک دیران ہو جائیگے۔ بہت سی سلطنتیں ناپید ہو جائیں گی۔ دنیا کی تمام قومیں اُس کی مصیبت سے بیچ اٹھیں گی۔ ایسی مصیبتیں جس سے عالم انسانیت اب تک ناواقف ہو۔ یقیناً یہ جنگ نہایت ہیبت ناک ہوگی۔ کیونکہ اُس کے غلورہ کے وقت دنیا کی تمام قومیں پورے طور پر نئے اسلحہ سے آراستہ ہوں گی۔“

”تھوڑے دن ہوئے، ایک مغز انگریزی ملاقات کے لئے  
یہاں آیا۔ دورانِ گفتگو میں نے پوچھا، آخر یہ برطانوی جنگی طیارہ  
کیوں ہورہی ہیں؟ اس نے جواب دیا، ”اصلی خطرہ مشرق میں ہے۔  
جنگ عمومی کے بعد مشرقی قومیں میدانِ سرنگھی میں اور مغربی حکومتوں کے  
خلاف طیارہ ہورہی ہیں۔ ان کی ہولناک بغاوت کے خون سے یورپ  
جنگی طیارہ بھر مجبور ہو گیا ہے۔“

”ہوا بازوں نے محیط اٹلانٹک کے عبور کی کوشش شروع کر دی ہے۔  
 ہر ہفتے ہم ایک نئی کوشش کی خبر سنتے ہیں۔ کرنل لنڈبرگ نے اپنی  
 حیرت انگیز رات سے ثابت کر دیا کہ محیط اٹلانٹک، پیسیفک، یا  
 محیط ہندی کا کوئی چننا عبور ناممکن نہیں ہے۔ آئندہ جنگ ایسے  
 ہوا باز پیدا کرے گی جو سمندر میں چل رہے ہوں گے اور اپنے عمل کو  
 سمندر پار دیکھ کر کوئی قوم جنگ کی ہولناکیوں سے محفوظ

”آئندہ جنگ کئی سال تک جاری نہیں ہوگی جیسی کہ پچھلی جنگ تھی۔ آئندہ جنگ میں ہر کام بجلی کی سی تیزی سے ہوگا۔ جنگ کا تصور ٹھیکہ دہی کی طرح ہوگا۔ اور بے تار برقی کے آلات میں حرکت ہوگی، اور چشمِ زدن میں تمام جنگجو قوتیں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ غیر مرئی ابد دوزں اپنی جگہوں سے بھل پڑیں گی۔ ہولناک ہوائی بیڑے آسمان کی سطح پر چھا جائیں گے۔ قتل و ہلاکت کے سائنات اور تیز رفتاری سے منتقل ہونے لگیں گے، اور چند لمحوں کے اندر دشمنی اور تری کی تمام زندگیاں تباہ سے بدل جائیں گی۔ پچھلی جنگ میں ایک جہاز کے فرق ہونے میں جتنی دیر لگتی تھی، اُس سے سو گنا جلدوغرقابی عمل میں آئے گی۔ اس جنگ دہی قوم کامیاب ہوگی، جو بے پہلے اپنی ابد دوزں اور ہوائی بیڑے میدان میں پہنچا سکے گی، تاکہ سب سے پہلے اپنی جہتی فرائض ادا کرے۔“

”میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت دُنیا میں جاسوسی، پہلے سے  
 لیں زیادہ موجود ہے۔ خاص طور پر روس کا حکمران جاسوسی سب سے  
 زیادہ منظم ہے۔ میں اُن تمام سلطنتوں کے نام گنا سکتا ہوں جن کے  
 جاسوس دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہاں خود میرے گرد بھی  
 ان کے جاسوسوں کا ہجوم ہے۔ وہ خیال کرتی ہیں، میرا وجود اُن  
 کی سلامتی کے لئے خطرہ ہے۔ حالانکہ اگر ان سلطنتوں کو عقل ہو تو  
 زندہ جان لیتی کہ اس بڑے پائے میں میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ اپنی  
 حکومت پر واپس جاؤں اور دُنیا کو ایک نیا سبق دوں۔ حربِ غریب  
 انہیں، صلح و آشتی کا“

معادہ حجاز و برطانیہ

ابن تازہ ڈاک سے حجاز کا سرکاری جریدہ ”ام القریٰ“ مودھ  
۱۲ ستمبر ۱۹۷۷ء کو وصول ہوا ہے۔ اس میں معاہدہ کی وہ عربی نقل مجسمہ حجۃ  
ہو جو مراسلہ نگار نے ہمارے پاس بھیجی تھی۔ ساتھ ہی وہ خط و کتابت  
بھی شائع کر دی ہے جو بعض مختلف فیہ مسائل کی نسبت فریقین میں پھٹی  
تھی۔ اس خط و کتابت کا تعلق انہی مسائل سے ہے جو جنسین مراسلہ نگار  
نے ”بحث طلب“ اور ”لمتوی شدہ“ قرار دیا ہے۔

اس کے جواب میں حکومت حجاز کی جانب سے ۱۹ مئی کو لکھا گیا:  
 ”آپ کے اس اطلاع کے جواب میں کہ ”جزیرۃ العرب میں اسلحہ جنگ  
 کی خرید و اور اسکا رد و د آپ کی حکومت کی جانب سے ممنوع نہیں ہے۔“  
 شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔“

”آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ حکومت برطانیہ اپنی رائے پر مصر پر جو حالات موجودہ اس نزع کا آخری فیصلہ شکل دی، اس لئے ہم سکے لئے تیار ہیں کہ یہ مسئلہ بالفعل لتوی کر دیا جائے، اور اس کے لایں مناسب توہ اس کا آخری فیصلہ عمل میں آئے۔“

بڑے آئینہ کے لئے دروازہ کھلا دیا ہے اور اپنا حق اقرار معصوم رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

۴۰۔ جوتالی حکومت اسیرا ماہ نہ ہوئی کہما میں صلات چات اپنا موقوفہ ظاہر کرے۔ اور جہاں مکہ متفقہ و متخاص کا تعلق ہو، سو جو وہ متفقہ محل جاری رہو گی۔ برآئے نے جسے اس میں ایک فنڈ، ایسیا نہیں کہا جو اس ہر کردہ اس سلاک کہ انکر یروشلم کیلئے آئے ہو۔ التدریکوت حجاز۔



گرت

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سو گہرا لگے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز  
اور جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!  
انگریزی کا تمام ذخیرہ برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع

ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ  
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور لاطینی زبانوں کی تمام کتابیں  
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں  
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے  
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ  
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ  
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن  
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں  
ہمارے یہاں ہر چھ  
ماہ کے بعد ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے



# ان تمام صحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں، پرانے سکے،  
اور نقش، پرانے نواد، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی  
عجائب و نواد، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش  
گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیجئے۔ اپنی علم اور اہل و دولت، دونوں کے لئے ہمارا  
ذخیرہ قیمتی ہے۔

## نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مہاسی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران  
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عمدتاً تک انداز ہیں!

بر عظیم لویہ پ، ایرک

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے  
رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی وہاں سے ہمیں بھی فراہم کیے

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فرحت کرنے کے لئے بھرپور ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت  
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے

لَا تُفَرِّقُوا بَيْنَ الْفَرِيقَيْنِ فَيَكُونُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي أَسْفَلَ

# الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

نمبر ۱۹

جمعہ ۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 28, October 1927.

جلد ۱

## کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔  
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔  
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال  
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمبوز کی گئی ہیں۔ آپ ان  
دونوں میں سے جسے چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔  
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔  
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی  
تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

## قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۵۸۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۲۵	اردو حروف کی حق میں	۴۲۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۵۱۴	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۶۱	نستعلیق ہوں	۱۵۱۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں  
ہی۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر  
کرینگے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

## جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مطبعہ میں شائع ہوئی تھی جب راجا  
میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی تفسیر  
کرن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی روادار کا  
لئے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا ڈھانچہ بلا امتیاز و مذہب و ملت تیار

نوع انسانی پر کھلی دیا ہے؟  
قیمت ہر (دو روپے) کلکتہ

ریچو

دم

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شیت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سوتیلے

دوا فروش کی دکان

فوراً

ایکٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

سب

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہونا

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو  
انگلستان کے تمام شہروں، سوائیٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی

مکمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بوک برٹین

The Dangle guide  
to great Britain

کا دو سرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک شال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

انہوت

دنیا کا بہترین فائنٹن قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری ہیل بوٹوں

سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

ظاہر کرتے رہے۔ وہ کہا کرتے تھے،  
میں یہ مہم ختم کر کے کسی دیہات  
میں چلا جاؤنگا اور خاموش زندگی  
بسر کرونگا۔ لیکن، جوں جوں  
کامیابی یقینی ہوتی گئی، اُن کے  
خیالات میں بھی نمایاں تغیرات  
ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ صاف کہا  
شرع کر دیا ”مجلس قومی کی  
حکومت“ سلطنت آل عثمان کے  
کھنڈروں پر قائم کی گئی ہے۔ اس  
تصریح سے انہوں نے اپنی نیت کا  
صاف اظہار کر دیا تھا کہ اب وہ آل  
عثمان کی حکومت نہیں چاہتے۔  
پھر فروری سنہ ۱۹۲۳ء میں سمرنا  
کی اقتصادی مؤتمر میں اس سے  
بھی زیادہ صاف الفاظ اختیار کیے۔  
گئے ”ان سلاطین نے ملک کی  
تمام دولت اپنی عیاشیوں میں  
برباد کر ڈالی۔ قوم کو فقیر اور  
قلاش کر کے چھوڑ دیا!“

انہوں نے یہی نہیں کیا کہ  
انگریزوں کو حکومت کا مرکز قرار دیا  
اور خود مجلس کے صدر منتخب  
ہو گئے، بلکہ مجلس میں  
اپنی ہی جماعت کو اکثریت  
بھی دلائی۔ اب اُنکے اختیارات  
بے رک تھے۔ انہوں نے فوراً آل  
عثمان کی حکومت ختم کر کے  
جمہوریت کا آخری اعلان کر دیا، اور  
خود جمہوریت کے پہلے صدر منتخب  
ہو گئے!

کمالی اصلاح کی راہ میں،  
”خلافت“ ایک رک سمجھی  
جاتی تھی۔ چنانچہ اسے بھی انہوں  
نے ہٹا دیا۔ پھر قوانین سلطنت  
کی بھی ترمیم و تنسیخ کی۔  
ملک کی اجتماعی زندگی کی  
ہر شاخ میں بھی انقلاب عظیم  
پیدا کر دیا۔ اب وہ ایک ایسے راستہ  
پر چل رہے ہیں جو اُنکے نزدیک  
بہترین راستہ ہے۔ مستقبل فیصلہ  
کرے گا کہ یہ راستہ صحیح ہے یا غلط؟  
لیکن اس میں شک نہیں ہے،  
جہاں تک ملک کے اجتماعی اور  
معاشرتی انقلاب اور یورپ کی  
مقلدانہ روح کا تعلق ہے، ان کی  
راہ اعتدال و صواب کی راہ نہیں  
ہے۔



سنہ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۳۴ء تک!

(۱) محمد شریک پاشا مرحوم جو اتحاد و ترقی کی دستوری  
حرکت کے فوجی مظہر تھے۔ جنہوں نے سنہ ۱۹۰۸ء میں بغیر کسی  
کشت و خون کے سلطان عبد الحمید مرحوم کو معزول کر دیا۔

(۲) غازی مصطفیٰ کمال پاشا جو ترکوں کی جمہوری تحریک  
کے بانی و زعیم ہیں۔ انہوں نے سنہ ۲۴ء میں نہ صرف عثمانی  
خلیفہ بلکہ عثمانی خلافت کا منصب ہی ختم کر دیا۔

(جدید ترکی)

سنہ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ء) سے اب تک

مصطفیٰ کمال پاشا نے نئی  
قومی حرکت کا علم بلند کیا، اور  
عثمانی شہنشاہی کے کھنڈروں پر  
جدید ترکی سلطنت کی بنیادیں  
تعمیر کر دیں!

ترکوں کو خاص اپنے آبائی وطن  
پر یونان کی غاصبانہ حکومت سے  
سخت اذیت ہوئی تھی۔ وہ  
کسی طرح بھی یہ ذات برداشت  
نہیں کر سکتے تھے۔ وہ مدنظر تھے کہ  
کوئی مرد میدان آئے، اور یہ اس کے  
زیر علم قومی جہاد شروع کر دیں۔  
ضرورت نے مصطفیٰ کمال پاشا  
کو پیدا کر دیا، اور ترکی قوم نے  
پوری خود فروشی کے ساتھ اس کا  
ساتھ دیا۔

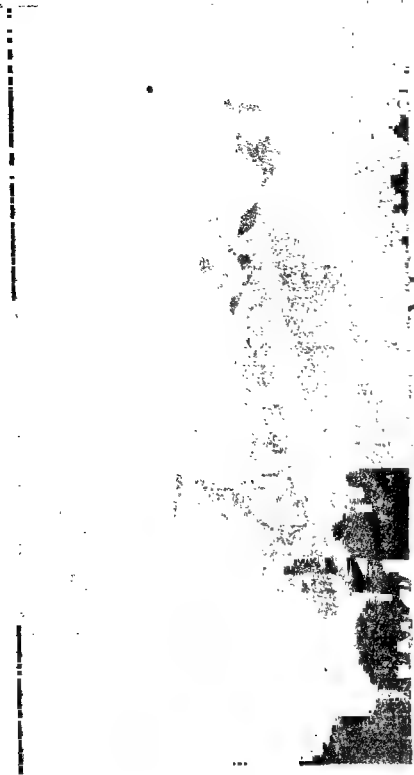
اس وقت قسطنطنیہ پر دول  
اتحاد کا قبضہ تھا۔ سلطان اُنکے  
ہاتھ میں کتھ پتلی سے زیادہ  
وقت نہیں رکھتا تھا۔ جوں ہی  
دول متحدہ نے اناطولیہ میں  
بیچینی دیکھی، سلطان سے  
ایک فرمان شائع کرا دیا جس میں  
مصطفیٰ کمال اور اس کے تمام ساتھی  
باقی اور مستحق قتل قرار دیے  
گئے تھے۔ یہ پہلا مرقعہ تھا کہ ترکوں کو  
آل عثمانیہ کے خلاف بغارت کا خیال  
پیدا ہوا، اور انہوں نے اس خاندان  
سے ہمیشہ کیلئے پیچھا چھڑا لینے  
کا عزم کر لیا۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں اناطولیہ کی  
مجلس قومی نے منظم فرج طیار  
کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت  
تک لوگ کمالیوں کی مجاہدانہ  
جرات پر ہنستے تھے۔ یہاں تک کہ سنہ  
۱۹۲۱ء میں ”آریس نو“ کے معرکہ  
میں عصمت پاشا نے عظیم الشان  
فتح حاصل کی۔ اب دنیا کی  
نظریں مجلس قومی کی طرف  
اُٹھ گئیں۔ اسے عزت کی نگاہوں  
سے دیکھا جانے لگا۔ وہ ترکی قوم  
کی نمائندہ تسلیم کر لی گئی!

شرع میں مصطفیٰ کمال  
پاشا شخصہ ترفع و طور سے تنفر



جاریہ ہے  
اتحاد و ترقی کا سربرآوردہ رکن جسے گذشتہ  
انگورہ میں پھانسی دی گئی -



اندرون ملک اور بیرون ملک میں ترکی قوموں کو جگانے کیلئے مبلغین اور دعاۃ بھیجے گئے۔ غرضکہ ایک نئی حرکت پیدا ہوگئی - جرمنی نے بھی جو اس وقت تک جنگ میں فتحمند تھی، اس تحریک کا خیر مقدم کیا، اور اس کے خوشنما اور موثر بنانے میں سامعی ہوگئی -

تھوڑی ہی مدت بعد بظاہر کامیابی کے آثار نظر آنے لگے۔ اسی زمانہ میں روس کا انقلاب ظہور میں آیا اور بالشویک حکومت قائم ہوگئی۔ روس کی تمام توکی اقوام نے بھی اس تورانی دعوت کو بڑی گرم جوشی سے لبیک کہا - چنانچہ سنہ ۱۹۱۷ء کی تورانی موہنمر میں ۸۰۰۰ - نمائندے مختلف ترکی منگولی اقوام کے یکجا ہوئے، اور بڑے جوش و خروش سے ”اتحاد تورانی“ کے راگ گائے گئے -

مگر بدقسمتی سے ترکی کو جنگ میں شکست آتھانی پڑی - ایسی شکست، کہ، قریب تھا، ترکی حکومت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو جائے - سنہ ۱۹۱۹ء میں دول اتحاد دارالخلافہ پر قابض ہوگئیں، اور وہ وقت آگیا کہ یا تو کوئی عجیب اور غیر معمولی قوت پیدا ہوکر ترکی حکومت کیلئے نیا سامان حیات بہم پہنچا دے؛ یا چہ سو برس کی یہ تاریخ عظمت و جلال ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے!



جمال پاشا  
جو ایام جنگ میں والی شاہ تھا

# تاریخ و عبر

## حکومت ترکیہ

اور اس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

• • • • •

شرح سے اب تک

• • • • •

(۳)

تورانی دور

سنہ ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) سے سنہ ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۸ء) تک

• • • • •

”تورانیٹ“ کا برق پھونکا گیا - ترکی قوم نے اسے سنا -  
مگر زیادہ مانوس نہ ہوئی - کیونکہ اس بوق کے پھونکنے والے اگرچہ



طلعت ہے

اتحاد و ترقی کا سربرآوردہ رکن

نسلاً ترک تھے، مگر تمام تر بیرونی ممالک کے باشندے تھے، اور ان پر ترکوں کو پورا بھروسہ نہ تھا - وہ بارہا دھوکے کھا چکے تھے - تورانیٹ کے اولین علم بردار روسی تاتاری نوجوان تھے جو عہد حمیدی کے بعد ترکی میں آئے تھے، اور تمام ترکی اقوام کو تورانی قومیت کے نام پر جمع کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے - ان میں سب سے زیادہ سربرآوردہ شخص ازغلی یوسف اور احمد اغاییف بک تھے -

لیکن چونکہ یہ نئی دعوت دنیا کی موجودہ قوم پرست ذہنیت کے بالکل موافق تھی، اس لیے بہت جلد ترحش دور ہوگیا، اور جوق جوق ترک اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے - وزارت داخلہ، مشیخۃ اسلامیہ، اور وزارت اوقاف نے اپنے اپنے خزانوں کے منہ اس کی تقویت و تبلیغ کیلئے کھول دیے - یہی نہیں بلکہ تمام سربرآوردہ اخبارات مثلاً ”اقدام“، ”ترجمان حقیقت“ اور ”جون ترک“ وغیرہ کے صفحات اس کے لیے وقف ہوگئے - بڑی بڑی انجمنیں مثلاً ”ترک پرورد“ اور ”ترک آجاتی“ وغیرہ قائم کی گئیں -

علوم و فنون یہاں رواج پائے۔ پیٹرا کے وسیع تماشہ گاہوں، عجیب و غریب معماروں، دلکش باغوں، اور تجارت سے حاصل کی ہوئی عیش و عشرت نے، اسے سیاحان وقت کا کعبہ سفر بنا دیا تھا۔ یورپ کے لیے روما اور ایشیائے کوچک کے لیے پیٹرا، یکساں منزلت رکھتے تھے۔ تجارتی لحاظ سے یہ نبطی شہر دنیا کا قدیم کا قراچہ تھا۔ یہ وسطی یورپ کا برلن۔

حریص اہل روما پر پیٹرا کی شہرت نہایت شوق گزرتی تھی۔ بالآخر انہوں نے ایک طاقتور بحری بیڑے کی مدد سے سنہ ۱۰۵ ع میں پیٹرا اور اس کے حوالی فتح کر لیے۔ اب یہ حصہ ملک "اریٹیا پیٹرا" کے نام سے رومانی سلاطین کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ رومانی عہد حکومت میں بھی پیٹرا عرصہ دراز تک عرب، فارس، ہند، فلسطین، مصر، اور شام کی کاروانی تجارت کا مرکز رہا۔ لیکن بعد کو شاہراہ تجارت کی تبدیلی اور روما کے زوال نے پیٹرا کے انحطاط کے دور کا آغاز کر دیا۔

( استدراک )

مندرجہ صدر مقالہ مرلوی محمد یعنی صاحب وکیل بدایوں نے بعض انگریزی رسائل سے اخذ کر کے لکھا ہے، جو بعض جزئی ترمیمات کے بعد درج کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں چند امور کی وضاحت ضروری ہے :

(۱) پیٹرا کے یہ آثار مقامی عربوں میں "رقیم" کے نام سے مشہور ہیں۔ گذشتہ صدی کے اواخر کے اور حال کے تمام سیاحوں نے اسی نام سے اسکی تحقیقات کی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں جب مقام "طابہ" کی نسبت حکومت مصر اور دولت عثمانیہ میں نزاع ہوئی تھی، اور ایک مشترک ترکی مصری کمیشن تحقیقات کے لیے متعین ہوا تھا، تو اسوقت بھی "الرقیم" کے ذکر سے دنیا کے کان آشنا ہوئے تھے۔

(۲) تورات میں بھی "رقیم" کا ذکر موجود ہے۔

(۳) قرآن حکیم نے سورہ کہف میں جہاں "اصحاب کہف" کا ذکر کیا ہے، وہاں "الرقیم" کا لفظ بھی آیا ہے : ام حسبتم ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا ؟ ( ۸ : ۱۸ ) کہف کے لفظ کے معنی واضح تھے کہ غار کے ہیں، مگر "الرقیم" کے مفہوم کے تعین میں اختلاف ہوا۔ عربی میں رقیم کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو لکھی ہوئی ہو۔ اس لیے بعض مفسرین نے خیال کیا کہ رقیم سے مقصود یہ ہے کہ اصحاب کہف کے حالات قلمبند کر لیے گئے تھے۔ یا اس غار پر جس میں اصحاب کہف کی نعشیں تھیں، کوئی کتبہ لکھ کر لگا دیا ہوگا۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عباس کا ایک قول بہ روایت سعید بن جبیر نقل کیا ہے کہ اصحاب کہف کا حال ایک پتھر پر کھد کر نصب کر دیا گیا تھا۔ اسی لیے "رقیم" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

(۴) عجب نہیں اس خیال کا باعث وہ عام شہرت ہو جو ایشیائے کوچک اور شام کے عیسائیوں میں ایک ایسے ہی واقعہ کی نسبت موجود تھی۔ قدیم لاطینی تحریرات میں ایک ایسی تحریر

کچھ عرصہ کے بعد بنو اسرائیل کا زوال شروع ہو گیا۔ اہل اسیریا نے رفتہ رفتہ ان کے ممالک، چین، ایسے۔ اندونیا بھی بلجزار بن گیا۔ اہل اسیریا کو جب میدیا والوں کے ہاتھوں شکست ملی، تو ان کے ضعف نے نبطیوں کو پیٹرا پر قابض کر دیا۔ حضرت اسماعیل کے ۲۲ - لڑے تھے۔ "نابت" سب سے بڑے تھے۔ ان سب بھائیوں کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئیں۔ بنو نابت کو نبطی یا بنو نیابوط بھی کہتے ہیں۔ نبطیوں نے نہایت ترقی کی۔ ابتداءً ان کا پیشہ بحری قزاقی تھا۔ بعد کو ایک طاقتور اور متمدد قوم بن گئے۔ ان کے مکانات عالی شان اور سنگیں تھیں۔ تجارت، صنائع، سنگ تراشی، شیشہ سازی، ظروف سازی، پارچہ بافی، میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

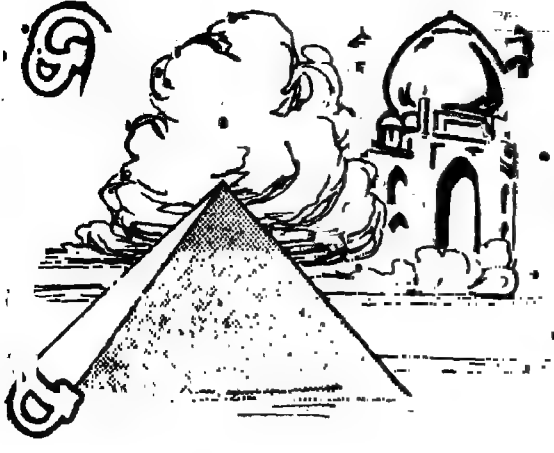
انباط کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ اس کے حدود شمال میں دمشق تک، غرب میں فلسطین تک، اور جنوب میں وسط عرب تک پھیلے ہوئے تھے۔ پیٹرا یا رقیم ان کا دارالامان تھا۔ ادرمی و نبطی عہد میں پیٹرا تجارت عالم کا مرکز بن گیا تھا۔ پیٹرا کے عروج کے وقت وادی موسیٰ دنیا کی مشہور ترین شاہراہ تھی۔ کاروانوں کے گھنٹوں کی غیر منقطع جھنکار اور پے درپے قافلے کے شور و ہنگاموں نے اہل

روما کو بھی متحیر کر دیا تھا۔ انباط کا آخری بادشاہ حارث رابع تھا۔ یہ بادشاہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ ( علیہما السلام ) کا ہم عصر تھا۔ اس نے یہودیوں کے بادشاہ ہیرودیس قاتل حضرت یحییٰ پر فوج کشی کی، اور میدان جنگ میں ہزیمت دی۔ پولوس حواری اسی حارث کے یہاں قید تھا، اور جیل خانہ سے کسی نہ کسی طرح فرار ہو گیا تھا۔ حارث کے بعد کوئی طاقتور حکمران پیدا نہیں ہوا۔ دولت انباط اہل روما کی ناقابل تسخیر قوت کی تاب مقاومت نہ لاسکی، اور ہمیشہ کے لیے اپنی آزادی کھو بیٹھی۔

عہد نامہ عتیق میں "سلاخ" کے نام سے اس شہر کا تذکرہ ہے۔ عبرانی زبان میں سلاخ کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ جب فراعنہ

مصر کے مظالم نے بنو اسرائیل پر سرزمین مصر تنگ کر دی تھی، وہ شہر بہت زمانہ سے آباد تھا، اور پرانا شہر کہلاتا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بنو اسرائیل نے صحرا نوردی سے تنگ آکر اہل بٹرا سے پناہ کی درخواست کی تھی، لیکن انہوں نے اپنے دروازہ بد نصیبوں پر بند کر دیے۔ اسی لیے انبیاء بنی اسرائیل نے اہل بٹرا کے حق میں سخت بد دعائیں کی تھیں۔

پیٹرا عرصہ دراز تک مصری تمدن کے زیر نگین رہا۔ مصریوں سے مل پیٹرا کے تجارتی تعلقات جاری رہتے تھے۔ ادرم کے بادشاہان پر کی، شادیاں فراعنہ مصر کے خاندانوں میں ہوتی تھیں۔ فن یک تراشی میں پیٹرا نے مصر سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ پیٹرا کے جوان اور متمول طلباء علم و فن کی تکمیل کے لیے مصر کا سفر کرتے تھے۔ دنیا کے شہروں میں پیٹرا مضبوط ترین شہر سمجھا جاتا تھا۔ ندر اعظم نے بھی اس کے فتح کے لیے ایک جوار فوج بھیجی تھی، لیکن پہاڑی دیوار عبور نہ کرسکی۔ اگرچہ یونانی تلوار پیٹرا کو نہ کرسکی، لیکن یونانی تمدن نے اسے مغرور کر لیا۔ یونانی



# ثغر عتیقہ



جبل حر کے نام سے پکاری جاتی ہے - اس راہی خاموش میں  
ہر جگہ مندروں اور محلوں کی کثرت ہے -

( اثری تحقیقات )

ایک صدی کا عرصہ ہوا، اسکاٹ لینڈ کے مشہور سیاح عرب، جان  
برکٹ نے اس شہر کا معائنہ کیا تھا - سنہ ۱۸۴۶ء میں ہلینا  
مارتینا نامی ایک سیاح عورت نے بھی یہ کہنڈر دیکھے تھے - دریا  
تین سال ہوئے، درجمن ماہرین آثار نے بھی چند مساحت دائروں  
کی معیت میں اس راہی کی تحقیقات کی تھی، اور متعدد نقشے  
اور خاکے طیار کیے تھے -

( تاریخی حالات )

اگر تورات کے موجودہ نسخے پر اعتماد کیا جائے، تو ”رقیم“  
کی ابتدائی تاریخ حسب ذیل ہے :

قطر حضرت ابراہیم کی  
تیسری بیوی تھیں - ان کے  
بطن سے مدین پیدا ہوا -  
مدین کی اولاد پہلی پہلی  
اور اتنی بڑھی کہ بالآخر ایک  
قوم بن گئی - بنو مدین،  
سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح میں  
پانچ قبائلی شیخ یا مشرک کے  
زیر نگیں تھے - ایک بادشاہ کا نام  
رقیم تھا، پہلی صدی قبل  
مسیح کا اسرائیلی مورخ  
یوسیفس لکھتا ہے کہ اسی  
مدینائی بادشاہ نے رقیم آباد  
کیا تھا - اسکا دوسرا نام پیٹرا  
یونانیوں نے رکھا تھا - یونانی  
زبان میں پیٹرا پتھر کو کہتے  
ہیں - غالباً اس شہر کا سنگستانی ماحول اس نام کیلئے محرک  
ہوا ہوگا -

مدینائی قوت کے اضمحلال کے بعد بنو ادرم مسلط ہو گئے -  
حضرت ابراہیم کی زوجہ اریٰ سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا  
ہوئے تھے - حضرت اسحاق کے دل کے ہوئے - یعقوب اور عیص  
یا ادرم - بنو ادرم انہیں ادرم کی نسل سے تھے -

سلاطین ادرم نے ایک عرصہ تک رقیم پر حکمرانی کی -  
آخری ادرمی بادشاہ ہدار کے زمانہ میں ادرمیوں اور اسرائیلیوں  
میں سخت معرکہ آرائیاں ہوئیں - شارل ( طالوت ) اور حضرت داؤد  
نے بنو ادرم کو درپے درپے ہزیمتیں دیں - بالآخر ادرمیں صدی قبل  
مسیح میں امروسیا بادشاہ یہوہ نے رقیم فتح کر لیا -

## شہر رقیم کا انکشاف

۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ام حسبتم ان اصحاب الکہف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجا

( ۲ )

( قربان گاہ )

پہاڑوں سے تراشی ہوئی سیڑھیاں جن میں سے بعض بعض کا  
طول ایک میل ہے، پیٹرا کی چوٹیوں تک پہنچا دیتی ہیں -  
انہیں سے اکثر سیڑھیاں عہد عتیق کی ان مرتفع قربانگاہوں سے گزرتی  
ہیں جہاں ہزارہا سال پہلے اہل پیٹرا اپنے مراسم مذہبی بجا لاتے تھے -  
ان میں سے بعض آثار تقریباً ایک ہزار فیت کی بلندی پر واقع ہیں -

ایک زینہ اس مندر تک  
پہنچتا ہے جو اسوقت تک  
” الدیر “ کے نام سے موسوم  
ہے - اسکی دیوہ سرفیت  
انچی کلابی روڈ ایک پہاڑ سے  
تراش کر بنائی گئی ہے - اسکی  
چوٹی پر بھی ایک صراحی  
نما ظرف ہے - عرب اسے بھی  
جواہرات کا مخزن کہتے ہیں -  
دوسرا زینہ جبل قربانی کا راستہ  
ہے - یہ پہاڑی بالکل علحدہ  
ہے - اس پر سے پوری راہی کا  
منظر نظر آ جاتا ہے - اسے  
بالائی حصہ میں دو قربان  
گاہیں ہیں - ایک آگ جمع  
کرنے کیلئے تھی - دوسری میں

ان جانوروں کا خون جمع ہوتا تھا جو قربان کیے جاتے تھے - قربان گاہ  
کے قریب قدیم روضہ کے در طویل مربع مینار ہیں - پہاڑ کے عقب  
میں ایک دوسری مرتفع چوٹی ہے جسپر ایک صلیبی ناٹ  
کے قلعہ کے بعض آثار نظر آتے ہیں - مگر اس ناٹ کا نام معلوم  
نہیں -

( مدفن حضرت ہارون )

یہاں سے کچھ فاصلہ پر ایک سیاہ پہاڑ کا عکس سا معلوم ہوتا ہے -  
اسکی چوٹی پر ایک سفید گنبد تعمیر ہے - ریگستانی سرچ کی  
کرنیں اسے آرزو زیادہ چمکدار بنادیتی ہیں - اہل عرب کا قول ہے کہ یہی  
جگہ حضرت ہارون ( علیہ السلام ) کا مولد و مدفن ہے - اس سفید گنبد  
میں ایک چھوٹی سی مسجد اور چھوٹا سا مقبرہ بھی ہے - یہ پہاڑی



قربان گاہ

مجھے سے کہتے ہیں، آؤ ہمارے ساتھ مل کر نوجوان لڑکیوں سے ملاقاتیں کرو۔ کیونکہ تم بھی ہماری ہی طرح مرد ہو گئے ہو! مگر وہ بالکل نہیں جانتے کہ اگرچہ میں مرد ہو چکی ہوں، مگر اب تک میرے جذبات نسوانی ہی ہیں۔ میں ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر آتش رشک میں جلنے لگتی ہوں۔ وہ مجھے اپنی رقیبہ معلوم ہوتی ہے!

میں اب مرد ہونے کے بعد زندگی پر نظر ڈالتی ہوں تو پہلے سے مختلف پاتی ہوں۔ اب زندگی میرے لیے رسی رحیم و شکر نہیں رہی جیسی پہلے تھی۔ اب خود مجھے دوسروں کی حمایت کرنے کے فرائض ادا کرنا پڑتے ہیں۔ حالانکہ پہلے دوسرے لوگ میری حمایت کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ مجھے اپنی تڑپیں و آرائش کے سوا کوئی فکر نہ تھی۔ اب مجھے اپنے ساتھ تھپتھپانے والی عزتوں کے مصارف اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتے ہیں، حالانکہ پہلے میرے مصارف دوسروں کے ذمے ہوا کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اب میری آزادی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اب میں اپنی زندگی کی مالک ہوں۔ آزادی سے جہاں چاہوں جاسکتی ہوں، اور جتنی دیر چاہوں، گھر سے باہر رہ سکتی ہوں۔

شروع میں خیال تھا کہ نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں، دونوں مجھ سے نفرت کریں گے۔ میری یہ جنسی تبدیلی کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط تھا۔ دونوں گروہ مجھے پسند کرتے ہیں۔ مرد اس لیے کہ مرد ہو گئی ہوں اور ان کی صحبتوں اور گفتگوؤں میں مرد کی طرح حصہ لینے لگی ہوں۔ عورتیں اس لیے کہ پہلے میں انہی کی طرح عورت تھی میری طرف زیادہ رغبت کا اظہار کرنے لگی ہیں اور مجھ سے محبت کی طالب ہیں۔ لیکن عورتوں کی یہ حرکت مجھے بالکل نہیں بھاتی، کیونکہ اگرچہ طبیعوں نے میرے مرد ہو جانے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ مگر منہم احساس ہنر یہی ہے کہ میں عورت ہوں!

جنوبی اخبارات نے میری اس ”بد نصیبی“ کی خبر شائع کی، یورپ کے مختلف شہروں سے تقریباً پچاس درخواستیں عورتوں نے میرے پاس بھیج دیں۔ جن میں لکھا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے طیارہ ہیں۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ وہ مجھ سے شادی کیوں چاہتی ہیں؟ سب نے بالاتفاق لکھا تھا ”ہم تم سے اس لیے شادی پسند کرتے ہیں کہ تم پہلے عورت تھیں، اس لیے عورتوں کے احساسات و جذبات سے بخوبی واقف ہو۔ تم دنیا کے تمام مردوں سے زیادہ بہتر شہر بن سکتی ہو“

لیکن میں کسی عورت سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ میں نے قسم کھا لی ہے کہ اپنے منگیتر سے محروم ہو جانے کے بعد اسی کی طرح میں بھی عمر بھر بغیر شادی کے رہوں گی!

تمام طبیعوں کا بیان ہے کہ میری یہ تبدیلی نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ یونانی کی ایک یونیورسٹی مجھے ایک ہزار پونڈ اس شرط پر دے رہی ہے کہ موت کے بعد اپنی نعش اُس کے حوالہ کر دوں اور وہ میری جسمانی ساخت کا معائنہ کرے۔ ہر طرف سے لوگ مجھے لکھ رہے ہیں کہ اگر میں دنیا کا دورہ کروں تو بڑی دولت جمع کر لوں گی۔ ایک سینما کمپنی کی بھی درخواست آئی ہے۔ وہ میری تصویریں لیکر تماشا گاہوں میں دکھانا چاہتی ہے۔ لیکن میں اس قسم کی کوئی بات بھی منظور نہیں کروں گی۔ میں اپنے جسم کو مال جمع کرنے کا آلہ بنانا نہیں چاہتی۔“

میں زور سے چلا آتی ”نہیں، نہیں، میں مرد ہونا نہیں چاہتی!“

”اب یہ زنانہ کپڑے اتار دو“ ایک ڈاکٹر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”اب ہمارا جیساہ کوت پتلون پہن لو۔ آج کے بعد یہ ریشمین جرائیں اور اونچی لڑکی کا جوتا نہ پہننا! اب تم ہماری طرح مرد ہو گئی ہو!“

میری مصیبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اپنے منگیتر کو یہ ہولناک خبر سنانا ابھی باقی تھا!

”خدا یا! میں کیا کروں؟“ راستے میں میں خیال کرنے لگی ”اپنے منگیتر سے کیونکر کہوں؟“ ”آف!“ یہ منحوس خبر اُسے کیسے سناؤں؟“

”میرے دوست“ میں نے انتہائی حسرت و یاس سے لڑکھاتی آواز میں اپنے عاشق کو مخاطب کیا ”اب میں عورت نہیں رہی۔ ہماری شادی ناممکن ہے!“

اُس نے قہقہہ مارا اور مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن میں نے سنجیدگی سے تمام واقعہ سنا دیا۔

”کیا؟“ وہ غصہ سے چلابا ”کس شیطان نے تم سے یہ کہہ دیا ہے؟“ میں نے جیب سے طبیبی سندیں نکال کر اُسکے سامنے ڈال دیں۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ ہم دیر تک حسرت و یاس سے بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بار بار اُس پر ایک غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ ہم دونوں اپنی پچھلی محبت پر غور کرتے تھے، اپنے وعدے یاد کرتے تھے، مستقبل کا خیال کرتے تھے، اور یہ سب کچھ ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا۔ ایسی غمناکی بچدی (دنیا میں کبھی واقع نہیں ہوئی ہوگی)!

میں اگرچہ اب مرد ہو چکی تھی، لیکن اپنے منگیتر کی محبت میرے دل میں بالکل اتنی ہی اور رسی ہی تھی، جتنی اور جیسی عورت ہونے کی حالت میں ہو سکتی ہے۔ میری حسرت بے حساب تھی۔ میں خیال کر رہی تھی کہ میرا عاشق اگر چاہے تو کسی دوسری عورت کو اپنی بیوی بنالے سکتا ہے، لیکن میں کتنا ہی چاہوں، اب کسی مرد کو اپنا شہر نہیں بنا سکتی!

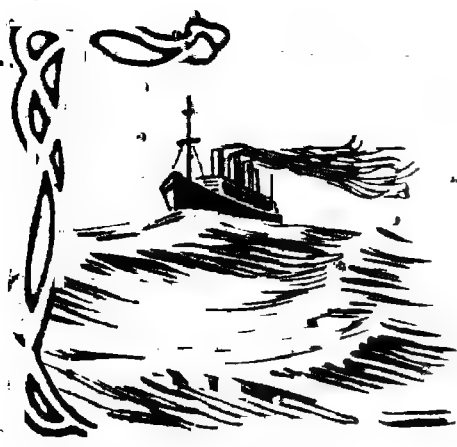
”کچھ پورا نہیں!“ میرا عاشق جوش سے چلا کر کھڑا ہو گیا۔ ”اگر تم مرد ہو گئی ہو تو کوئی پورا نہیں۔ میں تم سے اب بھی محبت کروں گا۔ اگر تم میری بیوی نہیں بن سکتی، تو دوست تو بن سکتی ہو؟ میں تم سے ایسی محبت کروں گا، جیسی محبت اس آسمان کے نیچے کسی نے بھی اپنے دوست سے نہیں کی ہوگی! میں زندگی بھر تمہارے نام پر کنوارا رہوں گا!“

پھر ہم دونوں نے نہایت جوش سے مصافحہ کیا۔ لیکن کیسا مصافحہ؟ مردانہ مصافحہ!

جب میں نے پہلی مرتبہ خوبصورت زنانے کپڑے اتار کر مردانے کپڑے پہنے، تو بے اختیار دل بھر آیا، اور پھوٹ پھوٹ کر رہنے لگی۔ آئینہ میں جب میں نے اپنی صورت دیکھی، تو رنج و غم کی شدت سے میرا دل قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ آج میں بازاروں میں اپنی سہیلیوں کو زنانہ لباس میں چلتے دیکھ کر رشک و حسد سے جل جاتی ہوں۔ ہر عورت کے نسوانی رجحان کا منظر میری آنکھوں کے لیے غم ناک ہے۔ میرا دل بے اختیار ررنے لگتا ہے!

یہ عجیب بات ہے کہ نوجوان مرد جو پہلے مجھ سے اظہار محبت کرتے تھے اور مجھے اپنے ساتھ فخر و مباہات سے تھپتھپاتے تھے، اب





# برید ترک



## اب میں مرد ہون!

— چہرہ —

ایک عورت کے خیالات مرد ہوجانے کے بعد!

• • •

اٹلی میں رہنا ٹیگرا زینا نامی ایک اٹھارہ سال کی درشیزہ لڑکی تھی۔ اچانک اُس کے اعضاء میں تبدیلی شروع ہوئی۔ اب وہ پورے معنی میں مرد ہو گئی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے اُسے مرد ہونے کی سند دیدی ہے!

پچھلے دنوں ریوٹر ایجنسی نے یہ خبر تمام دنیا میں مشہر کر دی تھی۔ اب اسکی مزید تفصیلات انگلستان کے اخبارات میں آگئی ہیں:

یہ حیرت انگیز واقعہ گزشتہ ماہ اگست میں پیش آیا۔ اس سابق درشیزہ اور حال کے نوجوان 'مرد' نے اخبارات میں ایک مضمون شایع کیا ہے۔ اس مضمون میں وہ مرد ہوجانے کے بعد اپنے تاثرات بیان کرتا ہے۔ چونکہ وہ اب تک اپنے جذبات میں نسوانیت کا تاثر ظاہر کرتا ہے، اسلیے بہتر ہے کہ ہم بھی اُس کا ذکر ضمیر مونس کے ساتھ کریں۔ وہ لکھتی ہے:

”بچپن ہی سے میرے دل میں یہ تمنا موجود تھی کہ کاش میں مرد ہوتی، تاکہ مردوں کی سی آزاد زندگی بسر کر سکتی۔ لیکن اب جبکہ قدرت نے میرے لڑکپن کی یہ طفلانہ آرزو پوری کر کے دنیا کا سب سے بڑا عجیب واقعہ دکھا دیا ہے، میری خواہش بالکل برعکس ہو گئی ہے۔ کاش میں دوبارہ عورت ہوجاتی!

مسلسل: تین ہفتے اطباء کی ایک بڑی مجلس، میرا طبی معائنہ کرتی رہی۔ بالآخر متفقہ طور پر اُس نے فیصلہ صادر کر دیا کہ میں عورت نہیں رہی۔ مرد ہو گئی ہوں۔ قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ عجیب فتنی سن کر میری حیرت کا کیا حال ہوا ہوگا؟ میں مبہوت ہو کر رہ گئی۔ پھر میں پھرت پھرت کر رونے لگی۔ میں نے اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ میری ہچکی بندھ گئی۔

(۹) تورات میں جس پہاڑ کا ذکر ”جبل ہور“ کے نام سے کیا گیا ہے (جو عبرانی لفظ ہے) وہی آج کل ”جبل حور“ کے نام سے عربوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ یہ خیال کہ یہاں حضرت ہارون علیہ السلام دفن ہوئے تھے، غلط نہیں ہے۔ تورات سے پوری طرح اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ سفر اعداد اصحاح ۲۰ - میں حضرت ہارون کی وفات کا ذکر موجود ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک اسی جغرافیائی محل میں، جبل ہور کی بلندیوں پر، حضرت ہارون نے وفات پائی تھی۔ اسلامی عہد میں بھی یہ مقام، اس حیثیت سے مشہور تھا۔ چنانچہ غالباً عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد اہ وقت تک موجود ہے۔

اس وقت تک موجود ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی مسیحی میں انطاکیہ کے ایک بطریق نے یہ تحریر لکھی تھی۔ اس میں سات آدمیوں اور اُن کے ایک وفادار کئے کرائیمری نامی کا (جسے عربی میں قطمیر کر لیا گیا ہے) قصہ بیان کیا گیا ہے۔

(۴) لیکن اگر ”رقیم“ سے مقصود وہی شہر ہے، جس کا ذکر عہد عتیق اور یوسف کی تاریخ میں ہے، تو ”رقیم“ عبرانی لفظ ہے نہ کہ عربی، اور اس لیے عربی مادہ کی اس کے لیے جستجو سود مند نہیں۔ عبرانی میں یہ لفظ ”راقیم“ تھا۔ عربی میں ”رقیم“ ہو گیا۔

(۵) عرب شعراء جاہلیہ کے کلام میں جس طرح کہف کا ذکر پایا جاتا ہے، رقیم کا بھی ذکر موجود ہے۔ امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے:

ولیس بها الا الرقیم مجاوراً  
وصیدهم، والقوم فی الکھف ہمد

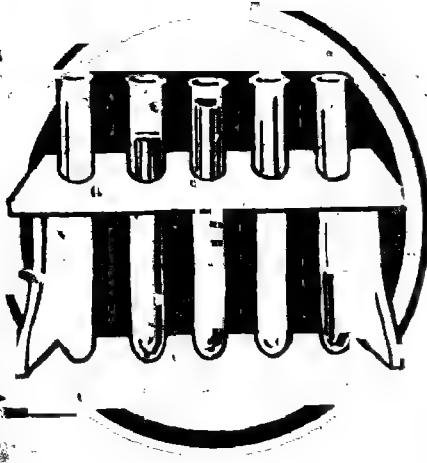
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب جاہلیت کے لوگ ”الرقیم“ سے راقف تھے، اور اصحاب کہف کے قصہ کی بھی شہرت تھی۔ البتہ تمام پرانے راقعات کی طرح یہ واقعہ بھی بہت کچھ معروف ہو گیا تھا، اور طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہو گئی تھیں۔ قرآن حکیم نے اصلی واقعہ آشکارا کر دیا۔

(۶) بلاشبہ اغلب یہی ہے کہ ”الرقیم“ سے مقصود یہی شہر ہو۔ الرقیم عرب میں یا عرب سے بالکل متصل واقع تھا۔ قرب کی وجہ سے وہاں کے حالات قدرتی طور پر اہل عرب کے علم میں آتے رہتے تھے۔ اگر عالم مفسرین اور مورخین کا یہ خیال تسلیم کر لیا جائے، کہ اس واقعہ کا تعلق ایشیائے کوچک کے رومی شہر ایفی سس (افروس) سے تھا، تو قدرتی طور پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عرب جاہلیت میں ایک رومی شہر کا واقعہ جو یونانی زبان میں لکھا گیا تھا، کیونکر مشہور ہو گیا؟

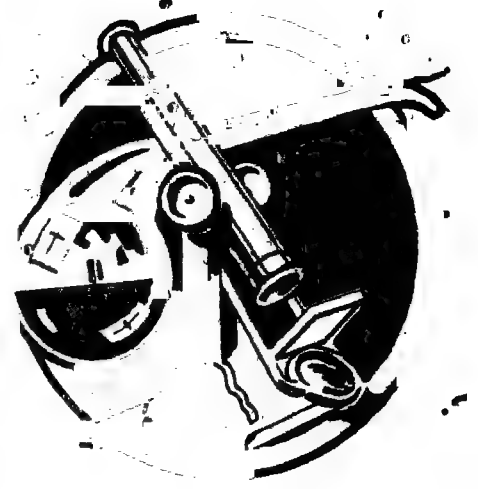
(۷) مفسرین میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔ چنانچہ امام ابن جریر اور ابوالفداء نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں۔

(۸) مضمون میں ایک پہاڑی چشمہ کا ذکر ہے جسکی نسبت عربوں میں مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والا چشمہ ہے۔ یہ شہرت بے اصل نہیں معلوم ہوتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنو اسرائیل کے قبائل ساتھ لیکر مصر سے نکلے، تو فلسطین تک پہنچتے پہنچتے دو راقعات پہاڑی چشموں کے بہنے کے پیش آئے۔ پہلا واقعہ وادی سینا میں پیش آیا تھا، جس کا ذکر سفر خروج کی فصل ۱۷ - میں ہے۔ دوسرا واقعہ وہ ہے جو انومیوں کے ملک کے قریب ایک ایسے مرقعہ پر پیش آیا تھا جہاں سے ”جبل ہور“ قریب تھا۔ اس کا ذکر سفر اعداد کے اصحاح ۲۰ - میں ہے۔ یقیناً یہ دوسرا واقعہ شہر رقیم ہی سے تعلق رکھتا ہے، اور اسی لیے اسکا نام وادی موسیٰ مشہور ہو گیا ہے۔



# مذاکرہ علمیہ



## علوم مادیہ کی ترقی

اور

علماء کے حوصلے

عقل انسانی کس حد تک ترقی کرتی چلی جائیگی؟ مادی علم کی تگ و دو کہاں پر جا کے رکے گی؟ علماء کے حوصلے کیا ہیں؟

علم کی موجودہ حیرت انگیز ترقیاں دیکھ کر یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جواب بہت مشکل ہے۔ اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عام 'کائنات فطرت کے جملہ مادی و روحانی راز معلوم کر لینا چاہتا ہے۔ اگرچہ وہ اس وقت تک صرف چند گوشوں ہی پر سے پردہ اٹھا سکا ہے۔ فی الحال علماء کے سامنے اہم ترین مسائل حسب ذیل ہیں:

- (۱) شباب کی تجدید
- (۲) زندگی کی زیادہ سے زیادہ تطویل
- (۳) حسب مرضی نسل کی تولید
- (۴) زندگی کی تخلیق
- (۵) موت کے بعد زندگی کا اعادہ

علم اور علماء کے یہ حوصلے 'کچھ نئے نہیں ہیں۔ قدیم ترین زمانوں سے یہ مسائل زیر بحث ہیں۔ البتہ پہلے دنیا ان مسائل کے اشتغال کو جنوں سمجھتی تھی اور ان پر ہنستی تھی۔ لیکن اب نہ کوئی ہنستا ہے، نہ جنوں سمجھتا ہے۔ بلکہ سب حیرت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حیرت انگیز علمی انکشاف دیکھنے کے منتظر رہتے ہیں۔ کیونکہ گزشتہ ۱۵ برس میں علم نے زیادہ سے زیادہ ناممکن باتیں ممکن کر دکھائی ہیں۔

ڈاکٹر رورر نوف نے اب بکثرت عملی تجارب سے ثابت کر دیا ہے کہ شباب کی کامل تجدید، رہم و خیال نہیں ہے جیسا کہ پہلے سمجھا جاتا تھا، بلکہ واقعہ و مشاہدہ ہے۔ اس ڈاکٹر نے از کار رفتہ بزرگوں کو بالکل جوان بنا دیا ہے۔ وہ اب تک زندہ ہیں اور صحیح معنوں میں جوان ہو گئے ہیں۔

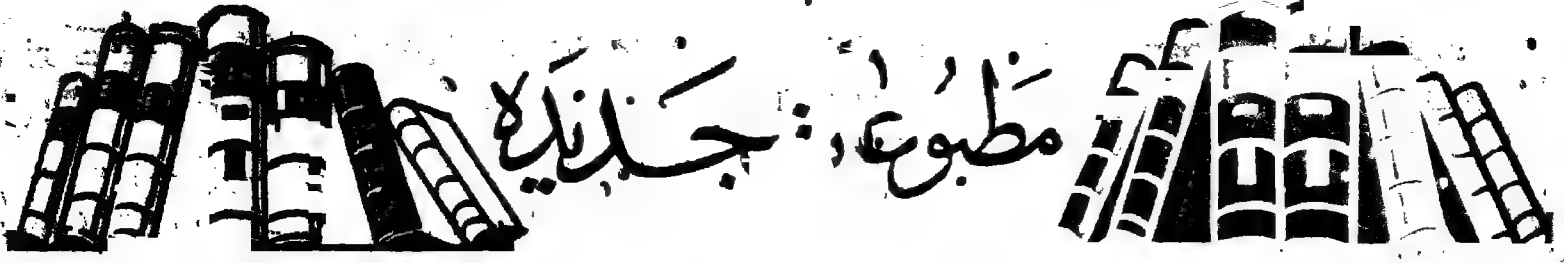
حال ہی میں یہ علمی انکشاف بھی ہوا ہے کہ ایک مرے ہوئے کچھوے کا دل اطباء نے کات لیا اور نمک پوٹاس، اور سوڈے کے اجزاء سے ممزوج عرق میں ڈال دیا۔ چند ہی لمحے بعد دل میں زندگی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ وہ زندہ دل کی طرح حرکت کرنے لگا۔ کئی گھنٹے تک زندہ رہا۔ حالانکہ کچھوے دیر سے مرا پڑا تھا!

قلب کو زندہ کر دینے کا یہ پہلا تجربہ نہیں ہے۔ اس قسم کے بے شمار تجربے ہو چکے ہیں۔ یہ عمل مدت سے جاری ہے کہ موت

کے بالائی حصہ پر پہنچتا اور اس ائران میں داخل ہوتا جس میں بادشاہ، ولی عہد، اور ارکان سلطنت بڑے جاہ و جلال سے بیٹھے ہوتے تھے۔ شاہی استقبال کے بعد سفیر اپنی تحریر اسناد سناتا تھا اسکے بعد اپنے کاغذات پیش کرتا۔ پھر بادشاہ کے حضور اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کو ایک ایک کرتے پیش کرتا۔ استقبال کا یہ جاسہ بہت دیر تک رہتا تھا۔ پھر سب کھانے کے کمرے میں جاتے تھے اور دعوت شروع ہو جاتی تھی۔ بعض سفیر اس قدر بہر کیلی اور بہاری زردیاں پہنتے ہوتے تھے کہ انکے بوجھ سے کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ مجبور ہوتے تھے کہ دسترخوان پر بیٹھنے سے پہلے دوسرے کمرے میں جا کر اپنا لباس بدل آئیں۔ دعوت کے بعد سفیر پھر اپنی سرکاری زردی پہن لیتا اور ولی عہد اور وزراء وغیرہ سے ملاقات کرتا۔ یہ ملاقاتیں بھی اتنی لذیذ ہوتی تھیں کہ سفیر تک جاتا تھا، اور کھانے کے کمرے میں دوبارہ جا کر کچھ کھا پی لیتا تھا۔

لیکن اب یہ طریقے سرفروغ ہو گئے ہیں۔ آج کل یورپ میں یہ دستور ہے کہ نئے سفیر کے پہنچنے کے بعد دو بجے حاجب سفارت خانہ جاتا ہے۔ سفیر اور اس کا عملہ سرکاری زردیاں پہنتے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ چند منٹ بعد سرکاری گاڑیاں اور بڑی گارڈ ہوتی جاتا ہے، اور سفیر صدر جمہوریت یا بادشاہ کی ملاقات کے لیے محل کو روانہ ہو جاتا ہے۔ سفیر کے پہنچنے پر جنٹی موسیقی کے ذریعہ اسے سلامی دی جاتی ہے۔ جس ملک کا سفیر ہوتا ہے، پہلے اسی ملک کا گانا گایا جاتا ہے۔ پھر قومی گیت بجایا جاتا ہے۔ موسیقی سے فارغ ہو کر سفیر اور اس کے ساتھی گاڑیوں پر سے اترتے ہیں۔ زیریں سیزھی پر در فوجی افسر استقبال کرتے ہیں اور سفیر کو مع اس کے ہمراہیوں کے استقبال کے کمرے میں لیجاتے ہیں۔

استقبال کے کمرے میں ایک طرف صدر جمہوریت یا بادشاہ اور ارکان حکومت ہوتے ہیں، دوسری طرف سفیر اور اس کے ساتھی۔ دونوں کے بیچ میں حاجب اور مترجم کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حاجب سفیر کا نام اور لقب بیان کر کے اس کا تعارف کرتا ہے۔ پھر سفیر اپنے کاغذات پیش کرتا اور لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سناتا ہے۔ صدر جمہوریت یا بادشاہ جوابی تقریر کرتا ہے۔ پھر رسمی گفتگو ہوتی ہے۔ طرفین نے آدمیوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا جاتا ہے اور مصافحہ پر تقریب ختم ہو جاتی ہے۔



## سفیرون کا استقبال

کرسکتا تھا۔ اُس مقام پر پہنچ کر سفیر کھڑا رہتا۔ اس کے گرد شاہی حاجب اور مترجم دست بستہ کھڑے ہوتے۔ خلیفہ جب گفتگو کی اجازت دیتا، تو سفیر مجرا ادا کر کے اپنے بادشاہ کا سلام پہنچاتا۔ خلیفہ اُس بادشاہ کے درجہ کے مطابق سلام کا جواب دیتا۔ پھر سفیر اپنی جیب سے بادشاہ کا خط نکال کر اپنی آنکھوں اور سر پر رکھتا اور خلیفہ کے حضور پیش کر دیتا۔ اگر خلیفہ کو اُس بادشاہ کی عزت افزائی منظور ہوتی، تو کھڑے ہو کر اُس کا خط اٹھاتا تھا۔ پھر وزیروں کو خط کے کھولنے اور پڑھنے کا حکم دیتا تھا۔ تھوڑی دیر معمولی سلام کلام کے بعد سفیر کو بیٹھنے کی اجازت ملتی۔ وہ آداب بجا لاکر اپنی جگہ بیٹھ جاتا۔ دربار کے بعد سفیر مہمان خانہ بھیج دیا جاتا تھا۔ نج کی ملاقاتیں بعد میں ہوتی تھیں۔

(فرانس کے شاہی رسوم)

فرانس میں جب شاہی قائم تھی، تو سفیروں سے ملاقات کا طریقہ یہ تھا کہ پیرس میں چند روز قیام کرنے کے بعد وہ وزیر تشریفات سے ملاقات کرتا تھا۔ وزیر اُسے بتاتا تھا کہ بادشاہ کس دن ملاقات کریگا۔ ملاقات سے تین دن پہلے شاندار شاہی گارڈیاں سفیر کی قیام گاہ پر پہنچتی تھیں، اور اُسے مع اُس کے مصاحبوں کے سفیروں کی مہمانی کے خاص محل میں لیجاتی تھیں۔ یہاں وہ بادشاہ کا مہمان ہوتا تھا۔ یہ محل نہایت آراستہ ہوتا تھا اور مہمان کی تواضع میں غیر معمولی فیاضی سے کام لیا جاتا تھا۔ روزانہ دعوتیں ہوتی تھیں، اور سفیر کے خوش کرنے کی پرزہ کوشش کی جاتی تھی۔

سفیر جتنے زیادہ دور ملک کا ہوتا تھا، اُنہی ہی زیادہ اُس کی خاطر مدارات کی جاتی تھیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ ترکی سفیر کے صرف کھانے پر شاہ فرانس روزانہ ۵۰۰ اشرافی خرچ کرتا تھا۔ سنہ ۱۶۹۹ء میں جب سلطنت مراکش کا سفیر آیا، تو بریست کے قیام کے دوران میں ۹۰۰۰ پونڈ، اور پیرس کے قیام میں ۳۱۷۰۰ پونڈ صرف کیے گئے۔ شہر بریست سے پایہ تخت تک سفر میں ۳۸۰۰ پونڈ صرف ہوئے تھے۔ یعنی کل ۴۴۵۰۰ پونڈ یا ۶۶۷۵۰۰ روپیہ خرچ کیے گئے تھے!

اُس زمانہ میں دستور تھا کہ سفیر کے دسترخوان کے تماشہ کیلئے پیرس کے عمائدین بلائے جاتے تھے۔ اُنکی موجودگی میں سفیر کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ بادشاہ سے ملاقات کے دن سفیر ایک دوسرے محل میں منتقل کیا جاتا۔ یہاں کچھ دیر ٹہرنے کے بعد شاہی سواریاں اُسے لینے آتی تھیں، اور اُسکا جلوس دیکھنے کیلئے پیرس کی سڑکوں پر تماشائیں کا ہجوم ہو جاتا تھا۔

روس کے شاہی محل تک پہنچنے میں کامل تین گھنٹے لگتے تھے۔ محل کے پہانک اور بیرونی میدان میں سفیر کو صف بستہ فوجیں نظر آتی تھیں۔ انہی گزر کر وہ سیریلیوں پر چڑھتا ہوا محل

حال میں ایک دلچسپ کتاب جرمنی میں شایع ہوئی ہے: "مذہب وسطی کے شاہی مراسم" اس کے بعض حصوں کا ترجمہ مصری معاصر المقتطف نے شائع کیا ہے۔ ذیل کا ٹکڑا اُسی سے ماخوذ ہے: قدیم زمانہ میں سفراء کے استقبال و ملاقات کے لئے دربار بڑی شان و شوکت سے سجائے جاتے تھے۔ بادشاہ اس بارے میں بہت زیادہ اہتمام کا اظہار کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں اگرچہ وہ پرانی شان و شوکت باقی نہیں رہی، تاہم سفراء کی ملاقات و استقبال کے معین اصول و قواعد موجود ہیں، جن کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ ان اصول و قواعد کو بین الاقوامی زبان میں "پروٹوکول" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(عربی سفرا)

عربی عہد حکومت میں سفراء کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ موجودہ زمانہ کی طرح اُس وقت بھی سفیر در قسم کے ہوتے تھے: عارضی اور دائمی۔ عارضی سفیروں کا کام کسی خاص پیغام کا پہنچانا یا کوئی خاص مہم انجام دینا ہوتا تھا۔ دائمی سفیروں کو تشریف سلطنتوں میں ہمیشہ حاضر رہنا پڑتا تھا۔

صاحب نہایت العرب کی تصریح کے مطابق عربوں نے سفیر کے لیے یہ شرطیں قرار دی تھیں: "خوبصورت ہو۔ اُس کا نام خوشگوار ہو۔ متدین اور پارسا ہو۔ مخلص، امین، اور نیک طینت ہو۔ حاضر جواب ہو۔ معاملہ فہم ہو۔ خوشامد کا عیادی نہ ہو۔ رشوت قبول نہ کرے۔ ڈرپوک نہ ہو..."

عرب خلفاء بیرونی سفیروں کی بڑی خاطر مدارات کرتے تھے۔ فاطمی عہد حکومت میں سفیروں کے قیام کے لیے ایک نہایت ہی شاندار محل مخصوص تھا، اور خلفاء کا حکم تھا کہ اُن کی زیادہ سے زیادہ عزت کی جائے۔

استقبال کا طریقہ یہ تھا کہ اگر سفیر سپہ سالار کی قسم سے ہوتا، تو اُس کے پہنچتے ہی خلیفہ ملاقات کرتا اور پیغام سناتا تھا... اگر فوجی آدمی نہ ہوتا، تو ملاقات سے پہلے تین دن تک مہمان خانہ میں رکھا جاتا تھا۔ اس اثنا میں کوئی شخص بھی اُس سے نہیں مل سکتا تھا۔ چوتھے دن خلیفہ کا دربار آراستہ کیا جاتا۔ جنگی افسر رعب و داب سے صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ بادشاہ اپنی پوری شان و شوکت سے تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوتا۔ ارکان حکومت اپنے اپنے رتبہ کے مطابق بیٹھتے۔ جب سب انتظام مکمل ہو جاتا، تو صاحب اعظم، سفیر کو لیے دربار میں داخل ہوتا۔ جس ہی خلیفہ کا چہرہ دکھائی دیتا، سفیر فرش زمین کو بوسہ دیتا۔ پھر ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ وسط دربار میں پہنچتا، اور وہاں سے مجرا ادا کرنے کے بعد اُس مقام پر پہنچایا جاتا، جہاں خلیفہ سے ہم کلامی

(کیا کھانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی ؟)

علماء کی رائے ہے کہ ویتامین Vitamine ہی دراصل ہماری تمام غذا کا حقیقی جوہر ہے۔ اسی پر زندگی کا دلو و مدار ہے۔ ویتامین کی بہت سی قسمیں قرار دی گئی ہیں، اور ہر قسم کا حرف ابجد پر الگ الگ نام رکھ دیا گیا ہے۔ بعض جرمن علمی رسائل کا بیان ہے کہ ایک جرمن کیمیائی کو ویتامین (الف) کی ایجاد میں کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔

سرافرید موند نے حال میں اس جرمن عالم کی تحقیقات کا معائنہ کیا، اور اپنے خیالات اس بارے میں شائع کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے :

”اگر اس جرمن عالم کا دعویٰ صحیح ہے کہ اس نے ویتامین کیمیائی طریق پر طیار کر لی ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم عنقریب جملہ میوؤں، سبزیوں، ترکاریوں، اور مچھلی کے تیل وغذاؤں سے مستغنی ہو جائیں گے۔ ہماری اقتصادی زندگی میں عظیم انقلاب ہو جائیگا۔ کوئی ملک اپنی غذا میں دوسرے ملک کا محتاج نہیں رہے گا۔ انسان کی غذا، ویتامین کی ٹکیاں ہونگی، اور بہتر سے بہتر خوراک کا کام دینگی۔“

”اتنا ہی نہیں بلکہ پورے عالم تمدن پر اس کا اثر پڑے گا۔ جسم انسانی کی موجودہ ترکیب میں بھی تبدیلی ہو جائیگی۔ اس جدید غذا کے لیے معدے کی ضرورت باقی نہیں رہیگی۔ ایک زمانہ ایسا آجائے گا جب انسان کے جسم سے معدہ بالکل غائب ہو جائیگا۔“

## اطلاع

مولانا ابو الکلام کی علالت

۲۴ ستمبر سے مولانا ابو الکلام کی طبیعت برابر علیل ہے۔ پلے پیری پیری مرض کے اشتداد سے دوران سر کی تکلیف شروع ہوئی۔ پھر سرخ بخار (ڈبٹرو فیور) لاحق ہو گیا۔ جس کی آج کل کلنڈہ میں عام شکایت ہے۔ اب اگرچہ بخار اتر چکا ہے، مگر اس کی وجہ سے بیدار طبیعت کمزور ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ال انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسوں میں بھی وہ حصہ نہ لے سکے، بجز رکننگ کمیٹی کے جلسوں کے جو ان کی علالت کے خیال سے انہی کے مکان میں منعقد ہو رہی ہیں۔

جن حضرات کے خطوط اس دو ہفتہ کے اندر ان کے نام آچکے ہیں، وہ جواب نہ ملنے کی وجہ سے پریشان خاطر ہوئے۔ براہ عنایت چند دن آرر انتظار کریں تاکہ مولانا کی طبیعت بحال ہو جائے، اور وہ بہ اطمینان خطوط کا جواب لکھوا سکیں۔

منیجر

نہ اس وقت سردی ناقابل برداشت ہوگی۔ سردی کا تعلق سورج سے زیادہ ہواؤں سے ہو جائے گا۔ جب قطبی ہوائیں چلیں گی تو سردی بڑھ جائیگی۔ جب خط استوا کی ہوائیں چلیں گی تو گرمی ہو جائیگی۔

ظاہر ہے کہ فضا کی حرارت ہی آبی بخار پیدا کرتی ہے۔ یہ بخار پانی برساتا ہے اور انسان پینے کے لیے پانی پاتا ہے۔ لیکن جب سورج کی حرارت کم ہو جائیگی، تو بخار بننا بھی موقوف ہو جائیگا۔ یعنی بارش بھی نہیں ہوگی۔ جتنا پانی پلے کا جمع ہوگا، وہ بھی بگڑ جائے گا، اور بے شمار نئے نئے امراض پیدا ہو جائیں گے۔

غرض کہ اس وقت زمین پر زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ جب سورج کی آخری شعاعیں بھی ختم ہو جائیں گی تو زندگی بالکل ختم ہو جائیگی۔

(قلب کے متعلق ایک نیا نظریہ)

ڈاکٹر منڈلسن جرمنی کا مشہور محقق ہے اور برلن کی یونیورسٹی میں قلبی امراض کا استاد ہے۔ اس نے حال میں قلب کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ قلب، زندگی برقرار رکھنے کا اصلی آلہ نہیں ہے بلکہ دوسرے درجہ کی چیز ہے۔ زندگی کی اصلی بنیاد، قلب پر نہیں، بلکہ جسم کی ان خلیا پر ہے جو خون جذب کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بہت سے کمزور دل کے آدمی مدتوں تک زندہ رہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا قلب، جسم کے مختلف اجزاء میں پوری طرح خون پہنچا نہیں سکتا۔ نیز ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بہت سے آدمی قلب کی بند بندہ ہوتے ہیں، مردہ سمجھے کر دفن کر دیے جاتے ہیں حالانکہ وہ دراصل زندہ ہوتے ہیں۔ ایسے قعات بکثرت پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر قلب ہی پر زندگی کا دار ہوتا، تو اس کی حرکت بند ہونے کے بعد ہی زندگی بھی ختم ہو جاتی، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

(ایک عجیب مخلوق)

آسٹریا اخباروں نے یہ عجیب خبر شائع کی ہے کہ ابوانی نام ایک گاؤں میں اب سے ۴۹ برس پہلے ایک عورت کے لڑکا پیدا ہوا۔ یہ بندر سے بہت مشابہ تھا۔ والدین نے اس کا نام الکزنڈر رکھا۔ چونکہ اس کی عمر بڑھتی گئی، بندر سے مشابہت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ اب جوان ہونے پر وہ بالکل بندر ہے۔ صرف ضرورت و شکل ہی میں نہیں، حرکات و سکنات و سلیقہ میں بھی بندر ہے۔ وہ آدمیوں کی طرح رہنا پسند نہیں کرتا۔ بھی نہیں سکتا۔ بندر کی طرح چلاتا اور اچھلتا کودتا ہے۔ پہلے ہی اس کے والدین نے اسے ایک آہنی قفس میں قید کر دیا تھا۔ کیونکہ آدمیوں کو تکلیف پہنچانے لگا تھا۔ ایک اتفاق سے چھوٹ گیا اور سرک پر پہنچ گیا۔ لوگ اسے گریلا سمجھ کر ڈر گئے اور بھاگے۔ بڑی مشکل سے اسے قید کیا گیا۔ اب ایک ہنگریں عورت اسے اپنے ساتھ بوداپست لے گئی ہے۔ ڈاکٹر متعجب ہیں کہ کیا رائے قائم کریں؟ وہ آدمی ہے۔ مگر آدمی کے پیت سے بندر کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ یہاں تاں وراثت سے بھی کوئی بحث نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اوزیوں کے متبعین بھی یہ نہیں کہتے کہ انسان بندر سے پیدا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بندر اور انسان ایک ہی مورت کی اولاد ہیں۔



نظام شمسی کے جملہ کواکب، بالکل تاریک ہو جائیں گے۔ غذائی مادے کم ہو کر بالکل ناپید ہو جائیں گے۔ مہلک وبائیں پھیل جائیں گی۔ انسان، حیوان، نباتات، کوئی ذی روح، بھی باقی نہیں رہیگا۔ کیونکہ زمین، زندگی پیدا کرنے، اور قائم رکھنے کی صلاحیت سے قطعی طور پر محروم ہو جائیگی!

علماء کے خیال میں یہ نتیجہ لازمی ہے۔ دنیا کی بربادی اسی طور پر واقع ہوگی۔ لیکن یہ بربادی کب ہوگی؟ کیا ہم یا ہماری قریبی نسلیں یہ ہولناک نتیجہ دیکھ سکیں گی؟

نہیں۔ علماء نے آفتاب کی حرارت اور روشنی کا حساب لگا کر بتایا ہے کہ ابھی آفتاب میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ کم سے کم ۱۰۰۰۰۰۰۰ سال تک نظام شمسی کو زندہ رکھ سکتی ہے!

لیکن آفتاب اچانک نہیں بجھ جائیگا۔ بتدریج بجھے گا۔ کیونکہ وہ بتدریج اپنی قوت حرارت کھو رہا ہے۔ اس وقت آفتاب کی حرارت، دھڑنیت کے مقیاس کے حساب سے دس ہزار درجہ ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ جب یہ حرارت نو ہزار درجے پر آ جائے گی، تو کرہ ارضی کے خط استوا پر حرارت، صفر کے نیچے گر جائیگی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کوئی انسان بھی خط عرضی کے درجہ ۶۰ سے اوپر زندہ نہیں رہ سکے گا، (بجز سکندریا کے جہاں سمندر کا وہ دھارا موجود ہے جسے ”خلیج کا دھارا“ کہتے ہیں اور جو اتنی حرارت باقی رکھے گا کہ زندگی برقرار رہے) (الا یہ کہ جنوب سے غذا مہیا کرنے کا اس کے پاس سامان موجود ہو۔

علماء کا خیال ہے کہ جب آفتاب کی حرارت نو ہزار درجے پر آجائیگی، تو تمام انسان سمت کر خط استوا کے گرد جمع ہو جائیں گے۔

انہیں سب سے بڑی فکر غذا حاصل کرنے کی ہوگی۔ اُس وقت سخت جنگیں برپا ہوں گی۔ کیونکہ آدمی زیادہ ہونے اور غذا کم ہوگی۔ طاقتور، کمزوروں کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ تنازع البقاء اور بقاء اصلح کا قانون پوری بے دہی سے نافذ رہے گا۔ طاقتوروں کو بھی اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ کیونکہ سرچ برابر تھندا ہوتا رہے گا۔ غذا کم ہوتی جائیگی، اور زندگی کے لیے انسانوں میں برابر جنگ جاری رہے گی!

حرارت کے ساتھ آفتاب کی روشنی بھی لازمی طور کم ہوتی جائے گی۔ بتدریج آسمان کا نیلا رنگ بدل کر تیز زرد ہو جائے گا۔ اور رنگ بھی زرد ہو جائے گا۔ آفتاب کی شعاعیں حسب ذیل سے زائل ہو جائیں گی:

- (۱) مارا بنفشی شعاعیں
- (۲) بنفشی شعاعیں
- (۳) نیلی شعاعیں
- (۴) ارڈی شعاعیں
- (۵) سبز شعاعیں
- (۶) زرد شعاعیں
- (۷) نارنجی شعاعیں
- (۸) سرخ شعاعیں

جب آفتاب کا نور بہت کم ہو جائے گا، تو اس کی شعاعیں سرخ ہو جائیں گی۔ پہاڑوں پر جمی ہوئی تمام برف، اس یا زرد دکھائی دے گی!

طاری ہونے کے بعد سینہ چیر ڈالتے ہیں اور خاص طریقوں سے دل کو ملتا دیکر دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں دوران خون شروع ہو جاتا ہے۔ دل ہلنے لگتا ہے، اور دل کی حرکت کے ساتھ ہی تمام جسم میں زندگی واپس آ جاتی ہے۔ حال ہی کا واقعہ ہے کہ لندن کے خانہ سینٹ تھامس میں ایک عورت مسز اڈیلڈ ایک خطرناک جراحی میں فوت ہو گئی۔ ڈاکٹر نے فوراً اس کا سینہ کھول کر دالا اور دل کی مالش شروع کر دی۔ پندرہ منٹ بعد بالکل زندہ ہو گئی تھی۔ البتہ وہ بیہوش رہی، اور تیس گھنٹے بعد قلب کی وجہ سے پھر مر گئی۔

اس سے بھی زیادہ عجیب تجربہ علماء نے یہ کر دکھایا ہے کہ دوسروں نے سرکٹ کر ایک دوسرے کے جسم میں لگا دیے ہیں اور وہ زندہ رہے ہیں! چنانچہ پچھلے دنوں لندن میں علماء کے ایک جم غفیر نے ایک ڈاکٹر نے بہت سے جھینگروں کے سرکٹ دیے۔ پھر سردوسرے میں جوڑ دیا۔ حاضرین یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہے کہ چند لمحے بعد تمام جھینگر اپنے نئے سرور کے ساتھ کودنے لگے۔ تجربہ نہیں پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ کچھ مدت بعد جھینگروں میں جنسی تبدیلی بھی ظاہر ہوئی۔ یعنی جن میں مادہ کے سر لگائے گئے تھے، وہ مادہ ہو گئے، اور نر سر والے نر بن گئے!

یہ شعبہ نہ تھا۔ ایک علمی تجربہ تھا۔ علماء کی نظر میں اس تجربے کی بہت اہمیت ہے۔ کیونکہ اُن کے خیال میں یہ تجربہ حسب مرضی نسل پیدا کرنے کا دروازہ کھول دے گا۔ انسان اپنی پسند کے مطابق نر یا مادہ اولاد پیدا کر سکے گا۔

اسی سلسلہ میں یہ علمی تحقیق بھی قابل ذکر ہے کہ علماء نے تجربے سے معلوم کر لیا ہے کہ اگر مچھر کی پرورش سرد مقام میں کی جائے اور غذا کم دی جائے، تو اس کی نسل عموماً نر پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے گرم جگہ میں رکھنے اور زیادہ خوراک دینے سے اولاد زیادہ تر مادہ پیدا ہوتی ہے۔ اس تجربے کی بنا پر انسانی مردم شماری کی تحقیقات کی گئی، تو معلوم ہوا عام مصائب خصوصاً جنگ کے زمانوں میں مرد زیادہ پیدا ہوتے ہیں، اور امن و راحت کے دوران میں عورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔

آج کل علم وراثت کے ماہر نہایت کوشش کر رہے ہیں کہ مادی و دماغی، ہر اعتبار سے انسان کی آئندہ نسل میں زیادہ ترقی یافتہ پیدا کریں۔ ڈاکٹر شٹناخ اور ورنر فون وغیرہ علماء کی کوششوں سے یہ امید پیدا ہو گئی ہے کہ اس مقصد میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ ان ڈاکٹروں کا دعویٰ ہے کہ اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہی انسانی عمر کا اوسط، سو برس ہو جائیگا۔ اور پھر بہت جلد یہ صورت پیدا ہو جائیگی کہ انسان دینہ سو بلکہ دو سو برس تک کی عمر حاصل کر سکے گا۔

لیکن ان تمام حیرت انگیز کامیابیوں کے باوجود علم معترف ہے کہ وہ ابھی تک اپنے عہد طفولیت ہی میں ہے، اور قدرت الہی انسان کو جسقدر دولت علم بخشنا چاہتی ہے، ابھی اس کا سہرا حصہ بھی انسان نے حاصل نہیں کیا ہے!

(جب سورج بجھ جائیگا؟)

بالاتفاق تمام علماء فلک کا فیصلہ ہے کہ سورج کا حجم کم ہو رہا ہے، کیونکہ اس کی حرارت میں لگا تار کمی واقع ہو رہی ہے۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب اس کی حرارت بالکل ختم ہو جائیگی۔ وہ بجھ جائیگا۔ بالکل تھندا پڑ جائیگا۔ اس وقت ہمارا یہ کرہ زمین اور



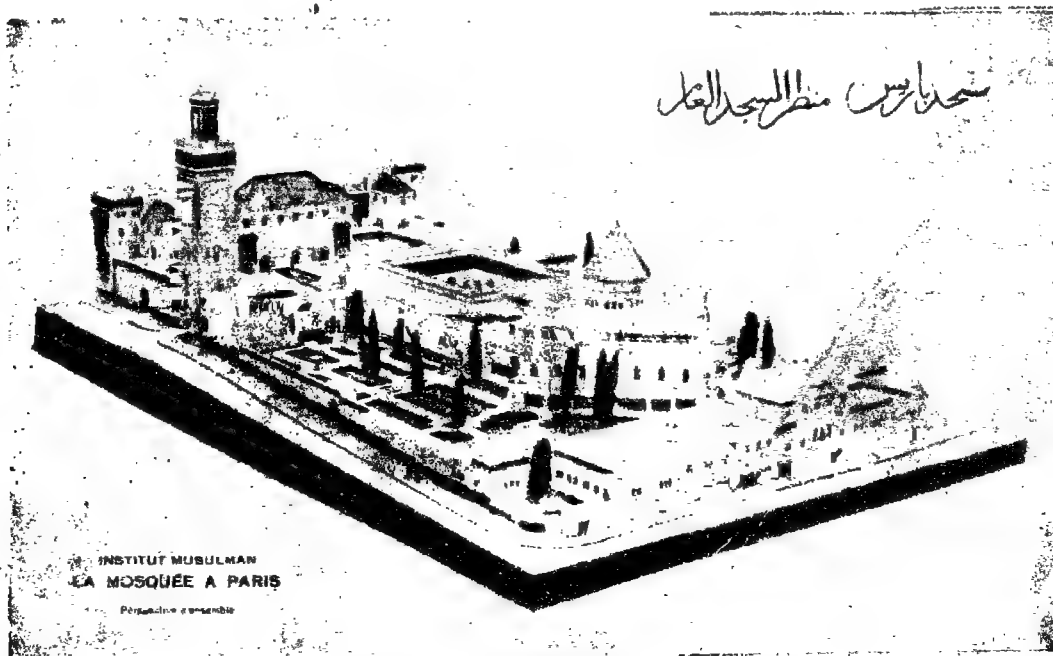
## ایک فراموش شدہ عظمت

جو تذکرہ زیادہ آری کی مستحق ہے



امیر محمد بن عبد الکرم

جنگی نسبت یورپ کی تازہ آگ میں بعض نئی تفصیلات آئی ہیں - معلوم ہوا ہے کہ فرانس کے ایک دارالاشاعت نے انس فومایش کی تھی کہ وہ خود اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری قلمبند کر دیں - شیخ نے یہ درخواست منظور کر لی اور اب وہ بہ یک وقت فرانسیسی اور عربی دونوں زبانوں میں اپنے حالات قلمبند کر رہے ہیں -



سیدنا حسن منظر المسجد العظمیٰ

مسجد اور عربی چمنستان کا مصور نمونہ جسکی تکمیل پہلے اسر ہفتہ سلطان مصر نے ایک لاکھ فرانک دیا ہے







لیکن سلطنت کی حفاظت کے لئے یہ

(1)

سلطان مراد کی بیماری  
سلطان مراد کی تخت نشینی ایک عظیم الشان موقع کے سامنے  
میں آئی تھی۔ آج کل کے اُنھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجمعِ انور

”مجمع، از حد جوش و خروش میں تھا۔ بڑی ہی بے رحمی سے مراد آفندی کا اہتمام کر رہا تھا۔ اچانک دلی عہد کی سواراؤ نمودا ہوئی۔ حسین جوئی پاشا اُن کے ساتھ بیٹھے تھے۔ تمام مجمع نے نئے سلطان کے ہاتھ پر رعیت کی ادائوں کی تخت نشینی کا اعلان ہو گیا۔ اسی وقت سلطنت کے تمام صوبوں اور یورپ کی تمام حکومتوں کو ہمارے ذریعہ اس غزل و تخت نشینی کا مجمع دی گئی۔ دارالخلافت میں جشن شروع ہو گیا۔ اُن کے بعد ہونے لگے۔ اجنبی جہازوں نے بھی اپنے علم اُن کے لیے بھیج دیے۔ سفارت خانہ نے مظاہر جشن میں کوئی حصہ نہ لیا۔ یہ سب عالمِ مذہب میں ہا۔

## حرار اسلام

### ادار اہل عہد اموی کی اسلامی ہدیت

#### ایک بڑھیا خلیفہ کے دربار میں

#### سودہ بنت عمارہ

”علی علیہ السلام کی محبت اور اتباع حق کی وجہ سے“ سودہ کا جواب تھا۔

”لیکن علیؑ نے تمہیں کیا بدل دیا؟“ امیر نے پھر سوال کیا۔  
”پچھلی باتوں کے تذکرہ سے کیا فائدہ؟“ سودہ نے جواب دیا۔  
”جہاں بات“ امیر معاذیہ نے کہا ”تمہارے بھائی کا معاملہ بھلا نہیں جاسکتا۔ مجھے کسی سے بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی تمہارے بھائی اور تمہاری قوم سے پہنچی ہو“

”سچ ہو“ سودہ نے جرات سے کہا ”میرا بھائی حقیقہً آدمی نہ تھا کہ بھلا دیا جاسکے۔ والدہ دے دیا تھا جیسا خنساء نے اپنے بھائی محمد کے بارے میں کہا ہو“

”ان مخراتہ الملاء بہ“ کا نہ علم ہی رہا سنا رہا  
مغزوہ جو جس کی پیروی بہر کرتے ہیں۔ گویا پاپا جو جس کی چوٹی پر  
آگ روشن ہو!

”سچ ہو۔ تیرا بھائی ایسا ہی تھا“ امیر نے تصدیق کی۔ ”اچھا، کہ میرے پاس کیوں آئیں؟“

”تم اب آدمیوں کے سردار اور ان کے معاملات انجام دینے والے بن گئے ہو“ سودہ نے کہا ”خدا تم سے ہماری بابت اور ہمارے حقوق کی بابت سوال کرے گا۔ تمہاری طرف سے ہمارے یہاں ایسے حکام آتے رہتے ہیں، جو تمہاری شوکت پر گھنڈ کرتے، اور تمہاری قوت و جباری کرتے ہیں۔ یہ ہمیں اس طرح کاٹ رہے ہیں، جس طرح کھیتی کاٹی جاتی ہو، یہ ہمیں ذلیل کرتے ہیں۔ ہم سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ تمہارا دل بے سن اسطرح تمہاری طرف سے آیا اور میرے آدمی ماڈالے، میرا مال چھین لیا، اور مجھے ایسا ہی بات کہنے پر مجبور کرنا چاہا جو میرے منہ سے نکلتا ناممکن ہو (یعنی حضرت علیؑ علیہ السلام سے اظہارِ بیزاری) اگر اطاعت واجب ہوئی تو ہمارے اندر بھی قوت و استعداد تھی۔ بہر حال اُسے مغزول کر دیا اور ہمارے شکوے کے سخی بنوا، ورنہ پھر ہم تمہیں دکھا دیتے“

ہر کھلم کھلا ہوتا ہوا امیر نے کہا ”میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارا بے سن اسطرح کے پاس مجھوں کو تاکہ جو سزا

دکھائے۔ پھر اٹھایا اور یہ شہر چھوڑ دیا۔

سودہ بنت عمارہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے جاں نثاروں میں تھی جنگ صفین میں اُس کے پرورش خطیبوں اور مجاہدین نے شایلوں پر عرصہ کارزار تک کر دیا تھا۔ اُس کے بھائی نے نہایت پامردی سے شامی شجاعوں کو شکست دی تھی۔

جب امیر معاویہؓ تختِ سلطنت پر تھیں ہو گئے تو ایک دن اپنے قریبی ایک شخص کے لئے کہ دربار میں پہنچی جو گفتگو اس میں اور امیر معاویہؓ کے اصرارِ اسلام کے اور ان کے محفوظ کر لی ہو۔ یہ وہ وقت تھا کہ خلافت راشدہ کا دورِ حریت ختم ہو چکا تھا، اور امیر معاویہؓ کی شہنشاہیت کے جاہ و جلال سے تختِ خلافت کو روشناس ہونے لگے۔ پھر بھی اسلام کی پیدا کی ہوئی روحِ حریت کا یہ حال تھا کہ اس کی ایک معمولی بڑھیا عورت دربارِ شاہی میں آتی تھی، اور اس کی جھجکے کے تحت سے سخت مخالفانہ خیالات ظاہر کر دیتی تھی! امیر معاویہؓ نے اس سے سخت مخالفت کی اور اس کی میری جماعت کے خلاف اس کی جوش و خروش سے یہ اشعار سن رہی تھیں؟

”تم کفعل ابیک یا ابن عمارۃ“ ”یوم الطعان و لقی اللاتران“

”یوم الطعان و لقی اللاتران“ ”یوم الطعان و لقی اللاتران“

”یوم الطعان و لقی اللاتران“ ”یوم الطعان و لقی اللاتران“

”یوم الطعان و لقی اللاتران“ ”یوم الطعان و لقی اللاتران“

”یوم الطعان و لقی اللاتران“ ”یوم الطعان و لقی اللاتران“

”یوم الطعان و لقی اللاتران“ ”یوم الطعان و لقی اللاتران“

”یوم الطعان و لقی اللاتران“ ”یوم الطعان و لقی اللاتران“

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قرآن فصیح و بلیغ“  
خدا کی رحمت اس جسم پر، جسے قرآن چھپا لیا ہو، اور بھلا  
درون پڑا ہو۔

قد صالحت الحق لایسبخی بدلا فصا بالحق والایمان مقدونا۔  
وہ ہمیشہ حق کے ساتھ تھا، اُسے کبھی نہیں چھوڑتا تھا۔ اُس کا نام  
حق و ایمان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے چھپ گیا ہو۔  
”یہ کون ہو؟“ امیر نے انجان بن کر سوال کیا۔  
”علی بن ابی طالب علیہ السلام“ سودہ کا جرات منہ جواب تھا۔  
”اُسے تیرے ساتھ کیا کیا کہ تیری نظریہ لیا بن گیا؟“ امیر  
نے پوچھا۔

”اُنھوں نے ہم سے صدقہ وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر  
کیا تھا“ سودہ نے کہا ”میرے اور اس شخص کے درمیان جھگڑا ہو  
گیا۔ میں اُس کی شکایت لے کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئی  
آپ اُس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی نماز  
چھوڑ دی، اور بڑے ہی لطف اور نرمی سے میرا حال  
تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ سنتے ہی رونے لگے۔ پھر آواز  
اٹھا ”اٹھ کر فرما“ ”خدا! تو مجھ پر اور میرے حال پر گواہ ہو۔ میں نے  
اُنھیں تیری مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا“ اس کے بعد اسی جیب  
سے ایک کھال کا ٹکڑا نکالا اور اُس پر لکھا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تذا جاور تکرم سیتہ من دیکم فادخوا  
الکلیل والمیزان بالقسط ولا تجسوا الناس اشیائهم ولا تقشروا  
الاداس معضدین بقیۃ اللہ الخیر لکم ان کنتم مؤمنین، وما انا علیکم  
بحفیظ۔ اذا حق کتابی فاحفظ بما فی یدیک من مملکتی حتی یقتر  
علیک من یتقبضہ منک، والسلام“

(تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دو شے آچکی ہیں۔  
ہذا آپ تول ٹھیک ٹھیک کر دو۔ لوگوں کا حق نہ مارو۔ زمین میں مٹا  
برپا نہ کرو۔ اللہ کا بقیہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہو۔ میں تم پر  
ہوں۔ میری یہ تحریر پڑھنے کے بعد جو کچھ چاہو اسے لے لو۔ ہمارا کام  
محفوظ رکھو۔ یہاں تک کہ وہ شخص پہنچ جائے جو تم سے ہمہ دست  
کرے۔ یعنی اُس حکام کو مغزول کر دیا۔)

”میں نے امیر المؤمنین کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ والد امیر معاویہؓ  
نے نہ تو کوئی ٹھکر لگائی؟ اُسے بند ہی کیا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے  
اُسے حرفِ حریت پڑھ لیا۔“

”ابن ابی طالب نے تمہیں حکام پر جبری بنا دیا ہو“ امیر معاویہؓ  
کہا ”بہت دیر میں یہ جرات تم سے دور ہو گئی“  
پھر حکم دیا کہ سودہ کا مال واپس کر دیا جائے اور اُس سے اچھا  
برتاؤ کیا جائے۔

”یہ حکم میرے لئے خاص ہو یا میری پوری قوم کے لئے؟“ امیر معاویہؓ  
نے سوال کیا۔

”مجھے دوسروں سے کیا سروکار؟“ امیر معاویہؓ نے کہا۔  
”تو والدہ کیسے لگتی اور بدکاری ہو؟“ سودہ نے کہا ”اگر عدلِ عام  
نہیں تو میں اُسے نہیں قبول کرتی“

مجھ کو امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ اُس کے لئے قبیلے کی بابت  
فرمان لکھ دیا جائے۔ (عقد الغزوہ و بلاغات النساء)



شاہی گورنری  
دہلی میں شاہی گورنری کا قیام کیا گیا۔ اس کا مقصد دہلی کے امور کو سنبھالنا تھا۔ شاہی گورنر کے پاس ایک کونسل تھی جس میں شاہی افسران شامل تھے۔ شاہی گورنر کے پاس ایک کونسل تھی جس میں شاہی افسران شامل تھے۔

## برید شرق

## مکتوب حجاز

(السلام کے مقالہ نگار حجاز کے قلم سے)

### جدید اصلاحات

گزشتہ ہفتہ معاہدہ جہ پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس ہفتہ ان جدید اصلاحات پر مفصل بحث کرنے کا ارادہ تھا جو حجاز میں شروع ہو چکی ہیں۔ مگر جب لکھنے بیٹھا تو معلوم ہوا ایک مضمون میں بحث نہیں ہو سکتی، کیونکہ اصلاحات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ مجبوراً نہایت مختصر اشاروں پر اکتفا کر دوں گا۔

آپ کے قارئین واقف ہیں کہ پچھلے دنوں سلطان ابن سعود انتظامات کی تکمیل کے لئے جدو جہد کر رہے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں بعض بد نظمیوں کا رونا ہو گیا تھا۔ یہ بد نظمی ایک حد تک قدرتی تھی کیونکہ موجودہ حکومت کی عمر ابھی بہت کم ہے اور صدیوں کے اختلال و فساد کے بعد حجاز میں بہت ہی زیادہ برباد و بیدار حکومت کی ضرورت ہے۔ باشندوں کے مزاج بگڑے

### مدحت پاشا کے خلاف مقدمہ

اس مقصد کے لئے سلطان عبدالعزیز نے مرحوم عبدالغفری کی خودکشی کو اکڑا کر بنایا۔ عبدالغفری کی وفات ایک سادہ اور قتل کا نتیجہ قرار دی گئی۔ ایک برس تک خفیہ طیاریاں ہوتی رہیں۔ پھر اجاںک داؤد محمود جلال الدین پاشا، رشیدی پاشا، سردار عسکری پاشا، ردیف پاشا، ادریش الاسلام خیر الدین آفندی جلاوطن کر دیئے گئے۔ وجہ بتائی گئی کہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ انہی لوگوں نے سلطان عبدالغفری کو قتل کیا ہے۔ مگر وہ تحقیقات آج تک شائع نہیں کی گئی۔

اس آئین میں بعض دقتیں بھی لگے ہیں کہ عنقریب تم بھی گرفتار ہونے والے ہو۔ فوراً بھاگ جاؤ۔ نیز میرے ایک یوہن دت نے آکر کہا میں ایک بہانہ خاص تھا کہ لٹا لٹا ہوں۔ فوراً پوپیلے جاؤ۔ دزد گرفتار ہو جاؤ گے۔ مگر میں نے قطعی انکار کر دیا میں نے کہا سلطان عبدالغفری نے خودکشی کی ہے۔ نہ میں نے اور نہ کسی نے انہیں قتل کیا ہے۔ جب میں مجرم ہی نہیں ہوں تو کیوں بھاگوں اور دشمنوں کو قہر لگانے کا موقعہ دوں؟ میں نے ہم پرسلطنت کی خدمت کی ہے۔ اب آخری وقت میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ میں نے یہ کہا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ سلطان میرے خون کے لیے ہیں جو ہیں اس لیے جلد سے بھاگ کر دینا چاہتے ہیں۔ مجھے ہر روز اپنی گرفتاری کا انتظار ہوتا تھا۔ چنانچہ ہر رات کو جب میں سمرقند کے دارالحکومت میں اپنے خاندان کے ساتھ سو رہا تھا، اسی رات کے وقت سلطان نے اپنے آپ کو قتل کر لیا۔ اس کے بعد قید کر کے آستانہ مسجد بنا لیا۔

### شاہی گورنری

دہلی میں شاہی گورنری کا قیام کیا گیا۔ اس کا مقصد دہلی کے امور کو سنبھالنا تھا۔ شاہی گورنر کے پاس ایک کونسل تھی جس میں شاہی افسران شامل تھے۔ شاہی گورنر کے پاس ایک کونسل تھی جس میں شاہی افسران شامل تھے۔

شاہی گورنری کے قیام کے بعد میں نے دوسری اصلاحات شروع کیں۔ گوجرانیکوٹ میں میرے خلاف ازسرنو سازشوں کا ٹھوس ہوا سلطان نے وہاں محمود پاشا اور رشیدی پاشا کو جلاوطن کر دیا جو سب سے پہلے میں میرے ہم خیال تھے۔ اور محمود بنیم پاشا اور رشیدی پاشا کو جلاوطن کر دیا۔ اور اصلاحات پند جاعت کے تحت دینے کی بند کر دی۔ دستور اساسی منسوخ کر دیا۔ پھر خود میرے خلاف اخبارات نے لکھا شروع کیا کہ میں شام میں بغداد کی طیارہ پر بارشیں غریب اپنی بادشاہی کا اعلان کر دوں گا۔

میں نے ان پر واپس کر دیا، لیکن شام میں میری اصلاحات کی مخالفت سے ہونے لگی۔ اب میں نے دیکھا کہ استعفا پیش کر دینے کا چارہ نہیں۔ چنانچہ اپنی پری اور ضعف کی بنا پر استعفا پیش کر دی۔ لیکن سلطان نے اسے منظور کیا۔ لیکن حکومت کی طرف سے مجھے علم ہونے نہیں آیا۔ شام سے تھری کی گورنری پر مقرر کیا گیا۔

### سمرقند میں اصلاحات دہلی

اس وقت سمرقند میں حالات نہایت زلزلہ تھے۔ کوئی انتظام نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ مار اور بے امنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے ازسرنو حکومت قائم کی۔ دسے جاری کئے۔ مقررین بنائیں۔ ٹرم جاری کی مگر دارالخلافہ میں میرے خلاف برادر سازشیں جاری تھیں۔ محمود بنیم پاشا برسر اقتدار تھا اور دوس کے اشاروں پر کام کر رہا تھا۔

اب سلطان عبدالحمید بالکل کھلی کھلتا چاہتے تھے جن میں لوگوں سے انہیں مخالفت کا ذرا بھی اندیشہ تھا، سب کو بائیں تھوڑے۔ سر جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ مگر سمرقند میں وہ مطمئن نہ تھے۔ اس آئین میں مغربی سلطان مراد کا جنون دور ہو چکا تھا۔ سلطان عبدالحمید کو اندیشہ پیدا ہوا، مبادا انہیں دوبارہ تخت نشین کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے تمام اصلاحات پسندوں کا قتل کر دینا چاہا۔

ہوئے ہیں۔ ذرا سی غفلت میں بے لگام ہوتے ہیں۔

مجلس تفتیش  
سلطان نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً ان کے بستہ ہو گئے۔ انہوں نے ایک مجلس تفتیشی (مجلس تفتیش) سے قائم کر دی۔ اس مجلس کی طرف میں نے کہہ دیا کہ چکا ہوں۔ اس مجلس کا کام یہ ہے کہ حکومت کے تمام افعال پر نال کے اصلاح کی تجویزیں سلطان کے سامنے پیش کر دے۔ بلکہ ان تمام تدبیروں پر بھی غور کرے جو حکومت کو خرابی کا موجب بن سکتی ہیں۔ سلطان نے اس مجلس کو جو کچھ حکمت کے ساتھ سلطان نے اسے

(۱) تعلیم۔ مجلس نے فیصلہ کیا کہ وہ تعلیم کی طرح حجاز میں بھی تعلیم تین درجوں پر تقسیم کر دی جائے۔ اعلیٰ۔ تمام تعلیم گاہوں کے لئے عام اس سے کہ سرکاری، ایک ہی نصاب اور دستور العمل بنایا جائے۔ تصنیف یا ترجمہ کی جائیں اور ان میں ملک کی اہم جگہ۔ ۲۲ ارکان پر مشتمل ایک مجلس مجلس معاہدہ کی جائے اور پورا محکمہ تعلیم اس کے سپرد کر دیا جائے۔ (۲) مجلس تفتیش نے فیصلہ کیا کہ عدالتوں کا کام اس میں تبدیلی کی جائے۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ عدالتوں میں ایک نہیں ہو سکتا تھا۔ دوا خواہوں کو سب سے بڑی تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ باشندے اپنا نقصان عدالتوں کے ساتھ کر رہے تھے۔

ہو جائے۔ عدالت کے سامنے ہر شخص کو جائیں۔ ان پر باضابطہ نگرانی قائم کی جائے۔ کو ان کی دیانت پر غور باقی نہ ہو۔ چھوٹی قائم کی جائیں۔ ان کا کام یہ ہو کہ عدالتی مقدمہ کر دیا کریں۔

(۳) ملک میں حفظان صحت کا انتظام کل کھولے جائیں۔ شہر کی آلودگی ہٹائیں۔ حاصل کی جائیں۔ (۴) اداک اور پولیس کے حکام میں اصلاح



ر پ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھر آگے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو  
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

**J. & E. Bumpus Limited,**  
**350, Oxford Street,**  
**LONDON, W. 1.**

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُن کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے اور  
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یونانی زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے پاس

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے



ان تمام اصحاب کے لئے  
جو

قیمتی تمدن کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں  
دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

۵۶

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پڑائے ہوئے  
اور نقوش، پڑائے ہوئے آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پڑائے ہوئے  
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش  
کا ہول اور ذخیرہ خانہ کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے پہلا  
ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام جہتوں سے غیر معمولی مصارف و سوائے کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران  
ترکستان، چین، وغیرہ ملک میں ہلکے اینٹ پریشہ گزشتہ کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتی حجب انگیزہ مذکورہ انڈیا میں!

بر عظمیٰ یورپ، ایرک

اور

مشرق

کرتا ہے، جو پہلے کتب خانے،  
ہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان

اگر آپ کے پاس

آپ خودت کرنے کے لئے جو  
مکمل ہو کہ ہمارا سفر

میں اس کے لئے جو  
مکمل ہو کہ ہمارا سفر

میں اس کے لئے جو  
مکمل ہو کہ ہمارا سفر

میں اس کے لئے جو  
مکمل ہو کہ ہمارا سفر

میں اس کے لئے جو  
مکمل ہو کہ ہمارا سفر



ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلعی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویروں، پُرانے  
کے اور نقوش، پُرانے زوہر، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے  
صنعتی عجائب و نوادہ، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ ہم آپ کو  
مائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوائیں گے۔ اہل علم اور اہل فن کے لئے، دونوں  
کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نواد عالم کا ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے  
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،  
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

بزرگ عظیم یورپ امریکہ

اور

مشرق

کے تمام طے طے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل کرتے رہتے  
ہیں۔ تاہم کے لئے الیوان شاہی کے نوادہ ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادہ موجود ہے

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت  
ممکن ہو کہ ہمارا سفر یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔